باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

احکام ومسائل

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 29 ویں فقہی سمینار مؤرخہ 1 تا 2 / اکتوبر 2021ء منعقدہ ''المعہد العالی الاسلامی'' (حیدر آباد) میں پیش کئے جانے والے علمی وتحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : باغات میں پھلوں کی خرید و فروخت - احکام و مسائل
مرتب : مولانا صفدر زبیر ندوی
صفحات: ۷۷۰
سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۲۳ء

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:9746
جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
ای میل:fiqhacademyindia@gmail.com
فون:011 - 26981779,26987492

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا بدر الحسن قاسمی

۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۴- مولانا عتیق احمد بستوی

۵- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست کتب

	پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

پہلا باب-تمہیدی امور

۱-	اکیڈمی کے فیصلے		۱۳
۲-	سوالنامہ		۱۵
۳-	تلخیص مقالات	ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی	۱۷
۴-	عرض مسئلہ	مولانا خالد نیموی	۹۹
		مولانا عبدالرشید قاسمی	۱۱۱

دوسرا باب-تفصیلی مقالات

۱-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۱۲۹
۲-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۱۴۱
۳-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی	۱۵۸
۴-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی	۱۷۷
۵-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد عثمان بستوی	۲۰۱
۶-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی عبدالرشید قاسمی	۲۱۴
۷-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت-مسائل واحکام	مولانا محمد حذیفہ داحودی	۲۳۷
۸-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی نذر توحید المظاہری	۲۷۱
۹-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل	مولانا روح اللہ قاسمی	۲۸۴
۱۰-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عمر بن یوسف کوکنی	۳۲۶
۱۱-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد الیاس قاسمی	۳۴۴
۱۲-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد اسعد پالن پوری فلاحی	۳۷۸
۱۳-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت سے متعلق جدید مسائل	مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۴۰۸
۱۴-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد عباس یوسف سعادتی	۴۳۳
۱۵-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد صابر حسین ندوی	۴۵۳
۱۶-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد زید مظاہری ندوی	۴۸۱

۱۷-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد شاکر مدنی	۵۳۳
۱۸-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عباداللہ قاسمی مظفر پوری	۵۴۶
۱۹-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی	۵۶۲
۲۰-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد سلطان کشمیری	۵۸۷
۲۱-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا ابراہیم بن سلیمان ہانسلوڈ فلاحی	۵۹۸
۲۲-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی محمد نصر اللہ ندوی	۶۱۱
۲۳-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عبدالتواب اناوی	۶۲۱
۲۴-	باغات میں پھلوں کی تجارت	مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی	۶۳۷
۲۵-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد یاسر قاسمی	۶۴۹
۲۶-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا طاہر حسین قاسمی	۶۶۲

تیسرا باب- مختصر تحریریں

۱-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۶۷۷
۲-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عبدالحی مفتاحی	۶۸۳
۳-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی	۶۸۹
۴-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا محمد ادریس فلاحی	۶۹۹
۵-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی	۷۰۸
۶-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی ضیاء الحق قاسمی	۷۱۵
۷-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا صدر عالم قاسمی	۷۲۳
۸-	باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا عبدالحلیم اعظمی	۷۳۰
۹-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی عطاء اللہ شاہ بخاری	۷۳۶
۱۰-	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت	مفتی سیف الاسلام اصلاحی	۷۴۳
۱۱-	باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت	مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی	۷۴۸

چوتھا باب- اختتامی امور

مناقشہ	۷۵۷

☆☆☆

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان اور جن کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا، اس کی کمال مہربانی ہے کہ اس نے انسانوں کی تمام ضروریات کا انسان کے وجود میں آنے سے قبل انتظام کر دیا تھا، ان میں سے ایک اہم ضرورت پانی اور کھانے کی تھی تو دنیا کا دوتہائی حصہ پانی پر مشتمل بنایا، برف کی صورت میں پانی کا ذخیرہ فرمایا، پھر ندی، نالے اور دریا کی شکل میں مزید میٹھا پانی زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے رکھ دیا، اسی طرح انسان کی غذائی ضروریات کی تکمیل کیلئے زمین میں ساری صلاحیتیں رکھ دیں، نہ جانے کتنے ہزار، لاکھ سال سے انسان زمین سے اناج، پھول، پھل اگا رہا ہے، انسان اور جانور کھا رہے ہیں لیکن اس کی زرخیزی میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، یہ اور بات ہے کہ انسان ترقی کے نام پر خود ہی پانی کے ذخیرہ کو زہریلا بنا رہا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی حرص میں مٹی کو بانجھ اور بیکار کرتا چلا جاتا ہے؛ بلکہ ہم نے پانی وزمین کے ساتھ ساتھ فضا وخلا کو بھی آلودہ کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، **ظھر الفساد فی البر والبحر الخ۔**

انسانی غذاؤں میں پھلوں کی خاص اہمیت ہے، اس میں اہم غذائی عناصر اور اجزاء ہوتے ہیں، بطور خاص اس میں انسانی جسم کو جلد طاقت پہنچانے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں پھلوں سے خاص رغبت رکھی گئی ہے، پھلوں کی کاشت اور باغات کا قدیم زمانے سے رواج رہا ہے، لین دین کے طریقے بھلے ہی ہر عہد میں بدلتے رہے ہوں؛ لیکن پھلوں سے رغبت انسانوں اور جانوروں کو ہمیشہ رہی ہے۔

اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی ہے اور افراط وتفرط سے پاک اور ظلم وزیادتی سے مبرا راہ عمل کی نشاندہی کی ہے، اسلام کا اصول یہ ہے کہ کسی بھی فریق پر ظلم وزیادتی نہ ہو، خریدنے والے پر اور نہ بیچنے والے پر، ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی ایک فریق کی مجبوری کی وجہ سے دوسرا فریق فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، کبھی طاقتور فریق اپنی طاقت اور فریق مخالف کی کمزوری کو جان کر اس کو قانون اور رواج کی شکل دے دیتا ہے، اسلام ایسے تمام رسوم ورواج اور قوانین کے خلاف ہے جس میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہو۔

اس میں ایک اہم شعبہ لین دین اور معاملات کا بھی ہے اور معاملات کے باب میں پھلوں کی خرید وفروخت ایک اہم معاملہ ہے، پھلوں کے ساتھ ایک خاص مسئلہ یہ ہے کہ وہ جلد خراب ہوجاتے ہیں، نہ ان کو زیادہ دیر تک درختوں پر

چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی ذخیرہ کیا جا سکتا ہے، ایسے میں اس کی خرید و فروخت کے تعلق سے چند اہم مسائل رونما ہوتے ہیں کہ کیا پھل آنے کے بعد ہی باغات بیچے جا سکتے ہیں یا یہ ضروری نہیں ہے؟ اور کیا بیک وقت کئی سالوں کیلئے باغات بیچے جا سکتے ہیں، حضور پاک ﷺ نے پھلوں میں صلاح پیدا ہونے سے پہلے جو بیچنے سے منع فرمایا ہے، اس کا صحیح مصداق کیا ہے؟ اس وقت مارکیٹ میں جو پھل آرہے ہیں، وہ عام طور پر پھل کے تیار ہونے سے پہلے خریدے جاتے ہیں، اس میں ہمارے لیے راہ عمل کیا ہے؟ یہ اور اس طرح کے کئی اہم مسائل تھے جس کے جوابات انفرادی طور پر علماء کرام نے دیئے ہیں؛ لیکن ان مسائل کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اس پر علماء کی جماعت باقاعدہ غور و فکر کرے اور پھر قرآن و حدیث اور فقہاء کرام کے استنباطات و تخریجات کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرے، خدا کا شکر ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے ان مسائل کی اہمیت کے پیش نظر مورخہ یکم و ۲/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کے سمینار میں ان کو بحث کا موضوع بنایا اور ملک بھر سے مؤقر علماء کرام نے ان مسائل کے تفصیلی جوابات لکھے، اب یہی تفصیلی جوابات شعبہ علمی کے رفیق مولانا صفدر علی ندوی صاحب کی تہذیب اور ترتیب کے بعد آپ کے سامنے ہیں، ان میں علماء کرام کے مشترکہ نکات اور اختلافی نوٹ کو باقی رکھا گیا ہے، امید ہے کہ اہل علم بالخصوص فقہ سے دلچسپی اور اشتغال رکھنے والے حضرات اس کی خصوصی پذیرائی کریں گے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

14/ ربیع الاول 1444ھ

مطابق 12/ اکتوبر 2022ء

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کے فیصلے:

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا ۲۹ واں اور ۳۰ واں فقہی سمینار ریاست تلنگانہ کے دار السلطنت اور تاریخی، تہذیبی، علمی اور ادبی شہر حیدر آباد کے مشہور ومعروف تحقیقی ادارہ المعہد العالی الاسلامی میں مؤرخہ ۱ تا ۴/ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو منعقد ہوئے، اکیڈمی کا ۲۹ واں فقہی سمینار ۲۰۱۹ء کے اواخر میں ہونا تھا لیکن بعض وجوہات اور رکاوٹوں کی وجہ سے منعقد نہیں ہوسکا، اور پھر کورونا کی وجہ سے ۲۰۲۰ء میں بھی سمینار کا انعقاد ممکن نہ ہوسکا، اب یہ ۲۰۲۱ء کا سال بھی اپنے اختتام کو ہے، لہذا یہ مناسب سمجھا گیا کہ دونوں سمیناروں کو ایک ساتھ منعقد کیا جائے، مختلف اداروں سے رابطہ کے بعد المعہد العالی الاسلامی کے ذمہ داروں نے ہمت کی اور اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے یہاں دونوں سمیناروں کو ایک ساتھ منعقد کرنے کی ہامی بھر لی، بلا شبہ یہ ادارہ صوری ومعنوی ہر لحاظ سے اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار کے لئے مناسب تھا، چنانچہ متعینہ تاریخوں میں یہ دونوں سمینار منعقد ہوئے۔

۲۹ ویں سمینار میں چار موضوعات زیر بحث آئے جن میں سے ایک ''باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت'' بھی تھا، اس پر بحث ومناقشہ ہوا، اور درج ذیل تجاویز متفقہ طور پر منظور کی گئیں:

۱- باغ کے پھل کو سال دو سال یا اس سے زائد مدت تک کے لئے پیشگی فروخت کر دینے کو ''بیع معاومہ'' اور ''بیع سنین'' کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیع معاومہ اور بیع سنین سے منع فرمایا ہے؛ لہٰذا اس طرح کی بیع درست نہیں ہے۔

۲- درخت پر پھل سرے سے ظاہر ہی نہیں ہوا ہو تو یہ بیع ناجائز ہے۔

۳- درخت پر پھل ظاہر ہو چکا ہے تو اس کی بیع درست ہے۔

۴- اگر درخت پر بَور (پھول) آچکے ہوں تو اس کی بیع بھی درست ہے۔

۵- باغ کے اکثر درختوں میں پھل آگئے ہوں تو تمام درختوں کے پھلوں کی بیع درست ہے۔

۶- دفعہ نمبر: ۳، ۴، ۵ میں اگر باہمی رضامندی سے پھل پکنے تک چھوڑے رکھیں تو بھی وہ پھل خریدار کے لئے حلال ہے۔

۷- زمین کے بغیر صرف درختوں کا اجارہ درست نہیں ہے۔

۸- البتہ اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ باغ کی زمین کو اس کے درختوں کے ساتھ کرایہ پر لے لیا جائے تو یہ درست ہے۔

۹- باغات کی خرید و فروخت میں بہتر یہ ہے کہ پھل جب تک کھانے کے قابل نہ ہو جائے، اس کی بیع نہ کی جائے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

انسان کی غذائی ضرورتوں میں سے ایک پھل ہیں، اللہ تعالی نے مختلف پھلوں میں جوالگ الگ ذائقے رکھے ہیں، وہیں انسانی جسم کی ضرورتوں کے لحاظ سے الگ الگ صلاحیتیں بھی رکھی ہیں، کسی میں فولاد ہے توکسی میں کیلشیم، اورکسی میں گلوکوز وغیرہ، بلکہ پھل چونکہ عام طور پر کسی ملاوٹ کے بغیراسی طرح کھائے جاتے ہیں، جیسے اللہ تعالی نے ان کو وجود بخشا ہے، اس لئے ان کا کھانا بمقابلہ ان غذاؤں کے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے جس میں تیل اور مسالہ وغیرہ کی آمیزش کی جاتی ہے، زیادہ تر پھلوں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کوتازہ بہ تازہ استعمال کرنا ہوتا ہے، وہ دیر پا نہیں ہوتے، اوراپنی فطرت کے اعتبار سے ان کوذخیرہ کرکے ایک مدت کے لئے رکھا نہیں جاسکتا، اگرچہ آج کل کولڈ اسٹوریج کے ذریعہ پھلوں کو دیر تک باقی رکھنے کی سعی کی جارہی ہے، لیکن جولذت اورنافعیت ایک تازہ پھل میں پائی جاتی ہے، اس طرح بتکلف اسٹور کئے جانے والے پھلوں میں وہ کیفیت نہیں پائی جاتی ہے۔

چونکہ پھلوں کو نہ درخت پر طویل مدت کے لئے چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ توڑ کر طویل عرصہ کے لئے رکھا جاسکتا ہے، اس لئے باغات کے مالکان پھل آنے کے بعد یا پھل آنے سے پہلے انہیں فروخت کردیتے ہیں، ایک طرف اس کا رواج نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا میں عام ہے، دوسری طرف شریعت کی واضح ہدایت ہے کہ جب تک کوئی شئ وجود میں نہ آجائے اسے فروخت نہیں کیا جاسکتا، اس سے صرف استصناع اور سلم مستثنی ہیں، لیکن بظاہر یہ صورت نہ بیع سلم کے دائرہ میں آتی ہے اور نہ استصناع میں، سلم میں مسلم فیہ کی مقدار اوراس کی حوالگی کے وقت کا پوری طرح متعین ہونا ضروری ہے، اور استصناع ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جس میں انسانی صنعت کا دخل ہو، اور مبیع پوری طرح متعین ہو، جبکہ یہ شرطیں باغات کی خرید وفروخت میں نہیں پائی جاتیں، چنانچہ خود حدیث میں پھلوں کی اس طرح خرید وفروخت کے بارے میں عدم جواز کا اشارہ موجود ہے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- حدیث میں جو بیع معاومہ سے منع فرمایا گیا ہے، اس کا مصداق کیا ہے؟

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات کیا ہیں؟

۳- رسول اللہ ﷺ نے بدوصلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا، لیکن بدوصلاح سے کیا

مراد ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، تو اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

۴- پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف- پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیا جائے؛ خواہ اسی سال کے پھل یا آئندہ سالوں کے بھی۔

ب- باغ کے کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے۔

ج- پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔

۵- پھر اگر پھل تیار نہیں ہوں تو اس کو فروخت کرنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں:

الف- فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا۔

ب- طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔

ج- نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی۔

ان مختلف صورتوں میں درخت میں لگے ہوئے پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

۶- کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ خریدار پھل خرید کرلے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لے لے۔

۷- ان تمام صورتوں کے علاوہ اس بارے میں اگر کوئی اور صورت آپ کے علم میں ہو تو اس کو شامل کرتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

۸- بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، ہمارے یہاں مروج شکلوں میں کیا اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، واضح رہے کہ ہمارے بعض اکابر ارباب افتاء نے کچھ مروج صورتوں میں بیع سلم کی مختلف فیہ شرطوں کے حوالہ سے رخصت وگنجائش کا تذکرہ کیا ہے۔

مثلاً حضرت تھانویؒ نے گنے کی خرید وفروخت کے معاملہ میں میعاد مقرر پر پائے جانے کی ضرورت کے مواقع میں اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۰۶، طبع زکریا قدیم)، اور مفتی رشید احمد صاحب نے بیع قبل ظہور الاثمار والأزہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر جواز کا تذکرہ کیا ہے (احسن الفتاوی ۶/۴۸۷-۴۸۹)۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی ☆

تمہید:

بلاشبہ غذا انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اس پر اس کی زندگی موقوف ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے غذائی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف چیزیں اس روئے زمین پر پیدا کی ہیں، ان ہی مختلف چیزوں میں سے ایک پھل ہیں، جنہیں تازہ بہ تازہ استعمال کیا جاتا ہے اور کولڈ اسٹور میں ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے، آج کل ان پھلوں کی خرید وفروخت کی مختلف شکلیں وجود میں آگئی ہیں، اور درخت پر لگے ہوئے ہی بدو صلاح سے پہلے یا اس کے بعد ان کی خرید وفروخت ہونے لگی ہے، بلکہ بعض اوقات تو پچھلے سالوں میں درختوں سے حاصل پھلوں کا اندازہ کر کے آئندہ کے لئے بغیر پھل آئے ہوئے پورے باغ کی خرید وفروخت ہوجاتی ہے، جس میں بعض پہلو ایسے بھی ہوتے ہیں جو شرعی احکام سے متصادم ہوتے ہیں، اور اس طرح کے عقود ومعاملات کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، اس لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اپنے ۲۹ ویں فقہی سمینار کے لئے اسے بحث کا موضوع بنایا، جس میں بیع معاومہ، بیع سلم، درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز وعدم جواز، بدو صلاح، اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی فروخت کی مختلف شکلوں اور ان کے علاوہ ان سے متعلق دوسرے مسائل پر بھی بحث ہوگی، اس موضوع پر اب تک علماء کرام کی طرف سے ۳۹ر مقالات اکیڈمی کو موصول ہوچکے ہیں، جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد عباس یوسف سعادتی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا

☆ انچارج شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

صبغت اللہ مولوی زادہ، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی محمد اسعد بن مولانا عبدالرزاق فلاحی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی، مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی، مولانا عبدالحلیم اعظمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی محمد نصر اللہ ندوی، مولانا عبد الحی مفتاحی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔

اب ذیل میں ان مقالات کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

سوال نمبر ۱ – حدیث میں جو بیع معاومہ سے منع فرمایاگیا ہے ،اس کا مصداق کیا ہے؟

معاومہ ''عام'' بمعنی سال سے ماخوذ ہے، اور بیع معاومہ یہ ہے کہ درخت پر پھل آنے سے پہلے ہی اس درخت کے پھلوں کوسال دوسال یا کئی سالوں کے لئے فروخت کر دیا جائے ،اور اسی کو ''بیع سنین'' بھی کہتے ہیں۔

اس بیع کے سلسلہ میں تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں معدوم اور مجہول چیز کی بیع ہے، اور اس میں دھوکہ بھی ہے کہ اس بیع میں ایسی چیز کو بیچا جا رہا ہے جس کا بیچنے والا مالک نہیں ہے، قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے حوالہ سے اسی طرح کی تفصیلات ذکر کی ہیں (دیکھئے: قاموس الفقہ ۵/۱۲۷)۔

۱-**''المعاومة هی بیع السنین یعنی بیع ماتثمره نخلة سنتین أو ثلاثا أو أربعا''** (قواعد الفقہ /۴۹۴)۔

۲-**''هی بیع ثمر النخل والشجر سنتین وثلاثا فصاعدا، یقال: عاومت النخلة، إذا حملت سنة ولم تحمل أخری، وهی مفاعلة من العام: السنة''** (النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر ۳/۶۰۸) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۳-علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی المالکیؒ (المتوفی ۶۸۴ھ) فرماتے ہیں: **''والمعاومة بیع الثمار أعواما''** (الذخیرۃ ۵/۳۹۲)۔

۴-**''بیع شجر معین أعواما متتالیة کل عام بمبلغ کذا''** (معجم لغۃ الفقہاء /۴۳۸) (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی)۔

۵-"هی بیع الشجر أعواماکثیرة......هی اکتراء الأرض سنین......هو أن یبیع ثمر النخلة لأکثر من سنة فی عقد واحد"(الفقہ الاسلام وأدلتہ ۴/ ۲۵۵،فقہ البیوع ۷۲۳۳۲۱، قاموس الفقہ ۲/ ۳۶۳، نیل الاوطار ۵/ ۲۰۹) (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مفتی خالد حسین نیموی)۔

۶-"المعاومة مأخوذ من العام وهو السنة، واصطلاحا بیع ما یثمره شجرة أو نخلة أو بستانة أکثر من عام، سنتین أو ثلاثة أو أربعة مثلا، ویسمی بیع السنین"(المصباح المنیر ۱۶۷/)(مقالہ مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

عوم جواز کے دلائل:

۱-"عن جابر بن عبد الله قال: نهی رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة"(مسلم مع تکملہ فتح الملہم ۴/۲۷۷، ترمذی، رقم:۱۲۹۸، ابوداؤد مع بذل المجہود ۴/۲۵۱)(مقالہ: مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا جلیل اختر جلیل ندوی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی)۔

۲-"عن جابر بن عبد الله أن النبي ﷺ نهی عن بیع السنین ووضع الجوائح"(ابوداؤد مع بذل المجہود ۴/۲۵۱)(مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی)۔

۳-"عن جابر بن عبد الله أن النبي ﷺ نهی عن المعاومة، وقال أحدهما: بیع السنین" (مسلم: ۳۹۱۳، ابوداؤد: ۳۳۷۵، ترمذی: ۱۳۱۳، ابن ماجہ: ۲۲۶۶)(مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا محمد نصر اللہ ندوی)۔

۴-"والمراد منه بیع ما تحمله شجرة مخصوصة أوأشجار مخصوصة من الثمرة إلی مدة سنة فأکثر وانما حرم لکونه بیع غرر لانه بیع مالم یخلقه الله وقد یسمی بیع السنین"(فقہ البیوع: مفتی تقی عثمانی ۱/۳۲۷)(مقالہ قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عبد الحی مفتاحی)۔

۵-"أجمع الفقهاء علی عدم صحة بیع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة وبیع المعدوم

غیر جائز للغرر" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵/ ۱۳) (مقالہ مولانا ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عبدالرشید قاسمی)۔

۶-"بیع المعاومة المراد بیع ما تحمله هذه الشجرة مثلا سنة فأکثر وهذا البیع باطل لأنه بیع مالم یخلق فهو بیع المعدوم" (بذل المجہود ۱۱/ ۲۷۰، نیز دیکھئے: حاشیہ ابوداؤد/ ۴۷۴، حاشیہ ترمذی/ ۲۴) (مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

۷-"لا یجوز بیع الثمار قبل ظهورها إلا بطریق السلم وانه بیع معدوم، ولم یقل بجوازه أحد إن جری به التعامل، والاصل فی ماروی عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع المعاومة" (فقہ البیوع ۱/ ۳۲۶) (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی)۔

۸-"بیع ثمر النخل والشجر سنتین فصاعدا، وعاومت النخلة إذا حملت سنة ولم تحمل أخری، ن:وهو باطل باجماع، ج:لأنه بیع مالم یخلق بعد" (مجمع بحار الانوار ۳/ ۷۰۶) (مقالہ صبغت اللہ، مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

۹-"قوله:(والمعاومة)مفاعلة من العام بمعنی السنة کالمسانهة من السنة، والمشاهرة من الشهر، والمراد منه:بیع ماتحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلی مدة سنة فأکثر،والمعاومة وبیع السنین معناهما واحد، وانما حرم لکونه بیع غرر، لأنه بیع مالم یخلقه الله تعالی بعد" (فتح الملہم شرح مسلم ۷/ ۴۱۰) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا محمد آزاد بیگ، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مفتی محمد شاکر نثار، مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی، مولانا عبداللہ قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

۱۰-"المعاومة هی مفاعلة من العام کالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر أی بیع السنین، قال فی النهایة: هی بیع ثمر النخل أو الشجر سنتین أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذا البیع باطل، لأنه بیع مالم یخلق فهو کبیع الولد قبل أن یخلق" (عون المعبود ۹/ ۱۸۰، مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۱۹۲۸، تحفۃ الاحوذی ۲/ ۱۲۷۸) (مقالہ مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا عبید الحلیم اعظمی، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

۱۱-"أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی تزهی،قیل:یا رسول الله! وما تزهی؟ قال:حتی تحمرّ، وقال رسول الله ﷺ: أرأیت إذا منع الله الثمرة بم یأخذ أحدکم مال أخیه"

(بخاری ۱/ ۲۹۳)(مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی خالد حسین نیموی قاسمی)۔

۱۲-"عن ابن عباس قال: قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون فى الثمار السنتين والثلاث فقال: اسلفوا فى الثمار فى كيل معلوم إلى أجل معلوم،......قال: فى كيل معلوم ووزن معلوم" (بخاری ۱/ ۳۰۰)(مقالہ مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی)۔

۱۳-معالم السنن میں ہے:"قال الشيخ: بيع السنين هو أن يبيع الرجل ماتثمره النخلة أو النخلات بأعيانها سنين ثلاثا أو أربعا أو أكثر منها، وهذا غدر لأنه يبيع شيئا غير موجود ولا مخلوق حال العقد، ولايدرى هل يكون ذلك أم لا، وهل يتم النخل أم لا"(معالم السنن ۳/ ۸۶)۔

۱۴-علامہ بغوی الشافعیؒ (متوفی ۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:"وصورة بيع السنين: أن يبيع ثمر نخيله سنين ثلاثا أو أربعا أو أكثر، فهو فاسد، لأنه بيع مالم يخلق"(شرح السنۃ/ البیوع/ باب النہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ ۸/ ۸۵)۔

۱۵-ابوالفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) رقم طراز ہیں:"واما المعاومة فهى بيع السنين وذلك أن يبيع الرجل ما تثمره النخلة أو النخلات سنتين وثلاثا وأربعا، وهذا غرر، لأنه يبيع شيئا غير موجود ولامخلوق فلا يدرى أيكون أم لا"(کشف المشکل من حدیث الصحیحین ۳/ ۱۴، مسند جابر بن عبداللہ)۔

۱۶-علامہ ابوالفضل قاضی عیاض المالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:"وأما بيع المعاومة فهو بيع الثمر سنين وقد فسره فى كتاب مسلم ووجه المنع فيه بين وماخوذ مما تقدم من النهى عن بيع الثمر قبل زهوه لأنه إذا باع ثمرته سنينا فمعلوم أن ثمرة السنة الثانية والثالثة لم تخلق وهى لو خلقت ولم تزهو لم يجز العقد عليها فإذا لم تخلق أولى أن لاتجوز"(اکمال المعلم ۵/ ۱۸۹)۔

بیع معاومہ کی دیگر تعریفات:

-مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی کا کہنا ہے کہ بیع معاومہ سے مراد ایسا عقد بیع ہے جو متعینہ قیمت پر کئی سالوں کے لئے درختوں پر لگے ہوئے تازہ اور تر پھلوں یا دوسری زمینی پیداوار پر ایک ہی عقد میں کیا جائے۔

-مولانا روح اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ متعینہ درخت و باغات کے پھلوں کو ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے فروخت کرنا بیع معاومہ کہلاتا ہے۔

-مفتی سعید الرحمٰن بستوی نے مولانا مجیب اللہ ندویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک شخص دو تین سال کے لئے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، مثلاً کسی کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا، یا باغ کا پھل سو روپئے میں بکا اور فروخت ہوا تو اسی پر قیاس کر کے یا اندازے سے دو تین سال آئندہ کے لئے معاملہ کرلیا جائے،

نبی علیہ السلام نے اس طرح کے کاروبار سے اس لئے روکا ہے کہ یہ بھی ''میسرہ'' کی ایک قسم ہے (اسلامی فقہ ۳/ ۵۹۹)۔

-اور مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب لکھتے ہیں: معاومہ عام سے ہے، جس کے معنی ہیں: سال، اور اصطلاحی معنی و مصداق ہیں: ایک سال یا زیادہ سالوں کی بہار بیچنا، یہ بالاتفاق ناجائز ہے، اور بیع باطل ہے؛ کیونکہ ابھی مبیع کا وجود نہیں ہے (تحفۃ الالمعی ۴/ ۲۴۲) (مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

-لیکن مفتی رشید احمد لدھیانوی نے ابتلائے عام اور ضرورت کی بنا پر ظہور سے پہلے پھلوں کی بیع والی صورت کو بیع سلم کے ساتھ ملحق کر کے جواز کی بات کہی ہے، اس رائے پر اعتراض کے جواب میں مفتی لدھیانوی صاحب نے یہ بات کہی کہ تعارف اور تراضی طرفین کے سبب یہ جہالت مفضی إلی النزاع نہیں، لہذا قابل تحمل ہے، لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ مقدار مبیع کی جہالت کو تراضی طرفین کی وجہ سے قابل تحمل قرار دینا سخت محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جن عقود میں غرر شدید ہو وہ تراضی طرفین سے بھی جائز نہیں ہوتے (فتاوی عثمانی ۳/ ۱۰۹) (مقالہ مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری نے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۶) سے تفصیلات نقل کی ہیں)۔

-مولانا نذر توحید مظاہری صاحب کی رائے ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلم فیہ کا وقت عقد ہونا ضروری نہیں ہے اور ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے فتوی بمذہب الغیر یا فتوی علی خلاف ظاہر المذہب جائز ہے، لہذا اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر بیع سلم کے ساتھ الحاق کر کے جواز کا فتوی دیا جائے گا، البتہ بیع سلم کی شرائط کی رعایت کی جائے۔

☆ بعض حضرات نے الگ سے بیع معاومہ کے حکم کو بیان کرنے کے بعد ان کے دلائل پیش کئے ہیں، ذیل میں ان متدلات کو درج کیا جاتا ہے:

۱-''**لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل**'' (نساء: ۲۹) (مقالہ مولانا عبد التواب اناوی، مفتی خالد حسین نیموی)۔

۲-''**أما حكم المسئلة فبيع المعدوم باطل بالاجماع، ونقل ابن المنذر وغيره إجماع المسلمين على بطلان بيع الثمرة سنتين ونحو ذلك**'' (المجموع شرح المہذب ۹/ ۲۵۸) (مقالہ مولانا عمر کوئی)۔

۳-''**أما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذه الاحاديث، ولأنه بيع غرر؛لانه بيع معدوم ومجهول غير مقدور على تسليمه وغير مملوك للعاقد**'' (المنہاج شرح صحیح مسلم ۱۰/ ۱۶۵) (مقالہ مولانا عمر کوئی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا محی الدین غازی، مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی محمد الیاس

قاسمی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

۴-"وهذا البيع باطل؛لأنه بيع مالم يخلق فهو بيع المعدوم"(بذل المجهود ۱۵/۱۹،تکملہ فتح الملہم ۷/ ۴۱۰)(مقالہ مولانا عمر کوکنی)۔

۵-"والمعاومة بيع الثمر أعواما......ولا خلاف فى تحريم بيعه لكثرة الغرر والجهل" (المفہم شرح صحیح مسلم ۴/ ۴۰۳)(مقالہ مولانا عمر کوکنی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

۶-"واما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع السنين وهو باطل بالاجماع......ولأنه بيع غرر، ولأنه بيع معدوم"(شرح النووی علی مسلم ۱۰/ ۱۶۵)(مقالہ مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا سلمان الحسنی کیرالا)۔

۷-"أما المعاومة فهى بيع السنين، ومعناه أن يبيعه سنة أو سنتين أو أكثر، إما ثمرة نخلة بعينها أو نخلات، وهو بيع فاسد، لأنه بيع مالم يوجد ولم يخلق، ولا يدرى هل يثمر أولا يثمر" (معالم السنن للخطابی ۳/ ۹۷)(مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ)۔

۸-"والمعاومة......وهى فى العرف بيع الثمر سنين، وعلة المنع أنه من بيع الثمار قبل بدوصلاحها، ولأنه إذا بيع سنين فمعلوم أن مافى السنة الثانية لم يوجد، وإذا منع بيعها بعد الوجود وقبل بدو الصلاح فكيف إذا لم يوجد"(مکمل اکمال الاکمال ۵/ ۳۸۳)(مقالہ مولانا عمر بن یوسف کوکنی)۔

مولانا روح اللہ قاسمی لکھتے ہیں: یہ واضح رہے کہ بیع معاومہ یا بیع سنین اسی وقت ہوگا جب کہ متعینہ درخت یا متعینہ باغ کی بیع کی جائے جیسا کہ مذکورہ عبارتوں میں بعض الفاظ سے واضح ہے، اگر درخت متعین نہیں ہو تو یہ بیع سلم بن جائے گا جو چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، علامہ خطابی تحریر کرتے ہیں:"وهذا فى بيوع الاعيان، فاما فى بيوع الصفات فهو جائز مثل أن يسلف فى الشئ إلى ثلاث سنين أو أربع أو أكثر ما دامت المدة معلومة إذا كان الشئ المسلف فيه غالبا وجوده عند وقت محل السلف"(معالم السنن: البیوع ۳/ ۸۶)۔

امام بغویؒ رقم طراز ہیں:"هذا فى بيوع الاعيان، أما فى بيوع الصفات، فهو جائز وهو أن يسلم فى شئ إلى أجل معلوم وذلك الشئ منقطع فى الحال، وسيوجد عند المحل غالبا"(شرح السنۃ للإمام البغوی/البیوع/باب النہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ ۸/ ۸۵)۔

حضرات شوافع کے یہاں بیع معاومہ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جس کا ذکر ابھی ہوا، ایک تفسیر اور کی گئی ہے، یعنی ایک

سال کے لئے بیع کرنا اس شرط کے ساتھ کہ سال پورا ہونے پر مبیع بائع کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دیا جائے گا، اس تعریف کی رو سے یہ بیع پھلوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوگی؛ بلکہ ہر چیزوں میں عام ہوگی، جیسا کہ الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ ابوالقاسم عبدالکریم الرافعی القزوینیؒ (المتوفی ۶۲۳ھ) تحریر کرتے ہیں: "(**ومنها) ما روی أنه ﷺ نهی عن بیع السنین وله تفسیران: أحدهما أن یبیع ثمرة النخل سنین، والثانی أن یقول: بعتک هذه السنة علی أنه إذا انقضت السنة فلا بیع بیننا فأرد أنا الثمن وترد أنت المبیع**" (فتح العزیز بشرح الوجیز المعروف بالشرح الکبیر ۴/ ۱۳۴)۔

علامہ نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) رقم طراز ہیں: "**ومنها بیع السنین وله تفسیران: أحدهما بیع ثمرة النخلة سنین، والثانی أن یقول: بعتک هذا سنة علی انه إذا انقضت السنة فلا بیع بیننا فترد إلیّ المبیع وأردّ إلیک الثمن**" (روضۃ الطالبین للنووی ۳/ ۶۴، کتاب البیع / باب البیوع المنہی عنہا)۔

"**ومنها بیع السنین–وله تفسیران: أحدهما بیع ثمرة النخلة سنین، والثانی أن یقول بعتک هذا سنة علی أنه إذا انقضت السنة فلا بیع بیننا فترد إلیّ المبیع وأردّ إلیک الثمن**" (الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع: شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب القاہری الشافعی–الشاملۃ)۔

قاموس الفقہ میں ہے: معاومہ عام کے معنی سال کے ہیں، درختوں کا پھل دو یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے فروخت کر دیا جائے اس صورت کو حدیث میں بیع معاومہ اور بیع سنین سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے (قاموس الفقہ ۵/ ۱۲۷)؛ کیونکہ ایسی چیز کو بیچنا جائز ہے جو وجود میں آچکی ہو اور معاومہ کی صورت میں آدمی ان پھلوں کو فروخت کرتا ہے جن کا ابھی سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اس لئے اس معاملہ کے باطل و نادرست ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے (قاموس الفقہ ۵/ ۱۲۷، الاجماع لابن المنذر ص ۱۱۵، نیز تقریر ترمذی حصہ معاملات: از مفتی محمد تقی عثمانی ۱۰/ ۸۸) (مقالہ: مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

دیگر آراء:

–مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے بیع معاومہ کی ممانعت کی وجوہات یہ بتائی ہیں:

۱–یہ عقد کے وقت غیر موجود کی بیع ہے۔ ۲–یہ غیر مخلوق کی بیع ہے۔

۳–یہ بیع غرر میں داخل ہے۔ ۴–یہ قمار میں داخل ہے۔

۵–یہ غیر مقبوضہ کی بیع ہے (نیز دیکھئے مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی)۔

–مولانا صابر حسین ندوی کے نزدیک بیع سلم کی تعریفات اور احکامات کے لحاظ سے اسے بیع معاومہ پر قیاس کرنا

ہے، بیع معاومہ میں راس المال اگر چہ ادا کر دیا جائے لیکن رب المال کی تاخیر ایسی ہوتی ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی واضح نہیں ہوتا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہی بات لکھی ہے اور نقل کیا ہے کہ:''.......سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیونکہ اگر اشتراط وجود مسلم فیہ من وقت العقد الی حلول الاجل سے قطع نظر کر کے شافعی کا مذہب بھی لے لیا جاوے، کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت حلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ:

اولا: مقدار ثمار کی متعین نہیں۔ ثانیا: کوئی اجل متعین نہیں۔

ثالثا: اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ بائع اول ہی سے اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے، اور وہ اسی وقت اس پر قابض ہو جاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر اور خواہ نہ ہو۔

رابعا: اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

خامسا: اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہوسکتا'' (امداد الفتاوی: ۳/۱۰۵)۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ حضرت رشید احمد رحمہ اللہ کے نزدیک عموماً توسع معلوم ہوتا ہے، اور درخت و پھل کی خرید و فروخت میں عرف ورواج کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، آپ نے "**بیع الثمر قبل الظهور**" کا عنوان لگا کر حضرت تھانوی کے مذکورہ بالا اشکالات کا بھی جواب دیا ہے، اور پھر'' فائدہ'' کا عنوان لگا کر گفتگو کی ہے، جو اس مسئلہ پر قابل مطالعہ ہے، آپ لکھتے ہیں:'' علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے ابتلائے عام وضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلائے عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو جائے، وہاں مذہب مالک کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہٰذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر (پھل) بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے:''**كما نقل علامة ابن عابدين رحمه الله تعالى عن الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى فى صحة بيع الثمار بعد البروز قبل أن تكون منتفعا بها**'' (ردالمحتار: ۴/۴۲)۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بیع الثمر قبل انفراک الزہر (یعنی پھول آنے سے بھی قبل بیع کر دینا) کو بالاتفاق ناجائز

قرار دیا ہے؛مگرخود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں،البتہ بیع قبل ظہورالازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ (جن کے نزدیک تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے، دیکھئے: بدایۃ المجتہد: ۲/ ۲۰۲۔اقرب المسالک مع الشرح الصغیر: ۳/ ۲۶۲۔راقم) کے سوا کوئی چارہ نہیں،اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلائے عام اورضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں'' (احسن الفتاوی: ۶/ ۴۸۹)۔

اس بحث سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت نے بیع معاومہ سے قریب تر ایک صورت بیع قبل الثمار کے جواز کو ضرورت شدیدہ اورابتلائے عام کے ساتھ جوڑ دیا ہے،آج غالبا یہ دور آچکا ہے، زمینی حقائق یہی ہیں کہ بیع معاومہ میں عامۃ الناس گرفتار ہے۔

اس رائے پر اشکال اوراس کا جواب:

اشکال یہ ہے کہ بیع معاومہ دراصل بیع معدوم بھی ہے، جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا: **لاتبع مالیس عندک** '' (ترمذی: ۱۲۳۲،ابوداود: ۳۱۸) ایسے میں اس کے جواز کا فتوی کیسے دیا جاسکتا ہے؛ نیز اس کی وجوہات میں سے یہ بھی ہیں:

الف: بیع معاومہ کی نفی احادیث سے ثابت ہے، اگر جواز کا فتوی دیا گیا تو صریح نصوص کی خلاف ورزی مانی جائے گی،مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے (جدید فقہی مسائل: ۴/ ۲۳۱)۔

ب: یہ بات سچ ہے کہ بیوع میں عرف وعادات کی بنا پر بہت سے مسائل میں نرمی برتی جاتی ہے، بلکہ بیع استصناع اورسلم بھی اسی قسم میں سے ہیں؛لیکن بیع معاومہ سے حضور ﷺ نے منع کیا،اوراس سلسلہ میں عرف کا خیال نہیں کیا؛ کیونکہ آپ کے ارشادات اوراس کی صراحت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اس کا رواج تھا۔

ج: بیع معاومہ میں کئی سال کی بیع شامل ہوتی ہے تو کیا اسے بھی گوارا کرلیا جائے؟

۱-ان سب کا جواب یہ ہے کہ ضرورت انسانی احکام کا مدار ہیں،عرف خود شریعت کا درجہ رکھتا ہے،جبکہ وہ فاسد نہ ہوں،اگران وجوہات کو بروئے کار لایا جائے تو ظاہر ہے وہ احادیث سے عدول نہیں، بلکہ وقتی ضرورت اورانسانی دشواری دورکرنا قرار پائے گا،یہ اصول سامنے رہنا چاہئے؛ ''**الثابت بالعرف کالثابت بالنص**'' (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۱۳) یعنی عرف سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہے، نیز اسی مفہوم میں یہ اصول بھی ہیں: ''**الثابت بالعرف کثابت بدلیل شرعی**'' (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۱۳)۔مجلۃ الأحکام العدلیۃ کی دفعہ ۴۵ میں عرف کی اس حیثیت کوان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے: ''**التعیین بالعرف کالتعیین بالنص**'' (مجلۃ الاحکام العدلیہ،دفعہ: ۴۵)،اور ''**العرف والعادۃ اصل من أصول الشریعۃ**'' (العرف احکایۃ اقوال الفقہاء فی حجیۃ العرف: ۲۴۷)۔

۲-اسی طرح عموم بلوی کوفقہاء نے تیسیر کا ایک ذریعہ مانا ہے،......اسی لئے معاملات میں وہ غبن جوغبن فاحش نہ ہو

اسے بھی گوارا کیا ہے(اصول الفقہ للخلاف:۲۰۹)۔

۳۔علامہ عبدالوھاب خلاف نے ہی''الحاجة تنزل منزلة الضرورات فی اباحة المحظورات'' کے تحت سلم واستصناع وغیرہ کے جواز کے بعد لکھا ہے:'' اوراسی اصل پر معاملات واشتراکات کے بہت سے مسائل متخرج ہوتے ہیں، جولوگوں کے درمیان عام اوران کی ضرورت ہوگئے ہیں،لہذا جب مناسب دلیل سامنے آجائے،اور وہ اس پر یقین دہانی کرادے کہ معاملات وتصرفات کی یہ قسم لوگوں کیلئے حاجت کا مقام رکھتی ہے،اس طور پر کہ اگر انہیں اس سے روکا جائے تو معاملات میں تنگی وحرج لاحق ہوجائے گی،ایسے میں انہیں اس کے بقدر اجازت دی جائے گی جو ان کے حرج کو دور کردے''(اصول فقہ:۲۱۰)۔

۴۔اس کی مثال یہ بھی ہے کہ'' بیع وفاء'' بیع ہونے کی حیثیت سے حدیث مذکور کے خلاف ہے؛ کیونکہ یہ سود کے مشابہ ہے، کہ اپنا سامان دیدیا جائے اورگاہے بگاہے قیمت ادا کیا جائے، جب قیمت مکمل ادا کردی جائے تو سامان واپس لے لیا جائے ،مگر اس کے باوجود بلخ وبخاری وغیرہ کے عرف وتعامل کی بنا پر وہاں کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے،اور بعد میں اسے بہت سے حضرات نے قبول کرلیا ہے،اور بحیثیت بیع بہت سے حضرات نے اس کو رہن کی حیثیت دی ہے،مگر جواز کو اختیار کیا(دیکھئے:الاشباہ:۱۰۳،ردالمحتار:۵/۲۷۶۔۲۸۱،شرح النقایۃ لعلی القاری:۲/۴۵۔۴۶)۔

محتاط رائے:

بیع معاومہ باہمی رضامندی کی بیع ہے، جو مفضی الی النزاع بھی نہیں،معاملات کے فاسد ہونے میں یہی سب سے زیادہ اولیت رکھتا ہے،مذکورہ بالا بحثوں میں اگرچہ اصول کے تحت جواز تلاش کیا جاسکتا ہے؛لیکن احوط یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حیلہ سے کام لیا جائے،تاکہ مشتبہات سے محفوظ ہوں اوردل میں اطمینان رہے،جس کی صورت یہ ہوسکتی ہے:

یہ معاملہ پھلوں کا نہ کرتے ہوئے زمین کا کیا جائے، وہ اسطرح کہ دوسال یا اس سے زائد کیلئے زمین یا درخت معاہدہ کے ساتھ خریدلے،اوراس بات کو بھی باہم طے کرلیا جائے کہ ان سالوں میں زمین سے نکلنے والی ہر چیز کا مالک وہ خود ہوگا، یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضائے حال سمجھا جائے گا اوراس کی اجازت دی جائے گی،اس کی نظیر اصول فقہ سے ملتی ہے، اس بیع کو'' بیع الاصول وبیع الثمار'' سے تعبیر کیا جاتا ہے،امام نووی نے اصل سے مراد زمین اور درخت دونوں لئے ہیں،''وقد عبر عنه النووی بقوله الاصول:الشجر والارض''۔وہ چیزیں جن کی اصل ہوتی ہے اس اصل کے تابع بھی کچھ چیزیں ہوتی ہیں،لہذا زمین اصل اوراس پر بناء تابع ہے،اسی طرح درخت اصل ہےاوراسکی ٹہنیاں،پھل وغیرہ اس کے تابع ہیں،اوراصل کی بیع جب کی جاتی ہےتو اس سے متعلق ہر چیز اس میں شامل ہوتی ہے،'' الأشياء منها ماهو أصل و منها

ماهو تابع لغيره ، فالارض أصل والبناء تابع ، والشجر أصل والأغصان والثمار تابعة لها، وعند البيع يتبع الاصل مايلتحق به حكما"(فقہ المعاملات:۱/۳۶)(دیکھئے: مقالہ مفتی نذر توحید مظاہری وغیرہ، مفتی محمد زید مظاہری نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بہت سے فتاوی وآراء کو اس بحث میں شامل کیا ہے، اور اکثر مقالہ نگاروں نے اسی سے ملتی جلتی آراء اور دلائل پیش کئے ہیں)۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب:

سوال نمبر۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات کیا ہیں؟

مقالہ نگاروں نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی مختلف حالتیں اور صورتیں بیان کی ہیں، اور پھر ان صورتوں کے الگ الگ احکام بیان کئے ہیں اور پھر ائمہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد ان کے دلائل دیئے ہیں، اس سلسلہ میں مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''اسلام اور جدید معاشی مسائل'' سے مولانا طاہر حسین قاسمی وغیرہ نے اور ''تکملہ فتح الملہم'' سے مولانا ابراہیم فلاحی صاحب وغیرہ نے تفصیلات نقل کی ہیں، اور اکثر مقالہ نگاروں نے بھی اسی سے ملتی جلتی تقسیمات اور صورتیں ذکر کی ہیں، البتہ دلائل مختلف ہیں، یہ تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی مختلف صورتیں ہیں: پہلی صورت اور پہلا درجہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت کے اوپر مطلق ظاہر نہیں ہوا، اس وقت میں بیع کرنا جیسا کہ آج کل پورا باغ ٹھیکہ پر دے دیا جاتا ہے کہ ابھی پھل بالکل بھی نہیں آیا، پھول بھی نہیں لگے اور اس کو فروخت کر دیا جاتا ہے، اس طرح پھل کی بیع کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ یہ مطلقاً ناجائز اور حرام ہے، اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں یعنی ائمہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، حدیث میں اسی کو بیع معاومہ یا بیع سنین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھل تو ظاہر ہو گیا لیکن قابل انتفاع نہیں ہے، قابل انتفاع نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو کسی انسان کے کام آ سکتا ہے اور نہ کسی جانور کے کام آ سکتا ہے، تو اس کی بیع بھی بالاتفاق جائز نہیں، یعنی پہلی اور دوسری دونوں صورتیں بالاتفاق ناجائز ہیں، جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے ''اسلام اور جدید معاشرتی مسائل'' (۲/۱۲۹) میں لکھا ہے۔

تیسری صورت اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ پھل انسانوں یا جانوروں کے لئے قابل انتفاع تو ہے لیکن ابھی بدو صلاح نہیں ہوا یعنی آفات سے محفوظ نہیں ہوا اور اندیشہ ہے کہ کوئی بھی آفت اس کو لگ جائے تو وہ سارا پھل یا اس کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، یہ ''**بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها**'' کہلاتا ہے۔ تیسری صورت اور تیسرا درجہ یعنی ''**بيع الثمرة**

قبل أن يبدو صلاحها" کی پھر تین صورتیں ہیں:

۱-ایک صورت یہ ہے کہ پھل کی بیع بدوصلاح سے پہلے کی گئی لیکن عقد بیع میں یہ شرط لگائی گئی کہ مشتری ابھی اس پھل کو درخت سے اتارلے گا، "بشرط القطع فشرط أن يقطعه البائع" یعنی بیع کے فوراً بعد وہ اس کو قطع کرلے گا، اس شرط کے ساتھ اگر بیع کی جائے تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے، بعض لوگوں کا اختلاف ہے، کہ یہ ناجائز ہے اور یہ قول شاذ کے درجہ میں ہے ورنہ جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں، اور ائمہ اربعہ بھی اس میں داخل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کی جائے لیکن مشتری یہ کہے کہ میں یہ پھل خرید رہا ہوں لیکن جب تک یہ پھل پک نہ جائے درخت ہی پر چھوڑوں گا، درخت پر چھوڑنے کی شرط پکنے تک لگائی جائے، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ سب اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ درخت پر لگا یا ہوا پھل خرید تو لیا اور اس میں کوئی شرط بھی نہیں لگائی یعنی نہ قطع کرنے کی شرط اور نہ درخت پر چھوڑنے کی شرط ہے، مطلقا عن شرط القطع والترک بیع کی گئی ہے، اس میں اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ اس بیع کو بھی ناجائز کہتے ہیں یعنی یہ حضرات اس کو ملحق بشرط الترک ہی مانتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اس کو جائز کہتے ہیں کہ جب مطلق عن شرط القطع والترک ہے، کوئی شرط نہیں لگائی گئی تو یہ حکم میں شرط القطع کے ہے؛ کیونکہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری سے کہے کہ پھل لے جاؤ اور ہمارا درخت خالی کردو، لہذا یہ جائز ہے۔

چوتھی صورت اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ بعد بدوصلاح یعنی پھل پک چکا ہو یا آفات سے محفوظ ہو چکا ہو، اس کے بعد فروخت کیا جائے تو اس میں ائمہ ثلاثہؒ کہتے ہیں کہ بعد بدوصلاح جب بھی بیع کی جائے تو جائز ہے یعنی تینوں صورتیں جائز ہیں، یعنی بشرط القطع، بشرط الترک بھی، اور بلا شرط شئ بھی، اور ان حضرات کا استدلال یہ حدیث ہے کہ "نهى رسول الله ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها" (رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ بدوصلاح ہوجائے) مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بدوصلاح سے قبل بیع جائز نہیں ہے، اور بدوصلاح کے بعد بیع جائز ہے۔

اور مفہوم غایت یہ ہے کہ جب بدوصلاح ہوجائے تو پھر مناہی نہیں تو جب بدوالصلاح کے بعد مناہی نہیں تو کوئی بھی صورت ہو خواہ بشرط القطع ہو، بشرط الترک ہو، یا بلا شرط شئ ہو، تینوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل بدوالصلاح میں اور بعد بدوالصلاح میں کوئی فرق نہیں، جو صورتیں وہاں جائز ہیں وہ یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں، چنانچہ اگر بشرط القطع ہو یا مطلق عن شرط القطع والترک ہو تو جائز ہے، اور بشرط الترک ہو تو یہاں وہ ناجائز ہے، البتہ بشرط الترک میں حضرات شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ پھل کا حجم یعنی

اس کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا ہے تو بشرط الترک بھی جائز ہے، مثلاً کھجور جس سائز کی ہوتی ہے اگر درخت کے اوپر اتنی بڑی ہو چکی ہے کہ اب اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا تو اب اگر بشرط الترک بیع کرے گا تو یہ بیع جائز ہے، لیکن شیخین کے نزدیک اس کا سائز مکمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بشرط الترک ناجائز ہے، ان دونوں حضرات کے نزدیک ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگائی جاری ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، "نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط" اور اس میں "احد المتعاقدين" کی منفعت ہے، اور جب ایسی شرط بیع کے اندر لگائی جائے تو وہ شرط کو فاسد کر دیتی ہے، لہذا یہ بیع ناجائز ہے (ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۳۱/۲) (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری وغیرہ)۔

-قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے موسوعہ فقہیہ (۴۲/۹) کے حوالہ سے یہی تفصیلات پیش کی ہیں، البتہ وہ لکھتے ہیں کہ بدوصلاح سے پہلے فروختگی کی صورت میں عام مشائخ کے یہاں حکم عدم جواز کا ہے لیکن ابن الہمام کے یہاں صحیح قول جواز کا ہے، اور دلیل کے طور پر یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

"لأنه منتفع به فى ثانى الحال وإن لم يكن منتفع به فى الحال ويبدوانه مذهب الأئمة الثلاثة ايضا حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدوصلاحها مطلقا (إذا كان بشرط القطع) ولم يشترطواكونه منتفعابه" (فقہ البیوع ۳۲۷/۱)۔

-مولانا محمد شاہجہاں ندوی نے تفصیل سے اس کی مختلف صورتوں کو واضح کیا ہے اور ائمہ اربعہ کا مسلک اور اس کے دلائل بھی پیش کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

الف—مذهب حنفی: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی مختلف صورتیں ہیں، ذیل میں ہر صورت کے حکم کی وضاحت درج ہے:

۱-بَور (آم کا پھول وغیرہ) نے پھل کی صورت اختیار نہ کی ہو تو اس کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز نہیں ہے، علامہ کاسانی رقم طراز ہیں: **"وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره؛ لأنهما معدوم"** (بدائع الصنائع ۱۳۸/۵)۔

۲-پھل نکل آنے اور انسان یا حیوان کے لئے قابل استعمال وانتفاع ہونے سے پہلے ظاہر الروایہ کے مطابق بیچ دینا جائز ہے، علامہ کاسانی رقم طراز ہیں: **"ولو باع مطلقا عن شرط جائز أيضا عندنا"** (مرجع سابق ۱۷۳/۵)، البتہ اس صورت میں خریدار پر لازم ہے کہ معاملہ مکمل ہونے کے بعد پھل توڑ لے، اس کے لئے روا نہیں کہ درخت پر پھل کو چھوڑے رکھے، "ہندیہ" میں ہے: **"وعلى المشتري قطعها في الحال ،هذا إذا باع مطلقا، أو بشرط القطع"** (ہندیہ ۱۰۶/۳)۔

۳-انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع ہونے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ معاملہ ہوا، تو یہ بھی جائز ہے،

’’عالمگیری‘‘ میں ہے:’’وإن باعها قبل أن تصير منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب، فالصحيح أنه يصح‘‘(عالمگیری ۳/۱۰۶)۔

۴-پھل نکل آنے لیکن قابل انتفاع ہونے سے پہلے معاملہ اس شرط کے ساتھ ہو کہ مالک پھل پک جانے تک درخت پر رہنے دے گا، تو یہ بیع فاسد ہے، علامہ تمرتاشی تحریر فرماتے ہیں:’’وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع‘‘(تنویر الأبصار مع الدر المختار ۴/۵۵۶)۔

۵-باغ میں کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ درختوں میں پھل ظاہر نہیں ہوئے تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ بیع ناجائز ہے،’’ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب، وصححه السرخسي‘‘ (الدر المختار مع تنویر الأبصار ۴/۵۵۵)۔

البتہ متاخرین میں سے بعض محققین نے اس صورت میں جواز کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رقم طراز ہیں:’’وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج أكثر‘‘(الدر المختار ۴/۵۵۵-۵۵۶)، امام حلوانی نے معاملہ کے جواز کا فتوی دیا ہے، بشرطیکہ اکثر پھل ظاہر ہو گئے ہوں، لیکن اس کے برعکس امام فضلیؒ نے کم و زیادہ پھل ظاہر ہونے کی تفصیل کئے بغیر اس معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: ’’قال:أجعل الموجود أصلاً في العقد، وما يحدث بعد ذلک تبعا، قال: أستحسن فيه لتعامل الناس؛فإنهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة، ولهم في ذلک عادة ظاهرة، وفي نزع الناس عن عادتهم حرج بين‘‘(المبسوط ۱۲/۱۶۸)، اور علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:’’ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر، بل قال عنه: اجعل الموجود أصلا في العقد، وما يحدث بعد ذلک تبعا......وقد رأيت في هذا رواية عن محمد:وهو في بيع الورد على الأشجار؛فإن الورد متلا حق، ثم جوّز البيع في الكل بهذا الطريق:‘‘(البحر الرائق ۵/۳۲۵)۔

۶-پھل نکل آنے کے بعد انسان کے لئے قابل انتفاع بھی ہو گیا تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے، عالمگیری میں ہے:’’فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح‘‘(عالمگیری ۳/۱۰۶)، البتہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پھل کے درخت پر ایک مدت تک لگے رہنے کی شرط لگا دے تو پھر یہ بیع درست نہیں رہے گی، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور اپنی حد کو پہنچ چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کا اعتبار ہو گا، علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:’’وبعد ماتناهت صحيح اتفاقا إذا أطلق، وأما بشرط الترک ففيه اختلاف‘‘(البحر الرائق ۵/۳۲۴)۔

اور علامہ حصکفی رقم طراز ہیں: "وقيل-قائله محمد: لا يفسد، إذا تناهت الثمرة للتعارف، فكان شرطا يقتضيه العقد، وبه يفتى، بحر عن الأسرار" (الدر المختار مع تنویر الأبصار ۵۵۶/۴)۔

ب—مذهب مالكی: ۱-بور کے پھل کی صورت اختیار کرنے سے پہلے بیع ناجائز ہے۔

۲-پھل میں زردی یا سرخی آنے سے پہلے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔

۳-پھل میں زردی یا سرخی آنے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے۔

۴-پھل میں زردی یا سرخی آ جانے کے بعد ہر طرح خرید وفروخت درست ہے، خواہ مشروط خرید وفروخت ہو، یا فوراً توڑ لینے کی شرط ہو، یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط ہو۔

۵-باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل ظاہر ہو گیا ہو تو اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن عبد البر قرطبی مالکی رقم طراز ہیں: "وإذا كان نهيه عليه السلام عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها يمنع من بيعها قبل بدو صلاحها وبعد خلقها، فما ظنك بيع مالم يخلق منها، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنبل، وهى عن بيع المعاومة، وعن بيع مالم يخلق منها، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنين" (الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الأمصار ۳۰۶/۶، ۳۰۷)۔

نیز علامہ قرطبیؒ اپنی دوسری کتاب "الكافي في فقه أهل المدينة" میں لکھتے ہیں: "ولا يجوز بيع ثمرة في رؤوس النخل والشجر على الترك إلى الجذاذ والقطاف حتى يبدو صلاحها، وجائز أن يبتاع على القطع قبل أن يبدو صلاحها" (الکافی فی فقہ أہل المدینۃ ۶۸۳/۲)۔

اور علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی تحریر فرماتے ہیں: "وبدوه: أي الصلاح في بعض من ذلك النوع، ولو نخلة كاف في جواز بيع الجميع من جنسه لا في غير جنسه" (حاشیۃ الصاوی ۸۳/۷ طبع الشاملہ)۔

اور امام مالکؒ کا قول ہے: "وبيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها من بيع الغرر" (الاستذکار ۳۰۴/۶) (پھلوں کو تیار ہونے سے پہلے بیچنا بیع غرر میں شامل ہے)۔

اور علامہ ابو بکر شاشی قفال فارقی شافعی تحریر فرماتے ہیں: "فإن باع الثمرة الظاهرة ومايظهر بعد ذلك لم يصح البيع، وبه قال أبو حنيفة وأحمد، وقال مالك: يصح" (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ۱۸۱/۲، کتاب البیوع، نیز دیکھئے: شیرازی، المہذب ۲۷۷/۱، کاسانی بدائع الصنائع ۲۴۷/۵، ابن قدامہ، المغنی ۳۳۳/۲، مالک، المدونۃ الکبری ۳/۱۲-۷) (سو اگر ظاہر ہونے والے اور بعد میں ظاہر ہونے والے پھل دونوں کو بیچ دے، تو بیع درست نہیں ہوگی، اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے، اور امام مالک کا قول ہے کہ بیع صحیح ہے)۔

ج—**مذہب شافعی:** ذیل میں مذہب شافعی کی تفصیلات درج ہیں:

۱-پھل آنے اور قابل استعمال ہونے کے بعد بیع مطلقاً درست ہے، خواہ توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ہو، یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو، یا بلا شرط عقد ہو۔

۲-قابل استعمال ہونے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے، جبکہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کا توڑنا مفید ہو۔

۳-کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوئے ہوں، تو پھر نا قابل استعمال پھل کو توڑ لینے کی شرط کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے۔

۴-پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ان کی بیع کر دی جائے، تو یہ جائز نہیں ہے، چنانچہ علامہ شمس الدین محمد رملی شافعیؒ رقم طراز ہیں: پھل کو قابل استعمال ہوجانے کے بعد مطلقاً یعنی توڑ لینے یا باقی رکھنے کی شرط کی تفصیل کے بغیر بیچنا جائز ہے، اور اس حالت میں خریدار پھل توڑنے کے وقت تک باقی رکھنے کا حقدار ہوگا، جیسے باقی رکھنے کی شرط کی حالت میں، اور توڑ لینے اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے، خواہ درخت عاقدین میں سے کسی کا ہو، یا دوسرے کا ہو، بخاری اور مسلم کی روایت کی وجہ سے کہ حضور ﷺ نے عاقدین کو پھل تیار ہونے سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمایا (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۱۹۴، مسلم: ۱۵۳۴)۔ اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قابل استعمال ہونے کے بعد کسی تفصیل کے بغیر بیع جائز ہے؛ کیونکہ عام طور سے ایسے وقت میں آفت سے حفاظت ہوجاتی ہے، اس کے اور اس کی گٹھلی کے بڑے ہونے کی وجہ سے، جبکہ اس حالت سے پہلے اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے آفت اس کی طرف لپکتی ہے، چنانچہ اس کے ضائع ہونے کی وجہ سے ثمن فوت ہوجائے گا، اور اسی کا پتہ چلتا ہے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے کہ: بتاؤ اگر اللہ پھل روک دے، تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے مال کو کیسے حلال ٹھہرائے گا (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۵)۔

اور قابل استعمال ہونے سے پہلے اگر اس پھل کو بیچا گیا جو ابھی قابل استعمال نہیں ہوا، اگرچہ دوسرے پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں جو جگہ اور نوعیت کے اعتبار سے اس کے ساتھ متحد ہوں، اور درخت کے ساتھ اس کی بیع نہ ہو، اور پھل ثابت شدہ درخت پر ہو تو یہ بیع جائز نہیں، یعنی بیع صحیح نہیں، اور اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ کرنا حرام ہے، مگر فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے (نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج ۴/۱۴۵)۔

اور امام نووی شافعی رقم طراز ہیں: ''إنما یجوز البیع بشرط القطع، إذا کان المقطوع منتفعا به، کالحصرم واللوز والبلح والمشمش، فأما لامنفعة فیه کالجوز والسفرجل والکمثری، فلا یجوز بیعه بشرط القطع ایضا'' (المجموع شرح المہذب ۱۱/۴۱۴) (تیار ہونے سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع اس وقت جائز ہے

جبکہ توڑا ہوا پھل قابل انتفاع ہو، جیسے کچا پھل، بادام، کچی کھجور، کشمش، سو بہر حال جس میں نفع نہ ہو، جیسے آخروٹ، بہی (ناشپاتی اور سیب کی طرح کا ایک پھل) اور ناشپاتی، توتوڑنے کی شرط کے ساتھ بھی اس کی بیع جائز نہیں ہے)۔

د-حنبلی مسلک:

۱-جب تک بور پھل میں تبدیل نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

۲-پھل کے قابل استعمال ہونے سے پہلے فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے۔

۳-قابل استعمال ہونے سے پہلے توڑنے کا وقت آنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔

۴-قابل استعمال ہونے کے بعد ہر طرح خرید وفروخت درست ہے، خواہ غیر مشروط طور پر عقد ہو، یا فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ہو، یا پھل کے تیار ہونے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو۔

۵-کچھ پھل ظاہر ہو گئے ہوں اور کچھ کے آئندہ ظاہر ہونے کی امید ہو، تو ظاہر اور غیر ظاہر ملا کر دونوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے، علامہ ابن قدامہ مقدسی تحریر فرماتے ہیں: قابل استعمال ہونے سے پہلے پھل کی بیع تین قسموں سے خالی نہیں: ایک قسم یہ ہے کہ درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خریدے، تو بالاتفاق بیع درست نہیں ہے...... دوسری قسم یہ ہے کہ فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیچے تو بالاتفاق بیع درست ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ مطلقاً فروخت کرے، اور توڑنے اور باقی رکھنے کی شرط نہ لگائے، تو بیع باطل ہے، دوسری نوع یہ ہے کہ درخت کے ساتھ بیچے تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ درخت کے ساتھ جب پھل کو بیچے گا، تو بیع میں پھل تابع رہے گا، لہذا اس میں غرر کا احتمال نقصان دہ نہ ہوگا، تیسری نوع یہ ہے کہ درخت کے مالک سے صرف پھل فروخت کرے، جیسا کہ پھل بائع کا ہو اور خریدار شرط نہ لگائے، پھر اس کے بعد فروخت کنندہ پھل کو بھی خریدار سے فروخت کر دے، تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بیع درست ہے، اور یہی امام مالک کا مشہور قول ہے، اور یہی شافعیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے؛ اس لئے کہ درخت اور پھل خریدار کے لئے جمع ہو جائیں گے، تو یہ بیع درست ہوگی، جس طرح اس حالت میں بیع درست ہے، جبکہ دونوں کو ایک ساتھ خریدے...... سو اگر پھل کو قابل استعمال ہونے کے بعد تڑائی تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ فروخت کر دے، تو بیع جائز ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پھل قابل استعمال ہو جائے تو اس کی بیع غیر مشروط طور پر، نیز تڑائی کے وقت تک درخت پر باقی رکھنے اور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے (المغنی لابن قدامہ ۲۱۸/۴) (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی وغیرہ)۔

-مولانا عمر بن یوسف کوکنی نے ان صورتوں کے دلائل مختصر طور پر اس طرح ذکر کئے ہیں:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع یا توان کے ظہور سے پہلے ہوگی یا ظہور کے بعد۔

قبل الظهور: تمام ائمہ کے نزدیک ظہور ثمر سے قبل بیع ناجائز ہے؛اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے اوراس میں غرر کثیر ہے،جیسا کہ سوال نمبر ا کے تحت اس کی تصریحات مذکور ہیں۔

بعد الظهور: پھلوں کے ظہور کے بعد بیع ہوتو یا بدوصلاح سے قبل ہوگی یا بدوصلاح کے بعد۔

بعد الظهور قبل بدوالصلاح: اس میں تین حالتیں ہیں:

ا-درخت پر پھل باقی رکھنے (شرط تبقیہ) کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

شوافع: "**فلا يجوز بيع الثمار مطلقا ولا بشرط الابقاء**" (روضۃ الطالبین ۳/۲۱۰)۔

حنفیہ: "**والبيع......قبل بدوالصلاح......بشرط الترک لا يجوز بالاجماع**" (البنایۃ شرح الہدایہ ۸/۳۷)۔

مالکیہ: "**لا يجوز بيع الثمر والزرع قبل بدوصلاحه وحده......على شرط التبقية أو على أصله حتى يتم طيبه**" (منح الجلیل علی مختصر سیدی خلیل ۴/۴۹۹)۔

حنابلہ: "**أن يشتريها بشرط التبقية فلا يصح البيع اجماعا......قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث، اى: ان النبيﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدوصلاحها، نهى البائع والمبتاع**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۷۲)۔

۲-درخت سے پھل توڑنے (شرط قطع) کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

شوافع: "**ويجوز بشرط القطع بالاجماع**" (روضۃ الطالبین ۳/۲۱۰)۔

حنفیہ: "**وقبل بدوالصلاح بشرط القطع في المنتفع به صحيح اتفاقا**" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۵/۴۵۴)۔

مالکیہ: "**ويجوز بيع الثمار قبل الزهو بشرط القطع، ويبطل بشرط التبقية**" (الذخیرۃ لشہاب الدین القرافی ۵/۱۸۳)۔

حنابلہ: "**أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالإجماع؛لأن المنع إنما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها......وهذا مأمون فيما يقطع فصح بيعه كما لو بدا صلاحه**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۷۲)۔

۳-بدوصلاح سے قبل مطلقاً بیع کرنا یعنی تبقیہ یا قطع کی شرط کے بغیر پھلوں کی بیع کرنا شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

شوافع: "فلا يجوز بيع الثمار مطلقا" (روضۃ الطالبین ۳/ ۲۱۰)۔

"وذلک (حديث النهي) يدل على منع البيع مطلقا سواء اشترط بقاء ها إلى أوان الجذاذ أو قطعها أو أطلق العقد، فاستثنى منه ما قام الإجماع على جوازه وهو البيع بشرط القطع، وبقي على عمومه فيما عداه" (کفایۃ النبیہ ۹/ ۱۹۲)۔

مالکیہ: "لا تباع الثمرة قبل زهوها إلا مع أصلها أو على القطع، والإطلاق مبطل كاشتراط التبقية" (ارشاد السالک مع اسہل المدارک ۲/ ۱۰۳)۔

حنابلہ: "أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي" (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۷۲)۔

حنفیہ: حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے قبل کسی بھی طرح پھل قابل انتفاع ہوا ہو یعنی کم از کم چوپایوں کے چارے کے کام آ سکتا ہو تو تبقیہ یا قطع کی شرط کے بغیر مطلقاً بیع درست ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ کا بیان ہے: "بعد الظهور قبل بدوالصلاح مطلقا اى لا بشرط القطع ولا بشرط الترک، فعند الأئمة الثلاثة لا يجوز، وعندنا يجوز" (البحرالرائق ۵/ ۴۵۵)۔

بعد بدوالصلاح: بدوصلاح کے بعد تینوں حالتوں میں سے کسی بھی حالت پر پھلوں کی بیع تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے (البتہ حنفیہ کے یہاں شرط تبقیہ میں کچھ تفصیل ہے)۔

شافعیہ: "يجوز بيع الثمر بعد بدوصلاحه مطلقاً اى من شرط قطع ولا تبقية......وبشرط قطعه وبشرط ابقاء ه......ومفهومه الجواز بعد بدوه في الأحوال الثلاثة لا من العاهة حينئذ غالبا" (تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۶/ ۱۲۲)۔

مالکیہ: "وصح بيع ثمر ونحوه بدا صلاحه إن لم يستتر" (مختصر العلامۃ الشیخ خلیل مع شرحہ جواہر الاکلیل ۲/ ۱۰)۔

حنابلہ: "وجملة ذلک انه إذا بدا الصلاح فى الثمرة جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية إلى حال الجزاز وبشرط القطع" (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۷۵)۔

حنفیہ: "ومن باع ثمرة لم يبدصلاحها أو قد بدا جاز البيع" (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۲۶۶)۔

مزید دلائل:

۱-"ومن باع ثمرة لم يبدصلاحها أو قد بدا جاز البيع وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريعاً لملک البائع، وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع"(الہدایہ ۲۷/۳)(مقالہ:مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۲-"ومن اشترى قصيلا أو ثمرا قبل بدوصلاحها على القطع فتركها فالبيع باطل"(الکافی فی فقہ اہل المدینہ ۶۸۴/۲)(مقالہ:مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۳-"فإن شرط أحد أن يترک إلى أن يبلغ فلا خير فى الشراء"(کتاب الام ۱۴/۴)(مقالہ:مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۴-"لا يخلو بيع الثمرة قبل بدوّصلاحها من ثلاثة أقسام، أحدها: أن يشتريها بشرط التبقية فلا يصح البيع اجماعا، القسم الثانى: أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع،القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا، ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالک والشافعى، وأجازه أبو حنيفة"(المغنی لابن قدامہ ۴۸۶/۵،الموسوعۃ الفقہیہ ۱۱/۱۵)(مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۵-حکیم بن حزامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:"يا رسول الله! يأتينى الرجل فيريد منى البيع ليس عندى، فأبتاعه له من السوق؟ فقال: لا تبع ما ليس عندک"(سنن ابوداؤد:۳۵۰۳)(مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا عبدالحی مفتاحی)۔

۶-"أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها، لأنها معدومة، وبيع المعدوم غير جائز للغرر"(الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳/۱۵)(مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی)۔

۷-"ثم إن بيع الثمار قبل ظهورها باطل بالاجماع، ولا خلاف فيه، لكونه بيع المعدوم"(فتح الملہم شرح مسلم ۲۵۰/۷)(مقالہ:مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

۸-مادۃ۲۰۵:"بيع المعدوم باطل فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلا......مثال ذلک إذا باع رجل من آخر عنب كرمه وهو زهر، أومهر فرسه وهو جنين، أو زرع أرضه قبل أن يبدوصلاحه أى ينفصل الثمر من الزهر وينعقد ولو صغيرا فالبيع باطل"(درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ۱۸۱/۱)(مقالہ مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ)۔

۹-مادہ:۲۰۶:"الثمرة التى برزت جميعها يصح بيعها وهى على شجرها سواء كانت صالحة للأكل أم لا، لأنه كما ذكر فى شرح المادة(۱۹۷)لا يشترط فى البيع أن يكون المبيع قابلا للانتفاع

معه فی الحال"(دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ۱/۱۸۲)(مقالہ مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ)۔

۱۰-مادہ۲۰۷:"**ماتتلاحق أفراده یعنی أن لا یبرز دفعة واحدة بل شیئا بعد شئ كالفواكه والازهار والورق والخضراوات إذا كان برز بعضها یصح بیع ما سیبرز مع مابرز تبعا له بصفقة واحدة، قد جوز هذا البیع استحسانا للعرف والتعامل فالبیع أصلا فی الموجود وتبعا فی المعدوم**"(دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ۱/۱۸۲)(مقالہ مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ)۔

۱۱-"**اجمع العلماء علی أن بیع الثمار قبل أن تخلق لا ینعقد، لأنه من باب النهی عن بیع مالم یخلق ومن باب بیع المعاومة والسنین**"(موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/۲۵۵)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبدالتواب اناوی)۔

۱۲-"**ان رسول اللهﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها، نهی البائع والمبتاع**"(بخاری:۲۱۹۴)، اور ایک روایت میں ہے:"**نهی عن بیع النخل حتی یزهو، وعن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاهة**"(مسلم ۳/۱۱۶۵)(مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۱۳-"**ان النبی ﷺ نهی عن بیع الثمرة حتی یبدو صلاحها، وعن بیع النخل حتی یزهو، قیل: ما یزهو؟قال: یحمارّ أویصفارّ**"(بخاری مع الفتح ۴/۳۹۷)(مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی)۔

۱-مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: درختوں پر پھول نکلتے ہی بہار کی بیع باطل ہے، پھول نکلنے کے بعد پھل بھی نکل آئیں لیکن بڑے نہ ہوئے ہوں یعنی اس میں گٹھلی نہ پڑی ہو (اگر گٹھلی والے پھل ہوں) یا پھل بڑے ہو چکے ہوں اور اس میں گٹھلی پڑ چکی ہو لیکن ان پھلوں میں پختگی نہ آئی ہو، پھر ان دونوں صورتوں میں مشتری نے بائع سے یہ شرط لگادی کہ پھل پکنے تک یا کارآمد ہونے تک درختوں پر علی حالہ باقی رہیں گے تو ان دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہوگی (شرط فاسد کی وجہ سے)، اور اگر پھل بڑے ہونے کے بعد مطلق عقد واقع ہوا اور صلب عقد میں کوئی شرط نہ ہو، نہ قطع ثمر کی اور نہ ترک کی، لیکن بائع پھلوں کے پکنے تک درختوں پر لگے رہنے کی اجازت دے دے اور یہ اجازت عرف میں نہ رائج ہو تو یہ صورت اقرب الی الجواز کی ہے (کفایت المفتی ۸/۴۳)(مقالہ مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی)۔

مولانا روح اللہ قاسمی پھلوں کی بیع کے تعلق سے ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات کا حاصل یہ بتاتے ہیں کہ بیع ثمار قبل بدو صلاح اور بعد بدو صلاح کی سات شکلیں نکلیں جو حسب ذیل ہیں:

۱-اگر پھل کے نکلنے سے پہلے بیع ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔
۲-پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بھی بالاتفاق بیع صحیح نہیں ہے۔
۳-پھل نکلنے اور قابل انتفاع ہونے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بالاتفاق بیع صحیح ہے۔

۴-پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ مسئلہ ائمہ ثلاثہ اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح نہیں ہے، اور احناف کے یہاں صحیح ہے۔

۵ تا ۷-پھل نکلنے اور بدوصلاح کے بعد بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو یا بغیر کسی شرط کے ہو، ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر سہ صورتیں جائز ہیں، حضرات حنفیہ کے یہاں توڑنے کی شرط کے ساتھ یا بغیر کسی شرط کے ہو تو جائز ہے، باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو حضرات شیخین اس بیع کو صحیح نہیں مانتے؛ لیکن حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل کا بڑھنا مکمل ہو گیا تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

پس احناف کے اصل مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ پھل کی بیع توڑنے کی شرط کے ساتھ اور مطلق بیع (نہ توڑنے کی شرط نہ باقی رکھنے کی) دونوں صورتوں میں (بدوصلاح سے پہلے اور بعد میں) جائز ہے، اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ دونوں صورتوں میں فاسد ہے، "**إن البيع بشرط القطع جائز فى الفصلين كما ان البيع بشرط الترك فاسد فى الفصلين اما إذا كان بشرط الاطلاق فهو جائز فى الصورتين**" (فیض الباری ۳/۴۷۷ باب بیع النخل قبل ان یبدو صلاحہ)۔

اس طرح احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان دو صورتیں محل نزاع ہیں:

الف-بدوصلاح سے قبل بیع جبکہ مطلق ہو، یہ شکل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، احناف کے نزدیک جائز ہے۔

ب-بدوصلاح کے بعد جبکہ بیع باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو، یہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز ہے اور احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، پھر اس آخری صورت میں خود احناف کے درمیان اختلاف ہے، امام محمد مسئلہ کی تفصیل کرتے ہیں، جبکہ حضرات شیخین کے یہاں کوئی تفصیل نہیں ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۶)۔

دیگر آراء:

-مفتی خالد حسین نیموی قاسمی دار الافتاء جامعۃ الرشید کراچی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ درختوں پر پھل یا پھول آنے سے پہلے معاملہ کی جائز صورت یہ ہے کہ مالک پہلے باغ کو متعین حصے پر بٹائی (مساقات) پر دے دے...... پھر اس معاملہ کے بعد الگ سے دوسرا معاملہ طے کرے، اور باغ کی زمین اسی شخص کو ٹھیکے (کرایہ) پر دیدے، اور ٹھیکہ (اجرت) طے

کرلیں،اس کے بعد مالک اپنا ہزارواں حصہ مستاجر کے لئے مباح کردے یعنی اسے معاف کردے،لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے مساقاۃ کا معاملہ طے کرلیں،اوراس کے بعد کرایہ کا،اس کے برعکس کرنا درست نہیں ہے۔

-مولانا حذیفہ داحودی نے مختلف عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ پھل آنے سے پہلے بالاتفاق بیع جائز نہیں ہے،اور پھل آنے کے بعد مگر بدوصلاح سے پہلے بیع بشرط القطع بالاتفاق جائز ہے،بیع بشرط الترک بالاتفاق جائز نہیں ہے، بیع بغیر شرط القطع والترک احناف کے نزدیک جائز ہے،ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے،اور بدوصلاح کے بعد بیع بشرط القطع اور بغیر شرط القطع والترک بالاتفاق جائز ہے،جبکہ بیع بشرط الترک ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے،احناف میں شیخین کے نزدیک جائز نہیں ہے،امام محمد کے یہاں اس صورت میں تفصیل ہے(نیز دیکھئے:مقالہ مفتی حبیب اللہ قاسمی وغیرہ)۔

-مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی کا کہنا ہے کہ حضرات حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱-فی الحال قطع کی شرط لگی ہو۔ ۲-توڑے ہوئے پھل قابل انتفاع ہوں۔ ۳-وہ مشاع نہ ہوں۔

۴-پھل مع درخت کے فروخت کئے گئے ہوں(دیکھئے:کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۷۰)۔

اور مالکیہ کے یہاں بدوصلاح سے پہلے تین صورتوں کے ساتھ بیع صحیح ہے:

۱-پھل درخت کے ساتھ فروخت کئے جائیں۔ ۲-اصل درخت کے ساتھ فروخت کئے جائیں۔

۳-تنہا پھلوں کی بیع ہو،لیکن اس کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱-فی الحال توڑنے کی شرط ہو۔ ۲-وہ پھل قابل انتفاع بھی ہو۔

۳-اس پھل کی بیع وشراء کی حاجت ہو اگرچہ حد ضرورت تک نہ پہنچی ہوئی ہو(دیکھئے:کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۶۷)۔

۳-بدوصلاح سے مراد اور فقہاء کے درمیان اختلاف رائے:

سوال نمبر:۳-رسول اللہ ﷺ نے بدوصلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا،لیکن بدوصلاح سے کیا مراد ہے؟اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے،تواس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

بدوصلاح کی لغوی تعریف:

"البَدْوُ"(بفتح الباء وسکون الدال وتخفیف الواو)"والبُدُوّ"(بضم الدال والباء وتشدید الواو)"کلاھما مصدر بمعنی الظھور کما فی تاج العروس، وصلاح الشیٔ ضد فسادہ"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۳،لسان العرب ۱/۳۴۷)،

یعنی "البَدُوُ" اور "البُدُوّ" دونوں ہی مصدر ہیں اور ظہور کے معنی میں آتے ہیں، اور صلاح فساد کی ضد ہے (مقالہ: مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی)۔

"بدوٗ" بدایبدو کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، پھلوں میں بدوصلاح کا مطلب ہوا کہ اس کی منفعت ظاہر ہوجائے (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی وغیرہ)۔

علامہ رملی شافعی لکھتے ہیں: "بدوصلاح الثمر ظهور مبادئ النضج والحلاوة" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۸، ردالمحتار ۴/۳۸) (مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی)۔

-"والمراد من بدوالصلاح هو أمن الثمرة من العاهة غير أن هذا الأمن يتفاوت بتفاوت الثمار، فلا يحصل الأمن من بعضها إلا بالنضح والحلاوة أو بحمرتها أو بصفرتها" (تکملہ فتح الملہم ۳/۳۶۹) (مفتی محمد عثمان گورینی)۔

-"اصطلاحاً: أن يصلح لتناول الناس وعلف الدواب" (التعلیق المجد ۳/۱۸۸) (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی)۔

☆ بدوصلاح سے قبل بیع کو بعض روایتوں میں "بیع محاضرۃ" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، ذیل میں سب سے پہلے ان احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت آئی ہے:

۱-"عن ابن عمرؓ ان النبيﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدوصلاحها، نهى البائع والمبتاع" (بخاری مع الفتح ۴/۳۹۴)۔

۲-"نهى عن بيع النخل حتى تزهو، وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة" (مسلم ۳/۱۱۶۵) یعنی پھل کو اس وقت تک نہ بیچا جائے جب تک پھول نہ نکل آئیں اور جب تک وہ آفات سے محفوظ نہ ہوجائیں۔

۳-"قال رسول اللهﷺ: لا تبتاعوا الثمار حتى يبدو صلاحها" (مسلم ۳/۱۱۶۷)۔

۴-"عن انسؓ ان النبي ﷺ نهى عن بيع الثمرة حتى يبدوصلاحها، وعن بيع النخل حتى يزهو، قيل: ما يزهو؟ قال: يحمارّ أو يصفارّ" (بخاری مع الفتح ۴/۳۹۷، مسلم ۳/۱۱۶۵)۔

۵- بدوصلاح کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے، فرماتے ہیں: "نهى النبيﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدوصلاحها، قال ابن عمر: حتى تذهب عاهتها" (بخاری مع الفتح ۳/۲۶۸، مسلم ۳/۱۱۶۶) کہ

وہ آفات سے بچ جائیں (دیکھئے: مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا محمد عباس، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی)۔

۶-"قال رسول اللهﷺ: أرأيت إذا منع الله الثمرة فبم يأخذ أحدكم مال أخيه" (بخاری:۲۱۹۸) (مقالہ مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۷-"أن رسول اللهﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدوصلاحها، وتأمن من العاهة" (مسند احمد:۲۴۷۴۴) (مقالہ مولانا عباد اللہ قاسمی)۔

۸-"نهى النبي ﷺ أن تباع الثمرة حتى تشقح، فقيل: وما تشقح؟ تحمارّ وتصفارّ ويؤكل منها" (بخاری:۲۱۹۶) (مقالہ: مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا طاہر حسین قاسمی وغیرہ)۔

بدوصلاح پر فقہاء کے مستدلات:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھل کا سرخ یا زرد ہونا ہے۔ ان کی دلیلیں درج ذیل احادیث ہیں:

"عن جابرؓ قال: نهى النبى ﷺ عن بيع التمر حتى يطيب" (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۱۸۹)۔

"عن ابى البخترى قال: سألت ابن عباس عن النخل فقال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع النخل حتى يأكل منه أو يؤكل" (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۵۳۷)۔

فقہاء احناف کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے مامون ومحفوظ ہوجانا ہے۔ ان کے دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) "فى حديث ابن عمر "وعن السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة" (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۵۳۵، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:۳۳۶۸)۔

(۲) "فى رواية يحيىٰ بن سعيد "حتى يبدو صلاحه ويذهب عنه الآفة" (صحیح مسلم، رقم:۱۵۳۵)۔

(۳) "وفى حديث ابن دينار عن ابن عمر رضى الله عنهما، نهى النبى ﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها وكان اذا سئل عن صلاحها قال: حتى تذهب عاهته" (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۱۴۸۶)۔

(۴) "عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تنجو من العاهة" (شرح معانی الآثار ۴/۲۳)۔

(۵) "عن عثمان بن عبدالله بن سراقة عن ابن عمر عن النبى ﷺ انه نهى عن بيع الثمار حتى تذهب العاهة" (شرح معانی الآثار، رقم:۵۵۶۶)۔

(۶) اس حدیث سے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

"أرأيت إن منع الله الثمرة بما تستحل مال أخيک؟" (صحیح البخاری، رقم: ۲۲۰۸)۔

"فانه يدل على أن العلة فى هذا النهى هو كون الثمرة لمثابة الهلاک وهذه العلة تزول بأمنها من العاهة" (فتح الملہم ۱/ ۳۸۵)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں نہی کی علت پھل کا ہلاکت کے درپے ہونا ہے، اور اس کے آفت سے محفوظ ہوجانے سے یہ علت ختم ہوجاتی ہے (مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی وغیرہ)۔

فقہاء کی آراء:

☆ حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ پھل آفات سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے، اور بعض کے نزدیک وہ پھل انسانوں کے کھانے یا جانوروں کے چارہ کے لائق ہوجائیں۔

فقہی عبارتیں:

۱-"فبدوالصلاح عند الحنفية أن تأمن الثمرة العاهة والفساد كما صرح به ابن الهمام فى فتح القدير" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۳) (مقالہ مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی بحوالہ ردالمحتار ۷/ ۸۵، مولانا عبد الحلیم اعظمی، مفتی محمد عثمان گورینی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا، مولانا نثار عالم ندوی)۔

۲-"ومعنى ظهور صلاحها أو أن يؤمن عليها من العاهات والفساد" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۲۶۹) (مقالہ مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی وغیرہ)۔

۳-"فسر الفقهاء بدو الصلاح بمعان شتى فالحنفية قالوا فى تفسيره: أن تؤمن العاهة والفساد، وإن كان بعضهم كالكرلانى فسره بأن تصلح الثمرة لتناول بنى آدم وعلف الدواب" (الموسوعہ الفقہیہ ۹/ ۱۸۸) (مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا ابراہیم فلاحی)۔

۴-"لكن بدوالصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد وعند الشافعية هو ظهور النضج وبدوالحلاوة" (ردالمحتار ۴/ ۳۸) (مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی محمد اسعد پالنپوری بحوالہ فتح القدیر ۶/ ۲۶۴، مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا نثار عالم ندوی بحوالہ فیض الباری ۳/ ۲۵۳، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

۵-"وبدوالصلاح صيرورته صالحا لتناول بنى آدم أو لعلف الدواب" (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۲۳۱)

(مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

۶-"وفی الشمنی وإنما الخلاف فی تفسیر بدوصلاحها وعندنا علی ما فی المبسوط هو أن یأمن العاهة والفساد وعلی ما فی الخلاصة عن التجرید أن یکون منتفعا به" (مجمع الأنہر) (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی وغیرہ)۔

۷-"أن تؤمن العاهة والفساد، وقیل بأن تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب" (البحر الرائق ۳۲۵/۵) (مقالہ مولانا محمد ادریس فلاحی، مفتی عبد الرشید قاسمی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی بحوالہ شرح الکفایہ علی الہدایہ ۴۸۸/۵، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

۸-"إن الحنفیة اعتبروا مجرد ظهور الثمرة والأمن من العاهة والجمهور اعتبروا ظهور النضج وبدو الحلاوة فی الثمار وفی الحب والزرع اشتداد هما" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۶۰/۴) (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

☆ شافعیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھل کا پک جانا اور اس میں مٹھاس پیدا ہوجانا ہے، اور علامہ قلیوبی کے مطابق پھل اپنی تکمیل کا اکثر حصہ پالے "بلوغه صفة یطلب فیها غالبا" (حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۲۰۴/۳) اور جنس کے مختلف ہونے کی بنا پر بدوصلاح بھی مختلف ہوگا۔

فقہی عبارتیں:

۱-علامہ نووی فرماتے ہیں: "ومذهبنا أن بدوالصلاح یرجع إلی تغیرصفة فی الثمرة وذلک یختلف باختلاف الاجناس وهو علی اختلافه راجع إلی شئ واحد مشترک بینهما وهو طیب الاکل وفی ذلک جمع بین الحدیثین اللذین ذکرهما المصنف" (المجموع ۱۵۰/۱۱) (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی بحوالہ روضۃ الطالبین ۵۵۶/۳، مفتی محمد زید مظاہری)۔

۲-علامہ ماوردی شافعی بدوصلاح کی آٹھ قسموں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وجملة القول فی بدوالصلاح أن تنهی الثمرة أو بعضها إلی أدنی أحوال کمالها فتنجو من العاهة" (الحاوی الکبیر ۱۹۵/۵) (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی)۔

۳-امام الحرمین تحریر فرماتے ہیں: "قال الاصحاب : الوجه أن ینتهی إلی منتهی یعتاد أکله فیه......وعلامة ذلک فی المتلونات، التلون إلی جهة الإدراک، وعلامته فیما لایتلون التموه، وجریان

الحلاوة والرونق "(نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ۵/۱۴۷)(مقالہ مولانا عمر کوکنی)۔

۴-"ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لا يتلون منه، أما فيما يتلون فبأن يأخذ فى الحمرة أو السواد أو الصفرة"(الحاوی الکبیر ۵/۱۹۵)(مقالہ مولانا محمد ادریس فلاحی، مفتی عبد الرشید قاسمی بحوالہ نہایۃ المحتاج ۴/۱۳۸، الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۸۸، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا بحوالہ منہاج الطالبین ۱/۱۰۷، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ بحوالہ حاشیۃ البجیرمی ۳/۳۰۶، مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی بحوالہ الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع ۱/۲۱۵)۔

۵-"بدو صلاح الثمر الذى أحل رسول اللهﷺ بيعه أن يحمرّ أويصفرّ"(الأم ۳/۴۱۶)(مقالہ مفتی شاکر نثار مدنی وغیرہ)۔

-مولانا عبد الحی مفتاحی اور مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی اور مفتی محمد نصر اللہ ندوی وغیرہ نے بدو صلاح کی مختلف علامتوں کا ذکر کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں، اور جنہیں فقہاء شوافع نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

۱-رنگ: یہ ہر اس پھل کے لئے ہے جو ماکول وملون ہو، جیسے انگور، کچی کھجور اور بیر وغیرہ۔ ۲-مزہ: جیسے گنا میں شیرینی، انار اور لیموں میں ترشی۔

۳-پکنا اور نرم ہونا: جیسے انجیر اور خربوزہ۔ ۴-ٹھوس اور سخت ہوجانا: جیسے گیہوں اور جو، دال وغیرہ۔

۵-حجم کا بڑھنا: جیسے کھیرا، ککڑی۔ ۶-چھلکے کا پھٹنا: جیسے روئی اور اخروٹ وغیرہ۔

۷-کھِل جانا: جیسے گلاب اور چنبیلی وغیرہ۔ ۸-لمبا اور موٹا ہونا: جیسے چارہ اور سبزیاں۔

۹-اور جس میں غلاف یا چھلکا نہ ہوتا ہو تو اس میں صرف ظہور ہی بدو صلاح ہے، جیسے یاسمین۔

(اکثر مقالہ نگاروں نے الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۸۸، الحاوی الکبیر ۵/۱۹۵، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۹۴، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۴، شرح المحلی علی المنہاج ۲/۲۳۵، شرح الدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۷۶، نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشبر املسی ۴/۱۴۸، مغنی المحتاج ۳/۳۵۷ وغیرہ سے ان علامتوں کا مختلف الفاظ میں ذکر کیا ہے)۔

☆ مالکیہ کے نزدیک بدو صلاح سے مراد پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہے، مثلاً پھلوں میں زردی یا سرخی آجائے، اور میووں پر حلاوت ومٹھاس پیدا ہوجائے، اور بدو صلاح کی سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہوجائے۔

فقہی عبارتیں:

۱-عبد الوہاب بغدادی مالکی فرماتے ہیں:"وبدو الصلاح يختلف باختلاف أنواعها ففى النخل

باحمرار البسر أو اصفراره، وفى العنب بأن يسود أو تدور الحلاوة فيه"(التلقین فی الفقہ المالکی ۳۷۵) (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، قاری ظفر الاسلام صدیقی بحوالہ حاشیہ مختصر خلیل ۱۹۵)۔

۲-"**والمالكية فسروه تفسيرا مختلفا نسبيا، فهو فى التمر:أن يحمرّ ويصفرّ ويزهو، وفى العنب:أن يسود وتبدو الحلاوة فيه، وفى غيرهما من الثمار:حصول الحلاوة، وفى الخس والعصفر:أن ينتفع بهما،و فى سائر البقول: أن تطيب للأكل، وفى الزرع والحب: أن ييبس ويشتد**"(حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۷۸، بحوالہ الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۸۸) (مقالہ:مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ شرح الدردیر ۳/۱۸۶، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ بحوالہ القوانین الفقہیہ ۲/۱۷۱، مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی بحوالہ شرح مختصر خلیل ۵/۱۸۶)۔

۳-علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:"**وهو أى بدوالصلاح الزهو فى البلح باصفراره واحمراره وما فى حكمها وظهور الحلاوة فى غيره كالعنب والتين ونحوهما، والتهيؤ للنضج، وفى البقول بإطعامها، اى بلوغها حد الاطعام وفى الحب بيبسه المراد به غاية الافراك وبلوغه حدا لايكبر بعده عادة**"(الشرح الصغیر ۳/۲۳۶) (مقالہ مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا سلمان الحسنی کیرلہ بحوالہ الکافی فی فقہ أہل المدینہ ۲/ ۶۸۳، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۴-"**هو الزهو وظهورالحلاوة والتهيؤ للنضج، وفى ذى النور بانفتاحه، والبقول بإطعامها**" (البہجۃ فی شرح التحفۃ ۲/۴۹) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

-مالکیہ کے نزدیک مختلف چیزوں کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے بدوصلاح کی مختلف تفسیریں ہیں:

تمر: سرخ اور زرد ہو کر پک جائے۔ عنب: سیاہی اور شیرینی پیدا ہو جائے۔

دیگر اثمار: حلاوت حاصل ہو جائے۔ سبزیاں: قابل اکل ہو جائیں۔

کھیتی اور غلہ: خشک ہو کر سخت ہو جائیں (مقالہ مولانا ابراہیم ہانسلوڈ فلاحی)۔

☆حنابلہ کے یہاں بدوصلاح سے مراد مختلف پھلوں کے اعتبار سے الگ الگ ہے، مثلاً رنگ میں تبدیلی آ جائے، اور جن پھلوں میں رنگ نہیں بدلتا تو اس میں مٹھاس آ جائے، اور اناج میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ سخت ہو جائے اور خشک ہو جائے، اور بعض پھلوں اور سبزیوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کا حجم اس حد تک پہنچ جائے جس میں عادتاً ان کو کھایا جاتا ہے۔

فقہی عبارتیں:

۱-"وظهور الصلاح فى الثمر هو أن ينضج ويطيب اكله وفى الحب أن يشتد أو يبيض" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۷۱)(مقالہ مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۲-"فان كانت ثمرة نخل فبدو صلاحها أن تظهر فيها الحمرة أو الصفرة، وإن كانت ثمرة كرم فصلاحها أن تتموه، وصلاح ماسوى النخل والكرم أن يبدو فيها النضج......وجملة ذلک أن ما كان من الثمرة يتغير لونه عند صلاحه كثمرة النخل والعنب الاسود والإجاص فبدو صلاحه بذلک، و إن كان العنب أبيض فصلاحه بتموهه وهو أن يبدو فيه الماء الحلو ويلين ويصفر لونه الخ" (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۴)(مقالہ مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا محمد ادریس فلاحی بحوالہ الانصاف ۵/۶۴، مفتی عبدالرشید قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری بحوالہ الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۸۹، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا بحوالہ الکافی فی فقہ الامام احمد ۲/۴۴، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ الشرح الکبیر ۴/۲۸۱، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

-مفتی خالد حسین نیموی کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں آئی ممانعت تحریم کے لئے نہیں ہے بلکہ ارشاد اور تنزیہ کے لئے جیسا کہ زید بن ثابت کی حدیث میں "...... كالمشورة يشير بها لكثرة خصوماتهم" کا لفظ صراحتاً یہ بتا رہا ہے کہ یہ تحریم نہیں تھی محض مشورہ تھا (دیکھئے: سبل السلام شرح بلوغ المرام ۳/۶۲)(نیز دیکھئے: مقالہ مفتی نذر توحید مظاہری بحوالہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

-مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے حضرت زید بن ثابت والی روایت، علامہ عینی، امام محمد، علامہ کاسانی، امام طحاوی، ملا علی قاری، علامہ شامی، علامہ ابن نجیم، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، مفتی تقی عثمانی اور اکابر دیوبند کی آراء اور فتاوی ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد ان کے گدر ہونے یعنی بدو صلاح سے قبل بھی ان کی بیع بغیر کسی کراہت وقباحت کے جائز ہے، اور حدیثوں میں جو اس کی ممانعت آئی ہے وہ محض ارشادی یا مشورے پر محمول ہے۔

دیگر آراء:

-مفتی خالد حسین نیموی قاسمی کا کہنا ہے کہ حدیث میں "یبدو" کے الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پھلوں کا مکمل طور پر پکنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بعض پھلوں کا پک جانا بھی کافی ہے، اور کچھ درختوں کے پھل کا پکنا بھی کافی ہے، اس لئے کہ مقصد

جو آفتوں سے محفوظ رہنا ہے وہ حاصل ہوگیا۔

-مفتی عبدالرشید قاسمی لکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ اور احناف نے بدوصلاح کی جو تفسیر کی ہے اس کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ پھل کھانے کے لائق ہوجائیں اور آفات وغیرہ سے محفوظ ہوجائیں، گویا اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے (دیکھئے: الحاوی الکبیر للماوردی ۱۹۶/۵، منۃ المنعم فی شرح مسلم: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ۱۸/۳)۔

-مولانا عبدالتواب اناوی نے "یأمن العاهة" کے ضمن میں لکھا ہے کہ پھل اگر گدر یعنی ادھ پکا ہوجائے تو بدوصلاح ہوجائے گا، اس کے بعد اس کے اندر پکنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، گدر ہوجانے کے بعد پھل اگر توڑ لئے جائیں تو دیگر ذرائع سے پک جاتے ہیں اور عوام الناس کے درمیان بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں۔

-مفتی سعید الرحمٰن بستوی نے "تحفۃ الباری" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی تفسیر صرف کھجوروں کے ساتھ خاص ہے، جبکہ حنفیہ نے جو تفسیر کی ہے وہ ہر پھل میں چلے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کی کتاب تحفۃ الالمعی ۱۳۳/۴)۔

۴-پھل کی مختلف کیفیتیں اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی مختلف صورتیں:

سوال نمبر۴-پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف-پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیاجائے ؛خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی۔

درخت پر پھل آنے سے پہلے ہی فروخت کردجائے، خواہ اسی سال کے ہوں یا آئندہ سالوں کے، تمام مقالہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت بیع معاومہ وبیع سنین میں داخل ہے، اور یہ معدوم کی بیع ہے، لہذا یہ بیع باطل ہے، اور باتفاق ائمہ اربعہ یہ صورت صحیح نہیں ہے۔

دلائل:

۱-"عن جابر بن عبد الله أن النبي ﷺ نهى عن المعاومة" (مسلم:۱۵۳۶، ابوداؤد:۳۳۷۵) (مقالہ: مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی، مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

۲-"عن حکیم بن حزام قال: نهانی رسول الله ﷺ أن أبیع مالیس عندی" (ترمذی:۱۲۳۵) (مقالہ: مولانا عبدالحی مفتاحی)۔

۳-فتاوی ہندیہ میں ہے:"بيع الثمار قبل الظهور لا يصح اتفاقا" (فتاوی ہندیہ ۱۵۶/۳، ردالمحتار ۸۵/۷) (مقالہ: مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۴-"لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۲۹۵/۴)(مقالہ: مولانا عبدالحلیم اعظمی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری بحوالہ فتح القدیر ۲۴۶/۶، مولانا جمیل اختر جلیلی)۔

۵-مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: "پہلا درجہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت کے اوپر مطلقاً ظاہر نہیں ہوا، اس وقت بیع کرنا جیسا کہ آج کل پورا باغ ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے کہ ابھی پھل بالکل نہیں آئے، پھول بھی نہیں لگے ہیں اور اس کو فروخت کر دیا جاتا ہے؛ اس پھل کی بیع کے متعلق یہ حکم ہے کہ یہ مطلقاً ناجائز اور حرام ہے، کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ یعنی ائمہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں" (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱۲۸/۲، ۱۲۹)۔

۶-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر کرتے ہیں: "پہلی صورت کہ پھلوں کے نکلنے سے قبل ہی ان کی بیع کر دی جائے، تو یہ جائز نہیں، اس کے متعلق صریح اور صحیح روایات موجود ہیں؛ حدیث میں اسی کو بیع "معاومہ" یا "بیع سنین" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جا سکتا؛ کیونکہ بیع سلم کے لئے اول تو احناف کے یہاں ضروری ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو اور یہاں ایسا نہیں ہوتا؛ تاہم اگر فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو نظر انداز بھی کر دیا جائے، تو اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو، اور یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ تو یقینی طور پر مدت مقرر ہے کہ خریدار کو پھل کب مل سکے گا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس صورت کی بھی کوئی توجیہ و تاویل کر دی جائے، تو پھر "بیع معاومہ" اور "بیع سنین" کی ممانعت والی احادیث بے معنی ہو کر رہ جائیں گی؛ اس لئے یہ صورت تو یقینی طور پر ممنوع ہوگی" (قاموس الفقہ ۴۵/۳)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری وغیرہ)۔

۷-"لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، وفسر الظهور بانفراك الزهر وانعقادها ثمرة" (ردالمحتار ۸۵/۷) (مقالہ: مولانا سلمان الحسنی کیرالا، مولانا محمد شاہجہاں ندوی بحوالہ الموسوعہ الفقہیہ ۱۸۹/۹)۔

۸-"أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة، وبيع المعدوم غير جائز للغرر" (الموسوعہ الفقہیہ ۱۳/۱۵)(مقالہ محی الدین غازی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی وغیرہ)۔

۹-"الاول أن يبيعها قبل الطلوع اى قبل الظهور، وفى هذا الوجه لا يجوز" (فتاوی تاتارخانیہ ۳۱۷/۸)(مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی وغیرہ)۔

دیگر آراء:

-اس صورت کو بیع سلم سے بھی کوئی مشابہت نہیں ہے کہ اس میں بیع سلم کی بنیادی شرائط مفقود ہیں، اس میں نہ مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ادائیگی کا وقت متعین ہوتا ہے (مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی بحوالہ قاموس الفقہ (۴۵/۳)، مولانا محمد عباس سعادتی بحوالہ جدید فقہی مسائل (۲۳۱/۴)، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا طاہر حسین قاسمی بحوالہ امداد الفتاوی (۱۰۳/۳))۔

-مولانا عباداللہ قاسمی نے اس صورت کے حرام ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے ہیں:

۱-معدوم شی کی بیع ہے۔ ۲-غرر پر مبنی بیع ہے۔ ۳-مبیع غیر مقدور التسلیم ہے۔

-لیکن مفتی نذر توحید مظاہری کی رائے ہے کہ اس صورت میں بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے ضرورت شدیدہ وابتلاء عام کی وجہ سے جائز ہوگا۔

-مفتی شاکر نثار مدنی کا کہنا ہے کہ عوام میں اس صورت کا چلن بہت ہے، اور ایسا کرنا ان کی مجبوری ہوتی ہے، اور اگر لوگوں کو پھل آنے کے بعد بیچنے پر مجبور کیا جائے تو حرج کثیر اور ضرر کبیر لازم آتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی ۴۸۷/۷-۴۹۰) (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی بحوالہ ردالمحتار ۸۶/۷)۔

-مولانا نثار عالم ندوی نے احسن الفتاوی کے حوالہ سے مختلف اسباب کی بنا پر اس صورت کو جائز قرار دیا ہے:

۱-اس صورت کو بیع سلم میں شمار کیا جائے اگر چہ کہ بعض شرائط مفقود ہوں، اور امام مالک کے قول پر جواز کا فتوی دیا جائے۔

۲-حدیث میں وارد نہی تحریم کے لئے نہیں ہے بلکہ نزاع کو رفع کرنے کے لئے مشورہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۳-اس صورت میں مبیع تو مجہول ہے لیکن طرفین کے درمیان رضامندی پائی جارہی ہے، لہذا اس میں نزاع کا سبب نہیں پایا جارہا ہے۔

۴-اس کا عموم بلوی ہو چکا ہے، اور لوگوں کے درمیان یہ صورت رائج ہو چکی ہے، اور قاعدہ ہے: "**إن ما عمت بلیته خفت قضیته**"۔

-البتہ مولانا عبدالحی مفتاحی نے اس کی متبادل شکل یہ بیان کی ہے کہ باغ کو زمین سمیت متعینہ مدت مثلاً ایک سال یا دو سال کے لئے کرایہ پر دے دیا جائے؛ تاکہ لینے والا زمین اور درختوں سے فائدہ اٹھائے، تو اس کی گنجائش ہے، اسلئے کہ اصل عقد زمین کی کرایہ داری کا ہے، باغ اس کے تابع ہے (دیکھئے: ایضاح النوادر ۷۵/۱) (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی محمد نعمت اللہ

قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی بحوالہ ردالمحتار، ۷/ ۸۸، مولانا محمد حذیفہ داحودی بحوالہ منتخبات نظام الفتاوی ۳/ ۳۹، وفتاوی محمودیہ ۴/ ۱۷۴، مولانا جمیل اختر جلیلی بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۱۹/ ۳۳۱)۔

-مفتی محمد الیاس قاسمی اس صورت کے عدم جواز کے دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں ہندوستان اور قرب وجوار کے ممالک میں درختوں پر بَور آنے کے بعد ہی پھلوں کی خرید وفروخت کا رواج عام ہے، اس لئے ابتلاء عام کے سبب اس کی گنجائش ہونی چاہئے (دیکھئے: ردالمحتار ۴/ ۵۵۵، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۳۴۸۲)۔

-قاری ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے عمدۃ القاری ۸/ ۴۸۵، اعلاء السنن ۱۳/ ۴۵، احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۸ وغیرہ سے عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان تمام تحریروں کی روشنی میں احقر کا خیال ہے کہ اس کے جواز کی گنجائش ملنی چاہئے۔

سوال نمبر ۴ (ب): باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے:

اس سلسلہ میں تمام مقالہ نگاروں نے یہی ذکر کیا ہے کہ حنفیہ کے ظاہر الروایہ میں، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بقول سرخسی ''اس میں عقد میں موجود و معدوم پھلوں کو جمع کر دیا گیا ہے، اور شئ معدوم بیع کو قبول نہیں کرتی ہے''۔

دلائل:

۱-''فمذهب جمهور الفقهاء من الشافعية والحنابلة وظاهر الرواية من الحنفية–وهو الأصح عندهم قياساً–انه لا يصح بيعه، وذلک لعدم القدرة على التسليم لتعذر التمييز......وعلله السرخسى بأنه جمع فى العقد بين الموجود والمعدوم، والمعدوم لا يقبل البيع، وحصة الموجود غير معلومة– وعلله الحنابلة بأنه ثمرة لم تخلق، فلم يجز بيعها، كما لو باعها قبل ظهور شئ منها، والحاجة تندفع ببيع أصوله'' (الموسوعہ الفقہیہ ۹/ ۱۹۸، نیز دیکھئے: موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/ ۲۶۰) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا ابراہیم ہانسلوڈ، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۹۲، مفتی محمد عثمان گورینی)۔

۲-''ولوبرز بعضها دون بعض لا يصح فى ظاهر المذهب وصححه السرخسى'' (درمختار مع الرد ۴/ ۵۵۵) (مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی، مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۳-''ولو اشتراها مطلقا فأثمرت ثمراً آخر قبل القبض فسد البيع لتعذر التمييز، ولو أثمرت بعده اشتركا للاختلاط'' (البحر الرائق ۵/ ۳۲۵) (مقالہ مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا ابراہیم

ہانسلوڈ فلاحی، مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

۴-"وإن بيعت جميع الشجر أو البستان فی حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها، ففيه خلاف، فقال الشافعية والحنابلة إنه لايجوز البيع إلا فيما ظهر وهو ظاهر مذهب الحنفيةِ لأنه مالم يخرج معدوم"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)(مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

☆لیکن امام مالکؒ نے اور اسی طرح احناف سے شمس الائمہ حلوانی اور ابوبکر محمد بن الفضل بخاری وغیرہ نے موجود پھلوں کو اصل اور غیر موجود پھلوں کو اصل کے تابع قرار دے کر عقد کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ درختوں پر سارے پھل ایک ساتھ نہیں آتے ہیں، کچھ پھل آنے کے بعد اس کی بیع کا تعامل ہو چکا ہے جس سے لوگوں کو روکنا اب دشوار ہے، اس لئے حرج کو دور کرنے اور لوگوں کو اکل حرام سے بچانے کے لئے اس صورت کو استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے۔

دلائل:

۱-"وقال مالک: إذا ظهر فيه الخارج الأول يجوز بيعه؛لأن فيه ضرورة؛ لأنه لا يظهر الكل دفعة واحدة، بل على التعاقب بعضها بعد بعض، فلولم يجز بيع الكل عند ظهور البعض لوقع الناس فی الحرج"(بدائع الصنائع ۴/۳۲۷)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۲-"ومذهب مالک جوازه، وهو ايضا ما أفتى به بعض الحنفية كالحلوانی وابی بكر محمد بن الفضل البخاری وآخرين استحسانا، وذلک بجعل الموجود اصلا فی العقد وما يحدث بعده تبعا له، من غير تقييد بكون الموجود وقت العقد أكثر۔

ووجه الاستحسان هو تعامل الناس، فانهم تعاملوا ببيع ثمار الكرم بهذه الصفة، ولهم فی ذلک عادة ظاهرة، وفی نزع الناس من عادتهم حرج"(الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۹۸)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی بحوالہ المبسوط ۱۲/۱۹۷، قاری ظفر الاسلام صدیقی بحوالہ فتح القدیر، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا جمیل اختر جلیلی بحوالہ مجمع الانہر ۲/۱۹، مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۷/۳۶۷، مفتی عبدالرشید قاسمی بحوالہ البحر الرائق ۵/۵۰۳، مولانا عباد اللہ قاسمی بحوالہ فتاوی ہندیہ ۳/۱۰۶، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا طاہر حسین قاسمی بحوالہ رد المحتار)۔

۳-حنفیہ میں سے امام محمد کا رجحان بھی یہی ہے:"وقد رأيت رواية فی نحو هذا عن محمدؒ، وهو بيع الورد على الاشجار، فان الورد متلاحق، ثم جوز البيع فی الكل بهذا الطريق، وهو قول مالکؒ"(فتح

القدیر ۶/ ۲۶۹)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۳۷۷/۷، مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

۴-"وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع عند أبى حنيفة والشافعى وأحمد، وقال مالك: يجوز"(فتح القدیر)(مقالہ مولانا طاہر حسین قاسمی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا عبدالحلیم اعظمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

۵-"وإن باع الثمر على الشجر والبعض قد خرج ثم خرج الباقى فإن حلله البائع جاز"(فتاوی تاتارخانیہ ۳۱۸/۸، نیز دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۳۷۶/۱)(مقالہ مفتی سعید الرحمن بستوی)۔

۶-"أن تباع سائر ثمار الشجر أو البستان فى حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها، وفيه خلاف بين مشائخ الحنفية، فظاهر المذهب أنه لا يجوز أيضا، ولكن أفتى شمس الائمة الحلوانى ؒ بأنه لو كان الخارج اكثر جاز البيع فى الجميع، وبه أفتى الامام الفضلى، بل يظهر من عبارته انه لا يشترط كون الخارج أكثر، بل يجعل الموجود أصلا فى البيع، وما يحدث بعد ذلك تبعا له......الحاصل أن هذه الصورة وإن كانت غير جائزة فى اصل المذهب، غير أن فيها سعة عند عموم البلوى"(تکملہ فتح الملہم ۲۵۳/۱)(مقالہ مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عبدالحئ مفتاحی بحوالہ رد المحتار ۸۵/۷)۔

۷-"إذا بدا بعض ثمر الشجر جاز بيع جميعها اتفاقا"(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ۴۸۰/۲۹)(مقالہ مولانا صابر حسین ندوی)۔

-مفتی محمد زید مظاہری ندوی وغیرہ نے اس مسئلہ کی مختلف صورتیں اور ائمہ کے مذاہب نقل کئے ہیں، جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(الف) ایک درخت پر کچھ پھل آئے ہیں اور کچھ نہیں۔

(ب) یا ایک باغ کے بعض درختوں پر پھل آئے ہیں اور بعض درختوں میں نہیں۔

(ج) ایک ہی باغ میں مختلف جنسوں کے درخت ہیں (مثلاً آم بھی امرود بھی) جن میں بعض میں پھل آئے ہیں اور بعض میں نہیں۔

(د) ایک علاقہ کے مختلف باغوں میں سے بعض باغوں میں پھل آئے ہیں اور بعض باغوں میں نہیں۔

ان سب صورتوں کے متعلق ائمہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ عینیؒ اور علامہ ابو عبداللہ دمشقی نے اس کا خلاصہ ذکر کیا

ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) کسی علاقہ کے صرف بعض باغوں میں پھل آ گئے اور بدو صلاح بھی ہو گیا تو اس کی وجہ سے دوسرے تمام باغوں میں بھی پھلوں کی بیع جائز ہے، اگر چہ دوسرے باغوں میں ابھی پھل نہ آئے ہوں، یہ قول امام لیثؒ کا ہے۔

(۲) امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے بشرطیکہ سارے درخت متلاحق یعنی ایک ساتھ اور قریب قریب ہوں، بعید نہ ہوں، تو ایسی صورت میں مختلف الاجناس درختوں میں سے بعض جنس کے درختوں میں پھل آ جانے سے سب درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے، جب کہ وہ سارے درخت اور باغات قریب قریب ہوں۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ایک جنس کا باغ ہو اور اس میں بعض درختوں میں پھل آئے اور بعض میں نہیں آئے تو ایک جنس کا باغ ہونے کی صورت میں تو بیع جائز ہے، اور اگر باغ مختلف جنسوں پر مشتمل ہے تو ایک جنس کے درخت میں پھل آ جانے سے دوسری جنس کے درختوں میں بیع جائز نہیں ہوگی، مثلاً آم کے باغ میں امرود بھی ہیں تو آم کے درختوں میں پھل آنے سے امرود کے درختوں میں بیع جائز نہیں ہوگی یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے (دیکھئے: عمدۃ القاری ۱۲/۵، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ لمحمد بن عبد الرحمٰن الدمشقی ص/ ۱۳۷)۔

(۴) امام احمدؒ کے نزدیک اگر کسی باغ کے بعض درختوں میں پھل آ گیا تو سب درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے اگر چہ وہ مختلف الاجناس ہوں، لیکن دو باغوں میں سے ایک کو دوسرے کے تابع نہ کیا جائے گا اگر چہ دونوں ایک ہی نوع کے ہوں۔

"قال ابن قدامه: فاما النوع الواحد من بستانين فلا يتبع أحدهما آخر فى جواز البيع حتى يبدو الصلاح فى أحدهما، متجاورين كانا أو متباعدين وهٰذا مذهب الشافعى" (المغنی لابن قدامہ ۱۰۰/۴)۔

(۵) اور احناف کے نزدیک بھی اگر باغ کے کچھ درختوں میں پھل آ گئے تو پورے باغ کے پھلوں کی بیع جائز ہے، اگر چہ صاحب درمختار نے زیلعی کے حوالہ سے اس میں اکثر درختوں میں پھل آنے کی قید لگائی ہے، لیکن صاحب البحر الرائق نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر اقل میں پھل آ جائیں اور اکثر درختوں میں نہ آئیں تو معدوم کو موجود کے تابع کر کے اس کی بیع کو جائز قرار دیا جائے گا، علامہ سرخسیؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے:

"وفى الدر المختار وأفتى الحلوانى بالجواز لو الخارج اكثر، زيلعى، وفى رد المحتار ذكر فى البحر عن الفتح أن ما نقله شمس الائمة عن الإمام الفضلى لم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد أكثر بل قال عنه أجعل الموجود اصلا وما يحدث بعد ذلك تبعا" (درمختار، ردالمحتار ۳۴/۴)۔

مولانا محمد حذیفہ داحودی نے اس صورت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کا اختصار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

اس صورت میں امام مالک کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز نہیں ہے، اور حنفیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق بھی یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

"**بعض الثمار قدخرج وبعضهالم يخرج هل يجوز هذا البيع؟ ظاهر المذهب انه لايجوز، وفی الكافی: خلافا لمالک......۔**" (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۸/ ۳۱۹) "**ومايوجد من الزرع بعضه بعد بعض كالبطيخ والباذنجان فيجوز بيع ماظهرمنه ولايجوز بيع مالم يظهروهذاقول عامة العلماء وقال مالکؒ اذاظهرفيه الخارج الاول يجوز بيعه......۔**" (البدائع: ۴/ ۳۲۷)، امام زیلعیؒ کے حسب روایت امام سرخسیؒ نے اسی کو درست اور اصح قرار دیا ہے اور اس قسم کی ضرورت کے موقع پر معاملہ کرنے کی بہت سی صحیح صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: یہ کہ درختوں کو بھی خرید لے، یا مثلاً: یہ کہ موجودہ پھلوں کو کچھ حصۂ ثمن کے عوض خرید لے اور مابقیہ پھل جب نکل آئیں تب ان کا باقی ثمن کے عوض سودا کرلے، یا مثلاً: یہ کہ موجودہ پھلوں کو کل ثمن کے عوض خرید لے اور بعد میں نکلنے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لئے مباح وحلال کردے، جس سے مشتری کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، پس اس امکان کے ہوتے ہوئے نص: "**لاتبع مالیس عندک**" کے خلاف معدوم کی بیع جائز قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ تاہم اگر موجود یعنی نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ معدوم یعنی نہ نکلے ہوئے پھلوں کی بیع کی گئی تو یہ بیع فاسد ہوگی جیسا کہ امام سرخسیؒ نے فرمایا، اور اگر صرف موجود یعنی نکلے ہوئے پھلوں ہی کی بیع کی گئی، مگر مشتری کے قبضہ سے پہلے ہی مزید کچھ پھل نکل آئے تب بھی یہ بیع فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ مبیع اور غیر مبیع میں امتیاز مشکل ہونے کی وجہ سے مبیع کی حوالگی دشوار ہے، اور اگر خریدار کے قبضہ کر چکنے کے بعد پھل میں اضافہ ہوا اور نئے پھل نکل آئے تو اب اختلاطِ ملکیت کی وجہ سے عقد کے وقت موجود پھلوں میں بیع صحیح ہوکر پھلوں میں خریدار اور مالک دونوں شریک سمجھے جائیں گے، یعنی عقد کے وقت جو پھل موجود تھے وہ خریدار کے اور بعد میں نکلے ہوئے پھل مالکِ درخت کے ہوں گے، جیسا کہ صاحب ہدایہؒ، ابن ہمامؒ وغیرہ کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے۔

غرضیکہ باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں ابھی نہیں آئے اور موجودہ اور آئندہ نکلنے والے دونوں طرح کے پھلوں کو فروخت کیا جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی، یہی فقہاء احناف کے یہاں ظاہر مذہب اور ائمۂ مذہب سے منقول روایت ہے اور یہی امام سرخسیؒ کے یہاں اصح ہے۔ "**ولوباع كل الثمار وقد ظهرالبعض دون البعض فظاهرالمذهب انه لايصح وكان شمس الائمة الحلوانی والامام الفضلی يفتيان بالجواز فی الثمار والباذنجان والبطيخ وغيرذلک ويجعلان الموجود اصلاً فی العقد والمعدوم تبعا استحسانا لتعامل الناس والاصح انه لايجوز كذا فی المبسوط۔**" (الفتاوی الھندیۃ ۳/ ۱۰۶، الفتاوی التاتارخانیۃ ۸/ ۳۱۹)۔

البتہ بعض فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، چنانچہ امام شمس الائمۃ حلوائیؒ نے جواز کا فتوی دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر درخت پر اکثر پھل آچکے ہوں اور کچھ ہی باقی ہوں تو تمام میں بیع صحیح ہے اور اس کو ہمارے اصحاب حنفیہ سے منقول روایت قرار دیا ہے، اور شمس الائمۃ حلوائیؒ کے حسب روایت امام فضلی: ابوبکر محمد بن الفضل البخاریؒ بھی جواز کا فتوی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس صورت میں عقد کے وقت جو کچھ بھی پھل موجود ہوں ان کو اصل قرار دیں گے اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیں گے، اس طرح یہ بیع درست ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں معدوم کو موجود کے تابع کر کے اس کی بیع کو جائز قرار دیا جائے گا، اور شمس الائمۃ حلوائیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ انگور وغیرہ کی خرید وفروخت میں لوگوں کا اسی نوعیت کا تعامل ہوگیا ہے اور عام لوگوں کی اسی قسم کی عادت ہوگئی ہے جس سے ان کو باز رکھنا مشکل اور موجب حرج ہے، اس لئے میں اسی رائے کو اپناتے ہوئے اس معاملہ کو استحساناً جائز قرار دیتا ہوں۔" **وقال: استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة و لهم فى ذلک عادة ظاهرة وفى نزع الناس من عادتهم حرج۔**" (فتح القدیر ۷/ ۲۶۵، البحر الرائق: ۵/ ۵۰۳)۔

درختوں پر کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کردینے کے عوامی تعامل کو دیکھتے ہوئے بعض متاخرین حنفیہ کا رجحان ومیلان بھی اسی جواز کی رائے کی طرف ہے، ابن ہمامؒ، ابن نجیمؒ وغیرہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پودے پر ہی گلاب کے پھول کی بیع کے متعلق امام محمدؒ سے منقول ہے، یہ پھول یکبارگی نہیں نکلتے اور کھلتے، بلکہ یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وجود میں آتے ہیں، پھر بھی امام محمدؒ نے اسی طریقہ سے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے (فتح القدیر: ۷/ ۲۶۵، البحر الرائق: ۵/ ۵۰۳)۔

علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اپنے زمانہ میں بہ کثرت باغات والے علاقہ دمشق میں ضرورت اور ابتلاء عام کی وجہ سے اس قولِ جواز کو اختیار کرتے ہوئے اس معاملہ کے صحیح ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مارکیٹ میں جو کچھ بھی پھل آتے ہیں وہ اسی شکل کی خرید وفروخت کی راہ سے آتے ہیں جس سے عام لوگوں کو باز رکھنا مشکل ہے اور اس صورتِ بیع کو جائز کرنے کی جو شکلیں فقہاء کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں ان پر عمل کرنا اور کرانا مخصوص ومعدود چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی عام لوگوں کے لئے جہل کے غلبہ کی وجہ سے ممکن نہیں، گویا کہ اس صورتِ بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کرلیا ہے، پس جس طرح انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے سلم کی اجازت دی ہے، حالانکہ وہ ایک شیء معدوم کی بیع ہے اور فقہاء نے خلاف قیاس ہوتے ہوئے بھی استحسان بالضرورۃ کے طور پر اسے درست قرار دیا ہے، اسی طرح ضرورت انسانی اور ابتلاء عام کی وجہ سے پھلوں کی خرید وفروخت کی اس شکل کو بھی جس میں بعض پھل موجود

اور بعض معدوم ہوتے ہیں امام حلوانیؒ اور امام فضلیؒ وغیرہ کی رائے اپناتے ہوئے درست قرار دینا چاہئے (رد المحتار مع الدر المختار: ۷/ ۸۵-۸۶، الاختیار لتعلیل المختار: ۲/ ۲۳۳، الہدایۃ وفتح القدیر والعنایۃ: ۷/ ۲۶۸)۔

ظاہر ہے کہ جس طرح کی ضرورت اور ابتلاء عام علامہ شامیؒ کے زمانہ میں دمشق میں تھا، اسی طرح کی ضرورت اور ابتلاء عام فی زمانہ موجود ہے، اس لئے اس قولِ جواز کو اختیار کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ باغ میں اگر کچھ پھل نکل آئے ہوں اور باقی ابھی نکلے نہ ہوں تو موجودہ اور آئندہ تمام پھلوں کی خرید وفروخت کرنا درست اور جائز ہوگا، بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں، لیکن اگر ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک قسم کے درختوں میں پھلوں کا آجانا دوسری قسم کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا۔

بعض اکابر نے بھی اس صورت میں ابتلاء عام کی بناء پر گنجائش ذکر کی ہے، چنانچہ:

حضرت تھانویؒ کا فتوی ہے: ’’پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً، اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس کو امام فضلی نے جائز کہا ہے...... جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہوجانے کے بعد بیع درست ہے، اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہوجانا کافی ہے، اور اگرچہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، مگر ابتلاء عام میں گنجائش ہے‘‘ (امداد الفتاوی، قدیم ۳/ ۱۰۱)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ نے لکھا ہے: ’’پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے، حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے، صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا‘‘ (احسن الفتاوی: ۶/ ۴۸۶، نیز دیکھئے: تکملۃ فتح الملہم، کتاب البیوع: ۴/ ۲۵۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴/ ۲۶۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کے بعد لکھتے ہیں: ’’پھل اگر کچھ بھی نکل آیا ہو تو اس کی بیع درست ہوگی، اور یہ شرط کہ پھل پکنے تک اسے درخت پر رہنے دیا جائے معتبر وجائز ہوگی اور اس موسم میں باغ میں آئندہ جو پھل آئیں وہ بھی اس بیع میں شامل ہوں گے‘‘ (جدید فقہی مسائل: ۴/ ۲۴۴)۔

کتاب النوازل میں ہے: ’’امرود کے باغ میں اگر تھوڑے بہت پھل آچکے ہیں تو ابتلاء عام کی وجہ سے اسی حالت میں فقہاء کرام نے اس باغ کی فصل بیچنے کی گنجائش دی ہے، اور اگر ابھی بالکل پھل اور پھول نہیں آئے ہیں تو اس حالت میں باغ کی فصل بیچنا جائز نہیں، اگر اسی حالت میں معاملہ کرلیا گیا تو یہ معاملہ فاسد ہوگا، پس انجام کار اس کو درست کرنے کی شکل

یہ ہے کہ بعد میں جب اچھی طرح پھل آجائیں تو پھل توڑنے سے قبل آپسی رضامندی سے ازسرنو معاملہ کرلیا جائے اور سابقہ معاملہ فسخ کردیا جائے تاکہ کوئی فساد باقی نہ رہے'' (کتاب النوازل ۱۰/ ۴۸۴)۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: ''فصل آنے سے پہلے باغات کے پھل بیچنا ناجائز ہے، البتہ آم وغیرہ چونکہ اس کے پھل ایک مرتبہ میں نہیں پکتے، لہذا ان کو بعض پھل آنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے'' (فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۴۶۹)۔

- کچھ درختوں پر پھل آگئے ہوں اور کچھ درختوں پر پھل نہ آئے ہوں، اس صورت میں کم ازکم کتنے درختوں پر پھل آنے سے بیع درست ہوگی؟

تو اس سلسلہ میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ مالکی مسلک میں ایک درخت پر بھی پھل کا آجانا باقی درختوں کے پھلوں کی بیع کے جواز کے لئے کافی ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ''اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوئے تو بھی امام شافعیؒ واحمدؒ کے برخلاف امام مالکؒ نے اس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں، اگر دو علاحدہ پھل کے درخت ہوں، مثلاً: کچھ درخت آم کے ہوں اور کچھ امرود کے تو اب آم کے بعض درخت میں پھل کا آجانا یا پھل کا قابل استعمال ہوجانا امرود کے پھلوں کی فروختگی کے لئے کافی نہ ہوگا، حالانکہ امرود ابھی قابل استعمال ہوا ہی نہ تھا یا نکلا ہی نہ تھا۔ ''**وبدوه اى الصلاح فى بعض من ذلک النوع ولونخلة كاف فى جواز بيع الجميع من جنسه لا فى غيرجنسه**'' (الشرح الصغیر: ۳/ ۲۳۵) ...... باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل آگیا تو مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہوگی'' (جدید فقہی مسائل: ۴/ ۲۳۳-۲۴۴)۔

لیکن مولانا حذیفہ داحودی نے اس استدلال کو محل نظر قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مالکیہ کے مسلک میں جو بات ہے اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: ایک یہ ہے کہ ایک درخت کی جو بات ہے وہ بدو صلاح کے متعلق ہے، ظہور ثمر کے متعلق نہیں ہے، یعنی بدوصلاح بعض یا کم ازکم ایک درخت میں ہوگیا ہو تو اس نوعیت کے تمام درختوں کی بیع درست ہے، جیسا کہ شرح صغیر کی عبارت سے واضح ہے، اس میں یہ نہیں لکھا ہے: **ظهور الثمر فى البعض**، بلکہ یہ لکھا ہے: **بدو الصلاح فى البعض**، شرح کبیر میں بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے: ''**وبدوه اى الصلاح فى بعض حائط ولو فى نخلة كاف فى صحة بيع جنسه فى ذلک الحائط وفى مجاوره مما يتلاحق طيبه بطيبه عادة لا فى جميع حوائط البلد**'' (الشرح الکبیر للدردیر ۳/ ۲۷۱)؛ بلکہ علامہ ابن قدامہؒ کی تصریح کے مطابق تو یہ بات اتفاقی ہے کہ بعض میں بدوصلاح جمیع میں بدوصلاح کے لئے کافی ہے (المغنی: ۶/ ۱۵۶)، ''**الذى يظهر من كتب الحنفية ان المعتبر عندهم بدو الصلاح**

فی کل بستان علی حدة اذا کان المبیع ثمر البستان کله وبدو الصلاح فی کل شجر علی حدة اذا کان المبیع ثمر الشجر کله و یؤیده قوله ﷺ:ان منع الله الثمرة بم یستحل احدکم مال أخیه''(تکملۃ فتح الملہم:۴/۲۵۷)پس ایک درخت پر پھل آجانا کافی ہونے کی بات محل نظر ہے۔دوسری چیز مالکی مسلک میں یہ ہے کہ وہ درخت ایسے ہوں کہ عام طور پر وہ قریبی زمانہ میں پکتے ہوں،ان میں بدو صلاح تقریباً ایک ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ہوتا ہو،جیسا کہ''**مما یتلاحق طیبه بطیبه عادة**''کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے،لہذا جب یہ بات بھی پائی جائے گی تب ان کے نزدیک بیع درست ہوگی۔

دیگر آراء:

-ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی مختلف فقہی عبارتیں پیش کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جواز کی گنجائش ملنی چاہئے،خود علماء حنفیہ میں اس کے جواز کے اقوال موجود ہیں،مسلک مالکی میں تو بہت ہی توسع ہے۔

-بعض مقالہ نگاروں نے اس کے ضمن میں وہی تفصیلات پیش کی ہیں جو سوال نمبر ۲ اور ۳ کے تحت آچکی ہیں یعنی بیع بشرط القطع،بیع بشرط الترک،بیع مطلق کے جو احکام ہیں اور ائمہ کے اختلافات ہیں انہیں ذکر کیا ہے۔

-مفتی عبدالرشید قاسمی ہدایہ،ردالمحتار،فتاوی ابن نجیم سے عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر کسی ایسے باغ کے پھلوں کو فروخت کیا جائے جس کے درختوں پر کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ ابھی نہ نکلے ہوں تو موجود اور غیر موجود تمام پھلوں کی خرید وفروخت بلاکسی تردد کے جائز ودرست ہے،لیکن مفتی سلطان احمد کشمیری کا کہنا ہے کہ ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک درخت میں پھل کا آجانا دوسرے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہیں ہوں گے۔

-مولانا عباداللہ قاسمی نے ہدایہ،زیلعی اور سرخسی کے حوالہ سے یہ حل پیش کیا ہے کہ:

۱-فروخت کنندہ کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ خریدار کو درخت ہی فروخت کردے۔

۲-یا خریدار موجود پھل کو اس کے حصہ ثمن کے عوض خرید لے اور غیر موجود پھل کے آنے تک بیع کو مؤخر کردے۔

۳-یا موجودہ پھل کو پوری قیمت کے عوض لے لے اور فروخت کنندہ خریدار کو آنے والے پھل سے انتفاع کی اجازت دے دے(تبیین الحقائق ۱۲/۵،ہدایہ ۱۱/۳)(مقالہ مولانا محمد یاسر قاسمی بحوالہ مبسوط سرخسی ۱۹۶/۱۲)۔

-مولانا عمر بن یوسف کوکنی نے حاشیۃ الرملی،تحفۃ المحتارج،المنہاج مع النجم الوہاج،حاشیۃ الشروانی مع التحفۃ،حاشیۃ البیجوری،حاشیۃ الشبر املسی،کنز الراغبین وغیرہ کے حوالہ سے اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور پھر آگے لکھا ہے کہ

اگر باغ میں ایک جنس کے پھل کے درخت ہوں، اوران کے بعض درخت کے پھلوں میں بدوصلاح ہوا ہواور بعض میں نہ ہوا ہو، توبعض درخت کے پھلوں کا بدوصلاح کافی ہے، اسی جنس کے تمام درختوں میں بدوصلاح ضروری نہیں ہے۔

-البتہ مفتی محمد شاہجہاں ندوی نے حنفیہ کے یہاں اس بیع کے جواز کی کچھ تدبیریں بیان کی ہیں:

۱-اس معاملہ میں اگرچہ سلم کی بعض شرطیں مفقود ہیں، اس کے باوجود بروز البعض کے بعد خرید وفروخت کو ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے سلم سے ملحق قرار دیا جائے گا(ردالمحتار ۵۵۶/۴)۔

۲-خریدار موجودہ پھل خرید لے، اور فروخت کنندہ عقد کے بعد اس کے لئے آئندہ ہونے والے پھل کو مباح کردے(البحرالرائق ۳۲۵/۵)۔

۳-موجودہ کھیتی مقررہ دام کے کچھ حصہ کے بدلے خرید لے اور باقی رقم کے ذریعہ زمین کو اس متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا یقینی ہو(حوالہ سابق)۔

۴-بیگن، ککڑی اور خربوزہ وغیرہ پھلوں اور سبزیوں کی جگہ اصل پودوں کو ہی خرید لے، تاکہ آئندہ آنے والے پھل یا سبزی اس کی ملکیت میں وجود میں آئیں(حوالہ سابق)۔

۵-ناشپاتی یا امرود جیسے پھلوں کے لئے پتے ہی خرید لئے جائیں، تاکہ درخت میں آئے ہوئے ناقابل انتفاع پھل بھی تبعاً اسی بیع میں داخل رہیں گے(فتح القدیر ۲۸۷/۶)۔

-مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی نے جواز کو راجح قرار دیتے ہوئے اس کی تین وجہیں بیان کی ہیں، بالخصوص جبکہ پھل کا اکثر حصہ ظاہر ہو چکا ہو:

۱-اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا وہ قابل ترجیح ہے(الہدایہ علی ہامش البنایہ ۲۶۴/۱۲)۔

۲-تعامل ناس کی وجہ سے کہ یہ بھی ترجیح کے اصول میں سے ہے، اس کے لئے قیاس کو بھی ترک کیا جاسکتا ہے(دررالحکام ۲۹۷/۲)، نیز یہ لوگوں کی عام عادت میں سے ہے جس سے ان کو دور کرنا باعث تکلیف ہے(المبسوط للسرخسی ۱۹۷/۱۲)۔

۳-ضرورت کی وجہ سے کہ اس کے ذریعہ سے ضرر دور ہوتا ہے(الفروق فی الشرح الممتع لعبدالرحمن السدیس رص ۲۴)، یہاں بھی اگر اجازت نہ دی جائے تو لوگ ضرر میں مبتلا ہوجائیں گے۔

سوال نمبر ۴(ج): پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس طرح کے ناقابل استعمال پھل اگر اس شرط کے ساتھ

فروخت کئے جائیں کہ مشتری ان پھلوں کو فوراً اتارلے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، چونکہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی جو ممانعت آئی ہے اس کا سبب پھلوں کا تلف ہوجانا ہے لیکن جب پھلوں کو اتار لینے کی شرط ہوگئی تو تلف ہوجانے کا اندیشہ بھی نہ رہا، لہذا عدم جواز کا جو سبب ہے اس کے ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ صورت جائز ہوگی، اور حنفیہ کا اصل قول یہی ہے۔

دلائل:

۱-"ومن باع ثمرة بدا صلاحها أولاً صح، لأنه مال متقوم منتفع به فی الحال أو فی المآل وقیل: لا یجوز قبل أن یصیر منتفعا به والاول أصح" (تبیین الحقائق ۴/۱۲)(مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بحوالہ شامی)۔

۲-"بیع الثمار قبل الظهور لا یصح اتفاقا فإن باعها بعد أن تصیر منتفعا بها یصح، وإن باعها قبل أن تصیر منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب فالصحیح أنه یصح وعلی المشتری قطعها فی الحال، هذا إذا باع مطلقا أو بشرط القطع" (فتاوی عالمگیری ۳/۱۰۶)(مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۳-"الثالثة: أن یبیعها بعد الظهور، قبل بدوالصلاح بشرط القطع فی الحال، فهذا البیع صحیح بالاجماع، ولا خلاف فی جوازه" (موسوعہ فقہیہ ۹/۱۹۰)(مقالہ مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی)۔

۴-"وعندنا إن کان بحال لاینتفع به فی الأکل، ولا فی علف الدواب، فیه خلاف بین المشائخ، قیل: لا یجوز، ونسبه قاضی خان لعامة مشائخنا، والصحیح أنه یجوز، لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال، إن لم یکن منتفعا به فی الحال" (حاشیہ ابن عابدین ۷/۵۸)(مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ فتح القدیر ۶/۲۸۷، مولانا عبدالتواب اناوی بحوالہ ردالمحتار ۷/۹۵، مولانا محمد عباس سعادتی بحوالہ فقہ البیوع ۱/۳۲۷، المغنی لابن قدامہ ۴/۲۰۲، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۵-"القسم الثانی: أن یبیعها بشرط القطع فی الحال، فیصح بالإجماع لأن المنع إنما کان خوفا من تلف الثمرة، و حدوث العاهة علیها قبل أخذها بدلیل ما روی أنس ؓ أن النبي ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی تزهو؛ قال: "أرأیت إذا منع الله الثمرة بم یأخذ أحدکم مال أخیه؟" (رواہ البخاری)، "وهذا مأمون فیما یقطع، فصح بیعه کما لو بدا صلاحه" (المغنی لابن قدامہ ۵/۴۸۶)(نیز دیکھئے: مقالہ مفتی محمد سلطان

کشمیری، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

۶-"الثالثة:أن يبيعها بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط القطع في الحال؛فهذا البيع صحيح بالإجماع، ولا خلاف في جوازه؛ وعلله الحنابلة بأن المنع من البيع قبل بدو الصلاح إنما كان خوفا من تلف الثمرة، وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل حديث أنس ؓ وهو قول النبي ﷺ فيه: أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟وهذا مأمون فيما يقطع فصح بيعه كما لو بدا صلاحه"(موسوعہ فقہیہ ۹/۱۹۰)۔

۷-"أما قبل بدو الصلاح فإن كان البيع بشرط الترك أو البقاء فلا يصح إجماعا؛ لأن النبي ﷺ "نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع"۔

وإن كان البيع بشرط القطع في الحال فيصح بالإجماع؛لأن المنع إنما كان خوفا من تلف الثمرة، وحدوث العاهة فيها قبل أخذها بدليل حديث أنس المذكور"(موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/۲۵۸)۔

۸-مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھل تو ظاہر ہو گیا ہے؛ لیکن قابل انتفاع نہیں ہے، قابل انتفاع نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ نہ تو کسی انسان کے کام آ سکتا ہے اور نہ کسی جانور کے کام آ سکتا ہے، اس کی بیع بھی جائز نہیں اور یہ مجمع علیہ ناجائز ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۲۹)۔

۹-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب علامہ علاء الدین سمرقندی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: " تاہم خرید وفروخت کا معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک ان کو درخت پر رہنے دیا جائے اور بیچنے والے نے اس کو قبول کر لیا، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں؛ علامہ علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے کہ: "فإن كان ذلك بإذن البائع جائز وطاب له الفضل"(قاموس الفقہ ؛ثمر ۳/۴۵،۴۶)(دیکھئے: مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبدالحی مفتاحی وغیرہ)۔

۱۰-امام مالک کے نزدیک بیع کے درست ہونے کے لئے کسی چیز کا قابل انتفاع ہونا ہے، امام محمد حطاب لکھتے ہیں:"يشترط فی المعقود عليه أن يكون منتفعا به، فيجوز بيع المنتفع به، لا ما لا منفعة فيه، فلا يجوز العقد به ولا عليه" (مواہب الجلیل ۶/۶۴)(مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، لیکن مفتی سیف الاسلام اصلاحی کے بقول باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں، اگر علاحدہ پھل کے درخت ہوں تو یہ کافی نہ ہوگا، بحوالہ الشرح الصغیر ۳/۲۳۵)۔

۱۱-"أن تظهر جميع الثمار بمعنى انعقادها ثمرة ولكنها غير منتفع بها فی الاكل ولا فی علف

الدواب و فيه خلاف ايضا بين مشائخنا الحنفية فذكر قاضى خان أن بيعها لا يجوز عند عامة المشائخ، ولكن صحح ابن الهمام جوازه كما أسلفنا عن الفتح"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۷)(مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا سلمان الحسنی کیرلا بحوالہ فتح القدیر ۶/۲۶۵)۔

۱۲-"وقبل الصلاح إن بيع منفردا عن الشجر لا يجوز البيع......إلا بشرط القطع فيجوز إجماعا، وأن يكون المقطوع منتفعا به"(کنز الراغبین ۱/۶۶۲)(مقالہ مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی)۔

۱۳-مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے بھی اس کے قابل انتفاع ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے:

"ويبدو أنه مذهب الائمة الثلاثة ايضا، حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدوصلاحها مطلقا إذا كان بشرط القطع، ولم يشترطوا كونه منتفعا به"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)(مقالہ مولانا محمد یاسر قاسمی وغیرہ)۔

۱۴-"القسم الثالث:أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالك والشافعي وأجازه ابو حنيفة"(المغنی لابن قدامہ)(مقالہ مولانا طاہر حسین قاسمی)۔

مولانا حذیفہ داحودی لکھتے ہیں: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے، تو اولاً اس کی دوصورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ کہ پھل نکل آئے، مگر صرف اس قدر نکلے ہیں کہ فی الحال جانوروں کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہیں، تو اس صورت کے سلسلہ میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، شمس الائمہ السرخسیؒ اور شیخ الاسلام خواہر زادہؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز نہیں ہے، امام فخر الدین قاضی خانؒ نے اس کو عامۃ المشائخ کی طرف منسوب فرمایا ہے، جبکہ امام ابوالحسن قدوریؒ اور قاضی اسبیجابیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے (الفتاوی التاتارخانیۃ ۸/۳۱۷، الفتاوی البزازیۃ علی الھندیۃ ۴/۳۷۶)۔

صاحب ہدایہؒ اور علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ نے جواز کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، اس لئے کہ اگر چہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے، مگر ہفتہ عشرہ کے بعد قابل انتفاع ہوسکتا ہے، اسی بناء پر امام محمدؒ نے فرمایا ہے: "اگر کوئی شخص درخت پر پھل نکلتے ہی اسے فروخت کردے اور مشتری بائع کی اجازت سے اسے درخت پر ہی چھوڑے رکھے تو اس صورت میں عشر مشتری پر واجب ہوگا" ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ بیع امام محمدؒ کے یہاں صحیح ہے (مختارات النوازل ۳/۲۸۰، الفتاوی الھندیۃ ۳/۱۰۶)، البتہ اس صورت میں بالاتفاق بیع درست ہونے کا حیلہ فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب پھل اس مرحلہ میں ہو کہ وہ جانور کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہو تب اصالتاً درخت کے اوراق کی بیع کی جائے اور تبعاً پھلوں کی بیع کی جائے، اس صورت میں بہ اتفاق مشائخ احناف یہ بیع درست ہوگی۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ پھل نکل آئے ہیں اور اس قدر نکل چکے ہیں کہ وہ قابل انتفاع ہیں، اس کی کلی اور بَور کم از کم جانوروں کے قابل ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں یہ بیع بہ اتفاقِ فقہاء احناف جائز ہے، جبکہ بلاکسی شرط کے خریدا ہو یا فوری طور پر توڑنے کی شرط پر خریدا ہو، درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط نہ کی ہو(فتح القدیر ۷/ ۲۶۴-۲۶۵، البحر الرائق ۵/ ۵۰۲)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ''پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً'' (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۱)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ''پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے، حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے'' (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۶)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: **''الثالثة: أن تظهر جميع الثمار بمعنى انعقادها ثمرة ولكنها غير منتفع بها في الاكل ولا في علف الدواب وفيه خلاف ايضا بين مشائخنا الحنفية فذكر قاضي خان أن بيعها لايجوز عند عامة المشائخ و لكن صحح ابن همام جوازه كما اسلفنا عن الفتح، الرابعة: أن تكون الثمار منتفع بها في الاكل أو علف الدواب فبيعها جائز باجماع الفقهاء على الخلاف المار فيما بدا صلاحه أو لم يبد''** (تکملۃ فتح الملہم: ۴/ ۲۵۵)۔

دیگر آراء:

☆ مفتی محمد شاہجہاں ندوی کے بقول اگر پھل کو پکنے اور تیار ہونے تک درخت ہی پر چھوڑ دینے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے درج ذیل دو تدبیریں اختیار کی جا سکتی ہیں:

۱- صحت بیع کے بعد فروخت کنندہ خریدار کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت دے دے (الدر المختار مع الرد ۴/ ۵۵۵)۔

۲- درخت کو ''مساقاۃ'' یعنی بٹائی پر لے لے، اور معمولی شرح مثلاً ہزارواں حصہ مالک باغ کے لئے مقرر کر دے (الدر المختار مع الرد ۴/ ۵۵۷) (مقالہ مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا عبد الحی مفتاحی، مولانا طاہر حسین قاسمی وغیرہ)۔

☆ مولانا ابراہیم ہانسلوڈ کے نزدیک اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ پھلوں کو پتوں کے ساتھ خرید کر لئے جائیں تو پتوں کی بیع کے ضمن میں ناقابل انتفاع پھل بھی داخل ہو جائیں گے (المحیط البرہانی ۹/ ۳۱۰)۔

☆ مولانا صدر عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ اب جبکہ ماضی قریب اور موجودہ زمانہ کی کئی بڑی شخصیتوں نے عرف اور تعامل کی بنا پر بیع بشرط الترک کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور بیع بشرط القطع و مطلق عن الشرط والی صورتیں حنفیہ کے نزدیک پہلے ہی

سے جائز ہیں تو اب اس حیلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی کہ پھل خرید لیا جائے اور توڑنے کی مدت تک کے لئے درخت کو کرایہ پر لے لیا جائے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم، فقہ البیوع، قاموس الفقہ وغیرہ)۔

☆ مفتی عبد الرشید قاسمی (فتاوی قاضی خاں ۲/۲۵، فتاوی سراجیہ رص ۴۱۵، رد المحتار ۷/۸۵) کی عبارتوں کی روشنی میں یہ رائے دیتے ہیں کہ اگر پھل انسان یا جانور کی غذا کے قابل ہو چکے ہیں تو ان کی خرید وفروخت بالاتفاق جائز ہے، اور اگر پھل بالکل بھی قابل انتفاع نہ ہوں تب بھی اصح اور راجح قول کے مطابق ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔

☆ مولانا عمر کوکنی لکھتے ہیں کہ اگر پھل نکل آئے اور قابل استعمال نہیں ہوئے یعنی بدو صلاح نہیں ہوا، لیکن فوراً کاٹنے کی صورت میں وہ فی نفسہ منتفع بہ ہیں تو ایسے پھلوں کی بیع شرط قطع کے ساتھ ہی درست ہے، شرط تبقیہ یا مطلقاً ان دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔

☆ اسی طرح اگر مطلقاً یعنی غیر مشروط بیع ہو، اور اس میں فوراً توڑ لینے یا باقی رکھنے کی صراحت نہ ہو تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے، اور حنفیہ کے نزدیک درست ہے، "الخامسة: أن یبیع الثمرة قبل بدو الصلاح مطلقا، فلا یشترط قطعا ولا تبقیة، فعند الشافعیة والحنابلة، والقول المعتمد عند المالکیة أن بیعها کذلک باطل......والصحیح عند الحنفیة أنه یجوز، لأنه مال متنفع به فی ثانی الحال، وإن کان بحیث ینتفع به، ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق أهل المذهب، إذا باع بشرط القطع أو مطلقا" (الموسوعة الفقهیہ ۹/ ۱۹۲-۱۹۳) (مقالہ مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی بحوالہ البحر الرائق ۵/ ۲۲۹)۔

۵- غیر تیار شدہ پھل کو فروخت کرنے کی شکلیں:

سوال نمبر۵- پھر اگر پھل تیار نہیں ہوں تو اس کو فروخت کرنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں:

الف- فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا۔

تمام مقالہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں باتفاق ائمہ اربعہ بیع درست ہے کہ پھل عقد کے وقت جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا۔

دلائل:

۱- "القسم الثانی: أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع، لأن المنع انما کان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل أخذها" (المغنی ۶/ ۱۴۹) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا

طاہر حسین قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۲-"فأما بيعها قبل الزهو بشرط القطع فلا خلاف فی جوازه"(بدایۃ المجتہد ۴/۲/۵۴۲)(مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مولانا محمد عباس سعادتی)۔

۳-"جواز بيع الاثمار بشرط القطع لما كان على المشترى أن يفرغ ملك البائع عما اشتراه فصار اشتراط قطع الاثمار شرطا يوافق مقتضى العقد ولا ينافى البيع فيصح بيعها بهذا الشرط وإن كان من قبل البائع"(شرح المجلہ، مادہ:۱۸۹)(مقالہ مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ)۔

۴-"ولا خلاف فی جوازه قبل بدوالصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به" (فتح القدیر ۵/۴۸۸، نیز البحر الرائق ۱۵/۲۳۰)(مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی بحوالہ ردالمحتار ۷/۸۵، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۵-"ويجوز بيع الثمار قبل نضجها بشرط القطع إذا كانت ينتفع به"(الفقہ المنہجی علی مذہب الامام الشافعی ۶/۳۵)(مقالہ مولانا صابر حسین ندوی)۔

۶-"الاولى أن يشترط البائع على المشترى أن يقطعها فوراً، ولا يتركها على الاشجار فهذه الصورة جائزة باجماع الأئمة الاربعة وجمهور فقهاء الأمصار"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)(مقالہ مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا ابراہیم ہانسلوڈ فلاحی، مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

۷-"فان باع بشرط القطع جاز، وقال المالكية والشافعية والحنابلة إن بدا صلاح الثمر جاز بيعه مطلقا، أو بشرط القطع أو بشرط الترک على الشجر"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۸۷)(مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا جمیل اختر جلیلی)۔

۸-"وإن كان البيع بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع، لأن المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة فيها قبل أخذها بدليل حديث أنس المذكور"(موسوعہ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/۲۵۸)(مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

-البتہ اس کے جواز کے لئے فقہاء نے چند شرطیں ذکر کی ہیں:

۱-احناف کے نزدیک بشرط القطع بیع کے جواز کے لئے صحیح مذہب کے مطابق مبیع کا فی الحال یا فی المآل قابل

انتفاع ہونا ضروری ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہی رائے ہے(دیکھئے: الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۹۰-۱۹۱)۔

۲-بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو یا کسی ایک کو خرید وفروخت کی ضرورت ہو۔

۳-لوگوں کے درمیان اس طرح سے بیع کرنے کا رواج نہ ہو، یہ دونوں شرطیں مالکیہ کے نزدیک ہیں۔

۴-حنابلہ کے نزدیک فی الحال قابل انتفاع کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ بدوصلاح سے قبل فروخت کی جانے والی مبیع مشاع نہ ہو، یعنی مبیع کا غیر مبیع سے ممتاز ہونا شرط ہے(دیکھئے: مقالہ مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عباداللہ قاسمی، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا محی الدین غازی)۔

دیگر آراء:

-مولانا روح اللہ قاسمی کہتے ہیں کہ جواز کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ وہ پھل قابل انتفاع ہو گئے ہوں، اگر پھل قابل انتفاع نہیں ہوں تو یہ شکل بھی جائز نہیں ہوگی۔

-لیکن مولانا عمر کوئی علامہ عمرانی شافعی کے حوالہ سے یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ قبل بدوصلاح شرط قطع کے ساتھ بھی بیع درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن چونکہ شرط قطع کے ساتھ بیع کے جواز پر اجماع ہے، اس لئے اجماع کے ذریعہ "حدیث نہی" کے عموم میں تخصیص کی جائے گی(دیکھئے: البیان فی مذہب الامام الشافعی ۵/۲۵۲)۔

سوال نمبر۵: ب–طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔

اس صورت کے سلسلہ میں اکثر مقالہ نگاروں کا کہنا ہے کہ پھل کے تیار ہونے یا پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط لگانا باتفاق ائمہ اربعہ درست نہیں ہے کہ بیع کے ساتھ شرط لگانا حدیث میں ممنوع ہے، اور یہ کہ یہ غرر کا باعث ہے، اور شرط لگانے سے متعلق فقہاء نے ایک ضابطہ لکھا ہے: "**وکل شرط لا یقتضیه عقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الاستحقاق یفسده**"(الہدایہ ۳/۶۱)۔

دلائل:

۱-"**لایخلو بیع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة أقسام: أحدها أن یشتریها بشرط التبقیة فلا یصح البیع إجماعا، لأن النبی ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها، نهی البائع والمبتاع**" (المغنی ۶/۱۴۸)(مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا محی الدین غازی، مفتی سعید الرحمن بستوی، مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

۲-"وأما بيعها قبل الزهو بشرط التبقية فلا خلاف في أنه لا يجوز" (بدایۃ المجتہد ۴/ ۵۴۲) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۳-"وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع" (ردالمحتار ۷/ ۸۶) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۴-"الشرط بترک الثمر على الاشجار بعد العقد إن كان بعد بدوالصلاح فهو جائز عند الشافعية والمالكية والحنابلة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۵۷) (مقالہ مولانا سلمان الحسنی کیرلا)۔

۵-"نهى النبی ﷺ عن بيع وشرط" (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۴۳۶۱) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا محمد شاکر نثار مدنی)۔

۶-"لا يحل سلف وبيع وشرطان في بيع" (ترمذی: ۱۲۳۴) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۷-"أما إذا اشترط تركها على رؤوس النخل فسد البيع، لأنه شرط لايقتضيه العقد وهو شرط شغل ملک الغير وهو صفقتان في صفقة واحدة" (الجوہرۃ النیرۃ ۲/ ۲۱۱، نیز تبیین الحقائق ۴/ ۱۲) (مقالہ مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بحوالہ الہدایہ ۳/ ۲۶)۔

۸-"وإن شرطا تبقية ذلک لم يصح البيع بلا خلاف، لأن ذلک يؤدى إلى الغرر، لأنه لا يدرى هل يسلم ذلک أم لا" (البیان فی مذہب الامام الشافعی ۵/ ۲۵۲) (مقالہ مولانا عمر کوکنی)۔

۹-"ولا يجوز هذا الشرط في ظاهر قول الحنفية، لأن هذا الشرط ينافي مقتضى العقد ففسد العقد" (فقہ البیوع ۱/ ۳۳۱) (مقالہ مولانا محمد یاسر قاسمی)۔

۱۰-"ولا خلاف......في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط الترک" (فتح القدیر ۶/ ۲۶۴) (مقالہ مولانا عباداللہ قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بحوالہ ردالمحتار ۷/ ۸۵)۔

۱۱-"وإن كان بشرط الترک فالعقد فاسد باتفاق علماء الحنفية، لانه شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين، وهو المشترى، ولا يلائم العقد، ولا جرى به التعامل بين الناس، ومثل هذا الشرط مفسد للبيع" (موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/ ۲۵۶) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

۱۲-اس صورت میں فقہاء کرام کی تین رائیں ہیں:

۱-امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور محمد بن صاحبؒ کے نزدیک بیع کی یہ صورت نادرست ہے (النتف فی الفتاوی للسغدی ۱/ ۳۸۴)۔

۲-امام شافعیؒ کے یہاں بیع کی یہ صورت درست ہے (الحاوی الکبیر للماوردی ۵/ ۱۹۳)۔

۳-امام مالک، امام احمد، اور احناف میں سے امام محمد بن حسن اور امام طحاوی کے نزدیک بدوصلاح سے پہلے باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں، لیکن بدوصلاح کے بعد درست ہے (المعونہ علی مذہب عالم المدینہ للشعلبی ۲/ ۴۱) (مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

دیگر آراء:

-مولانا عبدالحلیم اعظمی نے مفسد عقد شرط سے مندرجہ ذیل تین قسم کی شرائط کو مستثنی قرار دیا ہے:

۱-وہ شرط جو مقتضائے عقد میں داخل ہو اور وہ عقد کو فاسد نہ کرے۔

۲-وہ شرط جو اگرچہ مقتضائے عقد کے اندر داخل نہ ہو لیکن اس کے ملائم اور مناسب ہو۔

۳-وہ شرط جو متعارف بین التجار ہو گئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی محمد اسعد پالنپوری بحوالہ اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۱۳۴، قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

-فقہاء نے اس کے جواز کے دو حیلے بتائے ہیں:

۱-یہ کہ درخت بٹائی پر لے لے، جس کو مساقات یا معاملت کہا جاتا ہے۔

۲-یہ کہ فروخت کرنے والا خریدار کو خود ہی پھل کے پکنے تک اس کو درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے (مقالہ مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی عبدالرشید قاسمی)۔

-مفتی محمد زید مظاہری ندوی نے اس صورت مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی ہے، علامہ شامی نے ''المعروف کالمشروط'' کے تحت جو عدم جواز لکھا ہے اس پر علامہ کشمیری نے نقد کرتے ہوئے علامہ شامی کے قول کا جائزہ لیا ہے، اور پھر مفتی زید صاحب نے علامہ کشمیری کے اس نقد و جائزہ پر مختلف حوالوں سے بحث کی ہے اور اخیر میں لکھا ہے کہ یہ صورت درج ذیل وجوہ سے جائز ہے:

۱-حنفی مسلک کے مطابق شرط مقتضائے عقد کے خلاف رائج ہو جانے اور مفضی إلی النزاع نہ ہونے کے باعث۔

۲-امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے۔

۳-امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے۔

۴-امام محمدؒ کے قیاس کے مطابق عرف و تعامل کا اعتبار کرتے ہوئے۔

-مفتی سعید الرحمٰن بستوی لکھتے ہیں کہ: مفتی رشید احمد صاحبؒ نے شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر

تردیدی کلام فرمایا، اور مندرجہ ذیل احکام پھلوں کے خرید وفروخت کے تعلق سے تحریر فرمائے:

(۱) جب تک پھول پھل کی صورت اختیار نہ کرے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، علامہ ابن عابدین نے بروز البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے کر جائز لکھا ہے۔

ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے اور وہی ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا ہے۔

(۲) پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

(۳) حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

(۴) کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، قول جواز راجح اور قول عدم جواز مرجوح ہے۔

(۵) صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اشکـــال: اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "**المعروف کالمشروط**" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہئے۔

جـــواب: اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقا کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعت ہے اور تعاملِ ابقاء کی صورت میں احتمال منازعت نہیں، لہذا بیع درست ہوگی (احسن الفتاویٰ، کتاب البیوع ۶/ ۴۸۶)۔

جواز کی رائے:

بعض مقالہ نگار حضرات نے اس مسئلہ میں جواز کی صورتیں بھی بیان کی ہیں جنہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

-مولانا محمد حذیفہ داحودی لکھتے ہیں کہ پھل کے تیار ہونے تک درخت پر لگے رہنے دینے کی شرط لگانا اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن اس طرح کی شرط لگانے کا تعامل ہو چکا ہے اور عام رواج بن گیا ہے، اور آج ایسی شرط لگانا مفضی الی النزاع بھی نہیں رہا، لہذا اس طرح کی شرط لگانا درست ہوگا، اور اسکی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی (دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۲۶۵) (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی جنید عالم ندوی قاسمی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی محمد عثمان گورینی بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۰۷، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

-اگر عاقدین کے درمیان اس سلسلہ میں رضامندی پائی جاتی ہے اور بائع نے اس شرط کو قبول کر لیا تو کوئی حرج نہیں، بیع درست ہوگی (مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مولانا نثار عالم ندوی)۔

-مولانا محمد یاسر قاسمی کا کہنا ہے کہ احناف میں سے امام محمدؒ کا قول ائمہ ثلاثہ کی طرح اس صورت میں جواز کا ہے، اور علامہ ابن نجیم اور حصکفی وغیرہ نے امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اور عموم بلوی کی وجہ سے امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۷؍۸۷) (نیز دیکھئے: مقالہ مولانا عبدالتواب اناوی)۔

لیکن مفتی شاکر نثار مدنی نے تکملہ فتح الملہم (۷؍۳۰۷) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یزید بن ابی حبیب اسی طرح علامہ ابن تیمیہ ضرورت کے پیش نظر اس صورت کے جواز کی طرف میلان رکھتے ہیں، حالانکہ یہاں ضرورت شدیدہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا جائز بدل موجود ہے، اس لئے جمہور نے اجازت نہیں دی، لہذا اس صورت میں جمہور کا قول ہی راجح ہے (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری)۔

-مولانا جمیل اختر جلیلی کے نزدیک قرین صواب یہ ہے کہ پھل کے پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ''شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء إلی المنازعہ ہے، اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعہ نہیں'' (احسن الفتاوی ۶؍۴۸۷)۔

جواز کے دلائل:

۱-''**عن جابرؓ قدباع ناقته بالنبی ﷺ علی شرط تکمیل السفر**'' (درس ترمذی ۴؍۱۰۹) (مقالہ مولانا نثار عالم ندوی)۔

علامہ سمرقندی کی یہ رائے بہت مناسب ہے کہ:

۲-''**فان کان ذلک بإذن البائع جاز وطاب له الفضل**'' (تحفۃ الفقہاء ؍۶۵، فتاوی ہندیہ ۳؍۱۰۶) (مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مفتی محمد سلطان کشمیری، مفتی حبیب اللہ قاسمی)۔

۳-''**فان باعه بشرط الترک فإن لم یکن تناهی عظمه فالبیع فاسد عند الکل، وإن کان قد تناهی عظمه فهو فاسد عند أبی حنیفة وأبی یوسف وهو القیاس، ویجوز عند محمد استحسانا وهو قول الأئمة الثلاثة واختاره الطحاوی لعموم البلوی وفی المنتقی ذکر أبویوسف مع محمد وجه قولهما فی الصورتین**'' (فتح القدیر ۶؍۲۶۵) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

۴-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ان حالات میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ عرف وتعامل کی بنا پر درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے، اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز ہوگا، اور یہ شرط بھی بجائے خود معتبر ہوگی (جدید فقہی مسائل ۴؍۲۴۲) (مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی وغیرہ)۔

۵-جو شرط متعارف بین التجار ہو جائے، چاہے وہ عقد کے خلاف ہو تب بھی جائز ہے، اور یہ شرط کہ اس کو درخت پر

چھوڑا جائے گا یہ متعارف سے بھی زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہذا بیع بشرط الترک جائز ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۱۳۴) (مقالہ مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا نذر توحید مظاہری)۔

سوال نمبر۵: ج—نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی۔

ان مختلف صورتوں میں درخت میں لگے ہوئے پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہوگا؟

اگر بیع کی صورت مطلق عن شرط القطع والترک ہو تو ایسی صورت میں تقریباً تمام مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے۔

۱-''**والصورة الثالثة: أن يقع البيع مطلقا، ولا يشترط فيه قطع ولا ترک، فهذه الصورة محل خلاف بين الائمة، فقال مالک والشافعي واحمد: البيع فيها باطل کما في الصورة الثانية وقال: ابوحنيفة: البيع فيها جائز، کالصورة الاولى، ويجوز للبائع أن يجبر المشترى على قطع الثمار في الحال**''(تکملہ فتح الملہم ۷/ ۲۵۰) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی شاکر نثار مدنی)۔

۲-''**القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا، و لم يشترط قطعا ولا تبقية، فالبيع باطل، وبه قال مالک والشافعي، وأجازه ابوحنيفة لأن إطلاق العقد يقتضي القطع، فهو کما لو اشترطه**''(المغنی لابن قدامہ ۵/ ۴۸۶) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد طاہر حسین قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۳-''**وإن کان البيع مطلقا عن الشرط جائز ايضا عند الحنفية خلافاً للشافعية ومالک وأحمد، لأن الترک ليس بمشروط نصا، إذا لعقد مطلق عن الشرط أصلا فلا يجوز تقييده بشرط الترک من غير دليل، خصوصا إذا کان في التقييد فساد العقد**''(موسوعہ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/ ۲۵۵) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا عبدالحلیم اعظمی، بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۲۵۵، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی)۔

-مولانا عمر بن یوسف کوکنی لکھتے ہیں کہ: بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کے وقت عاقدین میں خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی بات طے پائی اور نہ درخت پر باقی رہنے کی، اسے اصطلاح میں ''مطلقا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس صورت میں بیع درست نہیں؛ اس لئے کہ ''حدیث نہی'' کا عموم جیسے شرط تبقیہ کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے اسی طرح ''مطلقا'' بیع

کے بھی عدم جواز پر دلالت کرتا ہے۔

"وإن اطلقا العقد لم يصح البيع عندنا وبه قال مالک وأحمد واسحاق، وقال ابوحنيفة: يصح البيع ويأخذ المشتري بقطع ذلک في الحال" (البیان ۲۵۲/۵)۔

"وقد جرت العادة ان الثمار لا تنقل إلا بعد بدوالصلاح فيها، وإذا باعه ثمرة أوزرعا قبل بدوالصلاح فيها من غير شرط القطع لم يأمن أن يتلف بعاهة قبل ذلک وفي ذلک غرر من غير حاجة فلم يصح" (البیان ۲۵۳/۵)۔

-مفتی سعید الرحمٰن بستوی اور مفتی نذر توحید مظاہری وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس صورت میں بھی یہ بیع درست ہوگی جبکہ پھل کو درخت پر پکنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

۱-"ولو اشتراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الفضل" (فتاوی ہندیہ ۱۰۶/۳) (مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ ہدایہ ۲۷/۳، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عبد الحی مفتاحی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، بحوالہ فتح القدیر ۲۶۷/۷)۔

۲-"والحاصل أن الشرط إذا لم يكن فى العقد ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه سواء كان معروفا أولا" (فیض الباری ۲۵۵/۲) (مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

۳-"إن كان الترک باذن البائع جاز وطاب له الفضل، وإن كان بغير اذنه تصدق بما زاد فى ذاته على ماكان عند العقد" (بدائع الصنائع ۱۷۳/۵) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی بحوالہ فتح القدیر ۴۹۰/۵، مولانا عبد التواب اناوی بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۸۷/۴، مفتی شاکر نثار مدنی بحوالہ ہدایہ ۳۹/۴، مولانا محمد یاسر قاسمی بحوالہ الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۹۷/۴، مولانا محمد حذیفہ داحودی بحوالہ فتح القدیر ۲۶۷/۷)۔

-مولانا عبد التواب اناوی وغیرہ لکھتے ہیں کہ اگر پھلوں کا بڑھنا بالکل بند ہوگیا ہو صرف پکنا باقی رہ گیا ہو تو مشتری پر کوئی چیز صدقہ کرنا ضروری نہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۸۷/۴)۔

-مولانا صابر حسین ندوی وغیرہ نے پھلوں کو پکنے تک درختوں پر باقی رکھنے کے یہ دو طریقے بتائے ہیں جن کے ذریعہ معاملہ بغیر اختلاف کے بھی طے پا سکتا ہے۔

پہلا طریقہ: علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ خریدار کو چاہئے کہ وہ درخت بٹائی پر لے لے، جس کو اصطلاح میں مساقات یا معاملت کہا جاتا ہے، اور معمولی تناسب مثلا ہزارواں حصہ باغ کے مال کا طے کرے، اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب خریدار نے پھل کو قیمت دے کر لے لیا ہے تو پھر مساقات کیسے کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں مانا جائے گا

کہ ثمن کی ادائیگی از راہ تبرع ہے اور عقد کا مدار معاملت پر ہے: "....... **وينبغي أن يقول المشتري للبائع بعد ما دفع الثمن أخذت منك هذا الشجر معاملة على أ ن لک جزء اً من ألف جزء ولی ألف جزء إلا جزءاً أی من الثمر ذكره الشمني ،وفيه أن المشتري قد أخذ الثمر شراء اً فكيف يأخذه معاملة إلا أن يقال: انه دفع له الثمن على وجه التبرع ، ويكون الاعتبار على المعاملة**" (شامی: ۵۵۷/۴۔ مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا)۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو بطور خود پکنے تک اس کو درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک درخت نے اگر آج اجازت دیدی اور آئندہ پھر اپنی اجازت سے رجوع کرلے، تو خریدار کس طرح اپنے حق اور پھل کا تحفظ کرے گا؟ اس کا حل یوں پیش کیا گیا ہے کہ مالک سے اس طرح اجازت حاصل کی جائے کہ "میں پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تم کو پھل باقی رکھنے کا حق ہوگا"، البتہ واضح رہے کہ امام محمد کے نزدیک مالک کا رجوع کرنا درست ہوگا اور رجوع کی شرط پر معلق اجازت معتبر نہ ہوگی (درمختار علی ہامش الرد ۴۰/۴)۔

☆ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مشتری پھل کو فوراً اتار لے گا یا پھل پکنے تک اسے درخت پر چھوڑے رکھے گا، بعض مقالہ نگار حضرات کے نزدیک مشتری کے لئے فوری طور پر پھل اتار لینا لازم اور ضروری ہوگا، اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان کو درخت پر چھوڑے رکھے (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا محمد طاہر حسین قاسمی)۔

۱-"**وعلى المشتري قطعها في الحال إذا باع مطلقا أوبشرط القطع**" (فتاوی ہندیہ ۱۰۹/۳) (مقالہ مفتی محمد اسعد پالنپوری، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا محمد طاہر حسین قاسمی)۔

-مولانا محمد شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ اگر یہ بیع بدو صلاح کے بعد ہوئی ہے تو بالاتفاق جائز ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خریدار کو پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فوراً پھل کو توڑنا لازم ہوگا، مگر یہ کہ بائع پھل کو باقی رکھنے کی اجازت صراحتاً یا دلالۃً دیدے، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل اپنی مطلوبہ حد کو پہنچ گیا ہے تو خریدار پھل کو درخت پر باقی رکھ سکتا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الموسوعہ الفقہیہ ۱۹۳/۹) (نیز دیکھئے: مقالہ مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی خالد حسین نیموی، مولانا عباد اللہ قاسمی بحوالہ البحر الرائق ۵۰۲/۴، مفتی محمد عثمان گورینی بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۳۰۷/۱، مولانا صابر حسین ندوی بحوالہ فتاوی ہندیہ ۱۰۶/۳)۔

"**وإن اشتراها مطلقا ثم استأجر النخل إلى وقت الادراک فتركها طاب له الفضل، لان**

الاجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة فبقی الاذن معتبراً"(تبیین الحقائق ۴/۱۲)(مفتی محمد الیاس قاسمی)۔

-مفتی عبد الرشید قاسمی نے اس سوال کے تحت شرائط کی اقسام، مقتضائے عقد، عرف حادث، اور بدوصلاح پر حوالوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پھل کے ظہور کے بعد خرید وفروخت کی تمام شکلیں جائز اور درست ہیں، خواہ عقد بشرط الترک ہو یا بشرط القطع، یا مطلق عن الشرط بعرف الابقاء ہو، تعامل ناس اور عرف کی وجہ سے سب صورتیں درست ہیں۔تقریباً یہی تفصیلات مولانا محمد عباس سعادتی نے بھی پیش کی ہیں (مقالہ مولانا سلمان الحسنی کیرلا)۔

۶-پھل خریدنے کے بعد درخت کو کرایہ پر لینا:

سوال نمبر–۶:کیا اس بات کی گنجائش ھے که خریدار پھل خرید کرلے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایه پر لے لے۔

اس سلسلہ میں مقالہ نگاروں کی دونوں رائیں ہیں، بعض کے نزدیک پھل کے پکنے تک درخت کو کرایہ پر لینے کا معاملہ کرنا درست نہیں ہے، اس رائے کے حامیوں میں قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی شاکر نثار مدنی، مفتی عبد الرشید قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔

دلائل:

۱-"**وإن استأجر الشجر إلى وقت الادراک بطلت الاجارة......فإن أصل الاجارة مقتضى القياس فيها البطلان إلا ان الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل ولا تعامل فی إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز**"(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/۹۶، اعلاء السنن ۱۴/۴۶)(مقالہ قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی بحوالہ ردالمحتار ۴/۵۵۶، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی شاکر نثار مدنی، مفتی عبد الرشید قاسمی بحوالہ فتح القدیر ۲/۲۶۶، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ بحوالہ شرح المجلہ ۱/۹۹، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی، مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۲-"**وإن اشتراها مطلقا عن الترک والقطع وترکها على النخيل باستئجار النخيل إلى وقت الادراک طاب له الفضل لبطلان إجارة النخيل لعدم التعارف، فان التعارف لم يجر فيما بين الناس باستئجار الاشجار، ولعدم الحاجة إلى ذلک......**"(العنایہ شرح الہدایہ ۸/۴۲۸)(مقالہ مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی بحوالہ البحر الرائق ۵/۳۲۷، مولانا عبد التواب اناوی بحوالہ فتح القدیر ۶/۲۶۸، مولانا محمد ادریس فلاحی بحوالہ البنایہ مع الہدایہ ۷/۳۷، مولانا عباداللہ قاسمی بحوالہ النہر الفائق ۵/۳۵۹، مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

۳-"ولو استأجر البائع الشجرة ليترک الثمر عليها إلى وقت الجذاذ لم تجز هذه الاجارة، لأن جواز الاجارة مع ان القياس يأباها لكونها بيع المعدوم ليتعامل الناس، والناس ماتعاملوا هذا النوع من الاجارة"(بدائع الصنائع ۴/ ۳۷)(مقالہ قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

۴-"بأن استأجر الاشجار إلى وقت الادراک......أما فى الإجارة فلأنها إجارة باطلة لعدم التعارف فى إجارة الأشجار والحاجة"(فتح القدیر ۵/ ۱۰۳، فتاوی تاتارخانیہ ۸/ ۳۲۶، ردالمحتار ۷/ ۸۸)(مقالہ قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد زید مظاہری)۔

۵-"لا يصح استئجار الاشجار لاستيفاء ثمارها؛لأن ذلک مؤد إلى بيع ثمرة قبل بدو صلاحها"(التوضیح فی شرح مختصر ابن الحاجب: خلیل جندی مالکی ۷/ ۱۶۱)(مقالہ جمیل اختر جلیلی)۔

۶-"لا يصح استئجار الأشجار لثمارها"(الوسیط للغزالی ۴/ ۱۵۸)(مقالہ جمیل اختر جلیلی)۔

۷-"ولا تعامل فى إجارة الاشجار المجرده فلا يجوز،كذا لو استأجر أشجارا ليجفّف عليها فلا يجوز، وذكره الكرخى إذا بطلت بقى الإذن معتبرا فيطيب"(فتح القدیر ۵/ ۴۹۰)(مقالہ مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی)۔

۸-فتاوی دار العلوم میں ہے: درخت انبہ (آم) پر اگر صرف مول ہو اور پھل نہ آیا ہو تو بیع پھلوں کی باطل ہے......اور اگر پھل آ گیا ہو تو خواہ فی الحال وہ قابل پورے نفع اٹھانے کے ہو یا نہ ہو، اس کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ تا فصل پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط نہ ہو......اور اجارہ پر درخت لینا جائز نہیں ہے......اور اگر پھلوں کو بلا شرط خریدا اور پھر باجازت بائع ان کو تا فصل درخت پر رہنے دیا تو نفع زیادتی پھلوں کا اٹھانا مشتری کو مباح ہے......اور ایسے ہی اگر اجارہ باطلہ کے ذریعہ پھلوں کو درخت پر رہنے دیا تو زائد پھلوں کا انتفاع مشتری کے لئے درست ہے (فتاوی دار العلوم ۱۴/ ۳۵۳)(مقالہ مولانا محمد حذیفہ داحودی)۔

مفتی محمد اسعد پالنپوری لکھتے ہیں کہ: اگر مشتری پھل کو درخت پر پکنے تک چھوڑے رکھنا ہی چاہتا ہے تو اس کے لئے فقہاء نے دو حیلے بتائے ہیں: اول یہ کہ درختوں کو بٹائی پر لے لے، جس کو فقہاء کی اصلاح میں "مساقات" یا "معاملہ" کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب؛ مثلاً ہزارواں حصہ باغ کے مالک کے لئے طے کر دے، دوم یہ کہ بائع بذات خود مشتری کو پھل پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت دے دے، لیکن پھر ایک سوال یہاں یہ ہوسکتا ہے کہ بائع اجازت دے کر کچھ دنوں کے بعد اگر مکر جائے تو اس وقت مشتری کیا کرے گا؟

تو اس کا حل یوں پیش کیا ہے کہ بائع مشتری کو اس طرح اجازت دے '' کہ میں فلاں مدت کے لئے آپ کو درخت پر پھل رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اور اگر میں کبھی اپنے اس اقرار سے مکر جاؤں، تب بھی تم کو درخت پر پھل رکھنے کی اجازت باقی رہے گی''۔

درمختار میں لکھا ہے:''والحيلة:أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزءاً من ألف جزء أن يشتري أصول الرطبة كالباذنجان وأشجار البطيخ والخيار؛ليكون الحادث للمشتري، وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم فيها الإدراک بباقي الثمن؛وفي الأشجار الموجودة يحل له البائع ما يوجد؛ فإن خاف أن يرجع يقول: على أني متى رجعت في الإذن، تكون مأذونا في الترک''(الدر المختار مع الشامیۃ مطبوعۃ زکریا دیوبند ۷/ ۸۸، ۸۹)۔

اور علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر شرح ہدایہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''والمخلص من هذه اللوازم الصعبة (أن يشتري) أصول الباذنجان والبطيخ والرطبة ليكون مايحدث(على ملكه) وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن، ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم غاية الإدراک، وانقضاء الغرض فيها بباقي الثمن؛ وفي ثمار الأشجار يشتري الموجود ويحل له البائع ما يوجد؛ فإن خاف أن يرجع يفعل كما قال الفقيه أبو الليث في الإذن في ترک الثمر على الشجر،وهوأن يأذن المشتري على أنه متى رجع عن الإذن، كان مأذوناً في الترک بإذن جديد، فيحله على مثل هذا الشرط''(فتح القدیر شرح الہدایہ، مطبوعۃ دار الکتب العلمیہ ۶/ ۲۶۹)۔

☆ بعض مقالہ نگار حضرات پھل خریدنے کے بعد درخت کو پھل توڑنے کی مدت تک کرایہ پر لینے کی گنجائش کی بات کہتے ہیں، اور درخت کرایہ پر لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، اس رائے کے حاملین میں مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مولانا جمیل اختر جلیلی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی وغیرہ شامل ہیں)۔

''إن رسول الله ﷺ أتى بنى حارثة فرأى زرعاً فى أرض ظهير فقال: ما أحسن زرع ظهير، قالوا: ليس لظهير ، قال: أليس أرض ظهير، قالوا: بلى! ولكنه زرع فلان، قال: فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة، قال رافع: فأخذنا زرعنا ورددنا إليه النفقة''(سنن ابی ابوداؤد ۲/ ۴۸۳)(مقالہ مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

-مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی نے درخت کو اجارہ پر لینے کے درست ہونے کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

۱-حضرت عمرؓ کا عمل، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:''أن أسيد بن حضير مات وعليه دين، فباع عمرؓ ثمرة أرضه سنتين''(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۳۲۶۰)۔

۲-اجارہ "**عقد علی المنافع بعوض**" کو کہتے ہیں، درخت کے اجارہ میں بھی منافع پر ہی عقد ہوتا ہے؛ کیونکہ پھلوں کی بیع تو پہلے ہو چکی ہے، اب پھل کے اندر جو بڑھوتری ہوگی، وہ درخت کے ذریعہ سے کشید کردہ ہوگی اور یہی منافع ہے؛ کیونکہ پھل توڑنے پر درخت کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے،، وہ تو اپنے اصلی حال پر باقی ہے۔

۳-درخت کے اجارہ سے خلاصی کی جو صورت نقل کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ درخت کو بھی خریدا جا سکتا ہے؛ لیکن اس میں دو اشکال ہوتے ہیں:

الف-درخت کا مالک درخت بیچنے پر راضی نہ ہو، ایسی صورت میں خلاصی ممکن نہیں۔

ب-مشتری درخت خریدنے پر قادر نہ ہو، اس صورت میں بھی خلاصی نہیں ہو سکتی؛ لیکن اجارہ کی صورت میں دونوں کے راضی ہونے کا زیادہ امکان ہے کہ دونوں خسارہ فاحش سے بچ جائیں گے۔

۴-درخت کے اجارہ کو اس لئے نادرست قرار دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ لوگوں میں متعارف نہیں ہے، اس سے خود بخود یک گونہ گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

۵-اجارہ کو خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے: "**أن الإجارة جوزت بخلاف القياس للحاجة**" (الہدایہ ۲/۲۷۳)، یہاں بھی ضرورت پائی جا رہی ہے؛ اس لئے جائز ہونا چاہئے۔

ان وجوہات کی روشنی میں راقم کے نزدیک یہ رائے قرین صواب اور حرج سے بچانے کی ایک عمدہ شکل ہے؛ اس لئے اسے درست ہونا چاہئے۔

دیگر آراء:

-مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی کا کہنا ہے کہ جواز کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ بلا شرط بیع ہو اور بعد میں خریدار مالک سے اجازت لے لے یا مالک از خود اجازت دے دے۔

-مفتی محمد زید مظاہری ندوی لکھتے ہیں کہ اگر کسی زمانہ میں یا کسی علاقہ میں درختوں کے کرایہ پر لینے کے لئے حاجت وضرورت ہو اور اس کا تعامل بھی ہو جائے تو بلا شبہ ایسی صورت میں پھلوں کو پکنے کے وقت تک درختوں کا اجارہ بھی درست ہوگا، جیسا کہ نہر کے کنارے دھوبیوں کو دھوئے ہوئے کپڑوں کو پھیلانے کے لئے درختوں اور گھاس والے کھیتوں کو اجارہ پر لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

-مولانا عبید اللہ ابو بکر ندوی کا کہنا ہے کہ یہاں دو الگ الگ عقد الگ الگ ثمن کے ساتھ کئے جائیں گے، پہلا عقد پھلوں کی بیع قطع کی شرط کے ساتھ، اور دوسرا عقد درختوں کو اجرت پر لینے کا۔

-مولانا محمد عباس سعادتی نے یہ رائے پیش کی ہے کہ جواز وعدم جواز کا مدار عرف وتعامل ہے، لہذا جس جگہ تعامل

ہو وہاں جائز ہوگا اور جہاں تعامل نہ ہو وہاں عدم جواز ہوگا۔

جبکہ مفتی محمد عثمان گورینی کے نزدیک اگر بیع بدوصلاح سے پہلے ہوتو بشرط الترک اور بغیر شرط الترک دونوں صورتوں میں بیع ناجائز ہے، لہذا درخت کو کرایہ پر لینے کی کوئی حاجت نہیں، اور اگر بیع بدوصلاح کے بعد ہوتو مشتری کو پھلوں کے باقی رکھنے کا حق ہے، اس لئے اگر بشرط الترک بیع ہوتو جائز ہے اور مطلق ہوتو بھی جائز ہے۔

-مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ ابھی کچھ انتظار کیا جائے، جب درختوں کو کرایہ پر لینے کا تعامل اور عام رواج ہوجائے اس وقت جواز کا حکم لگایا جائے۔

-مولانا روح اللہ قاسمی نے مختلف حوالوں سے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے کہ جب اجارہ اشجار کا عدم جواز، عدم تعامل اور عدم حاجت یا محض عدم تعامل کی بنیاد پر ہے تو اگر اس کا تعامل اور حاجت دونوں ثابت ہوجائے تو اسے جائز ہونا چاہئے۔

۷-درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی مذکورہ صورتوں کے علاوہ دیگر صورتیں:

سوال نمبر:۷- ان تمام صورتوں کے علاوہ اس بارے میں اگر کوئی اور صورت آپ کے علم میں ہو تو اس کو شامل کرتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

بعض مقالہ نگاروں نے اس مسئلہ کا یا تو کوئی جواب نہیں دیا یا یہ کہا کہ سوالنامہ میں تمام صورتیں ذکر ہوچکی ہیں ان کے علاوہ دوسری صورتیں نہیں ہیں، ان مقالہ نگاروں میں مولانا محمد حذیفہ داحودی، مفتی عمر بن یوسف کوکنی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی، مولانا محمد یاسر قاسمی، مولانا عبدالحلیم اعظمی، مولانا عباداللہ قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔

اکثر مقالہ نگاروں نے سوالنامہ میں مذکور صورتوں کے علاوہ بھی مزید صورتیں بیان کی ہیں، ان میں سے چند مقالوں سے تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

۱-مفتی محمد اسعد پالنپوری نے مزید چار صورتوں کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ کسی باغ میں مثلاً ایک نوع کے آم کے پانچ سو درخت ہیں، ان میں صرف ایک ہی درخت میں ابھی بدوصلاح ہوا ہے، تو کیا باغ کے مابقیہ درختوں کے پھل کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

پہلا قول: جمہور حضرات ائمہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام محمدؒ) وغیرہ کا ہے کہ اس نوع کے مابقیہ تمام درختوں کا پھل بیچنا جائز ہے؛ کیونکہ باغ کے تمام درختوں کا بدوصلاح ایک ہی ساتھ ہوجائے، یہ کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ عام طور پر اس میں تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے اور تمام درختوں میں بدوصلاح کا اعتبار کرنے کی صورت میں مشقت بھی لازم آئے گی؛ لہذا جن

درختوں میں بدوصلاح نہیں ہوا ہے، ان کو ان درختوں کے تابع قرار دے دیا جائے گا، جن میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ اس لئے ایک درخت میں بدوصلاح کے بعد مابقیہ درختوں کے پھل بیچنا جائز ہوگا۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت ہے کہ جن درختوں میں بدوصلاح ہو چکا ہے، ان کی تو بیع جائز ہے اور جن میں نہیں ہوا ہے، ان کی جائز نہیں ہے (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۱۹۴، ۱۹۵)۔

لیکن بندے کی ناقص رائے میں پہلے مذہب پر عمل کرنے میں زیادہ آسانی ہے، بنسبت دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے؛ کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب ہر درخت میں بدوصلاح کا ہونا ضروری ہے، تو ظاہری بات ہے کہ اس میں موجود و معدوم پھلوں کے درمیان امتیاز پر قدرت کے نہ ہونے کی وجہ سے بائع اور مشتری دونوں کے لئے بڑی دشواری کا سامنا ہوگا جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۲- **دوسری صورت**: یہ ہے کہ کسی باغ میں ایک جنس کے مختلف انواع کے درخت ہوں، ان میں سے ایک نوع کے درختوں میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ لیکن دوسری انواع میں نہیں ہوا ہے، تو کیا دوسری انواع کے پھلوں کو پہلی نوع کے تابع قرار دے کر فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی کیا ایک نوع کے آم میں بدوصلاح ہوجانے کے بعد آم کی دوسری نوع کے درختوں میں بدوصلاح سمجھا جائے گا، اور دوسری نوع کے درختوں کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حضرات ائمہ کے تین مذاہب ہیں:

۱- پہلا مذہب: بعض اصحاب شوافع کا ہے کہ ایک نوع کو دوسری نوع کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ دو مختلف انواع کے درختوں کے پھلوں کے ادراک، تناہی اور بدوصلاح میں تقارب و تباعد ہوتا رہتا ہے؛ لہذا جس طرح دو مختلف اجناس میں سے ایک جنس کو دوسری جنس کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح ایک نوع کو بھی دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

۲- دوسرا مذہب: امام محمدؒ کا ہے کہ جو پھل ادراک کے بالکل قریب ہو چکے ہیں، تو بعض پھلوں میں بدوصلاح کی بنیاد پر متقارب الادراک تمام پھلوں کو فروخت کرنا جائز ہے اور متباعد الادراک پھلوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۳- تیسرا مذہب: بعض اصحاب شوافع اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کا ہے کہ ایک جنس کے تمام درختوں کے پھلوں کو بیچنا جائز ہے، ان حضرات نے اس مسئلے کا قیاس زکوۃ میں تکمیل نصاب والے مسئلہ پر قیاس کیا ہے؛ یعنی جس طرح زکوۃ میں نصاب کی تکمیل کے لئے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے اور زکوۃ واجب کی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی مختلف انواع کے درختوں کو ایک نوع کے درخت تصور کر کے ایک کو دوسرے کے تابع قرار دیا جائے گا (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۱۹۵)۔

بندے کی ناقص رائے میں تین مذاہب میں سے پہلے مذہب پر عمل کرنے میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی

ہے؛ بنسبت دوسرے اور تیسرے مذہب پر عمل کرنے کے؛ کیونکہ مثال کے طور پر آم کے مختلف انواع ہیں اور ہر نوع میں بدوصلاح کے اعتبار سے تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے؛ برخلاف دوسرے مذہب کے کہ اس میں دونوں طرح کے پھلوں کے درمیان امتیاز کرنے کی دشواری لازم آئے گی، اور تیسرے مذہب میں تو چونکہ ایک نوع کو دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع قرار دیا ہے اور ایک جنس کے تمام درختوں کو ایک ہی نوع قرار دے کر سب کے لئے جواز بیع کا حکم ثابت کیا ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ اس میں بین طور پر غرر ہے، جس کا اندازہ مبتلی بہ لوگوں کو آسانی ہوسکتا ہے۔

۳- **تیسری صورت:** یہ ہے کہ کسی باغ میں مختلف اجناس آم، امرود اور چیکو کے درخت ہوں، ان میں سے کسی ایک جنس میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ لیکن دوسری اجناس میں ابھی نہیں ہوا ہے، تو کیا دوسری اجناس جن میں ابھی بدوصلاح نہیں ہوا ہے، ان کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک، شوافع اور حنابلہ کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ انواع ثمار میں سے ہر نوع کے بدوصلاح کا علاحدہ اعتبار ہوگا اور ہر باغ کی نوع کے بدوصلاح کا بھی علاحدہ اعتبار ہوگا؛ کیونکہ ہر نوع کا بدو مختلف اوقات میں ہوتا رہتا ہے؛ نیز اسی طرح سے ہر باغ کے پھلوں کے پکنے کے اوقات بھی اپنے اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے ہیں؛ اس لئے ایک نوع کو دوسری نوع کے اور ایک باغ کی نوع کو دوسرے باغ کی نوع کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا (دیکھئے: موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/ ۲۵۵، الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۹۶)۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک باغ کی نوع کو اسی باغ کی دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع نہیں قرار دیا جائے گا؛ اسی طرح سے ایک باغ کی نوع کو دوسرے باغ کی نوع کے بدوصلاح کے بھی تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

۴- **چوتھی صورت:** یہ ہے کہ کسی شخص کے ایک جنس اور ایک نوع کے درختوں کے پانچ باغات ہیں، ان میں سے ایک باغ کے درختوں کا بدوصلاح ہو چکا ہے اور دوسرے باغات کا نہیں ہوا ہے، تو کیا بدوصلاح والے باغ کا اعتبار کر کے دوسرے باغات کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً دیکھا جائے گا کہ دونوں باغات جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہیں یا دور، اگر دونوں باغات ایک دوسرے سے بالکل قریب ہیں، تو اس سلسلے میں حضرات فقہاء کے دو مذاہب ہیں:

۱- پہلا مذہب: امام مالکؒ کا مذہب، امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک کھیت کی فصل یا ایک باغ کے درختوں کے بدوصلاح کا اعتبار اس کے پڑوس والے دوسرے کھیت کی فصل یا دوسرے باغ کے درختوں کے لئے کیا جائے گا اور دونوں کھیت کی فصل کو ایک ہی کھیت کی فصل اور دونوں باغات کے پھلوں کو ایک ہی باغ کے پھل تصور کر کے بیچنا جائز ہوگا۔

اور قرب کی تفسیر مالکیہ نے یہ کی ہے کہ دونوں باغ اتنے قریب ہوں کہ ایک باغ کے پھلوں کی خوشبو دوسرے باغ میں محسوس ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں ماہرین کے قول کا اعتبار کیا جائے۔

اور مالکیہ میں سے ابن کنانہ نے دونوں طرح کے باغات (خواہ قریب قریب ہوں یا دور) کا ایک ہی حکم لگایا ہے اور ایک باغ کے بدوصلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کے پھلوں کا بیچنا جائز قرار دیا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۹۶/۹)۔

۲- دوسرا مذہب: حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کا ہے، ان کے نزدیک ایک باغ کے بدوصلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کو اس کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا، خواہ دونوں باغ قریب قریب ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ ہر باغ کے جائے وقوع کے اعتبار سے اس کے پکنے کے اوقات مختلف ہوتے ہیں اور ایک باغ کی ایک نوع کے کچھ درختوں میں بدوصلاح کے بعد اسی باغ کی اسی نوع کے دوسرے درختوں کو بیچنے کا جواز اشتراک کے ضرر کو دور کرنے سے مقصد سے ہے اور وہ ضرر باغ کے بدل جانے کی صورت میں باقی نہیں رہتا ہے؛ اس لئے ایک باغ کو دوسرے باغ کے تابع قرار دینا درست نہیں ہوگا؛ جیسا کہ ایک دوسرے سے دور دو باغوں کا حکم ہوتا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۹۶/۹، موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۲۵۵/۴)۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اگر دونوں باغ جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں کہ ایک باغ کی خوشبو دوسرے باغ میں محسوس کی جائے، تو مالکیہ کے نزدیک دونوں باغ کو ایک ہی باغ تصور کیا جائے گا اور ایک باغ کے بدوصلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کے پھلوں کا بیچنا جائز ہوگا، اور اگر دونوں باغ ایک دوسرے سے اتنے دور ہوں کہ ایک دوسرے کی خوشبو محسوس نہ ہو تو یہ حکم نہیں ہوگا؛ بلکہ ہر باغ کے درخت کے بدوصلاح کا علاحدہ اعتبار ہوگا اور ہر باغ کو اپنے اپنے بدوصلاح کے بعد ہی فروخت کیا جائے گا؛ لیکن حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایک باغ کو دوسرے باغ کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ ہر باغ کے بدوصلاح کا علاحدہ علاحدہ اعتبار کیا جائے گا، خواہ دونوں باغ ایک دوسرے سے قریب ہوں یا دور، اور دلائل کے اعتبار سے بندے کی ناقص رائے میں یہی مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔

۲- مولانا جمیل اختر جلیلی نے ڈاکٹر محمد عمر عباس کے حوالہ سے درج ذیل ۱۴ر صورتوں کا ذکر کیا ہے:

۱- جو پھل درختوں پر ایک ساتھ لگتے ہیں، جب تک پھول کی شکل میں ظاہر نہ ہوں، ان کی خرید وفروخت جائز نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں جس چیز کو بیچا جا رہا ہے، اس کا فی الحال کوئی وجود نہیں ہے اور جو چیز موجود نہ ہو اس کی خرید وفروخت کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

آج کل باغات کئی سالوں کے لئے ٹھیکے پر دے دیئے جاتے ہیں، اس میں آنے والے کئی سالوں کے پھل ابھی سے فروخت کر دیئے جاتے ہیں، چونکہ اس میں ایک غیر موجود چیز کو بیچا جاتا ہے، لہذا ایسی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، واضح رہے کہ ادھار پر پھل صرف اس صورت میں بیچنا جائز ہے جب یہ تمام شرائط پائی جائیں:

☆ بیچی گئی چیز کا سودے کے وقت سے لے کر حوالگی کے وقت تک فروخت کرنے والے کی دسترس میں رہنا۔

☆ سودے کی مجلس کے اختتام سے پہلے پوری قیمت ادا کرنا۔

☆ اس کی نوعیت کا معلوم ہونا۔ ☆ اوصاف وغیرہ کے ذریعہ اس کی تعیین ممکن ہونا۔

☆ اس کی مقدار کا معلوم ہونا۔ ☆ اوصاف کا معلوم ہونا۔

☆ حوالگی کی مدت کا معلوم ہونا۔ ☆ حوالگی کی جگہ کا معلوم ہونا۔

۲- پھل کے درخت پر ظاہر ہو جانے کے بعد اگر اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کو انسانی استعمال میں لایا جا سکتا ہو، نہ ہی جانوروں کو کھلایا جا سکتا ہو تو بھی اس کی خرید وفروخت جائز ہے؛ کیونکہ فی الحال اگرچہ یہ ایک بے فائدہ چیز ہے لیکن آگے چل کر ایک مفید چیز بن سکتی ہے، اور شریعت کا اصول ہے جو چیز فی الحال کارآمد ہو یا مستقبل میں مفید بن سکتی ہو، اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔

۳- اگر درختوں پر پھل کی ابتدائی شکل ''پھول'' لگ چکے ہوں یا پھل ایسے ہوں کہ ان کا کوئی مفید استعمال ہو اور اس شرط پر بیچے جائیں کہ خریدار فوراً درختوں سے اتارلے گا یا بغیر کسی شرط کے بیچے جائیں تو ایسی خرید وفروخت بھی جائز ہے، پھولوں کی یہ خرید وفروخت اس لئے جائز ہے کہ یہ جانوروں وغیرہ کے کھانے کے کام آسکتے ہیں۔

۴- اگر پھل درخت پر لگ گئے، لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے بغیر کسی شرط کے خرید لئے، تو یہ خرید وفروخت بھی جائز ہے، اور اگر سودا کرتے وقت یہ طے ہوا کہ خریدار پھل فوراً اتارے گا اور اب مالک نے فوراً پھل اتارنے کا کہا، تو خریدار پر لازم ہوگا کہ یہ پھل فورا درختوں سے اتارلے۔

۵- اگر پھل درخت پر لگ گئے، لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے خریدتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی؛ بلکہ خود مالک نے اس کو اجازت دے دی کہ آپ یہ پھل کچھ مدت کے لئے میرے درختوں پر چھوڑ سکتے ہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

۶- اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور سودے میں یہ طے پائے کہ خریدار پھل درختوں سے فوراً اتارے گا اور خریدار نے درختوں کے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ مدت کے لئے پھل اس کے درختوں پر ہی رہنے دیئے تو چونکہ اس مدت میں پھلوں میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوا، اس لئے خریدار ان پھلوں کا مالک ہوگا، البتہ مالک کی رضامندی کے برخلاف اس کے درخت استعمال کرنے کا گناہ ہوگا۔

۷- اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور خریدار نے اس شرط پر خریدے ہوں کہ وہ انہیں درختوں پر نہیں چھوڑے گا یا بغیر کسی شرط کے خریدے ہوں تو یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

۸-اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور خریدار نے اس شرط پر خریدے ہوں کہ وہ انہیں درختوں پر ہی چھوڑے گا، اس کی بھی اجازت ہے۔

۹-اگر ایک باغ میں مختلف اقسام کے پھلوں، مثلاً سیب، امرود اور ناشپاتی وغیرہ کے درخت ہوں اور سودا کرتے وقت کچھ اقسام کے درختوں پر پھل لگ چکے ہوں اور کچھ پر ابھی تک پھول بھی نہ لگے ہوں اور خریدار ایک ہی سودے میں فی الحال موجود اور غیر موجود تمام اقسام کے پھل خرید لے تو یہ بھی جائز ہے، اس صورت میں غیر موجود پھل موجودہ پھلوں کے تابع ہو کر اس خریدار کے ہوں گے۔

۱۰-اگر درختوں پر کچھ پھل لگ چکے ہوں اور کچھ آئندہ لگنے والے ہوں اور خریدار ان سب کا سودا کرے تو یہ صورت بھی جائز ہے، اس صورت میں غیر موجود پھل، موجودہ پھلوں کے تابع بن کر خریدار کی ملکیت ہوں گے۔

۱۱-اگر درختوں پر پھل لگ چکے ہوں لیکن تیار نہ ہوئے ہوں اور خریدار موجودہ پھل خریدنے اور مالک کی اجازت سے کچھ مدت کے لئے انہیں ان درختوں پر ہی رہنے دے، تو یہ بھی جائز ہے، اس مدت میں موجودہ پھلوں میں جو بڑھوتری ہوگی وہ خریدار کی ہوگی، اور اگر سودا کرتے وقت طے یہ پایا کہ پھل درختوں سے فوراً اتارے جائیں گے لیکن مالک کی اجازت کے بغیر اس کے درختوں پر رہنے دیئے اور اس مدت میں ان کے حجم میں اضافہ ہو گیا تو یہ اضافہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ یہ اس اضافے کے بقدر پیسے صدقہ کرے۔

۱۲-اگر درخت پر کچھ پھل لگے ہوئے ہوں اور خریدار صرف یہی موجودہ پھل خریدے اور پھلوں کو اس کے قبضہ کرنے سے پہلے پہلے اس درخت پر کچھ مزید پھل بھی آجائیں تو یہ پہلے والی خریداری فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ خریدے گئے پھلوں میں اضافہ ہو چکا ہے، اور یہ زائد پھل درخت کے مالک کے ہیں اور یہاں ان دونوں کے پھلوں میں امتیاز کر کے ان کو الگ الگ کرنا بہت مشکل ہے۔

۱۳-اگر درخت پر کچھ پھل لگے ہوئے ہوں اور خریدار صرف یہی موجودہ پھل خریدے اور پھل پر اس کے قبضہ کرنے کے بعد اس درخت پر کچھ مزید پھل بھی آجائیں تو اس نئے پیدا ہونے والے پھل میں یہ دونوں مشترک ہوں گے اور ان دونوں کی ملکیت کی مقدار کے تعین کا دارومدار خریدار کے بیان پر ہوگا۔

۱۴-اگر پھل درخت پر لگ تو گئے لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے شرط لگائی کہ پھل اتنی مدت تک درختوں پر ہی رہیں گے، تو یہ صورت بھی جائز ہے (shariahandbiz.com/index.php/islam-aur-tijart/1165-trading-of-fruits)۔

۳-مولانا صابر حسین ندوی نے بدوصلاح سے متعلق چند آراء کا ذکر کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اگرایک درخت پر بدوصلاح ہوجائے تو کیا باغ میں موجودسارے درخت جواسی قسم کے ہیں،ان سب کی بیع درست ہوسکتی ہے؟فقہاءکرام کے نزدیک اس سلسلہ میں دوقول ہیں:

پہلاقول: جائزنہیں ہے، یہ روایت امام احمدؒ سے منقول ہے،ان کے نزدیک صرف اسی درخت کے پھل کی بیع درست ہے،جس پر بدوصلاح ہوگئی ہے۔اور دلیل کے طور پر حضور ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے جس کے اندر بدوصلاح سے قبل پھل فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے،آپ نے اس روایت کوعموم رکھا ہے:" **عن ابن عمر أن النبی ﷺ: نهی عن بیع الثمرة حتی یبدو صلاحها نهی البائع والمبتاع**"......(دیکھئے:المغنی۶/۱۶۵)۔

دوسراقول: جائز ہے۔اس کے قائل جمہورفقہاءکرام ہیں،ان کا ماننا ہے کہ اگر ایک ہی درخت پر بدوصلاح ہوجائے تواس جنس کے سارے درخت کے پھل بیچے جاسکتے ہیں،دلیل کے طور پر ابن عمر کی روایت پیش کی گئی ہے اورصرف ایک درخت کے نکلے ہوئے پھل کودوسرے درختوں کے پھل کواس کے تابع مانا گیاہے؛لیکن یہ خیال رہے کہ تمام درختوں کی بیع ضروری ہے،اگرصرف کسی ایک درخت کی بیع کی جائے تو پھر ہرایک درخت کا الگ حکم ہوگا(دیکھئے:المغنی۶/۱۵۶،حاشیة الدسوقی ۳/۱۶۰،نہایۃ المحتاج۴/۱۴۹)۔

۲۔کیا یہ درست ہے کہ اگرایک ہی باغ میں ایک جنس کے درخت کا بدوصلاح ہوگیا ہوتو بقیہ سارے درخت جواس جنس سے نہیں ہیں ان کے پھل بھی بیچ دئے جائیں؟اس سلسلہ میں تین آراء ہیں:

پہلی رائے: باغ میں موجودسارے درخت جواس کی جنس سے ہوا سے بیچنا جائز ہے،یہ قول بعض شوافع اورحنابلہ میں ابی الخطاب کا ہے،ان حضرات کا ماننا ہے کہ جس طرح زکوۃ کے اندرنصاب مکمل کرنے کیلئے ایک دوسرے پھل کوملا دیا جاتا ہے،اسی طرح بیع میں بھی اس کا ایک حکم لگایا جاسکتا ہے(المغنی:۶/۱۵۷)۔

دوسری رائے: جب ایک ہی جنس میں مختلف نوعیت ہوجائیں،تو جوایک دوسرے سے متقارب ہوں توان کوملایا جاسکتا ہے۔یہ قول امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کا ہے۔

تیسری رائے: جب انواع مختلف ہوجائیں تو بدوصلاح میں ایک دوسرے کے تابع نہیں سمجھے جائیں گے، یہ مسلک مالکیہ اوربعض شوافع وحنابلہ وغیرہ کا ہے۔ان فقہاء نے جنس کوالگ الگ مان کرحکم میں بھی تباعد برتا ہے(دیکھئے:بدایة المجتھد:۳/۱۲۵۔المجموع:۱۱/۴۴۴۔المغنی:۶/۱۵۷)۔

۳۔اگر دوقریب قریب کے باغ ہوں اوران میں سے کسی ایک باغ کے پھل پر بدوصلاح ہوچکی ہوجبکہ دوسرے باغ میں نہیں؛تو کیا ایک ہی عقد میں دونوں باغ بیچے جاسکتے ہیں؟اس سلسلہ میں دونقطہائے نظرہیں:

پہلا نقطہ نظر: چونکہ ایک درخت کا بدو صلاح اس کے قریب کے درخت کیلئے بھی مانا جاتا ہے اسی لئے قریب کے باغ کیلئے بھی مانا جائے گا، یہ مالکیہ کا قول اور ایک روایت امام احمد سے ہے۔ انہوں نے دلیل متقارب ہونے اور ایک ہی مجلس میں عقد کے ہوجانے کو قرار دیا ہے (دیکھئے: الام: ۹۸/۴۔ الکافی: ۶۸۴/۲، موسوعہ فقہیہ ۱۹٦/۹)۔

دوسرا نقطہ نظر: عدم جواز کا ہے، کہ دو باغ ایک تصور نہیں کئے جا سکتے۔ یہ رائے حنابلہ اور شوافع وغیرہ کی ہے۔ ان حضرات نے دلیل کے طور پر ابن عمر کی یہ روایت پیش کی ہے: "**نهى رسول الله ﷺ من بيع النخل حتى تزهو وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة**" (مسلم: ۱۵۳۵/۵ وغیرہ)، اس کے علاوہ عقلی دلیلیں بھی نقل کی گئی ہیں کہ ایک باغ کا آفات سے محفوظ ہوجانا دوسرے کیلئے لازم نہیں آتا وغیرہ (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۱۹٦/۹)۔

- مولانا روح اللہ قاسمی نے اس سوال کے ذیل میں چند صورتوں کی طرف نشاندہی کی ہے جو درج ذیل ہیں:

۱- بعض پھلوں میں بدو صلاح ہو اور بعض میں نہیں ہو تو اگر یہ ایک درخت کے پھل ہیں تو بالاتفاق اس کی بیع صحیح ہے، اور اگر کچھ درختوں میں بدو صلاح ہوگیا ہو اور کچھ میں نہیں ہو، اور یہ درخت ایک باغ کے ایک ہی نوعیت کے ہوں گے یا الگ الگ نوعیت کے ایک باغ کے درخت ہوں گے یا قریب قریب باغات کے، اس میں تفصیل ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ اردو ۲۲۰/۹)۔

۲- پھل اتنے چھوٹے ہوں کہ اس کی بیع نہیں ہوسکتی، ابھی وہ پھول کی شکل میں ہو پھل کی شکل نہیں بنی ہو تو بیع الاثمار کے طور پر نہ سہی بیع الازہار کے طور پر اس معاملہ کو انجام دیا جاسکتا ہے (احسن الفتاوی ۴۸۹/٦)۔

۳- معدوم کی بیع جائز نہیں، نیز بیع معاومہ بھی جائز نہیں ہے، پس اگر کسی کو پھل نکلنے سے پہلے اس کی بیع کرنے کی نوبت آئے یا سال دو سال کے لئے معاملہ کرنا چاہے تو پھلوں کا معاملہ نہیں کیا جائے، بلکہ زمین سمیت باغ کا معاملہ ہو اور طے ہو کہ پورا باغ چھ مہینے کے لئے یا سال بھر کے لئے یا کئی سال کے لئے متعین رقم پر کرایہ پر دیا جائے (انوار رحمت: مفتی شبیر احمد قاسمی رص ۱۷۰) (مقالہ مولانا آزاد بیگ قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن بستوی)۔

۴- جس پھل کی خریداری ہو رہی ہے وہ متعین درخت اور باغ کے نہیں ہوں تو بیع سلم سے لاحق مان کر اس معاملہ کو انجام دیا جاسکتا ہے خواہ اس کی جو بھی شکل ہو۔

۵- بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع درخت کے ساتھ یا ہری کھیتی کی بیع زمین کے ساتھ کی جائے تو جائز ہے؛ کیونکہ پھل درخت کے تابع ہے۔

٦- ایک شخص درخت کا مالک ہے مگر اس کے پھل کا مالک نہیں، اس کے ہاتھ پھل کی بیع کی جائے تو جائز ہے (موسوعہ فقہیہ اردو ۲۱٦/۹)۔

مولانا عبدالرشید قاسمی نے اس میں درج ذیل تین صورتوں کا اضافہ کیا ہے:

۱- جس زمین پر باغ لگا ہوا ہے اس کو مع درختوں کے کرایہ پر دے دیا جائے۔

۲- باغ کو مساقات کے طور پر دے دیا جائے۔ ۳- پھلوں میں ''بیع سلم'' شرائط کے ساتھ کر لی جائے۔

۴- جس وقت درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں اس وقت باضابطہ بیع نہ کی جائے بلکہ وعدہ بیع کیا جائے۔

مولانا ابراہیم فلاحی نے یہ تین صورتیں بیان کی ہیں:

۱- ایک آدمی نے دوسرے کے لئے درخت کی وصیت کردی نہ کہ اس کے پھلوں کی، پھر وصیت کرنے والے کا انتقال ہو گیا، تو موصی لہ ورثہ کو قطع ثمر پر مجبور کرے گا؛ تاکہ اپنی وصیت شدہ میں حاصل درختوں پر قبضہ کرلے (فتاوی تاتارخانیہ ۸/ ۳۱۴)۔

۲- ایک باغیچہ دو آدمی کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک نے اپنے حصے کو بیچ دیا، جبکہ بعض پھل کچے ہیں یا سب کچے ہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شریک کا اپنے حصہ کو بیچ دینا تقسیم کا تقاضا کرے گا، اور قابل انتفاع پھل تقسیم کر سکتے ہیں نہ کہ ناقابل انتفاع (محیط برہانی ۹/ ۳۱۲)۔

۳- درخت کو خریدتے وقت پھل نہیں تھے، خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے پھل نکل آئے تو پھل مشتری کے ہوں گے، اور اگر کسی آفت سماوی کی وجہ سے قبل التسلیم پھل ہلاک ہو گئے تو ثمن میں کچھ کمی نہیں ہوگی، گویا کہ پھل تھے ہی نہیں، اور مشتری کو کوئی خیار نہیں ہوگا (فتاوی تاتارخانیہ ۸/ ۳۱۶)۔

مفتی محمد عثمان گورینی نے اس کے ضمن میں دو صورتوں کا اضافہ کیا ہے:

۱- یہ کہ پھلوں کو فروخت کرنے کے وقت باغ کا مالک مشتری سے متعینہ ثمن کے ساتھ ساتھ پھلوں کی ایک متعین مقدار لینے کی بھی شرط لگاتا ہے، اور اس شرط کے مطابق خریدار متعینہ رقم اور پھل باغ کے مالک کو دیتا ہے، مفتی موصوف نے اس کا تفصیلی جواب بھی دیا ہے اور امداد الفتاوی (۳/ ۱۰۳) کے حوالے سے اس کا تجزیہ بھی کیا ہے۔

۲- دوسرا مسئلہ سبزی وغیرہ کی فصل خریدنے کا ہے، اس کا بھی حکم بیع ثمار کی طرح ہے، البتہ اس میں درخت سمیت خریدنا اور زمین کرایہ پر لینا بھی جائز ہے جس سے مسئلہ میں آسانی ہو جاتی ہے۔

-مفتی محمد الیاس قاسمی کا کہنا ہے کہ استثناء کی صورت میں اگر یہ پھل معلوم ومتعین ہوں تو فقہ حنفی کے ظاہر الروایہ قول میں اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح اگر کسی مخصوص درخت کے پھلوں کو بیع سے مستثنیٰ قرار دے تو یہ صورت بھی جائز ہے (ہدایہ ۳/ ۲۸، البحر الرائق ۵/ ۳۲۷، موسوعہ فقہیہ ۹/ ۲۵)۔

-مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی نے ایک صورت یہ ذکر کی ہے کہ بَور (پھول) اور پھل آنے کے وقت باغ کا مالک کسی

دوسرے شخص کو حفاظت کے لئے اور دیکھ ریکھ کے لئے باغ اس کے حوالے کر دیتا ہے، اور جب پھل توڑے جانے کے لائق ہوجاتے ہیں تو پھل توڑ کر مالک اور محافظ دونوں نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں، اور یہی اس کی اجرت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ جانور کو بٹائی پر دینے کا معاملہ ہے (فتاوی ہندیہ ۲/۳۳۵، ۴/۴۴۵، فتاوی بزازیہ ۵/۷۳، فتاوی تاتارخانیہ ۵/۶۷۰)، البتہ حیلہ جواز یہ ہے کہ مالک باغ کی دیکھ ریکھ کرنے والے کو نصف باغ کا مالک بنادے؛ تا کہ تمام پیداوار کے نصف میں شریک ہوجائے (فتاوی ہندیہ ۴/۴۴۶، فتاوی قاضی خاں ۲/۳۳۲، فتاویہ بزازیہ ۵/۷۳، فتاوی محمودیہ ۱۶/۵۹۴)۔

۸- بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف:

سوال نمبر:۸- بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، ہمارے یہاں مروج شکلوں میں کیا اس سے فائدہ اٹھایاجاسکتا ہے، واضح رہے کہ ہمارے بعض اکابر ارباب افتاء نے کچھ مروج صورتوں میں بیع سلم کی مختلف فیہ شرطوں کے حوالہ سے رخصت و گنجائش کا تذکرہ کیا ہے۔

مثلاً حضرت تھانویؒ نے گنے کی خرید و فروخت کے معاملہ میں میعاد مقرر پر پائے جانے کی ضرورت کے مواقع میں اجازت دی ہے (امداد الفتاوی جلد سوم ص ۱۰۶ طبع زکریا قدیم)، **اور مفتی رشید احمد صاحب نے بیع قبل ظہور الاثمار والأزہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر جواز کا تذکرہ کیا ہے** (احسن الفتاوی ۶/۴۸۷-۴۸۹ نیز مابعد)۔

بیع سلم پیشگی ثمن لے کر تاخیر سے مبیع دینے کو کہتے ہیں (حاشیہ ہدایہ ۳/۷۵)، اسی کو بیع سلف بھی کہتے ہیں۔

اکثر مقالہ نگار ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے اور ائمہ کے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بیع سلم سے لاحق کر کے اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

۱-"**روی عن ابن عباسؓ: أن النبيﷺ قدم المدینة، وهم یسلفون فی التمر السنة والسنتین والثلاث فقال: من أسلف فلیسلف فی کیل معلوم، ووزن معلوم إلی أجل معلوم**" (بخاری:۲۲۴۰) (مقالہ مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی)۔

۲-"**النبي ﷺ انما رخص فی السلم للضرورة هنا ایضا أمکن إلحاقه بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن مصادما للنص، وظاهر کلام الفتح المیل إلی الجواز، ولذا أورد له الروایة عن محمد بل تقدم أن الحلوانی رواه عن أصحابنا، وما ضاق الامر إلا اتسع**" (رد المحتار ۷/۸۶، فتح القدیر ۵/۱۰۲) (مقالہ ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی)۔

بیع سلم اور اس کی تفصیلات:

مولانا محمد حذیفہ داحودی نے عقد سلم پر مسالک کے اعتبار سے تفصیل بیان کی ہے جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

عقد سلم کو سلف بھی کہتے ہیں، لغۃً سلم کے معنی ہیں: سپرد کرنا، اور سلف کے معنی ہیں: قرض دینا، بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی، نہ مجلس عقد میں، نہ بائع کی ملک میں اور ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا اور چونکہ مبیع موجود نہیں اس لئے جو ثمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے، اس لئے دوسرا نام سلف (قرضہ) ہوا، شرعاً بیع سلم اور بیع سلف کا مطلب ہے: وہ عقد بیع جس میں قیمت نقد ہو اور مبیع اور سامان ادھار ہو، **"السلم هو لغةً كالسلف وزناً ومعنىً، وشرعاً بيع آجل وهوالمسلم فيه بعاجل وهورأس المال۔"** (الدر المختار مع الرد: باب السلم: ۷/ ۴۵۴) اس طرح کی بیع بالاتفاق جائز ہے، حدیث میں ہے: **"عن ابن عباسؓ قال: قدم رسول اللهﷺ المدينة وهم يسلفون فی الثمرالسنة والسنتين والثلاثة فقال رسول اللهﷺ: من أسلف فليسلف فی كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم۔"** (ابوداؤد مع البذل: ۴/ ۲۷۷، الترمذی وقال: حديث حسن صحيح، رقم: ۱۲۹۶، البخاری، رقم: ۲۲۳۹)، اس حدیث میں سلم کے جواز کے لئے دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک: پیمانہ یا وزن سے مبیع کی مقدار کی تعیین، دوسری: تسلیم مبیع کی مدت کی تعیین، پھر فقہاء نے مبیع اور ثمن کی پوری وضاحت اور تعیین کی ہے، جو مختصراً یہ ہیں:

حنفیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم ایک ماہ ہو، نیز جنس مبیع وقت عقد سے وقت ادائیگی تک برابر بازار میں دستیاب رہے، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے، ورنہ "بیع الکالی بالکالی" لازم آئے گی جو ممنوع ہے۔ **"وشرطه بيان جنس ونوع و صفة وقدر وأجل وأقله شهروقدر رأس المال وقبض رأس المال قبل الافتراق....."** (تنویر الابصار مع الدر المختار فی هامش الرد: ۷/ ۴۶۱-۴۶۴)۔

شافعیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو، مگر اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہونا، نیز جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔

مالکیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم پندرہ دن ہو، مگر جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ بالشرط تین دن تک اور بلا شرط تین دن سے زیادہ تاخیر کی گنجائش ہے۔

حنابلہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو اور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم ایک ماہ ہو،

مگر جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں،ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔

بیع سلم کے متعلق مذکورہ بالافقہی تفصیلات کوسامنے رکھتے ہوئے درختوں پر پھلوں کے آنے سے پہلے سے ان کی بیع کی مروجہ صورت پر غور کیا جائے تو اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ یہ صورت کسی بھی فقہی مسلک کے مطابق بیع سلم کے تحت داخل نہیں ہوتی اور صحیح نہیں قرار پاتی، چنانچہ:

حنفی مسلک کے مطابق: ''بیع الثمار قبل الظهور'' والی مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے، نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی جنس مبیع وقت عقد سے وقت ادائیگی تک برابر بازار میں دستیاب رہتی ہے، اسی طرح نہ ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

شافعی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق بھی یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

مالکی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے، پس اس مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

حنبلی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق بھی یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

غرضیکہ چاروں فقہی مسالک کے مطابق: ''بیع الثمار قبل الظهور'' والی مروجہ صورت میں مبیع کی مقدار متعین نہیں ہوتی ہے، اس لئے چاروں مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی، بلکہ مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین نہ ہونے کی وجہ سے صراحۃً نص: ''من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم'' کے خلاف ہوئی اور مالکی مسلک کے علاوہ مابقیہ مسالک کے مطابق ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ نہ کئے جانے کی وجہ سے نص: ''إن رسول الله أنهى عن بيع الكالئ بالكالئ'' (الدارقطنی ۳/۲۶۹، ابن ابی شیبۃ، رقم: ۲۳۰۰۲) کے خلاف بھی ہوئی، اس لئے اس شکل کو سلم میں داخل کرنے کی اور اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ اس سلسلہ میں بہترین وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خود ضرورت عامہ دلیل مستقل نہیں، جب تک کسی کلیہ شرعیہ میں وہ صورت داخل نہ ہو جیسا کہ عبارات مذکورۂ

سوال میں صرف ضرورت کو جواز کے لئے کافی نہیں سمجھا، بلکہ ضرورت کو داعی قرار دیا کسی کلیہ میں داخل کرنے کا، مثل الحاق بالسلم وغیرہ کے، اور بیع قبل ظہور الثمار میں یہ الحاق نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی دوسرا کلیہ بھی نہیں چلتا، **فلایقاس أحدهما علی الآخر**، اور سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ اگر "**اشتراط وجود مسلم فیه من وقت العقد إلی حلول الأجل**" سے قطع نظر کرکے شافعیؒ کا مذہب بھی لے لیا جاوے کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت الحلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ اولاً: مقدار ثمار کی متعین نہیں، ثانیاً: کوئی اجل معین نہیں، ثالثاً: اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ اول ہی سے بائع اشجار کو مشتری کے سپرد کردیتا ہے اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہوجاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر ہو اور خواہ نہ ہو، رابعاً: اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں، خامساً: اکثر پورا ثمن پیشگی یکمشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہوسکتا" (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۱۰۵)۔

اور گنے کی خرید وفروخت کے معاملہ میں ضرورت کے مواقع میں مسلک شافعیؒ پر فتوی کی اجازت حضرت تھانوی قدس سرہ نے صرف میعاد مقرر پر پائے جانے کی شرط کے متعلق دی ہے اور بس، دیگر شرطوں کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے زیر بحث مسئلہ میں اس فتوی سے استدلال تام نہیں ہے، فتوی حسب ذیل ہے:

"عقد سلم میں مبیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہیں پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الھدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کرلیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے" (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۱۰۶)۔

بلکہ ایک اور سوال کے جواب میں کم سے کم ایک ماہ کی اجل ومہلت کی شرط میں مسلک شافعیؒ پر عمل کی اجازت دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

"سوال: یہاں یہ دستور ہے کہ بکر قصاب کو کچھ روپے پیشگی دیدیئے اور گوشت کے دام فی سیر ٹھہرا لئے، جو بازار کے نرخ سے کچھ کم ہوتا ہے، مثلاً: بازار میں ۴ سیر بکتا ہے، لیکن ۳ سیر ٹھہرالیا اور گوشت آتا رہا، اس کی یادداشت رکھ لی اور ختم ماہ پر حساب کرلیا اور کمی بیشی پوری کرکے بے باق کردی اور آئندہ ماہ کے لئے پھر نقد روپیہ دے دیا اور نیا معاہدہ بھاؤ کا کرلیا...۔

جواب: یہ معاملہ حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے جو کچھ پیشگی دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور یہ رعایت قرض کے سبب کی ہے اور بیع سلم نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ اس میں کم سے کم مہلت ایک ماہ کی ہونی چاہئے اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اجل شرط نہیں، اس لئے سلم میں داخل ہوسکتا ہے، چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، لہذا امام شافعی کے قول پر عمل کی گنجائش

ہے‘‘ (امداد الفتاوی، قدیم ۳/ ۲۱)۔

گنے کے متعلق فتاوی رشیدیہ میں ہے: ’’رس کی بیع جو اس دیار میں ہوتی ہے یہ ہرگز درست نہیں، نہ بطور بیع کے کہ مبیع معدوم ہے اور نہ بطور سلم کے کہ وجود مسلم فیہ کا وقت عقد ضرور ہے، پس یہ معاملہ فاسد ہے۔۔۔‘‘ (فتاوی رشیدیہ: ۴۷۵)۔

اس سلسلہ میں مفتی رشید احمد صاحبؒ کا جو فتوی ہے وہ طویل ہے، ایک اقتباس جو اہم ہے وہ حسب ذیل ہے:

’’علامہ ابن عابدین نے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الاثمار بلکہ قبل بروز الازھار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالک کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کرکے جائز قرار دیا جائے گا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں، بلکہ بیع الازھار ہے اور یہ ازھار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے،۔۔۔ حضرات فقہاء نے بیع الثمر قبل انفراک الزھر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے، مگر خود بیع الزھر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، البتہ بیع قبل ظہور الازھار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں‘‘ (احسن الفتاوی: ۶/ ۴۸۹)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ کے بیع قبل ظہور الاثمار والازہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر جواز کے اس تذکرہ کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے مندرجۂ ذیل وضاحت پیش کی ہے:

احقر نے اس مسئلہ میں ’’احسن الفتاوی‘‘ کی مراجعت کی، اس میں امام مالکؒ کا مسلک اس حد تک مفید ہوسکتا ہے کہ ثمن تین دن کے اندر اندر ادا کردیا جائے یا بلا شرط اس سے زیادہ تاخیر ہو، لیکن جہاں تک مقدار ثمر کی جہالت کا تعلق ہے، اس کے ساتھ تو عقد سلم کسی کے نزدیک جائز نہیں اور نص صریح: ’’فلیسلم فی کیل معلوم أو وزن معلوم‘‘ میں بھی علم مقدار واجل شرط ہے، ’’احسن الفتاوی‘‘ میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں، اس لئے قابل تحمل ہے، لیکن مقدار مبیع کی جہالت کو تراضی طرفین کی وجہ سے قابل تحمل قرار دینا محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ جن عقود میں غرر شدید ہو، وہ تراضی طرفین سے بھی جائز نہیں ہوتے، شریعت متعاقدین میں سے ہر ایک کے جائز مفاد کا تحفظ کرتی ہے، خواہ وہ خود اپنے مفاد سے دستبردار ہوگیا ہو، لہذا ابھی تک احقر کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوا کہ یہ امر مقدار مبیع کے تعین کی منصوص

شرط چھوڑنے کے لئے کافی ہے، اور علامہ شامی نے اس کو سلم قرار نہیں دیا، بلکہ ضرورت کی نظیر کے طور پر سلم کو ذکر فرمایا ہے، البتہ جب ازھار کا ظہور ہوگیا تو ازھار کی بیع (من حیث الازھار) کی واقعی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اس کا ذکر تکملة فتح الملھم میں بھی کیا گیا ہے اور خود فقہاء حنفیہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، رہا شرط ترک کا معاملہ تو وہ بھی متعارف ہونے کی بنا پر جائز قرار دینے کی گنجائش موجود ہے، مگر ظہور ازھار سے پہلے اس کو سلم قرار دے کر جائز کہنے پر ابھی تک اطمینان نہیں ہوا۔'' **و لعل الله یحدث بعد ذلک امرا**'' (فتاوی عثمانی: ۳/۱۰۹-۱۱۰)۔

ایک اور قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ درخت پر پھل آنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت کو بیع سلم میں داخل کرنے کی صورت میں ایک اور خلاف شرع بات لازم آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی فقہاء کے یہاں بیع سلم کی صحت کی شرطوں کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کہ کسی معین کھیت، معین درخت یا معین باغ یا معین علاقہ کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ اس میں غرر ہے، جہالت کثیرہ ہے، قدرت علی التسلیم نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ اس درخت میں یا اس باغ میں، کھیت میں، اس چھوٹے گاؤں میں پیداوار ہی نہ ہو، پھل ہی نہ آئے یا بہت قلیل آئے، پھر بائع کہاں سے لاکر دے گا؟ اور کس مبیع کے عوض مشتری کا مال لے لینا اس کے لئے درست ہوگا؟ پس یہ سلم صحیح کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا (الدر المختار مع الرد: باب السلم: ۷/۴۶۰)۔

اس کے بعد مولانا موصوف مختلف کتابوں (رد المحتار، البحر الرائق، بدایۃ المجتہد، المغنی لابن قدامہ، المبسوط للسرخسی اور تکملہ فتح الملہم) سے عبارات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کسی معین کھیت، معین درخت، یا معین باغ یا معین علاقہ کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اور ہمارے یہاں پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کی جو مروجہ صورت ہے اس میں معین باغ اور معین درختوں کے پھلوں کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے اس خرید وفروخت کو بیع سلم میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

-مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی نے بیع سلم سے متعلق ائمہ کی شرائط کے اعتبار سے تفصیلی گفتگو کی ہے، جو درج ذیل ہے:

۱- جنس معلوم ہو۔ ۲- نوع معلوم ہو۔ ۳- صفت معلوم ہو۔ ۴- قدر معلوم ہو۔

۵- مدت معلوم ہو۔ ۶- رأس المال کی مقدار معلوم ہو۔

۷- سامان دینے کی جگہ معلوم ہو، اگر سامان کے لے جانے میں صرفہ آتا ہو (مرشد الحیران إلی معرفة أحوال الإنسان، ص: ۱۷، مادہ نمبر: ۴۴۷، مختصر القدوری، ص: ۸۸)۔

علامہ علاء الدین سمر قندیؒ نے مزید تفصیل کرتے ہوئے سترہ شرطیں لکھی ہیں، جن میں سے چھ کا تعلق رأس المال سے ہے، جب کہ گیارہ کا تعلق مسلم فیہ سے ہے، رأس المال کی شرائط حسب ذیل ہیں:

۱- جنس معلوم ہو، مثلاً: درہم ہیں یا دینار، یا گیہوں ہیں یا جو، یا روئی ہے یا لوہا وغیرہ۔

۲- نوع معلوم ہو، مثلا: دراہم کون سے ہیں؟ غطریفی یا عدلی، یا دینار کون سے ہیں؟ محمودی، ہروی، یا پھر مروی وغیرہ، واضح رہے کہ یہ شرط اس صورت میں ہے جب کہ شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں۔

۳- صفت معلوم ہو، مثلاً: یہ عمدہ ہیں، یا گھٹیا یا پھر متوسط۔

۴- رأس المال کی مقدار معلوم ہو، یہ شرط اس سلم کے جواز کے لئے ہے جس میں عقد کا تعلق مکیلی، موزونی یا عددی متقارب سے ہو، نیز یہ احناف میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرط ہے، جب کہ صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے۔

۵- درہم و دینار پرکھے ہوئے ہوں، امام ابوحنیفہؒ نے قدر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سلم کے جواز کے لئے یہ شرط بھی رکھی ہے؛ لیکن صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

۶- فریقین کی جدائیگی سے پہلے رأس المال پر قبضہ، یہ تمام علماء کے یہاں شرط ہے، خواہ رأس المال عین ہو یا دَین۔

مسلم فیہ کے شرائط درج ذیل ہیں:

۱- جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو۔

۲- نوع معلوم ہو، مثلاً: بارش کے پانی سے سیراب کیا ہوا ہے یا سینچائی کے ذریعہ سے۔

۳- صفت معلوم ہو، مثلاً: عمدہ ہیں، یا اوسط یا پھر گھٹیا۔

۴- مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو، مثلاً: کتنا قفیز ہے یا کتنا کیل ہے۔

۵- بدلین ربا الفضل کی علت کی دونوں صفتوں میں سے کسی ایک صفت (قدر اور جنس) پر مشتمل نہ ہو۔

۶- مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو جس کی تعیین ہو سکتی ہو۔

۷- وقت معلوم ہو۔

۸- مسلم فیہ کی جنس عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہو۔

۹- عقد پختہ ہو، اس میں خیار شرط نہ لگائی گئی ہو۔

۱۰- سامان دینے کی جگہ معلوم ہو، اگر سامان کے لے جانے میں صرفہ آتا ہو۔

۱۱- مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو، جس کو وصف (مکیلی، موزونی، عددی متقارب اور پیمائش) کے ساتھ ضبط کیا جاسکتا ہو (تحفۃ الفقہاء: ۲/۸-۱۴)۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عقد سلم کے لئے چار ارکان ہیں اور ہر رکن کی کچھ شرطیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱- عاقدین، ۲- صیغہ، ۳- رأس المال، ۴- اور مسلم فیہ۔

عاقدین کی شرطیں:

۱- عقل، ۲- بلوغ، ۳- اختیار۔

صیغہ کی شرطیں:

اس سے مراد ایجاب وقبول ہے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

۱- اتحاد مجلس، ۲- ایجاب وقبول کا باہم موافق ہونا، ۳- اسی طرح صیغہ لفظ سلم یا سلف سے منعقد کرنا

رأس المال کی شرطیں:

رأس المال سے مراد وہ ثمن ہے، جو مشتری سلف کے طور پر بائع کے سپرد کرے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

۱- عاقدین کو اس کی مقدار اور صفت معلوم ہو۔

۲- مجلس عقد میں رب المال کی طرف سے رأس المال حوالہ کردیا جائے اور اس پر قبضہ بھی ہوجائے اور یہ ان دونوں کی جدائیگی سے قبل ہوجائے۔

مسلم فیہ کی شرطیں:

مسلم فیہ سے مراد وہ سامان ہے جس پر عقد ہو رہا ہے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

۱- ان چیزوں میں سے ہو، جس کو وصف کے ساتھ ضبط کرنا ممکن ہو۔

۲- عاقدین کو اس کی مقدار، نوع اور صفت معلوم ہو۔

۳- مختلف اجناس کا اختلاط نہ ہو، جیسے: مختلف چیزوں کا مخلوط چارہ۔

۴- مسلم فیہ دین ہو۔

۵- نوعیت اور مدت کے اعتبار سے مقدور التسلیم ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ المنہجی: ۶/۵۲-۵۸)۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں:

۱- مطلق ذمہ میں ہو، کسی متعین عین میں نہ ہو۔

۲- ایسی صفت سے متصف ہو جس کو ضبط کرنا ممکن ہو۔

۳- کیل، وزن، عدد اور گز وغیرہ مقادیر کے ذریعہ مقدار معلوم ہو۔

۴- رأس المال متعین اور معلوم ہو۔ ۵- نقد ہو، ادھار نہ ہو۔

۶- مسلم فیہ ادھار ہو۔ ۷- مدت معلوم ہو۔

۸- مسلم فیہ ادائیگی کے وقت موجود ہو (المعونۃ علی مذہب عالم المدینۃ: ۲/ ۲۳۔ ۲۴)۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کے لئے سات شرطیں ہیں:

۱- مسلم فیہ کی صفات مکیلی، موزونی، عددی اور گز والا ہونے کے اعتبار سے منضبط ہو۔ ۲- نوعیت اور جنس کی صفات مذکور ہو۔

۳- معیار شرعی کے ذریعہ اس کی مقدار معلوم ہو۔ ۴- معلوم مدت تک کے لئے ذمہ میں ہو۔

۵- ادائیگی کے وقت اس کے پائے جانے کا غالب امکان ہو۔ ۶- رأس المال کی مقدار معلوم ہو۔

۷- مجلس عقد سے جدائیگی سے قبل قبضہ ہو جائے (دلیل الطالب لنیل المطالب، ص: ۱۳۶۔ ۱۳۷)۔

مذکورہ تمام مسالک کی شرائط پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اکثر شرطیں تمام کے یہاں موجود ہیں، سوائے چند کے، جیسے: مسلم فیہ کی موجودگی کہ امام احمدؒ کے نزدیک ادائیگی کے وقت اس کی موجودگی کا غالب امکان ہو، جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک ادائیگی کے وقت وہ موجود ہو۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ امت کا اختلاف رحمت ہوا کرتا ہے اور وقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش دی گئی ہے، اس کی واضح مثال مفقود الخبر شخص کی بیوی کے انتظار کا مسئلہ ہے، جس میں فقہ حنفی سے عدول کر کے فقہ مالکی کو اختیار کیا گیا ہے اور یہ ضرورت کی بنا پر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے مسالک سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے گنے کی بوائی سے پہلے بیع کی گنجائش نکالی ہے، وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا؛ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الہدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے (امداد الفتاوی: ۶/ ۳۷۳۔ ۳۷۴)۔

جواز کی رائے:

-مولانا عبدالحلیم اعظمی کا کہنا ہے کہ پھلوں اور باغات کی مروجہ شکلوں کو بیع سلم کے ساتھ لاحق کرنے کی دوسرے ائمہ کے مذہب کے مطابق رخصت وگنجائش نکل سکتی ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے بروز بعض کے وقت بیع کو الحاق بالسلم کیا ہے؛ کیونکہ جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالک کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا (دیکھئے: نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف) (مفتی خالد حسین نیموی قاسمی)۔

-مولانا محمد ادریس فلاحی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع سلم میں مسلم فیہ کی موجودگی کی شرط نہیں ہے، لہذا اس اختلاف سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ تاکہ امت کے معاملات کو جتنا ہوسکے درست قرار دیا جاسکے۔

-مفتی محمد الیاس قاسمی لکھتے ہیں کہ:

الف- جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد سلم میں مبیع عقد کے وقت اور مدت کی تکمیل سے قبل تک معدوم ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں، پھلوں کی خرید وفروخت میں بیع سلم کرتے وقت جمہور فقہاء کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں۔

ب-عقد سلم میں ثمن یکمشت وپیشگی ادا کرنا ضروری ہے، لیکن فقہاء مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اگر یہ ثمن قسطوں میں اور کچھ تاخیر سے ادا کی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

-مفتی محمد شاہجہاں ندوی کے بقول ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، پھلوں کی خرید وفروخت کی مروجہ شکلوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، البتہ تمام مسالک کی گنجائش کو جوڑ کر کوئی طریقہ نہ نکالا جائے؛ تاکہ تلفیق نہ لازم آئے۔

-مفتی سعید الرحمٰن بستوی کے مطابق حالات کے تقاضے کی بنا پر ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف جانا صرف اسی جزئیہ میں اور فتوی دینا اسی مسلک کے مطابق درست ہے، لہذا بیع کی مروجہ شکلوں میں ''اختلاف الائمہ فی شرائط السلم'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیصلہ کیا جاسکتا ہے، نیز حالات حاضرہ میں ان جیسی چیزوں سے فائدہ اٹھانا قابل تحسین امر ہے۔

-مفتی عمر کوئی چند عبارتیں روضۃ الطالبین، تحفۃ المحتاج اور المعتمد وغیرہ سے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عقد سلم میں ایسی صورت اختیار کرنا جس سے عرف وعادت کے مطابق مسلم فیہ کا انضباط ہو اور ادائیگی کے وقت عاقدین میں نزاع کا سبب نہ ہو تو جائز ہے۔

عدم جواز کی رائے:

-مولانا روح اللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ پھلوں کی بیع کی جو مروجہ شکلیں ہیں وہ مختلف ہیں، بعض صورتوں کا حل فقہ حنفی میں موجود ہے، لہذا بغیر ضرورت شدیدہ کے اسے ملحق بالسلم قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

-مفتی نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر اور بدایۃ المجتہد، اور المدونۃ الکبری سے عبارتیں پیش کرنے اور حضرت تھانوی وحضرت رشید احمد صاحبؒ کے فتاوی کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت تھانوی کے اس فتوی پر حضرت رشید احمد صاحب کے فتوی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے جس میں حضرت موصوف نے باغ کی خریداری میں عقد سلم کی بیشتر شرطوں کو نظر انداز کر کے عقد سلم کے جواز کا رجحان ظاہر فرمایا ہے۔

-مولانا محمد یاسر قاسمی نے بھی تفصیلات پیش کرنے کے بعد یہی رائے ظاہر کی ہے کہ باغات کے پھلوں کی بیع قبل ظہور الاثمار والازہار جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نصوص شرعیہ کے خلاف ہے، اور اس کے جواز کے لئے پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے بیع سلم کے تحت داخل کرنا بھی ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ مروجہ صورتوں میں شرائط سلم مفقود ہیں۔

-مفتی محمد عثمان گورینی کا کہنا ہے کہ کسی متعین درخت یا متعین باغ کے پھلوں کی بیع سلم باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، لہذا صاحب احسن الفتاوی والی تاویل ممکن نہیں، البتہ اگر متعینہ باغات اور درختوں کے پھلوں کی بیع سلم نہ ہو بلکہ باغ اور درخت سے قطع نظر صرف پھلوں کی بیع سلم کی جائے تو مالکیہ وغیرہ کے مطابق اس کی تاویل وتصحیح ممکن ہے۔

-مولانا عبد التواب اناوی لکھتے ہیں کہ ثمرات وازہار کی بیع میں شرائط سلم سے نفع اٹھانا درست نہیں ہے یعنی باغات کی بیع میں شرائط سلم پورے نہیں اترتے (دیکھئے: مقالہ مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

باغات میں پھلوں کی خرید وفرخت

(سوال نمبر:۱-۳)

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی☆

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وآله وصحبه اجمعين .اما بعد !

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے ۲۹ ویں فقہی سیمینار کے لیے ایک اہم موضوع ''باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت'' کوعنوان بنایا ہے، بندہ کے لیے سعادت مندی کی بات ہے کہ اس موضوع پر عرض مسئلہ پیش کرنے کی ذمہ داری اس عاجز کے سپرد کی گئی ہے۔اس موضوع پر اکیڈمی کوکل ۳۷ فاضل مقالہ نگاروں کے مقالات موصول ہوئے ہیں۔جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

جناب ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی ،مولانا محمد حذیفہ داحودی ،مولانا محمد عباس یوسف سعادتی ،مولانا محمد صابر حسین ندوی ،مولانا طاہر حسین قاسمی ،مولانا عمر بن یوسف کوکنی ،مولانا جمیل اختر جلیل ندوی ،ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ،مولانا صبغۃ اللہ مولوی زادہ افغانی ،مفتی عبدالرشید قاسمی ،مولانا روح اللہ قاسمی ،مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق فلاحی ،مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی ،مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی ،مولانا عبدالتواب اناوی ،مفتی سیف الاسلام اصلاحی ،مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی ،مولانا محی الدین غازی ،مفتی محمد شاکر نثار مدنی ،مولانا نثار عالم ندوی ،مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی ،مولانا صدر عالم قاسمی ،مفتی محمد الیاس قاسمی ،مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی ،مفتی ضیاء الحق قاسمی ،مفتی نذر توحید مظاہری ،مفتی محمد سلطان کشمیری ،مولانا محمد ادریس فلاحی ،مولانا عباداللہ قاسمی ،مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی ،مولانا عبدالحلیم اعظمی ،مفتی محمد زید مظاہری ندوی ،مولانا محمد یاسر قاسمی ،مفتی نعمت اللہ قاسمی ،مفتی محمد نصر اللہ ندوی ،مولانا عبدالحی مفتاحی زیدت حسناتہم ۔اکیڈمی نے اس ضمن میں جوسوال نامہ تیار کیا ہے اس میں کل دس سوالات ہیں ۔سوال نمبر ایک تا سوال نمبر تین کا عرض مسئلہ پیش کرنے کی ذمہ داری اس عاجز کے سپرد کی گئی ہے۔ ماشاء اللہ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے بڑی محنت ،جانفشانی اور تحقیق وتدقیق کے ساتھ

☆ ناظم تعلیمات مدرسہ بدرالاسلام بیگوسرائے ،بہار۔

مقالات مرتب کیے ہیں۔ ذیل میں ہم بالترتیب سوالات اوران پر علماء کی آراء کا عرض پیش کر رہے ہیں:

پہلا سوال یہ ہے کہ حدیث میں جو بیع معاومہ سے منع فرمایا گیا ہے، اس کا مصداق کیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں غریب الحدیث کی کتابوں، شراح حدیث اور فقہاء کی عبارتوں سے استدلال کرتے ہوئے معاومہ اور نہی عن المعاومۃ کا مصداق مقرر کرنے میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے یکساں ہے۔ ان آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع معاومہ وہ بیع ہے، جس میں درخت کے پھل کو پھل آنے سے پہلے سال یا دو سال یا کئی سال کے لیے بیچ دیا جائے، اسی بیع کو ''بیع سنین'' بھی کہتے ہیں۔ یعنی سالوں کا سودا، برسوں کا سودا۔ اس کی ممانعت کی کئی وجوہات ہیں: اول یہ کہ یہ عقد کے وقت غیر موجود کی بیع ہے۔ دوم یہ کہ یہ غیر مخلوق کی بیع ہے۔ سوم یہ کہ یہ بیع غرر میں داخل ہے؛ کیوں کہ فروخت کنندہ ایسی چیز کو بیچتا ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ وجود میں آئے گی بھی یا نہیں۔ زیادہ تر احادیث میں بیع سنین کی ممانعت ہے اور بعض روایات میں معاومۃ کی ممانعت ہے۔ مفتی شاہجہاں ندوی فرماتے ہیں: بیع معاومہ یہ ہے کہ خرما یا دیگر درختوں کے پھل کو دو یا تین یا زائد سال کے لیے فروخت کرے۔ ابن اثیر جزری معاومہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''**هي بيع ثمر النخل والشجر سنتين فصاعدا وهي مفاعلة من العام**'' (النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر ۶۰۸)، علامہ خطابی فرماتے ہیں: ''**أما المعاومة فهي بيع السنين ومعناه أن يبيعه سنة أو سنتين أو اكثر اما ثمرةُ نخلة بعينها أو نخلات وهو بيع فاسد لانه بيع ما لم يوجد ولم يخلق ولا يدرى هل يثمر أو لا يثمر**'' (معالم السنن ۹۷/۳)۔

بندہ خالد نیموی رقم طراز ہے: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: ''**نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابره**'' (صحیح مسلم رقم: ۳۹۹۴)، اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ بیع معاومۃ یا بیع سنین کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ درخت کے پھل کو دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ کے لیے فروخت کر دیا جائے، اسی لیے اس کا نام معاومہ یا بیع سنین رکھا جاتا ہے، یہ بیع بالاجماع باطل ہے، اس سلسلہ میں ابن المنذر وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے۔ ''**وأجمعوا أن بيع الثمار سنين لا يجوز**'' (کتاب الاجماع لابن منذر ص ۳۱)، عدم جواز اس لیے بھی ہے کہ یہ دھوکے کا معاملہ ہے، اور معدوم چیز کی بیع ہے اور فی الحال اسے قدرت نہیں ہے کہ مشتری کے حوالہ کچھ کر سکے (شرح صحیح مسلم للنووی ۱۰/۲)۔

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ لوگوں کا آنا ہوتا ہے؛ جو مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتے ہیں جو میرے پاس موجود نہیں ہے۔ کیا میں ان سے بیع کر لوں اور بازار سے لا کر اسے دے

دوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"لا تبع ما لیس عندک"(کہ جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کی بیع مت کرو) (ابوداؤد، رقم:۳۵۰۵، ترمذی:۱۲۳۲)۔

مولانا روح اللہ قاسمی لکھتے ہیں: دونوں الفاظ سے ایک ہی بیع مراد ہے، چنانچہ امام مسلم نے جو باب قائم کیا ہے اس میں انھوں نے بیع المعاومۃ کی وضاحت بیع سنین سے کی ہے۔"تکملۃ فتح الملہم"میں ہے: "**والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد**" (تکملۃ فتح الملہم ۴۱۰/۷)۔

علامہ طاہر پٹنی"مجمع بحار الانوار"میں تحریر فرماتے ہیں:"**هي بيع ثمر النخل والشجر سنتين فصاعدا وهو باطل بالاجماع**"(مجمع بحار الانوار ۱۰۷/۳) زیادہ تر مقالہ حضرات نے معاومہ کے معنی کی تعیین کے لیے مذکورہ عبارتوں سے استدلال کیا ہے۔

بندہ خالد نیموی نے علامہ شوکانی کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ معاومہ کئی سال کے لیے زمین کو کرایہ پر لگانے کو بھی کہتے ہیں۔"نیل الاوطار"میں ہے:"**والمعاومة : هي بيع الشجر اعواما كثيرة وهي مشتقة من العام كالمشاهرة من الشهر .وقيل هي اكتراء الارض سنين وكذلك بيع السنين وهو أن يبيع ثمر النخلة لاكثر من سنة في عقد واحد وذلك لانه بيع غرر لكونه بيع مالم يوجد**" (نیل الاوطار ۱۹۶/۵، طبع القدس قاہرہ ۲۰۱۲ء)۔

مولانا جمیل اختر جلیلی لکھتے ہیں: بعض حضرات زمین کئی سالوں کے لیے کرایہ پر لینے کو بھی معاومہ میں شامل کرتے ہیں۔ڈاکٹر محمود عبدالمنعم نقل کرتے ہیں:"**وقيل هي اكتراء الارض سنين**"(معجم المصطلحات والالفاظ الفقہیۃ ۳۰۸/۲)۔

مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ایک شخص دو تین سال کے لیے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، مثلاً کسی کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا یا باغ کا پھل سو روپے میں بکا اور فروخت ہوا تو اسی پر قیاس کرکے یا اندازے سے دو تین سال آئندہ کے لیے بیع کر لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے کاروبار سے اس لیے بھی روکا کہ یہ بھی"میسرہ"کی ایک قسم ہے(اسلامی فقہ ۵۹۹/۳)۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ بیع سنین بیع معاومہ سے الگ بیع ہے جیسا کہ شیخ صبغۃ اللہ مولوی زادہ افغانی نے علامہ شوکانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:"**وقد نقل الشوكاني عن الرافعي انه جعل بيع السنين مغايرا عن بيع المعاومة وفسره ببيع شئ لمدة سنة**"۔یہی خلاصۃ بحث ہے دیگر تمام مقالہ نگار کے مقالات کا۔اس ضمن میں مفتی زید مظاہری فرماتے ہیں: بیع معاومہ یا بیع سنین اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بائع مشتری سے باغات کے ان پھلوں کی بیع کرے جن کا ابھی کسی درجہ میں وجود نہیں۔مفتی زید مظاہری، مولانا عبدالتواب اناوی صاحبان نے عدم جواز کی مختلف

علتوں کو بھی بیان کیا ہے: (۱) یہ بیع معدوم اور غیر مخلوق شئی کی بیع ہے، (۲) یہ بیع غرر اور خطر پر مشتمل ہے، (۳) مبیع غیر مقدور التسلیم ہے، (۴) کمیت اور کیفیت سب مجہول ہے، اس لیے یہ بیع باطل ہے۔ مفتی نصر اللہ ندوی نے انھیں علتوں کو فتاوی ابن تیمیہ (۲۰ / ۵۴۳) کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

مولانا محی الدین غازی نے اکیڈمی کے سوالنامے پر کئی سوالات اٹھاتے ہوئے لکھا ہے کہ یا پھر ایسا ہے کہ دور حاضر کی زرعی ٹکنالوجی کی ترقی نے اس علت کو متاثر کیا ہے جس علت کی بنیاد پر مذکورہ بالا بیع پر پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔ اور اب اس علت کے کلی یا جزوی طور پر ہٹانے کے بارے میں اجتہاد کا موقع نکل آیا ہے۔ خاص طور پر یہ نکتہ اس مسئلہ پر از سر نو غور کی ایک قوی وجہ بن سکتی ہے۔ مفتی زید مظاہری نے سوال نمبر ۷ اور ۸ کا جواب بھی اسی سوال کے ضمن میں درج کرتے ہوئے اپنی واضح رائے ظاہر کی ہے کہ معدوم پھلوں کی بیع جائز قرار دینے کے لیے بیع سلم کا حیلہ ہرگز کافی نہیں۔

اسی سوال کے ضمن میں مفتی نذر توحید مظاہری حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت: "**قال قدم النبی ﷺ المدینة هم یسلفون فی الثمار السنتین والثلاث فقال: اسلفو ا فی الثمار فی کیل معلوم الی اجل معلوم**" (رواہ البخاری ۱/ ۳۰۰) سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس لیے چند سالوں کے لیے معاملہ کرنا ہو تو بیع سلم کر لیا جائے، آگے لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسلم فیہ کا وقتِ عقد سے وقتِ ادا تک پایا جانا ضروری ہے، لیکن کولڈ اسٹوریج کی سہولت کی وجہ سے ہر پھل ہر موسم اور ہر زمانے میں دستیاب ہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ شرط نہیں پائی جاتی تو امام شافعی کے یہاں مسلم فیہ کا وقتِ عقد موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس ضرورتِ شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے اس مسئلہ میں امام شافعی کے مسلک پر فتوی دیں؛ لیکن مفتی صاحب نے مسلک شافعی کی تفصیلات درج نہیں کی ہیں۔ مفتی نعمت اللہ قاسمی فرماتے ہیں: ہاں عقد سلم کی شرائط کے ساتھ مستقبل میں پائے جانے والے پھلوں کی خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے اور باغ کی کچھ تعیین نہ کی جائے تو درست ہے۔ یا پھر باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کا حیلہ کیا جائے، اس حیلہ پر مولانا محی الدین غازی کو سخت اعتراض ہے۔ فرماتے ہیں: حیلہ وہی درست ہو سکتا ہے جس سے مقصد شرعی کی تکمیل ہوتی ہو نہ وہ کہ جس سے مقصد شرعی مجروح ہوتا ہو، مذکورہ حیلہ سراسر مقصد شرعی سے متصادم ہے۔ موصوف کی متصادم ہونے کی رائے محل نظر ہے۔

اسی سوال کے ضمن میں متعدد مقالہ نگار حضرات نے اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ بیع سنین اور بیع معاومہ کی ممانعت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی تحریر فرماتے ہیں: بدو صلاح سے قبل بیچنے کی ممانعت والی حدیث بطور مشورہ ہے۔ نہی تنزیہی ہے؛ نہ کہ نہی تحریمی۔ اس سلسلہ میں موصوف نے امام طحاویؒ کی طویل عبارت نقل کی ہے، جس میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے استدلال کیا گیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ

کے عہد میں پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے،اس سلسلے میں بیماریوں کے درپیش ہونے کی وجہ سے لوگوں میں اختلافات بھی ہوتے تھے۔ بائع جب ثمن کا مطالبہ کرتا تو مشتری عذر کرتا کہ پھلوں کو تو مختلف قسم کی بیماریاں لاحق ہوگئیں ، جب اس طرح کے جھگڑوں کے واقعات بہت زیادہ ہوگئے تو آقا ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگوں کا معاملہ ٹھیک ٹھاک نہیں رہتا ہے تو پھر پھلوں کی پختگی سے قبل انھیں فروخت مت کیا کرو۔ گویا یہ حکم نزاع کو ختم کرنے کے لیے بطور مشورہ تھا۔

مولانا محمد حذیفہ داحودی رقم طراز ہیں: پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں جو نہی اور ممانعت وارد ہے وہ ارشادی اور بطور مشورہ کے ہے، یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی یا فائدہ کی بات بتانا مقصود ہے۔ یہ ممانعت تشریعی نہیں ہے، حکم شرعی اور مسئلہ فقہ البیوع میں ہے: ''**ويمكن أن يجاب عنه بأن احاديث النهي عن بيع الثمرة قبل بدو صلاحها معللة بكونه مفضية إلى النزاع بحيث ارتفع احتمال النزاع بسبب العرف والتعامل ارتفعت العلة المانعة**'' (۳۳۲/۱)۔

مفتی محمد زید مظاہری ندوی تحریر فرماتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بدوِصلاح سے قبل بیع کرنے کی ممانعت کو تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی قرار دیا؛ کیوں کہ احتمال مخاصمت پایا جاتا ہے، اگر یہ احتمال نہ رہے تو شاید ممانعت تنزیہی بھی نہ رہے گی، علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: ''**قال القرطبي هل حديث الباب وغيره يدل على التحريم او الكراهة فبالاول قال الجمهور والى الثاني صار ابو حنيفة**''۔ پھر پوری تحقیق کے بعد خلاصہ کے طور پر علامہ عینی نے پورے اعتماد کے ساتھ اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ بدوصلاح کی ممانعت تشریعی نہیں بلکہ محض ارشادی، مشورہ ہی پر مبنی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں (عمدۃ القاری ۱۳/۵)۔

مفتی زید مظاہری مزید لکھتے ہیں: امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس مسئلہ سے متعلق تحقیقی و تفصیلی کلام فرمایا اور آثار صحابہ اور قیاس ونظر سے ثابت کیا ہے کہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع بالکل درست ہے اور جن حدیثوں میں ممانعت آئی ہے اس کا تعلق بیع سلم سے ہے یا وہ محض مشورہ پر مبنی ہے۔ یہ عاجز مذکورہ عبارتوں میں غور کرکے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ علت ممانعت نزاع کا ہونا اور نہی کا تنزیہ اور مشورہ کے طور پر ہونا اہم ترین نکتہ ہے جس سے ہم باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں بہتر نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

۲- درخت پر لگے ہوئے بیع کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات کیا ہیں؟

اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات نے جو تفصیلات درج کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ خرید وفروخت کے لحاظ سے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں: (۱) پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کی جائے۔ (۲) پھل ظاہر ہونے کے

بعد بیع کی جائے۔

(۱) ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع بالا جماع ناجائز ہے، موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے: "**اجمع العلماء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لانها معدومة وبيع المعدوم غير جائز للغرر**" (۱۵/ ۱۳ تحت لفظ ثمار)۔

اس سے متعلق ممانعت کی صحیح اور صریح روایات موجود ہیں۔ حدیث میں اسی کو "بیع معاومہ" یا "بیع سنین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس صورت کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لیے کہ احناف کے یہاں یہ ضروری ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو، یہاں ایسا نہیں ہوتا، دوسری بنیاد یہ ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت مقرر ہو۔ یہاں نہ تو پھل کی مقدار متعین ہے نہ مدت مقرر ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا؟ البتہ مقالہ نگار حضرات کی بڑی تعداد ہے جو شرائط سلم میں تخفیف کرتے ہوئے اسے بیع سلم سے ملحق قرار دینے کی قائل ہے۔

(۲) پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی دو صورتیں ہیں: (۱) درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع (۲) درخت کے ساتھ پھلوں کی بیع۔

درخت کے بغیر پھلوں کی بیع کی تین شکلیں ہیں: (الف) پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ بیع کی جائے، (ب) پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے اور نہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، (ج) یہ بیع مطلق ہو، نہ کاٹنے کی شرط ہو نہ باقی رکھنے کی، (د) بدو صلاح سے قبل بیع۔

(الف) درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے جائز ہے۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں: "**الاولى أن يشترط البائع على المشترى أن يقطعها فورا ولا يتركها على الاشجار وهذه الصورة جائزة باجماع الأئمة الاربعة وجمهور فقهاء الامصار**" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۶)۔

(ب) درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع انھیں درخت پر باقی رکھنے اور نہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ تمام علماء کے نزدیک احادیث ممانعت کی وجہ سے ناجائز ہے۔ "**والصورة الثانية: أن يشترط المشترى ترك الثمار على الاشجار حتى حين الجذاذ وهذه الصورة باطلة بالاجماع**" (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۶)۔

(ج) درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع کاٹنے یا نہ کاٹنے کی شرط کے بغیر مطلقا ہو تو اس کے جواز یا عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں: (۱) امام مالک، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، داؤد ظاہری، سفیان ثوری اور امام لیث رحمہم اللہ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں ہے (دیکھیے: بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۴۹۔ المغنی لابن قدامہ ۶/ ۱۴۹، المجموع ۱۱/ ۱۲۰)۔

(د) امام ابوحنیفہ، امام بخاری، امام زہری کے نزدیک یہ بیع درست ہے، اس لیے کہ مطلق کی صورت بھی بشرط القطع کی صورت میں داخل ہے۔ اگر اس صورت میں بائع کاٹنے کا حکم دے تو مشتری پر کاٹنا لازم ہے، اور اگر حکم نہ دے تو کاٹنا ضروری نہیں؛ اس لیے کہ یہ تقاضائے بیع نہیں ہے، لہذا نتیجے کے اعتبار سے پہلی اور تیسری صورت میں کوئی فرق نہیں ہے (تحفۃ الفقہاء ۲/۵۶، تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۸۷)۔

جہاں تک پھلوں کو درخت کے ساتھ فروخت کرنے کا معاملہ ہے تو تمام فقہاء اس کے جواز پر متفق ہیں۔ علی بن عباس حکمی لکھتے ہیں: "**فأما إن كا ن البيع للثمرة مع أصلها فلا خلاف فی جوازه لدخول الثمرة تبعا لاصلها فلا يضرّ احتمال الغرر**" (البیوع المنھی عنھا فی الشریعۃ الاسلامیۃ۔ ص۱۴۶)۔

(د) بدو صلاح سے قبل بیع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) بائع مشتری پر پھلوں کو فوری طور پر توڑنے کی شرط لگا دے، اور مشتری فوری طور پر پھلوں کو توڑ لے۔ یہ شکل اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ "**أن يبيعها بشرط القطع فی الحال فيصح بالاجماع**" (المغنی ۴/۷۲)، ابن قدامہ مزید کہتے ہیں: تاہم اگر خرید و فروخت کا معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی تیار ہونے تک درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کر لیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں (المغنی ۴/۷۲)، علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: "**فان كا ن ذلک باذن البائع جاز ،وطاب له الفضل**" (تحفۃ الفقہاء، ص۵۶)، البتہ سفیان ثوری اور ابن ابی لیلی کے نزدیک بیع کی یہ شکل بھی باطل ہے۔

جب معاملہ فوراً توڑنے کی شرط پر ہو تو جمہور کے نزدیک فوراً توڑنا ضروری ہے، جب کہ مالکیہ کے نزدیک فوراً توڑنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ قریبی مدت میں بھی توڑ سکتے ہیں؛ بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ پھل کی کیفیت یا حجم میں اضافہ ہو سکے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵/۱۴)۔

علامہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: "**أن يبيعها قبل بدو صلاحها بشرط القطع فی الحال فيصح بالاجماع ، لان المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى انسؓ ...وهذا مامون فيما يقطع فصح بيعه كما لو بدا صلاحه وايضا كما لو با ع الثمر قبل نضوجه منفردا (كأن يبيعه فی السوق)وقبل المشترى على هذه الحالة**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۱۸)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: "**لاخلاف فی عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک ولا فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فيما ينتفع**

به قد حکی الاجماع علی هذا جماعة من اهل العلم" (فتح القدیر ۲۸۷/۶) کہ ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کے فروخت کرنے کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح ظاہر ہونے کے بعد پختگی سے پہلے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ ممانعت میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح پھلوں کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے اگر اس سے نفع اٹھانا ممکن ہوتو فوری طور پر پھلوں کے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس پر اہل علم کی ایک جماعت نے اجماع نقل کیا ہے۔

اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پا جائے کہ مالک پھل درخت پر رہنے دے گا تا آنکہ پھل پک نہ جائے، تو ائمہ ثلاثہ کے ہاں تو بیع فاسد ہوگی ہی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی درست نہ ہوگی؛ کیوں کہ خرید وفروخت کے معاملہ میں خریدار نے ایک ایسی شرط لگادی ہے جس میں اس کے لیے منفعت ہے، اور ایسی شرط سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

(۲) بیع قطع یا ابقاء کی شرط کے بغیر مطلقاً واقع ہوئی ہو۔یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔اور بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ مشتری کو فی الفور توڑنے پر مجبور کرے۔احناف نے اگرچہ اس کو جائز رکھا؛ لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے: "**علی المشتری قطعها فی الحال اذا باع مطلقا وبشرط القطع**" (عالمگیری ۱۰۹/۳، نیل الاوطار ۱۹۶/۵، طبع القدس قاہرہ ۲۰۱۲ء)۔

مولانا یاسر قاسمی، مولانا عبدالحلیم اعظمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی بلیاوی، مفتی محمد نصر اللہ ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی زید مظاہری، مفتی عبدالرشید کانپوری، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، مفتی عثمان گورینی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی اور زیادہ تر مقالہ نگار حضرات کے مقالہ کے استدلات کا خلاصہ بھی یہی ہے ۔

اگر پھل تیار ہونے سے پہلے ہی خرید کرلیا اور خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت یہ طے نہ پایا کہ پھل ابھی توڑے گا یا اسے تیار ہونے تک باقی رکھے گا۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ درست ہوجائے گا۔ائمہ ثلثہ کے نزدیک درست نہ ہوگا۔

(۳) کچھ پھل نکل آئے اور کچھ نہیں نکلے؛ بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو۔اب مالک باغ تمام پھلوں کو بیچتا ہے، ان کو بھی جو نکل آئے، اور ان کو بھی جو نہیں نکلے تو امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، "**واذا باع الثمرة الظاهرة ومایظهر بعد ذلک لم یصح البیع عند أبی**

حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالک يجوز" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے دیگر پھل قابل استعمال نہیں ہوئے تو امام احمدؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں ہے؛ البتہ امام مالکؒ نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ ان پھلوں کی فروخت درست نہ ہوگی جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں۔ یہی فقہائے احناف کے یہاں ظاہر روایت ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ بیع فاسد نہیں ہوگی اگر پھلوں کی پختگی مکمل ہوگئی ہو۔ عرف کی وجہ سے گویا کہ وہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضہ خود یہ عقد کررہا ہے؛ چونکہ امام محمد کا قول استحسان ہے، اس لیے وہ شیخین کے قول پر راجح قرار پائے گا۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: "وان شرط تركها على الاشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع وقيل قائله محمد لا يفسد اذا تناهت الثمرة للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد وبه يفتى ۔(لكن حيث كان قول محمد هوالاستحسان يترجح على قولهما)قيد باشتراط الترک لانه لو شراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الزيادة وان بغير اذنه تصدق بما زاد فى ذاتها وان بعد ماتناهت لم يتصدق بشيء وان استأجر الشجر الى وقت الادراک بطلت الاجارة وطابت الزيادة لبقاء الاذن" (ردالمحتار مع الدر ۷/۸۷)۔

"مجمع الانہر" میں ہے: "محل الخلاف البيع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا اى بلا شرط القطع ولا بشرط الترک فعند الائمة الثلاثة لايجوز وعندنا يجوز ولكن اختلفوا إذا كا ن غير منتفع به الآن اكلا وعلفا للدواب فقيل بعدم الجواز ونسبه قاضى خان لعامة مشايخنا والصحيح الجواز كما فى البحر" (مجمع الانھر ۵/۱۲۸)۔

شیخ خلیل بن اسحاق مالکی لکھتے ہیں: "وصح بيع ثمر ونحوه بدا صلاحه إن لم يستتر وقبله مع اصله والحق به او على قطعه ان نفع واضطر له ولم يتمالأ عليه لا على التبقية أوالاطلاق،وبدوه فى بعض حائط كاف فى جنسه ان لم تبكر لا بطن ثان بأول وهو الزهو وظهور الحلاوة والتهيؤ للنضج" (مختصر خلیل فی فقہ الامام مالک،ص ۱۹۵،طبع القاہرۃ)۔

یہی خلاصۂ استدلال ہے مفتی محمد اسعد پالنپوری فلاحی، ڈاکٹر مفتی شاہجہاں ندوی، مولانا روح اللہ قاسمی مدھوبنی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا

عبدالتواب اناوی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد سلطان کشمیری، مولانا عباداللہ قاسمی مظفر پوری، مفتی عثمان گورینی وغیرہ اکثر مقالہ نگار حضرات کا ہے۔

مفتی نصر اللہ ندوی لکھتے ہیں: حنابلہ کے نزدیک اس بیع کے جواز کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ پھل مشترک نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مجموعی پھل میں سے نصف کو بدو صلاح سے قبل اور نصف کو بدو صلاح کے بعد خریدتا ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۶/ ۱۴)۔

حضرات مقالہ نگاران نے اس سلسلے میں بہت تفصیل سے ائمہ اربعہ کے مذہب کو نقل کیا ہے لیکن فقہ مقارن کے اصول کے مطابق ترجیح کس کو حاصل ہے اور وجہ ترجیح کیا ہے اور انفع للتجار والعامہ کونسا مسلک ہے؟ اس سے عام طور پر تعرض نہیں کیا گیا ہے؛ البتہ تمام دلائل کے تجزیہ کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ درخت پر بور لگنے کے بعد حنفیہ کا مسلک خاص طور پر امام محمد کا نقطہ نظر زیادہ آسانی پیدا کرنے والا اور مشقتوں سے بچانے والا ہے۔ مفتی تقی عثمانی نے تکملہ فتح الملہم میں اور علامہ وھبہ زحیلی نے الفقہ الاسلامی وادلتہ میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

سوال نمبر (۳): رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا؛ لیکن بدو صلاح سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے تو اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات کی رائے یکساں ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ پھل میں نافعیت آجائے، کھانے کے لائق ہوجائے۔ آفتوں سے محفوظ ہوجائے۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی تحریر فرماتے ہیں: پھلوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ کھانے کے لائق ہوجائے، پس اگر کھجور ہو تو وہ سرخ یا زرد ہوجائے، اور اگر کالا انگور ہو تو رس دار پکنے کے قریب ہوجائے، اگر سفید انگور ہو تو نرم اور شیریں ہوجائے، اور اگر کھیتی ہو تو دانہ سخت ہوجائے، اور اگر خربوزہ ہو تو اس میں پختگی ظاہر ہوجائے، اور اگر ککڑی ہو تو وہ بڑی ہو کر کھانے کے قابل ہوجائے۔ موسوعہ میں ہے کہ بدو صلاح کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ وہ پھل کا پکنا اور مٹھاس وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ یا آفت اور فساد سے محفوظ ہونا ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۴۲)، یہی استدلال شیخ صبغۃ اللہ مولوی زادہ، مولانا آزاد بیگ، مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مفتی عبدالرشید کانپوری، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا نوشاد عالم ندوی، مولانا محمد ادریس فلاحی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی عثمان گورینی، مولانا عبدالتواب اناوی اور مولانا محی الدین غازی و دیگر کا بھی ہے۔

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی لکھتے ہیں: فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بدو صلاح ظہور کے آگے کی صفت ہے، البتہ اس

سے مراد کیا ہے؟اس سلسلہ میں ان کے مابین مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔

فقہاء احناف سے اس سلسلہ میں دو رائیں منقول ہیں: (۱) پھل آفت سماوی اور خراب ہونے سے مامون ہوجائے۔پھل قابل انتفاع ہوجائے۔''مجمع الأنہر''میں ہے:''**وعندنا علی ما فی المبسوط ھو أن یامن العاھة والفساد ،وعلی ما فی الخلاصة عن التجرید أن یکون منتفعا به**''(مجمع الانھر ۲۶/۳)۔

قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یا جانور کے کھانے کے لائق ہوجائے۔الجوہرۃ النیرہ میں ہے: ''**وبدو الصلاح : صیرورته حالا صالحا لتناول بنی آدم او لعلف الدواب**''(الجوھرۃ النیرۃ ۲۳۱/۱)۔

علامہ شامی درمختار کی شرح ردالمحتار میں بدو صلاح کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:'' **لکن بدو الصلاح عندنا أن تومن العاھة والفساد وعند الشافعی ھو ظھور النضج وبدو الحلاوة....إلی آخر العبارة**''(ردالمحتار علی الدر)لیکن بدو صلاح کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ پکنا اور میٹھا ہونا ظاہر ہوجائے۔حنفیہ کے نزدیک اگر اس حال میں ہے کہ اس سے انسان یا جانور کے لیے نفع ممکن نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔اس کی نسبت قاضی خاں نے عام مشائخ کی طرف کی ہے۔ امام شافعی ،امام مالک اور امام احمد کے نزدیک یہ درست نہیں ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بیع درست ہے،اس لیے کہ وہ مال ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا فوری طور پر نہیں تو آئندہ سہی۔اس معاملہ کو تمام مشائخ کے نقطۂ نظر سے جائز قرار دینے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ مثلا ناشپاتی کو بالکل شروع میں درخت کے پتوں کے ساتھ فروخت کردیا جائے تو اس صورت میں پھلوں کی بیع پتے کے تابع قرار دے کر درست ہوگی؛ گویا کہ وہ مکمل پتہ ہی ہے۔اور اگر وہ قابل انتفاع ہو چاہے اسے مویشی کا چارہ ہی کیوں نہ بنایا جائے،تو بھی بیع جائز ہوگی۔تمام اہل مذاہب کا اس کے جواز پر اتفاق ہے،اگر یہ بیع فوری طور پر توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو یا بیع مطلق ہو۔

"**ولایفسد عند محمد إن بدا صلاح بعض وقرب صلاح الباقی وعلیه الفتوی کما فی المضمرات**'' (ردالمحتار مع الدر ۸۷/۷)،امام محمد کے نزدیک بیع فاسد نہیں ہوگی اگر بعض کی صلاح ظاہر ہوگئی ہو اور بعض کی صلاح کے آثار نظر آرہے ہوں اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔

مالکیہ نے پھلوں کے اعتبار سے اس کی تفسیر کی ہے؛ چنانچہ کھجور میں اس کی صلاح اس کا زرد یا لال ہونا ہے،انگور میں مٹھاس کا پیدا ہونا اور کالا ہونا ہے،ان کے علاوہ دوسرے پھلوں میں مٹھاس پیدا ہونا ہے،خس اور زعفران میں صلاح یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہوجائیں،سبزیوں میں صلاح ان کے کھانے کے لائق ہونا ہے؛ جب کہ بیج اور دانے میں ان کا پختہ اور

سوکھ جانا ہے(حاشیۃ الدسوقی مع الشرح الکبیر ۱۷۸/۳،منح الجلیل،الذخیرۃ ۱۹۵/۵)،علامہ علیش مالکی خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں:
''وحاصله في سائر الثمار إمكان الانتفاع به'' (منح الجلیل ۲۳۱/۲)۔

شوافع کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھل کا ایسی حالت کو پہنچ جانا ہے جس میں عموماً اسے کھانے کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔علامہ زکریا انصاری لکھتے ہیں: "بدو الصلاح بلوغ الشئ حالة يطلب فيها للأكل غالبا" (الغرر البھیۃ،الاقناع فی حل الفاظ ابی الشجاع ۳۵۱/۱) جب کہ بعض نے بدوصلاح سے مراد صلاحیت ادخار یعنی ذخیرہ اندوزی کے قابل ہونا مرادلیا ہے۔''والعزيزى صلاحيته للادخار''۔جس کی علامتیں پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں؛ چنانچہ رنگ پکڑنے والے پھلوں میں مٹھاس کا پیدا ہونا اور پکنے کے آثار ظاہر ہونا ہے، جب کہ رنگ پکڑنے والے پھلوں میں سرخ یا زرد یا کالا ہونا ہے،علامہ نووی لکھتے ہیں:'' وبدو الصلاح :ظهور مبادى النضج والحلاوة فيما لايتلون وفي غيره بأن ياخذ في الحمرة أوالسواد''(منہاج الطالبین ۲۳۲/۲)۔

علامہ ماوردی نے بدوصلاح کی آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں:(۱) رنگ۔ ہر ایسے کھائے جانے والے پھل میں جو رنگ پکڑتا ہو جب اس میں سرخی سیاہی یا زردی آجائے تو بدوصلاح کی صفت آجائے گی، جیسے بلح،عناب، کشمش،اجاص۔(۲) مزہ۔مٹھاس یا کھٹاس کا پیدا ہونا، جیسے گنا میں مٹھاس اور انار میں کھٹاس کا پایا جانا۔(۳) پختگی اور نرمی، جیسے زیتون اور تربوز۔ (۴) سختی، جیسے گیہوں اور جو۔(۵) لمبائی اور بھراوٹ، جیسے چارہ اور سبزیاں۔(۶) بڑا ہونا اور بڑھنا، جیسے ککڑی۔(۷) اس کے غلاف کا پھٹ جانا، جیسے روئی اور اخروٹ۔(۸) کھلنا، جیسے گلاب اور دوسرے پھول (الحاوی الکبیر ۱۹۶/۵)۔

حنابلہ کے نزدیک رنگ پکڑنے والے پھلوں میں صلاح رنگ کا بدلنا ہے جیسے کھجور کشمش؛ جب کہ رنگ نہ پکڑنے والے پھلوں میں مختلف امور، جیسے سیب میں مٹھاس اور مزیدار ہونا، تربوز میں پکنا یا اس عمر کو پہنچ جانا جس میں عادتاً کھائے جاتے ہوں (المغنی ۱۵۹/۶)، علامہ زرکشی نے اس کا خلاصہ یہ بیان کیا:'' جعل ابو البركات الضابط في جميع الثمار ان يطيب اكلها ويظهر فيها النضج، الضابط الذى ذكره أبو البركات اجود'' (شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی)، ابوالبرکات نے تمام پھلوں میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ وہ کھانے کے لائق ہو جائیں اور ان میں پکنے کے آثار ظاہر ہو جائیں۔اکثر مقالہ نگار حضرات کا یہی استدلال ہے۔دلائل کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حنفیہ نے بدوصلاح کی جو تفسیر کی ہے دیگر نقطہائے نظر کے مقابلے اس میں زیادہ وسعت اور عموم ہے۔

تمام دبستان فقہ میں الگ الگ عبارتوں میں بدوصلاح کی تشریح کی گئی ہے؛ لیکن خلاصہ یہی ہے کہ پھل ایسی حالت میں ہو جائے کہ جس میں عمومی آفتوں سے محفوظ رہ کر قابل انتفاع ہو سکے۔

عرض مسئلہ :

باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت

(سوال نمبر ۴ - ۸)

مفتی عبدالرشید قاسمی☆

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده اما بعد ۔

''باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت'' کے متعلق سوالنامہ ۴ تا ۸ کے سلسلے میں جملہ مقالات کی روشنی میں عرض معروض کی خدمت اس حقیر کے حوالہ ہوئی تھی، تادم تحریر ۳۷/مقالات موصول ہوئے جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا حذیفہ داحودی، مولانا عباس یوسف سعادتی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا صبغت اللہ مولوی زادہ، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی اسعد بن عبدالرزاق فلاحی، مولانا عبیداللہ ابوبکر ندوی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی، مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی محمد خالد حسین نیموی، مولانا ادریس فلاحی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی، مولانا عبدالحلیم اعظمی، مفتی محمد زید مظاہری ندوی، مولانا یاسر قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی محمد نصراللہ ندوی، مولانا عبدالحی مفتاحی۔

سوال نمبر ۴:

پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

☆ مفتی مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد، پٹکاپور، کانپور۔

الف: پھل آنے سے پہلے ان کوفروخت کر دیا جائے خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی۔

ب: باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے۔

ج: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔

یہ سوال تین شقوں الف، ب، ج، پر مشتمل ہے۔

پہلی شق : پھل آنے سے پہلے فروخت کر دینا، خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی، تمام مقالہ نگار اس صورت کے عدم جواز پر متفق ہیں؛ البتہ بعض مقالہ نگار نے اس صورت میں بھی بیع سلم کی اجازت دی ہے، جسکی تفصیل سوال نمبر ۸ر کے ضمن میں آئے گی۔

اس سلسلے میں مقالہ نگاروں کے دلائل چونکہ قدر مشترک ہیں اسلئے صرف چند عبارات کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: ''**نهى رسو ل الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة**''(صحیح مسلم، رقم: ۳۹۹۴)۔

(۲): ''**أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة وبيع المعدوم غير جائز للغرر** '' (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳/۱۵)۔

(۳): ''**وأما الذى يرجع إلى المعقود عليه فأنواع منها أن يكون موجودا فلا ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم كبيع نتاج النتاج ....وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنهما معدوم**'' (بدائع ۴/۳۲۶، البیوع رفصل فی الشرط الذی یرجع الی المعقود علیہ)۔

(۴): ''**قال فى الفتح لا خلاف فى عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر** ''(شامی زکریا ۷/۸۵، کتاب البیوع رمطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً، فتح القدیر ۵/۴۸۸)۔

(۵) ''**لاتبيع ما ليس عندك** ''(ابو داؤد عن حکیم بن الحزام، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ، مع البذل ۴/۲۸۷)۔

دوسری شق : باغ کے کچھ درختوں پر پھل آگئے اور کچھ درختوں پر پھل نہیں آئے:

اس جزئیہ کی بنیادی طور پر دو شقیں ہیں:

(۱) باغ میں سب درخت ایک ہی نوعیت کے ہوں، (۲) مختلف جنسوں کے درختوں پر باغ مشتمل ہو۔

بعض مقالہ نگار نے صراحتاً یا اشارتاً دونوں شقوں سے تعرض کیا ہے، جبکہ دوسرے بعض حضرات نے مطلق حکم بیان فرمایا ہے۔

سبھی مقالہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ بعض درختوں پر اگر پھل ظاہر ہو چکے ہوں اور بعض پر نہ نکلے ہوں بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو تو موجود اور غیر موجود دونوں ہی قسم کے پھلوں کی خرید وفروخت کی صورت میں یہ معاملہ حنفیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے۔

لیکن امام مالکؒ کے نزدیک اور متاخرین میں سے امام ابوبکر محمد بن الفضل اور شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، ضرورت اور تعامل ناس کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں اس معاملہ کی شرعاً گنجائش ہوگی؛ البتہ اکثر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ یہ جواز اس وقت ہے جبکہ باغ ایک ہی نوعیت کے درختوں پر مشتمل ہوں، اگر مختلف الجنس اشجار پر باغ مشتمل ہو تو بعض درختوں پر ظہور ثمار دوسرے بعض درختوں کے پھلوں کی صحت بیع کیلئے کافی نہ ہوگا۔

مقالہ نگاروں نے دلائل میں درج ذیل فقہی عبارات پیش کی ہیں:

(۱) "الثانية أن تباع سائر ثمار الشجر أو البستان فی حین ظهر بعضها ولم يظهر بعضها وفيه خلاف بين مشائخنا الحنفية فظاهر المذهب انه لا يجوز ايضا ولكن أفتى شمس الائمة الحلوانیؒ بانه لو كان الخارج اكثر جاز البيع فی الجميع وبه أفتى الامام الفضلی بل يظهر من عبارته انه لا يشترط كون الخارج اكثر بل يجعل الموجود اصلا فی البيع وما يحدث بعد ذلک تبعا له ويقول : استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فی ذلک عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عادتهم حرج" (تکملۃ فتح الملہم، کتاب البیوع: ۴/ ۲۵۴)۔

(۲) "وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبی حنيفة والشافعی وأحمد وقال مالک يجوز "(فتح القدیر ۵/ ۴۹۰)۔

(۳) "قد جوز هذا البيع استحسانا للعرف والتعامل فالبيع اصلا فی الموجود وتبعا فی المعدوم .... وبعض الفقهاء يشترط لجواز هذا البيع أن يكون الثمر الذی ظهر اكثر مما لم يظهر ليكون للاكثر حكم الكل وبعض العلماء لا يشترط هذا الشرط والظاهر من المجلة اختيار القول الثانی" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۱۸۲، مادہ: ۲۰۷)۔

مفتی جمیل اختر جلیلی ندوی اختلاف ائمہ مدلل تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ان لوگوں کی رائے قابل ترجیح ہے،

جو جواز کے قائل ہیں، بالخصوص جب کہ پھل کا اکثر ظاہر ہو چکا ہو، جس کی تین وجہیں ہیں:

۱۔ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا وہ قابل ترجیح ہے، امام مرغینانیؒ فرماتے ہیں: "**لان للاکثر حکم الکل فی اصول الشرع، فیترجح بالکثرة**" (الہدایۃ علی ہامش البنایۃ: ۱۲/ ۲۲۴)۔

۲۔ تعامل ناس کی وجہ سے کہ یہ بھی ترجیح کے اصول میں سے ہے، اس کے لئے قیاس کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، خاص کر بیع میں ملا خسروؒ لکھتے ہیں: "**وبالتعامل یترک القیاس فی البیع**" (درر الحکام: ۲/ ۲۹۷)۔

۳۔ ضرورت کی وجہ سے کہ اس کے ذریعے سے ضرر دور ہوتا ہے، عبد الرحمٰن بن صالح فرماتے ہیں: "**الضرورة ھی التی تندفع بھا الضرر**" (الفروق فی الشرح الممتع، ص ۲۴)، یہاں بھی اگر اجازت نہ دی جائے تو لوگ ضرر میں مبتلا ہو جائیں گے، جب کہ اصول ہے: "**الضرر یزال**" (الاشباہ النظائر للسبکی ۱/ ۴۱)۔

تیسری شق: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے:

سبھی مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ظہور ثمر کے بعد اس کی خرید و فروخت کرنا راجح اور اصح قول کے مطابق جائز اور درست ہے؛ اگرچہ وہ پھل فی الحال غیر منتفع ہوں۔

مقالہ نگاروں نے درج ذیل فقہی عبارتیں دلائل میں پیش کی ہیں:

(۱) "**بیع الثمرة بعد الظھور یجوز وان لم یصر منتفعا به ھو الاصح**" (فتاوی سراجیہ ص ۴۱۵، مکتبہ اتحاد)۔

(۲) "**وعندنا إن کا ن بحال لا ینتفع به فی الاکل، ولا فی علف الدواب، فیه خلاف بین المشائخ قیل: لا یجوز، ونسبه قاضی خان لعامة مشائخنا، والصحیح انه یجوز لانه مال منتفع به فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعاً به فی الحال**" (الدر مع الرد: ۷/ ۸۵، زکریا دیوبند)۔

(۳) "**وإن باعھا قبل أن تصیر منتفعا بھا بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب فالصحیح أنه یصح وعلی المشتری قطعھا فی الحال ھذا إذا با ع مطلقا أو بشرط القطع**" (فتاوی عالمگیری ۳/ ۱۰۶)۔

سوال نمبر ۵۔ پھر اگر پھل تیار نہیں ہوں تو اس کو فروخت کرنے کی تین شکلیں ہیں:

(الف) فریقین میں یہ بات طے پائے کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل توڑ لے گا۔

(ب) پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔

(ج) نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ ہی درخت پر باقی رہنے کی۔

ان مختلف صورتوں میں درخت پر لگے ہوئے پھل کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟

یہ سوال الف ، ب ، ج ،تین شقوں پر مشتمل ہے:

پہلی شق: فریقین میں یہ بات طے پائی کہ ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا۔

تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ یہ صورت ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق جائز اور درست ہے لیکن مشتری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ فوراً پھل توڑ کر بائع کی ملک کو فارغ کردے۔

اس سے متعلق مقالہ نگاروں کے دلائل کم وبیش مشترک ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)”ثانیها أن یکون البیع بشرط القطع فی الحال فیصح البیع بالاجماع ، لأن المنع انما کان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة قبل أخذها“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵/ ۱۳)۔

(۲)”وعلی المشتری قطعها فی الحال تفریغا لملک البائع وهذا اذا اشتراها مطلقا أو بشرط القطع“ (الہدایہ مع فتح القدیر، کتاب البیوع، فصل: من باع دارا دخل بنائہا فی البیع: ۶/ ۲۶۷)۔

(۳)”فاما بیعها قبل الزهو بشرط القطع فلاخلاف فی جوازه الا ما روی عن الثوری وابن ابی لیلی من منع ذلک وهی روایة ضعیفة“ (بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۶۲)۔

البتہ بعض مقالہ نگاروں نے اس جواز کو چند شرطوں کے ساتھ مشروط کیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) پھل قابل انتفاع ہو، یہ قید متفق علیہ ہے؛ تاہم تفصیل میں قدرے اختلاف ہے، احناف و مالکیہ نے مطلق انتفاع کی قید لگائی ہے چاہے فی الحال ہو یا فی المآل ،شوافع وحنابلہ نے فی الحال کی قید لگائی ہے،شوافع نے یہ بھی قید لگائی کہ وہ منفعت غرض صحیح کے لئے مقصود ہو۔

(۲) عاقدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو پھل کی موجودہ شکل کی ضرورت ہو؛ تاکہ اضاعت مال لازم نہ آئے جو شرعاً ممنوع ہے (بخاری: ۲۴۰۸،مسلم: ۱۷۱۵)۔

(۳) لوگوں میں بکثرت ایسا نہ ہو اور لوگ اس میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں۔

یہ دونوں شرطیں امام مالک نے بیان فرمائی ہیں (الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۳/ ۱۷۶)۔

(۴) حنابلہ فرماتے ہیں: وہ پھل بطریق مشاع نہ ہو (غیر معین نہ ہو) یعنی کوئی شخص بدو صلاح سے قبل آدھا پھل غیر متعین صورت میں توڑنے کی شرط کے ساتھ خریدے، اس لئے کہ اسکے لئے اپنے مملوکہ پھل کو توڑنا غیر مملوکہ پھل توڑے بغیر ممکن نہیں ، اور ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے (کشاف القناع ۳/ ۲۸۲،المغنی / ۱۵۲) (دیکھئے مقالہ: مفتی عثمان قاسمی

بستوی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا عباس یوسف سعادتی، مفتی نصر اللہ ندوی، مفتی جمیل اختر جلیلی)۔

دوسری شق: طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت پر ہی لگا رہے گا۔

تمام مقالہ نگار اس پر متفق ہیں کہ پھل تیار ہونے تک درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ معاملہ کرنا شیخین کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر پھل اپنے حجم کی انتہاء کو پہونچ چکا ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک استحسانا بیع بشرط الترک بھی جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

”فأما إذا باع بشرط الترک فان لم یتناه عظمه فالبیع فاسد بلا خلاف لما قلنا وکذا اذا تناهی عظمه فالبیع فاسد عند أبی حنیفة وأبی یوسف وقال محمد یجوز استحسانا لتعارف الناس وتعاملهم ذلک“ (بدائع ۴/ ۳۴۳، طبع زکریا)۔

لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ پھل نکلنے کے بعد ہی درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا رواج ہو چکا ہے اس شرط کے ساتھ پھلوں کے ظہور کے بعد معاملہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

تو اکثر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ عرف اور رواج کی وجہ سے بیع بشرط الترک جائز اور درست ہے اور ترک کی شرط شرعاً معتبر ہے۔ اس رائے کے حاملین کے اسماء گرامی یہ ہیں: ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا جمیل اختر جلیلی، مفتی خالد حسین نیموی، مفتی حذیفہ داحودی، مولانا عبد الحی مفتاحی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی عثمان قاسمی بستوی، مفتی زید مظاہری، مفتی اسعد فلاحی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی الیاس قاسمی، مولانا نثار احمد مظاہری، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا صدر عالم قاسمی، اور یہی رائے راقم الحروف (عبد الرشید قاسمی) کی بھی ہے، اس رائے کے حاملین نے مندرجہ ذیل فقہاء کی عبارتوں سے استشہاد کیا ہے:

(۱) ”فقد اتضح مما ذکرناه وضوح الشمس بحیث لم یبق ریب و لا لبس انه لو جری التعامل المستفیض فی بیع الثمار قبل بدو صلاحها بشرط ترکها حتی تنضج یصح البیع عند محمد ...... فاشتراط ترک الثمار البارزة حتی تنضج وان کان شرطا لایقتضیه العقد ولا یلائمة وفیه نفع لأحد المتعاقدین لکن حیث جری به العرف الشایع فی بلادنا واستفاض بین العام والخاص فیکون معتبراً“ (شرح المجلة لمحمد الاتاسی: ۲/ ۹۵-۹۶)۔

(۲) ”ان البیع بشرط الترک انما یحرم عند ابی حنیفة لکونه بیعا وشرطا ولکن الحنفیة یجوزون مع البیع شروطا جری بها التعامل ، لان التعامل رافع للنزاع ، ولاشک ان بیع الثمار بشرط

الترک جری به التعامل العام فی اکثر البلاد ، فینبغی أن یجوز هذا الشرط علی اصل الحنفیة" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰-۳۷۸)۔

(۳)"**واما الاشتراط بترکها علی الاشجار الی وقت ادراکها فهذا ایضا یجوز ویعتبر**" (نوازل فقہیہ معاصرہ،ص ۳۷۴)۔

جبکہ مولانا عباس یوسف سعادتی، مفتی محمد شاکر نثار مدنی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا ادریس فلاحی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا عباداللہ قاسمی وغیرہم کا رجحان عدم جواز کی طرف معلوم ہوتا ہے، ان حضرات کی مشترکہ دلیل یہ ہے: ''بیع میں ترک علی الاشجار'' کی شرط مفسد عقد ہے، کیونکہ یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور اس میں احد العاقدین کی منفعت وابستہ ہے اور حدیث میں بیع میں شرط لگانے سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ اس میں غرر کا لزوم اور صفقہ فی صفقہ جیسی ممنوع چیزیں پائی جاتی ہیں، نیز نقصان زیادہ فائدہ کم ہونا ہے اور جہالت بھی ہوتی ہے۔

"**ومثل هذاالشرط مفسد للبیع..... ولانه لا یتمکن من الترک الا باعارة الشجر والارض وهما ملک البائع فصار بشرط الترک شارطا الاعارة فکان شرطه صفقة فی صفقه وهذا منهی عنه کما عرفناه ، ثم انه مشتمل علی الغرر اذ لا یدری المشتری هل یبقی الثمر أم تصیبه آفة فیهلک فتکون علة فساد البیع إذاً ثلاثة أمور: فیه غرر، وشرط فاسد وصفقة فی صفقه**" (الفقہ الاسلامی ۴/۲۵۶) (دیکھئے مقالہ: مولانا عباس سعادتی، مولانا آزاد بیگ قاسمی)۔

راقم الحروف کے نزدیک مجوزین کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شرط کا رواج ہو جائے اگر چہ وہ مقتضاء عقد کے خلاف ہو اور اس میں احد العاقدین کا فائدہ بھی ہو تب بھی وہ شرط مفسد عقد نہیں ہوتی، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: "**واستثنی الحنفیة من شرط المنفعة المفسد ماجری به العرف وتعامل به الناس من غیر انکار، ومثلوا بشراء حذاء بشرط أن یضع له البائع نعلا فهذا ونحوه من الشروط الجائزة عند الحنفیة فیصح البیع بها ویلزم الشرط استحسانا للتعامل الذی جری به عرف الناس**"(الموسوعۃ:۹/۲۴۶)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن عابدین شامی نے صراحت کی ہے کہ شریعت میں ''عرف حادث''معتبر ہے۔

شامی میں ہے: ''**وعبارة البزازیة والخانیة وکذا مسألة القبقاب علی اعتبار العرف الحادث ومقتضی هذا انه لو حدث عرف فی شرط غیرالشرط فی النعل والثوب والقبقاب أن یکون معتبرا إذا**

لم يؤد الى المنا زعة" (الدرمع الرد ۲۷۶/۷)۔

پس چونکہ سابقہ زمانے میں درخت پر پھل چھوڑنے کی شرط غیر متعارف تھی جس کی وجہ سے فقہاء نے مقتضاء عقد کے خلاف شرط ہونے کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار دیا تھا لیکن اب لوگوں کا عرف بدل چکا ہے اور یہ شرط تاجروں میں متعارف ہوچکی ہے، لہٰذا اس عرف حادث کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو ایک جائز شرط قرار دینا چاہئے اور اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز ہونا چاہئے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مقالہ مفتی حذیفہ داحودی، مفتی زید مظاہری اور راقم الحروف)۔

تیسری شق: نہ خریدنے کے بعد فوراً نہ پھل توڑنے کی بات طے پائی اور نہ درخت پر باقی رہنے کی۔

اس جزئیہ کے جواب میں تمام مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت احناف کے نزدیک جائز ہے؛ البتہ بائع کو یہ حق ہوگا کہ وہ مشتری کو فی الحال پھل توڑنے پر مجبور کردے جبکہ بعض مقالہ نگاروں نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ عقد کے بعد اگر ترک علی الاشجار کا عرف ہو تب بھی یہ صورت درست ہوگی، مقالہ نگار حضرات کے دلائل قدر مشترک ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱): "**وأما بيعها قبل الزهومطلقا فاختلف فقهاء الامصار فى ذلک فجمهورهم على انه لا يجوز : مالک والشافعي واحمد ...وقال أبوحنيفة يجوز ذلک**" (بدایۃ المجتہد: ۵۴۲/۴)۔

(۲) "**ان وقع البيع مطلقا ، ولا يشترط فيه قطع ولا ترک فقالت الائمة الثلاثة البيع فيها باطل ، كما فى ترک الثمار على الاشجار ، وقال أبو حنيفة : البيع فيها جائز كما فى اشتراط القطع فوراً ، ويجوز للبائع أن يجبر المشترى على قطع الثمار فى الحال**" (تکملہ فتح الملہم: ۱۷۰/۱)۔

جن مقالہ نگاروں نے ترک علی الاشجار کے عرف کے باوجود مذکورہ صورت کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے درج ذیل عبارتیں استشہاد میں پیش کی ہیں:

(۱) "**فان الكوفيين احتالوا على الجواز تارة بأن يؤجر الارض فقط، ويبيحه ثمر الشجر كما يقولون فى بيع التمر قبل بدو صلاحها، الحيلة يبيحه اياه مطلقا أو بشرط القطع ويبيحه ابقاء ها ،وهذه الحيله منقولة عن ابى حنيفة والثورى وغيرهما**" (تکملہ ۲۵۵/۱ بحوالہ ابن تیمیہ المطبوعۃ بمصر ۴۳/۳) (مولانا عباس یوسف سعادتی)۔

(۲) "**الحاصل ان الشرط اذا لم يكن فى العقد ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه سواء كان معروفا أولا ، ولا التفت إلى ما قاله الشامي : ان المعروف كالمشروط ، بعدما وجدت رواية عن الامام ، عند الحافظ ابن تيمية فى فتاواه** ۔" (فیض الباری ۲۵۶/۳) (دیکھئے مقالہ: مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا عباد اللہ

قاسمی، مولانا عباس یوسف سعادتی، مفتی نذر توحید المظاہری، مفتی زید ندوی مظاہری، عبدالرشید قاسمی)۔

اب خریدار پھل پکنے اور تیار ہونے تک درختوں پر باقی رکھنا چاہے تو اس کی درج ذیل تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

پہلی تدبیر: یہ ہے کہ درخت بٹائی پر لے لے جسے مساقات کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب مثلاً پانچ فیصد یا اس سے بھی کم حصہ باغ کے مالک کیلئے مقرر کردے۔ درمختار میں ہے:"**والحیله أن یأخذ الشجرة معاملة علی أن له جزء اً من ألف جزء** "(الدر مع الرد ص ۷ / ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت) (دیکھئے مقالہ: مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا ادریس فلاحی، مفتی اسعد فلاحی، مولانا صابر ندوی، عبدالرشید قاسمی)۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ ہوجانے کے بعد خریداری کی خواہش پر کہ ابھی پھل پکنے تک اس کو درخت پر رہنے دیا جائے، اور بیچنے والا اس کو قبول کرے یا مالک از خود زبانی اجازت دے دے تو یہ شکل درست ہے اور اس کے پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا یا نئے پھل درخت پر نکلیں گے وہ مشتری کیلئے حلال ہوجائیں گے۔

''ہدایہ'' میں ہے:"**ولو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الفضل** " (ہدایہ: ۱۱ / ۱۳، اشرفی بکڈپو دیوبند) (مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی حذیفہ داحودی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی اسعد فلاحی، مولانا آزاد بیگ، مفتی الیاس قاسمی، مولانا صابر ندوی اور عبدالرشید قاسمی)۔

نیز موجودہ زمانے میں جبکہ درختوں پر پھلوں کے پکنے تک چھوڑنے کا عرف اور رواج ہوچکا ہے اس لئے احقر کی رائے یہ ہے کہ اگر مشتری صراحتاً بائع سے اجازت نہ بھی لے تب بھی مشتری کیلئے پھل حلال ہونے چاہئیں۔

سوال نمبر ۶: کیا اس بات کی گنجائش ہیکہ خریدار پھل خرید لے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کرایہ پر لے لے؟

اس کے جواب میں دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں:

پہلا نقطہ نظر جس کی وکالت بیشتر مقالہ نگار حضرات نے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ پھل خریدنے کے بعد پکنے اور توڑے جانے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے، اس نقطہ نظر کے حاملین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مفتی حذیفہ داحودی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی الیاس قاسمی، مولانا یاسر قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی

نصر اللہ ندوی، مفتی عثمان قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، اور راقم الحروف ۔

ان حضرات کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے عقد اجارہ کو خلاف قیاس لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے مشروع کیا ہے، اور زیر بحث مسئلہ میں (پھل توڑنے کی مدت تک درخت پر پھلوں کو چھوڑنے کی ضرورت) زمین کو اجارہ پر لینے اور بائع کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت کی وجہ سے پوری ہوجاتی ہے نیز صرف درختوں کو اجارہ پر لینے کا لوگوں میں تعامل اور رواج بھی نہیں ہے، اس لئے اس ضرورت کیلئے درختوں کو اجارہ پر لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ فقہی عبارت حسب ذیل ہے:

"وإن اشتراها مطلقا أو بشرط القطع وتركها على النخيل وقد استأجر النخيل إلى وقت الادراک طاب له الفضل لأن الإجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة فبقی الإذن معتبراً "(البحر الرائق: ۵/۵۰۶)۔

"وإن استأجر الشجر إلى وقت الادراک بطلت الاجاره" (درمختار)۔

"قال الطحطاوی : قوله بطلت الاجارة: ای وإن عين مدة معلومة لعدم العرف والحاجة انتهى عن الدر المنتقى وذلک لأن الحاجة تندفع باجارة الارض مدة معلومة ، أو بالاذن بالترک ، ولا تعامل فی إجارة الأشجار المجردة" (طحطاوی علی الدر المختار: ۳/۲۴)۔

لیکن اگر کسی خریدار نے درخت کو کرایہ پر لے لیا اور پھل پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھا تو اس درمیان پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال ہوگا یا نہیں؟

تو اس سلسلہ میں بعض مقالہ نگار (مفتی حذیفہ داحودی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی شاکر مدنی، مولانا عباد اللہ قاسمی، مفتی الیاس قاسمی اور مولانا عبدالتواب اناوی) نے اپنے مقالہ میں اس کی صراحت کی ہے کہ اجارہ کا معاملہ اگرچہ باطل ہے لیکن مالک کے اس عمل کو درخت پر پھلوں کے چھوڑے رکھنے کی اجازت تصور کیا جائے گا اور جسامت اور قیمت میں ہونے والا اضافہ مشتری کے لئے حلال ہوگا جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں صراحت موجود ہے، البتہ مفتی عثمان قاسمی بستوی کی رائے یہ ہے کہ یہ اجارۂ باطلہ چونکہ متضمن بالاذن الباطل ہے جو شرعاً غیر معتبر ہے اسلئے اس معاملہ کی بنیاد پر درخت پر چھوڑنے کی وجہ سے جو کچھ اضافہ ہوگا وہ مشتری کیلئے حلال اور طیب نہ ہوگا، مفتی صاحب نے شامی کی عبارت **"إذا بطل الشئ بطل ما فی ضمنه"** سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر مفتی جمیل اختر جلیلی، مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا عمر بن یوسف کوکنی، مفتی

سیف الاسلام اصلاحی، مفتی خالد حسین نیموی کا ہے کہ درخت کو پھل توڑنے کی مدت تک کرایہ پر لینا جائز ہے؛ چنانچہ مفتی جمیل اختر جلیلی نے اس سلسلے میں حسب ذیل دلائل دیئے ہیں:

(۱) حضرت عمرؓ کا عمل: چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: "**إن أسيد بن حضير مات وعليه دين ، فباع عمر ثمرة أرضه سنتين**" (مصنف ابن ابی شیبہ، اثر نمبر: ۲۳۲۶۰)۔

(۲) اجارہ "عقد علی المنافع بعوض" کو کہتے ہیں، درخت کے اجارہ میں بھی منافع پر ہی عقد ہوتا ہے؛ کیوں کہ پھلوں کی بیع تو پہلے ہو چکی ہے، اب پھل کے اندر جو بڑھوتری ہوگی، وہ درخت کے ذریعے سے کشید کردہ ہوگی اور یہی منافع ہے؛ کیوں کہ پھل توڑنے پر درخت کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے، وہ تو اپنے اصلی حال پر باقی ہے۔

(۳) درخت کے اجارہ کو اس لئے نادرست قرار دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ لوگوں میں متعارف نہیں ہے، اس سے خود بخود یک گونہ گنجائش معلوم ہو رہی ہے۔

(۴) اجارہ کو خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے،: "**ان الاجارة جوزت بخلاف القياس للحاجة**" (ھدایہ: ۲/ ۲۷۳)، یہاں بھی ضرورت پائی جا رہی ہے، اس لئے جائز ہونا چاہئے۔

مفتی خالد نیموی نے فتح القدیر کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے: "**لايخفى مافى هذا من عسر فانه يستدعى شراء مالا حاجة اليه أوما لايقدر على ثمنه وقد يوافقه البائع على بيع الاشجار فالأول (الاجارة) أولىٰ**" (فتح القدیر ۵/ ۴۹۰)۔

مولانا عمر بن یوسف کوکنی نے حاشیۃ الرملی کی اس عبارت سے استشہاد کیا ہے: "**فطريقه أن يشترى بشرط القطع ثم يستأجر الأرض حتى تكون العروق مملوكة له فما يحدث من الزيادة يكون ملكا له**" (حاشیۃ الرملی علی أسنی المطالب ۴/ ۲۷۰)۔

سوال نمبر: ۷ - ان تمام صورتوں کے علاوہ اس بارے میں اگر کوئی اور صورت آپ کے علم میں ہو تو اسکو شامل کرتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں:

اس سلسلے میں مقالہ نگاروں نے چند خصوصیتیں تحریر کی ہیں:

(۱) اگر آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع محض پھول آنے کے بعد ہو تو یہ جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ پھلوں کی بیع نہیں ہے بلکہ پھولوں کی بیع ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) یہ پھول قیمتی مال ہے۔(۲) یہ پھول جانوروں کے چارہ اور بعض انسانی ضروریات میں قابل انتفاع ہیں۔ (۳) اگر فی الحال قابل انتفاع نہ بھی ہوں تو آئندہ قابل انتفاع ہیں۔ جیسا کہ محققین احناف نے پھل کے جانوروں کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہونے کی صورت میں بھی اسکی بیع کے جواز کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: " **من باع ثمرة لم يبد صلاحها جاز البيع لانه مال متقوم إما لكونه منتفعا به في الحال أو في الثاني** "(الہدایۃ ۳/۲۵)(دیکھئے مقالہ: مولانا شاہ جہاں ندوی اور مولانا روح اللہ قاسمی)۔

(۲) بعض لوگوں نے یہ صورت تحریر فرمائی ہے کہ اصل معاملہ ان پھلوں کی بیع کا کیا ہی نہ جائے جو کہ معدوم ہے؛ بلکہ بجائے پھلوں کی بیع کے پورے باغ اور اسکی زمین کے اجارہ کا کیا جائے۔ یعنی اصل تو باغ کے زمین کا اجارہ ہوگا اور باغ کے درخت اسکے تابع ہونگے، اور باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے اور دینے کی شرعاً اجازت بھی ہے۔ اس کے مختلف نظائر کتب فقہ میں موجود ہیں۔ بعض آثار صحابہ سے بھی اسکا جواز ثابت ہے۔ فقہائے کرام نے اصولی طور پر تحریر فرمایا ہے کہ متاجر کے لئے اگر باغ کی زمین قابل انتفاع ہے تو اسکا اجارہ درست ہے۔ اس صورت میں درختوں سے انتفاع ضمناً اور تبعاً ہوگا۔

" **وإن استأجر الارض مدة معلومة بأجر معلوم ليترك الفضل فيها فذلك جائز؛ لأن استيجار الارض صحيح إذاكان المستأجر يتمكن من استيفاء منفعتها والتمكن هنا موجود لاشتغالها بزرعه بمعنى انه وصلت منفعة الارض الى زرعه فصار كأنّ زرعه استوفى منفعة الارض** "(کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/۱۹۴)(دیکھئے: مقالہ مولانا روح اللہ قاسمی، مولانا نعمۃ اللہ، مفتی سعید الرحمٰن بستوی، مولانا عبدالحیٔ مفتاحی، راقم عبدالرشید قاسمی، مولانا شاکر ندوی، مفتی حذیفہ داحوری، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مفتی زید مظاہری)۔

(۳) ایک حیلہ یہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ جس وقت درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں بلکہ محض پھول ہوں تو اس وقت بیع نہ کی جائے؛ بلکہ وعدہ بیع کیا جائے۔ مثلاً فروخت کنندہ خریدار سے کہے کہ جب پھل بیچنے کے قابل ہوجائیں گے تو میں اتنی رقم کے عوض آپ کو بیچ دونگا اور خریدار اس بات کا وعدہ کرے کہ میں اس رقم کے عوض یہ پھل خریدلوں گا۔ اور اس صورت میں بائع یہ دیکھنے کے لئے کہ خریدار اپنے وعدے میں سنجیدہ ہے یا نہیں کچھ رقم وعدہ کے وقت لے سکتا ہے۔ پھر جب پھل بیع کے قابل ہوجائے تو خریدار باقاعدہ بیع (ایجاب وقبول) کے ذریعہ ان پھلوں کو خریدلے، اور اس وقت باہمی رضا مندی سے سابقہ قیمت پر بھی بیع ہوسکتی ہے اور نئی قیمت پر بھی ہوسکتی ہے؛ البتہ وعدہ کے وقت لی گئی رقم کو اصل قیمت سے منہا کیا جائے گا، اور مشتری کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بائع کی اجازت ورضامندی سے تبرعاً (بغیر عوض کے) باغ کی دیکھ بھال کرتا رہے؛ تاکہ وہ اچھی کوالٹی کے پھل حاصل کرسکے (دیکھئے مقالہ: مولانا ادریس فلاحی، عبدالرشید قاسمی)۔

(۴) جس شخص کو باغ ٹھیکہ پر دینا مقصود ہوتو باغ کا مالک اس ٹھیکیدار کو اپنا باغ مساقات (بٹائی) پر اس شرط کے ساتھ دے کہ ٹھیکیدار خود اپنے ملازمین اور مددگاروں کے ذریعہ درختوں کی دیکھ بھال کرے گا، اور بعد میں جو پھل حاصل ہو ان میں باہمی رضامندی سے حصہ داری کی کوئی نسبت طے کر لی جائے۔ مثلاً یہ کہ نویں فیصد ٹھیکیدار کے ہونگے اور دس فیصد حصے باغ کے مالک ہوں گے، یا اسکے برعکس، یا کوئی اور نسبت باہمی رضامندی سے طے کر لی جائے؛ حتی کہ ایک ہزار کی نسبت بھی طے کی جاسکتی ہے کہ ایک ہزار حصوں میں ایک حصہ مالک کا ہوگا اور نوسو ننانوے حصے ٹھیکیدار کے ہونگے۔ جب ٹھیکیدار سے اس طرح کا معاملہ طے پا جائے تو اسکے بعد مستقل معاملہ کے طور پر باغ کی زمین اسی ٹھیکیدار کو کرایہ پر دے دے، اور کرایہ باہمی رضامندی سے کچھ بھی طے کیا جاسکتا ہے جس کی ادائیگی فوری یا تاخیر کے ساتھ دونوں طرح طے کی جاسکتی ہے۔ اگر چاہے تو کرایہ اتنا مقرر کر لیں جتنا عام طور پر ٹھیکہ پر دیتے وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ آخر میں جب درختوں پر پھل تیار ہو جائیں تو مالک کو اختیار ہے کہ پھلوں میں اپنا طے شدہ حصہ وصول کر لے، یا اپنا حصہ ٹھیکیدار کو بخش دے یا فروخت کر دے۔

تاہم یہ واضح رہے کہ اس صورت میں دونوں معاملہ مستقل طور پر کرنا ضروری ہے۔ پہلے مساقات کا معاملہ کرنا پھر زمین کا معاملہ کرنا، یعنی ایک معاملہ دوسرے معاملہ کے ساتھ مشروط نہ ہونا چاہئے (دیکھئے مقالہ راقم الحروف)۔

''وحيلته أن يواجر الارض البيضاء التى تصلح للزراعة فيما بين الاشجار مثلها وزيادة قيمة الثمار ثم يد فع رب الارض الاشجار معاملة اليه على أن يكون لرب الارض جزء من الف جزء ويأمره أن يضع ذلک الجزء حيث أراد لان مقصود رب الارض أن تحصل له زيادة أجر المثل بقيمة الثمار ومقصود المستأجر أن يحصل له ثمار الاشجار مع الارض وقد حصل مقصودهما بذلک فيجوز'' (تقریرات رافعی ۱/ ۶۹۹، کتاب الاجارۃ، دار عالم الکتب ریاض)۔

سوال نمبر:۸- بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے ہمارے یہاں مروج شکلوں میں کیا اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟

واضح رہے کہ ہمارے بعض اکابر ارباب افتاء نے کچھ مروج صورتوں میں بیع سلم کی مختلف فیہ شرطوں کے حوالے سے رخصت وگنجائش کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گنے کی خرید وفروخت کے معاملے میں میعاد مقرر پر پائے جانے کی ضرورت کے مواقع میں اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۶ طبع زکریا قدیم)، اور مفتی رشید احمد صاحب نے بیع قبل ظہور الاثمار والازہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالکؒ کے مذہب پر جواز کا تذکرہ کیا ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۷، ۴۸۹ نیز مابعد)۔

اس سلسلے میں مقالہ نگار کے دونقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں: پہلا نقطہ نظر جسکی وکالت اکثر مقالہ نگار حضرات نے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں باغات کی خرید وفروخت کی جوشکلیں مروج ہیں ان میں ''اختلاف الائمہ فی شرائط السلم'' سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اس نقطہ نظر کے حاملین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی نذر توحید مظاہری، مولانا جمیل اختر جلیلی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی اسعد فلاحی، مولانا ابراہیم فلاحی، مفتی محمد خالد حسین نیموی، مفتی ضیاء الحق قاسمی، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی محمد الیاس قاسمی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی، مولانا ادریس فلاحی، مفتی شاکر نثار مدنی، مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی، مولانا صبغت اللہ، مولانا نثار عالم ندوی، مفتی الیاس قاسمی، وغیرہم۔

اس نقطہ نظر کے حاملین کے دلائل وہی ہیں جوصاحب احسن الفتاوی حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنے فتاوی میں پیش کئے ہیں، طوالت کے اندیشہ سے یہاں دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا بلکہ صرف آراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

دوسرا نقطہ نظر مفتی عثمان قاسمی بستوی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا عباس یوسف سعادتی، مفتی حذیفہ داحودی، مولانا روح اللہ قاسمی، مفتی زید مظاہری، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا عباد اللہ مظفر پوری، مولانا یاسر قاسمی، مولانا صدر عالم قاسمی، اور راقم الحروف کا ہے کہ ظہور ثمار سے پہلے کسی مخصوص باغ یا مخصوص درخت کے پھلوں میں بیع سلم کا معاملہ کرنا (جیسا کہ عموماً یہی شکل ہر جگہ مروج ہے) شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ معاملہ غرر پر مشتمل ہے، نیز اس صورت کے عدم جواز پر فقہائے اربعہ متفق ہیں؛ اس لئے صاحب احسن الفتاوی نے جواز کی جو تاویلات پیش کی ہیں اسکا انطباق اس صورت میں ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر غیر متعین باغ اور غیر متعین درخت کے پھلوں میں بیع سلم کی جائے تو (اختلاف الائمہ فی شرائط السلم) سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہوگی۔

''**ولايجوز أن يسلم فی ثمرة البستان بعينه ولاقرية صغيرة لكونه لايؤمن تلفه وانقطاعه قال ابن المنذر إبطال السلم إذا أسلم فی ثمرة بعينه كالاجماع من أهل العلم وممن حفظنا عنه ذلک الثوری و مالک والاوزاعی والشافعی وأصحاب الرأی واسحاق**'' (المغنی لابن قدامہ ۶/۴۰۶)۔

مفتی زید مظاہری لکھتے ہیں معدوم پھلوں کی بیع کے جواز کا وہ حیلہ جسکو مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں ذکر کیا ہے وہ درست اور صحیح نہیں؛ کیونکہ متعین باغ کے پھلوں میں بیع سلم ائمہ اربعہ میں کسی امام کے نزدیک جائز نہیں جو ائمہ عند العقد مبیع یعنی مسلم فیہ موجود ہونے کو شرط قرار نہیں دیتے انکے نزدیک بھی جائز نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مقالہ مفتی عثمان قاسمی بستوی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، عبدالرشید قاسمی)۔

راقم الحروف کے نزدیک دوسرے نقطہ نظر کے حاملین کی رائے زیادہ مناسب اور راجح معلوم ہوتی ہے جسکی چند وجوہات ہیں:

(۱) بیع سلم کی شرطوں سے متعلق جو اختلاف ہے اس سے فائدہ اسی وقت اٹھایا جاسکتا ہے جبکہ مروج شکلیں فقہاء کے نزدیک جائز اور درست ہوں جبکہ ہمارے دیار میں پھلوں کی خرید وفروخت کی جو شکل عموماً مروج ہے یعنی ظہور ثمر سے پہلے ہی مخصوص باغ کے پھلوں کا معاملہ یہ باتفاق ائمہ اربعہ درست نہیں، لہذا اختلاف سے فائدہ اٹھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں پھلوں کے ظہور کے بعد اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلم کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

(۲) اگر اس صورت کو بھی بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز قرار دے دیا جائے تو اس سے ''بیع معاومہ'' اور ''بیع سنین'' کی ممانعت والی حدیثیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی اور نصوص صحیحہ صریحہ کا اہمال اور ترک لازم آئے گا؛ جبکہ عرف اور ضرورت کی وجہ سے نصوص میں تاویل اور تخصیص کی تو گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اسکا بالکلیہ اہمال وترک قطعاً جائز نہیں ہے۔

جہاں تک سوال نامہ میں ذکر کردہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے گنے کے رس میں جواز سلم کا تعلق ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورت کے مواقع پر مسلک شافعی پر فتوی کی اجازت صرف میعاد مقرر پر پائے جانے کی شرط کے متعلق دی ہے اور بس، دیگر شرطوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس فتوی کا تعلق متعین کھیت کے گنوں سے نہیں ہے بلکہ مطلقاً گنوں کے رس سے ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ شکل (گنے کے رس میں جواز سلم) میں بائع مسلم فیہ یعنی گنے کا رس حوالہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ کھیت متعین نہیں ہے؛ جبکہ پھلوں کی خرید وفروخت متعین باغات میں ہوتی ہے اور اس میں غرر اور دھوکہ ہے، ممکن ہے کہ باغ میں پھل ہی نہ آئیں اور بائع مسلم فیہ (پھل) حوالہ کرنے پر قادر نہ ہوسکے، اس سے نزاع کا پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے؛ اس لئے زیر بحث مسئلہ میں اس فتوی سے استدلال تام نہ ہوگا۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- پہلے ایک حدیث پیش کی جارہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال یا چند سالوں کے لئے پھل درختوں پر فروخت کردینا یعنی بیع سنین ہی بیع معاومہ ہے،"عن أبی الزبیر وسعید بن میناء عن جابر بن عبد الله قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة قال أحدهما: بيع السنين هى المعاومة"(مسلم شریف:۳۹۱۳، ابوداؤد شریف:۳۳۷۵)،مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:"والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة وأشجار مخصوصة من الثمرة إلى مدة سنة فاكثر وانما حرم لكونه بيع غرر؛لأنه بيع مالم يخلقه الله وقد يسمى بيع السنين"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)،ایک سال یا چند سالوں کے لئے پھل کو بیچ دینا یہ صورت حرام ہے؛ کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جسے خالق نے ابھی پیدا ہی نہیں کیا، نیز یہ کہ اس میں غرر ہے،حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ لکھتے ہیں:"سال دوسال کے لئے محض پھل کا ٹھیکہ دینا تو جائز نہیں" (منتخبات نظام الفتاوی ۳/۳۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے درج ہے:"عام کے معنی سال کے ہیں،درختوں کا پھل دو یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے فروخت کردیا جائے اس صورت کو حدیث میں بیع معاومہ اور بیع سنین سے تعبیر کیا گیا ہے،اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ ایسی ہی چیز کو بیچنا جائز ہے جو وجود میں آچکی ہو اور معاومہ کی صورت میں آدمی ان پھلوں کو فروخت کرتا ہے جن کا ابھی سرے سے کوئی وجود نہیں،اسی لئے اس معاملہ کے باطل اور نادرست ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے"(قاموس الفقہ ۵/۱۲۷)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:"أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة وبيع المعدوم غير جائز للغرر"۔

خلاصہ کلام بیع معاومہ کا مصداق اوپر درج کردہ تحریرات سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

☆ سابق شیخ الحدیث و پرنسپل دار العلوم مئو، اتر پردیش۔

۲- جب پھل ظاہر ہوجائیں اور اس قابل ہوجائیں کہ ان سے انسان یا جانور انتفاع کرسکیں (جسے بدوالصلاح کہتے ہیں) تو بالاتفاق بیع جائز ہے، اور جب پھل ظاہر ہوجائیں لیکن وہ غیر منتفع بہ ہوں حتی کہ جانوروں کے استعمال کے بھی لائق نہ ہوں تو اس میں مشائخ حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے، قاضی خاں نے عام مشائخ سے عدم جواز نقل فرمایا ہے لیکن علامہ ابن الہمام کے یہاں صحیح قول جواز کا ہے، "**لأنه منتفع به فی ثانی الحال وإن لم یکن منتفع به فی الحال ویبدو أنه مذهب الائمة الثلاثة ایضا حیث أجازوا بیع الثمرة قبل بدوصلاحها مطلقا(إذا کان بشرط القطع) ولم یشترطوا کونه منتفعابه**" (فقہ البیوع ۱/ ۳۲۷)۔

مزید تفصیلات پیش کی جارہی ہیں: فقہاء کا اتفاق ہے کہ درخت سے الگ صرف پھلوں کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ بدوصلاح ہو چکا ہو، اسی طرح پھل آنے کے بعد اور بدوصلاح سے قبل فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ ان پھلوں کی بیع جائز ہے اگر وہ قابل انتفاع ہوں، یہ حکم بالاتفاق ہے؛ البتہ مالکیہ نے اس میں دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے: اول یہ کہ بائع و مشتری دونوں یا کسی ایک کو بیع کی حاجت ہو، دوم یہ کہ اکثر اہل شہر اس قسم کی بیع کرنے پر باہم اتفاق نہ کئے ہوں، اگر پھل کو بدوصلاح سے قبل باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقاً (توڑنے یا باقی رکھنے کا ذکر کئے بغیر) فروخت کیا گیا تو جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے، حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے اگر پھل باقی رکھنے کی شرط لگائی گئی ہو، لیکن اگر پھل توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو مذہب حنفی میں بالاتفاق جائز ہے اگر قابل انتفاع ہو، اور صحیح قول میں جائز ہے اگر نا قابل انتفاع ہو؛ اس لئے کہ یہ بعد میں قابل انتفاع مال ہے گوکہ فی الحال قابل انتفاع نہیں، لیکن اگر چھوڑنے کی شرط لگادی تو بیع فاسد ہے، اگر پھل کو اصل کے ساتھ فروخت کرے تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ پھل اصل کے تابع ہوتا ہے (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۴۲)۔

۳- جب پھل آفت اور پھلوں میں لگنے والی بیماریوں سے محفوظ ہوجائے اسے بدوصلاح کہتے ہیں: "**وقد جعل النهی ممتدا إلی غایة بدوالصلاح والمعنی فیه أن تؤمن فیها العاهة وتغلب السلامة فیشق المشتری بحصولها......وفیه دلیل علی أن المراد ببدوالصلاح قدر زائد علی ظهور الثمرة وسبب النهی عن ذلک خوف الغرر، لکثرة الجوائح فیها**" (فتح الباری ۴/ ۴۹۸-۵۰۰)۔

"**بدوالصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد وعند الشافعی ظهور النضج وبدوالحلاوة**" (شرح فتح القدیر علی العنایة ۵/ ۱۰۲، دار عالم الکتب ریاض، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/ ۹۲، دار الایمان)۔

فقہ مالکی کی کتاب "مختصر خلیل" کے حاشیہ پر ہے: "**ای بدوصلاح ثمار النخل والزهو احمراره أو اصفراره**" (حاشیہ مختصر خلیل/ ۱۹۵)۔

جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:"(حتی تزهی)قال الخلیلی أزهی النخل بدا صلاحه"(حاشیہ تنویر الحوالک ۱/۵۴۱)۔

الگ الگ اشیاء میں بدوصلاح الگ الگ ہے:"وروی أشهب وابن نافع عن مالک أنه یباع إذا بلغ فی شجرة قبل أن یطیب فانه لا یطیب حتی ینزع، مذهب الثوری وابن ابی لیلی والشافعی ومالک وأحمد واسحاق عدم جواز بیع الثمار فی رؤوس حتی تحمر وتصفر ومذهب الأوزاعی وأبی حنیفة وأبی یوسف ومحمد جواز بیع الثمار علی الاشجار بعد ظهورها وبه قال مالک فی روایة وأحمد فی قول"(عمدۃ القاری ۸/ ۸۴۴ زکریا)۔

"بدوالصلاح فی الثمار أن یطیب أکلها فإن کان رطبا أن یحمر أویصفر وإن کان عنبا أسود بأن یتموه وإن کان أبیض بأن یرق ویحلو وإن کان زرعا بأن یشتد وإن کان بطیخا بأن یبدوفیه النضج وإن کان قثاء أن یکبر بحیث یؤخذ ویؤکل"(المہذب ۲/ ۲۳۲،القدس قاہرہ)، پھلوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ کھانے کے لائق ہوجائیں، پس اگر کھجور ہوتو وہ سرخ یا زرد ہوجائے، اور اگر انگور ہوتو رسدار پکنے کے قریب ہوجائے اگر کالا انگور ہو، اور اگر سفید انگور ہوتو نرم اور شیریں ہوجائے، اور اگر کھیتی ہوتو دانہ سخت ہوجائے، اگر خربوز ہوتو اس میں پختگی ظاہر ہوجائے، ککڑی ہوتو وہ بڑی ہوکر کھانے کے قابل ہوجائے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے: بدوصلاح کی تفسیر میں اختلاف ہے اور وہ پھل کا پکنا اور مٹھاس وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، یا آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں (موسوعہ فقہیہ (اردو)۹/ ۴۲)۔

ایک دوسری تحریر پیش ہے: بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ وہ پھل انسانوں کے استعمال اور جانوروں کے چارہ کے قابل ہوجائے، مالکیہ نے مختلف اشیاء کے اعتبار سے مختلف تشریح کی ہے (جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے)، شافعیہ کے یہاں پکنے اور مٹھاس کا ظاہر ہونا ہے، لیکن انہوں نے آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں جن سے بدوصلاح کو جانا جاسکتا ہے، رنگ، مزہ پکنا اور نرم ہونا، مضبوط اور سخت ہونا، لمبا ہونا اور بھرجانا، بڑھنا اور اس کے غلاف کا پھٹنا، آٹھویں کھل جانا مثلاً گلاب کا پھول۔

علامہ ماوردی کی ایک تحریر سے بھی بدوصلاح کے اقسام معلوم ہوتے ہیں اور ان کا بھی وہی مطلب ہے جو مہذب کے حوالہ سے نقل کیا گیا (دیکھئے: مغنی المحتاج ۳/ ۳۵۷-۳۵۸،القدس قاہرہ)۔

بدوصلاح سے قبل بیچنے کی ممانعت والی حدیث کا مطلب یہ ہے:"وحمل عامة الحنفیة حدیث النهی عن البیع قبل بدوالصلاح علی ما إذا اشترط ترک الثمار علی الاشجار وأحادیث النهی عن بیع الثمار قبل

بدو الصلاح محمولة على البيع بشرط الترک عندنا "(اعلاء السنن ۱۴/۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، فقہ البیوع ۱/۳۳۰)۔

بدوصلاح سے قبل بیچنے کی ممانعت والی حدیث بطور مشورہ ہے، نہی تنزیہی ہے نہ کہ نہی تحریمی، "وقال الطحاویؒ ما ملخصه إن قوما قالوا إن النهى المذكور ليس للتحريم ولكنه على المشورة منه عليهم لكثرة ماكانوا يختصمون إليه فيه ورووا فى ذلک عن زيد بن ثابت قال: كان الناس فى عهد النبى ﷺ يتبايعون الثمار فإذا جذ الناس وحضر تقاضيهم قال المتباع: انه أصاب الثمر العفن والدمان وأصابه قشام وعاهات يحتجون بها فقال النبى ﷺ: لما كثرت عنده الخصومة فى ذلک تتبايعوا حتى يبدوصلاح الثمر كالمشورة يشير بها كثرة خصومتهم فكان نهيه عن ذلک على هذا المعنى"(عمدۃ القاری ۸/۴۸۵ زکریا، فتح الباری ۴/۴۹۶، اشرفیہ، اعلاء السنن ۱۴/۴۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/۹۲، دارالایمان)۔

امام طحاوی کہتے ہیں کہ ایک قوم نے کہا کہ یہ نہی تحریم کی غرض سے نہیں بلکہ مشورۃً منع ہے، یہ نہی تنزیہی ہے؛ کیونکہ اس معاملہ میں اکثر جھگڑے کی نوبت آجاتی تھی، اوروہ اس طرح کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں کوخریدتے تھے اور جب لوگ اسے توڑنے لگتے اور بائع قرض کا مطالبہ کرنے آتا تومشتری کہتا: پھل تو سیاہ پڑ گیا اور سڑ گیا، پھل میں کیڑے پڑ گئے اوراس پرآفت لگ گئی وغیرہ وغیرہ، جب اس طرح کی بیع میں جھگڑے بہت زیادہ ہونے لگے توآپ ﷺ نے فرمایا کہ بدوصلاح سے قبل فروخت نہ کیا کرو، تویہ نہی مشورہ کے طور پرتھی نہ کہ تحریم کے طور پر، نہی ارشادونہی تنزیہی تھی۔

فقہ البیوع (۱/۳۳۲-۳۳۳) سے ایک تحریر اور پیش ہے جس میں عدم جواز کی علت کا ذکر کیا گیا ہے، "ويمكن أن يجاب عنه بأن أحاديث النهى عن بيع الثمرة قبل بدوصلاحها معللة بكونه مفضيا إلى النزاع بحيث ارتفع احتمال النزاع بسبب العرف والتعامل ارتفعت العلة المانعة"۔

مفتی ظفراحمد تھانویؒ لکھتے ہیں: "عند محمد أن هذه الاجارة جائزة للتعارف وعدم الافضاء الى النزاع ولدفع الحرج عن الناس الخ"(اعلاء السنن ۱۴/۴۵-۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)، مفتی رشیداحمدصاحب لدھیانوی تحریرفرماتے ہیں: امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ ہے مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا(احسن الفتاوی ۶/۴۸۸)۔

ان تمام تحریروں کی روشنی میں میراخیال ہے کہ اس کے جواز کی گنجائش ملنی چاہئے۔

۴-الف: اس کا جواب ماقبل میں دیاجاچکا ہے۔

۴-ب: مسئولہ صورت میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک جن درختوں میں پھل ظاہر ہوگئے ان

میں تو بیع درست ہے اور یہی حنفیہ کا ظاہر مذہب بھی ہے:"فقال الشافعية والحنابلة أنه لا يجوز إلا فيما ظهروهوظاهر مذهب الحنفية"، کیونکہ جس میں پھل ظاہر نہیں ہوئے وہ معدوم ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں، لیکن فقہاء حنفیہ میں سے بہت سے حضرات نے ظاہر ہونے والے اور نہ ظاہر ہونے والے دونوں طرح کے پھلوں میں جواز کا قول فرمایا ہے:"ولكن أفتى شمس الائمة الحلوانى بأنه لوكان الخارج اكثر جاز البيع فى الجميع وبه أفتى الامام الفضلى بل يظهر من عبارته أنه لايشترط كون الخارج اكثر وبه أفتى ابن نجيم فى فتاواه"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

وقال ابن الهمام بعد ذکر فتوی الفضلی -فضلی کا فتوی یہ ہے:"وكان يقول: الموجود وقت العقد أصل وما يحدث تبع نقله شمس الائمة عنه ولم يقيد عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر بل قال عنه اجعل الموجود أصلا فى العقد وما يحدث بعد ذلك تبعا"۔

ابن الہمام کی تحریر سے معلوم ہوا کہ شمس الائمہ حلوانی نے فضلی ہی سے جواز کا قول نقل کیا ہے لیکن فضلی کی تحریر میں صرف موجود کو اصل مان کر بعد میں آنے والے پھلوں کو تابع مان کر جواز کا قول فرمایا ہے، ان کے قول میں اکثر کی قید نہیں ہے، بعدہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہی بات امام محمدؒ کی ایک تحریر سے بھی معلوم ہوتی ہے اور یہی امام مالک کا قول بھی ہے:"وقد رأيت رواية فى نحوهذا عن محمدؒ وهو بيع الوردعلى الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البيع فى الكل بهذا الطريق وهو قول مالك"(شرح فتح القدیر علی نتائج الافکار والعنایۃ ۵/۱۰۵)، علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:"فجاز أن يباع مالم يخلق منها مع ما خلق وبدا صلاحه أصله جواز بيع مالم يطب من الثمر مع ماطاب صلاحها مطلقا الخ"(بدایۃ المجتہد ۳/۲۱۲ سلمان عثمان کمپنی)۔

علامہ سرخسی نے بھی اپنے شیخ امام حلوانی اور امام فضلی کی ہی اتباع کرتے ہوئے جواز کا قول فرمایا ہے:"وذكر السرخسى الجواز عن شيخه الامام الحلوانى والامام الفضلى ولكن صحح ما فى ظاهر المذهب من عدم الجواز إلا فى الموجود لأن المصير إلى هذه الطريقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة ههنا أنه يمكن أن يبيع الأصول أو يشترى الموجود ببعض الثمن ويؤخر العقد فى الباقى إلى وقت وجوده أويشترى الموجود بجميع الثمن ويبيح له الانتفاع بما يحدث منه"(فقہ البیوع ۱/۳۲۸)، سرخسی کے بقول ظاہر مذہب سے عدول کی کوئی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ ایک آدمی درخت فروخت کرے یا کچھ ثمن سے پھل خرید لے اور عقد کو بعد میں ظاہر ہونے والے پھلوں تک مؤخر کردے یا موجودہ کو پورے ثمن سے خرید لے اور بعد میں ظاہر ہونے

والے پھلوں سے انتفاع کی تبرعاً اجازت دے دے۔

لیکن علامہ ابن عابدینؒ نے ضرورت کا ذکر فرما کر عدول کی گنجائش دی ہے:"**لکن لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا ولا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة جهل الناس لا یمکن إلزامهم بأحد الطرق المذکورة وإن أمکن ذلک بالنسبة إلی بعض الأفراد لا یمکن بالنسبة إلی عامتهم وفی نزعهم عن عادتهم حرج ولا یخفی أن هذا مُسوّغ للعدول عن ظاهر الروایة**"(فقہ البیوع ۱/۳۲۸، ردالمحتار علی الدر ۷/۸۵-۸۶، فتاوی تاتارخانیہ ۸/۳۱۹)، لیکن ضرورت کا تحقق ہمارے زمانے میں خصوصاً دمشق میں جو کثیر الاشجار والثمار والاشہر ہے، عام لوگوں کی جہالت کے باعث انہیں طرق مذکورہ میں سے کسی کے ساتھ مکلّف بنانا درست نہیں ہے اوران کو اس عمل سے باز رکھنے میں حرج ہے، اورمخفی نہیں کہ یہ چیز ان کو ظاہر مذہب سے عدول کرنے کی راہ فراہم کرے گی۔

مصطفیٰ احمد زرقا کی تحریر سے بھی جواز کا ثبوت مل رہا ہے:"**ورد ایضا فی الحدیث النبوی الثابت أن النبی علیه الصلوة والسلام نهی عن بیع الانسان مالیس عنده،وهي قضیة بیع المعدوم کما نهی ایضا عن بیع الغرر لکن فقهاء المذهب الحنفی خصصوا هذین الحدیثین فجوزوا بیع المواسم الثمریة فی الکروم وسائر الاشجار ذات الثمار المتلاحقة متی ظهر بعض هذه الثمار فقط وبدا صلاحها وذلک لأن المصلحة تقضی بتجویز هذاالبیع لحاجة الناس إلیه**"(المدخل الفقہی العام ۱/۱۳۴، دارالقلم دمشق)۔

شیخ زرقا فرمارہے ہیں کہ بیع معدوم والی روایت میں احناف نے تخصیص کی ہے اور پھلدار درختوں میں بعض کے ظاہر ہوجانے کے بعد پیدا ہونے والے پھلوں کو اس کے تابع مان کر جواز کا قول فرمایا ہے، وہ حاجۃ الناس کے سبب ہے، خطیب شربینی تحریر فرماتے ہیں:"**(ویکفی بدوصلاح بعضه وان قل) لصحة بیع کله من شجرة أوأشجار متحد الجنس ولوحبة واحدة من عنب أو بسر أونحوه؛ لأن الله تعالی امتنّ علینا فجعل الثمار لاتطیب دفعة واحدة الخ**"(مغنی المحتاج ۳/۳۵۸، القدس قاہرہ)۔

ابوبکر کاسانی امام مالک کی رائے تحریر کرتے ہیں:"**وقال مالک إذا ظهرفیه الخارج الاول یجوز بیعه لأن فیه ضرورة لأنه لا یظهرالکل دفعة واحدة بل علی التعاقب بعضها بعد بعض**" (بدائع الصنائع ۴/۳۲۷، المغنی لابن قدامہ ۶/۱۳۱، دارعالم الکتب ریاض)۔

نیز بہوتی حنبلی لکھتے ہیں:"**وإذا اشتد بعض حب الزرع جاز بیع جمیع ما فی البستان من نوعه)ای**

نوع الحب المشتد (کالشجرة) إذا بداصلاح بعضها کان صلاحاً لجمیع نوعها‘‘(کشاف القناع عن متن الاقناع ۳/ ۲۷۴، مطبعۃ الحکومۃ بمکۃ)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ لدھیانوی لکھتے ہیں: جواز راجح ہے(احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۶)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا تو حنفیہ میں سے امام فضلی یہ فرماتے ہیں کہ جو حصہ ظاہر نہیں ہوا اس کو ظاہر شدہ ثمرہ کے تابع مان لیں گے اور یوں تبعاً اس کی بیع کو بھی جائز کہتے ہیں، تو ہر دور کے فقہاء کرام نے یہ محسوس کیا کہ یہ عموم بلوی کی صورت ہے اور عموم بلوی کی صورت میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کو قواعد شرعیہ پر منطبق کیا جائے اور تحریم سے بچنے کی کوئی بھی اصل شرعی نکلتی ہو تو اس کو اختیار کیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو حرج لازم نہ آئے، لہذا اسی زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف توجیہات اختیار کی گئیں......لہذا ظہور سے پہلے جواز کی کوئی صورت نہیں؛ البتہ اگر تھوڑا سا بھی ظہور ہو گیا ہو تو پھر بیع ہو سکتی ہے اور اس میں شرط الترک بھی جائز ہے(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/ ۱۱۳-۱۱۴)، میں کہتا ہوں کہ جواز کی گنجائش ملنی چاہئے، خود علماء حنفیہ میں اس کے جواز کے اقوال موجود ہیں، مسلک مالکی میں تو پوچھنا ہی نہیں بہت ہی توسع ہے۔

۵-الف: صورت مسئولہ کے جواز میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے:’’**ثم جواز بیع الثمار بعد الظهور......إذا کان بشرط أن یقطعها المشتری بعد البیع فلا خلاف فی جوازه**‘‘(فقہ البیوع ۱/ ۳۲۹)، علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:’’**ولا خلاف فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به**‘‘(رد المحتار علی الدر ۷/ ۸۵ زکریا)، علامہ کمال الدین ابن الہمام لکھتے ہیں:’’**الحاصل أن بیع مالم یبد صلاحه إما بشرط القطع وهو جائز اتفاقا لأنه غیر متناول للنهی لما ذکرنا الخ**‘‘(شرح فتح القدیر مع نتائج الافکار والعنایہ ۵/ ۱۰۴، دار عالم الکتب ریاض)۔

۵-ب: اگر بدو صلاح ہو چکا تھا بایں طور کہ وہ پکنے سے پہلے آفت سے مامون ہو چکا تھا تو شرط لگانا مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ کے یہاں درست ہوگا؛ لیکن امام اعظمؒ کے یہاں (ظاہر مذہب میں) درست نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے جس سے بیع فاسد ہو جائیگی، لیکن امام محمدؒ سے روایت ہے کہ جب پھل مکمل ہو چکے ہوں (**إذا تناهی عظم الثمرة**) تو شرط لگانا درست ہے، نیز علامہ ابن الہمام نے استحساناً تعامل کے باعث درست قرار دیا ہے، علامہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ امام طحاوی نے بھی اسی کو عموم بلوی کی وجہ سے اختیار کیا ہے، اور ’’تنویر الابصار‘‘ میں مذکور ہے کہ فتوی بھی اسی پر ہے اگر چہ ابن عابدین نے قہستانی سے انہوں نے ’’نہایہ‘‘ سے نقل کیا ہے کہ فتوی دونوں کے قول پر ہے،’’**أما إذا اشترط ترکها علی الاشجار قبل أن یتناهی عظمها أو قیل أن یبدوصلاحها فظاهر الأئمة الأربعة أنه یفسد**

البیع......لکن ذکر ابن الھمام أن محمدا رحمہ اللہ تعالی انما فرق بین ماتناھی عظمہ ومالم یتناہ أن التعامل انما جری بشرط الترک فی المتناھی ولم یجر فیما لم یتناہ عظمہ......وھذا یقتضی لوجری العرف والتعامل فی غیر المتناھی جاز ایضا لأن العرف الحادث معتبر فی کون الشرط جائزا کما قال ابن عابدین فی مبحث الشرط الفاسد"(فقہ البیوع ۱/۳۳۱-۳۳۳)۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: بزازیہ اور خانیہ کی عبارتوں سے عرف حادث (بعد میں پیدا ہونے والا عرف) کا اعتبار ہوگا اور قیاس جو اس معاملہ کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

"**قلت وتدل عبارۃ البزازیۃ والخانیۃ وکذا مسئلۃ القبقاب علی اعتبار العرف الحادث فلم یبق من الموانع إلا القیاس والعرف قاض علیہ**" (رد المحتار علی الدر ۷/۲۸۶ زکریا)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: جو شرط مفسد عقد ہوتی ہے اس سے تین قسم کی شرائط مستثنی ہیں: وہ جو مقتضاء عقد میں داخل ہے، اگرچہ مقتضائے عقد میں داخل نہیں لیکن اس کے ملائم اور مناسب ہے، وہ شرط جو متعارف بین التجار ہوگئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو......اور یہ شرط کہ اس کو درخت پر چھوڑا جائے گا، یہ تو متعارف سے بھی زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی ہو تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہذا بیع بشرط الترک جائز ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۴/۱۱۱-۱۱۲)۔

اس لئے میری دانست میں یہ معاملہ درست ہے اور مقتضاء عقد کے مناسب ہے۔

۵-ج: اگر ظہور کے بعد بدو صلاح سے پہلے بیع ہوئی اور نہ توتوڑنے اور نہ درخت پر باقی رکھنے کی بات طے ہوئی تو حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ عدم جواز کے، "**وأما إذا بیعت الثمار بعد الظھور وقبل بدوصلاحھا ولم یشترط البائع أن یقطعھا المشتری ولا المشتری أن یترکھا علی الأشجار فھذا موضع خلاف بین الحنفیۃ والائمۃ الثلاثۃ الحجازیین فقال الحنفیۃ یجوز ھذا البیع لأنہ لم یشترط فیہ ما لا یقتضیہ العقد وقال الائمۃ الثلاثۃ أنہ لایجوز لعموم النھی عن بیع الثمرۃ قبل بدو صلاحھا**" (فقہ البیوع ۱/۳۲۹-۳۳۰، المغنی ۶/۴۹، دار عالم الکتب ریاض)۔

ائمہ ثلاثہ نے اس صورت کو شرط ترک کے ساتھ لاحق کر کے ناجائز کہا؛ جبکہ امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ جب مطلقا ہے (نہ شرط قطع ہے نہ شرط ترک ہے) تو حکم میں قطع کی شرط کے ساتھ معاملہ سمجھا جائے گا اور بائع کو اختیار ہوگا کہ کسی وقت بھی مشتری سے کہے کہ پھل لے جاؤ اور ہمارا درخت خالی کر دو۔

”وأما إذا اشتراها من غير شرط القطع ولا الترک لم يذكر هذا فی ظاهر الرواية وذكر فی رواية الاصول اختلافا بين أبی يوسف ومحمد فقال علی قول أبی يوسف لاتدخل الأرض فی البيع وعلی قول محمد تدخل“(بدائع الصنائع ۴/۲۷۳)۔

میں کہتا ہوں کہ دلائل تو دونوں ہی کے قوی ہیں لیکن امام محمدؒ کے قول پر فتوی دینے میں امت کے لئے آسانی ہے۔

۶- یہ معاملہ درست نہیں ہے،”ولواستأجر البائع الشجرة ليترک الثمر عليها إلی وقت الجذاذ لم تجز هذه الاجارة لأن جواز الاجارة مع أن القياس يأباها لكونها بيع المعدوم لتعامل الناس والناس ماتعاملوا هذا النوع من الإجارة“(بدائع الصنائع ۴/۱۷۳ زکریا)،”وإن استأجر الشجر إلی وقت الإدراک بطلت الإجارة......فان أصل الإجارة مقتضی القياس فيها البطلان إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل إلا تعامل فی إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز“ (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/۹۶، دارالایمان، اعلاء السنن ۱۴/۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں:”بأن استأجر الاشجار إلی وقت الادراک......أما فی الاجارة فلأنها إجارة باطلة لعدم التعارف فی إجارة الاشجار والحاجة“(شرح فتح القدیر علی العنایۃ ۵/۱۰۳، فتاوی تاتارخانیہ ۸/۳۲۶، ردالمحتار علی الدر ۷/۸۸ زکریا)۔

علامہ بہوتی تحریر فرماتے ہیں:”(وإن اشتری الثمرة) قبل بدوصلاحها (ثم استأجر الأصول أو استعارها)ای الأصول (لتبقيتها) ای الثمرة (الی) أوان (الجذاذ لم يصح)“(کشاف القناع عن متن الاقناع ۳/۲۷۰، مطبعۃ الحکومۃ بمکۃ)۔ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ باطل ہے اور درخت کو کرایہ پر دینے کا رواج بھی نہیں ہے۔

۸- امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے یہاں عقد کے وقت سے لے کر محل (یعنی مسلم فیہ کے مسلم الیہ کے حوالہ کرتے وقت) مسلم فیہ کا موجود رہنا ضروری ہے، اگر ان میں سے کسی وقت انقطاع یا ان دونوں کے درمیان انقطاع پایا جائے تو جائز نہیں، لیکن امام شافعیؒ وامام مالکؒ اور امام احمدؒ واسحاق بن راہویہ کے یہاں اگر مسلم فیہ صرف محل (حوالہ کرتے وقت) موجود ہو تو یہ معاملہ درست ہے، بوقت عقد موجود رہنا ضروری نہیں ہے، اگر بوقت عقد یا عقد ومحل کے درمیان منقطع ہو تو معاملہ کے جواز پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

”ولايجوز السلم حتی يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلی حين المحل......(حتی لوكان منقطعا عند العقد موجودا عندالمحل أو علی العكس أو منقطعا فيما بين ذلک)وهو موجود عند

العقد والمحل (لایجوز) وھو قول الأوزاعی (وقال الشافعی) ومالک وأحمد واسحاق (إذا کان موجودا عند المحل جاز) وإن کان منقطعا وقت العقد أو بینھما"(شرح فتح القدیر علی نتائج الافکار والعنایہ ۵/۳۳۱دار عالم الکتب ریاض، نیز دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۳/ ۲۶۴-۲۶۵ سلمان عثمان کمپنی، اختلاف الفقہاء للامام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل پیش ہے: "واستدلوا علی ذلک بأن النبی ﷺ قدم المدینة وھم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال: من أسلف فلیسلف فی کیل معلوم أووزن معلوم وأجل معلوم ولم یذکر الوجود ولوکان شرطا لذکرہ ولنھاھم عن السلف سنتین لانہ یلزم منہ انقطاع المسلم فیہ أوسط السنة ولانہ یثبت فی الذمة ویوجد فی محلہ غالبا فجاز السلم فیہ کالموجود"(فقہ البیوع ۱/۵۷۲)۔

قاضی ابوثور کے یہاں تو اتنا توسع ہے کہ اگر وقت موعود پر مسلم فیہ نہ دے سکا تو جب تک ملنے کی امید ہو اس وقت تک مؤخر کرسکتا ہے، "وقال أبوثور إذا أسلم الرجل فی الشئ الذی قد ینقطع ولایوجد فی أیدی الناس......فلا بأس أن یسلم فیہ فی الوقت الذی لا یکون أیدیھم......وإن لم یکن موجودا أخّر الذی علیہ السلم إلی وجود الشئ المسلم فیہ"(اختلاف الفقہاء/۱۲۸)۔

علامہ ابن عابدینؒ نے بھی ضرورت کی بنیاد پر الحاق بالسلم کا قول فرمایا ہے، صاحب فتح کا بھی میلان اسی طرف ہے، انہوں نے ایک روایت امام محمدؒ سے نقل فرمائی ہے، "والنبی ﷺ إنما رخص فی السلم للضرورة ھنا ایضا أمکن إلحاقہ بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن مصادما للنص......وظاھر کلام الفتح المیل إلی الجواز ولذا أورد لہ الروایة عن محمد بل تقدم أن الحلوانی رواہ عن أصحابنا وما ضاق الامر اتسع"(رد المحتار علی الدر ۷/۸۶ زکریا، شرح فتح القدیر ۵/۱۰۲، دار عالم الکتب ریاض، الموسوعۃ الفقہیہ ۷/۹۸۷)۔

ابن عابدینؒ نے ابن الہمام کی جس تحریر کی جانب اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے: "والصحیح أنہ یجوز لأنہ مال منتفع بہ فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعا بہ فی الحال وقد أشار محمد فی کتاب الزکوة إلی جوازہ فانہ قال لوباع الثمار فی أول ماتطلع وترکھا بإذن البائع حتی أدرک فالعشر علی المشتری فلولم یکن جائزا لم یوجب فیہ العشر علی المشتری"(شرح فتح القدیر ۵/۱۰۲)۔

شگوفہ نکلتے ہی کسی نے درخت خرید لیا اور بائع کی اجازت سے پھل کے پکنے تک درخت پر باقی رکھا تو عشر مشتری پر ہوگا، اگر یہ بیع وشراء جائز نہ ہوتا تو مشتری پر کیوں عشر واجب ہوتا؟ مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: علامہ

ابن عابدینؒ نے ابتلاء عام اورضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروزالبعض کے بیان میں لکھا ہے کہ اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے،اور جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالک کے مطابق اس بیع کوسلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا، بعدہ حضرت لکھتے ہیں: غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہوتو کوئی اشکال نہیں ،اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہوتو یہ بیع ثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے،اور یہ ازہار مال متقوم منتفع للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع نہ بھی ہوتو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے، کما نقلہ العلامۃ ابن عابدین عن ابن الہمام الخ۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بیع ثمر قبل انفراک الزہر کو بالاتفاق ناجائز کہا ہے مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ قبل الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالک کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں (احسن الفتاوی ۶/۴۸۹ زکریا)، لیکن ملحق بالسلم کی صورت میں عند الاحناف رأس المال (ثمن) کی ادائیگی یکمشت ضروری ہے۔"**ولأن بعض رأس المال من شرائط الصحة......ومنها أن يكون مقبوضا فی مجلس السلم**" (بدائع الصنائع ۴/۴۳۱-۴۳۳)، لیکن ایسا بھی ہورہا ہے کہ لوگ قسطوں میں ثمن ادا کرتے ہیں یا پھل جیسے جیسے فروخت ہوتے جاتے ہیں قیمت ادا کرتے جاتے ہیں، اس صورت میں فقہ مالکی کی جانب رجوع کرتے ہوئے گنجائش نکالی جاسکتی ہے، جیسا کہ ہمارے بعض اکابر کی بھی رائے ہے، ابن رشد قرطبی کی تحریر پیش ہے:"**ومنها أن يكون الثمن غير مؤجل أجلاً بعيداً لئلا يكون من الكالئ بالكالئ فی هذا فی الجملة واشترطوا فی اشتراط اليومين والثلاثة فی تأخير نقد الثمن بعد اتفاقهم على أن لا يجوز فی المدة الكثيرة ولا مطلق فأجاز مالكؒ اشتراط تاخير اليومين والثلاثة وأجاز تأخيره بلاشرط**"(بدایۃ المجتہد ۳/۲۶۳،سلمان عثمان کمپنی دیوبند)۔

معلوم ہوا کہ راس المال کی ادائیگی شرط کے ساتھ دو یا تین دن مؤخر کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر مطلق معاملہ کیا اور کوئی شرط نہیں لگائی تو جتنی تاخیر کرنا چاہیں کرسکتے ہیں۔

خلاصہ:

۱-بیع معاومہ جائز نہیں،"**أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة**

وبیع المعدوم غیر جائز للغرر"(الموسوعۃ الفقہیہ)۔

۲-مقالہ میں تفصیلات موجود ہیں۔

۳-"بدوالصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد وعند الشافعی ظهور النضج وبدوالحلاوة"

(شرح فتح القدیر علی نتائج الافکار والعنایۃ ۵/ ۱۰۲،دارعالم الکتب ریاض،الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۴/ ۹۲،دارالایمان دیوبند)۔

۴-ب: یہ معاملہ درست ہے،مصطفی احمد زرقاء لکھتے ہیں:"لکن فقهاء المذهب الحنفی خصصوا هذین الحدیثین فجوزوا بیع المواسم الثمریة فی الکروم وسائر الاشجار ذات الثمار الملاحقة متی ظهر بعض هذه الثمار فقط وبدا صلاحها وذلک لأن المصلحة تقضی بتجویز هذا البیع لحاجة الناس إلیه"(المدخل الفقہی العام ۱/ ۱۳۴،دارالقلم دمشق)۔

۵-الف: اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں،ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔

ج-امام اعظمؒ اس صورت کے جواز کے قائل ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ عدم جواز کے،"أما إذا بیعت الثمار بعد الظهور وقبل بدوصلاحها ولم یشترط البائع أن یقطعها المشتری ولا المشتری أن یترکها علی الاشجار فهذا موضع خلاف بین الحنفیة والائمة الثلاثة الحجازیین الخ"(فقہ البیوع ۱/ ۳۲۹-۳۳۰)۔

۶-یہ معاملہ ناجائز اور غیر درست ہے۔

۷-ملحق بالسلم کیا جاسکتا ہے،فقہاء احناف میں سے خود علامہ ابن عابدینؒ نے ضرورۃً الحاق کی اجازت دی ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی☆

بیع معاومہ کا مصداق:

احادیث نبویہ میں بیع معاومہ سے منع کیا گیا ہے، مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت میں ہے:"نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة"(مسلم شریف، باب النہی عن بیع المعاومہ ۲/۱۱، نیز دیکھئے: ترمذی شریف ۱/۲۴۳، باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة)(رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ سے منع فرمایا ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ احادیث نبویہ میں ممنوع بیع معاومہ کا مصداق کیا ہے؟ اور اس کا اطلاق کس بیع پر ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاومة باب مفاعلة سے ہے، جو ''عام'' سے ہے، جس کا معنی سال کا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ درختوں کے پھلوں کو یا خود درختوں کو دو یا اس سے زائد سال کے لئے فروخت کیا جائے، بیع معاومہ کو بیع سنین بھی کہتے ہیں، ترمذی شریف میں ہے:"أما قوله والمعاومة فهي بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين فصاعدا وهي مفاعلة من العام بمعنى السنة"(حاشیہ ترمذی ۱/۲۴۵، باب ماجاء فی المخابرة والمعامة)۔

چونکہ اس صورت میں پھلوں کی بیع درختوں پر ظاہر ہونے سے قبل ہی ہوتی ہے اور یہ شئی معدوم کی بیع ہے، اور شئی معدوم کی بیع باطل ہے، نیز اس صورت میں پھلوں کو فروخت کرنے والا فروخت کردہ پھلوں کا مالک نہیں ہوتا، اور اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قدرت بھی نہیں ہے، اس لئے بالاتفاق یہ بیع باطل ہے، ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، ترمذی کی شرح ''تحفة الاحوذی'' میں ہے:

''(والمعاومة)مفاعلة من العام كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر، قال الجزري في النهاية: هي بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره، وهذا البيع باطل؛ لأنه بيع مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق''(تحفة الاحوذی، باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة ۴/۵۳۴)۔

☆ صدر مفتی دار الافتاء، معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ۔

مسلم کی شرح ''نووی'' میں ہے:''**وأما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر، فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين، وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذه الاحاديث، ولأنه بيع غرر لأنه بيع معدوم ومجهول وغير مقدور على تسليمه وغير مملوك للعاقد، والله أعلم**''(نووی شرح مسلم، باب النہی عن بیع المعاومۃ ۲/۱۰)۔

حاشیہ ترمذی، تحفۃ الاحوذی اور نووی شرح مسلم کی عبارتوں سے یہ واضح ہے کہ بیع معاومہ کا اطلاق اس صورت پر ہوگا جبکہ درخت کے پھلوں کی بیع دو یا دو سے زائد سال کے لئے ہو، اگر دو سال سے کم کے لئے بیع ہو تو اس پر بیع معاومہ کا اطلاق نہیں ہوگا، لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب نے بیع معاومہ کی جو تعریف کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ایک سال کے لئے پھلوں کی بیع ہو تو اس پر بھی بیع معاومہ کا اطلاق ہوگا، چنانچہ وہ اس بیع کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''**والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فأكثر، وإنما حرم لكونه بيع غرر؛لأنه بيع مالم يخلقه الله تعالى بعد، وقد يسمى بيع السنين، كما فى بعض روايات مسلم وأبى داؤد**''(فقہ البیوع: بیع الثمار قبل ظہورہا ۱/۳۲۷)۔

دونوں تعریفوں میں بہ ظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے؛ لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ اگر پھلوں کے آنے سے قبل دو سال سے کم کے لئے بیع ہو، تو وہ بھی بالاتفاق بیع معاومہ میں شامل ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں بھی شئی معدوم کی بیع ہے، اور فروخت کرنے والا نہ تو فروخت شدہ پھلوں کا فی الحال مالک ہے، اور نہ ہی اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر ہے، لہٰذا بیع معاومہ کے باطل ہونے کی جو علت بیان کی گئی ہے، وہ علت اس صورت میں بھی پائی جارہی ہے۔

اور اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد اور توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، تو اس صورت میں بالاتفاق یہ بیع جائز ہوگی، اور اس پر بیع معاومہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ بیع معاومہ کا اطلاق اس صورت پر ہوگا جبکہ پھل درخت پر ظاہر نہ ہوں اور پھلوں کو یا خود درختوں کو ایک یا دو یا اس سے زائد سال کے لئے فروخت کیا جائے۔

اس سوالنامہ کا ایک اہم سوال درخت کے پھلوں کی بیع کا ہے، جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع:

کہیں پر پھلوں کے آنے کے بعد بیع ہوتی ہے اور کہیں پر پھلوں کے آنے سے قبل ہی درختوں کو ایک یا اس سے زائد سال کے لئے فروخت کردیا جاتا ہے، خریداران پھلوں کو لاکر بازار میں فروخت کرتے ہیں، اور عام طور سے لوگ بازار سے ان پھلوں کو خرید کر کھاتے ہیں، ان میں کون سی صورت جائز اور کون سی صورت ناجائز ہے؟ اس کا جاننا ضروری ہے، اس

لئے کہ یہ اس وقت کا بہت ہی اہم پیچیدہ اور پریشان کن معاملہ ہے۔

ان تمام صورتوں کو الگ الگ بیان کر کے ہر ایک کا حکم شرعی کتاب وسنت اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

درخت پر پھلوں کے آنے سے قبل ان کی بیع:

پہلی صورت یہ ہے کہ ابھی درختوں پر پھل نہیں آئے کہ ان درختوں کے پھلوں کو ایک سال یا اس سے زائد سال کے لئے فروخت کر دیا جائے، اس صورت میں پھلوں کی بیع بالاتفاق باطل اور حرام ہے، اور اس سے احتراز لازم ہے، اس لئے کہ:

الف- یہ بیع معاومہ اور بیع السنین ہے اور احادیث میں اس بیع سے منع کیا گیا ہے۔

ب- اس صورت میں پھل موجود نہیں ہیں، اور غیر موجود شی کی بیع شرعاً باطل ہے۔

ج- ضروری ہے کہ فروخت کرنے والا مبیع کا مالک اور اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر ہو، اور مذکورہ صورت میں غیر موجود پھلوں کا نہ تو وہ مالک ہے اور نہ ہی ان کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر ہے۔

د- پھر یہ کہ اس میں دھوکہ ہے، ممکن ہے کہ پھل نہ آئے، اللہ تعالی اس کو روک لے، اور دھوکہ کی بیع سے منع کیا گیا ہے (حوالہ کے لئے دیکھیں بیع معاومہ کے مصداق کے ذیل میں نووی شرح مسلم، تحفۃ الاحوذی اور حاشیہ ترمذی کی پیش کردہ عبارتوں کو)۔

نیز علامہ وہبہ زحیلیؒ کی کتاب "الفقہ الاسلامی وأدلتہ" میں ہے: **"أجمع العلماء على أن بيع الثمار قبل أن تخلق لا ينعقد؛لأنه من باب النهى عن بيع مالم يخلق ومن باب بيع السنين والمعاومة، وقد روى عنه عليه الصلوة والسلام أنه "نهى عن بيع السنين وعن بيع المعاومة"، وهو بيع الشجر أعواما؛لأنه بيع المعدوم، وقد نهى الرسول ﷺ عن بيع الغرر، والغرر كما عرفنا: هو ما انطوى عنه أمره وخفى عليه عاقبته، ونوع الغرر:هو أن المبيع مجهول الوجود قد يظهر وقد لا يظهر، ومجهول المقدار إن وجد"** (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: بیع الثمار أو الزرع ۴/ ۲۵۵)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: **"والشرط الثالث لصحة البيع فى غير السلم والإستصناع: أن يكون المبيع موجودا، وهذا شرط لإنعقاد البيع، فلا ينعقد بيع المعدوم، والأصل فى ذلك أن رسول اللهﷺ نهى عن بيع حبل الحبل، وهو بيع نتاج النتاج، وكذلك لا يجوز ما كان على خطر العدم، بمعنى أنه يحتمل الوجود والعدم معا، مثل اللبن فى الضرع، حيث لايتيقن وجوده، إذ قد ينتفخ الضرع بدون اللبن، بيع الثمار قبل ظهورها: وعلى هذا لايجوز بيع الثمار قبل ظهورها، إلا بطريق**

السلم، لأنه بيع معدوم، ولم يقل بجوازه أحد، وإن جرى به التعامل، والأصل فيه ماروى عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع المعاومة، أخرجه مسلم و ابوداؤد"(فقہ البیوع، الشرط الثالث:۳۲۶-۳۲۷)۔

اس صورت کو بیع سلم میں شامل نہیں کرسکتے:

کچھ حضرات نے ابتلاء عام کی وجہ سے اس صورت کو بیع سلم میں شامل کرکے اس کے جواز کی کوشش کی ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ صحت بیع سلم کی شرطوں میں سے مندرجہ ذیل چند شرطیں یہاں نہیں پائی جارہی ہیں:

پہلی شرط:

بیع سلم کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ خریدار پورا رأس المال (ثمن) عقد سلم کی مجلس ہی میں بائع کے حوالہ کردے، اگر ثمن کا کچھ حصہ مجلس عقد سلم کے بعد بائع کے حوالہ کرے، تو عقد سلم صحیح نہیں ہوگا، اور مذکورہ صورت میں پورا رأس المال مجلس عقد بیع میں بائع کے حوالہ نہیں ہوتا ہے، ہدایہ میں ہے:

"**ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه، أما إذا كان من النقود فلأنه إفتراق عن دين بدين، وقد نهى النبى عليه السلام عن الكالئ بالكالئ، وإن كان عينا فلأن السلم أخذ عاجل بآجل؛ إذ الإسلام والإسلاف ينبئان عن التعجيل، فلا بد من قبض أحد العوضين ليتحقق معنى الإسم، ولأنه لابد من تسليم رأس المال، ليتقلب المسلم إليه فيه فيقدر على التسليم**"(ہدایہ، باب السلم ۱۰۱/۳)۔

دوسری شرط:

بیع سلم کے صحیح ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ (جس مال میں سلم کا معاملہ ہو) عقد سلم سے لے کر اس کی ادائیگی تک بازار میں موجود ہو، اگر عقد سلم کے وقت موجود نہ ہو تو اس میں عقد سلم جائز نہیں ہے، اگرچہ اس کی ادائیگی کے وقت وہ موجود ہو، البتہ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عقد سلم کے وقت مسلم فیہ کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ادائیگی کے وقت موجود رہنا عقد سلم کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہے، لہذا مذکورہ صورت میں عقد کے وقت پھلوں کے موجود نہ رہنے کی وجہ سے حنفیہ کی شرط کے مطابق ان میں عقد سلم جائز نہ ہوگا؛ البتہ ائمہ ثلاثہ کے اصول وشرط کے مطابق درست ہوگا۔

"**ولايجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل، أو على العكس، أو منقطعا فيما بين ذلك لا يجوز، وقال**

الشافعي: يجوز إذا كان موجودا وقت المحل، لوجود القدرة على التسليم حال وجوبه، ولنا قوله عليه السلام:"لاتسلفوا فى الثمار حتى يبدوصلاحها"،ولأن القدرة على التسليم بالتحصيل، فلا بد من إستمرار الوجود فى مدة الأجل، ليتمكن من التحصيل"(ہدایہ، باب السلم ۹۸/۳،نیز دیکھئے:الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳۶۷/۴-۳۶۸)۔

تیسری اور چوتھی شرط:

تیسری شرط یہ ہے کہ مبیع معلوم ومتعین ہو،اور چوتھی شرط یہ ہے کہ مبیع کی ادائیگی کا وقت متعین ہو،اسی وجہ سے جب حضورﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ لوگ پھلوں میں ایک سال یا چند سالوں کے لئے بیع سلم کرتے ہیں،جس سے پھل نہ آنے کی صورت میں جھگڑا ہوتا ہے،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص پھلوں میں بیع سلم کرنا چاہتا ہے تو متعین کیل،متعین وزن میں متعین مدت کے لئے کرے،اور مذکورہ صورت میں نہ تو مبیع متعین ہے اور نہ ہی اس کی ادائیگی کی مدت متعین ہے۔

"عن ابن عباس قال:قدم رسول الله ﷺ المدينة، وهم يسلفون فى الثمر السنة والسنتين والثلاثة، فقال رسول الله ﷺ: من أسلف فليسلف فى كيل معلوم أو وزن معلوم إلى أجل معلوم"(ابوداؤدشریف،باب فی سلف ۴۹۰/۲)۔

"الخامس أن يكون المسلم فيه مؤجلا بأجل معلوم حتى إن سلم الحال لايجوز"(فتاوی ہندیہ، باب السلم ۱۷۲/۳)۔

پانچویں شرط:

عقد سلم کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ کسی متعین کھیت کے غلہ یا متعین باغ اور متعین درخت کے پھلوں میں عقد سلم نہ ہو،اگر کسی متعین باغ یا متعین درخت کے پھلوں میں عقد سلم ہو تو یہ عقد صحیح نہیں ہوگا،حتی کہ اگر کسی متعین گاؤں کے کھیت یا باغ کے غلہ اور پھلوں میں عقد سلم ہو،تو اس کو بھی فقہاء نے صحیح قرار نہیں دیا ہے،اس لئے کہ اس صورت میں یہ امکان ہے کہ کسی آفت کی وجہ سے پھل نہ آئے،اور مذکورہ صورت میں متعین درخت یا متعین باغ کے پھلوں میں عقد ہوتا ہے،لہذا اس کو عقد سلم میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے،''ہدایہ''میں ہے:

"ولا فى طعام قرية بعينها أو ثمرة نخلة بعينها؛لأنه قد يعتريه آفة فلا يقدر على التسليم، وإليه أشار عليه السلام حيث قال: أرأيت لو أذهب الله تعالى الثمر؛بم يستحل أحدكم مال أخيه؟"(ہدایہ،باب

السلم ۳/۱۰۰)۔

"(أوثمرة نخلة بعينها) أو بستان بعينه......فهذا الحديث يفيد عدم صحة البيع، سواء كان وروده في السلم أو في البيع مطلقا" (شرح فتح القدیر ۷/۸۴)۔

"وعلى هذا إذا كان المسلم فيه منسوبا إلى موضع معلوم:فإن كان مما يحتمل انقطاعه بالآفة كحنطة قرية كذا بعينها أو أرض كذا بعينها، لا يجوز السلم؛لعدم تحقق القدرة على التسليم، وهو غرر من غير حاجة، فمنع صحة العقد" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۳۶۷)۔

آخری بات:

عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے مذکورہ پانچ شرطیں پھلوں کے درخت پر آنے سے قبل بیع کی صورت میں نہیں پائی جارہی ہیں، لہذا اس عقد کو عقد سلم میں شامل کر کے اس کے جواز کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر مذکورہ پانچوں شرطوں کی کوئی تاویل کر کے اس صورت کو بھی جائز قرار دیا جائے، تو پھر بیع معاومہ، بیع السنین، بیع معدوم، بیع مالا یخلق اور بیع غرر والی روایات بے معنی ہو کر رہ جائیں گی، اور پھر ان کا کوئی محمل نہیں رہے گا، جس کی وجہ سے مذکورہ صورت میں نصوص کا ترک لازم آئے گا، اور عرف عام اور ابتلاء عام کی وجہ سے نصوص کی تخصیص جائز ہے، لیکن نصوص کا ترک جائز نہیں ہے، لہذا درخت پر پھلوں کے آنے سے قبل ان کی بیع کو قطعاً جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

جواز کا حیلہ:

البتہ فقہاء نے اس صورت میں جواز کا ایک حیلہ بیان کیا ہے کہ باغ کی زمین کو اجارہ پر ایک سال یا چند سالوں کے لئے لے لیا جائے، اور اس کا کرایہ باہمی رضامندی سے جو طے کرنا چاہیں طے کرلیں، اور باغ کا مالک کرایہ دار کو ان درختوں کے پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے۔

درخت پر آئے پھلوں کی بیع جبکہ کچھ پھل آئے اور کچھ نہیں آئے:

دوسری صورت یہ ہے کہ درخت پر پھل آ گئے، لیکن ابھی سبھی پھل نہیں آئے بلکہ کچھ آئے اور کچھ نہیں آئے، یا کسی درخت کے پھل آ گئے، اور دوسرے درخت کے پھل نہیں آئے، تو اس صورت میں صرف جو پھل آئے ہیں انہیں کی بیع درست ہے، یا جو پھل نہیں آئے ان کی بیع بھی آئے ہوئے پھلوں کے تابع قرار دے کر درست مانا جائے؟

اس سلسلہ میں شوافع اور حنابلہ عدم جواز کے قائل ہیں؛ اس لئے کہ جو پھل ابھی نہیں آئے ہیں ان کی بیع شئی معدوم کی بیع ہے، جو شرعاً ممنوع ہے- حنفیہ کے دونوں قول ہیں: کچھ حضرات عدم جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ شوافع اور حنابلہ قائل

ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اسی قول کو اصح اور ظاہر المذہب قرار دیا ہے، قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں صرف ان پھلوں کی بیع جائز ہو جو ظاہر ہو چکے ہیں، اور جو پھل ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں ان کی بیع جائز نہ ہو؛ کیونکہ وہ معدوم کی بیع ہے۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اس طرح کی بیع ضرورتاً صحیح قرار دی جاتی ہے، اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اس بیع کے جواز کی صورت نکل سکتی ہے کہ ان پھلوں کو ان کے درختوں کے ساتھ خرید لیا جائے، جب درختوں کی ملکیت ہو جائے گی تو پھر جو بھی پھل اس کے بعد نکلیں گے ان کا مالک خریدار ہوگا، یا جو پھل نکل آئے ہیں ان کو خرید لے اور جو ابھی نہیں نکلے ہیں ان کی بیع کو مؤخر کر دے، جب وہ نکل آئیں تو ان کو خرید لے، یا پوری قیمت سے ظاہر ہونے والے پھلوں کو خرید لے اور درختوں کا مالک خریدار کو بعد میں ظاہر ہونے والے پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے معدوم شئ کی بیع کو جائز نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔

حلوانی نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، ان کا یہ دعوی ہے کہ یہی ہمارے اصحاب سے مروی ہے، انہوں نے امام فضلی سے بھی جواز ہی کا قول نقل کیا ہے، اور یہ استحساناً ہے، اس لئے کہ لوگوں کا تعامل اور عرف یہی ہے، اگر اس کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے، "**والحرج مدفوع شرعا**"، لہٰذا عرف و عادت اور لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحساناً اس کو جائز قرار دیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے؛ صحیح نہیں ہے، ضرورت کا تحقق تو یہاں بھی ہے، اس لئے کہ جواز کا جو حیلہ بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے، اور عام طور سے لوگ اس طرح کی بیع کرتے ہیں، یہ عرف عام ہے، اور یہی پھل بازاروں میں عام طور سے آتے ہیں، اگر اس طرح کی بیع کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر پھلوں کو بازار سے خرید کر کھانا حلال نہیں ہوگا، اور عرف و عادت سے لوگوں کو نکالنے میں حرج ہے، اور اصول فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے: "**الحرج مدفوع، إذا ضاق الأمر إتسع**" اور اسی طرح کی ضرورت کی بنیاد پر ظاہر مذہب سے عدول جائز ہے؛ چنانچہ بیع سلم میں اسی ضرورت کی بنیاد پر معدوم شئ کی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اسی وجہ سے امام مالک نے مذکورہ صورت میں پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور متأخرین حنفیہ نے اسی قول کو ضرورت کی بنیاد پر اختیار کیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۷ر۸۷، زکریا دیوبند)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کے بعد ابن قدامہ کی "المغنی" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"**وجملة ذلک أنه إذا باع ثمرة شئ من هذه البقول، لم یجز إلا بیع الموجود منها، وبهذا قال أبوحنیفة والشافعي، وقال مالک: یجوز بیع الجمیع، لأن ذلک یشق تمییزه، فجعل مالم یظهر تبعا لما ظهر، کما أن مالم یبد صلاحه تبع لما بدا**" (فقہ البیوع، بیع الثمار قبل ظہورہا: ۳۲۹)۔

خلاصہ یہ کہ اگر کچھ پھل ظاہر ہو چکے ہوں اور کچھ ظاہر نہ ہوئے ہوں تو ان سب کی بیع مالکیہ اور متاخرین حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، عرف اور ضرورت کی بنیاد پر اس قول پر عمل درست ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہی درخت کے پھلوں کی بیع ہو، یا ایک باغیچہ کے مختلف درخت ہوں، لیکن سب ایک ہی نوع کے پھل ہوں، مثلاً سب آم کے درخت ہوں، یا سب امرود کے، امرود کے بعض پھلوں کا ظاہر ہوجانا آم کے پھلوں کے لئے کافی نہ ہوگا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس قسم کی بیع کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کچھ پھل نکل آئے ہوں اور باقی ابھی نہ نکلے ہوں تو ان کو فروخت کرنا درست اور جائز ہوگا، بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں، ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک درخت میں پھل آجانا دوسرے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہیں ہوگا (قاموس الفقہ، ثمر: ۴۹/۳)۔

ان پھلوں کی بیع جو نا قابل انتفاع ہیں:

تیسری صورت یہ ہے کہ درختوں پر پھل آئے، لیکن وہ ناقابل انتفاع ہیں، یعنی نہ تو انسانوں کے استعمال کے لائق ہیں اور نہ ہی جانوروں کے چارہ کے لائق، اس صورت میں پھلوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا مذہب جواز کا معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ ان حضرات کے نزدیک بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع مطلقا جائز ہے، جبکہ فوراً توڑ لینے کی شرط ہو، قابل انتفاع ہونے یا نہ ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اگر قابل انتفاع ہونے کی شرط ہوتی تو اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔

حنفیہ کے دو قول ہیں: کچھ حضرات عدم جواز کے قائل ہیں، قاضی خان نے عام مشائخ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے؛ اس لئے کہ صحت بیع کے لئے ضروری ہے کہ فروخت کرنے والی شئ قابل انتفاع ہو، اور مذکورہ پھل قابل انتفاع نہیں ہیں، لیکن صحیح قول جواز کا ہے؛ اس لئے کہ اگرچہ وہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہیں، لیکن بعد میں قابل انتفاع ہو سکتے ہیں، مفتی تقی عثمانی صاحب ''فقہ البیوع'' میں لکھتے ہیں:

''أما إذا طهر الثمر بحيث يمكن الإنتفاع به في الأكل، أو في علف الدواب جاز بيعه بالاتفاق، وإذا ظهر الثمر ولكنه غير منتفع به حتى في علف الدواب، ففيه خلاف مشائخ الحنفية، فذكر قاضي خان عن عامة المشائخ أنه لا يجوز بيعه أيضا، ولكن صحح إبن الهمام أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به في ثاني الحال، وإن لم يكن منتفعا به في الحال، ويبدو أنه مذهب الأئمة الثلاثة أيضا، حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدوصلاحها مطلقا (إذا كان بشرط القطع) ولم يشترطوا كونه منتفعا به'' (فقہ

البیوع، بیع الثمار قبل ظہورہا ۱۱/۷ ۳۲)۔

علامہ ابن نجیم مصری ''البحر الرائق'' میں اس مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے کتاب الزکوۃ میں اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر پھلوں کو درختوں پر ظاہر ہوتے ہی فروخت کیا جائے، اور فروخت کرنے والے کی اجازت سے ان پھلوں کو پکنے تک چھوڑ دیا جائے تو ان کا عشر خریدار پر ہوگا، اگر اس مرحلہ میں پھلوں کی بیع جائز نہ ہوتی، تو اس میں خریدار پر عشر واجب نہیں قرار دیا جاتا۔

اس صورت میں فقہاء نے ایک حیلہ بیان کیا ہے، جس سے باتفاق مشائخ بیع جائز ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اگر صرف پھل ظاہر ہوئے ہیں، اور وہ قابل انتفاع نہیں ہیں تو ان درختوں کے پتوں کو خرید لے اور صرف درختوں کے پتوں کا خریدنا بھی جائز ہے، لہٰذا ان پتوں کے تابع قرار دے کر ان پھلوں کی خرید وفروخت بھی جائز ہوگی (دیکھئے: البحر الرائق ۵/ ۵۰۲، کتاب البیع)۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور صحیح قول کے مطابق حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں پھلوں کی بیع جائز ہے۔

پھلوں کی بیع بدوصلاح سے قبل:

چوتھی صورت یہ ہے کہ سبھی پھل درخت پر آ گئے ہوں اور وہ انسانوں اور جانوروں کے لئے قابل انتفاع بھی ہوں، لیکن بدوصلاح یعنی پھلوں کے پکنے اور سماوی آفتوں سے محفوظ رہنے سے قبل ان کی بیع ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ عقد بیع کے وقت ہی یہ شرط لگ جائے کہ خریدار ان پھلوں کو توڑ لے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عقد بیع کے وقت یہ شرط لگ جائے کہ پھلوں کے پکنے تک وہ پھل درخت ہی پر رہیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد بیع کے وقت نہ تو توڑنے کی شرط لگے اور نہ درختوں پر چھوڑنے کی؛ بلکہ مطلق بیع ہو۔

پہلی صورت:

اگر عقد بیع کے وقت ہی یہ شرط لگ جائے کہ خریدار ان پھلوں کو توڑ لے گا، تو اس صورت میں ان پھلوں کی بیع بالاتفاق جائز ہے، اور خریدار پر ان پھلوں کو توڑنا لازم ہوگا؛ البتہ اگر فروخت کرنیوالا اپنی خوشی ورضامندی سے پھلوں کے پکنے تک درختوں پر چھوڑنے کی اجازت دے دے تو پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری صورت:

دوسری صورت میں جبکہ عقد بیع کے وقت ہی ان پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط ہو، تو پھلوں کی بیع بالاتفاق ناجائز ہوگی؛ اس لئے کہ خریدار اپنے لئے نفع کی شرط لگا رہا ہے، گویا کہ ایک ہی وقت میں دو معاملہ ہو رہا ہے، ایک بیع کا اور دوسرا شرط کا، اور ایک وقت میں دو معاملہ درست نہیں ہے، حضور اکرم ﷺ نے بیع کے ساتھ کسی طرح کی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔

نیز اگر پھل کسی وجہ سے ضائع ہوجائیں تو پھر بائع کہاں سے وہ پھل دے گا، اور کس بنیاد پر خریدار سے ان پھلوں کی قیمت لے گا، اس میں غرر اور دھوکہ ہے، اور غرر و دھوکہ سے منع کیا گیا ہے، پھر یہ کہ درختوں پر پھلوں کے چھوڑنے کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے؛ کیونکہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ مبیع خریدار کے حوالہ ہو، اور ثمن بائع کے حوالہ، اور مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے سے عقد بیع فاسد ہوجاتا ہے (اس پر مزید تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

تیسری صورت:

تیسری صورت میں جبکہ نہ تو پھلوں کے توڑنے کی شرط ہو اور نہ ہی درختوں پر چھوڑنے کی بلکہ مطلق بیع ہو تو ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور حنفیہ جواز کے قائل ہیں؛ البتہ عقد بیع کے بعد خریدار پر لازم ہوگا کہ پھلوں کو فوراً توڑ لے، الا یہ کہ بائع پھلوں کو چھوڑنے پر راضی ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت والی روایت ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے بدوصلاح سے قبل بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا مال ہے جس سے انتفاع ممکن ہے اور اس میں نہ تو مقتضائے عقد کے خلاف کسی طرح کی شرط ہے اور نہ ہی غرر و دھوکہ ہے، لہذا اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

جہاں تک بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت والی روایت کا تعلق ہے، تو حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ حضرات کے نزدیک بھی تو یہ روایت اپنے عموم پر نہیں ہے؛ بلکہ اس میں تخصیص ہے کہ اگر توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، تو آپ حضرات بھی اس کے جواز کے قائل ہیں، لہذا ہم یہ کہیں گے کہ یہ روایت اس صورت پر محمول ہے جبکہ پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، بقیہ دونوں صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۵۵-۲۵۶، البحر الرائق ۵/۵۰۲-۵۰۳)۔

بدوصلاح کے بعد پھلوں کی بیع:

درختوں کے پھلوں کی پانچویں صورت یہ ہے کہ پھلوں کی بیع بدوصلاح کے بعد ہو، یعنی پھلوں کے پکنے یا ان میں ٹھوس پن آ جانے اور سماوی آفتوں سے محفوظ ہوجانے کے وقت ان کی بیع ہو، تو اس کی بھی تین صورتیں ہیں:

۱- عقد بیع ہی میں پھلوں کو توڑ لینے کی شرط ہو۔

۲- عقد بیع ہی میں پھلوں کو درختوں پر پکنے کے وقت تک چھوڑنے کی شرط ہو۔

۳- مطلق بیع ہو، نہ توڑنے کی شرط ہو اور نہ ہی چھوڑنے کی شرط۔

ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مذکورہ تینوں صورتوں میں بدوصلاح کے بعد پھلوں

کی بیع شرعاً جائز ودرست ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح کے بعد بھی درختوں پر پھلوں کے چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے؛ البتہ بقیہ دونوں صورتوں میں بیع جائز ودرست ہے، ان حضرات کے نزدیک بدوصلاح سے قبل بیع کا جو حکم ہے وہی حکم بدوصلاح کے بعد بھی ہے؛ البتہ حنفیہ میں سے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا حجم مکمل ہوجائے، بیع کے بعد اس کے حجم میں اضافہ نہ ہو، تو اس صورت میں چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بھی بیع درست ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں بدوصلاح سے قبل بیع سے منع کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بدوصلاح کے بعد ہر صورت میں بیع درست ہے، اگر کسی صورت کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو بلا دلیل حدیث کے اطلاق کو مقید اور اس کے عام کو خاص کرنا ہوگا، بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: "**عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع**" (بخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحہا ۱/ ۲۹۲)۔

دوسری روایت بخاری ہی میں حضرت انس بن مالکؓ کی ہے: "**عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ نهى أن تباع ثمرة النخل حتى تزهو**" (ایضا)۔

تیسری روایت بخاری شریف ہی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ہے: "**عن جابر بن عبد الله قال: نهى النبى ﷺ أن تباع الثمرة حتى تشقح**" (ایضا)۔

حنفیہ کی دلیل:

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ بدوصلاح کے بعد بھی پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اور مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا عقد کو فاسد کردیتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "**فإن بدا صلاحها بمعنى أنها أمنت من الآفات قبل النضج، جاز هذا الشرط عند المالكية والشافعية والحنابلة، لأن النبي ﷺ إنما نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، ومفهومه أنه يجوز بعد بدو صلاحها، ولا يجوز هذا الشرط فى ظاهر قول الحنفية، لأن هذا الشرط ينافى مقتضى العقد، فيفسد العقد، غير أنه روى عن الإمام محمد رحمه الله أنه يجوز إذا تناهى عظم الثمرة، وعلله ابن الهمام رحمه الله بالإستحسان بالتعامل، لأنهم تعارفوا التعامل كذلك فيما تناهى عظمه، فهو شرط يقتضيه العقد**" (فقہ البیوع ۱/ ۳۳۱)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب:

جہاں تک بخاری شریف کی مذکورہ روایات کا تعلق ہے جن سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ روایت میں بدو صلاح سے قبل کی قید اتفاقی اور واقعی ہے، احترازی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس وقت عام طور سے بدو صلاح سے قبل بیع ہوا کرتی تھی اور جھگڑے بھی ہوا کرتے تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے یہ قید لگائی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ روایات میں صرف بدو صلاح سے قبل بیع کی ممانعت کی گئی ہے، بدو صلاح کے بعد بیع کا کیا حکم ہے؟ روایات میں مذکور نہیں ہے، اور ہمارے نزدیک نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے، لہذا بدو صلاح کے بعد بیع کا کیا حکم ہے؟ اس کو مذکورہ روایات سے طے نہیں کر سکتے؛ بلکہ دوسرے اصول سے طے کرنا ہوگا، ہم دیکھتے ہیں کہ بدو صلاح سے قبل بیع بشرط الترک کے ناجائز ہونے کی جو علت ہے یعنی مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا وہی علت بدو صلاح کے بعد بشرط الترک میں پائی جا رہی ہے، لہذا اس اصول کے تحت یہ صورت بھی ناجائز ہوگی۔

البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ پھل تیار ہو جانے اور حجم مکمل ہو جانے کے بعد عام طور سے پھلوں کی بیع ہوتی ہے، اور یہ عام رواج ہے، اس لئے اس صورت میں بیع بشرط الترک بھی جائز ہوگی، اسی عموم بلوی اور عرف عام کی وجہ سے امام طحاوی نے امام محمد کے قول کو اختیار کیا ہے، علامہ علاء الدین حصکفی نے ''درمختار'' میں ''البحر الرائق'' کے حوالہ سے امام محمد کے قول کو ''وبه يفتى'' کہا اور قہستانی عن المضمرات کے حوالہ سے ''على قولهما الفتوى'' نقل کر کے ''فتنبه'' کا لفظ استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ اس مسئلہ میں تصحیح میں اختلاف ہے، جس کی بنیاد پر مفتی کو یہ اختیار ہے کہ دونوں قولوں میں سے جس پر چاہے فتوی دے؛ لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا کہ چونکہ امام محمد کا قول استحسان پر مبنی ہے، اس لئے ترجیح امام محمد کے قول ہی کو حاصل ہوگی۔

''(وإن شرط تركها على الأشجار فسد) البيع كشرط القطع على البائع، حاوى(وقيل) قائله محمد(لا)يفسد(إذا تناهت) الثمرة للتعارف، فكان شرطا يقتضيه العقد (وبه يفتى) بحر عن الاسرار، لكن فى القهستانى عن المضمرات أنه على قولهما الفتوى، فتنبه'' (الدر المختار علی رد المحتار ۷/۸۶)۔

''قوله(وبه يفتى) قال فى الفتح:ويجوز عند محمد إستحسانا، وهو قول الأئمة الثلاثة، واختاره الطحاوى لعموم البلوى–قوله(فتنبه):أشار به إلى إختلاف التصحيح وتخيير المفتى بأيهما شاء، لكن حيث كان قول محمد هو الاستحسان يترجح على قولهما'' (رد المحتار ۶/۸۷)۔

حنفیہ کے نزدیک بیع بشرط الترک کے ناجائز ہونے پر غور:

خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کے نزدیک بیع خواہ بدوصلاح سے قبل ہو یا بدوصلاح کے بعد، اگر درختوں پر پھلوں کے چھوڑنے کی شرط کے ساتھ ہو، تو بہر دو صورت ناجائز ہے، لیکن امام محمد نے بدوصلاح کے بعد پھلوں کا حجم مکمل ہوجانے اور پھلوں کے تیار ہوجانے کے بعد بیع بشرط الترک کو مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کے باوجود عرف وعادت اور عموم بلوی کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے بیع بشرط الترک کو جو ناجائز قرار دیا ہے، وہ عرف وعادت اور عموم بلوی نہ ہونے کی صورت میں ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا مفضی الی النزاع ہوگا، اور عقد بیع کو فاسد کرنے کی علت یہی بیان کی گئی ہے، لیکن جب کسی معاملہ میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا عام اور عموم بلوی ہو تو اس صورت میں اس معاملہ میں نزاع باقی نہیں رہتا ہے، اور فساد عقد کی علت ختم ہوجاتی ہے۔

جیسا کہ کتب فقہ میں کتنے مسائل بیان کئے گئے ہیں جن میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کے باوجود عرف وعادت اور عموم بلوی کی وجہ سے ان کو جائز قرار دیا گیا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے جوتا اس شرط کے ساتھ خریدے کہ بائع اس میں نعل یا تسمہ لگادے، یا ٹوپی اس شرط کے ساتھ خریدے کہ بائع اس میں استر لگادے، یا پھٹا ہوا موزہ اس شرط کے ساتھ خریدے کہ بائع اس کو سل دے، تو ان تمام صورتوں میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانے کے باوجود عرف وعادت کی وجہ سے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے......اس زمانہ میں یہ معاملہ عام ہے کہ خریدار فریج، واشنگ مشین وغیرہ خریدتے ہیں اور فروخت کرنے والے یہ آفر دیتے ہیں کہ ایک سال تک مفت سرویسنگ کی جائے گی- ظاہری بات ہے کہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے، پھر بھی عرف اور عموم بلوی کی وجہ سے یہ جائز ہے۔

لہذا اگر یہ کہا جائے کہ شیخین کے نزدیک بھی اگر بیع بشرط الترک کا عام رواج اور عموم بلوی ہو تو مقتضائے عقد کے خلاف شرط باعث نزاع نہیں ہوگی، اور فساد عقد کی علت نہ رہنے کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا جائے گا، اور باتفاق ائمہ اربعہ بدوصلاح کے بعد تمام صورتوں میں بیع جائز و درست ہوگی؛ بلکہ بدوصلاح سے قبل بھی جبکہ بیع بشرط الترک کا عام رواج ہو تو حنفیہ کے نزدیک پھلوں کی بیع جب کہ وہ قابل انتفاع ہوں تمام صورتوں میں جائز و درست ہوگی۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: ''**ولکنه متعارف، کما إذا اشتری نعلا وشراکا علی أن یحذوہ البائع، جاز البیع إستحسانا، کذا فی المحیط، وإن اشتری صرما علی أن یخرز البائع له خفا أو قلنسوۃ بشرط أن یبطن له البائع من عندہ، فالبیع بهذا الشرط جائز للتعامل، کذا فی التاتارخانیة، وکذا لو اشتری**

خفا به خرق على أن يخرز البائع أو ثوبا من خلقانى وبه خرق على أن يخيطه ويجعل عليه الرقعة، كذا فى محيط السرخسى"(الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۳۵)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب"فقہ البیوع"میں لکھتے ہیں:"لكن ذكر إبن الهمام أن محمدًا إنما فرق بين ماتناهى عظمه ومالم يتناه أن التعامل إنما جرى بشرط الترك فى المتناهى، ولم يجر فيما لم يتناه عظمه، وإلا فهما سواء فى كون الشرط لا يقتضيه العقد، وهذا يقتضى أنه لو جرى العرف والتعامل فى غير المتناهى جاز أيضا، لأن العرف الحادث معتبر فى كون الشرط جائزا، كما قال ابن عابدين فى مبحث الشرط الفاسد، وعلى هذا فرع الإمام التهانوىؒ أنه إذا جرى العرف بإشتراط الترك على الأشجار، جاز هذا الشرط للعرف، وكذلك أفتى شيخنا المفتى رشيد احمدؒ فى فتاواه"(فقہ البیوع ۱/ ۳۳۲)۔

ایک اشکال:

البتہ اس پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب عرف وعادت اور عموم بلوی کی وجہ سے پھلوں کی بیع بشرط الترک بھی جائز ہے تو پھر بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع سے ممانعت والی روایات بے معنی ہوکر رہ جائیں گی، ان کا کوئی محمل نہیں رہ جائے گا، اور یہ نص کا ترک ہے، اور اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے کہ عرف وعادت کی وجہ سے نص میں تخصیص جائز ہے لیکن اس کا ترک جائز نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی"شرح عقود رسم المفتی"میں لکھتے ہیں:"والحاصل أن العرف العام لا يعتبر، إذا لزم منه ترك المنصوص، وإنما يعتبر إذا لزم منه تخصيص النص، والعرف الخاص لايعتبر فى الموضعين"(شرح عقود رسم المفتی: العرف العام والخاص واعتبارہما:۲۲۹)۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت والی روایات مشورہ پر محمول ہیں، یعنی صحابہ کرام بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کرتے تھے، اور جب پھل کو نقصان ہوجاتا تو وہ آپس میں جھگڑنے لگتے، اس کی شکایت حضور ﷺ کے پاس آنے لگی، تو آپ نے مشورۃً یہ فرمایا کہ بدوصلاح سے قبل بیع نہ کیا کرو، کہ یہ باعث فتنہ وفساد ہے، بدوصلاح کے بعد عام طور سے پھل سماوی آفتوں سے محفوظ ہوجاتے ہیں؛ اس لئے اس میں جھگڑے کا امکان کم رہتا ہے، گویا کہ یہ ممانعت فتنہ وفساد کی وجہ سے مشورۃً ہے، لہذا اگر کسی وجہ سے فتنہ وفساد کا امکان ختم ہوجائے تو پھر ممانعت باقی نہیں رہے گی، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس صورت میں نص کا ترک لازم آرہا ہے۔

اس کی تائید بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہوتی ہے:"عن زيد بن ثابتؓ قال: كان الناس فى

عهد رسول الله ﷺ يتبايعون الثمار، فإذا جدّ الناس وحضر تقاضيهم، قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات يحتجون بها، فقال رسول الله ﷺ لماكثرت عنده الخصومة فى ذلک: فأما لا، فلا تبتاعوا حتى يبدوصلاح الثمر كالمشورة، يشير بها لكثرة خصومتهم"(بخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحہا۱/۲۹۲)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:"ويشكل على هذا أن البيع بشرط القطع جائز بالإجماع، وبدون أى شرط جائز عند الحنفية، فلو جاز بشرط الترک أيضا على أساس العرف، لما بقى محمل للحديث الذى ورد فيه النهى عن بيع الثمرة حتى يبدوصلاحها، وقد تقرر أن العرف يصلح مخصصا للنص، ولا يصلح ناسخا، ويمكن أن يجاب عنه بأن أحاديث النهى عن بيع الثمرة قبل بدوصلاحها معللة بكونه مفضيا إلى النزاع، فحيث ارتفع إحتمال النزاع بسبب العرف والتعامل؛ إرتفعت العلة المانعة"(فقہ البیوع ۱/۳۳۲)۔

درختوں کا اجارہ:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہے کہ عرف وعادت اور عموم بلوی کی وجہ سے پھلوں کی بیع بشرط الترک بھی جائز ہے، لہذا اب اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ خریدار پھلوں کو خرید لے اور پھلوں کے پکنے تک کے لئے ان کے درختوں کو اجارہ پر لے لے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

البتہ اگر کہیں پر پھلوں کی بیع بشرط الترک کا عرف اور عموم بلوی نہ ہو تو وہاں پر اس بحث کی ضرورت پڑے گی، فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ اس طرح پھلوں کے پکنے تک صرف درختوں کو اجارہ پر لینا شرعاً صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اجارہ سرے سے جائز ہی نہ ہو، لیکن شریعت نے جہاں تعامل ناس ہو وہاں ضرورتاً اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، اور صرف درختوں کو اجارہ پر لینے کا کوئی تعامل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ درختوں کو کپڑا خشک کرنے کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے؛ البتہ اس کے علاوہ جواز کے کچھ حیلے ہیں جن کو میں نے اوپر ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ پھلوں کو خرید لے اور باغات کے ساتھ متعینہ مدت تک کے لئے مساقات کا معاملہ کرلے، اور کوئی مناسب حصہ بائع کے لئے طے کرلے۔

''فتاوی شامی'' میں ہے:"وإن استأجر الشجر إلى وقت الإدراک بطلت الإجارة......والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزءاً من ألف جزء"(الدر المختار علی رد المحتار ۷/۸۹)۔

"قوله (بطلت الإجارة) وإن عين المدة، در منتقى، فإن أصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل، ولا تعامل فى إجارة الأشجار المجردة، فلا

يجوز، وكذا لو استأجر أشجارا ليجفف عليها ثيابه لم يجز، ذكره الكرخي، فتح......قوله(معاملة) أى مساقاة لمدة معلومة كما فى القنية"(ردالمحتار، کتاب البیوع ۸۸/۷)۔

بدوصلاح سے مراد:

احادیث نبویہ میں بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے، اور کتب فقہ میں بھی بدوصلاح سے قبل اور بدوصلاح کے بعد پھلوں کی بیع کے احکام مذکور ہوئے ہیں۔

اب اس ذیل میں یہ بحث آتی ہے کہ بدوصلاح سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف بھی ہے؟

بدوصلاح کے مراد کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ کے درمیان قدرے اختلاف معلوم ہوتا ہے، ائمہ ثلاثہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ جن پھلوں کا رنگ بدلتا رہتا ہے، ان کا رنگ بدلنے کے بعد یہ سمجھا جائے گا کہ بدوصلاح ہوگیا، مثلاً ان پھلوں میں سرخی، زردی یا سیاہی آ جائے، جیسے کچی کھجور جب تک کہ وہ ہری رہے، اور آلو بخارا وغیرہ، اور جن پھلوں کا رنگ نہیں بدلتا ہے ان میں بدوصلاح یہ ہے کہ ان میں مٹھاس آنے لگے اور ان کا رنگ زرد ہونے لگے، اور غلہ میں یہ ہے کہ ان میں ٹھوس پن آ جائے۔

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل اس حالت میں ہوجائیں کہ وہ بیماری اور سماوی آفتوں سے محفوظ ہوجائیں۔

ردالمحتار میں ہے:"**لكن بدوالصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد، وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدوالحلاوة**"(ردالمحتار، کتاب البیوع ۸۵/۷)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:"**وبدوالصلاح أو الإزهاء فى المشهور عند الجمهور:هو ظهور الحمرة أو الصفرة فى ثمر النخل، وظهور الماء الحلو، واللين، والإصفرار فى ثمرة الكرم، وفيما عدا ذلک أن يبدو النضج، أى أن العبرة فيما يتلون: هو أن يأخذ فى الحمرة أو السواد أو الصفرة، كالبلح والعناب والمشمش والإجاص، وفيما لا يتلون: العبرة بظهور مبادئ النضج والحلاوة بأن يتموه (أى يبدوفيه الماء الحلو) ويلين ويصفر لونه، وفى الحبوب والزروع يعتبر إشتدادها، والدليل على هذا أن النبي ﷺ (نهى عن بيع الثمر حتى يطيب) ونهى أيضا عن بيع الثمار حتى تزهو، قيل: وما زهوها؟قال: تحمر وتصفر، ونهى عن بيع العنب حتى يسود، وقال الحنفية:بدوالصلاح أن تؤمن العاهة والفساد**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۶۰/۴)۔

اگر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ کے درمیان بدوصلاح کی مراد کے سلسلہ میں جو اختلاف ہے وہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بلکہ ظاہری اور لفظی اختلاف ہے؛ اس لئے کہ جب حنفیہ کی تعریف کے مطابق پھل سماوی آفت اور بیماری لگنے سے محفوظ ہوجائیں گے، تو یقیناً ان میں ٹھوس پن آجائے گا، اور ان میں مٹھاس آنے لگے گی، اور ائمہ ثلاثہ کی تعریف کے مطابق جب پھلوں میں مٹھاس آنے لگے، تو یقیناً اس وقت سماوی آفتوں اور بیماریوں سے محفوظ ہوجائیں گے تو حقیقت میں یہ اختلاف باقی کہاں رہا؟

لہذا سب کا خلاصہ یہی ہے کہ پھلوں میں ٹھوس پن اور مٹھاس آنے لگے اور وہ سماوی آفتوں اور بیماری لگنے سے محفوظ ہوجائیں تو یہ سمجھا جائے گا کہ بدوصلاح ہوگیا۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی☆

اسلام ایک ایسا سورج ہے، جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے بھر پور روشنی موجود ہے، عبادت، اخلاق، معاملات، تجارت، صنعت وحرفت، سیاست وحکم رانی، الغرض تمام امورحیات کے لیے قرآن کریم، احادیث رسول اللہ ﷺ ودیگر ثانوی مصادرِ شریعت میں خاطر خواہ رہنمائی موجود ہے۔ اللہ تعالی اہل ایمان کو ''**وابتغوا من فضل الله**'' (الجمعہ :۱۰) کے ذریعے کسبِ حلال پرآمادہ فرماتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے غلط اور باطل طریقہ کو اختیار کرنے سے منع فرماتے ہیں؛ ''**لاتاكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم**'' (النساء:۲۹) (تم آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقے سے مت کھاؤ؛ مگر یہ کہ تجارت ہو آپسی رضامندی سے) محض آپسی رضامندی بھی کافی نہیں ہے؛ بلکہ ایسے تمام معاملات سے بھی ممانعت کی گئی جن میں نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ ہو؛ لہذا جس طرح سے باطل معاملات کی ممانعت کی گئی، اسی طرح نزاع کا سبب یا دیگر منفی امور کی وجہ سے بہت سے معاملات کی ممانعت کی گئی۔ استعمال کے لائق ہونے اور پختگی ظاہر ہونے اور نمودار ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کرنا بھی ان ممنوع معاملات میں شامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: ''**نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع**'' (بخاری: ۲۱۹۴، مسلم: ۱۵۳۴، ابوداؤد: ۳۳۶۷، نسائی ۷/ ۲۶۲، ابن ماجہ: ۲۲۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۹۱) (یعنی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے، آپ نے خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو منع فرمایا)، اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''**نهى عن بيع النخل حتى يزهو وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة**'' (رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کی فصل کی بیع سے منع فرمایا؛ جب تک کہ ان پر سرخی نہ آجائے، اور کھیت کی بالیوں کو سفید ہونے اور تباہی کے خطرہ سے محفوظ ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''**إن رسول الله ﷺ عن بيع الثمارحتى تزهي قيل: يارسول الله ﷺ! وما تزهي؟ قال: حتى تحمر، وقال رسو ل الله ﷺ: أرأيت إن منع الله الثمرة فبم يأخد أحدكم مال**

☆ دارالافتاء مدرسہ بدرالاسلام ایم اختر روڈ، مونگیری گنج، بیگوسرائے بہار۔

أخیه؟"(سنن نسائی:۴۵۳۰، بخاری:۲۲۰۸، مسلم، مساقات:۱۵، ۱۶)(یعنی رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا؛ تا آں کہ ان پر رونق آجائے۔دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! رونق آنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سرخ ہوجائیں (پکنے کے قریب ہوجائیں اور کسی قسم کی آفت کا احتمال نہ رہے)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ اگر اللہ تعالی پھل عطا نہ فرمائے (بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہوجائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں خریدنے والے اپنے بھائی سے رقم وصول کرے گا؟ (ہاں فوراً پھل کاٹ لینا ہو تو رقم لے سکتا ہے)۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے:"**نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة**"(صحیح مسلم رقم:۳۹۹۴)(یعنی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا زمین کو غیر مشروع طور پر کرایہ پر لینے سے اور چند سالوں کے لیے اسے فروخت کرنے سے، اور کھجور کو فروخت کرنے سے یہاں تک کہ وہ پکنے کے قریب ہوجائے، اور محاقلہ سے، مزابنہ سے اور معاومہ (یعنی کئی سالوں کے لیے پھلوں کی بیع) سے اور مخابرہ سے بھی منع فرمایا)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ بیع معاومۃ یا بیع سنین کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ درخت کے پھل کو دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ کے لیے فروخت کردیا جائے، اسی لیے اس کا نام معاومہ یا بیع سنین رکھا جاتا ہے، یہ بیع بالاجماع باطل ہے، اس سلسلہ میں ابن المنذر وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے ان احادیث کی وجہ سے، اور اس لیے بھی کہ یہ دھوکے کا معاملہ ہے، درحقیقت یہ معدوم چیز کی بیع ہے اور فی الحال اسے قدرت نہیں ہے کہ مشتری کے حوالہ کچھ کرسکے (شرح صحیح مسلم للنووی/۱۹۳)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:"**نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر**"(مسلم، رقم:۳۸۸۱)۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پھل کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا دھوکہ کی بیع ہے(الموطا۲/۶۱۸)۔

حکیم بن حزامؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ لوگوں کا آنا ہوتا ہے، جو مجھ سے ایسی چیز خریدنا چاہتے ہیں جو میرے پاس موجود نہیں ہے، کیا میں ان سے بیع کرلوں اور بازار سے لاکر اسے دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کی بیع مت کرو(ابوداؤد، رقم:۳۵۰۵، ترمذی:۱۲۳۲)۔

احادیث ممانعت کی روح:

مذکورہ احادیث میں مذکور احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیرخواہی کی جائے اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے، ان سے یہ بات بھی واضح ہے کہ شریعت کسی حال میں دھوکہ اور نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتی۔

جس طرح ہندوستان ودیگر علاقوں میں آم، لیچی، امرود، بیر وغیرہ کے باغوں کی فصل تیار ہونے سے بہت پہلے بھی فروخت کردی جاتی ہے، اسی طرح مدینہ منورہ اور دیگر عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور، انگور وغیرہ کی فصل کو پھل تیار ہونے سے پہلے انھیں فروخت کر دیا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی؛ کیوں کہ اس میں عام طور پر یہ خطرہ ہوتا ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے۔ مثلاً تیز آندھی یا آسمان سے گرنے والے اولے، یا برفیلی ہوائیں غلہ یا فصل کو ضائع کردیں، یا ان میں کوئی خرابی یا بیماری پیدا ہوجائے تو خریدنے والے کو اس صورت میں کافی نقصان ہوجائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہوجائے، بہرحال اس طرح کے معاملات میں یہ کھلے ہوئے خطرات اور مفاسد ہیں؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔

۱- حدیث میں جو بیع معاومہ سے منع کیا گیا ہے اس کا مصداق:

نیل الاوطار میں ہے: ”**والمعاومة : هی بیع الشجر أعواما كثيرة وهی مشتقة من العام كالمشاهرة من الشهر ۔وقيل هی اكتراء الارض سنين وكذلک بيع السنين وهو أن يبيع ثمر النخلة لأكثر من سنة فی عقد واحد وذلک لانه بيع غرر لكونه بيع مالم يوجد**“ (نیل الاوطار ۵/۱۹۶، طبع القدس قاہرہ ۲۰۱۲ م)۔

یعنی معاومہ کہتے ہیں درخت کو کئی سال کے لیے فروخت کر دینا۔ یہ ”عام“ سے مشتق ہے جس طرح مشاہرہ شہر سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین کو کئی سال کے لیے کرایہ پر دینے کو معاومہ کہتے ہیں۔ یہی معاملہ بیع سنین کا ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کھجور کے پھل کو ایک ہی عقد میں ایک سال سے زائد کے لیے فروخت کر دیا جائے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دھوکہ کی بیع ہے اور اس چیز کو فروخت کرنا ہے جس کا ابھی وجود ہی نہیں ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات:

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: ”**وقد اختلف فی ذلک علی أقوال: الأول أنه باطل مطلقا، وهو قول ابن أبی ليلی والثوری وهو ظاهر كلام الهادی والقاسم وقال فی الفتح ووهم من نقل الاجماع فيه، الثانی أنه إذا شرط القطع لم تبطل وإلا بطل وهو قول الشافعی وأحمد ورواية عن مالک ۔ونسبه الحافظ إلی الجمهور ۔وحكاه فی البحر عن المؤيد بالله، الثالث أنه يصح ان لم يشترط التبقية وهو قول أكثر الحنفية، قالوا والنهی محمول علی بيع الثمار قبل أن توجد أصلا، وحكی صاحب البحر الإجماع علی عدم جواز بيع الثمر قبل خروجه، وحكی ايضا الاتفاق علی عدم جواز بيعه قبل صلاحه بشرط البقاء**“ (نیل الاوطار ۵/۱۹۶)۔

یعنی بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی خرید وفرخت کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ مندرجہ ذیل ہے: (۱) ابن ابی لیلی اور سفیان ثوری کے نزدیک یہ بیع باطل ہے۔ یہی ہادی اور قاسم کے کلام سے مترشح ہوتا ہے، اور فتح الباری میں ہے کہ اس سلسلہ میں جنھوں نے اجماع نقل کیا وہ ان کی غلطی ہے۔ (۲) اگر پھلوں کے توڑنے کی شرط لگائی تو بیع باطل نہ ہوگی ورنہ باطل ہوجائے گی۔ یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول اور امام مالک کی ایک روایت ہے، حافظ نے اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ (۳) یہ بیع درست ہے اگر درخت پر پھلوں کے چھوڑنے کی شرط نہ لگائے، یہ اکثر حنفیہ کا قول ہے، اور حنفیہ کے نزدیک نہی کا تعلق اصلاً پھلوں کے ظاہر ہونے سے ہے۔

مذکورہ مفہوم کی عکاسی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے جسے علامہ زرقانی نے شرح الموطا میں تحریر فرمایا ہے:

''**فإن بدا الصلاح جاز وبه قال الجمهور،وصحح الحنفی البیع حالة الاطلاق قبل بدو الصلاح وبعده وأبطل شرط الإبقاء قبله وبعده، وبدو الصلاح فی بعض حائط کاف فی بیع جمیعه وفی بیع ماجاوره لا ما بعد عنه علی المشهور ۔وإنما یکفی بدو صلاح بعضه ...ویجوز البیع قبل الصلاح بشرط القطع إذا کان المقطوع منتفعا به کالحصرم إجماعا**'' (الزرقانی ۳/ ۳۹۲)۔

مذکورہ تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ درخت پر پھلوں کی بیع کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ پھلوں کے نکلنے سے قبل ہی اس کو بیچ دیا جائے، یہ جائز نہیں، اس سے متعلق ممانعت کی صحیح اور صریح روایات موجود ہیں۔ حدیث میں اسی کو ''بیع معاومہ'' یا ''بیع سنین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس صورت کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا؛ اس لیے کہ احناف کے یہاں یہ ضروری ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو، یہاں ایسا نہیں ہوتا، دوسری بنیاد یہ ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت مقرر ہو، یہاں نہ تو پھل کی مقدار متعین ہے نہ مدت مقرر ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا؟

(۲) پھل نکل آیا لیکن قابل استعمال نہ ہو، ایسے پھل کو اگر اس شرط پر خریدا جائے کہ خریدار اسے فوراً توڑ لے گا، تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے۔ ''**أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالإجماع**'' (المغنی ۴/ ۷۲)۔ ابن قدامہ مزید کہتے ہیں: تاہم اگر خرید وفروخت کا معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی تیار ہونے تک درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں (المغنی ۴/ ۷۲)۔

علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: ''**فان کا ن ذلک باذن البائع جاز ،وطاب له الفضل**'' (تحفۃ الفقہاء، ص ۵۶)۔

(۳) اسی طرح پھل تیار ہونے سے پہلے ہی خرید کرلیا اور خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت یہ طے نہ پایا کہ پھل ابھی توڑے گا یا اسے تیار ہونے تک باقی رکھے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ درست ہوجائے گا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہ ہوگا۔ احناف نے اگرچہ اس کو جائز رکھا؛ لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار پھل توڑلے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے: ''**علی المشتری قطعها فی الحال إذا باع مطلقا وبشرط القطع**'' (عالمگیری ۱۰۹/۳)۔

(۴) اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پاجائے کہ مالک پھل درخت پر رہنے دے گا؛ تا آں کہ پھل پک نہ جائے، تو ائمہ ثلاثہ کے ہاں تو بیع فاسد ہوگی ہی، امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی درست نہ ہوگی؛ کیونکہ خرید وفروخت کے معاملہ میں خریدار نے ایک ایسی شرط لگادی ہے جس میں اس کے لیے منفعت ہے، اور ایسی شرط سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

(۵) کچھ پھل نکل آئے اور کچھ نہیں نکلے؛ بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو۔ اب مالک باغ تمام پھلوں کو بیچنا ہے، ان کو بھی جو نکل آئے، اور ان کو بھی جو نہیں نکلے تو امام مالک کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ ''**وإذا باع الثمرة الظاهرة ومایظهر بعد ذلک لم یصح البیع عند أبی حنیفة والشافعی وأحمد وقال مالک یجوز**'' (فتح القدیر ۴۹۰/۵)۔

(۶) اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے دیگر پھل قابل استعمال نہیں ہوئے تو امام احمدؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اس کی بیع درست نہیں ہے؛ البتہ امام مالکؒ نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں۔ احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ ان پھلوں کی فروخت درست نہ ہوگی جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں، یہی فقہائے احناف کے یہاں ظاہر روایت ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: اگر بائع نے یہ شرط لگائی کہ وہ خریدنے کے بعد پھلوں کو درخت پر چھوڑ دے گا تو بیع فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح اس صورت میں بھی بیع فاسد ہوگی جب کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع کی ہو، اور امام محمد نے فرمایا کہ بیع فاسد نہیں ہوگی اگر پھلوں کی پختگی مکمل ہوگئی ہو، عرف کی وجہ سے، گویا کہ وہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضہ خود یہ عقد کررہا ہے؛ چونکہ امام محمد کا قول استحسان ہے؛ اس لیے وہ شیخین کے قول پر راجح قرار پائے گا۔ ''ترک'' کی قید سے مقید کیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس نے بغیر کسی شرط کے بیع کی اور پھر بائع کی اجازت سے پھلوں کو درخت پر چھوڑ دیا، تو اس درمیان پھلوں میں جو زیادتی ہوگی اس کا استعمال خریدار کے لیے درست ہوگا؛ اور اگر بغیر اجازت کے پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھا، تو اس صورت میں جو کچھ زیادتی ہوگی اسے صدقہ کردے، اور اگر ایسا پھلوں کی جسامت مکمل کے بعد ہوا تو کچھ بھی صدقہ

کرنے کی ضرورت نہیں ہے،اور اگر پھلوں کے پکنے کے وقت تک کے لیے خریدار نے درخت کو کرایہ پر لے لیا،تو یہ اجارہ باطل ہوگا؛لیکن اس درمیان پھلوں کی جو کچھ زیادتی ہوگی اس کا استعمال خریدار کے لیے درست ہوگا؛اس لیے کہ اصل اجازت برقرار ہے۔

علامہ محمد بن اسماعیل الصنعانی سبل السلام شرح ادلۃ الاحکام میں فرماتے ہیں کہ: مذکورہ احادیث پھلوں کی پختگی سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت پر دلیل ہیں۔اور اگر کوئی پھلوں کو ان کے نکلنے سے پہلے ہی فروخت کردے تو بالا جماع یہ ناجائز ہے؛اس لیے کہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے۔اسی طرح پھل آنے کے بعد لیکن ان کی پختگی سے پہلے بیع کرنا بھی ناجائز ہے؛لیکن مصنف (علامہ ابن حجر عسقلانی) نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حنفیہ نے پختگی سے قبل اور اس کے بعد بیع کی اجازت دی ہے؛البتہ شرط یہ لگایا ہے کہ خریدار فوراً پھل توڑ لے،اور اگر اسے درخت پر باقی رکھے گا تو یہ درست نہیں ہوگا۔پختگی ظاہر ہونے کے بعد فروخت کرتا ہے،تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر فوراً پھل توڑ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے،تو یہ بالا جماع درست ہے،اور اگر اس کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرے تو یہ بیع فاسد ہوگی،اگر مدت معلوم نہ ہو۔اگر مدت معلوم ہو تو درست ہوگی ہادویہ کے نزدیک۔اگر مطلق بات ہو تو ہادویہ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع درست ہوگی؛اس لیے کہ جو معاملات فساد اور صحت کے درمیان دائر ہوں انھیں درست مانا جاتا ہے؛"**إذا لادائر بين الصحة والفساد يحمل على الصحة إذ هي الظاهر**" (سبل السلام شرح بلوغ المرام ۳/ ۶۲)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :"**لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک ولافي جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به قد حكى الاجماع على هذا جماعة من أهل العلم**" (فتح القدیر ۶/ ۲۸۷)،کہ ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کے فروخت کرنے کی ممانعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح ظاہر ہونے کے بعد پختگی سے پہلے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ ممانعت میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح پھلوں کی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے اگر اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو تو فوری طور پر پھلوں کے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس پر اہل علم کی ایک جماعت نے اجماع نقل کیا گیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں:" **أن يبيعها قبل بدو صلاحها بشرط القطع في الحال فيصح بالاجماع ؛ لأن المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى أنس ...وهذا مأمون فيما يقطع فصح بيعه كما لو بدا صلاحه وايضا كما لو باع الثمر قبل نضوجه منفردا**

(کأن یبیعه فی السوق)وقبل المشتری علی هذه الحالة" (المغنی لابن قدامہ ۲۱۸/۴) کہ پھلوں کی بیع پختگی ظاہر ہونے سے پہلے فوراً کاٹنے کی شرط پر بالا جماع درست ہے؛اس لیے کہ ممانعت پھلوں کے ضیاع کے اندیشہ اور آفت کی زد میں آنے کے امکان کی وجہ سے تھی،جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے؛لیکن اگر فوری طور پر پھلوں کو توڑ لیا جائے تو اس میں بالکل اطمینان ہے؛لہذا اس کی بیع بھی درست ہے۔جیسا کہ پختگی ظاہر ہونے کے بعد بیع درست ہے،یہ اجازت ایسی ہی ہے جیسا کہ پکنے سے پہلے پھل کو درخت سے الگ کر کے بازار میں فروخت کر دیا جائے اور اسی حالت پر خریدار خرید لے۔

مجمع الانہر میں ہے:" محل الخلاف البیع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا ای بلا شرط القطع ولا بشرط الترک فعند الائمة الثلاثة لایجوز وعندنا یجوز ولکن اختلفوا إذا کا ن غیر منتفع به الآن أکلا وعلفا للدواب فقیل بعدم الجواز ونسبه قاضی خان لعامة مشایخنا والصحیح الجواز کما فی البحر" (مجمع الأنہر ۱۲۸/۵)۔

یعنی اختلاف کا محل یہ ہے کہ پھل ظاہر ہو چکے ہوں،لیکن ان میں پختگی نہ آئی ہو اور انھیں بلا کسی شرط کے فرخت کر دیا جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہوگا۔ایک دوسرا اختلاف یہ بھی درپیش ہوا کہ اگر فوری طور پر وہ پھل ناقابل استفادہ ہو،نہ انسان اسے کھا سکتا ہو نہ اسے جانوروں کا چارہ بنایا جا سکتا ہو،تو اس سلسلہ میں ایک قول عدم جواز کا ہے،اور اس کی نسبت قاضی خاں نے عام مشائخ کی طرف کی ہے؛لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے،جیسا کہ "بحر" میں ہے۔

شیخ خلیل بن اسحاق مالکی لکھتے ہیں :"وصح بیع ثمر ونحوه بدا صلاحه إن لم یستتر وقبله مع أصله والحق به أو علی قطعه إن نفع واضطر له ولم یتمالأ علیه لا علی التبقیة أوالاطلاق،وبدوه فی بعض حائط کاف فی جنسه إن لم تبکر لا بطن ثان بأول وهو الزهو وظهور الحلاوة والتهیؤ للنضج" (مختصر خلیل فی فقہ الامام مالک للشیخ خلیل بن اسحاق المالکی (م ۷۶۷ھ) ص ۱۹۵،طبع القاہرۃ)۔

اگر پھل درخت پر ظاہر نہیں ہوئے اور نہ ہی ابھی پھول لگے ہیں۔اس وقت اسی سال کے لیے یا آئندہ کئی سالوں کے لیے بیع اور خرید وفروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔اس کی جائز صورتیں مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں:

(۱) درختوں پر پھل یا پھول آنے سے پہلے معاملہ کی جائز صورت یہ ہے کہ مالک پہلے باغ کو متعین حصے پر بٹائی (مساقات) پر دے دے۔مثلا پیداوار کا ہزارواں حصہ مالک کا اور باقی بٹائی پر لینے والے کے۔پھر اس معاملہ کے بعد الگ سے دوسرا معاملہ طے کرے اور باغ کی زمین اسی شخص کو ٹھیکے (کرایہ) پر دے دے،اور ٹھیکہ (اجرت) طے کر لیں۔اس کے

بعد مالک اپنا ہزارواں حصہ مستاجر کے لیے مباح کردے یعنی اسے معاف کردے؛لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے مساقاۃ کا معاملہ طے کرلیں،اوراس کے بعد کرایہ کا۔اس کے برعکس کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی جائز صورتیں یہ ہوسکتی ہیں: (الف) ظاہر ہو چکا ہو اور قابل انتفاع بھی ہو، یعنی ایسی حالت میں ہو کہ انسان کے یا جانوروں کے لیے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، یا پھل بڑا ہو چکا ہو اور آفات سے محفوظ ہو چکا ہو۔ان دونوں صورتوں کے حکم کی دو صورتیں ہیں: (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار اس حالت میں پھل کو خرید لے،اور فروخت کنندہ یہ شرط لگائے کہ پھل کو ابھی درخت سے کاٹ لو اور درختوں پر رہنے کی اجازت نہ دے، یہ صورت جائز ہے۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شرط نہ ہو، نہ درخت پر پھل رکھنے کی نہ فوراً کاٹنے کی، بلکہ شرط کے بغیر بیع کی جائے، اور فروخت کنندہ کو یہ اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے خریدار کو اس بات پر مجبور کرسکتا ہے کہ وہ اپنا پھل درختوں سے کاٹ لے، (دارالافتاء برائے مالی وتجارتی امور، جامعۃ الرشید کراچی)(www.scsguide.com)۔

کیا درخت کو کرایہ پر لیا جاسکتا ہے؟

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: چوں کہ پھل دار درخت کا اجارہ تعامل سے ثابت ہے اور درخت کو خرید لینے میں بڑی دشواری ہے اس لیے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔"**لایخفی ما فی هذا من عسر فانه یستدعی شراء مالا حاجة إلیه أو ما لا یقدر علی ثمنه وقد لا یوافقه البائع علی بیع الأشجار فالأول (الاجارة) أولی**" (فتح القدیر ۹۰/۵)، یعنی اس میں جو دشواری لاحق ہوتی ہے وہ مخفی نہیں؛اس لیے کہ اس کا تقاضہ ہے کہ اس چیز کی خریداری کی جائے جس کی خریدار کو ضرورت نہیں ہے، یا کم از کم اس کی قیمت ادا کرنے پر وہ قادر نہیں ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالک اس درخت کے فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا؛اس لیے پہلی صورت یعنی اجارہ کا معاملہ زیادہ بہتر ہے۔

درخت کو کرایہ پر لینے کا قول حنابلہ میں سے حضرت حرب کرمانی اور حضرت ابوالوفاء بن عقیل کا مذہب ہے اور امام ابن تیمیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ان دونوں نے سعید بن منصور کی روایت سے استدلال کیا ہے، جس کو حضرت حرب کرمانی نے ان سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ہم سے عباد بن عباد نے ان سے ہشام بن عروہ نے ان سے ان کے والد نے بیان کیا: اسید بن حضیر فوت ہوئے اور ان پر چھ ہزار درہم کا قرضہ تھا تو حضرت عمر نے ان کے قرض داروں کو بلایا اور ان کی زمین ان سے کئی سالوں کے لیے قبول کروائی؛ حالانکہ اس زمین میں کھجور کے درخت اور دیگر قسم کے درخت موجود تھے۔اور یہ زمین کاشتکاری کے لیے کرایہ پر دینے اور دودھ والی کا اجرت پر دودھ پلانے جیسے مسائل کے زمرے میں آتا ہے۔

یہاں پر کرایہ دینا اس لیے جائز ہوا، حالانکہ کرایہ کا معاملہ تو منفعت سے متعلق ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ فائدہ جو اصل

چیز کے باقی رہتے ہوئے حاصل ہوا گرچہ عین ہو (جیسے درخت یا دودھ پلانے والی کا دودھ یا چوپایوں کی اون) لیکن یہ عین بھی منفعت کے حکم میں ہے اس لحاظ سے کہ یہ استعمال کرنے سے ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ اللہ تعالی کی تخلیق سے پیدا ہوتی رہتی ہے، اس بنا پر اور سوال کی صورت کو مدنظر رکھتے ہوئے پھل والے درختوں کے مالک اور دیگر دوسرے درختوں کے مالکان کے لیے لوگوں کی مجبوری کے پیش نظر اس قول پر عمل کرنا جائز ہے۔ وہ درخت کو کرایہ پر دے سکتے ہیں، جو اس کی آبپاشی کرے اور اس کی پیوندکاری کرے اور اس کو نقصان سے بچائے اور اپنی محنت اور آبپاشی کے ذریعے اس سے پھل نکالے؛ لیکن مدت متعین ہونی چاہیے اور کرایہ بھی متعین ہونا چاہیے۔ اس صورت میں یہ عمل اس حکم میں شامل نہ ہوگا جس میں آپ ﷺ نے پختگی کے ظاہر ہونے سے پہلے پھل کو بیچنے سے منع فرمایا ہے (مصری دارالافتاء، نمبر: ۱۷۹۴)۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: موجودہ زمانہ میں پھلوں کی بیع کی مختلف شکلوں میں ضرورت کا درپیش ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق اور شام میں جہاں بہت زیادہ درخت اور پھل ہیں۔ لوگوں پر جہالت کے غلبہ کی وجہ سے انھیں جائز شکلوں میں سے کسی ایک کی پابندی کا مکلّف نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ بعض افراد کے لیے ہر چند جائز شکلوں کی پابندی ممکن ہے؛ لیکن عام لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اور انھیں مروجہ عرف و عادت سے الگ کرنا انھیں حرج و مشقت میں مبتلا کرنا ہے۔ اور یہ بھی لازم آئے گا کہ ان ممالک میں پھلوں کے کھانے کو ناجائز قرار دیا جائے، اس لیے کہ ان تمام علاقوں میں پھلوں کی خرید و فروخت ایسے ہی ہوتی ہے؛ جب کہ نبی کریم ﷺ نے ضرورت ہی کے پیش نظر بیع سلم کی اجازت دی ہے جب کہ درحقیقت سلم معدوم چیز کی بیع ہے۔ تو جس طرح سے سلم میں ضرورت کی وجہ سے جواز کا حکم دیا گیا تو یہاں بھی ضرورت کی وجہ سے اجازت دی جاسکتی ہے، سلم سے ملحق قرار دے کر، دلالت النص کے طریقہ پر؛ لہٰذا یہ اجازت نص سے متصادم نہیں ہوگی؛ اسی لیے مشائخ نے اسے استحسان قرار دیا؛ اس لیے کہ قیاس کا تقاضہ تو عدم جواز ہے۔ علامہ ابن ہمام کی تحریر سے یہ مترشح ہے کہ ان کا رجحان بھی جواز کی طرف ہے۔ سچائی یہ ہے کہ " ماضاق الامر الا اتسع "جب بھی کسی معاملہ میں تنگی درپیش ہوتی ہے تو گنجائش ضرور نکل آتی ہے، اور ایسی صورت حال میں ظاہر روایت سے عدول کی بھی گنجائش ہوتی ہے (ردالمحتار ۷ / ۸٦، ط زکریا)۔

پھل نکل آئے اور انسانی استعمال کے قابل بھی ہوگئے جس کو حدیث میں ''بدوصلاح'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بہر حال خرید و فروخت درست ہے، چاہے غیر مشروط خرید و فروخت ہو، یا فوراً توڑنے کی شرط ہو، یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی، نیز خریدار کو غیر مشروط معاملہ یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط کی صورت میں حق حاصل ہوگا کہ پھل کی تیاری تک پھل درخت پر رہنے دیا جائے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک

پھل کے درخت پر ایک عرصہ لگے رہنے کی شرط لگا دی جائے تو بیع درست نہ ہوگی، امام محمد نے اس کی تفصیل کی ہے کہ اگر پھل تیار ہو چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں ہے اور یہ شرط معتبر بھی ہوگی، اور اگر پھل تیار ہونے سے پہلے اس طرح کا معاملہ ہو تو درست نہ ہوگا۔ عموم بلوی کے تحت علامہ طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن نجیم و حصکفی وغیرہ کے بیان کے مطابق اسی پر فتوی بھی ہے۔

بدوّ صلاح سے مراد کیا ہے؟

حدیث میں ''یبدو'' کے الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پھلوں کا مکمل طور پر پکنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بعض پھلوں کا پک جانا بھی کافی ہے؛ اور کچھ درختوں کے پھل کا پکنا بھی کافی ہے، اس لیے کہ مقصد جو آفتوں سے محفوظ رہنا ہے، وہ حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالی کی یہ حکمت ہے کہ سارے پھل یکبارگی نہیں پکتے بلکہ آہستہ آہستہ پکتے ہیں؛ تاکہ ایک عرصہ تک لوگ اس کو کھائیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

''**والمراد ببدو الصلاح هو ظهور النضج والحلاوة فى الثمرة ونحو ذلک أو هو أمن العاهة والآفة التى تصيب الثمار وبالجملة أن تظهر فى الثمر صفة الطيب، قال الحافظ فى فتح البارى (۳۹۶/۴) :وقد جعل النهى ممتداً إلى غاية بدو الصلاح ،والمعنى فيه أن تؤمن فيها العاهة وتغلب السلامة فيثق المشترى بحصولها بخلاف ما قبل بدو الصلاح ،فانه بصدد الغرر**''، یعنی بدو صلاح سے مراد پھلوں میں اور اس جیسی چیزوں میں مٹھاس اور پکنے کا ظہور ہے، یا بدو صلاح سے مراد ضائع ہونے اور ان آفات اور بیماریوں سے محفوظ ہونا ہے، جو پھلوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پھلوں میں بہتری کی صفت ظاہر ہو جائے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ پھلوں کی بیع کی ممانعت ممتد ہے بدو صلاح ہونے تک۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پھلوں میں آفتوں کے لاحق ہونے سے اطمینان ہو جائے اور سلامتی کی صفت غالب آجائے کہ خریدار کو ان کے حصول کا اعتماد ہو جائے، برخلاف بدو صلاح سے قبل فروخت کرنے کے؛ اس لیے کہ اس میں دھوکہ اور نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔

''**حتى يبدو .قال النووى هو بمعنى يظهر.ان دليل الصلاح فى ثمر النخل الاحمرار أو الاصفرار ولو فى بعض الثمرة، فصلاح بعض الثمرة فى شجرة دليل على صلاحها جميعا، وينسحب هذا على سائر ذلک النوع فى البستان الواحد......أما غيره من الثمر فصلاحه أن يطيب كله ويظهر نضجه والصلاح فى الحب أن يشتد**'' (تیسیر العلام شرح عمدۃ الاحکام)، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یبدو کا مطلب ہے ظاہر ہونا۔ صلاح کی دلیل کھجور کے درخت میں سرخی اور زردی ہے؛ اگر چہ سرخی یا زردی بعض پھلوں میں ظاہر ہو، اس لیے کہ

ایک درخت کے بعض پھلوں کی پختگی تمام پھلوں کی پختگی کی علامت ہے۔۔اور یہی حکم اس باغ کے اس نوع کے تمام درختوں کے پھلوں پر لگے گا،اور دوسرے پھلوں میں صلاح کا ظاہر ہونا اس کا پکنے کے قریب ہونا ہے اور غلے کے دانوں میں صلاح یہ ہے کہ وہ سخت اور مضبوط ہو جائیں۔

نہی تحریم کے لیے نہیں بلکہ تنزیہ کے لیے ہے،علامہ صنعانی فرماتے ہیں: حدیث میں لفظ عاہۃ سے مراد یہ وہ آفات اور بیماریاں ہیں جو پھلوں کو درپیش ہوتی ہیں،اس کی وضاحت حضرت زید بن ثابتؓ کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے :فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے،اس سلسلے میں بیماریوں کے درپیش ہونے کی وجہ سے لوگوں میں اختلافات بھی ہوتے تھے۔بائع جب ثمن کا مطالبہ کرتا تو مشتری عذر کرتا کہ پھل تو بیماریوں کی زد میں آگئے۔۔۔جب اس طرح کے جھگڑے کے واقعات بہت زیادہ ہوگئے تو آقا ﷺ نے فرمایا: اگر تم لوگوں کا معاملہ ٹھیک ٹھاک نہیں رہتا ہے تو پھر پھلوں کی پختگی سے قبل انھیں فروخت مت کیا کرو۔گویا یہ حکم نزاع کو ختم کرنے کے لیے بطور مشورہ تھا ۔حضرت زید بن ثابت کا یہ جملہ کہ یہ حکم بطور مشورہ کے تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہی نہی تنزیہی ہے،تحریمی نہیں ہے ۔انھوں نے سیاق وسباق سے ایسا مفہوم اخذ کیا ورنہ نہی اصلاً تحریم کے لیے ہی ہوتی ہے (دیکھئے: سبل السلام شرح بلوغ المرام ۳/۶۲)۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: ”**واختلف السلف هل يكفى بدو الصلاح فى جنس الثمار حتى لو بدا الصلاح فى بستان من البلد جاز بيع جميع البساتين .أو لا بد من بدو الصلاح فى كل بستان على حدة أو لا بد من بدو الصلاح فى كل جنس على حدة، أو فى كل شجر على حدة على أقوال، والأول قول الليث وهو قول المالكية .بشرط أن يكون متلاحقا .والثانى قول أحمد والثالث قول الشافعية والرابع رواية عن أحمد**“۔

یعنی سلف کا اختلاف ہے کہ کیا بدو صلاح کے لیے پھلوں کی جنس میں سے ظاہر ہونا کافی ہے؛ یہاں تک کہ اگر شہر کے کسی باغ میں پھلوں میں پختگی ظاہر ہو جائے تو تمام باغات کے پھلوں کی بیع درست ہوگی، یا ایسا ہر باغ میں ہونا ضروری ہے یا ہر جنس میں یا ہر درخت میں بدو صلاح ضروری ہے؟ متعدد اقوال ہیں: پہلا لیث اور مالک کا قول ہے،دوسرا امام احمد کا قول ہے،تیسرا شافعیہ کا قول ہے،اور چوتھا امام احمد کی ایک روایت ہے۔

مندرجہ ذیل عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے:”**واختلف فى المراد ببدو الصلاح على ثلثة أقوال :**

الأول:أنه يكفى بدو الصلاح فى جنس الثمار بشرط أن يكون الثمار متلاحقا،وهو قو ل

الليث والمالكية ۔

الثاني: أنه لا بد أن يكون في جنس تلك الشجرة المبيعة وهو قول لأحمد ۔

والثالث: أن يعتبر الصلاح في تلك الشجرة المبيعة، وهو قول الشافعية" (شرح الزرقانی علی الموطا)۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ بدوصلاح کے مفہوم میں تین اقوال ہیں: (۱) پھل کی جنس میں بدوصلاح کافی ہے اس شرط کے ساتھ کہ پھل ایسے ہوں جو یکے بعد دیگرے پکتے ہیں، یہی لیث بن سعد اور مالکیہ کا قول ہے۔ (۲) یہ ضروری ہے کہ جس درخت کی فروخت ہو رہی ہے اس کے جنس میں بدوصلاح ہوگیا ہو، وہ امام احمد کا قول ہے۔ (۳) جس درخت کو بیچا جارہا ہے خود اسی میں بدوصلاح کا ہونا ضروری ہے، یہ شافعیہ کا قول ہے۔ علامہ زرقانی کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے ہے۔

علامہ شامی درمختار کی شرح ردالمحتار میں بدوصلاح کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: لیکن بدوصلاح کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ پکنا اور میٹھا ہونا ظاہر ہوجائے۔ اور بدوصلاح سے قبل بغیر شرط کے فروخت کرنے کے سلسلہ میں اختلاف مبنی ہے اس کے مفہوم میں اختلاف پر، تو امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اگر اس حال میں ہے کہ اس سے انسان یا جانور کے لیے نفع ممکن نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اس کی نسبت قاضی خاں نے عام مشائخ کی طرف کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بیع درست ہے؛ اس لیے کہ وہ مال ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا فوری طور پر نہیں تو آئندہ سہی۔ اس معاملہ کو تمام مشائخ کے نقطۂ نظر سے جائز قرار دینے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ مثلاً ناشپاتی کو بالکل شروع میں درخت کے پتوں کے ساتھ فروخت کردیا جائے۔ تو اس صورت میں پھلوں کی بیع پتے کے تابع قرار دے کر درست ہے، گویا کہ وہ مکمل پتہ ہی ہے۔ اور اگر وہ قابل انتفاع ہو چاہے اسے مویشی کا چارہ ہی کیوں نہ بنایا جائے، تو بھی بیع جائز ہوگی۔ تمام اہل مذاہب کا اس کے جواز پر اتفاق ہے اگر یہ بیع فوری طور پر توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو یا بیع مطلق ہو۔

"ولايفسد عند محمد إن بدا صلاح بعض وقرب صلاح الباقي وعليه الفتوى كما في المضمرات" (ردالمحتار مع الدر ۷/۸۷) امام محمد کے نزدیک بیع فاسد نہیں ہوگی اگر بعض کی صلاح ظاہر ہوگئی ہو اور بعض کی صلاح کے آثار نظر آرہے ہوں، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے۔

بیع سلم کی شرطوں سے متعلق اختلاف ائمہ سے استفادہ:

سلم کہتے ہیں: مجلس عقد میں نقد رقم دے کر کوئی چیز ادھار خریدنا، بیع سلم درحقیقت معدوم چیز کی بیع ہوتی ہے، جس میں قیمت کی ادائیگی پہلے ہوتی ہے اور مبیع یعنی خریدے ہوئے سامان کی ادائیگی بعد میں ہوتی ہے۔ آرڈر دے کر اور پیشگی

قیمت دے کر سامان بنوانے کا طریقہ بہت قدیم ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے کلیتاً اس سے منع نہیں فرمایا؛ بلکہ بنیادی اصلاحات کر کے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ ایک سال یا کئی سالوں کے لیے پھلوں کی بیع سلم کرتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے تو متعین پیمانہ اور متعین وزن اور متعین مدت تک کے لیے کرے۔

''عن ابن عباس قال: قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال: من أسلف فی شئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم، وعند البخاری بلفظ العام والعامین أو الثلاثة'' (بخاری:۲۲۳۹،مسلم:۱۶۰۴،ابوداؤد:۳۴۶۳،ترمذی:۱۳۱۱)۔

''عن ابن عباس أنه قال: أشهد أن السلف إلی أجل قد أحله فی کتابه وأذن فیه ثم قرأ: یاأیها الذین آمنو ا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه'' (شافعی،حاکم)، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ متعینہ مدت تک کے لیے سلم کو اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں جائز قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔ پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: **''یا ایها الذین آمنو الخ''** (کہ اے ایمان والو! جب تم متعینہ مدت تک کے لیے ادھار کا معاملہ کرو تو تم اسے لکھ لیا کرو)۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں: **''کنا نسلف علی عهد النبی ﷺ وأبی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والزبیب والتمر وما نراه عندهم''** (بخاری:۲۲۴۴)۔

کہ ہم بیع سلم کیا کرتے تھے گیہوں میں، زیتون کے تیل میں اور کھجور میں رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں؛ جب کہ ہم ان چیزوں کو ان کے پاس نہیں دیکھتے تھے۔

حدیث مذکور میں جن شرائط کا بیان ہے وہ منصوص ہیں، اور ان پر تمام ائمہ کا اجماع ہے؛ لیکن ان کے علاوہ ائمہ کرام نے متعدد دیگر شرائط کو بھی اجتہاد کی بنیاد پر لازمی قرار دیا ہے؛ لیکن چونکہ نص میں ان کا تذکرہ نہیں ہے اس لیے اس میں توسع ہے اور ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی صورت میں اس وسعت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں: **''واعلم أن للسلم شروطا غیر ماشتمل علیه الحدیث مبسوطة فی کتب الفقه ولاحاجة لنا فی التعرض لما لا دلیل علیه إلا أنه وقع الاجماع علی اشتراط معرفة صفة الشئ المسلم فیه علی وجه یتمیز بتلک المعرفة عن غیره''** (نیل الاوطار ۵/۲۵۵)۔

جاننا چاہیے کہ بیع سلم کی متعدد شرطیں ایسی ہیں جن کا تذکرہ حدیث میں نہیں ہے؛ البتہ علماء نے انھیں تفصیل کے

ساتھ کتب فقہ میں ذکر کیا ہے، میرے لیے ان کے تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس کی واضح دلیل نص میں نہیں ہے؛ البتہ اس بات پر اجماع ہے کہ مسلم فیہ کی ان صفات کا تعین لازمی ہے جن سے وہ چیز دوسروں سے الگ ہو جائے۔

البتہ ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا پھلوں میں بھی بیع سلم درست ہے؟ اس کا جواب مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں میں بھی بیع سلم درست ہے؛ اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت صحابہ کرام کھجور کے پھلوں میں کئی کئی سال کے لیے بیع سلم کیا کرتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ پھل اتنی مدت تک عام طور پر محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اور اگر پھل (مبیع) کی موجودگی کو لازمی قرار دیا جائے تو پھر سلم کا کوئی مطلب نہیں رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کھجور کی بیع سلم کرے تو وہ معلوم پیمانے اور معلوم وزن میں کرے۔ ''**من أسلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم**'' (بخاری:۲۲۳۹)۔

علامہ شوکانی کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہی مستفاد ہے: ''**وقالوا : ومما یدل علی الجواز ما تقدم من انهم کانوا یسلفون فی الثمار السنتین والثلاث، ومن المعلوم ان الثمار لا تبقی هذه المدة ولو اشترط الوجود لم یصح السلم فی الرطب إلی هذه المدة وهذا أولی ما یتمسک به فی الجواز۔**

وعن عبد الله بن أبی أوفی وعبد الرحمن بن ابزی قالا: کنا نصیب المغانم مع رسول الله ﷺ وکان یأتینا أنباط من أنباط الشام فنسلفهم فی الحنطة والشعیر والزبیب إلی أجل مسمی قیل: أکان لهم زرع؟ قالا: ماکنا نسألهم عن ذلک'' (بخاری)۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغازی میں مال غنیمت حاصل ہوتا تھا۔ انھیں ایام میں شام کے قافلے بھی آتے تھے۔ تو ہم ان سے گیہوں، جو اور کشمش کی بیع سلم کیا کرتے تھے ایک متعین مدت تک کے لیے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان کے پاس ان چیزوں کی کھیتیاں ہوا کرتی تھیں تو انھوں نے کہا کہ ہم ان سے ان چیزوں کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے۔ علامہ صنعانی اس حدیث کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں کہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ غیر موجود چیزوں کی بیع سلم بھی درست ہے؛ اس لیے کہ اگر مبیع کی موجودگی ضروری ہوتی تو صحابہ قافلہ والوں سے تفصیلات ضرور معلوم کرتے؛ جب کہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ہم ان سے تفصیل نہیں معلوم کرتے تھے۔ قاعدہ یہ ہے کہ احتمال کی جگہوں میں تفصیل دریافت کرنے کو ترک کر دینا یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ مسئلہ میں عموم ہے۔

'' **الحدیث دلیل علی صحة السلف فی حال العقد إذ لو کا ن من شرطه وجود المسلم فیه**

لاستفصلوهم وقد قالا: ما كنا نسألهم، وترک الاستفصال فی مقام الاحتمال ينزل منزلة العموم فی المقال .وقد ذهب إلى هذا الهادوية والشافعية ومالک واشترطوا امكان وجوده عند حلول الاجل ولايضر انقطاعه قبل حضور الاجل لما عرفت من ترک الاستفصال .كما فی الشرح" (سبل السلام ۳/۶۷)۔

پھلوں میں بیع سلم کی ممانعت کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے،لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔اگر مان بھی لیا جائے تو ممانعت کا تعلق اعیان کی بیع سے فی الحال ہے:"قال القائلون بالجواز لو صح هذا الحديث لحمل على بيع الأعيان أو على سلم الحال عند من يقول به" (نیل الاوطار ۵/۲۵۵)،الاقناع فی حل الفاظ ابی الشجاع میں ہے: "أما إذا اسلم فی تمر ناحية أو قرية عظيمة صح" (۲/۳۲)۔

کیا پھلوں کی بیع میں امام مالکؒ کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے؟

پھل یا پھول درخت پر آچکا ہو تو ان کی بیع مختلف شرطوں کے ساتھ درست ہے،جن کی تفصیل آچکی ہے؛لیکن اگر پھول بھی ظاہر نہ ہوئے ہوں اس کے باوجود ان کی بیع کرنا جیسا کہ عموم بلوی اور عام رواج ہے کیا شرعی نقطہ نظر سے اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟ اس کی اجازت کے لیے علماء اسے مشابہ بالسلم قرار دیتے ہیں،لیکن چوں کہ سلم کی شرطیں اس میں نہیں پائی جاتی ہیں؛اس لیے اس سلسلہ میں عصر حاضر کے فقہاء کا دو نقطہ نظر ہے:اول یہ کہ یہ بیع معدوم ہے اور اس میں سلم کی شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں اس لیے یہ بیع درست نہیں ہے۔یہ رائے زیادہ تر مفتیان کرام اور اہل علم کا ہے۔مفتی تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:لیکن جہاں بالکل قطعاً ظہور نہ ہوا ہو،ایک پھل بھی ظاہر نہ ہوا ہو تو اس وقت میں بیع کی کوئی صورت نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اس کو سلم کے ذریعہ جائز کرنے کی کوشش کی ہے،لیکن یاد رکھیے سلم کسی خاص درخت یا باغ میں نہیں ہوسکتی ہے،اگر باغ میں سلم کیا تو کیا پتہ کہ اس باغ میں پھل آتا ہے یا نہیں۔کیا پتہ اس خاص درخت میں پھل آتا ہے کہ نہیں لہذا اس میں غرر ہے؛اس لیے ناجائز ہے اور سلم کی دوسری شرائط مفقود ہیں۔اجل کا تعین کرنا مشکل اور مقدار کا تعین کرنا بھی مشکل ہے کہ کتنا پھل آئے گا؛لہذا خلاصہ یہ ہے کہ ظہور سے پہلے جواز کی کوئی صورت نہیں؛البتہ اگر تھوڑا بھی ظہور ہو گیا تو پھر بیع ہوسکتی ہے اور اس میں شرط الترک بھی جائز ہے (خلاصہ تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۸۳)۔

اس کے بالمقابل حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:اس معاملہ میں ابتلاء عام اور اس سے احتراز کے تعسر بلکہ تعذر کے پیش نظر اہل فتوی پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ فرما کر اس کا کوئی حل نکالیں،ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے؛ بلکہ عمل بمذہب الغیر واجب

ہوجاتا ہے۔حضرات فقہاء رحمہم اللہ ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا اور طویل بحث فرمائی ہے۔ بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتوی تحریر فرمایا ہے۔التحریر المختار میں علامہ رافعی نے بھی علامہ ابن عابدین کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا؛البتہ حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی'' میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں: (۱) وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے، (۲) مقدار ثمن متعین نہیں، (۳) کوئی اجل متعین نہیں، (۴) اجل پر بائع مشتری سے مطالبہ نہیں کرتا، (۵) اکثر ثمار عددی متقارب اور وزنی متماثل نہیں، (۶) اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اول کا جواب خود حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمادیا ہے کہ امام شافعی کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں، ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ ہے۔مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا۔''**فارتفع الفساد لارتفاع العلة كما قالوا فی اشتراط الآلة علی الاجیر والصبغ علی الصباغ والخیط علی الخیاط**''۔اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتہد ۲/۲۰۲، اقرب المسالک مع الشرح الصغیر ۳/۲۶۲)، ائمہ ثلاثہ اس امر پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں، اس لیے مسئلہ زیر بحث میں قولِ مالک رحمہ اللہ اختیار کرنا چاہیے للزوم التلفیق علی قول الشافعی۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تاخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی یہ تدبیر کرسکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو بائع ہی سے قرض لے کر اس کو بطور ثمن واپس کردے، البتہ بیع قبل ظہور الازھار کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ تعالی کوئی چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا جب اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں (احسن الفتاوی ۶/۴۴۷)۔

''**نقل ابن المنذر اتفاق الاکثر علی منع السلم فی بستان معین لأنه غرر**'' (فتح الباری ۴/۵۴۶) اس کے تحت علامہ سلیمان اشقر لکھتے ہیں کہ اس کی بعض صورتوں میں نظر ثانی ہونی چاہیے، ان کے خیال میں بعض مالکی فقہاء جیسے ابن شاس اور ابن الحاجب کے کلام سے بھی اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے، انھوں نے متعین باغ کے پھل میں سلم ناجائز ہونے کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ وہ باغ چھوٹا نہ ہو، اور جانوروں میں یہ شرط لگائی کہ ان کا تعلق ایسی نسل سے نہ ہو جو کم پائی جاتی ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ باغ اگر بڑا اور جانور کی نسل کی زیادتی پائی جاتی ہو تو اس میں سلم جائز غیر متعین کی طرح ہی ہے۔مزید لکھتے

ہیں کہ بعض فقہاء کے اس کلام کہ بڑی بستی کے پھل میں سلم جائز ہے لیکن اگر چھوٹی ہو تو سلم جائز نہیں ہے، سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے (موسوعۃ القضایا الفقہیہ المعاصرہ، ص ۸۴۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''حلال وحرام'' میں تحریر فرماتے ہیں: دوسری طرف عوام میں بڑھتا ہوا تعامل کہ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کر دیا جاتا ہے، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے بعض فقہاء نے اس میں نرم روی اختیار کی؛ چنانچہ ابن نجیم اور علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ امام فضلی اور امام حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے: ''**وأفتی الحلوانی الجواز وزعم أنه مروی عن أصحابنا وکذا حکی عن الامام الفضلی وقال استحسن فیه لتعامل الناس وفی نزع الناس عن عادتهم حرج قال فی الفتح وقد رأیت روایة فی نحو هذا عن محمد فی بیع الوردعلی الاشجار فان الورد متلاحق وجوز البیع فی الکل وهو قول مالک**''۔ کہتے ہیں کہ لوگوں کا انگور کی خرید وفروخت میں ایسی نوعیت کا تعامل ہو گیا ہے اور ان کو اس سے روکنے میں حرج ہے؛ اس لیے استحساناً میں اس کو جائز قرار دیتا ہوں، نیز امام محمدؒ نے درخت پر لگے ہوئے گلاب کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ گلاب کے پھول یکبارگی نہیں نکلتے اور نہیں کھلتے بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں۔ بعد کے فقہاء نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں امام فضلی ہی کی رائے پر عمل کیا، پھر چونکہ مارکیٹ میں جو کچھ پھل آتا ہے، وہ اسی طریق پر، اس لیے پھل کا کھانا ہی حرام ہو جائے گا۔ پس اس طرح کی خرید وفروخت نے اب ضرورت کا درجہ اختیار کر لیا ہے؛ لہٰذا جس طرح انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے بیع سلم کی اجازت دے دی؛ حالانکہ وہ ایک معدوم شیٔ کو فروخت کرنا ہے، اسی طرح پھلوں کی خرید وفروخت کی اس نوعیت کے معاملات کو بھی درست کہنا چاہیے۔

اس عاجز کی رائے میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ بڑی حد تک متحقق ہو چکا ہے؛ اس لیے کہ مشرق سے مغرب تک عام طور پر پھل اور کبھی پھول آنے سے قبل باغوں کی خرید وفروخت کا معاملہ اس حد تک مروج ہے کہ اس میں ابتلاء عام ہے، زیادہ تر پھل مارکیٹ میں اسی طرح کی خرید وفروخت کے نتیجہ میں آتے ہیں۔ اگر بیع الثمار قبل البدو اور قبل الظهور کی ممانعت اور بیع سلم کی شرائط معتبرہ نہ پائے جانے کی وجہ سے اس طرح کی بیع کو ناجائز قرار دیا جائے تو زیادہ تر پھلوں کا کھانا، اکلِ حرام کے زمرہ میں آئے گا۔ یا تو انسان کو پھل کھانا چھوڑنا پڑے گا، یا ایک ممنوع شرعی کا مرتکب ہو کر گناہ گار بننا پڑے گا، اس سے بڑی مشقت اور کیا ہو سکتی ہے؟

خلاصۂ کلام:

مذکورہ تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) بیع کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ شیٔ معدوم نہ ہو۔ پھل آنے سے قبل اس کی بیع میں بھی مبیع موجود نہیں ہوتی ہے؛ اس لیے یہ معاملہ فاسد اور ناجائز ہوگا۔ جیسا کہ حدیث آچکی ہے: **لاتبع ما لیس عندک** (ابوداؤد)۔

(۲) اسی طرح غرر اور منازعت کے اندیشہ سے رسول اللہ ﷺ نے پختگی ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے بھی ممانعت فرمائی اور چند سالوں کے لیے بیع سے بھی منع فرمایا۔

(۳) یہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے، بلکہ ارشاد اور تنزیہ کے لیے ہے جیسا کہ زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے، انھوں نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ نہی جو آپ نے فرمائی تھی "**کالمشورۃ یشیر بھا**"، یعنی یہ ایک مشورہ تھا جو آپ نے لوگوں کو دیا ان کی کثرت خصومت کی وجہ سے، تو یہ صراحتاً بتا رہا ہے کہ یہ تحریم نہیں تھی محض مشورہ تھا۔ اور جن احادیث میں لفظ نہی صراحتاً آیا ہے تو ان کو اس حدیث کی روشنی میں نہی تنزیہ اور نہی ارشاد پر محمول کیا جائے گا۔ آپ نے ایک ہدایت دی کہ ایسا کرو، یہ نہی شرعی نہیں ہے۔

(۴) چونکہ اس سلسلہ میں عمومِ بلوی ہے؛ اس لیے نصوص شرعیہ، شرعی اجتہادات اور اقوال علماء کرام وفرمودات مفتیان عظام میں نظر وفکر اور غور وتدبر کے بعد اس کی جائز شکل یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح کے معاملات میں صرف پھلوں کی بیع کا نہ قصد کیا جائے نہ یہ عنوان دیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے اور معاملہ اس طرح کیا جائے کہ مکمل باغ کو زمین سمیت متعینہ مدت تک کے لیے کرایہ پر دے دیا جائے، اس صورت میں مالک یہ اجازت بھی دے دے کہ کرایہ دار باغات کے پھلوں کے ساتھ اپنی مرضی سے زمین میں کچھ کاشت کر کے فائدہ اٹھائے، اور مالک کو اس درمیان پیداوار میں کچھ حق نہ ہوگا؛ لیکن اس کے لیے یہ لازمی ہے کہ باغات کی زمین قابل کاشت ہو، جیسا کہ شامی میں ہے: "**والحیلۃ أن یأخذ الشجرۃ معاملۃ** (ای مساقاۃ لمدۃ معلومۃ) **علی أن لہ جزءاً من ألف جزء**" (درمع الرد ۷/۸۸)۔

(۵) پھل آنے سے پہلے اور بَور آنے کے بعد فروختگی کا معاملہ کرنا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ پھل فی الحال بالکلیہ قابل انتفاع نہ ہو حتی کہ جانوروں کے لیے بھی قابل انتفاع نہ ہو تو اس صورت کو علامہ شامی جائز کہتے ہیں اور جواز کے قول کو ہی انھوں نے ترجیح دی ہے؛ اگرچہ قاضی خاں سے عدم جواز منقول ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ جانور کے لیے چارہ بننے کے قابل ہو چکا ہو تو اس صورت میں بالاتفاق بیع جائز ہے؛ لیکن اگر کوئی یہ شرط لگائے کہ پھل پکنے تک درخت پر ہی رہیں گے تو یہ شرط درست نہیں ہے اور بیع بھی فاسد ہو جائے گی، شرط کے بغیر اگر مالک اجازت دیدے اور پھل کو درخت پر ہی چھوڑ دے تو ایسا کرنا مشتری کے لیے حلال ہوگا۔ اگر بغیر کسی شرط کے بیع کرے تب بھی جائز ہے۔ عصر حاضر میں عرف ورواج پھل کو درخت پر چھوڑنے کا ہے؛ اس لیے اگر مالک صراحتاً اجازت نہ دے اور مشتری اجازت نہ لے اور پھل درخت

پر ہی اپنی جسامت کو مکمل کر کے پک جائے تو وہ پھل بھی حلال ہے، با قاعدہ اجازت لینا بہتر ہے،"**أو یکون وُجد بعضه دون بعض کثمر الأشجار المختلفة الأنواع......وفی الثالث یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن ویحل له البائع ماسیوجد**" (درمع الرد ۷/۸۸)۔

(۶) باغ میں اگر ایک درخت پر بھی پھل آ گیا تو مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس نوعیت کے تمام درختوں کی خرید وفروخت درست ہوگی۔

موجودہ حالات میں تعامل اور عرف کی بنیاد پر پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے۔حنفیہ میں سے بھی متعدد فقہاء اس کو تسلیم کرتے ہیں،اور اس سلسلہ میں متعدد فقہی جزئیات موجود ہیں،"**فان شرط فیه مایقتضیه العقد أو شرط فیه الملائم للعقد جاز**"(تبیین الحقائق ۴/۳۸۹)،لہذا اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی درست ہوگا؛اس لیے کہ جو شرطیں تعامل کا درجہ اختیار کرلیں اور خرید وفروخت کے معاملہ میں رواج پا جائیں وہ معتبر ہوتی ہیں۔

(۷) فقہ حنفی میں ظہور سے پہلے پھلوں کے بیع کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔اس سلسلہ میں فقہ مالکی میں گنجائش موجود ہے۔ضرورت شدیدہ کی صورت میں قول مرجوح اور مسلک مخالف پر بھی فتوی دیا جاتا ہے۔

(۸) پھول کے ظاہر ہونے سے پہلے اس کی بیع کو ناجائز قرار دینا امت کو شدید مشقت میں مبتلا کرنا ہے؛اس لیے کہ اس طرح کی بیع کا عام رواج اور تعامل ہے؛لہذا اسے بیع سلم کے مشابہ قرار دے کر فقہ مالکی سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے یہاں معتبر شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

تمہید:

اللہ رب العزت نے اس پوری کائنات کو عظیم مقاصد کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اس کے لئے کائنات کی ہر چیز کو مسخر فرمایا اور پھلوں کو اس کی غذائی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک اہم ذریعہ بنایا؛ تاکہ وہ اللہ بلند و برتر کی بندگی، حق کی سربلندی اور احکام الٰہی کی بجا آوری کے لئے ان کا استعمال کرے؛ چونکہ شریعت اسلامی کا مقصد انسانوں سے ضرر ونقصان کو دور کرنا ہے، اس لئے اس نے ہر چیز میں شفافیت کا حکم دیا ہے، چنانچہ دیگر معاملات کی طرح باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت بھی شفاف طریقہ سے ہونا چاہئے، لیکن عام طور سے باغات کے مالکان پھل آنے کے بعد یا پھل آنے سے پہلے انہیں فروخت کردیتے ہیں، لہٰذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس خرید وفروخت کا جائزہ لینے کی سخت ضرورت ہے؛ تاکہ مسلمان گناہ سے بچ کر جائز طریقہ سے کاروبار کرسکیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

ابن اثیر ابو السعادات مبارک بن محمد جزری (و:۶۰۶ھ) ''معاومہ'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **''هي بيع ثمن النخل والشجر سنتين أوثلاثا فصاعدا يقال: عاومت النخلة: إذاحملت سنة ولم تحمل أخرى، وهي مفاعلة من العام: السنة''** (ابن اثیر جزری: النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر ۳/۶۰۸، بیروت المکتبہ العلمیہ ۱۳۹۹ھ، تحقیق: طاہر احمد زاوی، محمود محمد طناحی) (خرما اور دیگر درخت کے پھل کو دو یا تین یا زائد سال کے لئے بیچ دینے کا نام ''معاومہ'' ہے، ''عاومت النخلۃ'' اس وقت بولتے ہیں جبکہ درخت خرما پر ایک سال چھوڑ کر پھل آئے، ''معاومہ'' عام بہ معنی سال سے ماخوذ ہے، اور باب مفاعلت کا مصدر ہے)۔

اور علامہ خطابی ابو سلیمان احمد بن محمد بستیؒ (و:۲۸۸ھ) فرماتے ہیں: **''أما المعاومة فهي بيع السنين،**

☆ مدیر معہد الامام النورسی للمتخرجین، جامعۃ الامام احمد بن عرفان الشہید، کٹولی، لکھنؤ۔

ومعناه: أن يبيعه سنة أو سنتين أو أكثر، إما ثمرة نخلة بعينها، أو نخلات ، وهو بيع فاسد؛لأنه بيع مالم يوجد ولم يخلق، ولا يدرى هل يثمر أولا يثمر" (خطابی:معالم السنن ۳/ ۹۷،طبع اول، حلب، المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۵۱ھ)

(بہرحال ''معاومہ'' کا دوسرا نام ''بیع السنین'' بھی ہے، اوراس کا مفہوم یہ ہے کہ پھل کوایک یا دوسال یا زیادہ سالوں کے لئے بیچ دے،خواہ کسی خاص درخت خرما کے پھل کو یا کئی درختوں کے پھل کو، اور یہ بیع فاسد ہے؛اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جووجود میں نہیں آئی اورنہ پیدا ہوئی، اورنہ ہی یہ بات معلوم ہے کہ درخت میں پھل آئے گا یا نہیں آئے گا)۔

خلاصہ یہ کہ ''معاومہ'' کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی جاسکتی ہے: یہ وہ بیع ہے جس میں درخت کے پھل کو پھل آنے سے پہلے سال یادوسال یا کئی سالوں کے لئے بیچ دیا جا تاہے، اس کی ممانعت کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱- یہ عقد کے وقت غیر موجود کی بیع ہے۔ ۲- یہ غیر مخلوق کی بیع ہے۔

۳- یہ بیع غرر میں داخل ہے؛ کیونکہ فروخت کنندہ ایسی چیز کو بیچتا ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وجود میں آئے گی بھی یا نہیں۔

خیال رہے کہ زیادہ تر احادیث میں ''بیع السنین'' وارد ہے (دیکھئے: صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۱۵۳۶، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر:۴۹۹۵،سنن نسائی، حدیث نمبر:۴۶۲۶،مسند احمد،حدیث نمبر:۱۴۳۲۰)۔

جبکہ بعض روایات میں ''المعاومۃ'' وارد ہے (دیکھئے: مسند احمد ،حدیث نمبر:۱۴۳۵۸،سنن ابی داؤد ،حدیث نمبر:۳۳۷۵، ترمذی: ۱۳۱۳، ابن حبان:۵۰۰۰،اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے)۔

۲- ذیل میں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز اورعدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

الف- مذہب حنفی:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی مختلف صورتیں ہیں، ذیل میں ہرصورت کے حکم کی وضاحت درج ہے:

۱- بور(آم کا پھول وغیرہ) نے پھل کی صورت اختیار نہ کی ہوتواس کی خرید وفروخت بالاتفاق جائز نہیں ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: **"وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره؛لأنهما معدوم"** (کاسانی: بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۸ بیروت، دار الکتاب العربی) (ایسے ہی پھل اورکھیتی کی بیع ان کے ظاہر ہونے سے پہلے منعقد نہیں ہوتی ہے؛اس لئے کہ دونوں معدوم ہیں)۔

۲- پھل نکل آنے اورانسان یا حیوان کے لئے قابل استعمال وانتفاع ہونے سے پہلے ظاہر الروایہ کے مطابق بیچ دینا جائز ہے، علامہ کاسانیؒ رقم طراز ہیں: **"ولو باع مطلقا عن شرط جاز أيضا عندنا"** (مرجع سابق ۵/ ۱۷۳) (اوراگر قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھل توڑ لینے یا نہ توڑ لینے کی شرط کی تفصیل کے بغیر مطلقاً بیچ دے تو یہ بھی جائز ہے)۔

البتہ اس صورت میں خریدار پر لازم ہے کہ معاملہ مکمل ہونے کے بعد پھل توڑ لے، اس کے لئے روا نہیں کہ درخت پر پھل کو چھوڑے رکھے، ''ہندیہ'' میں ہے: ''**وعلى المشتري قطعها في الحال، هذا إذا باع مطلقا، أو بشرط القطع**'' (ہندیہ ۳/۱۰۶، بیروت، دارالفکر) (اور خریدار کی ذمہ داری ہے کہ پھل کو فوراً توڑ لے، جبکہ بلاشرط بیچے یا توڑنے کی شرط کے ساتھ بیچے)۔

۳-انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع ہونے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ معاملہ ہوا، تو یہ بھی جائز ہے، ''عالمگیری'' میں ہے: ''**وإن باعها قبل أن تصير منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب، فالصحيح أنه يصح**'' (عالمگیری ۳/۱۰۶) (اور اگر پھل کو قابل انتفاع یعنی انسان کے استعمال یا جانور کے چارہ کے لائق ہونے سے پہلے بیچ دے تو صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ بیع درست ہوگی)۔

۴-پھل نکل آنے لیکن قابل انتفاع ہونے سے پہلے معاملہ اس شرط کے ساتھ ہو کہ مالک پھل پک جانے تک درخت پر رہنے دے گا، تو یہ بیع فاسد ہے، علامہ تمرتاشیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع**'' (تمرتاشی: تنویر الأبصار مع الدرالمختار ۴/۵۵۶، بیروت، دارالفکر) (اور اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پائے کہ پھل پکنے تک درخت پر رہے گا، تو بیع فاسد ہو جائے گی)۔

۵-باغ میں کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ درختوں میں پھل ظاہر نہیں ہوئے تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ بیع ناجائز ہے، ''**ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب، وصححه السرخسي**'' (حصکفی: الدرالمختار مع تنویر الأبصار ۴/۵۵۵، بیروت، دارالفکر) (اور اگر کچھ پھل ظاہر ہوئے ہوں، اور کچھ ظاہر نہیں ہوئے ہوں، تو ظاہر مذہب کے مطابق یہ بیع درست نہیں ہے، اور سرخسی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے)۔

البتہ متاخرین میں سے بعض محققین نے اس صورت میں جواز کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ''**وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج أكثر**'' (حصکفی: الدرالمختار ۴/۵۵۵-۵۵۶) (امام حلوانی نے معاملہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، بشرطیکہ اکثر پھل ظاہر ہو گئے ہوں)، لیکن اس کے برعکس امام فضلیؒ نے کم و زیادہ پھل ظاہر ہونے کی تفصیل کئے بغیر اس معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**قال: أجعل الموجود أصلاً في العقد، وما يحدث بعد ذلك تبعا، قال: أستحسن فيه لتعامل الناس؛ فإنهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة، ولهم في ذلك عادة ظاهرة، وفي نزع الناس عن عادتهم حرج بين**'' (سرخسی: المبسوط ۱۲/۱۶۸، طبع اول، بیروت دارالفکر) (امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا: میں عقد میں موجود کو اصل قرار دوں گا، اور بعد میں پیدا ہونے والے پھل کو تابع قرار دوں گا، انہوں نے فرمایا: لوگوں کے تعامل کی وجہ سے میں استحسان سے کام لے رہا ہوں؛ کیونکہ انگور کی بیل کے پھل

بیچنے کے سلسلہ میں اسی طریقہ کا ان کے درمیان رواج ہے، اور اس بابت ان کا کھلا ہوا عرف ہے، اور لوگوں کو ان کے عرف سے باہر کرنے میں واضح حرج ہے)۔

اور علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر، بل قال عنه: أجعل الموجود أصلا في العقد، وما يحدث بعد ذلک تبعاً......وقد رأيت في هذا رواية عن محمد: وهو في بيع الورد على الأشجار؛فإن الورد متلاحق، ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق**'' (ابن نجیم، البحر الرائق ۵/۳۲۵، بیروت، دار المعرفۃ) (شمس الائمہ سرخسیؒ نے امام فضلی کی طرف اس قید کا ذکر نہیں کیا ہے کہ عقد کے وقت موجود پھل زیادہ ہو، بلکہ ان کے بارے میں یہ بات کہی ہے کہ موجودہ پھل کو عقد میں اصل قرار دو، اور بعد میں پیدا ہونے والے پھل کو تابع قرار دو......اور اس سلسلہ میں میں نے امام محمدؒ سے ایک روایت دیکھی ہے جو درخت پر لگے ہوئے گلاب کے پھول کی بیع کے سلسلہ میں ہے؛ کیونکہ گلاب کے پھول یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں، لیکن انہوں نے کُل میں اسی طریقہ سے اس کی بیع جائز قرار دی ہے)۔

۶- پھل نکل آنے کے بعد انسان کے لئے قابل انتفاع بھی ہوگیا تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے، عالمگیری میں ہے: ''**فإن باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح**'' (عالمگیری ۳/۱۰۶) (سو اگر پھلوں کو قابل انتفاع ہونے کے بعد بیچے تو یہ بیع درست ہے)۔

البتہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پھل کے درخت پر ایک مدت تک لگے رہنے کی شرط لگا دے تو پھر یہ بیع درست نہیں رہے گی، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور اپنی حد کو پہنچ چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کا اعتبار ہوگا، علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**وبعد ماتناهت صحيح اتفاقا إذا أطلق، وأما بشرط الترک ففيه اختلاف**'' (ابن نجیم: البحر الرائق ۵/۳۲۴، بیروت دار المعرفہ) (اور پھلوں کے اپنی حد کو پہنچ جانے کے بعد بیع کرنا بالاتفاق درست ہے، جبکہ کسی تفصیل کے بغیر معاملہ طے کرے، بہرحال درخت پر اس حالت میں چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنے میں اختلاف ہے)۔

اور علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ''**وقيل -قائله محمد- لايفسد، إذا تناهت الثمرة للتعارف، فكان شرطا يقتضيه العقد، وبه يفتي، بحر عن الأسرار**'' (حصکفی: الدر المختار مع تنویر الابصار ۴/۵۵۶) (اور کہا گیا ہے: اس کے قائل امام محمد ہیں، کہ درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے سے بیع فاسد نہیں ہوگی، جبکہ پھل اپنی حد کو پہنچ چکے ہوں؛ اس لئے کہ ایسا ہی عرف ورواج ہے، لہذا یہ ایسی شرط ہوئی جس کا عقد تقاضا کرتا ہے (اس لئے یہ معتبر ہے)، اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے، ''البحر الرائق'' میں ''الأسرار'' سے ایسا ہی نقل کیا ہے)۔

ب-مذہب مالکی:

۱-بور کے پھل کی صورت اختیار کرنے سے پہلے بیع ناجائز ہے۔

۲-پھل میں زردی یا سرخی آنے سے پہلے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔

۳-پھل میں زردی یا سرخی آنے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے۔

۴-پھل میں زردی یا سرخی آجانے کے بعد ہر طرح خرید وفروخت درست ہے، خواہ مشروط خرید وفروخت ہو، یا فوراً توڑ لینے کی شرط ہو، یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط ہو۔

۵-باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل ظاہر ہو گیا ہو تو اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں: "وإذا كان نهيه عليه السلام عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها يمنع من بيعها قبل بدو صلاحها وبعد خلقها، فما ظنك ببيع مالم يخلق منها، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنبل، ونهى عن بيع المعاومة، وعن بيع مالم يخلق منها، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع السنين" (ابن عبد البر: الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الأمصار ۶/ ۳۰۶-۳۰۷، بیروت الدار العلمیہ) یعنی پھلوں کے تیار ہونے سے پہلے ان کی خرید وفروخت سے نبی کریم ﷺ کی ممانعت پیدا ہونے کے بعد اور قابل استعمال ہونے سے پہلے ان کی بیع کو ممنوع قرار دیتی ہے، تو جو پھل ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہوں ان کی خرید وفروخت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؛ جبکہ رسول کریم ﷺ نے بالی (کے سفید ہونے سے پہلے) اس کی بیع سے ممانعت فرمائی) (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۳۵)، اور درخت کے پھل کو پھل آنے سے پہلے سال یا دو سال یا کئی سالوں کے لئے بیچ دینے سے منع فرمایا (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۴۳۰۵)، نیز ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا جو پیدا نہ ہوئی ہو (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۹۹۵)، اور درخت کو کئی سال کے لئے بیچ دینے سے منع فرمایا (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۳۶)۔

نیز علامہ قرطبیؒ اپنی دوسری کتاب "الكافي في فقه أهل المدينة" میں رقم طراز ہیں: "ولايجوز بيع ثمرة في رؤوس النخل والشجر على الترك إلى الجذاذ والقطاف حتى يبدو صلاحها، وجائز أن يبتاع على القطع قبل أن يبدو صلاحها" (ابن عبد البر: الکافی فی فقہ أہل المدینۃ ۲/ ۶۸۳، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ) (درخت اور کھجور کے درخت کی ٹہنیوں میں پھلوں کو توڑ لینے کا وقت آنے تک درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ تیار ہو جائیں، اور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ تیار ہونے سے پہلے پھلوں کو خرید لینا جائز ہے)۔

اور علامہ احمد بن محمد صاوی مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**وبدوه: أي الصلاح في بعض من ذلك النوع، ولونخلة كاف في جواز بيع الجميع من جنسه لا في غيرجنسه**“ (صاوی مالکی: حاشیۃ الصاوی ۷/ ۸۳، طبع الشاملۃ) (ایک نوعیت کے بعض درختوں میں پھل کا قابل استعمال ہوجانا، خواہ ایک ہی درخت کیوں نہ ہو، اس نوع کے تمام درختوں کے پھل بیچنے کے جواز کے لئے کافی ہے، اور دوسری نوع کے درختوں کے پھل کو بیچنے کے لئے کافی نہیں ہے)۔

اور امام مالکؒ کا قول ہے:”**وبيع الثمار قبل أن يبدوصلاحها من بيع الغرر**“(ابن عبد البر: الاستذکار ۶/ ۳۰۴)(پھلوں کو تیار ہونے سے پہلے بیچنا بیع غرر میں شامل ہے)۔

اور علامہ ابوبکر شاشی قفال شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”**فإن باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع، وبه قال أبوحنيفة وأحمد، وقال مالك: يصح**“(قفال شافعی: حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء ۲/ ۱۸۱، کتاب البیوع طبع اول بیروت، نیز دیکھئے: شیرازی، المہذب ۱/ ۲۷۷، کاسانی: بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۷، ابن قدامہ: المغنی ۲/ ۳۳۳، مالک: المدونۃ الکبری ۱۲/ ۳۷۷)(سوا گر ظاہر ہونے والے اور بعد میں ظاہر ہونے والے پھل دونوں کو بیچ دے، تو بیع درست نہیں ہوگی، اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے، اور امام مالک کا قول ہے کہ بیع صحیح ہے)۔

ج-مذہب شافعی:

ذیل میں مذہب شافعی کی تفصیلات درج ہیں:

۱-پھل آنے اور قابل استعمال ہونے کے بعد بیع مطلقاً درست ہے، خواہ توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ہو، یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو، یا بلا شرط عقد ہو۔

۲-قابل استعمال ہونے سے پہلے توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے؛ جبکہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کا توڑنا مفید ہو۔

۳-کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوئے ہوں، تو پھر نا قابل استعمال پھل کو توڑ لینے کی شرط کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہے۔

۴-پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ان کی بیع کردی جائے، تو یہ جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین محمد رملی شافعیؒ لکھتے ہیں:”**يجوز بيع الثمر بعد بدوّ أي ظهور صلاحه مطلقا، أي من غير شرط قطع ولا إبقاء، ويتحقق في هذه، الإبقاء إلى أوان الجذاذ، كحالة شرط الإبقاء، وبشرط قطعه،وبشرط إبقائه، سواء كانت الأصول لأحدهما أم لغيره، للخبر المتفق عليه:أنه ﷺ نهى المتبايعين عن بيع الثمرة حتى يبدوصلاحها، ومفهومه الجواز بعد بدوّه مطلقا لأمن العاهة حينئذ غالبا لغِلَظِها**

وكِبَرِ نواها، وقبله تسرع إليه لضَعفه، فيفوت بتلفه الثمن، وبه يُشعر قولهﷺ:"أرأيت إن منع الله الثمرة فبم يستحلّ أحدكم مال أخيه"، وقبل الصلاح إن بيع الثمر الذي لم يبد صلاحه، وإن بدا صلاح غير المتحد معه نوعا ومحلا، منفردا عن الشجرة وهو على شجرة ثابتة، لا يجوز أي لا يصح البيع ويحرم إلا بشرط القطع حالا" (رملی: نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج ۴/۱۴۵، بیروت دارالفکر) (پھل کو قابل استعمال ہوجانے کے بعد مطلقاً یعنی توڑ لینے یا باقی رکھنے کی شرط کی تفصیل کے بغیر بیچنا جائز ہے، اور اس حالت میں خریدار پھل توڑنے کے وقت تک باقی رکھنے کا حقدار ہوگا، جیسے باقی رکھنے کی شرط کی حالت میں، اور توڑ لینے اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے، خواہ درخت عاقدین میں سے کسی کا ہو، یا دوسرے کا ہو، بخاری اور مسلم کی روایت کی وجہ سے کہ حضورﷺ نے عاقدین کو پھل تیار ہونے سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمایا (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۹۴، مسلم: ۱۵۳۴)، اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قابل استعمال ہونے کے بعد کسی تفصیل کے بغیر بیع جائز ہے؛ کیونکہ عام طور سے ایسے وقت میں آفت سے حفاظت ہوجاتی ہے، اس کے اور اس کے گٹھلی کے بڑے ہونے کی وجہ سے، جبکہ اس حالت سے پہلے اس کے کمزور ہونے کی وجہ سے آفت اس کی طرف لپکتی ہے، چنانچہ اس کے ضائع ہونے کی وجہ سے ثمن فوت ہوجائے گا، اور اسی کا پتہ چلتا ہے نبی کریمﷺ کے اس فرمان سے کہ: بتاؤ اگر اللہ پھل روک دے، تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے مال کو کیسے حلال ٹھہرائے گا) (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۵)، اور قابل استعمال ہونے سے پہلے اگر اس پھل کو بیچا گیا جو ابھی قابل استعمال نہیں ہوا، اگرچہ دوسرے پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں جو جگہ اور نوعیت کے اعتبار سے اس کے ساتھ متحد ہوں، اور درخت کے ساتھ اس کی بیع نہ ہو، اور پھل ثابت شدہ درخت پر ہو تو یہ بیع جائز نہیں، یعنی بیع صحیح نہیں، اور اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ کرنا حرام ہے، مگر فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے)۔

امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں: "إنما يجوز البيع بشرط القطع، إذا كان المقطوع منتفعا به، كالحصرم واللوزوالبلح والمشمش، فأما مالامنفعة فيه كالجوز والسفرجل والكمثرى، فلا يجوز بيعه بشرط القطع أيضا" (نووی: المجموع شرح المہذب ۱۱/۴۱۴ طبع یعسوب) (تیار ہونے سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع اس وقت جائز ہے جبکہ توڑا ہوا پھل قابل انتفاع ہو، جیسے کچا پھل، بادام، کچی کھجور، کشمش، سو بہر حال جس میں نفع نہ ہو، جیسے اخروٹ، بہی (ناشپاتی اور سیب کی طرح کا ایک پھل) اور ناشپاتی، تو توڑنے کی شرط کے ساتھ بھی اس کی بیع جائز نہیں ہے)۔

د- حنبلی مسلک:

۱- جب تک بُور پھل میں تبدیل نہ ہوجائے اس وقت تک اس کی بیع جائز نہیں ہے۔

۲-پھل کے قابل استعمال ہونے سے پہلے فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے۔

۳-قابل استعمال ہونے سے پہلے توڑنے کا وقت آنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔

۴-قابل استعمال ہونے کے بعد ہر طرح خرید وفروخت درست ہے،خواہ غیر مشروط طور پر عقد ہو، یا فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ہو، یا پھل کے تیار ہونے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو۔

۵-کچھ پھل ظاہر ہوگئے ہوں اور کچھ کے آئندہ ظاہر ہونے کی امید ہو،تو ظاہر اور غیر ظاہر ملا کر دونوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے،علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ تحریر فرماتے ہیں:"لایخلوبیع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة أقسام، أحدها:أن يشتريها بشرط التبقية، فلا يصح البيع إجماعا...... القسم الثاني:أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالإجماع......القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا، ولم يشترط قطعا ولا تبقية، فالبيع باطل......الثاني:أن يبيعها مع الأصل فيجوز بالإجماع......؛لأنه إذا باعها مع الأصل حصلت تبعا في البيع، فلم يضر احتمال الغرر فيها......الثالث: أن يبيعها مفردة لمالک الأصل، نحو أن تكون للبائع ولا يشترطها المبتاع فيبيعها له بعد ذلک......ففيه وجهان أحدهما: يصح البيع، وهو المشهور من قول مالک، وأحدالوجهين لأصحاب الشافعي؛لأنه يجتمع الأصل والثمرة للمشتري، فيصح كمالو اشتراهما معا......فإن اشتراها بعد أن بدا صلاحها على الترک إلى الجزاز جاز، وجملة ذلک أنه إذا بدا الصلاح في الثمرة جاز بيعها مطلقا، وبشرط التبقية إلى حال الجزاز، وبشرط القطع"(ابن قدامہ:المغنی ۴/۲۱۸-۲۲۲طبع بیروت،دارالفکر)۔

(قابل استعمال ہونے سے پہلے پھل کی بیع تین قسموں سے خالی نہیں،ایک قسم یہ ہے کہ درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خریدے،تو بالاتفاق بیع درست نہیں ہے......دوسری قسم یہ ہے کہ فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیچے،تو بالاتفاق بیع درست ہے۔تیسری قسم یہ ہے کہ مطلقاً فروخت کرے، اور توڑنے اور باقی رکھنے کی شرط نہ لگائے،تو بیع باطل ہے......دوسری نوع یہ ہے کہ درخت کے ساتھ بیچے تو بالاتفاق جائز ہے......اس لئے کہ درخت کے ساتھ جب پھل کو بیچے گا، تو بیع میں پھل تابع رہے گا،لہٰذا اس میں غرر کا احتمال نقصان دہ نہ ہوگا،......تیسری نوع یہ ہے کہ درخت کے مالک سے صرف پھل فروخت کرے، جیسا کہ پھل بائع کا ہو اور خریدار شرط نہ لگائے، پھر اس کے بعد فروخت کنندہ پھل کو بھی خریدار سے فروخت کردے،تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بیع درست ہے، اور یہی امام مالک کا مشہور قول ہے،اور یہی شافعیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے؛اس لئے کہ درخت اور پھل خریدار کے لئے جمع ہوجائیں گے،تو یہ بیع درست ہوگی،

جس طرح اس حالت میں بیع درست ہے جبکہ دونوں کو ایک ساتھ خریدے......سو اگر پھل کو قابل استعمال ہونے کے بعد تڑائی تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ فروخت کردے، تو بیع جائز ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پھل قابل استعمال ہوجائے تو اس کی بیع غیر مشروط طور پر، نیز تڑائی کے وقت تک درخت پر باقی رکھنے اور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے)۔

۳- بدوصلاح کی مراد:

الف- مذہب حنفی: راجح قول کے مطابق ''بدوصلاح'' سے مراد یہ ہے کہ پھل فساد اور بگاڑ سے محفوظ ہوجائے، علامہ محقق ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی تحریر فرماتے ہیں: ''**لكن بدو الصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد، وعند الشافعي: هو ظهور النضج وبدو الحلاوة**'' (ابن ہمام: فتح القدیر ۲۸۷/۶، بیروت، دار الفکر) (لیکن بدوصلاح سے ہم حنفیہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ پھل آفت اور فساد سے محفوظ ہوجائے، اور امام شافعی کے نزدیک مراد یہ ہے کہ پھل میں پختگی اور مٹھاس ظاہر ہوجائے)۔

جبکہ بعض فقہاء احناف، جیسے کرلانی، جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی نے بدوصلاح کی مراد یہ بیان کی ہے کہ پھل انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع ہوجائے، چنانچہ ہندیہ میں ہے: ''**لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب**'' (عالمگیری ۱۰۶/۳، نیز دیکھئے: کرلانی، الکفایۃ شرح الہدایۃ ۴۸۹/۵) (جو پھل انسان کے استعمال یا جانور کے چارہ کے لائق نہ ہو، وہ قابل انتفاع نہیں)۔ لیکن اس تعریف کا تعلق ایسی حالت میں بیع کے جواز یا عدم جواز سے ہے۔

اسی طرح قاضی خان نے اکثر مشائخ کی طرف جو نسبت کی ہے کہ اگر جانور کے چارے کے کام آسکے، لیکن انسان کے استعمال کے لائق نہ ہو تو پھل قابل انتفاع نہیں، اس کا تعلق ایسی حالت میں خرید وفروخت کے جائز ہونے یا نہ ہونے سے ہے، حالانکہ متاخرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ پھل حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہوا ہو تو اس کی بیع جائز ہے، علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: ''**ولكن اختلفوا فيما إذا كان غير منتفع به الآن أكلا وعلفا للدواب، فقيل بعدم الجواز، ونسبه قاضيخان لعامة مشائخنا، والصحيح الجواز......وقد أشار إليه محمد في كتاب الزكاة، فإنه قال: لو باع الثمار في أول ماتطلع، وتركها بإذن البائع حتى أدرك، فالعشر على المشتري، فلو لم يكن جائزا، لم يوجب فيه على المشتري العشر...... وإن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب، فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب، إذا باع بشرط القطع، أو مطلقاً، ويجب قطعه على المشتري**'' (ابن نجیم: البحر الرائق ۳۲۴/۵-۳۲۵) (فقہاء احناف کا اس صورت میں اختلاف ہے جبکہ پھل ابھی انسان کے کھانے اور جانوروں کے چارہ کے لحاظ سے قابل انتفاع نہ ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع جائز نہیں، اور قاضی خان نے اکثر مشائخ کی طرف اس کی نسبت کی ہے......اور امام محمدؒ نے ''کتاب الزکاۃ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے؛ کیونکہ انہوں نے تحریر فرمایا

ہے کہ اگر پھل کو نکلنے کی ابتدائی حالت میں بیچ دے، اور خریدار پھل فروخت کنندہ کی اجازت سے درخت پر رہنے دے، یہاں تک کہ وہ بک جائے، تو عشر خریدار پر ہے، سواگر بیع جائز نہیں ہوتی تو امام محمد خریدار پر عشر لازم نہیں قرار دیتے......اور اگر پھل اس حالت میں ہو کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے، خواہ جانوروں کے چارہ کے طور پر، تو بیع اہل مذہب کے اتفاق سے جائز ہے جبکہ توڑنے کی شرط کے ساتھ بیچے، یا مطلقا غیر مشروط طور پر بیچے، اور ایسی حالت میں خریدار پر توڑنا واجب ہے)۔

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''**وعندنا إن كان بحال لا ينتفع به في الأكل ولا في علف الدواب، ففيه خلاف بين المشائخ، قيل: لا يجوز، ونسبه قاضي خان لعامة مشائخنا، والصحيح أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به في ثاني الحال إن لم يكن منتفعا به فی الحال**'' (ابن عابدین: رد المحتار ۴/۵۵۵، بیروت دار الفکر) (اور ہمارے نزدیک اگر پھل ایسی حالت میں ہو کہ اس سے نہ کھانے میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو اور نہ جانوروں کے چارے میں، تو اس سلسلہ میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے، سو بعض نے کہا ہے کہ بیع جائز نہیں، اور قاضی خان نے اکثر مشائخ کی طرف اس کی نسبت کی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ یہ ایسا مال ہے جس سے آئندہ حالت میں نفع اٹھایا جاسکتا ہے، اگرچہ ابھی نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو)۔

ب-مذہب مالکی:

مذہب مالکی میں بدوصلاح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''**هو الزهو وظهور الحلاوة والتهيؤ للنضج، وفي ذي النور بانفتاحه، والبقول بإطعامها**'' (ابن عبد السلام تسولی مالکی: البہجۃ فی شرح التحفۃ ۲/۴۹، طبع اول بیروت العلمیہ) (بدوصلاح یہ ہے کہ پھل سرخی یا زردی پکڑلے، اور اس میں مٹھاس ظاہر ہو جائے، اور وہ پختگی کے لئے تیار ہو جائے، اور کلی دار پھولوں میں کلی نکلنے کا نام ہے، اور ساگ پات اور ترکاری و سبزی میں کھانے کے لائق ہونے کا نام ہے)۔

اور خرشی مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**هو الزهو في النخل كاحمراره واصفراره، وما في حكمهما كالبلح الخضراوي، وظهور الحلاوة في غيره كالمشمش، والعنب، والتهيؤ للنضج أي بأن يكون إذا قطع لايفسد، بل يميل إلى الصلاح كالموز؛ لأن من شأنه أنه لا يطيب حتى يدفن في التبن ونحوه، وفي ذي النور بانفتاحه يعنى أن بدو الصلاح في صاحب النور كالورد والياسمين، وما أشبه ذلک، أن تنفتح أكمامه، ويظهر نوره، والبقول بإطعامها يعني أن بدو الصلاح في البقول بإطعامها، أي بأن ينتفع بها في الحال، والصلاح في المغيبة في الأرض كاللفت، والجزر، والفجل، والبصل إذا استقلّ ورقه ولمّ، وانتفع به، ولم يكن في قلعه فساد**'' (خرشی: شرح مختصر خلیل ۵/۱۸۶، بیروت، دار الفکر) (بدوصلاح کھجور میں سرخی یا

زردی پکڑنا ہے، یا جوان دونوں رنگوں کے حکم میں ہو، جیسے ہر کھجور میں مٹھاس، اور کھجور کے علاوہ میں مٹھاس کا ظاہر ہونا ہے، جیسے کشمش اور انگور، اور پک جانے کے لئے تیار ہونا ہے، یعنی اس حالت میں ہو کہ اگر اسے کاٹ لیا جائے تو اس میں بگاڑ نہ پیدا ہو، بلکہ درستگی کی طرف مائل رہے، جیسے کیلا؛ کیونکہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ اسی وقت پکتا ہے جبکہ اسے بھوسی یا اس جیسی دیگر چیز میں دفن کر دیا جائے، اور کلی دار پھولوں میں کلی کے کھلنے سے یعنی کلی دار پھول جیسے گلاب اور چنبیلی اور اس جیسے دیگر پھولوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ کلی کا غلاف کھل جائے، اور ساگ پات کھانے کے لائق ہو جائے، یعنی ساگ اور ترکاریوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ کھانے کے لائق ہو جائے، یعنی اس سے فوری طور سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو، اور زمین میں پوشیدہ اشیاء جیسے شلجم، گاجر، مولی اور پیاز میں بدو صلاح اس وقت ہوگا جبکہ اسکے پتے اونچے ہو جائیں اور مکمل ہو جائیں اور وہ لائق انتفاع ہو جائے، اور اس کو اکھاڑنے میں بگاڑ نہ ہو)۔

مالکیہ کی تعریف کا اگر تنقیدی جائزہ لیا جائے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف چیزوں میں قابل استعمال ہونے کے لئے وہ علامتیں مقرر کی ہیں جو عام طور سے لوگوں کے عرف میں رائج ہیں، یعنی ہر چیز کی تیاری کا وہی مفہوم ہے جسے لوگ تیار یا تیاری کے قریب سمجھتے ہیں اور توڑنے کے لائق گردانتے ہیں، مثلاً: کھجور میں سرخی یا زردی پکڑ لے اور سیاہ انگور میں سیاہی کے ساتھ مٹھاس آجائے، اور دیگر پھلوں میں مٹھاس پیدا ہو جائے، اور کچی سبزی قابل انتفاع ہو جائے، اور دیگر ساگ پات کھانے کے لائق ہو جائے اور کھیتی اور دانہ خشک اور سخت ہو جائے۔

ج- مذہب شافعی:

شافعیہ کے نزدیک جو پھل یا کھیتی رنگ نہ پکڑے، جیسے سیب وغیرہ تو اس میں بدو صلاح یہ ہے کہ مٹھاس اور پک جانے کی ابتدائی کیفیت ظاہر ہو جائے، اور رنگ پکڑنے والے پھلوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ سرخی یا سیاہی یا زردی پکڑنے لگیں۔

اور اس سلسلہ میں آٹھ علامتیں ہیں جن سے بدو صلاح کی شناخت ہوتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱- رنگ: ہر رنگین اور کھانے کے لائق پھل میں اس سے شناخت ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ اس میں سرخی، یا سیاہی یا زردی آنے لگے، جیسے کچی کھجور، انگور، کشمش اور آلو بخارا وغیرہ۔

۲- مزہ: جیسے گنے کی مٹھاس، اور انار کی کھٹاس۔

۳- پختگی اور نرمی: جیسے انجیر، تربوز اور خربوزہ وغیرہ۔

۴- مضبوطی اور سختی: جیسے گیہوں اور جو۔

۵- لمبائی اور بھرائی: جیسے چارہ اور ساگ پات۔

۶-بڑا پن: جیسے کھیرا، ککڑی وغیرہ کا سائز اتنا ہو گیا ہو کہ اسے کھایا جا سکے۔

۷-کلی کا غلاف کھلنا: جیسے روئی، اخروٹ وغیرہ۔

۸-کلی کھلنا، جیسے گلاب

اور جس کے اندر کلی کا غلاف نہ ہو تو اس کا محض ظاہر ہونا، جیسے چنبیلی۔

اور اسے آخری علامت میں بھی داخل مان سکتے ہیں، اس سلسلہ میں ضابطہ بیان کرتے ہوئے خطیب محمد شربینی شافعیؒ لکھتے ہیں: ”**هو بلوغه صفة يطلب فيها غالبا، فعلامته في الثمر المأكول المتلون أخذه في حمرة، أوسواد، أوصفرة، وفي غير المتلون منه كالعنب الأبيض لينه وتمويهه: وهو صفاؤه وجريان الماء فيه؛ إذ هوقبل بدو الصلاح لايصلح للأكل**“ (شربینی: الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع ۱/ ۲۱۵، بیروت، دارالکفر) (بدوصلاح ایسی صفت یعنی حالت کو پہنچ جانے کا نام ہے، جس میں اس پھل کو عام طور سے طلب کیا جاتا ہو، چنانچہ رنگین کھانے کے لائق پھل میں اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سرخی یا سیاہی یا زردی پکڑنے لگے، اور رنگ نہ پکڑنے والے پھل جیسے سفید انگور میں علامت یہ ہے کہ وہ نرم ہو جائے اور نکھر جائے اور اس میں پانی آ جائے؛ کیونکہ یہ بدوصلاح سے پہلے کھانے کے لائق نہیں ہوتا ہے)۔

د- حنبلی مسلک:

اگر تیار ہونے کے وقت پھل کا رنگ بدل جاتا ہو، جیسے کھجور، سیاہ انگور اور آلو بخارا تو اس کے اندر بدوصلاح اس کے رنگ بدلنے سے ہوگا، اور اگر سفید انگور ہو تو اس کے اندر بدوصلاح یہ ہے کہ اس میں پانی آ جائے یعنی میٹھا پانی اس میں ظاہر ہو جائے اور نرمی آ جائے اور اس کا رنگ زرد ہو جائے۔

اور اگر رنگ نہ پکڑتا ہو، جیسے سیب وغیرہ تو اس میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کے اندر مٹھاس اور پختگی آ جائے۔اور اگر تربوزہ وخربوزہ وغیرہ ہو تو اس میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کے اندر پختگی ظاہر ہو جائے، اور اگر اس کا رنگ نہ بدلتا ہو، اور چھوٹے بڑے سائز کو پختہ حالت میں کھایا جاتا ہو؛ جیسے کھیرا اور ککڑی تو اس میں بدوصلاح یہ ہے کہ ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ عام طور سے اسے کھایا جا سکے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ لکھتے ہیں: ”**وجملة ذلک أن ماكان من الثمرة يتغيرلونه عند صلاحه، كثمرة النخل، والعنب الأسود، والإجاص، فبدوصلاحه بذلک، وإن كان العنب أبيض فصلاحه بتموّهه، وهو أن يبدوفيه الماء الحلو، ويلين ويصفر لونه، وإن كان مما لايتلون كالتفاح ونحوه، فبأن يحلو ويطيب، وإن كان بطيخا أو نحوه فبأن يبدو فيه النضج، وإن كان مما لايتغيرلونه، ويؤكل طيبا، صغارا وكبارا، كالقثاء والخيار، فصلاحه بلوغه أن يؤكل عادة**“ (ابن قدامہ: المغنی ۴/ ۲۲۴)۔

مذاہب اربعہ کی تعریفات کا تجزیہ:

اگر چاروں مذاہب کی تعریفات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی تعریفات باہم قریب ہیں، اگرچہ تھوڑا بہت فرق پایا جاتا ہے، مثلاً شافعیہ نے پھل کے آخری مقدار تک پہنچنے کو بدو صلاح مانا ہے کہ اس کے بعد بڑھوتری نہ ہوسکے، چنانچہ یہ پھل کی تیاری کا آخری مرحلہ ہے، جبکہ حنابلہ کا مسلک عرف ورواج سے زیادہ قریب ہے؛ کیونکہ بدو صلاح کی تفسیر میں ان کے یہاں ابتدائی مرحلہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جس میں عام طور سے پھل پکنے کے قریب ہوجاتے ہیں، اور کسی حد تک کھانے کے لائق ہوجاتے ہیں۔

لیکن حنفیہ نے آفت اور فساد سے محفوظ ہوجانے کے مرحلہ کو بدو صلاح کا معیار قرار دیا ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ حنابلہ کا مسلک اس سلسلہ میں راجح ہے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، اور خود نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر فرمادی ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے: ''**نهى عن بيع الثمار حتى تزهي، قال: حتى تحمار**'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۴۸۸) (رسول اللہ ﷺ نے پھل کی خرید وفروخت سے منع فرمایا، یہاں تک کہ اس میں سرخی یا زردی آجائے، اور راوی صحابی نے اس کی تفسیر سرخی آنے سے کی ہے)۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں ہے: ''**حتى تشقح**'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۱۹۶، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۳۶) (یہاں تک کہ پھل میں سرخی اور زردی آجائے، اور کھانے کے قابل ہوجائے)۔

لہذا جہاں احادیث پاک میں بدو صلاح کی تفسیر موجود ہے، وہاں اس پر اکتفاء کیا جائے گا، اور جہاں موجود نہ ہو وہاں عرف کے مطابق فیصلہ ہوگا، کہ جس چیز کی تحدید کتاب وسنت میں وارد نہ ہو، اس میں عرف ہی حجت ہے، اسی کے ساتھ احناف کی تفسیر میں یہ بھی نقص ہے کہ آفت سے محفوظ ہونا جانور کے چارے یا انسان کے لئے کسی حیثیت سے قابل انتفاع ہونے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ پھل وغیرہ آفت وفساد سے اسی وقت مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں، جبکہ وہ پکنے کے ابتدائی مرحلہ میں داخل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں، لہذا ان کا مسلک ہی راجح ہے۔

۴- ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات میں اس سوال کا جواب گزر چکا ہے، پھر بھی اختصار کے ساتھ ذیل میں درج ہے:

الف- پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت بالاتفاق ناجائز ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے: ''**الأولى أن يبيعها قبل الظهور والبروز، أي قبل انفراك الزهر عنها وانعقادها ثمرة، فهذا البيع لايصح اتفاقا**'' (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹) (پہلی حالت یہ ہے کہ پھلوں کو ظاہر ہونے سے پہلے ہی بیچ دے، یعنی پھل کے پھول نکلنے اور پھل بننے سے پہلے ہی بیچ دے، تو یہ بیع بالاتفاق صحیح نہیں ہے)۔

دوسری جگہ ہے:"**أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها؛لأنها معدومة، وبيع المعدوم غير جائز للغرر**"(الموسوعة الفقہیہ ۱۵/ ۱۳)(پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کی خرید وفروخت کے صحیح نہ ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے؛اس لئے کہ وہ معدوم ہیں،اور غرر کی وجہ سے معدوم کی بیع ناجائز ہے)۔

ب– حنفیہ کے نزدیک ظاہر شدہ پھلوں کے ساتھ غیر ظاہر شدہ پھلوں کی بیع درست نہیں ہے، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر غیر مشروط طور پر خرید وفروخت ہو اور قبضہ سے پہلے کچھ دوسرے پھل نکل آئیں تو شناخت کی دشواری کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی،اور اگر خریدار کے قبضہ کے بعد کچھ دوسرے پھل نکل آئے ہوں،تو خریدار وفروخت کنندہ دونوں پھلوں میں اختلاط کی وجہ سے شریک سمجھے جائیں گے، چنانچہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:"**ولو اشتراها مطلقا فأثمرت ثمرا آخر قبل القبض فسد البيع لتعذر التمييز، ولوأثمرت بعده اشتركا للاختلاط**"(ابن نجیم: البحر الرائق ۵/ ۳۲۵)۔

البتہ احناف کے یہاں اس حالت میں بیع کے جواز کی کچھ تدبیریں ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱–پہلی تدبیر:

پہلی تدبیر یہ ہے کہ اگرچہ اس معاملہ میں سلم کی بعض شرطیں مفقود ہیں،مثلاً:مبیع کی مقدار متعین نہیں،اور نہ ادائیگی کا وقت متعین ہے، نیز نہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہے،اس کے باوجود بروز البعض کے بعد خرید وفروخت کو ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے سلم سے ملحق قرار دیا جائے گا، چنانچہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:"**فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا أمكن إلحاقه بالسلم بطريق الدلالة، فلم يكن مصادما للنص**"(ابن عابدین: ردالمحتار ۴/ ۵۵۶)(چنانچہ بعض پھل نکل آنے کی صورت میں بھی ضرورت ثابت ہے،لہذا بہ طور دلالت سلم کے ساتھ اس معاملہ کو لاحق کرنا ممکن ہے،اس لئے یہ نص سے متصادم نہیں ہے(کیونکہ سلم میں معدوم کی ہی بیع ہوتی ہے))۔

۲–دوسری تدبیر:

دوسری تدبیر یہ ہے کہ خریدار موجودہ پھل خرید لے،اور فروخت کنندہ عقد کے بعد اس کے لئے آئندہ ہونے والے پھل کو مباح کردے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:"**وفي ثمار الأشجار يشتري الموجود ويحل له البائع مايوجد**"(ابن نجیم: البحر الرائق ۵/ ۳۲۵)(اور درختوں کے پھلوں میں موجودہ پھل کو خرید لے اور فروخت کنندہ آئندہ وجود میں آنے والے پھلوں کو اس کے لئے حلال ٹھہرادے)۔

۳-تیسری تدبیر:

تیسری تدبیر کھیتی وغیرہ کے سلسلہ میں ہے کہ موجودہ کھیتی مقررہ دام کے کچھ حصہ کے بدلے خرید لے اور باقی رقم کے ذریعہ زمین کو اس متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا یقینی ہو، جیسا کہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''**وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن، ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم غاية الإدراک وانقضاء الغرض فيها بباقي الثمن**'' (مرجع سابق ۵/۳۲۵) (اور کھیتی اور گھاس میں موجودہ کھیتی یا گھاس کو طے شدہ قیمت کے کچھ حصہ سے خرید لے، اور باقی رقم سے زمین کو اس متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کے پکنے یا گھاس کے تیار ہونے اور مقصود کے حاصل ہونے کا یقین ہو)۔

۴-چوتھی تدبیر:

چوتھی تدبیر کا تعلق بیگن، ککڑی اور خربوزہ وغیرہ دیگر پھلوں اور سبزیوں سے ہے کہ پھل کی جگہ اصل پود کو ہی خرید لے؛ تاکہ آئندہ آنیوالے پھل یا سبزی اس کی ملک میں وجود میں آئیں۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''**أن يشتري أصول الباذنجان والبطيخ والرطبة، ليكون مايحدث على ملكه**'' (مصدر سابق ۵/۳۲۵) (بیگن، خربوز اور ہری سبزیوں کو جڑوں سمیت خرید لے؛ تاکہ آئندہ جو وجود میں آئے وہ اس کی ملکیت میں آئے)۔

۵-پانچویں تدبیر:

پانچویں تدبیر یہ ہے کہ ناشپاتی وغیرہ کے پتے خرید لئے جائیں، چنانچہ درخت میں آئے ہوئے ناقابل انتفاع پھل بھی تبعاً اسی بیع میں داخل رہیں گے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**والحيلة في جوازه باتفاق المشائخ أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر، فيجوز فيها تبعا للأوراق، كأنه ورق كله**'' (ابن ہمام: فتح القدیر ۶/۲۸۷، بیروت، دارالفکر) (اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھل کی بیع کے جواز کے سلسلہ میں باتفاق مشائخ تدبیر یہ ہے کہ ناشپاتی کو نکلنے کے ابتدائی مرحلہ میں درخت کے پتے کے ساتھ بیچ دے، چنانچہ ایسے ناقابل انتفاع پھل میں پتے کی تبعیت میں بیع جائز رہے گی، گویا کہ فروخت کردہ چیز سب کے سب پتے ہی ہیں)۔

خیال رہے کہ پہلی تدبیر زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ زیادہ تر لوگ لاعلمی کی وجہ سے شرطوں کی رعایت نہیں کرپاتے ہیں، اور ان کو ان کے تعامل سے باز رکھنے میں بھی دشواری ہے، لہذا کچھ پھل نکل آنے کے بعد خرید وفروخت درست ہے، اور تعامل کی وجہ سے سلم کی کچھ شرطوں میں ڈھیل دی جائے گی کہ ان شرطوں کا اصل مقصود نزاع سے دوری ہے، جو عرف ورواج کی وجہ سے ذکر کردہ صورت میں حاصل ہے۔

ج-نا قابل استعمال پھلوں کی خرید وفروخت کا حکم:

اگر پھل ظاہر ہو گیا ہو، لیکن نا قابل استعمال ہو، تو فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت بالاتفاق جائز ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:"**الثالثة: أن يبيعها بعد الظهور، قبل بدو الصلاح بشرط القطع في الحال، فهذا البيع صحيح بالإجماع، ولا خلاف في جوازه**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۹۰) (تیسری حالت یہ ہے کہ پھل کو ظاہر ہونے کے بعد قابل استعمال ہونے سے پہلے فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کردے، تو یہ بیع بالاتفاق صحیح ہے، اوراس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

البتہ اگر مطلقاً یعنی غیر مشروط طور پر بیع ہو، اوراس میں فوراً توڑ لینے یا تیار ہونے تک باقی رکھنے کی صراحت نہ ہو، تو جمہور یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع باطل ہے، اور حنفیہ کے نزدیک درست ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک غیر مشروط طور پر بیع کرنا فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع کرنے کے درجہ میں ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:"**الخامسة أن يبيع الثمرة قبل بدو الصلاح مطلقا، فلا يشترط قطعا ولا تبقية، فعند الشافعية والحنابلة، والقول المعتمد عند المالكية أن بيعها كذلك باطل......والصحيح عند الحنفية أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به في ثاني الحال، وإن كان بحيث ينتفع به، ولو علفا للدواب، فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب، إذا باع بشرط القطع، أو مطلقا**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۹۲-۱۹۳) (پانچویں حالت یہ ہے کہ پھل کو ظاہر ہونے کے بعد قابل استعمال ہونے سے پہلے مطلقاً یعنی غیر مشروط طور پر بیچ دے، چنانچہ نہ تو توڑنے کی شرط لگائے اور نہ پکنے تک درخت پر باقی رکھنے کی شرط لگائے تو شافعیہ، حنابلہ اور معتمد قول کے مطابق مالکیہ کے نزدیک اس طرح خرید وفروخت کرنا بھی باطل ہے......؛ جبکہ حنفیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ پھل انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع نہ بھی ہو تو اس کی بیع جائز ہے؛ اس لئے کہ آئندہ حالت میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اگر چہ فوراً اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، اور اگر پھل سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، خواہ جانوروں کے چارہ کے طور پر، تو مذہب حنفی کے فقہاء کے اتفاق کے ساتھ اس کی بیع جائز ہے، جبکہ فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ یا بلاشرط فروخت کرے)۔

اوراس حالت میں اگر پھل کو پکنے اور تیار ہونے تک درخت پر رکھنا چاہ رہا ہو، تو دو تدبیریں اختیار کرسکتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱-صحت بیع کے بعد فروخت کنندہ خریدار کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت دے دے، اور اگر اجازت سے آئندہ رجوع کرنے کا خطرہ ہو، تو امام ابو یوسف کے مسلک کے مطابق فروخت کنندہ سے اس طرح اجازت

حاصل کرلی جائے کہ میں پھلوں کو درختوں پر رکھنے کی فلاں مدت تک اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو خریدار کو پھل درخت پر رکھنے کا حق حاصل رہے گا، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ”وفي الأشجار الموجود ويحل له البائع مايوجد،فإن خاف أن يرجع، يقول: علی أني متی رجعت في الإذن تکون مأذونا في الترک“(حصکفی: الدرالمختار ۴/۵۵۵)(اور درختوں کے پھلوں میں موجودہ پھل کو مالک سے خرید لے اور فروخت کنندہ مالک اس کے لئے آئندہ ہونے والے پھلوں کو حلال کردے، سو اگر اجازت سے رجوع کرنے کا اندیشہ ہو، تو اس طرح اجازت دے کہ جب میں اجازت سے رجوع کروں تو تجھے درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت ہوگی)۔

اور شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”وحاصله أنه علی قول محمد یمکن الرجوع هنا عن الإحلال بأن یقول: رجعت عن الإحلال المعلق وعن المنجز“(ابن عابدین: ردالمحتار ۴/۵۵۷)(خلاصہ یہ کہ امام محمدؒ کے قول کے مطابق اس جگہ حلال کردینے سے رجوع ممکن ہے کہ اس طرح کہے کہ میں نے مشروط اور غیر مشروط دونوں اجازت سے رجوع کیا)۔

لیکن اس جگہ امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہی راجح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ معاملات میں قانوناً بھی ایفاء وعدہ لازم ہے، جیسا کہ مالکیہ کا مسلک ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی جو وعدہ ضمن عقد میں ہو وہ لازم ہوجاتا ہے، اگر اس جگہ یہ اشکال کیا جائے کہ ''المعروف کالمشروط'' کے قاعدہ کے مطابق اس بیع کو فاسد ہونا چاہئے؛ کیونکہ پکنے تک درخت پر چھوڑنا موجودہ دور میں متعارف ہے، تو گویا بعد والی اجازت عقد کے وقت طے کی جانے والی شرط کے درجہ میں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ درخت پر پکنے تک چھوڑنے کی شرط اس لئے مفسد عقد ہے؛ کیونکہ وہ باہم جھگڑنے کا سبب ہے اور جب لوگوں میں درخت پر چھوڑنے کا تعامل رائج ہے، تو پھر نزاع کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

بلکہ آئندہ یہ بات بھی آرہی ہے کہ تعامل کی وجہ سے یہ شرط عقد کے وقت لگانے سے بھی بیع فاسد نہیں ہوگی۔ درخت کو ''مساقات''یعنی بٹائی پر لے لے، اور معمولی شرح مثلاً ہزارواں حصہ مالک باغ کے لئے مقرر کردے، علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”والحیلة أن یأخذ الشجرة معاملة علی أن له جزءاً من ألف جزء“(حصکفی: الدرالمختار ۴/۵۵۷)(اور درخت پر باقی رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ درخت کو بٹائی پر لے لے، اس شرح کے ساتھ کہ مالک باغ کو ہزار حصہ میں سے ایک حصہ ملے گا)۔

اور یہ تدبیر زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ عام طور سے مالک باغ کو ڈالی دینے کا رواج ہے، جسے فقہاء معاصرین نے اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ گمان غالب ہو کہ باغ میں اس مقررہ مقدار سے زیادہ پھل آئے گا، اور واقعتاً ایسا ہی ہوتا ہے اور بڑے چھوٹے ہر طرح کے مخلوط پھل کی تحدید ہونے کی وجہ سے نزاع پیدا نہیں ہوتی ہے، لہذا ڈالی کی جگہ ہزارویں حصہ کی شرح سے درخت کو بٹائی پر لینا ہی مناسب ہوگا۔

۵-پھل تیار ہونے سے پہلے خرید وفروخت کا حکم:

الف-فریقین میں اگر یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا، تو یہ بالاتفاق جائز ہے، خواہ بیع بدوصلاح سے پہلے ہو یا بدوصلاح کے بعد ہو۔

ب-اگر طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا، تو اگر بیع بدوصلاح کے بعد ہوئی ہے تو ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک یہ بیع درست ہے؛ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک درخت پر پھل کے چھوڑے رہنے کی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں ہوگی، لیکن امام محمد کے نزدیک اگر پھل اپنی مطلوبہ حد کو پہنچ گئے ہوں، تو پھر ایسی شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، واضح رہے کہ تعامل کی وجہ سے امام محمدؒ کا مسلک ہی راجح ہے، نیز آئندہ یہ بات آرہی ہے کہ پھل نکل آنے کے بعد تعامل کی وجہ سے درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط بھی معتبر شرط ہے۔

ج-اگر خریدنے کے بعد نہ فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو، اور نہ درخت پر باقی رہنے کی، تو اگر یہ بیع بدوصلاح کے بعد ہوئی ہے تو بالاتفاق جائز ہے؛ البتہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک خریدار کو پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک فوراً پھل توڑنا لازم ہوگا، مگر یہ کہ عقد کے بعد مالک باغ درخت پر رکھنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت دے دے، جبکہ امام محمد کے نزدیک اگر پھل اپنی مطلوبہ حد کو پہنچ گیا ہو تو خریدار پھل کو درخت پر رکھ سکتا ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

ترجمہ: چھٹی حالت یہ ہے کہ ایسے پھل خریدے جس کا قابل انتفاع ہونا، اور جس کی پختگی ظاہر ہوگئی ہو، اور اس کی بڑھوتری مکمل نہیں ہوئی ہو، اور اس کی بڑھوتری مکمل ہونے تک درخت پر باقی رکھنے اور چھوڑنے کی شرط لگائے، تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں بلکہ مطلقاً غیر مشروط طور پر خریدنے کی صورت میں بیع جائز ہے...... جبکہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں تفصیل کرتے ہوئے حکم لگایا ہے کہ اگر چھوڑنے کی شرط لگائے اور بڑھوتری اور پختگی مکمل نہیں ہوئی ہو، تو خریدار نے معاملے میں معدوم جزء کی شرط لگائی، اور یہ وہ جزء ہے جو زمین اور درخت کی وجہ سے بڑھے گا، اور یہ اضافہ بیع کے بعد بائع کی ملکیت سے ہوگا، سو گویا اس نے موجود کے ساتھ معدوم کو شامل کرلیا اور دونوں کو خرید لیا، لہذا عقد فاسد ہوجائے گا، اور اگر بڑھوتری مکمل ہونے کے بعد چھوڑنے کی شرط لگائے، تو شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے، اور وہ یہ کہ اس حالت میں بھی عقد فاسد ہوجائے گا، اور یہی قیاس کا تقاضہ ہے؛ اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا، اور وہ یہ ہے کہ دوسرے کی ملکیت مشغول رہے، اور عاقدین میں سے ایک کا اس میں نفع بھی ہے، اور اس طرح کی شرط عقد کو فاسد کردیتی ہے، اور ایسا اس وجہ سے کہ مبیع میں عمدگی اور تازگی کا اضافہ ہوتا ہے، اور خریدار کا اس میں نفع بھی ہے۔

البتہ امام محمد بن الحسنؒ نے اس صورت میں استحسان سے کام لیا ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے قول کی طرح یہ قول اختیار کیا ہے کہ عقد فاسد نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ لوگوں میں متعارف ہے، برخلاف اس صورت کہ جس میں بڑھوتری مکمل نہ ہو؛ اس لئے کہ اس میں معدوم حصہ کی شرط ہے......اور کرلانی نے الأسرار سے نقل کیا ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، اور عموم بلوی کی وجہ سے اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۹۳-۱۹۴)۔

اور اگر خرید وفروخت کا معاملہ مطلقا ہوا، اور فروخت کنندہ نے صراحتاً یا دلالتاً درخت پر رکھنے کی اجازت دے دی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**إن كان الترك بإذن البائع جاز وطاب له الفضل، وإن كان بغير إذنه تصدق بمازاد في ذاته على ماكان عند العقد**'' (کاسانی: بدائع الصنائع ۵/ ۱۷۳، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۹۸۲) (اگر درخت پر چھوڑنا فروخت کنندہ کی اجازت سے ہو، تو یہ جائز ہے، اور اس کے لئے زیادتی حلال ہے، اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر ہو، تو عقد کے وقت اس کی جو حالت تھی اس سے اس کی ذات میں جو بھی اضافہ ہوا اسے صدقہ کردے)۔

بلکہ آئندہ یہ بات آرہی ہے کہ تعامل کی وجہ سے ایسی شرط بھی معتبر ہے، اور مفسد عقد نہیں، اور بلا شرط بھی رکھنے کا حق ہے۔

۶-خریدار کا پھل خرید کر پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینے کا حکم:

یہ جائز نہیں ہے کہ خریدار پھل خرید لے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لے لے؛ اس لئے کہ پھل کی حیثیت بجائے خود اصل کی ہے، اور پھل کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے جبکہ اجارہ (کرایہ داری) کی حقیقت یہ ہے کہ اصل کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے نفع کو فروخت کردیا جائے۔

چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ''**وإن استأجر الشجر إلى وقت الإدراك بطلت الإجارة، وطابت الزيادة لبقاء الإذن**'' (حصکفی: الدرالمختار ۴/ ۵۵۶) (اور اگر درخت کو پھل کے پکنے تک کرایہ پر لے لے تو اجارہ باطل ہوجائے گا، اور اجازت باقی رہنے کی وجہ سے اضافہ حلال رہے گا)۔

اور علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''**وإن عين المدة؛ فإن أصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل، ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة، فلا يجوز، وكذا لواستأجر أشجارا ليجفف عليها ثيابه لم يجز**'' (ابن عابدین: ردالمختار ۴/ ۵۵۶-۵۵۷) (اجارہ باطل ہے خواہ مدت متعین کردے؛ کیونکہ اصل اجارہ میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باطل ہو، مگر ضرورت کی وجہ سے شریعت نے ان چیزوں میں اجازت دی ہے جس میں تعامل ہو، اور خالی درخت کے اجارہ میں کوئی تعامل نہیں ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہے، ایسے ہی اگر

درخت کرایہ پر لے تاکہ اس پر کپڑے سکھائے تو یہ جائز نہیں ہے)۔

اور علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:"**وإن اشتراها مطلقا، وتركها على النخيل،وقد استأجر النخيل إلى وقت الإدراك، طاب له الفضل؛لأن الإجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة، فبقي الإذن معتبرا**"(مرغینانی: الہدایۃ ۲۶/۳ بیروت، المکتبۃ الاسلامیہ)(اور اگر غیر مشروط طور پر پھل خریدے اور اسے (کھجور کے) درخت پر چھوڑ دے اور پکنے کے وقت تک کے لئے درخت کو کرایہ پر لے لے، تو خریدار کے لئے اضافہ حلال ہے؛ کیونکہ تعامل اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ باطل ہے؛لہذا اجازت معتبر رہے گی)۔

اگرچہ ابن ہمامؒ نے اجارہ کے جواز کا رجحان ظاہر کیا ہے:"**وهنا يمكن أن يشتري الثمار مع أصولها فيتركها عليها، ولا يخفى ما في هذا من العسر؛فإنه يستدعي شراء مالاحاجة له إليه، أو مالا يقدر على ثمنه، وقد لا يوافقه البائع على بيع الأشجار، فالأول أولى**" (ابن ہمام: فتح القدیر ۲۸۸/۶، بیروت، دارالفکر)(اور اس جگہ اجارہ کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ خریدار کے لئے ممکن ہے کہ پھلوں کو درختوں کے ساتھ خرید لے، اور پھل کو ان پر باقی رکھے،لیکن اس میں جو دشواری ہے وہ پوشیدہ نہیں؛اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ خریدار ایسی چیز کو خریدے جس کی اس کو ضرورت نہیں، یا جس کی قیمت ادا کرنے پر اسے قدرت نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فروخت کنندہ درخت بیچنے پر آمادہ نہ ہو، چنانچہ پہلی صورت یعنی درخت کا اجارہ زیادہ بہتر ہے)،لیکن تعامل نہ ہونے کی وجہ سے یہ قول کمزور معلوم ہوتا ہے۔

۷-پھل کی خرید وفروخت کی دیگر صورت:

آم کے بَوریا صرف پھول آنے کے بعد بیع: اگر آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع محض پھول آنے کے بعد ہو تو یہ جائز ہے؛اس لئے کہ یہ پھلوں کی بیع نہیں ہے بلکہ پھولوں کی بیع ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-یہ پھول قیمتی مال ہیں۔

۲-یہ پھول جانوروں کے چارہ اور بعض انسانی ضروریات میں قابل انتفاع ہیں۔

۳-اگر فی الحال قابل انتفاع نہ بھی ہوں تو آئندہ قابل انتفاع ہیں، جیسا کہ محققین احناف نے پھل کے جانوروں کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی بیع کے جواز کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ مرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**من باع ثمرة لم يبد صلاحها......جاز البيع؛لأنه مال متقوم،إما لكونه منتفعا به في الحال، أو في الثاني**"(مرغینانی: ہدایہ ۲۵/۳)(جو پھل کو اس کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے بیچ دے......تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ یہ قیمتی مال ہے، اس کے فی الحال قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے یا آئندہ حالت میں قابل انتفاع ہونے کے سبب سے)۔

۸- باغوں کے پھلوں کی بیع کی مروج شکلوں میں گنجائش کی تلاش:

پس منظر:

موجودہ دور میں باغوں کے پھلوں کی بیع جن شکلوں میں ہورہی ہے، اگران کوناجائز قرار دیا جائے تو خلق الٰہی سخت دشواری میں مبتلا ہوجائے گی، اور مارکیٹ میں حلال طریقے سے خریدے ہوئے پھلوں کی دستیابی مشکل ہوجائے گی، اور لوگوں کی طرف اکل حرام کی نسبت لازم آئے گی، اور فقہاء نے جو حیلے ذکر کئے ہیں، عام طور پر لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے ان پر عمل نہیں کر پاتے ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

ترجمہ: لیکن ہمارے زمانے میں ضرورت کا وجود میں آنا مخفی نہیں ہے، خاص طور سے شام کے دمشق جیسے شہر میں جو بہت زیادہ درختوں اور پھلوں والا ہے؛ کیونکہ لوگوں پر جہل کے غالب ہونے کی وجہ سے ذکر کردہ طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ذریعہ ممنوع بیع سے بچنے کا ان کو پابند نہیں بنایا جاسکتا ہے، اور اگر چند افراد کے لحاظ سے یہ ممکن بھی ہو تو عام لوگوں کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے باز رکھنے میں حرج ہے، جیسا کہ تونے جان لیا، اور ان شہروں میں پھلوں کے کھانے کو حرام قرار دینا لازم آئے گا؛ کیونکہ یہ اسی طرح بیچے جاتے ہیں، اور نبی کریم ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے سلم میں رخصت دی ہے باوجود یہ کہ وہ معدوم کی بیع ہے، تو اس جگہ بھی چونکہ ضرورت کا تحقق ہے؛ اس لئے بہ طور دلالت سلم سے اسے ملحق کرنا ممکن ہے، لہذا یہ نص سے متصادم نہیں، اسی وجہ سے فقہاء نے اسے باب استحسان سے قرار دیا ہے؛ کیونکہ قیاس عدم جواز ہے، اور ابن ہمام کے کلام سے بہ ظاہر جواز کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے......اور معاملہ تنگ ہوکر کشادہ ہوجاتا ہے، اور مخفی نہیں کہ یہ ضرورت شدیدہ ظاہر روایت سے عدول کو جائز ٹھہرانے والی ہے(ابن عابدین: ردالمحتار ۴/۵۵۵-۵۵۶)۔

لہذا اس ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کو دیکھتے ہوئے درج ذیل حلول پیش کئے جاتے ہیں:

۱- جو شرط رائج ہوجائے اور تعامل کا درجہ اختیار کرلے ایسی شرط خرید وفروخت کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہے، اور معتبر بھی ہے، چنانچہ فقہاء نے اس بات کو بہ طور استحسان جائز ٹھہرایا ہے کہ خریدار چمڑا اور تسمہ اس شرط پر خریدے کہ فروخت کنندہ اس کا جوتا بنا کردے گا، اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جو شرطیں خرید وفروخت میں رواج پذیر ہوجائیں، وہ بیع کی صحت میں مانع نہیں ہیں اور معتبر بھی ہیں، چنانچہ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں: "وإن كان شرطا لا يقتضيه العقد، وفيه عرف ظاهر، فذلک جائز أيضا، كما لواشترى نعلا وشراكا بشرط أن يحذوه البائع؛ لأن الثابت بالعرف ثبت بدليل شرعي، ولأن في النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بينا" (سرخسی:

المبسوط ۱۳/ ۱۳ طبع اول بیروت دارالفکر) (اور اگر ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضا نہ کرے، اور اس سلسلہ میں واضح عرف ہو، تو ایسی شرط بھی جائز ہے، جیسے تسمہ اور چمڑا خریدے، اس شرط کے ساتھ کہ فروخت کنندہ اس کا جوتا بنا کردے گا (تو یہ جائز ہے)؛ اس لئے کہ عرف سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ شرعی دلیل سے ثابت کے درجہ میں ہے، اور اس لئے بھی ظاہری عرف ورواج سے باز رہنے میں کھلا ہوا حرج ہے)۔

اور نبی کریم ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے؛ بلکہ ممانعت کی وجہ خریدار کو خسارہ سے بچانا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**بم تستحلّ مال أخيك**" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۵) (اگر اللہ تعالی پھل کو روک دے، تو پھر تم اپنے بھائی کے مال کو کس طرح حلال ٹھہراؤ گے)۔

نیز نبی کریم ﷺ نے کسی آفت سے پھل کے ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت واپس کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**لو بعت من أخيك ثمرا فأصابته جائحة، فلا يحل لك أن تأخذ منه شيئا، بم تأخذ مال أخيك بغير حق**" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۴) (اگر تم اپنے بھائی سے پھل بیچو، پھر اسے آفت لاحق ہوجائے، تو تیرے لئے حلال نہیں کہ اس سے کچھ لو، تم ناحق اپنے بھائی کے مال کو کس طرح لوگے؟)، لہذا تعامل نیز قیمت کو مناسب طریقہ سے متعین کرنے کے پیش نظر کہ فریقین کا خسارہ نہ ہو، مندرجہ ذیل صورتوں میں بیع کو جائز قرار دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

الف- نا قابل انتفاع پھل اس شرط کے ساتھ خریدے کہ پھل تیار ہونے تک اسے درخت پر رہنے دیا جائے۔

ب- باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل ظاہر ہوگیا ہو تو اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ جائز ہوگی کہ پھل تیار ہونے تک اسے درخت پر رہنے دیا جائے۔

ج- پھل قابل استعمال ہونے کے بعد اس شرط کے ساتھ فروخت کردیا کہ تیار ہونے تک اسے درخت پر ہی رہنے دیا جائے گا۔

د- پھولوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کہ تیار ہونے تک اسے درخت پر ہی رہنے دیا جائے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام محمدؒ نے عرف وتعامل کی وجہ سے پھلوں کے مطلوبہ حد تک پہنچنے کے بعد درخت پر باقی رکھنے کی شرط کو درست قرار دیا ہے، چنانچہ مطلوبہ حد تک پہنچنے سے پہلے بھی یہی عرف وتعامل موجود ہے، لہذا اس کی رعایت بھی ضروری ہے، "**ولا يخفى أن الوجه لا يتم في الفرق لمحمد إلا بادّعاء عدم العرف فيما لم يتناه عظمه**" (ابن ہمام: فتح القدیر ۶/ ۲۸۸، بیروت دارالفکر) (مخفی نہیں کہ امام محمد کے لئے تفریق کی دلیل اس وقت مکمل ہوگی جبکہ پھل کی بڑھوتری مکمل نہ ہونے کی حالت میں عرف نہ ہونے کا دعوی کیا جائے)۔

اور بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی ممانعت والی حدیث کو اس حالت پر محمول کیا جائے جس میں نزاع کا یقین ہو، لہٰذا جہاں نزاع نہ ہو، وہاں بیع کی گنجائش ہوگی۔

۲-فقہاء احناف کے مطابق پھلوں میں عقد سلم نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ اس میں درج ذیل شرائط مفقود ہیں:

۱-مبیع (جسے فقہی اصطلاح میں مسلم فیہ کہتے ہیں) معاملہ کے طے پانے سے لے کر مبیع کی ادائیگی کے وقت تک بازار میں دستیاب رہے۔

۲-مبیع یعنی پھلوں کی مقدار متعین نہیں ہے۔

۳-مبیع کی حوالگی کی مدت متعین نہیں ہے۔

۴-مدت پر خریدار فروخت کنندہ سے مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ شروع سے ہی فروخت کنندہ درخت خریدار کو حوالہ کردیتا ہے اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہوجاتا ہے۔

۵-زیادہ تر پھل عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

۶-عام طور پر پورا ثمن پیشگی یکمشت مجلس عقد میں سپرد نہیں کیا جاتا ہے۔

البتہ چونکہ پھولوں اور بوروں کے آنے سے پہلے ہی پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ ہے، لہٰذا امام مالک کے مسلک کے مطابق عقد سلم ہوسکتا ہے؛ کیونکہ امام مالک کے نزدیک عقد کے وقت مسلم فیہ (مبیع) کا وجود ضروری نہیں ہے، اور یہی امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے، نیز امام مالک کے نزدیک شرط کے ساتھ تین دن تک ثمن کی تاخیر جائز ہے، البتہ اگر بلا شرط تین دن سے زائد ثمن کی تاخیر ہو، تو اس سلسلہ میں امام مالک سے دو قول مروی ہیں: ۱-سلم فاسد ہے، ۲-سلم فاسد نہیں ہے، خواہ بہت زیادہ تاخیر ہو یا کم تاخیر ہو، لیکن مالکیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر بلا شرط بھی تین دن سے زیادہ تاخیر ہو، خواہ زائد دن کم ہی کیوں نہ ہوں، تو بھی سلم فاسد ہوجائے گا۔

علامہ دسوقی مالکیؒ لکھتے ہیں: ''**إذا أخّر رأس المال عن ثلاثة أيام، فإن كان التأخير بشرط فسد السلم اتفاقا، كان التأخير كثيرا جدا بأن حل المسلم فيه، أولم يكثرجدا بأن لم يحل أجله، وإن كان التأخير بلا شرط فقولان في المدونة لمالک بفساد السلم وعدم فساده، سواء كثر التأخير جدا، أولا......وكان من حق المصنف الاقتصار على القول بالفساد لتصريح ابن بشير بأنه المشهور**'' (دسوقی مالکی: حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۹۵-۱۹۶، بیروت، دارالفکر، تحقیق: محمد علیش) (اگر ثمن کو تین دن سے زیادہ مؤخر کرے، سو اگر تاخیر شرط کے ساتھ ہو تو بالاتفاق سلم فاسد ہوجائے گا، خواہ بہت زیادہ تاخیر ہو، اس طرح کہ مسلم فیہ کی ادائیگی کی مدت آجائے، یا بہت

زیادہ تاخیر نہ ہو، یوں کہ مسلم فیہ کی ادائیگی کی مدت نہ آئے، اور اگر تاخیر بلا شرط ہو، تو امام مالک کے مدونہ میں دو قول ہیں: ۱-سلم فاسد ہوجائے گا، ۲-سلم فاسد نہ ہوگا، خواہ تاخیر بہت زیادہ ہو یا بہت زیادہ نہ ہو، اور مصنف کا حق یہ تھا کہ فساد کے قول پر اکتفاء کرتے؛ اس لئے کہ ابن بشیر نے صراحت کی ہے کہ یہی مشہور قول ہے)۔

اور آگے تحریر فرماتے ہیں: "وإن كان بغير شرط أفسد اتفاقا، إن حلّ الأجل" (مرجع سابق ۱۹۶/۳) (اور اگر بلا شرط بہت زیادہ تاخیر ہو کہ میعاد ادائیگی مبیع آ جائے، تو ایسی تاخیر بھی بالاتفاق عقد سلم کو فاسد کردے گی)۔

جہاں تک مبیع کے متعین ہونے، مدت کے متعین ہونے، مدت پر خریدار کے مطالبہ کرنے، مسلم فیہ یعنی مبیع کے کیلی یا وزنی متماثل یا عددی متقارب ہونے کا تعلق ہے، تو یہ شرطیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر ایسی جہالت پیدا ہوگی جو باعث نزاع بنے گی، لیکن پھلوں کی خرید وفروخت میں تعارف وتعامل کی وجہ سے نزاع کا احتمال ختم ہوگیا ہے، اس لئے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر امام مالک کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے۔

اور ثمن کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہوسکتا ہے کہ خریدار تین دن کے اندر ادائیگی پر قادر نہ ہو، تو خود فروخت کنندہ سے ہی قرض لے کر اس کو ثمن کی حیثیت سے واپس کردے، خلاصہ یہ کہ ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، پھلوں کی خرید وفروخت کی مروج شکلوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؛ البتہ تمام مسالک کی گنجائش کو جوڑ کر کوئی طریقہ نہ نکالا جائے تاکہ تلفیق نہ لازم آئے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد عثمان بستوی☆

تمہید:

"نهى النبى ﷺ عن بيع المعاومة "(أخرجه مسلم:۳۹۱۳،ابوداؤد:۳۳۷۵)، نبی کریم ﷺ نے بیع معاومہ سے منع فرمایا ہے،اس کو بیع سنین بھی کہا جاتا ہے،''عام'' سال کے معنی میں ہے،اسی لئے سنین سے تعبیر کیا جاتا ہے،اور اصطلاح میں متعینہ باغات یا درخت کے پھلوں کو پھل کے آنے سے پہلے ہی ایک یا متعدد سالوں کے لئے فروخت کردینے کا نام بیع معاومہ وبیع سنین ہے،"والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فأكثر ......وقد يسمى بيع السنين، كما فى بعض روايات مسلم وأبى داؤد"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

۱-بیع معاومہ کا مصداق:

مذکورہ بالا تعریف سے بیع معاومہ کا مصداق متعین اور واضح ہوجاتا ہے کہ کسی متعین درخت یا باغ کے پھلوں کو ان کے لگنے سے پہلے ہی ایک یا متعدد سالوں کے لئے فروخت کردینے کا نام بیع معاومہ ہے۔

حکم: بیع معاومہ کی حرمت پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے؛ کیونکہ اس میں معدوم کی بیع ہوتی ہے جس کی ممانعت آپ ﷺ نے صراحۃً فرمائی ہے،"إنما حرُم لكونه بيع غرر، لأنه بيع مالم يخلق الله تعالى"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷، انعام الباری ۶/۳۶۷)۔

۲- پھلوں کے درختوں پر ظاہر ہونے سے پہلے ہی فروخت کردینا تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے،مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: پھلوں کی بیع کے تین درجات ہیں: پہلا درجہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت کے اوپر مطلق ظاہر نہیں ہوا،اس وقت میں بیع کرنا جیسا کہ آج کل پورا باغ ٹھیکہ پردے دیا جاتا ہے کہ ابھی پھل بالکل بھی نہیں آیا، پھول بھی نہیں لگے اور اس کو فروخت کردیا جاتا ہے،اس پھل کی بیع کے بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ مطلقاً ناجائز اور حرام ہے اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے،یعنی ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں(انعام الباری ۶/۳۶۳)۔

☆ استاذ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

پھلوں کے لگنے کے بعد ان کی خرید وفروخت کا طریقہ کار:

درخت پر پھلوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد ان کی خرید وفروخت کی اختصاراً کل ٦ شکلیں بنتی ہیں، جن کی صورت اور حکم کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

١- درخت پر تمام پھل ظاہر ہوجائیں لیکن وہ کارآمد نہ ہوں یعنی نہ تو کھانے کے کام میں آسکیں اور نہ ہی جانوروں کے چارے میں استعمال ہوسکیں، اسی حالت میں ان پھلوں کو توڑ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کیا جائے۔

حکم: اس شکل کے حکم میں اختلاف ہے، یعنی حنفیہ کے مفتی بہ مذہب میں جائز ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق اس کی بیع ناجائز ہے، اسی طرح اکثر مشائخ احناف بھی اس کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں لیکن فتوی ان کے قول پر نہیں بلکہ ضرورۃً للناس مجوزین کے قول پر ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ مفتی بہ قول کے مطابق ائمہ احناف کے مذہب کے مطابق خرید وفروخت کی یہ شکل جائز ہے۔

"وإذا ظهر الثمر ولكنه غير منتفع به، حتى فى علف الدواب، ففيه خلاف مشائخ الحنفية فذكر قاضى خان عن عامة المشائخ أنه لا يجوز بيعه أيضا، ولكن صحح ابن الهمام أنه يجوز، لأنه مال منتفع به فى ثانى الحال، وإن لم يكن منتفعا به فى الحال، ويبدو أنه مذهب الأئمة الثلاثة أيضا،حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدوّصلاحها مطلقا (إذا كان بشرط القطع) ولم يشترطوا كونه منتفعا به" (فقہ البیوع ١/ ٣٢٧، بقیہ تفصیل موسوعہ فقہیہ میں ہے)۔

٢- پھل کے درختوں پر اتنے بڑے ہوجانے کے بعد کہ وہ انسانوں کے یا جانوروں کے کام آسکیں، بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ پھلوں کو فی الفور توڑ لینے کی عقد میں شرط بھی لگائی گئی ہو، "أما إذا ظهر الثمر بحيث يمكن الانتفاع به فى الأكل أو فى أكل الدواب جاز بيعه بالاتفاق" (فقہ البیوع ١/ ٣٢٧)، "ولا خلاف فى جوازه قبل بدوّالصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به......وإن كان بحيث ينتفع به ولوعلفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب وإذا باع بشرط القطع أومطلقا" (شامی ٧/ ٨٥ زکریا)۔

"أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالإجماع" (المغنی ٤/ ٢١٩)۔

٣- پھل کے کارآمد ہونے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بغیر کسی شرط کے پھلوں کو فروخت کیا جائے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بیع صحیح اور درست ہے، اور بائع کو پھل توڑنے پر مجبور کرنے کا حق ہوگا، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع جائز اور درست نہیں، "إذا بيعت الثمار بعد الظهور، وقبل بدوصلاحها، ولا يشترط فيه قطع ولا ترك، فهذه الصورة محل خلاف بين الأئمة، فقال مالك والشافعي وأحمد: البيع فيها باطل، وقال

أبو حنيفة: البيع فيها جائز، ويجوز للبائع أن يجبر المشترى على قطع الثمار فى الحال" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

۴-درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بدوصلاح سے پہلے معاملہ کیا جائے تو یہ باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے؛ البتہ حنفیہ کے نزدیک چونکہ درخت پر باقی رکھنے کی شرط معروف ہو چکی ہے، لہذا زمانہ موجودہ میں حنفیہ کے نزدیک ابقاء کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، "أن يشترط المشترى ترک الثمار على الأشجار حتى حين الجذاذ وهذه الصورة باطلة بالإجماع" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)، "ولا شک أن بيع الثمار بشرط الترک يجرى به التعامل العام في أكثر البلاد فينبغي أن يجوز هذا الشرط على أصل الحنفية" (حوالہ سابق ۳۷۸)۔

۵-بدوصلاح کے بعد ابقاء کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو حنفیہ کے نزدیک اصل ضابطے کے مطابق جائز نہیں؛ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک پھل کی افزائش کے مکمل ہونے کے بعد بشرط الترک بھی جائز ہے، اور بہت سے فقہاء احناف کے نزدیک یہ مفتی بہ بھی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر طرح کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، خواہ بشرط الترک ہو یا بغیر شرط الترک، "وأما بيع الثمار بعد بدوصلاحها فالأئمة الثلاثة يجوزون البيع......وأبو حنيفة وأبو يوسف فقالا: يفسد بشرط الترک......وأما محمد بن الحسن ففصّل المسألة وقال: لو كان البيع بشرط الترک بعد ما تناهى جاز البيع استحسانا للعرف" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۵)۔

۶-درختوں پر کچھ پھل لگ چکے ہوں اور کچھ پھول کی شکل میں ہوں یا بعض درخت پر پھل لگ گئے ہوں، بعض پر نہ لگے ہوں تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو پھل لگ گئے ہیں صرف انہیں کی بیع جائز ہے، اس کے علاوہ کی نہیں اور حنفیہ کا بھی ظاہری مذہب یہی ہے؛ لیکن مالکیہ کے نزدیک اور احناف میں سے امام محمد اور امام فضلی اور ابن نجیم کے فتوی کے مطابق اگر کچھ پھل لگ گئے ہوں خواہ لگے ہوئے پھل معدوم کے مقابل میں کم ہوں یا زیادہ، بہرصورت ان کی بیع جائز ہے، لیکن شمس الائمہ حلوانی کے فتوی کے مطابق ان کی بیع جائز ہے؛ بشرطیکہ لگے ہوئے پھل معدوم کے مقابل میں زائد ہوں تسہیلا للناس، ترجیح امام فضلی کے قول کو حاصل ہے۔

"وإن بيعت جميع أثمار الشجر أو البستان فى حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها، وفيه خلاف، فقال الشافعية والحنابلة إنه لايجوز البيع إلا فيما ظهر، وهو ظاهر مذهب الحنفية، لأن مالم يخرج معدوم، ولكن أفتى شمس الائمة الحلوانى بأنه لوكان الخارج أكثر جاز البيع فى الجميع، وبه أفتى الإمام الفضلي، بل يظهرمن عبارته أنه بشرط كون الخارج أكثر؛ بل يجعل الموجود أصلا في البيع وما يحدث بعد ذلک تبعا له، وبه أفتى ابن نجيم في فتاواه، وقال ابن الهمام بعد ذكر فتوى الفضلي: "وقد رأيت رواية فى نحوهذا عن محمد وهو بيع الورد على الأشجار فإن الورد متلاحق، ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق وهو قول

مالک"......**وذکر السرخسي الجواز عن شیخه الإمام الحلواني والإمام الفضلي، ولکن صحح ما في ظاهر المذهب من عدم الجواز إلا في الموجود"** (فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

۳- **"عن عبد الله بن عمرؓ أن النبي ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدوصلاحها، نهی البائع والمبتاع"** (بخاری، رقم الحدیث: ۲۱۹۴)۔

یعنی نبی پاک ﷺ نے بائع اور مشتری کو پھلوں کی بدوصلاح سے پہلے خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، اس ممانعت کا پس منظر یہ ہے کہ صحابہ کرام پھلوں کے پکنے سے پہلے ہی درختوں پر پھلوں کی خرید وفروخت کرلیا کرتے تھے اور پھلوں کو درختوں پر تیار ہونے تک چھوڑ دیتے، جب پھلوں کے توڑنے کا وقت آتا تو بائع قیمت کا مطالبہ کرتا، تو مشتری یہ کہتا کہ پھلوں میں آفت لگ گئی تھی، اس لئے پھل کم ہوگیا، تو اب میں قیمت بھی کم دوں گا؛ کیونکہ مجھے پورا پھل نہیں ملا، تو میں پوری قیمت نہیں دوں گا، اس طرح کے معاملات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"فإمّا لا، فلا تبایعوا حتی یبدو صلاح الثمر"** (کہ اگر تم بیع نہیں چھوڑ سکتے تو اس وقت تک پھلوں کی خرید وفروخت نہ کرو جب تک کہ پھل کی صلاح ظاہر نہ ہوجائے یعنی وہ آفت سے محفوظ نہ ہوجائے اور جب پھل اتنے بڑے ہوجائیں کہ آفت سے محفوظ ہوجائیں تب خرید وفروخت کرو؛ تاکہ بعد میں جھگڑا نہ پیدا ہو)۔

بدوصلاح: مذکورہ بالا روایت میں بدوصلاح کی تفسیر میں حضرات علماء کا اختلاف ہوگیا ہے، بدوصلاح عند الاحناف: امام ابوحنیفہؒ بدوصلاح سے مراد پھل کا آفت سے محفوظ ہونا لیتے ہیں کہ جب وہ اتنا بڑا ہوجائے کہ جس کے بعد جو آفتیں پھلوں کو لگا کرتی ہیں ان سے وہ محفوظ ہوجائے تو کہیں گے بدوصلاح متحقق ہوگئی۔

"واختلف العلماء في تفسیر بدوصلاح الثمرة، فبدوالصلاح عند الحنفیة أن تأمن الثمرة العاهة والفساد، کما صرح به ابن الهمام في فتح القدیر" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۸، فتح القدیر ۶/۲۸۷)۔

اور آفت سے محفوظ ہونا یہ پھلوں کے انواع کے اعتبار سے مختلف ہوگا، بعض پھل میں پکنے اور مٹھاس کے ظاہر ہونے سے یہ وصف پیدا ہوتا ہے، اور کچھ پھلوں میں پھلوں کے رنگ بدلنے سے یہ حالت پیدا ہوتی ہے، لیکن اصل علت آفت سے محفوظ ہونا ہے، اور یہ وصف تمام پھلوں میں ایک حالت میں نہیں بلکہ اس کے انواع کے اعتبار سے مختلف حالتوں میں پیدا ہوتا ہے، **"فهذه الأحادیث بأجمعها تدل علی أن المراد من بدو الصلاح هو أمن الثمرة من العاهة غیر أن هذا الأمن بتفاوت بتفاوت الثمار، فلا یحصل الأمن في بعضها إلا بالنضج والحلاوة، أو بحمرتها أو بصفرتها، فقد وقع التفسیر بذلک في بعض الأحادیث نظراً إلی تلک الثمار بخصوصها وإلا فالعلة هی الأمن من العاهة**......**ومن هنا قال العینی: إن بدوالصلاح متفاوت بتفاوت الأثمار،**

فبدوصلاح التين أن يطيب وتوجد فيه الحلاوة ويظهر السواد في أسوده والبياض في أبيضه، وكذلك العنب الأسود بدوصلاحه أن ينحو إلى السواد، وأن ينحو أبيضه إلى البياض مع النضج، وكذلك الزيتون بدوصلاحه أن ينحو إلى السواد، وبدوصلاح القثاء والفقوص أن ينعقد ويبلغ مبلغا يوجد له الطعم"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۹)۔

بدوصلاح عندالشوافع: حضرات شوافع کے نزدیک جب پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوجائے اور پکنا شروع ہوجائے تو بدوصلاح کا تحقق ہوجائے گا، چنانچہ علماء شوافع نے اشیاء کے اعتبار سے اس کی کل آٹھ علامتیں بیان کی ہیں: ۱-جن پھلوں میں رنگ کی تبدیلی ہوتی ہو ان میں بدوصلاح پکنے والے رنگ کے ظہور سے متحقق ہوگی، مثلاً سیاہ یا زرد یا سرخ ہوجانے سے جیسے کھجور، انگور، کشمش، آلو بخارہ، آم، ۲-مزہ کا بدلنا بدوصلاح کی علامت بنے گا، جیسے گنے کا میٹھا ہونا اور انار کا کھٹا میٹھا ہونا، ۳- پکنا اور نرم ہونا بدوصلاح کی علامت بنے گا جیسے انجیر اور خربوز، ۴-سخت اور مضبوط ہونے سے بدوصلاح کا ظہور ہوگا، جیسے گیہوں اور جو، ۵-لمبائی اور گداز پن بدوصلاح کی علامت بنے گا جیسے چارہ اور سبزیاں، ۶-کھانے کے لائق سائز ہوجانے سے بدوصلاح کی علامت ظاہر ہوگی جیسے کھیرا، ککڑی وغیرہ، ۷-اوپری غلاف کے پھٹ جانے سے بدوصلاح کا ظہور ہوگا جیسے روئی اور اخروٹ، ۸-کھل جانے سے بدوصلاح کا ظہور متحقق ہوگا، جیسے گلاب۔

حاصل یہ کہ ہر چیز کا بدوصلاح اس وقت ظاہر ہوگا جب وہ چیز ایسی حالت میں پہنچ جائے جس حالت میں اکثر اس کی مانگ ہوتی ہے، "وأرجح الشافعية بدوالصلاح في الثمر وغيره كالزرع، إلى ظهور مبادئ النضج والحلاوة، فيما لا يتلون منه، أما فيما يتلون فبأن يأخذ في الحمرة أو الصفرة أوالسواد وذكروا ثماني علامات يعرف بها بدوالصلاح، اللون فى كل ثمر ماكول ملون إذا أخذ في حمرة، أوسواد أو صفرة...... الطعم، النضج واللين، القوة والاشتداد، الطول والامتلاء، الكبر، انشقاق الاكمام، الانفتاح، والضابطة: هو بلوغ الشئ إلى صفة أى حالة يطلب فيها غالبا"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۸)۔

بدوصلاح عند المالکیۃ: مالکیہ نے بھی بدوصلاح کی تعبیر اشیاء کے اعتبار سے مختلف کی ہے، چنانچہ کھجور میں وہ بدوصلاح کو سرخ، زرد اور تیز سرخ ہونے سے کرتے ہیں، اور انگور میں بدوصلاح کی تعبیر سیاہ ہونے اور مٹھاس کے ظاہر ہونے سے کرتے ہیں، اور کھجور اور انگور کے علاوہ دوسرے پھلوں میں مٹھاس کے پیدا ہونے سے کرتے ہیں، خس اور عصفر میں کارآمد ہونے سے، اور تمام سبزیوں میں کھانے کے لائق ہونے سے، غلے اور دانے میں خشک ہونے اور سخت ہونے سے بدوصلاح کا ظہور مانتے ہیں، "والمالكية فسروه تفسيرا مختلفا نسبيا: فهو في التمر أن يحمر ويصفر ويزهو، وفي العنب: أن يسود وتبدو الحلاوة فيه، وفي غيرهما من الثمار: حصول الحلاوة، وفي

الخس والعصفر: أن ينتفع بهما، وفي سائر البقول: أن تطيب للأكل، وفي الزرع أوالحب: أن ييبس ويشتد"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۸، حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۷۸)۔

بدوصلاح عندالحنابلہ: حنابلہ بدوصلاح کا ایک ضابطہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جن پھلوں کا رنگ بدوصلاح کے وقت بدل جاتا ہے ان پھلوں میں بدوصلاح کا تحقق رنگ بدلنے سے ہوگا جیسے سیاہ انگور اور آلوبخارہ، اور سفید انگور میں بدوصلاح کا ظہور شیرہ کے پیدا ہونے اور نرم ہونے سے اور رنگ کے زرد ہونے سے ہوگا، اور اگر کوئی ایسا پھل ہو جس کا رنگ نہ بدلتا ہو جیسے سیب وغیرہ تو اس میں بدوصلاح میٹھے اور لذیذ ہونے سے متحقق ہوگا، اور اگر خربوز وغیرہ ہو تو اس میں بدوصلاح پکنے سے ہوگا، اور اگر پھل ایسا ہو کہ جس کا رنگ نہ بدلتا ہو، چھوٹا بڑا ہر طرح کھایا جاتا ہو، اس کا بدوصلاح اتنے بڑے ہونے پر ظاہر ہوگا جتنے بڑے پر عام طور پر توڑا اور کھایا جاتا ہو، جیسا کہ مغنی وغیرہ میں مصرح ہے:

"فإن كانت ثمرة نخل فبدوصلاحها أن تظهرفيها الحمرة أوالصفرة وإن كانت ثمرة كرم فصلاحها أن تتموّه وصلاح ماسوى النخل والكرم أن يبدو فيها النضج......وجملة ذلک أن ماكان من الثمرة يتغير لونه عند صلاحه كثمرة النخل والعنب الأسود والإجاص فبدوصلاحه بذلک، وإن كان العنب أبيض فصلاحه بتموهه وهوأن يبدو فيه الماء الحلو يلين ويصفر لونه الخ"(المغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۴)۔

خلاصہ: بدوصلاح کی تعریف میں ائمہ اربعہ کے اقوال وغیرہ کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ (یعنی مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) کے نزدیک بدوصلاح پھلوں کے پکنے اور عام طور سے کھانے کے لائق ہونے سے متحقق ہوگا، جس کی علامت پھلوں کے اقسام وانواع کے اعتبار سے مختلف ہوگی، کسی میں رنگ، کسی میں مزہ، کسی میں سائز، اور حضرات احناف کے نزدیک بدوصلاح روگ وغیرہ سے محفوظ ہوجانے کے بعد ہوگا اور یہ پھلوں کے اقسام وغیرہ کے اعتبار سے مختلف مراحل میں ہوتا ہے، چنانچہ انجیر وغیرہ میں بدوصلاح یعنی آفات وروگ سے حفاظت مٹھاس کے بعد ہوگی اور کچھ پھلوں میں رنگ کے ظاہر ہونے سے ہوگی، اور سبزیوں وغیرہ میں اتنا بڑا ہونے کے بعد ہو کہ جس میں مزہ پیدا ہوجائے۔

"وما قلنا في هذا الفصل فهو قول مالک والشافعي وكثير من أهل العلم أومقارب له"(المغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۴)، "والمراد من بدوالصلاح هو أمن الثمرة من العاهة غير أن هذا الأمن يتفاوت بتفاوت الثمار، فلا يحصل الأمن في بعضها إلا بالنضج والحلاوة أو بحمرتها أو بصفرتها" (تکملہ فتح الملہم ۳/۳۶۹)۔

۴-الف: پھل آنے سے پہلے خواہ ایک سال کے لئے فروخت کیا جائے یا ایک سے زائد سالوں کے لئے، اس کی ممانعت پر نص صریح موجود ہے، اور یہ طریقہ ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، "روى جابر ؓ أن النبي ﷺ نهى عن بيع السنين، والمراد به أن يبيع ماسوف تثمره نخلة البائع سنتين أو ثلاثا أو أكثر، وذلک لما فيه من

الغرر، فهو أولی بالمنع من منع بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۰۰)۔

ب- جب پورا باغ اس وقت فروخت کیا جائے جبکہ کچھ درختوں پر پھل آ چکے ہوں اور کچھ پر نہ آئے ہوں، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف کے ظاہر مذہب اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک اس حالت میں پھلوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ موجود بیع میں داخل ہو کر مبیع ہیں اور معدوم بیع میں داخل نہیں، لہذا بائع کی ملک ہیں، اور معدوم کے ظاہر ہونے کے بعد مبیع کا غیر مبیع سے امتیاز ناممکن ہے، اس لئے بیع جائز نہیں، البتہ احناف میں سے شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک اگر اکثر درختوں پر پھل لگ چکے ہیں تو اقل کو اکثر کے تابع مان کر اس کی بیع جائز ہے، لیکن امام فضلیؒ کے نزدیک بغیر اکثر واقل کی شرط کے اگر کچھ درختوں پر پھل لگ چکے ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، معدوم کو موجود کے تابع مطلقاً مان لیا جائے گا، اور حضرات مالکیہ کے یہاں بھی اگر کچھ درختوں پر پھل لگ چکے ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، اور احناف کے یہاں فتویٰ ضرورت وآسانی کے لئے امام فضلیؒ کے قول پر ہے، "**فمذهب جمهور الفقهاء من الشافعية والحنابلة، وظاهر الرواية عند الحنفية، وهو الأصح عندهم قياسا: أنه لا يصح بيعه وذلک لعدم القدرة على التسليم لتعذر التمييز فأشبه هلاكه قبل التسليم......ومذهب مالک جوازه، وهو أيضا ما أفتى به بعض الحنفية كالحلواني وأبی بكر محمد بن الفضل البخاری وآخرين استحسانا، وذلک بجعل الموجود أصلا في العقد، وما يحدث بعده تبعا له من غير تقييد بكون الموجود وقت العقد أكثر، ورجحه ابن عابدين ووجهه**"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷، موسوعہ فقہیہ ۹/۱۹۸، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۶)۔

ج- پھل درختوں پر لگ گئے ہوں تو اس کے بیع کی دو صورتیں ہیں: ۱- جانور وانسان کسی کے لئے کارآمد نہ ہوں، نہ جانوروں کا چارہ بن سکے نہ انسان کے استعمال میں آسکے تو اس کی بیع اگر درخت پر پھل کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو تو کسی کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، بالاتفاق یہ بیع ناجائز اور حرام ہے، ۲- ناقابل استعمال تو ہو لیکن پھلوں کو فی الفور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، تو اس میں اختلاف ہے لیکن راجح جواز ہے، اس لئے کہ اگرچہ یہ فی الحال مال منتفع نہیں لیکن فی المآل یہ مال منتفع بہ ہے، ابن ہمام نے جواز کو ترجیح دی ہے، "**أما إذااشترط تركها على الأشجار قبل أن يتناهى عظمها......فظاهر مذهب الأئمة الأربعة أنه يفسد البيع**"(فقہ البیوع ۱/۳۳۱)، "**وإذا ظهر الثمر ولكنه غير منتفع به، حتى في علف الدواب، ففيه خلاف مشائخ الحنفية، فذكر قاضي خان عن عامة المشائخ أنه لا يجوز بيعه أيضا، ولكن صحح ابن الهمام أنه يجوز، لأنه مال منتفع به في ثاني الحال، وإن لم يكن منتفعا به في الحال، ويبدو أنه مذهب الأئمة الثلاثة أيضا، حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدوصلاحها مطلقا(إذا كان بشرط القطع) ولم يشترطوا كونه منتفعا به**"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

نوٹ:اور اگر پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں اور ان کی بیع میں پھلوں کو توڑ لینے کی شرط ہو تو پھر اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے،"أما إذا ظهر الثمر بحيث يمكن الانتفاع به في الأكل أو علف الدواب جاز بيعه بالاتفاق"(فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

۵-الف: اگر پھل پوری طرح تیار نہ ہوئے ہوں اور اس شرط کے ساتھ بیع ہو کہ خریدار اسی حال میں پھل کو توڑ لے گا، تو اس صورت میں بیع جائز ہے بالاتفاق،"أن يشترط البائع على المشترى أن يقطعها فورا ولا يتركها على الأشجار، وهذه الصورة جائزة بإجماع الأئمة الأربعة وجمهور فقهاء الأمصار"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)، البتہ اس کے جواز کے لئے حضرات فقہاء نے چند شرطیں ذکر کی ہیں، بعض شرائط متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ،"غير أن الفقهاء قيدوا هذا الحكم وهو جواز بيع الثمرة قبل بدو صلاحها بشرط القطع في الحال بقيود بعضها متفق عليه وبعضها انفرد به فريق من الفقهاء"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۰)۔

شرط-۱: حضرات احناف کے نزدیک بشرط القطع بیع کے جواز کے لئے صحیح مذہب کے مطابق مبیع کا فی الحال یا فی المآل قابل انتفاع ہونا ضروری ہے، خواہ انسان کے لئے نفع بخش ہو یا جانوروں کے لئے، اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی قابل انتفاع ہونا خواہ کسی بھی طرح کا نفع ہو شرط ہے، البتہ ان کے یہاں فی الحال قابل انتفاع ہونا لازم ہے، ورنہ مال کا ضیاع لازم آئے گا۔

"الحنفية: في الأصح من مذهبهم، وكذا المالكية على إطلاق الانتفاع به، وصرح الحنفية بشمول الانتفاع لما هو فى الحال أو في الزمان الثاني وهوالمآل......لأن قطعه في الحال إصناعه قال-كما علله المالكية"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۰-۱۹۱)۔

اور حضرات شوافع کے نزدیک فی الحال کسی صحیح مقصد کے لئے کارآمد ہونا بیع کے جواز کے لئے شرط ہے، اور اسی طرح حنابلہ کے یہاں بھی فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری ہے،"والشافعية والحنابلة، قيدوا الجواز بالانتفاع به فى الحال،وزاد الشافعية تقييد المنفعة بأن تكون مقصودة لغرض صحيح وان لم يكن بالوجه الذي يراد بالانتفاع به منه......وزرع الترمس فإنه لايصح بيعه بالشرط المذكور نفسه لعدم النفع بالمبيع كما علله الحنابلة"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۱)۔

شرط ۲: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو یا کسی ایک کو خرید وفروخت کی ضرورت ہے۔

شرط ۳: لوگوں کے درمیان اس طرح سے بیع کرنے کا رواج نہ ہو، یہ دونوں شرطیں مالکیہ کے نزدیک ہیں:"أن يحتاج إليه المتبيعان أوأحدهما......أن لايكثر ذلک بين الناس ولا يتمالؤوا عليه، وهذان الشرطان نص

عليهما المالكية، فإن تخلف واحد مُنع البيع كما يُمنع بشرط التبقية المار أو الإطلاق"(الموسوعة الفقہیہ ۹/۱۹۱)۔

شرط ۴: حنابلہ نے فی الحال قابل انتفاع ہونے کے ساتھ ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ بدوصلاح سے قبل فروخت کی جانے والی مبیع مشاع نہ ہو یعنی مبیع کا غیر مبیع سے ممتاز ہونا شرط ہے، "نص عليه الحنابلة، وهو أن لا يكون ما بيع قبل بدو صلاحه مشاعا، بأن يشتري نصف الثمرة قبل بدو صلاحها مشاعا"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۱)۔

تنبیہ: بیع قبل بدوالصلاح بشرط القطع کے حکم میں فقہ البیوع کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اختلاف نہیں؛ بلکہ بیع بشرط القطع بہرصورت جائز ہے؛ خواہ وہ فی الحال قابل استعمال ہوں یا قابل استعمال نہ ہوں، فقہ البیوع میں ابن قدامہ حنبلی کی مغنی سے یہ نقل کیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ بشرط القطع کو مطلقاً جائز کہتے ہیں، لہذا قابل استعمال نہ ہوں تو بھی جائز ہے، اس کے برعکس موسوعہ فقہیہ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فی الحال اس کے قابل استعمال ہونے کی شرط نقل کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر ان شرائط کو موسوعہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا، اب اس تعارض کے وقت بندہ کا خیال ہے کہ موسوعہ کی بات راجح ہے؛ کیونکہ کسی کتاب میں مسئلہ کو مطلق ذکر کردینے سے شرط کی نفی نہیں ہوتی ہے، لہذا جب دوسری کتابوں میں فی الحال قابل استعمال ہونے کی شرط مذکور ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اور موسوعہ کی بات راجح ہوگی۔

ب: بدوصلاح سے پہلے بیع کی جائے اور متعاقدین کے درمیان یہ شرط ٹھہرے کہ پھل تیار ہونے تک درخت پر ہی لگا رہے گا، اس شرط کے ساتھ بیع کرنا باتفاق فقہاء ناجائز ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح سے قبل بیع بشرط الترک او بغیر شرط الترک ناجائز، حدیث مطلق کی وجہ سے ہے، "نهى رسول اللهﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بشرط الترک بیع کے ناجائز ہونے کی وجہ سے شرط کا مقتضائے عقد کے خلاف ہونا اور مفید لاحد المتعاقدین ہونا ہے، چنانچہ "كل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين" کا ضابطہ تمام کتب فقہیہ میں مصرح ہے، لیکن زمانہ موجودہ میں پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کا رواج کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ تمام ممالک میں ہوچکا ہے، اس لئے یہ شرط گرچہ فی نفسہ مفسد ہے لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے اب یہ شرط مفسد نہ ہوگی، لہذا زمانہ موجودہ میں پھلوں کے تیار ہونے تک درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ جائز ہے، اور شرط بھی واجب العمل ہے؛ اس لئے کہ جب شرط متعارف ہوجائے تو بیع اور شرط دونوں صحیح اور درست ہوتی ہے۔

"أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالإجماع، ولا يصح البيع فيها عند أحد......أن البيع بشرط الترك إنما يحرم عند الحنفية لكونه بيعا وشرطا، ولكن الحنفية يجوزون مع البيع شروطا جرى بها التعامل، لأن التعامل رافع للنزاع، ولا شك أن بيع الثمار بشرط الترك جرى به التعامل العام في أكثر البلاد، فينبغي أن يجوز هذا الشرط

علی أصل الحنفیة"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۰۷-۳۰۸)۔

ج: بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور متعاقدین کے درمیان کوئی شرط طے نہ ہو، نہ تو درخت پر باقی رکھنے کی نہ ہی پھلوں کو توڑنے کی، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ ناجائز ہے یعنی اس کو ملحق بشرط الترک کرتے ہیں، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب بیع مطلق ہو تو جائز ہے، اور بائع کو یہ حق ہوگا کہ مشتری کو پھلوں کو توڑنے اور درخت کو خالی کرنے پر مجبور کرے؛ البتہ اگر پھلوں کی بیع بدوصلاح کے بعد ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خواہ پھلوں کو توڑنے کی شرط لگی ہو یا باقی رکھنے کی یا کوئی شرط نہ لگی ہو، ہر صورت میں جائز ہے، اور احناف میں سے امام محمدؒ کا مسلک عام احناف سے کچھ مختلف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر پھل اتنے بڑے ہوگئے ہوں کہ اس کے بعد ان کا بڑھنا بند ہو چکا ہو تو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی اگرچہ شرط کا عرف نہ ہو جائز ہے، اور بہت سے علماء نے امام محمدؒ کے قول کو مفتی بہ بھی کہا ہے، لہذا عام ابتلاء کے وقت امام محمدؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۰۷، ۳۰۹)۔

۶- پھلوں کو خرید لینا اور توڑنے تک درختوں کو کرائے پر لے لینے کی ضرورت صرف مذہب احناف کے مطابق ہوگی؛ کیونکہ ان کے نزدیک بیع بغیر شرط الترک کی صورت میں بائع کو پھل توڑنے پر مجبور کرنے کا حق ہوگا، اس لئے بائع کو راضی کرنے کے لئے درختوں کو کرائے پر لینے کی ضرورت پڑے گی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درختوں کو کرائے پر لینے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اگر بیع بدوصلاح سے پہلے ہو تو بشرط الترک أو بغیر شرط الترک دونوں صورتوں میں بیع ناجائز ہے، لہذا درختوں کو کرائے پر لینے کی کوئی حاجت نہیں، اور اگر بیع بدوصلاح کے بعد ہو تو مشتری کو پھلوں کے باقی رکھنے کا حق ہے، اس لئے اگر بشرط الترک بیع ہو تو جائز ہے، اور مطلق ہو تو بھی جائز ہے، ان دونوں صورتوں میں مشتری کو پھل توڑنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لہذا درختوں کو کرائے پر لینے کی حاجت نہیں، تو حاصل یہ نکلا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درختوں کو کرایہ پر لینے کی کوئی حاجت نہیں اور احناف کے یہاں بیع مطلق ہونے کی صورت میں کرائے پر لینے کی حاجت ہوگی، لیکن درختوں کو کرائے پر لینا احناف کے نزدیک اجارہ باطل ہے، اس لئے درختوں کو کرائے پر لینا صحیح نہیں، البتہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کرائے پر لیا گیا تو یہ معاملہ کالعدم ہوگا، اور اگر اس معاملہ کی بناء پر پھل کو درختوں پر باقی رکھا گیا تو بائع اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، اور پھلوں میں جو کچھ اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب نہ ہوگا؛ کیونکہ اجارہ باطلہ متضمن بالاذن الباطل ہے، جو شرعاً غیر معتبر ہے، "وإن استأجر الشجر إلی وقت الإدراک بطلت الإجارة وطابت الزیادة لبقاء الإذن ......لکن ینافي مامرّ أول البیوع من أن البیع بعد عقد فاسد أو باطل لا ینعقد قبل متارکة العقد الأول وینافي فروعا أخری مذکورة في الفن الثالث: إذا بطل الشئ بطل ما فی ضمنه" (ردالمحتار ۷/۸۸)۔

۷- اکیڈمی کی طرف سے ساتویں سوال کی کوئی صورت متعین نہیں کی گئی ہے، بلکہ مقالہ نگار کی فہم اور معلومات پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے جواب لکھنے کی بھی ذمہ داری نہ تھی لیکن پھلوں کی خرید وفروخت کی ایک شکل باغات مالکان کی طرف سے کثرت سے پائی جاتی ہے، شاید کہ کوئی باغ مالک اس میں مبتلا نہ ہو، وہ یہ کہ پھلوں کو فروخت کرنے کے وقت باغ مالک مشتری سے متعینہ ثمن کے ساتھ ساتھ پھلوں کی ایک مقدار متعین لینے کی بھی شرط لگاتا ہے، اور اس شرط کے مطابق خریدار متعینہ رقم اور پھل باغ مالک کو دیتا ہے، یہ معاملہ شریعت کے کس ضابطے پر منطبق ہوگا، اور اس کے جواز کی کوئی صورت نکلتی ہے یا نہیں؟ اہل علم کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

الجواب: یہ شکل مبیع سے کچھ مقدار کے مستثنی کرنے کے ضابطے پر منطبق ہوگی، یعنی حضرات فقہاء یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کپڑے کا گٹھر بیچا جائے اور اسمیں سے چند کپڑوں کو مستثنی کر لیا جائے تو استثناء کے وقت اگر کپڑے متعین نہیں کئے گئے تھے تو بیع فاسد ہوگی؛ کیونکہ استثناء کی جہالت سے مبیع میں جہالت پیدا ہوجائے گی، اور یہ بیع موجب نزاع ہو کر فاسد وناجائز ہوگی، اور اس کے برعکس حضرات فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ اگر غلے کے ڈھیر سے متعینہ مقدار میں غلہ کو بیع سے مستثنی کر لیا جائے تو بیع صحیح ہے؛ کیونکہ مستثنی اور مستثنی منہ دونوں میں کوئی تفاوت نہیں، پورا ڈھیر یکساں اور مساوی ہے، لہذا استثناء باعث نزاع نہ ہوگا اور بیع میں فساد نہ آئے گا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھلوں کا استثناء کس میں داخل ہے؟ متفاوت الاشیاء یا متقارب الاشیاء میں، اور یہ استثناء موجب نزاع اور فساد ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کا ایک فتوی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، لہذا اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت نے لکھا ہے کہ یہ اس تاویل سے جائز ہوسکتا ہے کہ جتنے انبہ مقرر ہوئے ہیں گویا یہ بیع سے مستثنی ہیں اور استثناء میں مستثنی کا اس طرح علم ہونا چاہئے کہ متبایعین میں نزاع نہ ہو، سو اگر ایسی ہی تعیین ہوجائے تو گنجائش ہے، اور ہر چند کہ آم ذوات القیم ہیں، لیکن بضرورت تعامل ان کے اشجار کی تعیین سے جو تقارب ان کے آحاد میں ہے اس سے وہ ملحق بذوات الامثال ہوسکتا ہے (امداد الفتاوی ۹۸/۳)۔

خدشہ: حضرتؒ نے بیع کی صحت کے لئے جو تاویل کی ہے وہ شرعی ضوابط پر منطبق نہیں ہورہی ہے؛ کیونکہ استثناء کے لئے ایک ضابطہ فقہاء نے تحریر کر دیا ہے، "ماجاز بیعه جاز استثنائه" (شامی ۷/۹۰، ۷۲)، اور مذکورہ صورت میں پھل کو پکنے کے بعد لیا جاتا ہے اور استثناء ابتداء عقد میں کیا جاتا ہے، تو ابتدائے عقد مقدار متعینہ کو اگر مستثنی مانا جائے تو لینے کے وقت اس میں اتنا اضافہ ہوچکا ہوگا کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اس لئے مستثنی من جہالت لازم آتی ہے جو مفسد عقد ہے، اس لئے یہ تاویل صحیح اور درست نہیں، غالباً حضرت نے بھی اس تاویل سے رجوع کر کے دوسری تاویل اس طرح کی ہے جو اصول شریعت پر منطبق ہوجاتی ہے، اور حضرات کی تعبیر ملاحظہ ہو:

حضرت نے فرمایا کہ یہ دونوں توجیہیں قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں، مگر ان میں ابتلاء عام ہے؛ اس لئے ضرورت معلوم ہوتی ہے اس کو کسی کلیہ پر منطبق کرنے کی، سو احقر کے خیال میں یہ توجیہ کی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بعد تکمیل بیع تراضی متعاقدین سے ثمن میں بھی اور مبیع میں بھی زیادت جائز ہے، اور حط یعنی کمی بھی جائز ہے، جیسے زیادہ کے خریدار کو کمیشن واپس کرنا، جس کی حقیقت حط ثمن ہے عام طور سے رائج ہے، اسی طرح اس کو حط مبیع میں داخل کیا جاوے، یعنی بیع تو ہوگئی کل کی، مگر بیع میں یہ شرط ٹھہر گئی کہ مشتری اس قدر مبیع پھر بائع کو فلاں وقت واپس کر دے گا، اور ہر چند کے وقت کی شرط قواعد سے اس پر لازم نہیں، مگر فقہ میں اس کی بھی تصریح ہے کہ جو وعدہ ضمن عقد میں ہو وہ لازم ہوجاتا ہے اس لئے اس کو بھی لازم کہا جائے گا، اب صرف اس میں دو شبہے رہ گئے: ایک یہ کہ شاید اتنا پیدا نہ ہو، دوسرے اگر پیدا بھی ہو تو اس کے احاد متفاوت ہوتے ہیں تعیین کیسے ہوگی، جواب اس کا یہ ہے کہ ہم اس کا التزام کرلیں گے کہ یہ مقدار جنس کی اتنی ہونی چاہئے کہ اس میں یہ شبہہ نہ رہے، اور تفاوت کا تدارک یہ ہے کہ مؤدی کا وصف بیان کر دیا جاوے کہ بڑا ہوگا یا چھوٹا، یا مخلوط، جس میں نزاع نہ ہو، اور جہالت یسیرہ کا بہت جگہ تحمل کرلیا گیا ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۳)۔

حضرت کی اس تاویل کے بعد مسئلہ بالکل منقح ہوجاتا ہے اور اشکالات ختم ہوجاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: جس کا رواج ہے وہ سبزی وغیرہ کے فصل خریدنے کا ہے، اس کا بھی حکم بیع ثمار کی طرح ہے؛ البتہ اس میں درخت سمیت خریدنا اور زمین کرایہ پر لینا بھی جائز ہے جس سے مسئلہ میں آسانی ہوجاتی ہے۔

۸- بیع سلم کی شرائط میں فقہاء کو جو اختلاف ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ لوگوں کو حرج وتنگی سے نکالنے اور مشقت سے بچانے کے لئے ضروری بھی ہے، چنانچہ معاملات میں حتی الامکان حضرات اکابر نے تسہیل کا حکم دیا ہے، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی، اور حضرت تھانوی نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں، اور اس کی وجہ سے دیندار مسلمان تنگی کا شکار ہیں اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلوی عام ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذاہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتوی کے لئے اختیار کرلیا جائے (میرے والد میرے شیخ/ ۶۶)۔

بیع قبل ظہور الأثمار والأزہار: اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ کے فتوی اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے فتوی میں جو بیع کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں بحث کی گئی ہے، حضرت تھانوی نے ناجائز کہا ہے اور کسی تاویل وتوجیہ کی گنجائش نہیں نکالی ہے، اور مفتی رشید احمد صاحب نے مالکیہ کے مسلک کے مطابق بیع سلم کے ساتھ ملحق کرنے کی کوشش کی ہے، اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو بیع الاثمار والأزہار قبل الظہور کو بیع سلم میں ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی مذہب کے مطابق داخل کرنا ممکن

نہیں؛ کیونکہ کسی متعین باغ یا درخت کے پھلوں کی بیع سلم نہیں ہوسکتی، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے؛ کیونکہ اگر مسلم فیہ کسی متعین باغ یا درخت کا پھل ہوتو اس میں غرر کی علت بہرحال پائے جائے گی۔

”أن لایکون المسلم فیه معینا بمحل یمکن أن ینقطع مثل أن یسلم في ثمرة شجرة بعینها أوبستان بعینه، قال ابن قدامه: لا یجوز أن یسلم في ثمرة بستان بعینه، ولا قریة صغیرة لکونه لا یؤمن تلفه وانقطاعه، قال ابن المنذر: إبطال السلم إذا أسلم في ثمرة بستان بعینه کالإجماع من أهل العلم وممن حفظنا عنه ذلک الثوري ومالک والأوزاعي والشافعي وأصحاب الرأي واسحاق“(فقہ البیوع ۱/ ۵۷۳)۔

”ولا یجوز أن یسلم في ثمرة بستان بعینه ولا قریة صغیرة لکونه لا یؤمن تلفه وانقطاعه، قال ابن المنذر:إبطال السلم إذا أسلم في ثمرة بستان بعینه کالإجماع من أهل العلم، وممن حفظنا عنه ذلک الثوري ومالک والأوزاعي وأصحاب الرأي واسحاق، قال: وروینا عن النبي ﷺ أنه أسلف إلیه رجل من الیهود دنانیر في تمر مسمی فقال الیهودي: من تمر حائط بني فلان، فقال النبي ﷺ: أما من حائط بني فلان فلا، ولکن کیل مسمی إلی أجل مسمی، رواه ابن ماجه، وغیره رواه ابواسحاق الجوزجانی فی المترجم وقال: أجمع الناس علی الکراهة لهذا البیع، ولأنه إذا أسلم في ثمرة بستان بعینه لم یؤمن انقطاعه وتلفه فلم یصح کما لوأسلم في شيء قدّره بمکیال معین أو صنجة معینة أو أحضر خرقة وقال: أسلمت إلیک في مثل هذه“(المغنی ۴/ ۳۶۰)۔

حاصل یہ کہ کسی متعین درخت یا متعین باغ کے پھلوں کی بیع سلم باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، لہذا صاحب احسن الفتاوی والی تاویل ممکن نہیں؛ البتہ اگر متعینہ باغات اور درختوں کے پھلوں کی بیع سلم نہ ہو؛ بلکہ باغ اور درخت سے قطع نظر صرف پھلوں کی بیع سلم کی جائے تو مالکیہ وغیرہ کے مطابق اس کی تاویل وتصحیح ممکن ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی عبدالرشید قاسمی☆

بیع معاومہ کا مصداق:

درختوں پر پھول آنے سے پہلے یا پھول آنے کے بعد پھل کے ظاہر ہونے سے پہلے ایک سال کیلئے یا چند سالوں کے لئے باغات کوٹھیکہ پر دینا کہ اس عرصہ میں جو بھی پھل آئیگا اسے ہم نے فروخت کیا، یہ صورت ناجائز ہے؛ کیونکہ یہ معدوم چیز کی خرید وفروخت ہے۔اسی کوشریعت کی اصطلاح میں ''بیع السنین''یا ''بیع المعاومہ'' کہا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ حدیث میں ہے:''**نهى رسول الله ﷺ عن المعاومة**''۔

''**قال النووى فى شرحه على صحيح مسلم: أما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه:أن يبيع ثمر الشجرة عامين أوثلاثة أوأكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره بهذه الأحاديث ولأنه بيع غرر؛لأنه بيع معدوم و مجهول غير مقدور على تسليمه وغير مملوك للعاقد**''(شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۰/۲)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:''**أجمع الفقهاء على عدم صحة بيع الثمار قبل ظهورها لأنها معدومة وبيع المعدوم غيرجائز للغرر**'' (۱۳/۱۵)۔

البتہ اس کی جائز متبادل چند صورتیں ہوسکتی ہیں جن کو ہم جواب نمبر ۷ کے ضمن میں ذکر کریں گے۔

۲-درختوں پر پھلوں کی بیع سے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات:

پھل کے ظاہر ہونے کے بعد درخت پر لگے ہوئے پھلوں کوفروخت کرنے کی بنیادی طور پر دوصورتیں ہیں:

(۱) بیع قبل بدوالصلاح، (۲) بیع بعد بدوالصلاح۔

پھران میں سے ہرایک کی تین تین قسمیں ہیں:

☆ مفتی مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد، پٹکاپور، کانپور۔

(الف) اس شرط کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ خریدار پھل خریدنے کے بعد فوراً کاٹ لے گا، اسے ''بیع بشرط القطع'' کہتے ہیں۔

(ب) اس شرط کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ خریدار ان پھلوں کو درخت پر باقی رکھے گا، اسے ''بیع بشرط الترک'' کہا جاتا ہے۔

(ج) معاملہ کے دوران پھلوں کو کاٹنے یا چھوڑنے کی کوئی شرط نہ لگائی جائے، اسے ''بیع مطلق عن الشرط'' کہتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیع قبل بدو الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں اور بیع بعد بدو الصلاح کی بھی تین صورتیں ہیں، اس طرح کل چھ صورتیں بن جاتی ہیں، سب سے پہلے قبل بدو الصلاح کا حکم ذکر کیا جاتا ہے۔

قبل بدو الصلاح بیع کا حکم:

پہلی اور دوسری صورت:

قبل بدو الصلاح کی صورت میں اگر بیع بشرط القطع ہوئی تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اور اگر بیع بشرط الترک ہوئی تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: ''**اشتراہ بشرط القطع یجوز و إن اشتراہ بشرط الترک لایجوز**'' (المبسوط للسرخسی ۱۶/ ۱۹۵، دار المعرفۃ بیروت)۔

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: ''**صح بیع ثمرۃ.... قبل بدو صلاحہ بشرط قطعہ فی الحال أو فی مدۃ قریبۃ لاینتقل فیھا الثمر أو الزرع من طور إلی آخر... ولایصح بیع ماذکر قبل بدو صلاحہ علی التبقیۃ**'' (الشرح الصغیر للدردیر ۳/ ۲۳۳-۲۳۴، دار المعارف)۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''**لایخلو بیع الثمر قبل بدوصلاحھا من ثلاثۃ أقسام: أحدھا: أن یشتریھا بشرط التبقیۃ، فلا یصح إجماعا... القسم الثانی أن یبیعھا بشرط القطع فی الحال فیصح بالإجماع**'' (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۱۴۹)۔

تیسری صورت:

تیسری صورت یہ ہے کہ بیع کے دوران پھلوں کے کاٹنے یا نہ کاٹنے کی کوئی شرط نہ لگائی جائے، یہ صورت ائمہ ثلاثہ

(امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک ناجائز ہے؛ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: "القسم الثانی: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولاتبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي وأجازه أبوحنيفة" (المغنی لابن قدامہ ۶/۱۴۹)۔

بدوالصلاح کے بعد پھلوں کی بیع کا حکم:

بدوالصلاح کے بعد بھی پھلوں کی خرید وفروخت کی وہی مذکورہ بالا تین صورتیں ہیں جو قبل بدوالصلاح کی حالت میں خرید وفروخت کی ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بعد بدوالصلاح کی حالت میں پھلوں کی خرید وفروخت کی تینوں صورتیں جائز ہیں؛ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس حالت میں بھی "بیع بشرط الترک" ناجائز ہے، البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور مزید بڑھنے کا امکان نہ ہو تو اس صورت میں "بیع بشرط الترک" جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ تمام مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "إذا بداالصلاح فی الثمرة، جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية إلى حال الجزاز وبشرط القطع، وبذلك قال مالك والشافعي و قال أبوحنيفة وأصحابه: لايجوز بشرط التبقية إلا أن محمدا قال: إذا تناهى عظمها جاز" (المغنی لابن قدامہ ۶/۱۵۵)۔

خلاصہ:

پھلوں کی خرید وفروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے اور قبل بدوالصلاح پھلوں کی بشرط الترک بیع کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) قبل بدوالصلاح کی بیع بشرط القطع کرنا اسی طرح بعد بدوالصلاح بشرط القطع اور مطلق عن الشرط بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) قبل بدوالصلاح بغیر کسی شرط کے بیع کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

(۴) بعد بدوالصلاح بشرط الترک بیع کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے؛ جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز ہے۔

البتہ اگر پھلوں کا سائز مکمل ہو چکا ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔

۳-بدوصلاح کی مراد اور اس سلسلے میں فقہاء کی آراء:

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھل کا آفات سے محفوظ ہونا ہے کہ جب وہ اتنا بڑا ہو جائے جس کے بعد

جو آفتیں عام طور پر پھلوں کو لگا کرتی ہیں ان سے وہ محفوظ ہوجائے تو کہا جائے گا کہ بدو صلاح متحقق ہوگئی۔

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:"وظهور الصلاح عندنا أن يأمن العاهة والفساد"(البحر الرائق ۵/ ۵۰۳، بیروت)۔

ائمہ ثلاثہ نے مختلف اشیاء کے اعتبار سے''بدو صلاح'' کی مختلف تشریح کی ہے:

مالکیہ کے نزدیک بدو صلاح:

مالکیہ کے نزدیک کھجور اور انگور کے علاوہ دیگر پھلوں میں''بدو صلاح'' یہ ہے کہ ان میں مٹھاس (مٹھاس سے مراد ہر پھل کے اندر اسکا فطری ذائقہ اور لذت پیدا ہوجانا ہے؛ کیونکہ بعض پھل کھٹے ہوتے ہیں) پیدا ہوجائے۔ کھجور میں اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے اور رنگ پکڑ لے، سبزیوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ کھانے کے لائق ہوجائیں، کھیتی اور دانہ میں خشک ہونا اور سخت ہونا بدو صلاح کی علامت ہے۔

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:"وهو: أى بدو الصلاح الزهو فى البلح باصفراره أو احمراره ومافى حكمها وظهور الحلاوة فى غيره كالعنب والتين ونحوهما۔ والتهيؤ للنضج۔ وفى البقول بإطعامها: أى بلوغها حد الإطعام، وفى الحب بيُبسه، المراد به غاية الافراك وبلوغه حداً لا يكبر بعده عادة" (الشرح الصغیر ۳/۲۳۶)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:"والمالكية فسروه تفسيراً نسبياً: فهو فى التمر: أن يحمر ويصفر ويزهو،وفى العنب أن يسود وتبدوالحلاوة فيه، وفى غيرهما من الثمارحصول الحلاوة، وفى سائر البقول: أن تطيب للأكل، وفى الزرع والحب أن ييبس ويشتد"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۸۸)۔

شافعیہ کے نزدیک بدو صلاح:

شافعیہ کے نزدیک جن پھلوں میں رنگ نہیں آتا ان میں''بدو صلاح'' کا معنی پکنا اور مٹھاس کے آثار کا ظاہر ہونا قرار دیا ہے، اور جن میں رنگ آتا ہے ان میں بدو صلاح یہ ہے کہ سرخی یا سیاہی یا زردی کا آغاز ہوجائے۔

علامہ رملی لکھتے ہیں:"وبدو صلاح الثمر ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لايتلون وفى غيره بأن يأخذ فى الحمرة أوالسواد"(نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج ۴/۱۳۸)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:"وأرجح الشافعية بدوالصلاح فى الثمر وغيره كالزرع إلى ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لايتلون منه، أما فى ما يتلون فبأن يأخذ فى الحمرة أوالسواد أو الصفرة" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۸۸)۔

حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح:

حنابلہ کے نزدیک ''بدوصلاح'' کے سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جن پھلوں کا رنگ اس کے صلاح کے وقت بدل جاتا ہو مثلاً کھجور، کالا انگور وغیرہ تو اس کا بدوصلاح اس کے رنگ کا بدل جانا ہے۔ اور اگر پھل ایسا ہے جس میں رنگ نہیں آتا تو اس میں بدوصلاح میٹھا (یعنی اس کا فطری ذائقہ) اور عمدہ ہونا ہے۔ اور جس پھل کا رنگ نہیں بدلتا اور عمدہ ہونے پر چھوٹی بڑی ہر شکل میں کھایا جاتا ہے مثلاً ککڑی اور کھیرا وغیرہ تو اس میں بدوصلاح عادتاً کھانے کے لائق ہونا ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''**وجملة ذلک أن ماکان من الثمرة یتغیر لونه عند صلاحه، کثمرة النخل والعنب الأسود والإجاص، فبدو صلاحه بذلک، وان کان العنب أبیض، فصلاحه بتموهه، وهوأن یبدو فیه الماء الحلو، ویلین ویصفر لونه، وان کان مما لایتلون کالتفاح ونحوه فبأن یحلو أو یطیب... وان کان مما لایتغیر لونه، ویؤکل طیبا، صغارًا وکبارًا کالقثاء والخیار،فصلاحه بلوغه أن یوکل عادة**'' (المغنی لابن قدامہ ۶/۱۵۸-۱۵۹، دارعالم الکتب الریاض)۔

ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کا خلاصہ:

بدوصلاح کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب تقریباً ایک ہی ہے جسکا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) کھجور میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے۔

(۲) انگور میں میٹھا پانی اور زردی کا ظاہر ہونا بدوصلاح ہے۔

(۳) کھجور اور انگور کے علاوہ وہ تمام اشیاء جن میں رنگ آتا ہے (سرخی، سیاہی، اور زردی) کا ظہور بدوصلاح ہے۔

(۴) جن اشیاء میں رنگ نہیں آتا ان میں بدوصلاح یہ ہے کہ پکنے کے اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہوجائیں۔

(۵) کھیتیوں اور دانوں میں بدوصلاح کا مطلب سختی کا پیدا ہونا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: ''**وبدوالصلاح أوالازهاء فی المشهور عند الجمهور: هو ظهور الحمرة أو الصفرة فی ثمرة النخل، وظهور الماء الحلو، واللین والإصفرار فی ثمرة الکرم، وفیما عدا ذلک أن یبدو النضج، أی أن العبرة فیما یتلون: هو أن یأخذ فی الحمرة أو السواد أوالصفرة کالبلح والعناب والمشمش والإجاص،وفیما لایتلون: العبرة بظهور مبادئ النضج والحلاوة بأن یتموه (أی یبدوفیه الماء الحلو) ویلین ویصفر لونه وفی الحبوب والزرع یعتبر اشتدادها**'' (الفقہ الإسلامی وادلتہ ۴/۴۹۰)۔

اگرغور کیا جائے تو ائمہ ثلاثہ اوراحناف نے بدوصلاح کی جوتفسیر کی ہے ان سب کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے کہ پھل کھانے کے لائق ہوجائیں اورآفات وغیرہ سے محفوظ ہوجائیں، گویا کہ ائمہ اربعہ کی ذکرکردہ تفسیروں میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی ہے۔

چنانچہ علامہ ماوردی شافعیؒ "بدوصلاح" کی مختلف اشیاء کے اعتبار سے آٹھ قسمیں تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وجملة القول فی بدوالصلاح أن تنتهی الثمرة أوبعضها إلی أدنیٰ کمالها فتنجو من العاهة "

(الحاوی الکبیر ۵/۱۹۶ کتاب البیوع، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:**"وبدوالصلاح فی کل شئ صیرورته إلی الصفة التی یأمن معها من الآفة غالبا والمعنی فیه أن تؤمن فیها الآفة، وتغلب السلامة فیثق المشتری بحصولها"**(منۃ المنعم فی شرح مسلم ۳/۱۸)۔

۴-پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع:

اگر باغ کے کچھ درختوں پر پھل آچکے ہوں اور کچھ پر نہ آئے ہوں اور باغ کا مالک موجوداور معدوم (یعنی جوپھل عقد بیع کے وقت موجود ہیں انکواور جوپھل ابھی موجودنہیں لیکن انکا نکلنا متوقع ہے) تمام پھلوں کوفروخت کرتا ہےتو ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کے نزدیک یہ شکل جائزنہیں ہے؛ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

درمختار میں ہے:**"ولو برز بعضها دون بعض لایصح فی ظاهر المذهب وصححه السرخسی، وقال ابن عابدین: فاطلاق المصنف تبعا للزیلعی محمول ما اذا باع الموجود والمعدوم کما یفیده مایأتی عن الحلوانی"**(الدرمع الرد ۷/۸۵،زکریادیوبند)۔

"فان باع الثمرة الظاهرة، ومالم یظهر بعد ذلک لم یصح البیع وبه قال أبوحنیفة و أحمد، وقال مالک: یصح" (ینابیع الأحکام فی معرفة الحلال والحرام فی الفقه علی المذاهب الأربعة ۲/۱۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

لیکن بعض فقہاء نے تعامل کی وجہ سے کہ عام طور پرلوگ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کردیتے ہیں مذکورہ معاملہ میں نرمی کا پہلو اختیار کیا؛ چنانچہ شمس الائمہ حلوانی نے حسب روایت زیلعی اس معاملہ کواس شرط کے ساتھ جائزقرار دیا ہے کہ درخت پر اکثر پھل نکل چکے ہوں اور کچھ باقی ہوں۔

درمختار میں ہے: **"وأفتی الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر "**(الدرمع الرد ۷/۸۵)۔

اللباب میں ہے:"وأفتى الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر ویجعل المعدوم تبعا للموجود استحسانا لتعامل الناس للضرورة" (اللباب فی شرح الکتاب،ص:۲۱۸،بیروت)۔

اورامام ابوبکرمحمد بن الفضل البخاری سے شمس الائمہ حلوانی نے نقل کیا ہے کہ وہ پھل کے اکثر یااقل کی قید کے بغیر بہرصورت معاملہ کو جائز قرار دیتے ہیں کہ عقد بیع کے وقت جس قدر بھی پھل موجود ہیں،قلیل ہوں یا کثیر،اسکو"اصل"سمجھا جائے گا،اور بعد میں نئے پیدا ہونے والے پھلوں کواس کے تابع قرار دیکر معاملہ میں شامل کیا جائے گا(دیکھئے:البحرالرائق ۵/ ۵۰۳ زکریادیوبند،فقہ البیوع علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۳۲۷،مکتبہ معارف القرآن کراچی)۔

راجح اور مفتیٰ بہ قول:

امام شمس الائمہ سرخسی اورامام مرغینانی"صاحب ہدایہ"نے تو ظاہرروایت کے مطابق فتوی دیا ہے اوراس طرح معاملہ کرنے سے منع کیا ہے؛کیونکہ یہ غیرموجود چیز(جو پھل ابھی نہیں نکلے ہیں) کی خرید وفروخت ہے؛لیکن اگرکسی نے اس طرح معاملہ کرلیا(یعنی نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ ان پھلوں کوبھی فروخت کردیا جوابھی تک نکلےنہیں ہیں) تواگر قبضہ (تخلیہ) سے پہلے ہی درختوں پرمزید کچھ نئے پھلوں کا اضافہ ہوجائے تب تویہ بیع فاسد ہوجائیگی،اوراگرخریدار کے قبضہ کے بعد نئے پھلوں کا اضافہ ہوجائے توان نئے پھلوں کا مالک بائع (باغ کا مالک) ہوگا یعنی اب باغ میں خریداراور مالک دونوں شریک سمجھے جائیں گے،اورنئے پھلوں کی مقدار کیا ہے؟ تواس کا تخمینہ مشتری جو بتائیگا اسکا اعتبار ہوگا اوراتنی مقدار میں پھل بائع کوواپس کیا جائے گا۔

ہدایہ میں ہے:"ولو اشتراها مطلقا فأثمرت ثمراً آخر قبل القبض فسد البيع لأنه لايمكنه تسليم المبيع لتعذر التمييز، ولوأثمرت بعد القبض يشتركان فيه للاختلاط والقول قول المشترى فى مقداره لأنه فى يده"(ہدایہ ۳/ ۲۷،اشرفی بکڈپودیوبند)۔

لیکن متاخرین حنفیہ نے ضرورت اورلوگوں کے تعامل کی وجہ سے اس مسئلہ میں امام ابوبکرمحمد بن الفضل بخاری ہی کی رائے پرعمل کیا ہے۔علامہ شامی نے"ردالمحتار"میں اورابن نجیم مصری نے اپنے فتاوی میں اسی رائے کواختیار کیا ہے، اورمحقق ابن ہمام نے بھی"فتح القدیر"میں اسی کی طرف اپنے میلان کا اظہار کیا ہے؛اس لئے موجودہ زمانہ میں تعامل اور ضرورت کی وجہ سے یہ معاملہ کرنا بلاتردد جائز اوردرست ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے موجودہ زمانے کی ضرورت کوان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:"قلت: لكن لايخفى تحقق الضرورة فى زماننا ولاسيما فى مثل دمشق الشام كثيرة الاشجار والثمار، فانه لغلبة الجهل على الناس

لایمکن الزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذکورة، وإن أمکن بالنسبة إلی بعض أفراد الناس لایمکن بالنسبة إلی عامتهم وفی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت، ویلزم تحریم أکل الثمار فی هذه البلدان إذ لاتباع إلاکذلک۔ والنبی ﷺ رخص فی السلم للضرورة مع أنه بیع المعدوم فحیث تحققت الضرورة هنا أیضا أمکن إلحاقه بالسلم بالطریق الأولی" (الدرمع الرد ۷/۸۶،زکریادیوبند)۔

فتاوی ابن نجیم میں ہے:"سئل عن بیع الباذنجان أو البطیخ أو الثمار وقد ظهر بعضه دون بعض هل یصح البیع أولایصح إلا فیما ظهر"،"أجاب: نعم یجوز، ویجعل الموجود أصلا فی البیع ومایحدث تبعاً"(فتاوی ابن نجیم/ص ۹۸)۔

مذکورہ بالاتفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگرکسی ایسے باغ کے پھلوں کوفروخت کیا جائے جس کے درختوں پر کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ ابھی نہ نکلے ہوں تو موجوداورغیر موجودتمام پھلوں کی خریدوفروخت بلاکسی تردد کے جائزاوردرست ہے۔

اگردرخت پرپھل نکل آئے ہوں لیکن وہ فی الحال پورے طور پرقابل انتفاع نہ ہوئے ہوں تواسکی دوشکلیں ہیں:

(۱)وہ پھل فی الحال جانوروں کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہیں تواسکی بیع وشراء کے جواز اورعدم جواز کے سلسلہ میں علماء کااختلاف ہے۔

امام فخرالدین قاضیخان وغیرہ نے عامة المشائخ کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایاہے کہ اگرپھل جانوروغیرہ کے چارہ کےبھی کام نہ آسکیں توان کی خریدوفروخت جائزنہیں ہے۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:"وعامة المشائخ لم یجوزوا بیع الثمار قبل أن تصیر منتفعا لنهی النبی علیه الصلاة والسلام عن بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها"(قاضیخان علی ہامش الہندیہ ۲/۲۵)۔

جبکہ امام ابوبکرمحمد بن الفضل اورعلامہ شامی نے جواز کے پہلوکوترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اسکی خریدوفروخت جائزہے؛اس لئے کہ یہ پھل اگرچہ فی الحال قابل انتفاع نہیں مگرہفتہ عشرہ کے بعدوہ قابل انتفاع ہوسکتے ہیں۔

اسی کو"ردالمحتار"میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے:"وعندنا:إن کان بحال لا ینتفع به فی الأکل ولا فی علف الدوابّ فیه خلاف بین المشائخ قیل: لایجوز، ونسبه قاضی خان لعامة مشائخنا، والصحیح أنه یجوز؛ لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعا به فی الحال۔ والحیلة فی جوازه باتفاق المشائخ أن یبیع الکمثریٰ اول ما تخرج مع أوراق الشجر فیجوز فیها تبعا للأوراق کأنه ورق

کلہ"(الدر مع الرد ۷/ ۸۵، زکریا دیوبند)۔

فتاوی سراجیہ میں ہے:"**بیع الثمرة بعد الظهور يجوز وإن لم يصر منتفعا به هوالأصح** "(فتاوی سراجیہ/ص ۴۱۵، مکتبہ اتحاد دیوبند)۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ پھل کم از کم جانوروں کے چارہ کے قابل ہو چکے ہوں، تو ایسی صورت میں بالاتفاق ان کی بیع وشراء جائز ہے۔

شامی میں ہے:"**وإن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب**"(الدر مع الرد ۷/ ۸۵ زکردیا دیوبند)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر پھل انسان یا جانور کی غذا کے قابل ہو چکے ہیں تو ان کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے، اور اگر پھل بالکل بھی قابل انتفاع نہ ہوں، نہ انسان کے لئے اور نہ ہی جانوروں کے لئے، تب بھی اصح اور راجح قول کے مطابق ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔

۵- پھل تیار نہ ہونے کی صورت میں درخت پر پھلوں کی خرید وفروخت کا حکم:

پھل تیار نہ ہونے کی صورت میں خرید وفروخت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ پھل اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جائے کہ خریدار اسے فوراً ہی توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے۔

(۲) خرید وفروخت کے وقت یہ طے نہ پایا ہو کہ پھل خریدار ابھی توڑے گا یا تیار ہونے تک اسے باقی رکھے گا؛ بلکہ بلا کسی شرط کے مطلق معاملہ ہوا ہو تو یہ شکل بھی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے؛ البتہ خریدار پر لازم ہے کہ اس طرح معاملہ کرنے کے بعد پھل توڑ لے، اسکو یہ حق نہیں ہے کہ درخت پر پھل باقی رکھے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ عقد بیع کے وقت ہی یہ شرط قرار پائے کہ مالک پھل کے پکنے اور تیار ہونے تک درخت پر رہنے دیگا، یہ صورت باتفاق ائمہ اربعہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ خریدار کی طرف سے ایک ایسی شرط لگائی گئی ہے جس میں اسکا نفع ہے اور ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے۔

مذکورہ تینوں صورتوں کو فتاوی ہندیہ میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:"**بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقا، فان باعها بعد أن تصير منتفعا بها يصح وإن باعها قبل أن تصير منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب فالصحيح أنه يصح، وعلى المشتری قطعها فی الحال، هذا إذا با ع مطلقا أو**

بشرط القطع، فإن باع بشرط الترک فسد البیع" (ہندیہ ۱۰۶/۳،زکریا دیوبند)۔

تاہم پہلی اور دوسری صورت میں اگر خریدار درخت پر پھل باقی رکھنا چاہتا ہوتا کہ پھل پک جائیں اور پوری طرح تیار ہوجائیں تو اسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ درخت بٹائی پر لے لے جسے مساقات کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب مثلاً پانچ فیصد یا اس سے بھی کم حصہ باغ کے مالک کیلئے مقرر کردے۔ درمختار میں ہے:"**والحیلة أن یأخذالشجرة معاملة علی أن له جزءًا من ألف جزء**"(الدرمع الرد ۸۸/۷،دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خرید وفروخت کا معاملہ ہوجانے کے بعد خریدار کی خواہش پر کہ ابھی پھل پکنے تک اسکو درخت پر رہنے دیا جائے اور بیچنے والا اسکو قبول کرے یا مالک از خود زبانی اجازت دیدے تو یہ شکل درست ہے، اور اسکے پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا یا جو نئے پھل درخت پر نکلیں گے وہ مشتری کیلئے حلال ہوجائیں گے۔

ہدایہ میں ہے: "**ولو اشتراها مطلقا وترکها بإذن البائع طاب له الفضل**" (ہدایہ ۱۱/۳،اشرفی بکڈپو دیوبند)۔

بلکہ موجودہ زمانہ میں جبکہ درختوں پر پھلوں کے پکنے تک چھوڑ دینے کا عرف اور رواج ہو چکا ہے، اگر صراحتاً بائع سے اجازت نہ بھی لی جائے تب بھی مشتری کیلئے وہ پھل حلال ہوں گے۔

چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں:" لیکن اس زمانہ میں عرف اور رواج درختوں پر پھلوں کے چھوڑ دینے کا ہے؛ اس لئے اگر صراحۃً مالک اجازت نہ دے اور مشتری اجازت نہ لے اور درختوں پر رہ کر پھل اپنی جسامت کی انتہا تک پہونچ کر پک جائے تو مشتری کیلئے وہ پھل اور اسکی قیمت حلال اور جائز ہوجائیگی؛ لیکن پھر بھی معاملہ کے بعد مشتری سے باقاعدہ اجازت لے لے تو زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ حضرات فقہاء کرام نے باقاعدہ اجازت لیکر درختوں پر چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے" (انوار رحمت رص ۱۸۴،مکتبہ الاصلاح لال باغ مرادآباد)۔

جہاں تک تیسری صورت کا تعلق ہے تو حنفیہ کے نزدیک درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ درست نہیں کہ پھل کے تیار ہونے تک درخت پر رہنے دیئے جائیں خواہ بدوصلاح کے قبل ہوں یا بعد میں، اور یہ اس لئے کہ عقد میں ایک ایسی شرط لگائی گئی ہے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرط عقد کو فاسد کردیتی ہے؛ مگر موجودہ زمانے میں جبکہ لوگوں میں پھل کے پکنے اور تیار ہونے سے پہلے ہی باغات کی خریداری اور پھل کے پکنے تک درخت پر پھلوں کے باقی رکھنے کا رواج ہو چکا ہے اس لئے خود احناف کے قواعد واصول کے پیش نظر یہ معاملہ درست ہونا چاہئے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ:

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شرائط کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شرط صحیح، (۲) شرط فاسد، (۳) شرط باطل۔ پھر شرط صحیح کی تین قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو وہ جائز ہے، مثلاً یہ کہ کوئی شخص عقد بیع میں یہ شرط لگائے کہ تم مجھے مبیع فوراً حوالہ کروگے، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے عین مطابق ہے لہذا ایسی شرط جائز ہے اور اس سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(۲) دوسری قسم عقد میں ایسی شرط لگانا جو اگر چہ مقتضائے عقد کے اندر براہ راست داخل نہ ہو لیکن وہ شرط عقد کے ملائم ومناسب ہو، مثال کے طور پر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ معاملہ اس شرط پر کرتا ہوں کہ تم مجھے کوئی چیز رہن کے طور پر دو؛ تاکہ اگر تم نے وقت پر پیسے ادا نہیں کیئے تو میں اس رہن سے وصول کرلوں، یہ شرط بھی ملائم عقد ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔

(۳) تیسری قسم شرط کی وہ ہے جو اگر چہ مقتضائے عقد کے اندر داخل نہیں اور بظاہر عقد کے ملائم ومناسب بھی نہیں لیکن متعارف ہوگئی ہے یعنی یہ بات تجار کے درمیان معروف ومشہور ہوگئی کہ اس معاملہ کے ساتھ یہ شرط بھی لگائی جاسکتی ہے۔ مثلا فقہاء کرام نے اسکی یہ مثال دی ہے کہ کوئی شخص کسی سے اس شرط کے ساتھ جوتا خریدے کہ بائع اس کے اندر تلوا لگا کر دے، اب یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، اس کے باوجود یہ شرط جائز ہے اس واسطے کہ متعارف ہوگئی ہے۔

درمختار میں ہے: **''الأصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط ''لایقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لأحدهما أو فیه نفع لمبیع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن یکون آدمیا.... ولم یجر العرف به ولم یرد الشرع بجوازه أما لو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه کشرط أن یقطعه البائع ویخیطه قباء فیصح البیع بشرط یقتضیه العقد.. أولا یقتضیه لکن یلائمه کشرط رهن معلوم أو جری العرف به کبیع نعل علی أن یحذوه البائع ویشرکه استحسانا للتعامل بلانکیر''**(الدر مع الرد ۷/ ۲۸۲-۲۸۶، دار عالم الکتب الریاض، نیز دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۲۴۴-۲۴۶)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عقد بیع میں ہر شرط مفسد عقد نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ شرط مفسد عقد ہوتی ہے جو مفضی إلی النزاع ہو، لہذا اگر کسی شرط کا لوگوں میں رواج ہوجائے تو اگر چہ وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن عرف اور تعامل ناس کی وجہ سے استحساناً ایسی شرطیں لازم ہوں گی، مفسد عقد نہیں ہوں گی، گو اس میں احد العاقدین کا فائدہ بھی ہو، سابقہ زمانہ میں چونکہ '' درخت پر پھل باقی رکھنے کی شرط'' کا رواج نہیں تھا اس لئے فقہاء نے اس شرط کی وجہ سے عقد کے فساد کا حکم لگایا تھا؛ کیونکہ یہ ایسی شرط تھی جو مقتضائے عقد کے خلاف تھی اور اس میں احد العاقدین یعنی مشتری کا فائدہ تھا لیکن اب موجودہ زمانہ میں اس شرط کا رواج ہو چکا ہے اور شریعت میں '' عرف حادث'' کا اعتبار کیا جاتا ہے

جیسا کہ ابن عابدین نے ”ردالمحتار“ میں اسکی صراحت کی ہے:

”قلت: وتدل عبارة البزازية والخانية وكذا مسألة القبقاب على إعتبار العرف الحادث، ومقتضى هذا أنه لوحدث عرف فى شرط غير الشرط فى النعل والثوب والقبقاب أن يكون معتبرا إذا لم يؤد إلى المنازعة“(ردالمحتار علی الدرالمختار ۷/۲۷۶، دارعالم الکتب الریاض)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: ”ونص ابن عابدين على اعتبار العرف الحادث فلو حدث عرف فى غير الشرط المذكور فى بيع الثوب بشرط رفوه، والنعل بشرط حذوه، يكون معتبرا، اذا لم يؤد إلى المنازعة“(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۴۶)۔

ان عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ”عرف حادث“ شرعا معتبر ہے یعنی اگر کسی معاملہ میں پہلے عرف کچھ اور تھا اور مرور زمانہ کی وجہ سے اس میں تبدیلی ہوگئی اور اسکی جگہ لوگوں میں کچھ اور عرف ہوگیا تو اس عرف کا شرعاً اعتبار کیا جائے گا، پس سابقہ زمانہ میں درخت پر پھل چھوڑنے کی شرط متعارف نہیں تھی جس کی وجہ سے فقہاء نے مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہونے کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار دیا تھا لیکن اب اس معاملہ میں لوگوں کا عرف بدل چکا ہے اور مذکورہ شرط تاجروں کے درمیان متعارف ہوگئی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ایسی شرط جو اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں احد العاقدین کا فائدہ بھی ہو لیکن وہ شرط متعارف بین التجار ہو تو ایسی شرط مفسد عقد نہیں ہوتی جیسا کہ ماقبل میں اسکی صراحت کی گئی ہے، لہذا اس عرف حادث (درخت پر پھل باقی رکھنے کی شرط) کا اعتبار کرتے ہوئے اسکو ایک جائز شرط قرار دیا جائے گا اور اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز رہے گا، جیسا کہ جب پھلوں کا سائز مکمل ہو چکا ہو تو اسکی خرید وفروخت کو بشرط الترک امام محمدؒ نے اسی عرف اور تعامل کی وجہ سے استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

شرح المجلہ میں ہے:”فقد اتضح مما ذكرنا وضوح الشمس بحيث لم يبق ريب ولا لبس أنه لوجرى التعامل المستفيض فى بيع الثمار قبل بدوصلاحها بشرط تركها حتى تنضج، يصح البيع عند محمد... فاشتراط ترک الثمار البارزة حتى تنضج وإن كان شرطا لايقتضيه العقد ولايلائمه وفيه نفع لأحد من المتعاقدين لكن حيث جرى به العرف الشائع فى بلادنا واستفاض بين الخاص والعام فيكون معتبراً... وعليه يكون صحة بيع الثمار البارزة بشرط تركها حتى تنضج اتفاقية“(شرح المجلۃ للأتاسی ۲/۹۴-۹۵، نیز دیکھئے: فقہ البیوع ۱/۲۳۱-۲۳۲)۔

مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی اس مسئلہ میں یہی رائے ہے کہ بیع کی یہ شکل شرعاً جائز

اور درست ہے۔

مفتی تقی صاحب رقمطراز ہیں:"ثم هنا ناحية أخرى لم يتعرض لها الفقهاء عموما، وهی أن البيع بشرط الترک انما يحرم عند الحنفية لكونه بيعا وشرطا ولكن الحنفية يجوزون مع البيع شروطا جرىٰ بها التعامل ؛لأن التعامل رافع للنزاع، ولاشک أن بيع الثمار لشرط الترک جرى به التعامل فی اکثر البلاد فينبغی أن يجوز هذا الشرط علی أصل الحنفية "(تکملہ فتح الملہم ۷/۳۷۹،دارالضیاء بیروت)۔

مولانا خالدسیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:"وأما الإشتراط بتركها علی الأشجار إلی وقت إدراكها فهذا أيضا يجوز ويعتبر، هذا ما عندی "(نوازل فقہیہ معاصرۃ،ص:۳۷۴)۔

البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:"المعروف کالمشروط" کہ جس چیز کا عرف ہوجائے وہ بھی مشروط کے حکم میں ہوجاتی ہے،اور موجودہ زمانہ میں چونکہ یہ عرف ہو چکا ہے کہ معاملہ کے بعد نہ تو بائع خریدار کو پھل توڑنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ہی مشتری پھل خود توڑتا ہے؛لہذا اس مشہور قاعدہ کی رو سے "بیع مطلق عن الشرط" والی صورت بھی "بیع بشرط الترک" کی طرح ہوگئی؛اس لئے اسے بھی ناجائز قرار دیا جانا چاہئے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے اسی قاعدہ کی وجہ سے عرف کی صورت میں اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:"لو شراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الزيادة"۔

اس پر علامہ شامی رقمطراز ہیں:"قوله: (مطلقا) أی بلا شرط ترک أو قطع وظاهره ولو كان الترک متعارفا مع أنهم قالوا المعروف عرفا كالمشروط نصا ومقتضاه فساد البيع وعدم حل الزيادة تامل" (الدرمع الرد ۷/۸۷،الریاض)۔

علامہ شامی ہی کی رائے کو مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اپنے فتاوی میں اختیار کیا ہے۔

فتاوی دارالعلوم میں ہے:"جب تک پھل ظاہر نہ ہوجائیں اس وقت تک بیع ان کی صحیح نہیں ہے،اور چونکہ اب معروف یہ ہے کہ وہ پھل پختہ ہونے تک درختوں پر چھوڑے جاتے ہیں اور بائع اور مشتری دونوں کو یہ معلوم ہے تو بحکم "المعروف کالمشروط" یہ بیع بشرط الترک ہوئی،لہذا بیع فاسد ہوگی(فتاوی دارالعلوم دیوبند ۱۴/۳۴۹)۔

لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علامہ ابن عابدین شامی کے اس قول سے اتفاق نہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے اس سلسلے میں جواز منقول ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مطلق بیع کی جائے اور ترک کی شرط نہ لگائی جائے لیکن وہاں کا عرف "ترک الثمر علی الاشجار" کا ہے تو بھی اس عرف کا اعتبار نہ کرتے ہوئے بیع درست ہوگی۔اب

جب امام اعظمؒ سے یہ صراحت موجود ہے تو پھر علامہ ابن عابدین شامی نے جو قواعد کی تخریج کی ہے ''المعروف کالمشروط'' اسکی ضرورت نہیں رہتی؛ لہذا اگر عرف بھی ہو تو بھی بہر حال جائز ہے۔

''قلت: وتفصیل الشامی لیس بمختار عندی فیجوز له الفضل وان کان الترک معروفا ولایکون کالمشروط وإنما دعانی إلی ترک تفصیله ما حرره ابن الهمام فی ذیل سوال وجواب من هذا المقام ویظهر منه کونه طیبا بدون فصل فراجعه من هذا الباب، وکذا نقل الحافظ ابن تیمیة عن أبی حنیفة فی ''فتاواه'' ماحاصله ما فی الهدایة فتفصیل الشامی غیر مختار عندی''۔

'' والحاصل أن الشرط إذا لم یکن فی العقد ولم یأمره البائع بالقطع طاب له ترکه سواء کان معروفاً أولا۔ ولا التفت إلی ما قاله الشامی: إن المعروف کالمشروط بعد ما وجدت روایة عن الإمام عند الحافظ ابن تیمیة فی ''فتاواه'' (فیض الباری ۳/۴۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مطلق بیع کی صورت میں معاملہ جائز اور درست ہوگا اگرچہ لوگوں کے درمیان پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کا عرف اور رواج ہو۔

البتہ یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اگر پھلوں کی تجارت کی تمام شکلوں کو تعامل اور عرف کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے تو پھر حدیث شریف کا محمل کچھ باقی نہیں رہے گا، حدیث شریف میں آتا ہے: ''نهی رسول الله ﷺ عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها'' نیز تعامل کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں، تعامل کی وجہ سے تخصیص النص جائز ہے؛ لیکن ابطال النص جائز نہیں ہے۔

امام جعفر طحاوی رحمہ اللہ ''شرح معانی الآثار'' میں اس کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) قبل بدو الصلاح پھلوں کی خرید وفروخت سے ممانعت والی روایات کا تعلق بیع سلم سے ہے؛ چونکہ حنفیہ کے نزدیک عقد کے وقت سے لیکر سپرد کرنے کے وقت تک مسلم فیہ (مبیع) کا موجود ہونا ضروری ہے؛ لہذا پھلوں کے اندر بیع سلم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ''بعد بدو الصلاح'' ہو، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ عقد کے وقت مسلم فیہ موجود ہے، اگر قبل بدو الصلاح بیع سلم کردی گئی تو جائز نہیں، کیونکہ اس وقت پھل بمنزلہ معدوم ہوتے ہیں۔

''واحتمل أن یکون أراد به بیع الثمار قبل أن یکون، فیکون البائع بائعا لما لیس عنده، فقد نهاه رسو ل الله ﷺ عن ذلک فی نهیه عن بیع السنین۔۔۔ وانما الذی فی هذه الآثار هو النهی عن السلم فی الثمار فی غیر حینها فهذه الآثار تدلّ علی النهی عن ذلک''(شرح معانی الآثار ۴/۲۴-۲۶ کتاب

البیوع، باب بیع الثمار قبل أن تناہی)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:"وأجاب الطحاوی رحمه الله۔ فی شرح معانی الآثار عن حديث الباب بطريق آخر، وحاصله أن الحديث لم يرد فی البياعات العامة، وانما ورد فی السلم خاصة وذلک لأن أهل المدينة كانوا قبل مقدمه ﷺ يسلفون فی الثمار لسنة أو سنتين، فنهى عن ذلک إلا أن يسلفوا فی كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم، ويشترط لجواز بيع السلم أن يوجدالمبيع من حين العقد إلى وقت التسليم، فلابد للسلم فی الثمار أن يكون بعد بدوصلاحها و أمنها من العاهات ليصدق عليها أنها توجد حين العقد فإنها قبل بدوصلاحها كالمعدومة فلو وقع السلم عليها حينئذ فقد شرط وِجدانها حين العقد، ففسد السلم، فالحاصل: أن مراد الحديث النهی عن السلم قبل بدوالصلاح وليس مراده النهی عن البيوع العامة"(تکملہ فتح الملہم ۷/ ۳۷۳،دارالضیاء بیروت)۔

(۲) حدیث میں ممانعت تحریم پر محمول نہیں ہے، بلکہ مشورہ پر محمول ہے جیسا کہ زید بن ثابتؓ کی حدیث میں صراحت ہے کہ لوگ بدوصلاح سے قبل فروخت کرتے تھے اوراس کے بعد درخت پر چھوڑ رکھتے تھے اوراس میں طرح طرح کی آفت وبیماری سے نقصان ہوتا جس سے بائع اورمشتری کے درمیان باہم خصومت اور جھگڑا ہوتا تو آپ ﷺ نے بطور مشورہ فرمایا: پھرایسامت کرو۔

"لاتتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم" ۔اب حدیث شریف کامعنی یہ ہوگا کہ شرعاًاسکی بیع جائز اور درست ہے؛البتہ مشورہ یہ ہے کہ اس طرح نہ بیچا جائے،اورمشورہ واجب القبول نہیں ہوتا؛ بلکہ مندوب القبول ہوتا ہے۔ اورجن احادیث میں لفظ نہی صراحتاً آیا ہے تو ان کو اس حدیث کی روشنی میں" نہی تنزیہی"اور" نہی ارشاد" پرمحمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے ایک ہدایت دی کہ ایسامت کرو؛لہذا یہ تحریم شرعی نہیں،اور جب تحریم شرعی نہیں ہے تو پھراشکال بھی باقی نہیں رہا۔

فیض الباری میں ہے:" قوله: كالمشورة يشير بها، وهذا يفيدنا فانه يدل على أن النهی عن بيع الثمار قبل البدو للارشاد" (فیض الباری ۳/۲۷۶،بیروت)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:"والجواب الثالث عن حديث الباب قد ذكره الطحاوی عن بعض العلماء وهو أننا سلمنا أن الحديث وارد لا فی السلم خاصة بل فی البياعات عامة، وسلمنا أنه يشمل البيع المطلق عن شرط الترک أو القطع، ولكنه ليس للتحريم بل هو نهی ارشاد ومشورة واستدلوا

علی ذلک بما أخرجه البخاری عن زید بن ثابتؓ الخ" (تکملہ فتح الملہم ص ۳۷۴، دارالضیاء بیروت، نیز دیکھئے: العرف الشذی للکشمیری، ص: ۱۷، کتاب البیوع، داراحیاء التراث العربی)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پھل کے وجود میں آنے سے پہلے اسکی خرید وفروخت کرنا شرعاً ناجائز ہے اور پھل کے ظہور کے بعد (خواہ وہ عقد کے وقت قابل استعمال ہوں یا نہ ہوں اور سارے پھل نکل چکے ہوں یا صرف بعض نکلے ہوں اور بعض کے آئندہ نکلنے کی امید ہو) خرید وفروخت کی تمام شکلیں جائز اور درست ہیں، خواہ عقد بشرط الترک ہو یا بشرط القطع ہو یا مطلق عن الشرط بعرف الابقاء ہو، سب صورتیں تعامل ناس اور عرف کی وجہ سے درست ہیں۔

۶-پھل پکنے تک درخت کو کرایہ پر لینا:

شریعت نے عقد اجارہ کو خلاف قیاس لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے مشروع کیا ہے اور زیر بحث مسئلہ میں (یعنی پھل توڑنے کی مدت تک درخت پر پھلوں کو چھوڑنے کی ضرورت) زمین کو اجارہ پر لینے یا بائع کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت کی وجہ سے پوری ہوجاتی ہے، نیز صرف درختوں کو اجارہ پر لینے کا لوگوں میں تعامل اور رواج بھی نہیں ہے؛ لہٰذا اس ضرورت کیلئے پھل توڑنے کی مدت تک کیلئے درختوں کو اجارہ پر لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: "**وإن استأجر الشجر إلی وقت الادراک بطلت الاجارة**" (درمختار)۔

"**قال الطحاوی: قوله بطلت الاجارة: أی وإن عین مدة معلومة لعدم العرف والحاجة انتهی حلبی عن الدرالمنتقی وذلک لأن الحاجة تندفع بإجارة الأرض مدة معلومة أوبالإذن بالترک، ولا تعامل فی إجارة الاشجار المجردة**" (طحاوی علی الدرالمختار ۳/ ۲۴)۔

فتح القدیر میں ہے: "**وأصل الإجارة مقتضیٰ القیاس فیها البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فیما فیه تعامل، ولا تعامل فی إجارة الأشجار المجردة فلایجوز**" (فتح القدیر ۶/ ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

ہندیہ میں ہے: "**وإذا اشتری ثمره فی النخل ثم استأجر النخل مدة یبقیها فیها لم یجز لأنها لیست من اجارات الناس**" (ہندیہ ۴/ ۵۰۶، بیروت)۔

۷-جواز کی چند متبادل شکلیں:

(۱) پہلی صورت: یہ ہے کہ اگر باغ کی زمین قابل کاشت ہو جس میں سبزی وغیرہ لگائی جاسکتی ہے تو پھل فروخت کرنے کے بجائے زمین زراعت کے لئے دیدی جائے اور پھل بلامعاوضہ لینے کی صراحت کے ساتھ اجازت دیدی جائے

؛چونکہ اس صورت میں مستاجر کو پھل لینے کی بھی اجازت ہوگی؛اس لئے اسکی بنا پر کرایہ میں بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی صورت کی ایک دوسری شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس زمین میں باغ لگا ہوا ہے اسکو مع درختوں کے کرایہ پر دیا جائے اوراس درمیان مشتری کو باغ کے پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں پیداوار وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل کرنے کا مکمل اختیار ہو تو یہ شکل بھی شرعاً درست ہے؛اس لئے کہ اس صورت میں اصل عقد اور معاملہ زمین کی کرایہ داری کا ہے اور باغ اسکے تابع۔

ہدایہ میں ہے:"**ومن استأجر أرضا علی أن یکریھا ویزرعھا ویسقیھا فھو جائز**"(الہدایہ ۳/۳۰۶، الامین کتابستان دیوبند)۔

درمختار میں ہے:"**وصحت لواستأجرھا علی أن یکریھا ویزرعھا أویسقیھا ویزرعھا لأنہ شرط یقتضیہ العقد**" (الدرمع الرد ۹/۸۲،زکریا دیوبند)۔

لیکن اگر زمین پر پھلدار درختوں کی کثرت کی وجہ سے سبزی وغیرہ نہ لگائی جاسکتی ہو یا زمین کاشت کے قابل ہی نہ ہوتو اس صورت میں اسے کئی سال یا ایک سال کے لئے اجرت پر دینا جائز نہ ہوگا۔

مبسوط سرخسی میں ہے: "**ومن استأجر أرضا فیھا زرع ورطبۃ أو شجر وقصب أوکرم أوما یمنع من الزراعۃ فالإجارۃ فاسدۃ** "(المبسوط للسرخسی ۶/۳۳،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

ہندیہ میں ہے:"**ولوإستأجر أرضا فیھا زرع أو کرم یمنع الزراعۃ فھی فاسدۃ**"(ہندیہ ۴/۵۰۵، دارالکتب العلمیہ ،بیروت)۔

(۲) دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ جس شخص کو باغ ٹھیکہ پر دینا مقصود ہوتو باغ کا مالک اس ٹھیکیدار کو پہلے اپنا باغ مساقات (بٹائی) پر اس شرط کے ساتھ دے کہ ٹھیکیدار خود اپنے ملازمین اور مددگاروں کے ذریعہ درختوں کی دیکھ بھال کریگا، اور بعد میں جو پھل حاصل ہوں ان میں باہمی رضامندی سے حصہ داری کی کوئی نسبت طے کرلی جائے ،مثلاً یہ کہ نوے فیصد ٹھیکیدار کے ہونگے اور دس فیصد حصے باغ کے مالک کے ہوں گے، یا اسکے برعکس یا کوئی اور نسبت باہمی رضامندی سے طے کرلی جائے ؛حتی کہ ایک ہزار کی نسبت بھی طے کی جاسکتی ہے کہ ایک ہزار حصوں میں سے ایک حصہ مالک کا ہوگا اور نو سو ننانوے حصے ٹھیکیدار کے ہوں گے، جب ٹھیکیدار سے اس طرح کا معاملہ طے پا جائے تو اس کے بعد مستقل معاملہ کے طور پر باغ کی زمین اسی ٹھیکیدار کو کرایہ پر دیدے اور کرایہ باہمی رضامندی سے کچھ بھی طے کیا جاسکتا ہے جسکی ادائیگی فوری یا تاخیر کے ساتھ دونوں طرح طے کی جاسکتی ہے، اور اگر چاہے تو کرایہ اتنا مقرر کرلے جتنا عام طور پر ٹھیکہ پر دیتے وقت مقرر کیا جاتا ہے، آخر میں جب درختوں پر پھل تیار ہو جائیں تو مالک کو اختیار ہے کہ پھلوں میں اپنا طے شدہ حصہ وصول کرلے یا اپنا حصہ

ٹھیکیدار ہی کو بخش دے یا فروخت کردے۔

تاہم یہ واضح رہے کہ اس صورت میں دونوں معاملہ مستقل طور پر کرنا ضروری ہے پہلے مساقات کا معاملہ کرنا، پھر زمین کا معاملہ کرنا یعنی ایک معاملہ دوسرے معاملہ کے ساتھ مشروط نہ ہونا چاہئے۔

تقریرات رافعی میں ہے:"وحيلته أن يؤاجر الأرض البيضاء التى تصلح للزراعة فيما بين الأشجار مثلها وزيادة قيمة الثمار، ثم يدفع رب الأرض الاشجار معاملة إليه على أن يكون لرب الأرض جزء من ألف جزء ويأمره أن يضع ذلك الجزء حيث أراد لأن مقصود رب الأرض أن تحصل له زيادة أجر المثل بقيمة الثمار، ومقصود المستأجر أن يحصل له ثمار الأشجار مع الأرض وقدحصل مقصودهما بذلك فيجوز"(تقریرات رافعی ۱/۲۹۹، کتاب الاجارۃ، دارعالم الکتب الریاض)۔

ہندیہ میں ہے:"وفى السراجية إذا آجر أرضه وفيها نخيل فأراد أن يسلم الثمر للمستأجر فإنه يدفعه النخيل إلى المستأجر معاملة على أن لرب المال جزءاً من ألف جزء من الثمر و الباقى للمستأجر"(ہندیہ ۶/۴۰۷ کتاب الحیل، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

(۳)اسکے جواز کی ایک متبادل شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس وقت درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں اس وقت باضابطہ بیع نہ کی جائے؛ بلکہ وعدہ بیع کیا جائے مثلاً بائع مشتری کو کہے کہ جب پھل فروخت کے قابل ہوجائیں گے تو میں وہ پھل اتنی رقم میں آپ کو فروخت کردوں گا اور خریدار اس بات کا وعدہ کرے کہ میں اس رقم کے عوض یہ پھل خریدلوں گا اور اس صورت میں بائع یہ دیکھنے کیلئے کہ خریدار اپنے وعدہ میں سنجیدہ ہے یا نہیں؟ کچھ رقم وعدہ کے وقت لے سکتا ہے، پھر جب پھل بیع کے قابل ہوجائیں تو خریدار باضابطہ (ایجاب وقبول) کے ذریعہ ان پھلوں کو خریدلے اور اس وقت باہمی رضامندی سے سابقہ قیمت پر بھی بیع ہوسکتی ہے اور نئی قیمت پر بھی ہوسکتی ہے، البتہ وعدہ کے وقت لی گئی رقم کو بہردوصورت اصل قیمت سے منہا کیا جائے گا۔

نیز مذکورہ صورت میں مشتری کیلئے یہ جائز ہوگا کہ وہ بائع کی اجازت اور رضامندی سے تبرعاً (بغیر عوض کے) باغ کی دیکھ بھال کرے؛ تاکہ وہ اچھی کوالٹی کے پھل حاصل کرسکے۔

بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ میں ہے:"وقد يطالب المشترى فى اتفاقيات التوريد بمبلغ عقد التوقيع على الاتفاقيات، وذلك ضماناً لجدّيته فى الشراء وتيسيرا على البائع للحصول على المبيعات المطلوبة، وان هذا المبلغ ليس عربونا على أساس التكييف الفقهى الذى ذكرناه وذلك لأن إتفاقية التوريد ليست عقدا باتا وانما هو مواعدة لإنجازالعقد فى المستقبل....ولكنه يكون أمانة

عند البائع وإن خلطه بماله أو صرفه فانه يكون مضمونا عليه بكامله" (بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ ۲/ ۱۱۳)۔

(۴) چوتھے یہ کہ "بیع سلم" کا طریقہ مع اس کی شرائط کے اپنایا جائے، اب اگر بوقت عقد پھل موجود نہیں ہیں تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق گنجائش دی جائے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے گنے کے رس میں گنجائش دی ہے۔

۸- پھلوں میں بیع سلم کی شکلیں اور ان کا حکم:

دراصل بیع سلم کے درمیان اور باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت کے درمیان ایک بڑا بنیادی فرق ہے، وہ یہ کہ بیع سلم میں مشتری ثمن بائع کے حوالہ کر دیتا ہے اور بائع وقت مقررہ پر مبیع مشتری کے حوالہ کر دیتا ہے، اگر بالفرض بائع مبیع نہ دے سکا تو مشتری اپنا ثمن واپس لے لیتا ہے؛ جبکہ درخت پر پھلوں کی خرید وفروخت میں ایسا نہیں ہوتا، یہاں مشتری ثمن حوالہ کر دینے کے بعد اللہ بھروسے رہتا ہے، اگر باغ میں پھل آ گیا تو ٹھیک ورنہ پوری رقم ڈوب جاتی ہے، بائع مشتری کو کوئی رقم واپس نہیں کرتا۔

حضرت تھانویؒ نے گنے کے رس میں امام شافعی کی شرط کے مطابق بیع سلم کی اجازت دی ہے اور اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا؛ کیونکہ نہ کھیت متعین ہے نہ گنا، بائع کو رس دینا ہے بس اور یہ اس کی قدرت میں ہے۔ مشتری کو کسی قسم کا کوئی غرر نہیں ہے اگر بائع گنے کا رس نہیں دے پاتا تو مشتری کو رقم واپس مل جائے گی؛ زیادہ سے زیادہ اگر عقد کے وقت گنے کے رس کا وجود نہیں ہے تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق عمل کر لیا جائے۔

البتہ صاحب احسن الفتاوی کی تصریح کے مطابق مسئلہ کی تطبیق ذرا مشکل ہے؛ کیونکہ انہوں نے تو پھولوں کی بیع کے ضمن میں "پھلوں" کے بیع کی اجازت دے دی ہے یہ کہتے ہوئے کہ پھول جانوروں کی غذا ہیں اور چارے کے طور پر استعمال ہو سکتے ہیں، لہذا پھلوں کے ظہور سے پہلے پھولوں کی بیع کر لی جائے، لیکن اس طرح تو پھر پھلوں کے ظہور سے پہلے پتوں کے بیع کی اجازت ہونا چاہئے اور پھر پتوں کے بیع کے ضمن میں پھلوں کے بیع کی اجازت دے دینا چاہئے؛ (کیونکہ پتے جانور کی غذا بن سکتے ہیں) جسکا کوئی قائل نہیں، نیز اس تاویل سے وہ حدیث بھی بے معنی ہو جائے گی جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: "نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها"، حاصل یہ کہ "بیع الثمر قبل الظہور" کو بیع سلم پر قیاس کرنا مشکل ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ باغات میں بھی بیع سلم کر لیا جائے اور پھر بیع سلم کی مختلف فیہ شرطوں سے فائدہ اٹھایا جائے جیسا کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے امام شافعی کے مذہب کے مطابق گنے کے رس میں بیع سلم کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ معاملہ کرتے وقت گنا کھیت میں موجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں پر بھی درختوں پر پھل آنے سے پہلے بیع سلم کی گنجائش ہو سکتی ہے؛ لیکن یہ صورت کہیں رائج نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے ذہنوں میں دور دور سے اسکا کوئی تصور ہے۔

اگر درخت پر پھل آنے سے پہلے ہی ”پھلوں“ میں بیع سلم کرلیا جائے تو اس کی مندرجہ ذیل شکلیں نکلیں گی:

(۱) پھلوں کی خرید وفروخت کے سلسلے میں باغ کے مالک سے جو معاملہ طے ہوتا ہے اگر اس میں بیع سلم کی تمام شرائط موجود ہوں مثلاً: پھل کا ہر موسم میں دستیاب ہونا، بیع کی مقدار کا متعین ہونا، کسی مخصوص باغ یا مخصوص درخت کے پھل کی تعیین نہ ہونا، پھلوں کی جنس، نوع اور صفت کا متعین ہونا وغیرہ تو ایسی صورت میں پھلوں کی یہ خرید وفروخت بیع سلم کی تعریف میں داخل ہوکر جائز اور درست ہوگی بشرطیکہ مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ بھی کرلیا جائے۔

(۲) باغ والوں سے ایسے پھلوں کی خرید وفروخت کی جائے جو ہر موسم میں دستیاب نہیں ہوتے مثلاً آم وغیرہ، اور اس میں مذکورہ بالا تمام شرطیں پائی جائیں (یعنی معاملہ اس طرح کیا جائے کہ اتنے کوئنٹل دسہری آم اتنی قیمت میں خریدنے کی بات طے ہو اور قیمت معاملہ کے وقت نقد ادا کردی جائے اور آم کے بارے میں یہ شرط نہ لگائی جائے کہ فلاں باغ میں سے دینا ہوگا؛ بلکہ کہیں سے بھی مالک آم دے سکتا ہے) تو یہ صورت بھی ائمہ ثلاثہ (مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ) کے نزدیک جائز اور درست ہے؛ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شکل درست نہ ہوگی؛ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک ”بیع سلم“ کی صورت کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ (مبیع) عقد سلم کے وقت سے حوالگی کی پوری مدت تک علاقہ یا مارکیٹ میں کہیں نہ کہیں دستیاب ہو، ”ولايجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل“ (ہدایہ ۳/۹۳، اشرفی دیوبند) اور آج کل مروّجہ صورت میں یہ شرط مفقود ہے؛ اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے، لیکن حاجت اور ضرورت کی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک کو اختیار کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں گنے کے رس میں ”بیع سلم“ کرنے کی صورت میں امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرکے جواز سلم کی جو اجازت دی ہے اس کا محمل یہی صورت ہے، لہذا سوالنامہ میں ذکر کردہ امداد الفتاوی کے جزئیہ پر قیاس کرکے باغات میں مطلق جواز کا حکم لگانا قیاس مع الفارق ہوگا۔

(۳) پھلوں کے معاملہ کے وقت (خواہ پھل ہر موسم میں دستیاب ہوں یا نہ ہوں) اگر کسی مخصوص باغ یا مخصوص درخت کے پھل کی قید اور شرط لگادی جائے (جیسا کہ یہی شکل عموماً ہر جگہ مروّج ہے) تو ایسی صورت میں تمام ائمہ کے نزدیک یہ معاملہ فاسد ہوگا اور یہ سلم صحیح کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا؛ اگرچہ بیع سلم کی دیگر تمام شرائط موجود ہوں، اس لئے کہ یہ معاملہ غرر پر مشتمل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس باغ یا اس مخصوص درخت پر پھل ہی نہ آئیں جس کے نتیجہ میں باغ کا مالک مبیع حوالہ کرنے پر قادر نہ ہوسکے اور عاقدین کے مابین نزاع کی صورت پیدا ہوجائے، اسی لئے اس صورت کے عدم جواز پر فقہاء اربعہ متفق ہیں جیسا کہ علامہ ابن قدامہ اس صورت کے عدم جواز پر اجماع نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ولايجوز أن يسلم في ثمرة بستان بعينه ولاقرية صغيرة لكونه لايؤمن قلقه وانقطاعه، قال ابن المنذر: إبطال السلم إذا أسلم في ثمرة بُستان بعينه كالإجماع من أهل العلم،وممن حفظنا عنه ذلك الثوري ومالك والأوزاعي والشافعي وأصحاب الرأي واسحاق “(المغنی لابن قدامہ ۶/۴۰۶)۔

واضح رہے کہ بعض علماء (مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۴/ ۴۳۳ بیروت لبنان)، اور علامہ بدرالدین عینی (عمدۃ القاری ۱۱/ ۹۶ بیروت)، اور اسی طرح علامہ شہاب الدین قسطلانی (ارشاد الساری ۵/ ۲۰۸۵ بیروت) نے حضرت امام مالکؒ کی طرف اس صورت کے جواز کی جونسبت کی ہے وہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہ صورت جائز نہیں ہے جیسا کہ مشہور مالکی فقیہ علامہ دردیرؒ نے اسکی صراحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”حيث تقرر أن المسلم فيه لابد أنه يكون دينا في الذمة وثمر الحائط المعين ليس في الذمة فلايتعلق به على وجه السلم الحقيقي “(الشرح الصغیر للدردیر ۳/۸۱)۔

اسی کو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے ”شرح موطا“ میں اس طرح نقل فرمایا ہے: ”وبهذا ظهر أن ما حكى الحافظان ابن حجر والعيني في شرحي البخاري عن مذهب المالكية، من جواز السلم في النخل المعين من البستان المعين بعد بدو صلاحه ليس بصحيح“ (أوجز المسالک ص ۶۱۵، دار القلم دمشق)۔

(۴) پھلوں میں ”بیع سلم“ کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پیشگی رقم دیکر اس طرح معاملہ کیا جائے کہ اس باغ میں جس قدر بھی پھل آئیں گے ان سب کو میرے ہاتھ فی کوئنٹل اتنی قیمت کے اعتبار سے فروخت کرنے ہونگے تو معاملہ کی یہ صورت بھی جائز ہوگی۔

لیکن مذکورہ بالا پہلی، دوسری اور چوتھی صورت میں اگر باغ میں پھل بالکل بھی نہ آئے تو پوری رقم مشتری کو واپس کرنا باغ کے مالک پر لازم ہوگا۔ اور اگر پھل تو آئے لیکن مشتری نے جتنی رقم دی ہے اس سے کم پھل آئے تو ایسی صورت میں جس قدر پھل آئے ہیں اتنی رقم منہا کر کے بقیہ رقم واپس کی جائیگی۔ اور اگر پھل زائد آئے تو باغ کے مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ ان زائد پھلوں کو اسی خریدار کے ہاتھ سابقہ ہی قیمت یا باہمی رضا مندی سے از سرِ نو جو قیمت طے ہوجائے فروخت کردے یا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرے، خریدار باغ کے مالک کو سابقہ قیمت پر یا اپنے ہی ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

لیکن اگر خریدار مذکورہ صورت میں معاملہ ہی کے وقت یہ شرط لگادے کہ اگر باغ میں زیادہ پھل پیدا ہوجائیں تو وہ بھی طے شدہ قیمت کے مطابق میرے ہی ہاتھ فروخت کرنا پڑیں گے دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی، تو ایسی صورت میں چونکہ یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں احد العاقدین کا نفع بھی ہے اور ایسی

شرط مفسد عقد ہوتی ہے لہذا اس صورت میں یہ معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پھلوں میں ''بیع سلم'' کی مذکورہ بالاصورتوں میں سے تیسری صورت (یعنی متعین باغ کے پھلوں میں بیع سلم کرنے) کے جواز کی باتفاق ائمہ اربعہ کوئی صورت نہیں ہے، باقی جو شکلیں بیان کی گئی ہیں اگر ان میں ''سلم'' کی شرائط کا لحاظ کیا جائے تو معاملہ درست ہوگا اور شرائط کے مفقود ہونے کی صورت میں معاملہ ناجائز ہوگا۔

خلاصہ بحث:

(۱) بیع معاومہ اور بیع السنین ایک چیز ہیں اور یہ بیع بالاجماع باطل ہے۔

(۲) پھلوں کی خرید وفروخت کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے اور قبل بدوالصلاح پھلوں کی بشرط الترک بیع کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

قبل بدوالصلاح کی بیع بشرط القطع کرنا اسی طرح بعد بدوالصلاح بشرط القطع اور مطلق عن الشرط بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

قبل بدوالصلاح بغیر کسی شرط کے بیع کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

قبل بدوالصلاح بشرط الترک بیع کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے؛ جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز ہے۔

البتہ اگر پھلوں کا سائز مکمل ہو چکا ہو تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک استحساناً جائز ہے۔

(۳) بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ پھل اپنی فطری لذت کو پہنچ جائیں، اب کسی میں اسکا معیار رنگ ہے، کسی میں سختی، تو کسی میں ذائقہ۔

ائمہ ثلاثہ اور احناف نے بدوصلاح کی جو تفسیریں کی ہیں ان سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ پھل اتنے بڑے ہوجائیں اور ایسی حالت کو پہنچ جائیں جس میں عام طور پر پھل کھانے کے لائق ہوجائیں اور آفات وغیرہ سے محفوظ ہوجائیں، گویا کہ ائمہ اربعہ کی ذکر کردہ تفسیروں میں اختلاف لفظی ہے، حقیقی نہیں۔

(۴) اگر کسی ایسے باغ کے پھلوں کو فروخت کیا جائے جس کے درختوں پر کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ ابھی نہ نکلے ہوں تو تعامل اور ضرورت کی وجہ سے یہ معاملہ کرنا جائز اور درست ہوگا۔ متاخرین حنفیہ نے ضرورت اور لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اس مسئلہ پر امام ابوبکر محمد بن الفضل بخاری کی رائے پر عمل کیا ہے۔

(۵) پھلوں کے ظہور کے بعد (خواہ وہ عقد کے وقت قابل استعمال ہوں یا نہ ہوں، سارے پھل نکل چکے ہوں یا

صرف بعض نکلے ہوں اور بعض کے آئندہ نکلنے کی امید ہو) خرید وفروخت کی تمام شکلیں جائز اور درست ہیں؛ خواہ عقد بشرط الترک یا بشرط القطع ہو یا مطلق عن الشرط بعرف الإبقاء ہو، سب صورتیں تعامل ناس اور عرف کی وجہ سے درست ہیں۔

(۶) پھل خرید کر لینے کے بعد پھل توڑنے تک درخت کو کرایہ پر لینا جائز نہیں۔

(۷) جواز کی چند متبادل شکلوں میں ایک یہ ہے کہ جس زمین پر باغ لگا ہوا ہے اسکو مع درختوں کے کرایہ پر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ باغ کو مساقات کے طور پر (بعض شرطوں کے ساتھ جن کا ذکر جواب نمبر ۷ کے ضمن میں گذر چکا ہے) دے دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ پھلوں میں ''بیع سلم'' شرائط کے ساتھ کرلی جائے۔ چوتھے یہ کہ جس وقت درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں اس وقت باضابطہ بیع نہ کی جائے؛ بلکہ وعدہ بیع کیا جائے۔

(۸) باغات میں پھلوں کی مروجہ بیع اور بیع سلم میں بنیادی فرق ہے، اور وہ یہ کہ ''سلم'' میں مشتری کی رقم محفوظ رہتی ہے اور مبیع نہ ملنے پر رقم واپس مل جاتی ہے؛ جبکہ پھلوں کی مروجہ بیع میں رقم داؤں پر لگی رہتی ہے اور رقم ڈوب بھی سکتی ہے۔ پھلوں میں بیع کی مروجہ شکل (یعنی پھلوں کے وجود میں آنے سے پہلے بیع اس طرح کرنا کہ خریدار قیمت ادا کردے پھر باغ میں پھل آئیں یا نہ آئیں بائع کوئی رقم واپس نہ کرے گا) اس شکل میں سلم کی شرائط سے فائدہ اٹھانا درست نہیں؛ البتہ اگر پھلوں میں ہی بیع سلم کرلیا جائے جس کی صورتیں جواب نمبر ۸ کے ضمن میں گذریں تو ان مذکورہ چار صورتوں میں تیسری صورت (یعنی متعین باغ کے پھلوں میں بیع سلم کرنے) کے جواز کی باتفاق ائمہ اربعہ کوئی صورت نہیں ہے، باقی جو شکلیں بیان کی گئی ہیں اگر ان میں سلم کی شرائط کا لحاظ کیا جائے (چاہے وہ شرائط امام مالک اور امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہی کیوں نہ ہوں) تو معاملہ درست ہوگا اور شرائط مفقود ہونے کی صورت میں معاملہ ناجائز ہوگا۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت
مسائل واحکام

مولانا محمد حذیفہ داحودی☆

اللہ تعالی نے انسان کی غذائی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف چیزیں پیدا کی ہیں، جن میں سے ایک پھل ہیں، جو عام طور پر کسی ملاوٹ کے بغیر اسی طرح کھائے جاتے ہیں جیسے اللہ نے ان کو وجود بخشا ہے، اوران کو ذخیرہ کر کے ایک مدت تک باقی رکھنے کے بجائے تازہ بہ تازہ استعمال کرنا ہی زیادہ مفید اورلذت بخش ہوتا ہے، نیز ان پھلوں کو نہ تو طویل مدت کے لئے درخت پر چھوڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں توڑ کر طویل عرصہ کے لئے رکھا جاسکتا ہے، اسی لئے پھل آنے کے فوراً بعد ہی یا پھل آنے سے پہلے بھی انہیں فروخت کر دینے کا رواج نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا میں عام ہو چکا ہے، جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، ان صورتوں کے تعلق سے پیش کردہ سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- حدیث میں ہے: **"عن جابر بن عبد اللہؓ قال: نهى رسول اللهﷺ عن المحاقلة و المزابنة والمعاومة و المخابرة......۔"** (مسلم، کتاب البیوع، باب النهی عن المحاقلة والمزابنة، مع تکملة فتح الملهم: ۴/ ۲۷۷، الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة، رقم: ۱۲۹۸، ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع السنین، مع البذل: ۴/ ۲۵۱ وباب فی المخابرة: ۴/ ۲۶۰) (حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریمﷺ نے بیع محاقلہ، بیع مزابنہ اور بیع معاومہ سے منع فرمایا ہے)۔

ایک اورروایت میں ہے: **"عن جابر بن عبد اللہؓ ان النبیﷺ نهى عن بيع السنين ووضع الجوائح"** (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع السنین، مع البذل: ۴/ ۲۵۱) (کہ نبی کریمﷺ نے بیع سنین سے منع فرمایا ہے)، ان حدیثوں میں بیع معاومہ اوربیع سنین سے منع کیا گیا ہے۔

معاومہ یہ عام بمعنی سال سے ماخوذ ہے، بیع معاومہ کا دوسرا نام بیع السنین ہے، جو سنۃ بمعنی سال کی جمع ہے، پس بیع معاومہ اوربیع السنین کا ترجمہ ہوا: سالوں کا سودا، برسوں کا سودا۔ اصطلاح میں اس کا مطلب ہے: کسی باغ کے درختوں کے

☆ بیت الحمد، ندی روڈ، نزد جامع مسجد، موٹا گھانچی واڑا، داحود (گجرات)۔

پھلوں کا ایک یا چند سالوں کے لئے سودا کرنا، ایک یا زیادہ سالوں کی بہار بیچنا، مثلاً: بائع یہ کہے کہ ایک سال تک یا یہ کہے کہ تین سال تک جو پھل اس باغ میں آئے گا وہ پھل میں آج ہی فروخت کرتا ہوں۔

صاحب بذل المجہود لکھتے ہیں: ”**السنين بكسرالسين جمع السنة بفتحها وهى بيع المعاومة، و المراد بيع ماتحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فاكثر ،وهذاالبيع باطل؛ لانه بيع مالم يخلق فهوبيع المعدوم ......والمعاومة هى مفاعلة من العام كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر......ومعناهماواحد.**“ (بذل المجھود فی شرح ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع السنین: ۴/ ۲۵۱، تکملۃ فتح الملھم: ۴/ ۲۷۷، نیل الاوطار، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمر قبل بدوصلاحہ: ۳/ ۵۵۳)۔ یہ بیع بالاتفاق بین الائمۃ الاربعۃ ناجائز اور باطل ہے، اس میں دھوکہ ہی دھوکہ ہے، خطرہ ہے کہ مبیع ہاتھ نہ آئے اور مفت میں ثمن دینا پڑے؛ کیوں کہ اس میں ایسی چیز کو بیچا جاتا ہے جو نہ تو موجود ہے اور نہ ہی معلوم ومتعین، بلکہ معدوم اور مجہول ہے، نیز ایسی چیز کو بیچا جاتا ہے جس کو بروقت سونپنے پر بائع کو قدرت نہیں؛ بلکہ بائع اس کا مالک بھی نہیں، حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ”**لاتبع مالیس عندک**“ (ابوداؤد عن حکیم بن حزام، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ، مع البذل: ۴/ ۲۸۷) (کہ ایسی چیز کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس موجود نہیں)۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: ”**وأما النهى عن المعاومة وهوبيع السنين فمعناه أن يبيع ثمرالشجرة عامين أوثلاثة أو أكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهوباطل بالاجماع، ولانه بيع غرر؛لانه بيع معدوم ومجهول و غيرمقدورعلى تسليمه وغيرمملوك للعاقد.**“ (شرح نووی علی مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن المحاقلۃ والمزابنۃ: ۲/ ۱۰)۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں ائمۂ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات کی بنیاد وہ احادیث وروایات ہیں جو اس سلسلہ میں منقول ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱): ”عن ابن عمرؓ أن رسول اللهﷺنهى عن بيع الثمارحتى يبدوصلاحها،نهى البائع والمبتاع“ (البخاری: کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا، رقم: ۲۱۹۴، مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر القطع، مع تکملۃ فتح الملھم: ۴/ ۲۴۸، رقم: ۳۸۳۷، أبوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحھا، مع البذل: ۴/ ۲۵۰) (نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا؛ یہاں تک کہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے، آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع کیا)۔

(۲): ”عن ابن عمرؓ أن رسول اللهﷺ نهى عن بيع النخل حتى يزهو“ (الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الثمرۃ قبل أن یبدو صلاحھا، رقم: ۱۲۱۱، البخاری: کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا، رقم: ۲۱۹۵، مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا بغیر القطع، مع تکملۃ فتح الملھم: ۴/ ۲۴۸، رقم: ۳۸۳۹، أبوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا، مع

البذل:۴/۲۵۰)(نبی کریم ﷺ نے کھجور کے درخت کو یعنی اس کے پھل کو بیچنے سے منع فرمایا؛ یہاں تک کہ کھجوریں خوش منظر ہوجائیں، یعنی سرخ یا پیلی پڑ جائیں، پکنے کے قریب ہوجائیں)۔ کھجوریں شروع میں ہری ہوتی ہیں، پھر جب پکنے کے قریب آجاتی ہیں تو بعض سرخ ہوجاتی ہیں اور بعض پیلی پڑ جاتی ہیں، اسوقت بڑا خوشنما منظر ہوتا ہے، پھر پک جاتی ہیں۔

(۳):"عن انسؓ أن رسول اللهﷺ نهی عن بیع العنب حتی یسود وعن بیع الحب حتی یشتد" (الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الثمرۃ قبل ان یبدو صلاحھا، رقم:۱۲۱۱، ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا، مع البذل:۴/۲۵۰)(نبی ﷺ نے انگور بیچنے سے منع کیا یہاں تک کہ وہ کالے پڑ جائیں اور غلہ بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کا دانہ سخت ہوجائے)۔ انگور شروع میں ہرے ہوتے ہیں، پھر پکنے کے قریب جو کالے انگور ہیں وہ کالے پڑ جاتے ہیں اور دوسری قسم کے انگور سفید ہوجاتے ہیں، اور غلہ کے دانہ کا سخت ہونا یہ ہے کہ انگلیوں کے بیچ میں لے کر دبانے سے نہ دبے۔

(۴):"عن ابن عمرؓ أن رسول اللهﷺ نهی عن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاهة، نهی البائع و المشتری" (الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ بیع الثمرۃ قبل ان یبدو صلاحھا، رقم:۱۲۱۲، ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا، مع البذل:۴/۲۵۰، مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر القطع، مع تکملۃ فتح الملھم: ۴/۲۴۸، رقم:۳۸۳۹)(نبی کریم ﷺ نے گیہوں کا کھیت بیچنے سے منع فرمایا؛ یہاں تک کہ بالیاں سفید ہوجائیں، یعنی پکنے کے قریب ہوجائیں اور بیماری سے محفوظ ہوجائیں، آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو منع کیا)۔ گیہوں کی بالیاں شروع میں ہری ہوتی ہیں، پھر پیلی پڑ جاتی ہیں، پھر پکنے کا وقت قریب آتا ہے تو سفید ہوجاتی ہیں۔

مذکورۂ بالا احادیث کے پیش نظر درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے متعلق جو تفصیلات ائمۂ اربعہ کے مذاہب میں ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

احناف: ان کے نزدیک مذکورۂ بالا احادیث میں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں جو نہی اور ممانعت وارد ہے وہ نہی اور ممانعت ارشادی اور بطور مشورہ کے ہے، یعنی لوگوں کو ان کی بھلائی اور فائدہ کی بات بتانا مقصود ہے، یہ ممانعت تشریعی نہیں ہے، حکم شرعی اور مسئلہ شرعیہ کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے، حضرت زید بن ثابتؓ کی تفصیلی روایت سے یہی واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں: **"کان الناس فی عهد رسول اللهﷺ یتبایعون الثمار فإذا جدّ الناس وحضر تقاضیهم قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدُّمان، أصابه مُراض، أصابه قُشام، عاهات یحتجون بها، فقال رسول اللهﷺ لمّا کثرت عنده الخصومة فی ذلک: "فإما لا، فلاتبتاعوا حتی یبدو صلاح الثمر" کالمشورة یشیر بها لکثرة خصومهم"** (البخاری: کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحھا، رقم:۲۱۹۳، مسلم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر القطع، مع تکملۃ فتح الملھم:۴/۲۴۸، رقم:۳۸۳۹، ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع الثمار قبل أن

یبد وصلاحھا،مع البذل:۴/۲۵۰)(نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں (کھجوروں) کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، پھر جب لوگ پھل توڑتے اور مالکان کے تقاضے ہوتے تو مشتری کہتا کہ پھلوں کو تو بیماری لگ گئی ہے: دمان کی (پھل گوبر کی طرح کالا پڑ گیا)،مراض کی (پھلوں کو سڑا دینے والی بیماری لگ گئی)،قشام کی (پھل جھڑ گئے،کم ہوگئے) اور میرا نقصان ہوگیا، اس طرح چند آفتوں کے بہانے آپس میں جھگڑا کرتے، جب حضور اکرم ﷺ کے پاس اس قسم کے بہت سے جھگڑے آئے تو آپ نے فرمایا: جب تم لوگ جھگڑوں سے باز نہیں آتے تو خرید وفروخت مت کرو یہاں تک کہ پھلوں میں پختگی آجائے، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں:''**کالمشورۃ یشیر بھا لکثرۃ خصومھم**'' کہ یہ بات آپ نے ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بطور مشورہ فرمائی تھی)۔

اس حدیث سے صاف واضح ہورہا ہے کہ یہ نہی اور ممانعت ارشادی اور بطور مشورہ کے ہے،مسئلہ کا بیان نہیں ہے،اس لئے احناف کے نزدیک بہتر اور مستحب تو یہی ہے کہ پھل جب ظاہر ہوجائیں اور ان میں بدوصلاح ہوجائے اس کے بعد فروخت کئے جائیں؛ تاہم یہ ضروری نہیں۔پھلوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کا مدار بدوصلاح اور عدم بدوصلاح پر نہیں ہے؛ بلکہ اس کے مال متقوم بننے پر ہے، پس جب پھل ظاہر ہوگئے اور مال متقوم بن گئے تو بدوصلاح سے پہلے بھی ان کی خرید وفروخت درست ہے اور بدوصلاح اور انسانی استعمال کے قابل ہونے کے بعد بھی،''**ومن باع ثمرۃ لم یبد صلاحھا أوقد بدا جاز البیع؛ لأنه مال متقوم، اما لکونه منتفعا به فی الحال أو فی الثانی**'' (الھدایۃ مع الفتح:۶/۲۶۶،البحرالرائق:۵/۵۰۲)؛البتہ دونوں حالتوں میں ضروری یہ ہے کہ یہ بیع بشرط القطع ہو یا مطلق عن شرط القطع والترک ہو، بیع بشرط الترک نہ ہو،یعنی عقد کے وقت یا تو یہ طے پایا ہو کہ مشتری فی الحال ان پھلوں کو توڑ لے گا یا پھر عقد کے وقت نہ تو پھل توڑ لینا طے پایا ہو اور نہ ہی درخت پر چھوڑے رکھنا طے پایا ہو، پھر ان صورتوں میں مشتری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ فوراً اپنے پھل توڑ کر بائع کی ملک کو فارغ کردے؛ تاہم اگر عقد کے بعد پک جانے تک پھلوں کو درختوں پر مالک کی اجازت سے چھوڑ دیا گیا ہے تو معاملہ کے بعد پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا،اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر درخت پر رہنے دیا ہو تو جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے قابل تصدق ہوگا۔۔۔اور اگر بیع بشرط الترک ہوئی ہو،یعنی یہ طے پایا ہو کہ مشتری پھل ابھی نہیں کاٹے گا، بلکہ پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھے گا، پھر کاٹے گا؛ تو یہ بیع فاسد ہوگی،خواہ بدوصلاح سے پہلے بیع کی ہو یا بدوصلاح کے بعد بیع کی ہو؛ کیوں کہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہے اور ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے، یہ شیخینؒ کا مسلک ہے،امام محمدؒ نے اس میں تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر پھل پورے طور پر تیار ہونے اور نشو ونما مکمل ہونے سے پہلے

معاملہ کیا اور ترک کی شرط لگائی تو یہ درست نہ ہوگا، بیع فاسد ہوگی، اور اگر پھل پورے طور پر تیار ہو چکے ہوں، ان کی نشو ونما مکمل ہو چکی ہو تو ترک کی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں، یہ شرط عرف وتعامل کی بناء پر استحساناً معتبر ہوگی، امام طحاویؒ نے عموم بلوی کی وجہ سے اس رائے کو پسند کیا ہے، بعض نے اس رائے کو مفتی بہ قرار بھی دیا ہے؛ جبکہ بعض نے شیخینؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے، یہ احناف کا مسلک ہے(الھدایۃ مع الفتح ۶/۲۶۶-۲۶۷)۔

ائمۂ ثلاثہ: کے نزدیک مذکورۂ بالا احادیث میں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں جو نہی اور ممانعت وارد ہے وہ تشریعی ہے، یعنی حکم شرعی اور مسئلہ شرعیہ ہی کو اس میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک پھل بدو صلاح کے بعد ہی فروخت کئے جائیں یہ ضروری ہے، بیع کے جواز اور عدم جواز کا مدار بدو صلاح اور عدم بدو صلاح پر ہے، پس چاہے پھل ظاہر ہو گئے ہوں، مگر جب تک ان میں بدو صلاح نہ ہوا ہو، وہ کار آمد اور انسانی استعمال کے قابل نہ ہوئے ہوں تب تک ان کی خرید وفروخت درست نہیں ہے؛ البتہ اگر بدو صلاح سے پہلے بیع بشرط القطع ہوئی ہو یعنی عقد کے وقت یہ طے پایا ہو کہ مشتری فی الحال ان پھلوں کو توڑ لے گا تو یہ صورت حدیثِ ممانعت سے مستثنی اور مخصوص ہوگی اور ان کے نزدیک بھی یہ بیع جائز ہوگی؛ کیوں کہ اس صورت میں تلف ہونے اور آفت لگنے کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے اور ممانعت کی اصل وجہ یہی ہے، جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے: "أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه" (البخاری عن انس: کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا......، رقم: ۲۱۹۸) (یعنی یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالی اس باغ کا پھل روک دے تو پھر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لے گا؟) ظاہر ہے کہ بشرط القطع کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں پایا جاتا، اس لئے اس صورت میں بیع جائز ہوگی، اور اگر پھلوں میں بدو صلاح ہو گیا، وہ کار آمد اور انسانی استعمال کے قابل ہو گئے ہیں تب تو بہر صورت بیع جائز ہے، بشرط القطع بھی، بشرط الترک بھی اور مطلق عن شرط القطع والترک بھی، یہ ائمۂ ثلاثہ کا مسلک ہے(بدایۃ المجتہد ۴/۵۴۲-۵۴۵، المغنی، کتاب البیوع: ۶/۱۴۸-۱۵۵)۔

شامی میں ہے: "قال في الفتح: لاخلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک، ولا في جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به، ولا في الجواز بعد بدو الصلاح لكن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد، وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة، والخلاف انما هو في بيعها قبل بدو الصلاح على الخلاف في معناه لابشرط القطع فعند الشافعي ومالک وأحمد لايجوز وعندنا ان كان بحال لاينتفع به في الاكل ولا في علف الدواب فيه خلاف بين المشائخ، قيل لايجوز ونسبه قاضي خان لعامة مشائخنا

والصحیح انه یجوز،لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعا به فی الحال، والحیلة فی جوازه باتفاق المشائخ أن یبیع الکمثری اول ما تخرج مع أوراق الشجر فیجوز فیها تبعا للاوراق کأنه ورق کله وإن کان بحیث ینتفع به ولوعلفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اهل المذهب إذا باع بشرط القطع او مطلقا" (ردالمحتار مع الدر المختار: کتاب البیوع:۷/ ۸۵،فتح القدیر، کتاب البیوع،فصل: من باع دارادخل بنائھا فی البیع:۷/ ۲۶۴)۔

درمختار میں ہے:"وان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع وقیل قائله محمد لایفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف فکان شرطا یقتضیه العقد وبه یفتی،بحرعن الاسرار، لکن فی القهستانی عن المضمرات انه علی قولهما الفتوی۔فتنبه۔قید باشتراط الترک لانه لوشراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الزیادة و إن بغیر إذنه تصدق بما زاد فی ذاتها وإن بعد ماتناهت لم یتصدق بشیء ۔

وفی الدر:قوله:(وبه یفتی) قال فی الفتح:ویجوزعند محمد استحساناً وهوقول الائمة الثلاثة واختاره الطحاوی لعموم البلوی۔وقوله: (بحرعن الاسرار) عبارة البحر:وفی الاسرار الفتوی علی قول محمد وبه أخذ الطحاوی، وفی المنتقی: ضم إلیه ابایوسف، و فی التحفة:والصحیح قولهما......وقوله: (فتنبه) اشار به الی اختلاف التصحیح و تخییرالمفتی فی الافتاء بایّهما شاء، لکن حیث کان قول محمد هوالاستحسان یترجح علی قولهما، تامل۔"(ردالمحتار مع الدر المختار: کتاب البیوع،مطلب فی بیع الثمر والزرع مقصودا:۷/ ۸۶-۸۷،البحر الرائق:۵/ ۵۰۶،نیز دیکھئے: الفقه الاسلامی وأدلته ۴/ ۲۵۵-۲۵۸)۔

خلاصہ: یہ ہے کہ پھل آنے سے پہلے بالاتفاق بیع جائز نہیں ہے،اور پھل آنے کے بعد مگر بدوصلاح سے پہلے بیع بشرط القطع بالاتفاق جائز ہے۔بیع بشرط الترک بالاتفاق جائز نہیں ہے،بیع بغیر شرط القطع والترک احناف کے نزدیک جائز ہے،ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔اور بدوصلاح کے بعد بیع بشرط القطع اور بغیر شرط القطع والترک بالاتفاق جائز ہے؛ جبکہ بیع بشرط الترک ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے، احناف میں شیخینؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے،امام محمدؒ کے یہاں اس صورت میں تفصیل ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے بدوصلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے،روایت میں ہے: "ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع الثمارحتی یبدوصلاحها،نهی البائع والمبتاع"(البخاری: کتاب البیوع،باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها،رقم:۲۱۹۴)(نبی کریم ﷺ نے پھل بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ اس کا کارآمد ہونا ظاہر ہوجائے،آپ نے بائع اورمشتری کومنع کیا)،ایک دوسری روایت میں ہے:"ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع النخل حتی یزهو

وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة ، نهى البائع و المشترى“(مسلم،کتاب البیوع،باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر القطع،مع تکملة فتح الملھم : ۴/ ۲۴۸،رقم:۳۸۳۷،الترمذی ، کتاب البیوع،باب ماجاء فی کراھیة بیع الثمرة قبل ان یبدو صلاحھا،رقم:۱۲۱۱،ابوداؤد،کتاب البیوع،باب فی بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحھا،مع البذل:۴/ ۲۵۰)۔

مذکورہ بالا روایات میں رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے،لغۃً بدو کے معنی ہیں: ظاہر ہونا،اور صلاح یہ فساد کی ضد ہے بمعنی: درستگی،لیکن شرعاً بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے،چنانچہ:

احناف: کے نزدیک بدو صلاح کی تعریف ہے:**الأمن من العاهات والآفات**۔یعنی پھلوں کا بیماریوں اور آفتوں سے محفوظ ہوجانا،پھلوں میں ایک وقت تک بیماریاں اور آفتیں آتی ہیں،جب وہ مرحلہ گذر جاتا ہے تو پھل محفوظ ہو جاتے ہیں،اب ان پر کوئی بیماری اور آفت نہیں آتی،بدو صلاح کی یہ تفسیر مسلم شریف کی حدیث میں”**يبدو صلاحه**“ کے الفاظ کے بعد آئی ہے:”**عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ:لاتبتاعوا الثمر حتى يبدو صلاحه وتذهب عنه الآفة**“(مسلم،کتاب البیوع،باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا بغیر القطع،مع تکملة فتح الملھم :۴/ ۲۵۶، رقم:۳۸۴۰)،اور ترمذی اور ابوداؤد کی حدیث میں بطور عطف تفسیر کے یہ الفاظ ہیں:”**ويأمن العاهة**“،پس معلوم ہوا کہ”**يزهو**“اور”**يبيض**“ سے مراد آفات اور بیماریوں سے محفوظ ہوجانا ہے،بدو صلاح کے لئے یہی کافی ہے،پکنا اور اس میں مٹھاس پیدا ہونا ضروری نہیں،نیز روایت میں ہے:”**أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه**۔“(البخاری عن انسؓ:کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحھا......،رقم:۲۱۹۸) (یعنی یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالی اس باغ کا پھل روک دے تو پھر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لے گا؟) مطلب یہ ہے کہ تم نے مشتری سے پھل کی قیمت تو لے لی،لیکن پھل کسی آفت کی وجہ سے تباہ ہوجائے تو مشتری کو تو پھل نہیں ملے گا،پس یہ رقم کس مال کے عوض ہوئی؟ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بدو صلاح سے پہلے پھلوں کو بیچنے کی ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ بدو صلاح سے پہلے تلف ہونے اور آفت لگنے کا اندیشہ رہتا ہے،پس جب تلف ہونے اور آفت لگنے کے اندیشہ کی وجہ سے بدو صلاح سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تلف ہونے اور آفت لگنے کا اندیشہ ختم ہوجانا اور اس سے مامون ومحفوظ ہوجانا یہی بدو صلاح ہے، ”**بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد وعند الشافعي هوظهور النضج و بدو الحلاوة**۔“ (ردالمحتار مع الدرالمختار: کتاب البیوع،مطلب فی بیع الثمر والزرع مقصودا:۷/ ۸۵،البحرالرائق:۵/ ۵۰۲)۔

ائمۂ ثلاثہ: کے نزدیک بدو صلاح کی تفسیر وہی ہے جو الگ الگ چیزوں کے لئے حدیثوں میں آئی ہے،کھجور کے

بارے میں ”حتی یزھو“آیا ہے، پس جب کھجور سرخ یا پیلی پڑے تو بدوصلاح ہوگا،جیسا کہ حضرت انسؓ نے اس کی وضاحت فرمائی، گیہوں کے بارے میں ”حتی یبیض“ آیا ہے،لہذا بالیوں کا بدوصلاح ان کا سفید ہوجانا ہے،اور انگور کے بارے میں ”حتی یسود“ آیا ہے، پس کالے انگور کا کالا پڑ جانا ان کا بدوصلاح ہے،لیکن دوسری قسم کے انگور میں سفید ہوجانا بدوصلاح ہے،بعض چیزوں میں کھانے کے قابل ہونا بدوصلاح ہے؛ کیوں کہ بعض روایات میں ”حتی یؤکل منه“ اور بعض میں ”حتی یطیب“ آیا ہے،غرضیکہ پکنے کے قریب ہونا، پکنے کے آثار مثلاً: مٹھاس شروع ہوجانا بدوصلاح ہے؛ کیوں کہ یہ سب پکنے کے قریب ہوتا ہے۔علامہ ابن قدامہؒ کا بیان ہے:”فان کانت ثمرة نخل فبدوصلاحها أن تظهر فیها الحمرة أوالصفرة وإن کانت ثمرة کرم فصلاحها أن تتموه وصلاح ماسوی النخل والکرم أن یبدو فیه النضج وجملة ذلک أن ماکان من الثمرة یتغیر لونه عند صلاحه کثمرة النخل والعنب الأسود و الاجاص فبدوصلاحه بذلک وإن کان العنب أبیض فصلاحه بتموّهه وهوأن یبدو فیه الماء الحلو ویلین ویصفر لونه، وإن کان مما لایتلون کالتفاح ونحوه فبأن یحلو أویطیب، وإن کان بطیخا أونحوه فبأن یبدو فیه النضج، وإن کان مما لایتغیر لونه ویؤکل طیبا صغارا وکبارا کالقثاء والخیار فصلاحه بلوغه أن یؤکل عادةً ......۔“(المغنی، کتاب البیوع:۶/۱۵۸،روضة الطالبین:۳/۲۱۲،الشرح الکبیرللدردیر ۳/۱۷۲)

”ویعرف صلاح البلح بالاحمرار والاصفرار،اخرج البخاری ومسلم عن أنس أن النبیﷺنهی عن بیع الثمار حتی تزهو، قیل لأنس: ومازهوها؟ قال: تحمار وتصفار، ویعرف صلاح العنب بظهور الماء الحلو واللین والاصفرار۔“(وفی الهامش:وماورد من النهی عن بیع العنب حتی یسود فانه بالنسبة للعنب الاسود) ویعرف صلاح سائر الفواکه بطیب الاکل وظهورالنضج ،روی البخاری ومسلم ان النبیﷺ نهی عن بیع الثمارحتی تطیب ویعرف صلاح الحبوب والزروع بالاشتداد۔(وفی الهامش: وعند الاحناف ان بدوالصلاح یکون بأن تؤمن العاهة والفساد ای ان المعتبر ظهور الثمرة)“(فقہ السنة:۸۲۴،بدایۃ المجتہد:۴/۲۴۲-۲۴۵،الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۴/۲۵۹)۔

جب تک پھل کچا ہوتا ہے اس وقت تک اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں اس کو آفت نہ لگ جائے، کہیں بیماری لگنے سے خراب نہ ہوجائے؛لیکن جب وہ پکنے لگتا ہے تو آفات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔پس چونکہ پھل پر جب پکنے کے آثار شروع ہوتے ہیں تب ہی وہ آفات سے محفوظ ہوتا ہے؛اس لئے دونوں اقوال قریب قریب معلوم ہوتے ہیں۔واللہ اعلم۔

۴-(الف): پھلوں کے آنے سے پہلے ہی ان کو فروخت کردیا جائے، چاہے اسی سال کے پھل ہوں یا ساتھ میں آئندہ

سالوں کے پھل بھی، تو بیع کی یہ صورت جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اصل مبیع جو پھل ہے اس کا وجود نہیں ہے، وہ تو معدوم ہے اور شرعاً معدوم شیء کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے، پس یہ معدوم کی بیع ہوکر ممنوع ہوگی اور یہ معاملہ بالاتفاق باطل اور قابل فسخ ہوگا، اس کے علاوہ یہ بیع معاومہ اور بیع سنین ہے جس کی ممانعت کے متعلق حدیث موجود ہے، پہلے روایتیں گذر چکی ہیں؛ اس لئے اگر اس صورت کو جائز قرار دیا جائے گا تو ممانعت کی احادیث کے خلاف ہوگا اور یہ حدیثیں بے معنی ہوکر رہ جائیں گی، اسی لئے مذاہب اربعہ کے فقہاء نے اس ممانعت کو بہ صراحت بیان کیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

”(ومن باع ثمرة بارزة) أما قبل الظهور فلايصح اتفاقا (ظهرصلاحها أولا صحّ) فی الاصح۔“ علامہ شامیؒ اس کے تحت فرماتے ہیں: **قوله:(اما قبل الظهور) أشارإلى أن البروز بمعنى الظهور والمراد به انفراک الزهرعنها وانعقادها ثمرة وإن صغرت، وقوله: (ظهرصلاحها أولا) قال فی الفتح:لاخلاف فی عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ......۔**“(ردالمحتار مع الدر المختار: کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع مقصودا ۷/۸۴-۸۵، النہر الفائق، کتاب البیوع :۳/۳۵۹)”**بيع المعدوم باطل فيبطل بيع ثمرة لم تبرز اصلا**“(شرح المجلۃ، الفصل الثانی فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز:۱/۹۸، رقم المادۃ:۲۰۵)”**بيع الثمار قبل الظهور لايصح اتفاقا**“(الھندیۃ، کتاب البیوع، الباب التاسع فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز، الفصل الثانی فی بیع الثمار:۳/۱۰۶، بدائع:۴/۳۲۶، البحر الرائق:۵/۵۰۲)”**ان بيع الثمار قبل ظهورها باطل اجماعاً ولاخلاف فيه لكونه بيع المعدوم ۔**“(تکملۃ فتح الملھم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا:۴/۲۵۰)۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ رقمطراز ہیں:”**اما القسم الاول وهو بيع الثمار قبل أن تخلق فجميع العلماء مطبقون على منع ذلک؛ لأنه من باب النهی عن بيع مالم يخلق، ومن باب بيع السنين والمعاومة، وقد روى عنه عليه الصلوة والسلام أنه نهى عن بيع السنين وبيع المعاومة وهوبيع الثمر أعواماً**“(بدایۃ المجتھد:۴/۵۴۱)۔

علامہ نوویؒ کا بیان گذر چکا ہے:”**واما النهى عن المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أوثلاثة أواكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهوباطل بالاجماع......**“(شرح النووی علی مسلم ۱۰/ ۱۹۳)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:”**وأجمع العلماء على أن بيع الثمار قبل أن تخلق لاينعقد؛ لانه من باب النهی عن بيع مالم يخلق ومن باب السنين والمعاومة، وقد روى عنه عليه الصلوة والسلام انه نهى عن بيع السنين وعن بيع المعاومة وهوبيع الثمر أعواما،لأنه بيع المعدوم وقد نهى الرسول ﷺعن بيع**

الغرر والغرر کماعرفنا:هوما انطوی عنه أمره وخفی علیه عاقبته، ونوع الغرر:هوأن المبیع مجهول الوجود قدیظهر،وقد لایظهر،ومجهول المقدار إن وجد"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۴/۲۵۵)۔

نیز پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردینے کی صورت کو بیع سلم بھی نہیں قرار دیا جاسکتا؛ کیوں کہ بیع سلم کی صحت کے لئے ہمارے یہاں ضروری اور شرط ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود رہے اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں ہوتا ہے، اور چونکہ دوسرے فقہاء کے یہاں بیع سلم کی صحت کے لئے یہ چیز ضروری اور شرط نہیں ہے، اس بنا پر اگر اس شرط سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اس صورت پر غور کیا جائے تب بھی یہ معاملہ سلم میں داخل نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ دوسری بعض شرطیں جو اتفاقی ہیں، بلکہ منصوص ہیں، وہ یہاں نہیں پائی جاتیں، مثلاً: فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیع سلم میں مبیع کی مقدار متعین ہو اور ظاہر ہے کہ یہاں پھلوں کی مقدار متعین نہیں ہے، اور نص میں ہے کہ مبیع کی ادائیگی کا وقت مقرر ہو اور یہاں یقینی طور پر مدت مقرر نہیں ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا؟ جبکہ حدیث میں ہے:"**من أسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم**" (الترمذی عن ابن عباسؓ وقال: حدیث حسن صحیح، کتاب البیوع، باب ماجاء فی السلف فی الطعام والثمر، رقم:۱۲۹۶) پس یہ صورت سلم میں داخل نہیں ہوسکتی اور جائز نہیں قرار پاتی ہے۔

ہمارے اکابر اصحاب فتاویٰؒ نے بھی اس صورت کے عدم جواز کی صراحت کی ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ پھلوں کی بیع کے متعلق فرماتے ہیں:

"**(۱):** پھل جب تک نکل نہ آوے اس کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، اور حیلہ سلم کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے۔**(۲):** پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً۔**(۳):** اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس کو امام فضلیؒ نے جائز کہا ہے۔**(۴):** بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر رہنے دینے کی اجازت دیدی صراحۃً یا دلالۃً تو پھل حلال رہے گا۔**(۵):** اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔**(۶):** جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو، جیسے امرود، تو بعض کے ظاہر ہوجانے کے بعد بیع درست ہے۔**(۷):** اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہوجانا کافی ہے۔اور اگرچہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، مگر ابتلاء عام میں گنجائش ہے" (امداد الفتاوی، قدیم:۳/۱۰۱)۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے: "اول: بیع کرنا مول کا درست نہیں اور یہ بیع باطل ہے، اس واسطے کہ مبیع یہاں ثمر ہے اور اس کا کہیں وجود نہیں اور معدوم کی بیع باطل ہے، دوسرے: اگر ثمر نکل آیا اور وہ قابل نفع کے ہوگیا تو اس کی بیع جائز ہے، بشرطیکہ اسی وقت کاٹ لے، اور اگر شرط رکھنے کی ہوگی جیسا کہ دستور ہے تو بیع فاسد ہوگی، اور اگر ثمر ایسا ہوگیا کہ اب

زیادہ نہ بڑھے گا تو اس کی بیع درست ہے؛ کیوں کہ اس کے سب اجزاء موجود ہو چکے ہیں، فقط تغیر وصف باقی ہے، اور یہ اخیر شکل امام محمد صاحبؒ کے یہاں درست ہے اور اسی پر فتوی دیا گیا ہے،......'' (فتاوی رشیدیہ:۴۷۶)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے: ''پھل کے ظاہر ہونے سے پہلے بیع وشراء بہار انبہ وغیرہ کی بالکل باطل اور ناجائز ہے اور پھل کے ظاہر ہونے کے بعد بیع صحیح ہے، لیکن اس میں یہ شرط ہونا کہ پھل تا پختگی درختوں پر رہے گا جیسا کہ معروف ہے مفسد عقد ہے، لہذا اس طرح بھی فروخت کرنا نہ چاہئے؛ بلکہ جس وقت پوری طرح پھل بڑھ جائے اور متناہی ہو جائے اس وقت فروخت کرے کہ اس وقت فروخت کرنے میں امام محمدؒ کے قول کے موافق جو کہ مفتی بہ ہے بیع صحیح ہوگی،......اور حیلۂ جواز ان صورتوں میں یہ ہوسکتا ہے کہ پھل پختہ ہونے کے بعد معاملہ کی تجدید کر لی جائے یعنی بائع اور مشتری دونوں پہلی بیع کو فسخ کر کے اسی قیمت پر اس وقت بیع جدید کر لے'' (فتاوی دار العلوم ۱۴/ ۳۴۸-۳۴۹)۔

امداد الاحکام (۴۲۵/۵) میں ہے: ''پھل آنے سے پہلے باغ کا پھل بیچنا حرام ہے اور ٹھیکہ پر پھل کی بیع درست نہ ہوگی''۔

مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں: ''سال دو سال کے لئے محض پھل کا ٹھیکہ دینا تو جائز نہیں، مگر یہ جائز ہے کہ آپ باغ کی زمین ہی کو مدت مقرر کر کے مثلاً: دو سال تین سال کے لئے کرایہ پر دیدیں کہ اس سے جو نفع ہو تم حاصل کرو اور ہم کو اتنے روپئے سال اس کا کرایہ دے دیا کرو'' (منتخبات نظام الفتاوی ۳/ ۳۹)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: ''جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے؛ البتہ اگر زمین ٹھیکہ پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے'' (فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۱۷۴)۔

جدید فقہی مسائل (۴/ ۲۴۴) میں ہے: ''پھل بالکل نہ نکلا ہو تو اس کی بیع جائز نہیں، جیسا کہ ایک یا کئی سال کے باغات کی خرید وفروخت ہوتی ہے''۔

کتاب النوازل (۱۰/ ۴۷۵-۴۸۳) میں ہے: ''فصل آنے سے قبل فصل اور پھل وغیرہ کی بیع ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ بیع معدوم ہے، البتہ اگر پوری زمین پہلے سے کرایہ پر دے دی جائے اور اس کا ایک متعین کرایہ مقرر کیا جائے تو یہ معاملہ درست ہوگا''۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: ''باغات کے پھلوں کو پھل آنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ معاملہ شرعی طور پر فاسد ہوتا ہے، اور اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے، بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً: ایک سال دو سال کے لئے زمین سمیت باغ کرایہ پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی

زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا‘‘ (فتاوی قاسمیہ ۱۹/۳۳۱، ۳۶۶، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۸-۴۷۸)۔

ادارۃ المباحث الفقہیۃ، جمعیت علماء ہند کے فیصلوں میں ہے: ’’باغات کے پھلوں کی خرید و فروخت پھلوں کے بور یا پھل آنے سے پہلے ناجائز ہے اور پھل ظاہر ہونے کے بعد جائز ہے، البتہ جو پھل بازار میں آتے ہیں عام لوگوں کو ان کی خرید و فروخت اور استعمال کرنے کی اجازت ہے، اس لئے کہ بازار میں آنے والے تمام پھلوں کا ناجائز ہونا یقینی نہیں ہے‘‘ (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز: ۳۹)۔

۴-(ب): باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں ابھی نہیں آئے، بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہے اور موجودہ اور آئندہ نکلنے والے دونوں طرح کے پھلوں کو فروخت کیا جائے تو اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، امام شافعیؒ وامام احمدؒ وغیرہ عامۃ العلماء کے نزدیک یہ معاملہ جائز نہیں ہے، اور ہمارے یہاں بھی اصل مذہب کے مطابق یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔ ’’**بعض الثمار قد خرج وبعضها لم يخرج هل يجوز هذا البيع؟ ظاهر المذهب انه لايجوز، وفى الكافى: خلافا لمالك**......۔‘‘ (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۸/۳۱۹) ’’**ومايوجد من الزرع بعضه بعد بعض كالبطيخ والباذنجان فيجوز بيع ماظهر منه ولايجوز بيع مالم يظهر وهذا قول عامة العلماء وقال مالكؒ إذا ظهر فيه الخارج الاول يجوز بيعه**......۔‘‘ (البدائع: ۴/۳۲۷)۔ ہمارے یہاں یہی ظاہر روایت ہے، امام زیلعیؒ کے حسب روایت امام سرخسیؒ نے اسی کو درست اور اصح قرار دیا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے اور کہا ہے کہ یہ غیر موجود شی کی خرید و فروخت ہے، اور اس قسم کی ضرورت کے موقع پر معاملہ کرنے کی بہت سی صحیح صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: یہ کہ درختوں کو بھی خرید لے، یا مثلاً: یہ کہ موجودہ پھلوں کو کچھ حصہ ثمن کے عوض خرید لے اور مابقیہ پھل جب نکل آئیں تب ان کا باقی ثمن کے عوض سودا کرلے، یا مثلاً: یہ کہ موجودہ پھلوں کو کل ثمن کے عوض خرید لے اور بعد میں نکلنے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لئے مباح وحلال کردے، وغیرہ صورتیں ممکن ہیں، جن سے مشتری کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، پس اس امکان کے ہوتے ہوئے نص: ’’**لاتبع ماليس عندك**‘‘ کے خلاف معدوم کی بیع جائز قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ تاہم اگر موجود یعنی نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ معدوم یعنی نہ نکلے ہوئے پھلوں کی بیع کی گئی تو یہ بیع فاسد ہوگی جیسا کہ امام سرخسیؒ نے فرمایا، اور اگر صرف موجود یعنی نکلے ہوئے پھلوں ہی کی بیع کی گئی، مگر مشتری کے قبضہ سے پہلے ہی مزید کچھ پھل نکل آئے تب بھی یہ بیع فاسد ہوجائے گی؛ کیوں کہ مبیع اور غیر مبیع میں امتیاز مشکل ہونے کی وجہ سے مبیع کی حوالگی دشوار ہے، اور اگر خریدار کے قبضہ کرچکنے کے بعد پھل میں اضافہ ہوا اور نئے پھل نکل آئے تو اب اختلاطِ ملکیت کی وجہ سے عقد کے وقت موجود پھلوں میں بیع صحیح ہوکر پھلوں میں خریدار اور مالک دونوں شریک سمجھے جائیں گے، یعنی عقد کے وقت جو پھل موجود تھے وہ خریدار کے اور بعد میں نکلے ہوئے پھل مالکِ درخت

کے ہوں گے، جیسا کہ صاحب ہدایہؒ، ابن ہمامؒ وغیرہ کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے ــــــ غرضیکہ باغ کے کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ درختوں میں ابھی نہیں آئے اور موجودہ اور آئندہ نکلنے والے دونوں طرح کے پھلوں کو فروخت کیا جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی، یہی فقہاء احناف کے یہاں ظاہر مذہب اور ائمۂ مذہب سے منقول روایت ہے اور یہی امام سرخسیؒ کے یہاں اصح ہے۔"**ولوباع كل الثمار وقد ظهر البعض دون البعض فظاهر المذهب انه لايصح وكان شمس الائمة الحلوانی والامام الفضلی يفتيان بالجواز فی الثمار والباذنجان والبطيخ وغيرذلک ويجعلان الموجود أصلا فی العقد والمعدوم تبعا استحسانا لتعامل الناس، والاصح انه لايجوز كذا فی المبسوط**"(الفتاوی الھندیۃ:۳/۱۰۶، الفتاوی التاتارخانیۃ:۸/۳۱۹)۔

البتہ بعض فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، چنانچہ شمس الائمہ حلوانیؒ نے جواز کا فتوی دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر درخت پر اکثر پھل آ چکے ہوں اور کچھ ہی باقی ہوں تو تمام میں بیع صحیح ہے اور اس کو ہمارے اصحاب حنفیہ سے منقول روایت قرار دیا ہے، اور شمس الائمہ حلوانیؒ کے حسب روایت امام فضلی: ابوبکر محمد بن الفضل البخاریؒ بھی جواز کا فتوی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس صورت میں عقد کے وقت جو کچھ بھی پھل موجود ہوں ان کو اصل قرار دیں گے اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیں گے، اس طرح یہ بیع درست ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں معدوم کو موجود کے تابع کر کے اس کی بیع کو جائز قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کی بیع اصلاً تو جائز نہیں ہوتی؛ لیکن کسی اور چیز کے تابع ہو کر اس کی بیع جائز ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی یہ صورت ہے کہ جو پھل ابھی وجود میں نہیں آیا اس کی بیع اصلاً تو جائز نہیں تھی؛ لیکن موجود پھل کے تابع بنا کر اس کے ضمن میں معدوم کی بیع کو بھی جائز قرار دیا جائیگا، اور شمس الائمہ حلوانیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ انگور وغیرہ کی خرید و فروخت میں لوگوں کا اسی نوعیت کا تعامل ہو گیا ہے اور عام لوگوں کی اسی قسم کی عادت ہو گئی ہے جس سے ان کو باز رکھنا مشکل اور موجب حرج ہے؛ اس لئے میں اسی رائے کو اپناتے ہوئے اس معاملہ کو استحساناً جائز قرار دیتا ہوں۔"**وقال: استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة و لهم فی ذلک عادة ظاهرة وفی نزع الناس من عادتهم حرج**"(فتح القدیر، کتاب البیوع فصل: من باع دارا دخل بنائھا فی البیع: ۷/۲۶۵، البحرالرائق:۵/۵۰۳)۔درختوں پر کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کر دینے کے عوامی تعامل کو دیکھتے ہوئے بعض متاخرین حنفیہ کا رجحان و میلان بھی اسی جواز کی رائے کی طرف ہے۔ابن ہمامؒ، ابن نجیمؒ وغیرہ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پودے پر ہی گلاب کے پھول کی بیع کے متعلق امام محمدؒ سے منقول ہے، یہ پھول یکبارگی نہیں نکلتے اور کھلتے؛ بلکہ یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وجود میں آتے ہیں، پھر بھی امام محمدؒ نے اسی طریقہ سے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے (فتح

القدیر:۷/ ۲۶۵،البحر الرائق: ۵/ ۵۰۳)۔علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اپنے زمانہ میں بہ کثرت باغات والے علاقہ دمشق میں ضرورت اور ابتلاء عام کی وجہ سے اس قولِ جواز کو اختیار کرتے ہوئے اس معاملہ کے صحیح ہونے کا رجحان ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مارکیٹ میں جو کچھ بھی پھل آتے ہیں وہ اسی شکل کی خرید وفروخت کی راہ سے آتے ہیں جس سے عام لوگوں کو باز رکھنا مشکل ہے اور اس صورتِ بیع کو جائز کرنے کی جو شکلیں فقہاء کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں ان پر عمل کرنا اور کرانا مخصوص ومعدود چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی عام لوگوں کے لئے جہل کے غلبہ کی وجہ سے ممکن نہیں، گویا کہ اس صورتِ بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کرلیا ہے، پس جس طرح انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے سلم کی اجازت دی ہے، حالانکہ وہ ایک شیٔ معدوم کی بیع ہے اور فقہاء نے خلاف قیاس ہوتے ہوئے بھی استحسان بالضرورۃ کے طور پر اسے درست قرار دیا ہے، اسی طرح ضرورت انسانی اور ابتلاء عام کی وجہ سے پھلوں کی خرید وفروخت کی اس شکل کو بھی جس میں بعض پھل موجود اور بعض معدوم ہوتے ہیں، امام حلوائیؒ اور امام فضلیؒ وغیرہ کی رائے اپناتے ہوئے درست قرار دینا چاہئے (رد المحتار مع الدر المختار: ۷/ ۸۵-۸۶، الاختیار لتعلیل المختار: ۲/ ۲۳۳، الہدایۃ وفتح القدیر والعنایۃ: ۷/ ۲۶۸، نیز دیکھئے: تکملہ فتح الملہم، کتاب البیوع ۱/۲۵۴، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۲۶۱)۔

ظاہر ہے کہ جس طرح کی ضرورت اور ابتلاء عام علامہ شامیؒ کے زمانہ میں دمشق میں تھا، اسی طرح کی ضرورت اور ابتلاء عام فی زمانہ موجود ہے، اس لئے اس قولِ جواز کو اختیار کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ باغ میں اگر کچھ پھل نکل آئے ہوں اور باقی ابھی نکلے نہ ہوں تو موجودہ اور آئندہ تمام پھلوں کی خرید وفروخت کرنا درست اور جائز ہوگا، بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں، لیکن اگر ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک قسم کے درختوں میں پھلوں کا آجانا دوسری قسم کے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا۔

ہمارے بعض اکابر اصحاب فتاوی نے بھی اس صورت میں ابتلاء عام کی بنا پر گنجائش ذکر کی ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ کا فتوی گذر چکا ہے: ''پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً، اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس کو امام فضلی نے جائز کہا ہے...... جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہوجانے کے بعد بیع درست ہے، اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہوجانا کافی ہے، اور اگرچہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے، مگر ابتلاء عام میں گنجائش ہے'' (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۱۰۱)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ نے لکھا ہے: ''پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے، حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح

ہے۔کچھ پھل ظاہر ہوااور کچھ ظاہر نہیں ہواتو اس میں بھی ختلاف ہے، جواز راجح ہے،صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا'' (احسن الفتاوی:٦/ ٤٨٦)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کے بعد لکھتے ہیں: '' پھل اگر کچھ بھی نکل آیا ہوتو اس کی بیع درست ہوگی ،اور یہ شرط کہ پھل پکنے تک اسے درخت پر رہنے دیا جائے معتبر وجائز ہوگی ،اور اس موسم میں باغ میں آئندہ جو پھل آئیں وہ بھی اس بیع میں شامل ہوں گے'' (جدید فقہی مسائل: ٤/ ٢٤٤)۔

کتاب النوازل میں ہے: '' امرود کے باغ میں اگر تھوڑے بہت پھل آچکے ہیں تو ابتلاء عام کی وجہ سے اسی حالت میں فقہاء کرام نے اس باغ کی فصل بیچنے کی گنجائش دی ہے،اور اگر ابھی بالکل پھل اور پھول نہیں آئے ہیں تو اس حالت میں باغ کی فصل بیچنا جائز نہیں ، اگر اسی حالت میں معاملہ کرلیا گیا تو یہ معاملہ فاسد ہوگا ، پس انجام کار اس کو درست کرنے کی شکل یہ ہے کہ بعد میں جب اچھی طرح پھل آجائیں تو پھل توڑنے سے قبل آپسی رضامندی سے ازسرنو معاملہ کرلیا جائے اور سابقہ معاملہ فسخ کردیا جائے ؛ تا کہ کوئی فساد باقی نہ رہے'' (١٠/ ٤٨٤)۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: '' فصل آنے سے پہلے باغات کے پھل بیچنا ناجائز ہے،البتہ آم وغیرہ چونکہ اس کے پھل ایک مرتبہ میں نہیں پکتے ؛لہذا ان کو بعض پھل آنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے'' (فتاوی قاسمیہ: ١٩/ ٤٦٩)۔

فائدہ: کچھ درختوں پر پھل آگئے ہوں اور کچھ درختوں پر پھل نہ آئے ہوں ،اس صورت میں کم از کم کتنے درختوں پر پھل آنے سے بیع درست ہوگی ؟اس سلسلہ میں امام فضلیؒ سے تو کوئی تحدید منقول نہیں ہے،انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ عقد کے وقت جو کچھ بھی پھل موجود ہوں ان کو اصل قرار دیں گے اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیں گے۔ **"ذکر في البحر عن الفتح ان مانقله شمس الائمة عن الامام الفضلي لم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قال عنه اجعل الموجود أصلا ومايحدث بعد ذلك تبعا"** (ردالمحتار مع الدر المختار: ٧/ ٨٦)؛ البتہ امام شمس الائمہ حلوانیؒ نے اکثر ظاہر ہوجانے کی قید وشرط لگائی ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ معدوم کو موجود کے تابع بنا کر بیع کو درست قرار دیا جارہا ہے،اس لئے اکثر ظاہر ہوجانے چاہئیں ؛ تا کہ اقل کو اکثر کے تابع قرار دیا جاسکے۔ **"ولهذا شرط أن يكون الخارج اكثر لأن الاقل يجعل تابعا للاكثر"** (الفتاوی التاتارخانیۃ: ٨/ ٣١٩)؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ نصف سے زائد درختوں پر پھل آچکے ہوں اس کے بعد معاملہ کیا جائے ، یا پھر اس قدر درختوں پر پھل آچکے ہوں جن کے بعد عام طور پر مابقیہ درختوں پر پھل کا آنا غالبی ہوجاتا ہے تب معاملہ کیا جائے ؛ تا کہ غرر وخطر اور جہالت کم سے کم ہو۔

ملحوظہ: اس سلسلہ میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ مالکی مسلک میں ایک درخت پر بھی پھل کا آجانا باقی درختوں

کے پھلوں کی بیع کے جواز کے لئے کافی ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: ''اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوئے تو بھی امام شافعیؒ واحمدؒ کے برخلاف امام مالکؒ نے اس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں، اگر دو علاحدہ پھل کے درخت ہوں، مثلاً: کچھ درخت آم کے ہوں اور کچھ امرود کے، تو اب آم کے بعض درخت میں پھل کا آجانا یا پھل کا قابل استعمال ہوجانا امرود کے پھلوں کی فروختگی کے لئے کافی نہ ہوگا، حالانکہ امرود ابھی قابل استعمال ہوا ہی نہ تھا یا نکلا ہی نہ تھا۔''**وبدوه اى الصلاح فى بعض من ذلك النوع ولونخلة كاف فى جواز بيع الجميع من جنسه لافى غيرجنسه**'' (الشرح الصغیر:۳/۲۳۵) ...... باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل آگیا تو مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہوگی'' (جدید فقہی مسائل: ۴/ ۲۳۳-۲۴۴)۔

مگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات اور استدلال محل نظر ہے؛ کیوں کہ مالکیہ کے مسلک میں جو بات ہے اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: ایک یہ ہے کہ ایک درخت کی جو بات ہے وہ بدو صلاح کے متعلق ہے، ظہور ثمر کے متعلق نہیں ہے، یعنی بدو صلاح بعض یا کم از کم ایک درخت میں ہوگیا ہو تو اس نوعیت کے تمام درختوں کی بیع درست ہے، جیسا کہ شرح صغیر کی عبارت سے واضح ہے، اس میں یہ نہیں لکھا ہے: **ظهورالثمر فى البعض**، بلکہ یہ لکھا ہے: **بدوالصلاح فى البعض**، شرح کبیر میں بھی اسی طرح کی بات لکھی ہے: ''**وبدوه اى الصلاح فى بعض حائط ولوفى نخلة كاف فى صحة بيع جنسه فى ذلك الحائط وفى مجاوره مما يتلاحق طيبه بطيبه عادة لا فى جميع حوائط البلد**'' (الشرح الکبیر للدردیر: ۳/ ۱۷۲) بلکہ علامہ ابن قدامہؒ کی تصریح کے مطابق تو یہ بات اتفاقی ہے کہ بعض میں بدو صلاح جمیع میں بدو صلاح کے لئے کافی ہے، لکھا ہے: ''**و لايختلف المذهب أن بدو الصلاح فى بعض ثمرة النخلة أوالشجرة صلاح لجميعها أعنى أنه يباح بيع جميعها بذلک ولا أعلم فيه خلافا وهل يجوز بيع سائرمافى البستان من ذلک النوع؟فيه روايتان اظهرهما جوازه وهو قول الشافعى ومحمد بن الحسن و عنه لايجوز إلا بيع مابدا صلاحه......فاما النوع الواحد من بستانين فلايبع أحدهما الآخر فى جواز البيع حتى يبدو الصلاح فى أحدهما متجاورين كانا أومتباعدين......**'' (المغنی: ۶/ ۱۵۶) پس ایک درخت پر پھل آجانا کافی ہونے کی بات محل نظر ہے، دوسری چیز مالکی مسلک میں یہ ہے کہ وہ درخت ایسے ہوں کہ عام طور پر وہ قریبی زمانہ میں پکتے ہوں، ان میں بدو صلاح تقریباً ایک ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ہوتا ہو، جیسا کہ ''**مما يتلاحق طيبه بطيبه عادة**'' کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے، لہذا جب یہ بات بھی پائی جائے گی تب ان کے نزدیک بیع درست ہوگی۔

۴- ج: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے، تو اولاً اس کی دوصورتیں ہیں:

پہلی: یہ کہ پھل نکل آئے، مگر صرف اس قدر نکلے ہیں کہ فی الحال جانوروں کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہیں، تو اس صورت کے سلسلہ میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، شمس الائمہ السرخسیؒ اور شیخ الاسلام خواہر زادہؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز نہیں ہے، امام فخر الدین قاضی خانؒ نے اس کو عامۃ المشائخ کی طرف منسوب فرمایا ہے؛ جبکہ امام ابوالحسن قدوریؒ اور قاضی اسبیجابیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے۔

"**أحدها أن يبيعها قبل أن تصير منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بنى آدم وعلف الدواب وفى هذا اختلاف المشائخ،ذكر شمس الائمة السرخسى وشيخ الاسلام خواهرزاده أنه لايجوز، وذكرالشيخ أبوالحسن القدورى والقاضى الاسبيجابى أنه يجوز**" (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۸/۳۱۷، الفتاوی البزازیۃ علی الھندیۃ: ۴/۳۷۶) "**وعامة المشائخ لم يجوزوا بيع الثمار قبل أن تصير منتفعا......وقال الشيخ الامام ابوبكرمحمد بن الفضل جاز بيعها بعد ظهورها......**" (الفتاوی الخانیۃ علی الھندیہ ۲/۲۵۰)، صاحب ہدایہؒ اور علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ نے جواز کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بیع جائز ہے، اس لئے کہ اگر چہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے، مگر ہفتہ عشرہ کے بعد قابل انتفاع ہوسکتا ہے، اسی بنا پر امام محمدؒ نے فرمایا ہے: "اگر کوئی شخص درخت پر پھل نکلتے ہی اسے فروخت کردے اور مشتری بائع کی اجازت سے اسے درخت پر ہی چھوڑے رکھے تو اس صورت میں عشر مشتری پر واجب ہوگا" ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ بیع امام محمدؒ کے یہاں صحیح ہے، صاحب ہدایہ مختارات النوازل میں لکھتے ہیں: "**بيع الثمارعلى الاشجار قبل الادراك وبعده يجوز سواء كان منتفعا به فى الحال أولم يكن وهوالأصح وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغا لملك البائع هذاإذااشتراها مطلقاً أوبشرط القطع وإن شرط تركها على النخل فسد البيع......**" (مختارات النوازل: کتاب البیوع، فصل فی البیع الفاسد: ۳/۲۸۰، الفتاوی الھندیۃ: ۳/۱۰۶)، البتہ اس صورت میں بالاتفاق بیع درست ہونے کا حیلہ فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب پھل اس مرحلہ میں ہو کہ وہ جانور کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہو تب اصالۃً درخت کے اوراق کی بیع کی جائے اور تبعاً پھلوں کی بیع کی جائے، اس صورت میں بہ اتفاق مشائخ احناف یہ بیع درست ہوگی۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ پھل نکل آئے ہیں اور اس قدر نکل چکے ہیں کہ وہ قابل انتفاع ہیں، اس کی کلی اور بور کم از کم جانوروں کے قابل ہو چکے ہیں تو ایسی صورت میں یہ بیع بہ اتفاقِ فقہاء احناف جائز ہے؛ جبکہ بلا کسی شرط کے خریدا ہو یا فوری طور پر توڑنے کی شرط پر خریدا ہو، درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط نہ کی ہو (دیکھئے: فتح القدیر ۷/۲۶۴-۲۶۵، البحر الرائق

۵۰۲/۵، امداد الفتاوی، قدیم ۳/۱۰۱، احسن الفتاوی ۶/۴۸۶، تکملہ فتح الملہم ۴/۲۵۵)۔

اس دوسری صورت کی کسی قدر تفصیل مندرجہ ذیل جوابات میں ہے:

۵-(الف): درخت کے پھل نکل آئے ہیں، مگر ابتدائی حالت میں ہیں، تیار نہیں ہیں، انسانی استعمال کے قابل نہیں ہیں یعنی بدوصلاح نہیں ہوا ہے اور فریقین میں یہ بات طے پائی ہے کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا، تو یہ صورت بہ اتفاق ائمہ اربعہ درست ہے، علامہ ابن رشد مالکیؒ رقمطراز ہیں: **"فاما بیعها قبل الزهو بشرط القطع فلاخلاف فی جوازه۔"** (بدایۃ المجتھد: ۴/۵۴۲)، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: **"القسم الثانی: ان یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع لان المنع انماکان خوفا من الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل اخذها......۔"** (المغنی، کتاب البیوع: ۶/۱۴۹، تکملۃ فتح الملھم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا: ۴/۲۵۰) پھر اس صورت میں مشتری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ فوراً اپنے پھل توڑ کر بائع کی ملک کو فارغ کردے، تاہم اگر عقد کے بعد پک جانے تک پھلوں کو درختوں پر مالک کی اجازت سے چھوڑ دیا گیا ہے تو معاملہ کے بعد پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا، اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر درخت پر رہنے دیا ہو تو جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے قابل تصدق ہوگا۔ **"وعلى المشتری قطعها فی الحال تفریغا لملک البائع وهذا إذا اشتراها مطلقا أو بشرط القطع......ولو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الفضل وإن ترکها بغیر إذنه تصدق بما زاد فی ذاته لحصوله بجهة محظورة وإن ترکها بعد ماتناهی عظمها لم یتصدق بشیء۔"** (الھدایۃ مع فتح القدیر، کتاب البیوع، فصل: من باع دارا دخل بنائھا فی البیع: ۶/۲۶۷، البحر الرائق: ۵/۵۰۶)۔

۵-(ب): درخت کے پھل نکل آئے ہیں، مگر تیار نہیں ہیں، قابل استعمال نہیں ہیں، یعنی بدوصلاح نہیں ہوا ہے اور فریقین میں یہ بات طے پائی ہے کہ پھل تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگے رہیں گے، تو یہ صورت بہ اتفاق ائمہ اربعہ درست نہیں ہے۔

علامہ ابن رشد مالکیؒ رقمطراز ہیں: **"واما بیعها قبل الزهو بشرط التبقیة فلاخلاف فی انه لایجوز"** (بدایۃ المجتھد: ۴/۵۴۲)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: **"لایخلو بیع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة أقسام: أحدها أن یشتریها بشرط التبقیة فلایصح البیع إجماعاً لأن النبی ﷺ نهى عن بیع الثمار حتى یبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع، متفق علیه۔"** (المغنی، کتاب البیوع: ۶/۱۴۸، تکملۃ فتح الملھم، کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا: ۴/۲۵۰) **"وإن شرط ترکها على الاشجار فسد البیع"** (الدر المختار مع رد المحتار: ۷/۸۶)؛ کیوں کہ خریدار نے ایسی شرط لگائی ہے جس

میں اس کی منفعت ہے اور یہ چیز معاملہ کو فاسد کر دینے والی ہے، یعنی خرید وفروخت کے معاملہ میں ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو، از روئے شرع ممنوع اور مفسدِ عقد ہے، روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، "نهى عن بيع و شرط۔" (مجمع الزوائد: كتاب البيوع، باب ماجاء فى الصفقتين فى صفقة أوالشرط فى البيع: ۴/۱۰۴، رقم: ٦٣٨٦)، ایک اور حدیث میں ہے کہ نہ تو سودا اور قرض جائز ہے اور نہ ہی سودے کے ساتھ دو شرطیں جائز ہیں، "لايحل سلف وبيع وشرطان فى بيع۔" (الترمذی عن عبداللہ بن عمروؓ، ابواب البیوع، باب ما جاء فی کراھیۃ بیع ما لیس عندک: ۱/۱۴۸، رقم: ۱۲۳۴)۔ فقہاء نے بھی اس چیز کو ذکر کیا ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: " ومنها الخلوعن الشروط الفاسدة وهى أنواع، منها......شرط مالايقتضيه العقد وفيه منفعة للبائع أوللمشترى أوللمبيع إن كان من بنى آدم كالرقيق وليس بملائم للعقد ولا مماجرى به التعامل بين الناس......" (بدائع الصنائع: ۴/۳۷۵-۳۷۷)۔ "اما شرائط الصحة فعامة وخاصة فالعامة لكل بيع ماهوشرط الانعقاد لان مالا ينعقد لا يصح و لاينعكس فان الفاسد عندنا منعقد نافذ إذا اتصل به القبض......ومنها الخلوعن الشرط الفاسد وهو أنواع، منها......شرط مالايقتضيه العقد وفيه منفعة للبائع وللمشترى أوللمبيع إن كا ن من بنى آدم وليس بملائم للعقد ولا مماجرى به التعامل بين الناس۔" (الفتاوی الھندیۃ، کتاب البیوع: ۳/۳)۔

ان روایات وعبارات سے واضح ہوتا ہے کہ خرید وفروخت میں ایک یا اس سے زیادہ شرطیں لگانا جائز نہیں ہے اور اگر لگا دی جائے گی تو بیع فاسد ہو جائے گی، پس یہاں جب بیع مکمل ہوگئی ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ مشتری اپنے پھل توڑ کر بائع کے درخت کو فارغ کر دے، اس کے باوجود یہاں یہ شرط لگی ہے کہ تیار ہونے تک یہ پھل درخت پر ہی لگے رہیں گے اور پھل درخت پر لگے رہنے میں مشتری کا فائدہ ہے، اس لئے یہ شرط فاسد ہوئی، جس کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہو جائیگی۔

ہاں! البتہ اگر بیع میں لگائی ہوئی شرط اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مگر اس کا تعامل اور عام رواج ہو چکا ہو، تو ایسی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوتی؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ عقد میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط کی ممانعت کی علت بسا اوقات اس کا مفضی الی النزاع ہونا یعنی فریقین کے درمیان نزاع اور اختلاف پیدا ہونے کا باعث بننا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز مقصود عقد کے معارض ہے، ہدایہ میں ہے: "كل شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أوللمعقود عليه و هومن أهل الاستحقاق يفسد ہ كشرط أن لا يبيع المشترى العبد المبيع لأن فيه زيادة عارية عن العوض فيؤدى إلى الربا أولأنه يقع بسببه المنازعة فيعرى العقد عن مقصوده إلا أن يكون متعارفاً لأن العرف قاض على القياس" (الھدایۃ، باب البیع الفاسد: ۳/۵۹) لیکن جب کسی شرط کا عرف اور تعامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ شرط مفضی الی

النزاع نہیں رہتی،فریقین میں نزاع اور اختلاف پیدانہیں ہوتا،بلکہ ختم ہوجاتا ہے:"**الشرط المتعارف ولو لم یکن من مقتضیات العقد جوز البیع معه استحسانا وصار معتبرا...... لأن الشرط متی کان متعارفا فلایکون باعثا علی النزاع ویحصل الملک المقصود بغیر خصام**"(دررالحکام شرح مجلة الاحکام العدلیة:۱/ ۱۳۸،المادة:۱۸۸)،"**والعرف ینفی النزاع فکان موافقاً لمعنی الحدیث۔**"(البنایة فی شرح الهدایة،باب البیع الفاسد:۷ /۲۴۱)،پس جب علت یعنی مفضی الی النزاع ہونانہیں پایا گیاتو وہ شرط بھی مفسد عقد قرار نہیں پائے گی،اس لئے عرف وتعامل کی وجہ سے شرط لگانا جائز ہوتا ہے اور ایسی شرط سے بیع فاسد نہیں ہوتی،مبسوط میں ہے:"**وان کان شرطا لایقتضیه العقد وفیه عرف ظاهر فذلک جائز ایضاًکما لواشتری نعلا وشراکا بشرط أن یحذوه البائع لأن الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی ولأن فی النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بینا**"(المبسوط:۱۳/ ۱۴،نیز دیکھئے:الدرالمختارورد المحتار:۷ /۲۸۱-۲۸٦)۔

غرضیکہ جوشرط مقتضائے عقد کے خلاف ہواگر اس کا عام رواج ہوجائے تو پھر وہ شرط مفسد عقدنہیں رہتی،فقہاء نے اس کی مثال دی ہے کہ ایک شخص نے بائع سے کہا کہ میں یہ جوتا اس شرط کے ساتھ خریدتا ہوں کہ تم اس جوتے میں نعل لگا کردوگے،ظاہر ہے کہ نعل لگانے کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے،لیکن چونکہ اس شرط کا عام رواج ہو چکا ہے؛اس لئے یہ شرط جائز ہوگی۔آج کل کے دور کی آسان مثال یہ ہے کہ کسی نے بازار سے فریج خریداتو دکاندار یا کمپنی یہ سہولت دے گی کہ وہ ایک سال تک مفت سروس دے گی،پس اصل یہ ہے کہ جب بائع نے ایک چیز فروخت کردی تو اس کے بعد اس چیز کی مرمت یا سروس بائع کی ذمہ داری میں نہیں ہے؛اس لئے یہ شرط لگانا مقتضائے عقد کے خلاف ہے،لیکن چونکہ اس کا رواج عام ہوگیا ہے کہ فریج بیچنے والی سبھی کمپنیاں یہ سہولت دیتی ہیں،جس کی وجہ سے یہ شرط مفضی الی النزاع نہیں ہوتی،اس لئے مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کے باوجود یہ شرط مفسد عقدنہیں ہوگی۔

"**وقدکثرت فی عهدنا أنواع الشروط فی البیوع و الاجارة وغیرها فکل ماجری به التعامل العام کان جائزا مثل ما تعورف فی العالم کله إن مشتری الثلاجات والدافئات والماکینات الاخری یشترط علی البائع القیام بتصلیحها کلما عرضها فساد فی حدود مدة معلومة کالسنة اوالسنتین مثلاً فان هذ االشرط جائز لشیوع التعامل بها**"(تکملة فتح الملهم:۱/ ۴۳۵)۔

زیر بحث مسئلہ میں بھی بیع مکمل ہوجانے کا مقتضا یہ ہے کہ مشتری اپنے پھل توڑ کر بائع کے درخت کوفارغ کردے، اس کے باوجود یہ شرط لگی ہے کہ تیار ہونے تک پھل درخت پر ہی لگے رہیں گے،جس میں مشتری کا فائدہ ہے،اور یہ شرط اگرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے؛مگر چونکہ اس طرح کی شرط لگانے کا تعامل ہو چکا ہے،یعنی اب صورت حال یہ ہے کہ پھل

کی تیاری سے پہلے باغات کی خرید وفروخت اور پھر پھل تیار ہونے تک درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے اور یہ اب ایک ضرورت بن گیا ہے؛ اس لئے اس طرح کی شرط لگانا درست ہوگا اور اس شرط کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوگی، یہ بیع درست ہوگی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ تعامل اور ضرورت ہی کی بناء پر فقہاء نے موجود پھلوں کے ساتھ غیر موجود پھلوں کی خرید وفروخت کو درست رکھا ہے؛ بلکہ علامہ ابن ہمامؒ کی بحث وتحقیق کے مطابق اسی تعامل اور ضرورت کو بنیاد بنا کر امام محمدؒ نے پھل کے مکمل تیار ہو جانے کے بعد اس کو درخت پر لگا رہنے دینے کی شرط کو درست اور مکمل تیار ہونے سے پہلے اس قسم کی شرط کو نادرست قرار دیا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ ترک علی الاشجار یعنی درخت پر پھل چھوڑے رکھنے کی شرط مفسد عقد ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام محمدؒ نے یہ کہا ہے کہ اگر پھل پورے طور پر تیار ہو چکے ہوں، ان کی نشو ونما مکمل ہو چکی ہو، تب تو ترک کی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں، یہ شرط معتبر ہوگی، اور اگر پھل پورے طور پر تیار ہونے اور نشو ونما مکمل ہونے سے پہلے معاملہ کیا اور ترک کی شرط لگائی تو یہ درست نہ ہوگا، بیع فاسد ہوگی، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس بارے میں صاحب ہدایہؒ وغیرہ کی توضیح پر علامہ ابن ہمامؒ کو اطمینان نہیں ہے، انہوں نے جس بات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے وہ ہے: تعامل وضرورت ہونا اور نہ ہونا، یعنی پھل پورے طور پر تیار ہونے اور ان کی نشو ونما مکمل ہونے کے بعد ترک کی شرط لگانے میں عقد فاسد نہ قرار دینے کی اور شرط کو معتبر قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ضرورت اور اس کا تعامل ہو چکا تھا؛ جبکہ پھل پورے طور پر تیار ہونے اور نشو ونما مکمل ہونے سے پہلے ترک کی شرط لگانے کا تعامل اور اس کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے اس صورت میں امام محمدؒ نے بیع کو فاسد قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں: "**فان باعه بشرط الترک فان لم یکن تناهی عظمه فالبیع فاسد عند الکل وان کان قد تناهی عظمه فهوفاسد عند أبی حنیفة وأبی یوسف وهوالقیاس ویجوز عند محمد استحساناً وهوقول الائمة الثلاثة واختاره الطحاوی لعموم البلوی وفی المنتقی ذکرأبویوسف مع محمد۔** پھر صاحب ہدایہ کی بیان کی ہوئی وجہ فرق ذکر کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**ولایخفی أن الوجه لایتم فی الفرق لمحمد إلا بادعاء عدم العرف فیمالم یتناه عظمه إذالقیاس عدم الصحة للشرط الذی لایقتضیه العقد فی المتناهی وغیره،خرج منه المتناهی للتعامل فکون مالم یتناه علی أصل القیاس انما یکون لعدم التعامل فیه**" (فتح القدیر:۶/۲۶۵)۔ معلوم ہوا کہ اصل بنیاد تعامل اور ضرورت ہے، پس جبکہ فی زمانہ صورت حال یہ ہے کہ پھل کے پورے طور پر پکنے اور تیار ہونے اور اس کی نشو ونما مکمل ہونے سے پہلے ہی پھل کی تیاری تک درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا تعامل اور رواج ہو چکا ہے اور یہ معاملہ ایک انسانی ضرورت بن چکا ہے، تو ظاہر ہے کہ امام محمدؒ کی اصل اور بنیاد کے مطابق اس

کی گنجائش ہوگی، اور یہی رائے قابل فتوی اور لائق عمل قرار پائے گی۔

حضرت تھانویؒ نے بھی عرف وتعامل کے موقع پر اس کی اجازت لکھی ہے، امداد الفتاوی (۳/۹۶) میں ہے:

''**سوال:** باغ کا غیر پختہ پھل کسی کو قیمت کر کے بیچ دیا جائے، اس شرط پر کہ پختہ ہونے تک پانی صاحب باغ دیا کرے گا، باقی پرداخت مشتری کرے گا، مدت معروفہ پختہ ہونے تک مہلت ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **جواب:** فی نفسہ تو یہ معاملہ خلاف قاعدہ ہے؛ لیکن اگر کہیں ایسا عرف عام ہو جاوے تو درست ہے، اور جو عرف عام نہ ہو تو درست نہیں ہے۔''

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: **''ویظهر من کلام ابن همام فی الفتح ایضا ان العرف إذا جری ببیع الثماربعد بدوصلاحها بشرط الترک واشتدت إلیه الحاجة کان قیاس قول محمد الجواز وإن لم یتناه عظم الثمار؛ لأنه أجاز شرط الترک بعد ما تناهی عظمها للعرف والضرورة قلت: وکذلک أجاز محمدؒ بیع الثمار فی حین ظهر بعضها ولم یظهربعضها للضرورة والعرف کما قدمنا عن الفتح وردالمحتار فکان قیاس قوله الجواز عند الضرورة وإن لم یتناه عظمها، ثم ههنا ناحیة أخری لم یتعرض لها الفقهاء عموما وهی أن البیع بشرط الترک انما یحرم عند الحنفیة لکونه بیعا وشرطا ولکن الحنفیة یجوزون مع البیع شروطا جری بها التعامل لان التعامل رافع للنزاع ولاشک أن بیع الثمار بشرط الترک جری به التعامل العام فی اکثرالبلاد فینبغی أن یجوز هذا الشرط علی أصل الحنفیة ......''** (تکملة فتح الملهم، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحها: ۴/۲۵۵-۲۵۶)۔

شرح مجلّہ میں ہے: **''فقد اتضح مما ذکرناه وضوح الشمس بحیث لم یبق ریب ولا لبس انه لوجری التعامل المستفیض فی بیع الثمار قبل بدوصلاحها بشرط ترکها حتی تنضج یصح البیع عند محمد...... فاشتراط ترک الثمار البارزة حتی تنضج وإن کان شرطا لایقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لأحد المتعاقدین لکن حیث جری به العرف الشایع فی بلادنا واستفاض بین العام و الخاص فیکون معتبرا''** (شرح المجلة لمحمد الاتاسی: ۲/۹۵-۹۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر کے لکھتے ہیں: ''ان حالات میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ عرف وتعامل کی بنا پر درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے، اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز ہوگا اور یہ شرط بھی بجائے خود معتبر ہوگی'' (جدید فقہی مسائل: ۴/۲۴۲)۔

۵-(ج): درخت کے پھل نکل آئے ہیں، مگر تیار نہیں ہیں، قابل استعمال نہیں ہیں، یعنی بدو صلاح نہیں ہوا ہے اور فریقین

میں نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، ائمۂ ثلاثہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن رشد مالکیؒ رقمطراز ہیں: ''وأما بيعها قبل الزهو مطلقاً فاختلف فقهاء الامصار فى ذلک فجمهورهم على أنه لايجوز: مالک والشافعي وأحمد، وقال أبوحنيفة يجوز ذلک'' (بداية المجتهد: ۵۴۲/۴)۔ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: ''القسم الثالث: أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعي وأجازه أبوحنيفة......'' (المغنی، کتاب البیوع: ۱۴۹/۶، تکملة فتح الملهم: ۲۵۰/۴)، پھر اس صورت میں مشتری کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ فوراً اپنے پھل توڑ کر بائع کی ملک کو فارغ کردے؛ تاہم اگر عقد کے بعد پک جانے تک پھلوں کو درختوں پر مالک کی اجازت سے چھوڑ دیا گیا ہے تو معاملہ کے بعد پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا، اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر درخت پر رہنے دیا ہوتو جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے قابل تصدق ہوگا۔ ''وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغا لملک البائع وهذا إذا اشتراها مطلقا أوبشرط القطع......ولواشتراها مطلقا وتركها باذن البائع طاب له الفضل و تركها بغير إذنه تصدق بمازاد فى ذاته لحصوله بجهة محظورة وإن تركها بعد ماتناهى عظمها لم يتصدق بشىء.'' (الهداية مع فتح القدير، کتاب البیوع، فصل: من باع دارا دخل بنائها فی البیع: ۲۶۷/۷)۔

۶- پھل خریدنے کے بعد پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینا یہ ان صورتوں میں سے ہے جنہیں فقہاء نے پھلوں کو پکانے کے لئے درختوں پر چھوڑے رکھنے کی امکانی شکلوں کے ذیل میں ذکر کیا ہے، ان امکانی صورتوں میں سے بعض صحیح اور آسان، بعض صحیح مگر دشوار اور بعض غیر صحیح ہیں۔ **صحیح اور آسان صورت:** یہ ہے کہ پھل خریدنے کے بعد پھل پکنے اور توڑنے کی مدت تک درخت پر پھلوں کو چھوڑے رکھنے کی بائع کی طرف سے مشتری کو اجازت مل جائے۔ **صحیح مگر دشوار صورت:** یہ ہے کہ پھل خریدنے کے ساتھ خریدار درخت بھی خرید لے، ظاہر ہے کہ درختوں کو خریدنے میں دشواریاں ہیں، **ایک:** تو مشتری کو ایسی چیز خریدنے کا پابند کیا جا رہا ہے جس کی اس کو ضرورت نہیں، **دوسری:** ممکن ہے کہ درختوں کی قیمت اس کے بس میں نہ ہو، **تیسری:** ضروری نہیں کہ بائع بھی درخت بیچنے پر تیار ہو جائے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے: ''ولو باع مالم يتناه عظمه مطلقا عن الشرط ثم تركه فإما باذن البائع إذنا مجردا أوبإذن فى ضمن الاجارة ...... أو بلا إذن ففى الصورتين الاوليين يطيب له الفضل والاكل، أما فى الاذن المجرد فظاهر وأما فى الإجارة فلأنها إجارة باطلة......وهنا يمكن أن يشترى الثمار مع أصولها فيتركها عليها ولايخفى ما فى هذا من العسر فانه يستدعى شراء ما لاحاجة له إليه أوما لايقدر على ثمنه وقد لايوافقه البائع على بيع الاشجار

فالأول أولی"(فتح القدیر: ۷/ ۲۶۵)، **غیر صحیح صورت**: وہ ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ خریدار پھل خرید لے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لے لے، اس صورت کی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ درختوں کو کرایہ پر لینے دینے کو فقہاء نے خلاف قیاس اور منع لکھا ہے اور اس طرح کے اجارہ کو باطل کہا ہے۔

قاضی خانؒ تحریر فرماتے ہیں: "**وإن اشتری الأوراق أوالثمار واستأجر الأشجار مدة معلومة لترک الثمار علیها کانت الإجارة باطلة** ......"(الخانیۃ فی ھامش الھندیۃ: کتاب البیوع: ۲/ ۲۴۹)۔ درمختار میں ہے: "**وإن استأجر الشجر إلی وقت الادراک بطلت الاجارة......وفی الرد: قوله(بطلت الاجارة)وإن عین المدة فان أصل الإجارة مقتضی القیاس فیها البطلان إلا أن الشرع أجازها للحاجة فیمافیه تعامل ولاتعامل فی إجارة الأشجار المجردة فلایجوز**۔"(الدرالمختار مع الرد: کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع مقصودا: ۷/ ۸۷-۸۸)۔

فتاوی رشیدیہ میں ہے:" اول: بیع کرنا مول کا درست نہیں اور یہ بیع باطل ہے،......دوسرے: اگر ثمر نکل آیا اور وہ قابل نفع کے ہو گیا تو اس کی بیع جائز ہے؛ بشرطیکہ اسی وقت کاٹ لے، اور اگر شرط رکھنے کی ہوگی جیسا کہ دستور ہے تو بیع فاسد ہوگی،......اور اگر فقط درختوں کو اجارہ دیا گیا ایک سال یا دو سال یا کم کے لئے تو یہ بھی درست نہیں؛ کیوں کہ اجارہ درختوں کا جائز نہیں......"(۴۷۷)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:" اجارہ (کرایہ داری) یہ ہے کہ ایک شخص اصل کو برقرار رکھتے ہوئے نفع کو فروخت کردے، درخت کے پھل خریدنے کی صورت اس تعریف کی رو سے اجارہ میں داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ پھل کی حیثیت بجائے خود اصل کی ہے، اور پھل کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے انتفاع نہیں ہوتا"(۴/ ۲۳۰)۔

تاہم اگر کسی خریدار نے پھل خریدنے کے بعد پھل پکنے تک کی مدت کے لئے درختوں کو کرایہ پر لے لیا تو اگر چہ یہ اجارہ باطل ہوگا، کمامر اور اجرت بھی لازم نہیں ہوگی، "**ولایجب الأجر**"(الفتاوی البزازیۃ علی الھندیۃ: ۴/ ۴۷۸)، مگر اس عمل کو مالکِ درخت کی طرف سے پھل درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت سمجھا جائے گا، اس لئے پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: "**وإن اشتراها مطلقا أوبشرط القطع وترکها علی النخیل وقد استاجر النخیل إلی وقت الادراک طاب له الفضل لأن الاجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة فبقی الاذن معتبرا**۔"(البحر الرائق: ۵/ ۵۰۶، الھدایۃ مع الفتح، کتاب البیوع فصل: من باع دارا دخل بنائھا فی البیع: ۶/ ۲۶۷، العنایۃ مع الفتح: ۷/ ۲۶۸)۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:" درخت انبہ (آم) پر اگر صرف مول ہو اور پھل نہ آیا ہو، تو بیع پھلوں کی باطل ہے،......اور

اگر پھل آ گیا ہو تو خواہ فی الحال وہ قابل پورے نفع اٹھانے کے ہو یا نہ ہو، اس کی بیع جائز ہے، بہ شرطیکہ تا فصل پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط نہ ہو۔۔۔۔۔۔اور اجارہ پر درخت لینا جائز نہیں ہے۔۔۔۔۔۔اور اگر پھلوں کو بلا شرط خریدا اور پھر باجازت بائع ان کو تا فصل درخت پر رہنے دیا تو نفع زیادتی پھلوں کا اٹھانا مشتری کو مباح ہے۔۔۔۔۔۔اور ایسے ہی اگر اجارۂ باطلہ کے ذریعہ پھلوں کو درخت پر رہنے دیا تو زائد پھلوں کا انتفاع مشتری کے لئے درست ہے" (فتاوی دار العلوم: ۱۴/ ۳۵۳)۔

۸- بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، ہمارے یہاں مروج شکلوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مگر چونکہ "بیع الثمار قبل الظهور" والی شکل میں بعض متفق علیہ بلکہ منصوص شرطوں کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لئے اس شکل کو سلم میں داخل کرنے کی اور اس کے جواز کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے مختصراً گذر چکا ہے، یہاں ذیل میں اس کی کچھ تفصیل عرض ہے، جس میں بیع سلم اور اس کے متعلق مذاہب فقہاء کی شرطوں کو بھی بقدر ضرورت بیان کیا جا رہا ہے، تاکہ مسئلہ کی اچھی طرح تنقیح وتحقیق ہو جائے۔

عقد سلم کو سلف بھی کہتے ہیں، لغۃً سلم کے معنی ہیں: سپرد کرنا، اور سلف کے معنی ہیں: قرض دینا، بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی، نہ مجلس عقد میں، نہ بائع کی ملک میں اور ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ضروری ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کا نام سلم (سپرد کرنا) رکھا گیا، اور چونکہ مبیع موجود نہیں اس لئے جو ثمن سپرد کیا گیا وہ گویا قرضہ ہے، اس لئے دوسرا نام سلف (قرضہ) ہوا، شرعاً بیع سلم اور بیع سلف کا مطلب ہے: وہ عقد بیع جس میں قیمت نقد ہو اور مبیع اور سامان ادھار ہو، "**السلم هو لغةً كالسلف وزناً ومعنىً، وشرعاً بيع آجل وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال**" (الدر المختار مع الرد، باب السلم: ۷/ ۴۵۴)۔ اس طرح کی بیع بالاتفاق جائز ہے، حدیث میں ہے: "**عن ابن عباسؓ قال: قدم رسول اللهﷺ المدينة وهم يسلفون في الثمر السنة والسنتين والثلاثة فقال رسول اللهﷺ: من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم.**" (ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی السلف، مع البذل: ۴/ ۲۷۷، الترمذی وقال: حدیث حسن صحیح، کتاب البیوع، باب ما جاء فی السلف فی الطعام والثمر، رقم: ۱۲۹۶، البخاری، کتاب السلم، باب السلم فی کیل معلوم، رقم: ۲۲۳۹) (حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں وارد ہوئے تو لوگ پھلوں کی ایک سال، دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کیا کرتے تھے، پس آپ ﷺ نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا: جو بیع سلم کرے وہ متعین پیمانہ اور متعین وزن میں مقررہ مدت تک سلم کرے)۔

اس حدیث میں سلم کے جواز کے لئے دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، **ایک**: پیمانہ یا وزن سے مبیع کی مقدار کی تعیین، **دوسری**: تسلیم مبیع کی مدت کی تعیین، پھر فقہاء نے مبیع اور ثمن کی پوری وضاحت اور تعیین ہو جائے اور آئندہ کسی بکھیڑے کا اندیشہ نہ رہے اس لئے ان شرطوں کو پھیلایا تو وہ بڑھ گئیں، جو مختصراً یہ ہیں:

حنفیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم ایک ماہ ہو، نیز جنس مبیع وقت عقد سے وقت ادائیگی تک برابر بازار میں دستیاب رہے، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے، ورنہ " **بیع الکالی بالکالی** "لازم آئے گی جو ممنوع ہے۔" **وشرطه بیان جنس ونوع و صفة وقدر واجل واقله شهر وقدررأس المال وقبض رأس المال قبل الافتراق**......"(تنویرالابصار مع الدرالمختار فی ھامش الرد: باب السلم: ۷/ ۴۶۱-۴۶۴)۔

شافعیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہو، مگر اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہونا، نیز جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔

مالکیہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم پندرہ دن ہو، مگر جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ بالشرط تین دن تک اور بلا شرط تین دن سے زیادہ تاخیر کی گنجائش ہے۔

حنابلہ کے نزدیک: مبیع جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہو جو کم از کم ایک ماہ ہو، مگر جنس مبیع بوقت عقد بازار میں دستیاب ہونا ضروری نہیں، ثمن جنساً ونوعاً وصفۃً وقدراً متعین ہواور ثمن پر مجلس عقد ہی میں قبضہ کرلیا جائے۔

بیع سلم کے متعلق مذکورہ بالا فقہی تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے درختوں پر پھلوں کے آنے سے پہلے ان کی بیع کی مروجہ صورت پر غور کیا جائے تو اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صورت کسی بھی فقہی مسلک کے مطابق بیع سلم کے تحت داخل نہیں ہوتی اور صحیح نہیں قرار پاتی، چنانچہ:

حنفی مسلک کے مطابق: "**بیع الثمار قبل الظهور**" والی مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے، نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی جنس مبیع وقت عقد سے وقت ادائیگی تک برابر بازار میں دستیاب رہتی ہے، اسی طرح نہ ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

شافعی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق بھی یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

مالکی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے، پس اس مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

حنبلی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، پس اس مسلک کے مطابق بھی یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی۔

غرضیکہ چاروں فقہی مسالک کے مطابق: "بیع الثمار قبل الظهور" والی مروجہ صورت میں مبیع کی مقدار متعین نہیں ہوتی ہے، اس لئے چاروں مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہ ہوئی اور جائز نہ ہوئی؛ بلکہ مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین نہ ہونے کی وجہ سے صراحۃً نص: "**من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم**" کے خلاف ہوئی، اور مالکی مسلک کے علاوہ مابقیہ مسالک کے مطابق ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ نہ کئے جانے کی وجہ سے نص: "**ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي**" (رواہ الدارقطنی فی السنن: ۳/۲۶۹وابن ابی الشیبۃ عن ابن عمر والحاکم فی المستدرک: ۲/۵۷، رقم: ۲۳۰۲) کے خلاف بھی ہوئی، اس لئے اس شکل کو سلم میں داخل کرنے کی اور اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت تھانویؒ اس سلسلہ میں بہترین وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"خود ضرورت عامہ دلیل مستقل نہیں، جب تک کسی کلیہ شرعیہ میں وہ صورت داخل نہ ہو جیسا کہ عبارات مذکورۂ سوال میں صرف ضرورت کو جواز کے لئے کافی نہیں سمجھا، بلکہ ضرورت کو داعی قرار دیا کسی کلیہ میں داخل کرنے کا مثل الحاق بالسلم وغیرہ کے، اور بیع قبل ظہور الثمار میں یہ الحاق نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی دوسرا کلیہ بھی نہیں چلتا، **فلا يقاس أحدهما على الآخر**، اور سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ اگر "**اشتراط وجود مسلم فيه من وقت العقد إلى حلول الاجل**" سے قطع نظر کر کے شافعیؒ کا مذہب بھی لے لیا جاوے کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت الحلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ **اولاً:** مقدار ثمار کی متعین نہیں، **ثانیاً:** کوئی اجل معین نہیں، **ثالثاً:** اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ اول ہی سے بائع اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہو جاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر ہو اور خواہ نہ ہو، **رابعاً:** اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں، **خامساً:** اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہوسکتا" (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۱۰۵)۔

اور گنے کی خرید و فروخت کے معاملہ میں ضرورت کے مواقع میں مسلک شافعیؒ پر فتوی کی اجازت حضرت تھانوی قدس سرہ نے صرف میعاد مقرر پر پائے جانے کی شرط کے متعلق دی ہے اور بس، دیگر شرطوں کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے زیر بحث مسئلہ میں اس فتوی سے استدلال تام نہیں ہے، فتوی حسب ذیل ہے:

’’عقد سلم میں مبیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہیں پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الھدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کرلیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے‘‘ (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۱۰۶)۔

بلکہ ایک اور سوال کے جواب میں کم سے کم ایک ماہ کی اجل ومہلت کی شرط میں مسلک شافعیؒ پر عمل کی اجازت دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

’’سوال: یہاں یہ دستور ہے کہ بکر قصاب کو کچھ روپے پیشگی دیدیئے اور گوشت کے دام فی سیر ٹھہرا لئے، جو بازار کے نرخ سے کچھ کم ہوتا ہے، مثلاً: بازار میں ۴ سیر بکتا ہے، لیکن ۳ سیر ٹھہرا لیا اور گوشت آتا رہا، اس کی یادداشت رکھ لی اور ختم ماہ پر حساب کرلیا اور کمی بیشی پوری کر کے بے باقی کردی اور آئندہ ماہ کے لئے پھر نقد روپیہ دے دیا اور نیا معاہدہ بھاؤ کا کرلیا...... جواب: یہ معاملہ حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، اس لئے کہ جو کچھ پیشگی دیا گیا ہے وہ قرض ہے اور یہ رعایت قرض کے سبب کی ہے اور بیع سلم نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ اس میں کم سے کم مہلت ایک ماہ کی ہونی چاہئے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ اجل شرط نہیں، اس لئے سلم میں داخل ہوسکتا ہے؛ چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، لہذا امام شافعی کے قول پر عمل کی گنجائش ہے‘‘ (امداد الفتاوی، قدیم: ۳/۲۱)۔

گنے کے متعلق فتاوی رشیدیہ میں ہے: ’’رس کی بیع جو اس دیار میں ہوتی ہے یہ ہرگز درست نہیں، نہ بطور بیع کے کہ مبیع معدوم ہے اور نہ بطور سلم کے کہ وجود مسلم فیہ کا وقت عقد کے ضرور ہے، پس یہ معاملہ فاسد ہے،......‘‘ (فتاوی رشیدیہ: ۴۷۵)۔

اس سلسلہ میں مفتی رشید احمد صاحبؒ کا جو فتوی ہے وہ طویل ہے، ایک اقتباس جو اہم ہے وہ حسب ذیل ہے:

’’علامہ ابن عابدین نے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الاثمار بلکہ قبل بروز الازھار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالک کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں؛ بلکہ بیع الازھار ہے، اور یہ ازھار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے،...... حضرات فقہاء نے بیع الثمر قبل

انفراک الزھر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے،مگر خود بیع الزھر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، البتہ بیع قبل ظہور الازھار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا چارہ نہیں،اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں''(احسن الفتاوی:۶/۴۸۹)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ کے بیع قبل ظہور الاثمار والازہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر جواز کے اس تذکرہ کے متعلق مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی مندرجۂ ذیل وضاحتیں کافی شافی ہیں، لکھتے ہیں:

''میں نے اس مسئلہ میں ''احسن الفتاوی'' کی مراجعت کی ،اس میں امام مالکؒ کا مسلک اس حد تک مفید ہوسکتا ہے کہ ثمن تین دن کے اندر اندر ادا کر دیا جائے یا بلا شرط اس سے زیادہ تاخیر ہو،لیکن جہاں تک مقدار ثمر کی جہالت کا تعلق ہے،اس کے ساتھ تو عقد سلم کسی کے نزدیک جائز نہیں اور نص صریح:''**فلیسلم فی کیل معلوم أووزن معلوم**۔''میں بھی علم مقدار واجل شرط ہے،''احسن الفتاوی'' میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ؛اس لئے قابل تحمل ہے،لیکن مقدار مبیع کی جہالت کو تراضی طرفین کی وجہ سے قابل تحمل قرار دینا محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ جن عقود میں غرر شدید ہو، وہ تراضی طرفین سے بھی جائز نہیں ہوتے ،شریعت متعاقدین میں سے ہر ایک کے جائز مفاد کا تحفظ کرتی ہے؛خواہ وہ خود اپنے مفاد سے دستبردار ہوگیا ہو،لہذا ابھی تک احقر کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوا کہ یہ امر مقدار مبیع کے تعین کی منصوص شرط چھوڑنے کے لئے کافی ہے،اور علامہ شامی نے اس کو سلم قرار نہیں دیا؛ بلکہ ضرورت کی نظیر کے طور پر سلم کو ذکر فرمایا ہے؛البتہ جب ازھار کا ظہور ہوگیا تو ازھار کی بیع (من حیث الازھار) کی واقعی گنجائش معلوم ہوتی ہے اور اس کا ذکر تکملۃ فتح الملھم میں بھی کیا گیا ہے،اور خود فقہاء حنفیہ میں صاحب ہدایہ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، رہا شرط ترک کا معاملہ تو وہ بھی متعارف ہونے کی بنا پر جائز قرار دینے کی گنجائش موجود ہے،مگر ظہور ازھار سے پہلے اس کو سلم قرار دے کر جائز کہنے پر ابھی تک اطمینان نہیں ہوا۔''**و لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً**'' (فتاوی عثمانی:۳/۱۰۹-۱۱۰،نیز دیکھئے:تکملۃ فتح الملھم ،کتاب البیوع،باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحھا:۴/۲۵۵)۔

ایک اور قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ درخت پر پھل آنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت کو بیع سلم میں داخل کرنے کی صورت میں ایک اور خلاف شرع بات لازم آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی فقہاء کے یہاں بیع سلم کی صحت کی شرطوں کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کہ کسی معین کھیت،معین درخت یا معین باغ یا معین علاقہ کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں،اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ اس میں غرر ہے، جہالت کثیرہ ہے، قدرت علی التسلیم نہیں ہے، بہت ممکن ہے کہ اس درخت میں یا اس باغ میں،کھیت میں،اس چھوٹے گاؤں میں پیداوار ہی نہ ہو،پھل ہی نہ آئے یا بہت قلیل آئے ،پھر بائع کہاں سے لاکر

دے گا؟اور کس مبیع کے عوض مشتری کا مال لے لینا اس کے لئے درست ہوگا؟ پس یہ سلم صحیح کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:"**السلم......لایصح ...... فی برقریة بعینهاوتمرنخلة معینة إلاإذاکانت النسبة لثمرة اونخلةاوقریة لبیان الصفة لالتعیین الخارج۔**"(الدرالمختارمع الرد:باب السلم:۷/۴۶۰)۔

ابن نجیمؒ رقمطراز ہیں:"**لایصح السلم......فی برّقریة أو تمر نخلة معینة ای لایجوز لاحتمال أن یعتریهما آفة فلایقدر علی التسلیم وإلیه أشار ﷺ بقوله إن منع الله ثمرة هذاالبستان بم یستحل أحدکم مال أخیه فان معناه انه لایستحق بهذا البیع شیئا إن لم یخرج ذلک البستان شیئا فکان فی بیع ثمرة هذا البستان غررا لانفساخ فلایصح**"(البحرالرائق:۶/۲۶۵)۔

علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں:"**ولم یختلفوا ان السلم لایکون إلا فی الذمة وأنه لایکون فی معین**" (بدایۃ المجتهد: کتاب السلم،الباب الاول:۵/۹۲)۔روایات واحادیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے،ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی سے کھجور میں بیع سلم کی،تو یہودی کہنے لگا کہ فلاں شخص کے باغ کے کھجوروں لوں گا،آپ ﷺ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس باغ کے کھجور کا سودا نہیں؛ بلکہ متعینہ مقدار کا سودا رہے گا۔

علامہ ابن قدامہؒ نے اس سلسلہ میں اہل علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:"**ولایجوز أن یسلم فی ثمرة بستان بعینه ولاقریة صغیرة لکونه لایؤمن تلفه وانقطاعه قال ابن المنذر:ابطال السلم إذا أسلم فی ثمرة بستان بعینه کالاجماع من أهل العلم......قال:وروینا عن النبیﷺأنه أسلف إلیه رجل من الیهود دنانیر فی تمر مسمی فقال الیهودی:من تمرحائط بنی فلان فقال النبی:ﷺأما من حائط بنی فلان فلا و لکن کیل مسمی الی اجل مسمی**"(رواہ ابن ماجہ،کتاب التجارات،باب السلف فی کیل معلوم:۲/۷۶۶،المغنی لابن قدامہ،کتاب السلم:۶/۴۰۶)۔

علامہ سرخسیؒ وغیرہ نے بھی اس قسم کا واقعہ زید بن شعبہ یا زید بن سعنہ کے نام کے ساتھ ذکر کیا ہے،مزید یہ بھی کہا ہے کہ ایسے ہی موقع کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالی اس متعین باغ کا پھل روک دے تو پھر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لے گا؟ لکھتے ہیں:"**وفی هذا إشارة إلی المعنی وهوأن قدرة العاقد علی التسلیم عند وجودالتسلیم شرط لجوازالعقد ولایعلم قدرته علی التسلیم عندحلول الاجل إلابوجود الثمار فی تلک النخلة أوالحائط الذی عینه ووجودذلک موهوم وبالموهوم لاتثبت القدرة علی التسلیم ......**"(المبسوط للسرخسی کتاب البیوع،باب السلم:۱۵۵۷)۔

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے کہ دو آدمیوں نے کسی متعین درخت کے کھجور میں بیع سلم کا معاملہ کیا،اتفاق کہ

اس سال اس درخت پر پھل ہی نہیں آیا، دونوں نے حضور ﷺ کے سامنے صورت حال پیش کی، تو آپ نے بائع سے فرمایا کہ تم کس چیز کے عوض اس کا مال لے رہے ہو؟ اس کا مال واپس کرو، پھر اس طرح معاملہ کرنے سے منع فرمایا۔ "**عن ابن عمرؓ أن رجلا أسلف رجلا فی نخل فلم تخرج تلک السنة شیئا فاختصما إلی النبی ﷺ فقال: بما تستحل ماله؟ اردد علیه ماله ثم قال: لاتسلفوا فی النخل حتی یبدو صلاحه**" (ابوداؤد، کتاب البیوع، باب فی السلم فی ثمرۃ بعینھا مع البذل: ۴/۲۷۹)۔

ان عبارات و روایات سے معلوم ہوا کہ کسی معین کھیت، معین درخت یا معین باغ یا معین علاقہ کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اور ہمارے یہاں پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت کی جو مروجہ صورت ہے اس میں معین باغ اور معین درختوں کے پھلوں کا معاملہ ہوتا ہے، اس لئے اس خرید و فروخت کو بیع سلم میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، یہ صورت سلم صحیح کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا طویل بحث و تحقیق سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱): انسان کی غذائی ضرورتوں میں سے ایک اہم اور مفید چیز پھل ہیں، جن کی بڑے پیمانہ پر دنیا بھر میں خرید و فروخت ہو رہی ہے، باغات میں درختوں پر پھلوں کے وجود میں آنے سے پہلے بھی اور وجود میں آنے کے بعد بھی، درخت پر پھل موجود رہتے ہوئے بھی اور درخت سے اتار لئے جانے کے بعد بھی، ظاہر ہے کہ ان میں سب سے بہتر اور صحیح شکلیں جن میں نہ تو کسی قسم کے نزاع کا احتمال ہے اور نہ ہی ان کے شرعی جواز میں کوئی اختلاف ہے وہ یہ ہیں: **اول:** پھل درخت سے اتار لئے جانے کے بعد اس کی خرید و فروخت کی جائے، **دوم:** درخت پر پھل موجود ہوتے ہوئے بلا شرط ترک خرید و فروخت کی جائے اس وقت جب کہ پھل اپنی نشو و نما کی انتہاء کو پہونچ چکے ہوں یا کم از کم ان میں بدو صلاح ہو چکا ہو، یعنی پھل اس مرحلہ میں پہونچ چکے ہوں کہ بیماری اور آفت لگنے سے تلف ہونے کا اندیشہ ختم ہو کر انسانی استعمال کے قابل بن چکے ہوں۔

(۲): باغات میں پھلوں کی خرید و فروخت کی جو شکلیں ہمارے یہاں مروج ہیں ان کو شرعی جواز کے دائرہ میں لانے کے لئے بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، مگر چونکہ "**بیع الثمار قبل الظهور**" کی جو شکل ہمارے یہاں مروج ہے اس میں بعض متفق علیہ بلکہ منصوص شرطوں کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لئے اس شکل کو سلم میں داخل کرنے کی اور اس کے جواز کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی؛ بلکہ کسی بھی فقہی مسلک کے مطابق بیع سلم کے تحت داخل نہیں ہوتی اور صحیح نہیں قرار پاتی، چنانچہ **حنفی مسلک کے مطابق:** مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے، نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی جنس مبیع وقت عقد سے وقت ادائیگی تک برابر بازار میں دستیاب

رہتی ہے، اسی طرح نہ ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے۔

شافعی مسلک کے مطابق: مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، **مالکی مسلک کے مطابق:** مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے، اور **حنبلی مسلک کے مطابق:** مروجہ صورت میں نہ تو مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین ہوتی ہے اور نہ ہی ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ کیا جاتا ہے، **غرضیکہ چاروں فقہی مسالک کے مطابق:** مروجہ صورت میں مبیع کی مقدار متعین نہیں ہوتی ہے، اس لئے چاروں مسلک کے مطابق یہ صورت بیع سلم کی نہیں ہوئی اور جائز نہیں ہوئی، بلکہ مقدار متعین نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اس کی حوالگی کی کوئی اجل معین نہ ہونے کی وجہ سے صراحۃً نص: "**من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم**" کے خلاف ہوئی اور مالکی مسلک کے علاوہ مابقیہ مسالک کے مطابق ثمن پر مجلس عقد میں قبضہ نہ کئے جانے کی وجہ سے نص: "**ان رسول اللهﷺ نهى عن بيع الكالي بالكالي**" کے خلاف بھی ہوئی، اس لئے اس شکل کو سلم میں داخل کرنے کی اور اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے، اس کے علاوہ اس مروجہ صورت میں بیع سلم کے خلاف ایک اور بات پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ اس میں معین باغ اور معین درختوں کے پھلوں کا معاملہ ہوتا ہے؛ حالانکہ تقریباً تمام ہی فقہاء کے یہاں کسی معین درخت یا معین باغ کی پیداوار کی شرط لگانا بیع سلم میں جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے بھی یہ صورت سلم صحیح کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی ہے۔

الغرض باغات میں درخت پر پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کی جائے، ایک سال کے لئے یا چند سالوں کے لئے، جیسا کہ مروج ہے تو یہ صورت بیع سلم میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ بیع معاومہ اور بیع سنین کی منصوص ممانعت میں شامل ہوتی ہے؛ اس لئے یہ باتفاق ائمۂ اربعہ ناجائز ہے، پس اس سے احتراز ضروری ہے۔

البتہ مندرجۂ ذیل طریقوں سے اس کا جواز ہوسکتا ہے:

(الف): پھل آنے سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کا جو غیر صحیح معاملہ کیا گیا ہے پھل آجانے کے بعد اس معاملہ کی تجدید وتصحیح کر لی جائے یعنی بائع اور مشتری دونوں پہلی بیع کو فسخ کر کے اسی قیمت پر اس وقت بیع جدید وصحیح کر لیں۔

(ب): پھل آنے سے پہلے بیع نہ کی جائے؛ بلکہ متعین قیمت پر خریدنے کا صرف وعدہ کیا جائے، پھر پھل آجانے کے بعد حسب وعدہ بیع کر لی جائے۔

(ج): درخت پر پھل آنے سے پہلے بیع سلم کی صحت کی جو شرائط ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے معاملہ

کیا جائے، خاص طور پر یہ شرطیں: (۱) پھلوں کی مقدار متعین کی جائے۔(۲) بائع کے باغ میں جس جنس ونوعیت کے درخت ہوں اس جنس ونوعیت کوتو ذکر کیا جائے، مثلاً: آم کی فلاں قسم، مگر عقد کے وقت یہ نہ کہا جائے کہ اسی باغ کے آم کو خریدتا ہوں، بلکہ مطلق آم کا تذکرہ کیا جائے؛ چاہے پھر وہ آم بعد میں اسی باغ میں سے دیئے جائیں۔(۳) مبیع کی حوالگی کی کوئی اجل مقرر کی جائے۔(۴) ثمن مجلس عقد میں نقد ادا کر دیا جائے یا تین دن کے اندر اندر ادا کر دیا جائے؛ تاہم اگر تین سے زیادہ دنوں تک مؤجل رکھنا ہوتو عقد میں اس کی شرط وصراحت نہ کی جائے۔اس طرح مالکی مسلک کے مطابق یہ معاملہ بیع سلم میں داخل ہوکر صحیح ہوجائے گا۔

(د): صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً: ایک سال دوسال کے لئے زمین سمیت باغ کرایہ پر لیا جائے کہ اس سے جو نفع حاصل ہو وہ کرایہ دار کا ہو، نیز اس کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں جو کچھ چاہے بوکر فائدہ اٹھائے، مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہو، صرف وہ متعینہ کرایہ کا حقدار ہوگا، اس طرح زمین ٹھیکہ پر لینے کے بعد جو پھل آئے گا وہ پھل کرایہ دار کا ہوگا؛ البتہ زمین کے بغیر صرف درختوں کو ایک سال یا دوسال یا کم کے لئے اجارہ پر لینے دینے کا معاملہ نہ کیا جائے؛ کیوں کہ درختوں کا اجارہ درست نہیں ہے۔

(۳): جب باغ کے پھل معمولی سی شکل میں ظاہر ہوجائیں، یعنی مول (پھول) پھل میں تبدیل ہوجائیں، پھول کے اجزاء جمع ہوکر پھل بن جائیں، پہلے مرحلہ ہی میں ہو جس میں وہ جانور کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوتا، (أشار إلى أن **البروز بمعنى الظهور والمراد به انفراك الزهرعنها وانعقادها ثمرة ولو صغرت۔**" (ردالمحتار ۷/۸۵) اس وقت پھلوں کی اصالتہً بیع کی جائے، اس صورت میں اگر چہ عامۃ المشائخ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں ہوگی، مگر بعض مشائخ کے نزدیک یہ بیع درست ہوگی، قول جواز راجح ہے۔

(۴): جب باغ کے پھل معمولی سی شکل میں ظاہر ہوجائیں، یعنی مول (پھول) پھل میں تبدیل ہوجائیں، پھول کے اجزاء جمع ہوکر پھل بن جائیں، پہلے مرحلہ ہی میں ہو جس میں وہ جانور کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوتا، تب اصالتہً درخت کے اوراق کی بیع کی جائے اور تبعاً پھلوں کی بیع کی جائے، اس صورت میں بہ اتفاق مشائخ احناف یہ بیع درست ہوگی۔

(۵): جب پھل اس قدر ظاہر ہو چکے کہ وہ کم از کم جانوروں کے لئے قابل انتفاع بن گئے ہیں اس وقت بیع کی جائے، اس صورت میں بھی بہ اتفاق مشائخ احناف یہ بیع درست ہوگی۔

(۶): جب کچھ درختوں پر پھل ظاہر ہوجائیں اور کچھ درختوں پر ابھی ظاہر ہونا باقی ہوں، تب صرف موجودہ پھلوں کی بیع کی جائے، اس طرح کہ موجودہ پھلوں کو کچھ حصۂ ثمن کے عوض خرید لے اور مابقیہ پھل جب نکل آئیں تب ان کا باقی

ثمن کے عوض سودا کرلے، اس صورت میں بالاتفاق یہ بیع درست ہوگی۔

(۷): جب کچھ درختوں پر پھل ظاہر ہوجائیں اور کچھ درختوں پر ابھی ظاہر ہونا باقی ہوں تب صرف موجودہ پھلوں کی بیع کی جائے، اس طرح کہ موجودہ پھلوں کو کل ثمن کے عوض خرید لے اور بعد میں نکلنے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لئے مباح وحلال کردے، اس صورت میں بالاتفاق یہ بیع درست ہوگی۔

(۸): جب کچھ درختوں پر پھل ظاہر ہوجائیں اور کچھ درختوں پر ابھی ظاہر ہونا باقی ہوں تب موجودہ اور آئندہ سبھی پھلوں کی بیع کی جائے، اس صورت میں اگرچہ ظاہر الروایت کے مطابق بیع درست نہیں ہے، مگر بعض متاخرین فقہاء کے نزدیک موجود پھلوں میں اصلاً اور معدوم میں تبعاً بیع درست ہوگی، بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں، لیکن اگر ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک نوعیت کے درخت میں پھلوں کا آجانا دوسری نوعیت کے درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا؛ البتہ بہتر اور احوط یہ ہے کہ ایک نوعیت کے نصف سے زائد درختوں پر پھل آچکے ہوں اس کے بعد معاملہ کیا جائے، یا پھر اس قدر درختوں پر پھل آچکے ہوں جن کے بعد عام طور پر مابقیہ درختوں پر پھل کا آنا غالبی ہوجاتا ہے تب معاملہ کیا جائے؛ تاکہ غرر وخطر اور جہالت کم سے کم ہو، علامہ شامیؒ وغیرہ نے زمانہ کے تعامل اور ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کی رائے کو اپنانے کا رجحان ظاہر کیا ہے اور ہمارے بعض اکابر اصحاب فتاویٰؒ نے بھی اس کی گنجائش بیان کی ہے۔

فائدہ(۱): مذکورہ بالا صورتوں میں سے جن صورتوں میں پھل پکنے اور تیار ہونے تک پھلوں کو درخت پر ہی چھوڑے رکھنے کی ضرورت ہو ان میں بہتر تو یہی ہے کہ عقد کے وقت اس ترک علی الاشجار کی شرط وصراحت نہ کی جائے، مطلق عقد کیا جائے، پھر عقد کے بعد بائع اس ترک کی اجازت دیدے؛ لیکن اگر عقد کے وقت اس ترک کی صراحت کردی گئی تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، تعامل اور عرف ورواج کی وجہ سے یہ شرط درست قرار پائے گی اور معاملہ کے بعد پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا۔

فائدہ(۲): درختوں کو کرایہ پر لینے دینے کو فقہاء نے خلاف قیاس اور منع لکھا ہے اور اس طرح کے اجارہ کو باطل کہا ہے، اس لئے پھل خرید کر پھل پکنے کی مدت تک درخت کے اجارہ کا معاملہ بالکل نہ کیا جائے؛ تاہم اگر کسی خریدار نے پھل خریدنے کے بعد پھل پکنے تک کی مدت کے لئے درختوں کو کرایہ پر لے لیا تو اگرچہ یہ اجارہ باطل ہوگا اور اجرت بھی لازم نہیں ہوگی، مگر اس عمل کو مالکِ درخت کی طرف سے پھل درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت سمجھا جائے گا، اس لئے پھلوں کی جسامت اور قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے حلال اور طیب ہوگا۔

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی نذر توحید المظاہری☆

تمہید:

اللہ تعالی نے ہر انسان کو الگ الگ صلاحیتوں سے نوازا ہے، کوئی کاشتکار ہے تو کوئی صنعت کار ہے، کوئی ملازم پیشہ ہے تو کوئی تاجر ہے۔ ہر ایک کے پاس جملہ چیزیں مہیا نہیں ہوسکتیں، کسی کے پاس نقد ہے تو اس کو غلہ کی ضرورت ہوتی ہے، کسی کے پاس کھجور ہے تو اس کو گیہوں کی ضرورت ہوتی ہے، کوئی انگور کی کاشت کرتا ہے مگر اس کو چاول کی بھی ضرورت ہے، کسان کے پاس غلہ ہے مگر زمین جوتنے کے لئے بیل، بھینسا یا ٹریکٹر کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کسان تو غلہ کی کاشت کر کے غلہ حاصل کرتا ہے، بیل یا بھینسا یا ٹریکٹر کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ اسی طرح کسان کپاس بو کر روئی تو حاصل کرلیتا ہے مگر اس کو کپڑا کی ضرورت ہوتی ہے، کپڑا کیسے حاصل کرے گا؟ لہذا اگر غور وفکر کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کا محتاج ہے۔

ایسے مواقع پر غلہ دے کر نقد حاصل کرنا یا انگور دے کر کھجور حاصل کرنا اسی کو بیع کہتے ہیں۔ بیع کی بعض قسمیں شریعت مطہرہ کی نظر میں جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ صاحب درمختار وتنویر الابصار نے درمختار میں بیع کی یوں تعریف فرمائی ہے:

”مبادلة شئ مرغوب فيه على وجه مخصوص اى بايجاب أوتعاط...... وأما القول فالايجاب والقبول“ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۴/ ۵-۴)، اوراحب الفقہ علی المذاہب الاربعہ نے یوں تعریف فرمائی ہے: **”مقابلة شئ بشئ فمقابلة السلعة بالسلعة تسمى بيعالغةً كمقابلتها بالنقد ويقال لأحد المتقابلين مبيع وللآخر ثمن“** (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۱۴۰)، اور لغت میں لفظ بیع اضداد میں سے ہے: **”وهو من الأضداد ويستعمل متعديا وبمن للتاكيد وباللام“** (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۴/ ۴)، لفظ بیع خریدنے اور فروخت کرنے دونوں معانی میں مستعمل ہے، فقہاء احناف کی اصطلاح میں بیع کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے: اول خاص **”وهو بيع العين بالنقدين الذهب والفضة ونحوهما فإذا أطلق لفظ البيع لا ينصرف إلا هذا المعنى“**، دوم عام جو بارہ قسموں

☆ مہتمم وشیخ الحدیث: جامعہ رشید العلوم چترا، جھارکھنڈ۔

پر مشتمل ہے: اول جو خاص ہے اس عام کا ایک فرد ہے، اس تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

۱-بیع معاومہ کا مصداق:

احادیث نبویہ ﷺ میں رہنمائی موجود ہے کہ کون سی بیع جائز ہے اور کون سی ناجائز! انہی میں سے ایک بیع معاومہ ہے جس سے نبی پاک ﷺ نے منع فرمایا: "**عن جابر بن عبدالله قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة و المزابنة والمعاومة والمخابرة، قال أحدهما: بيع السنين هي المعاومة، و عن الثنيا و رخص في العرايا**" (رواہ مسلم: ۱۱/۲)، اور بخاری میں ایک روایت ہے: "**عن ابن عباس قال: قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون في الثمار السنتين والثلاث فقال: أسلفوا في الثمار في كيل معلوم إلى أجل معلوم......و قال: في كيل معلوم و وزن معلوم**" (رواہ البخاری: ۳۰۰/۱)، دونوں روایتوں کا خلاصہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے بیع کی چند قسموں سے منع فرمایا، اس میں محاقلہ، مزابنہ ومخابرہ، معاومہ اور ثنیا ہے، اور بیع عرایا کی اجازت دی۔ ممنوع بیوع میں سے معاومہ بھی ہے، اور حدیث پاک ہی میں چند سالوں کیلئے باغ و بہار کو فروخت کرنے کو معاومہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بخاری شریف کی روایت میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ دو سالوں و تین سالوں کے لئے باغ و بہار یعنی باغ کے پھل کو فروخت کیا کرتے تھے، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھلوں کی خرید و فروخت کیل یا وزن معین اور مدت معینہ تک کیا کرو۔ چند سالوں کیلئے باغ کے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا۔ علامہ سندھی نے تحریر فرمایا ہے: "**بيع الثمر سنين هو أن بيع ثمرة نخلة و نخلات بأعيانها سنتين أوثلاثا مثلا فإنه بيع شئ لاوجود له حال العقد**" (سندھی حاشیہ سنن نسائی ۱۹۱/۲)۔

اس روایت مبارکہ سے اخذ ہوتا ہے کہ بیع سلم کرنا جائز ہے۔ بیع سلم میں اشیاء کی بیع مقدار معلوم اور وقت معلوم تک کے لئے کی جاتی ہے؛ اس لئے اگر چند سالوں کے لئے معاملہ کرنا ہو تو بیع سلم کر لیا جائے، اس طرح فروخت کرنا جائز ہے مثلاً دو ہزار روپے کو نٹل آم، سیب، ناشپاتی، کھجور، انار، وغیرہ بیچتا ہوں اور فلاں ماہ کی فلاں تاریخ میں ادا کر دوں گا، یہ صورت جائز ہے، اور سلم کے تمام شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے معاملہ کیا جائے تو جائز ہوگا۔

ایک اشکال ہوتا ہے کہ احناف کے یہاں مسلم فیہ کا وقت عقد سے وقت اداء تک پایا جانا ضروری ہے تو اس زمانہ میں یہ اعتراض ہی بے سود ہے۔ اس وقت ہر پھل ہر موسم میں اور ہر زمانہ میں دستیاب ہیں، یا کولڈ اسٹوریج کی برکت کہئے یا بارہ مہینے پھل آنے والے درخت اس وقت دستیاب ہیں، اس لئے یہ اعتراض ہی بے سود ہے۔ یا اسکو تسلیم بھی کئے لیتے ہیں کہ مسلم فیہ وقت عقد موجود نہیں تو حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسلم فیہ کا وقت عقد ہونا ضروری نہیں ہے، تو ہم اس مسئلہ میں

استفادہ کریں گے اور ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کیوجہ سے فتوی بمذھب الغیر یا فتوی علی خلاف ظاہر المذ ہب جائز ہے؛ اس لئے یہاں پر فتوی حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر دیں گے اور اسکو جائز رکھیں گے، یعنی سلم کے ساتھ الحاق کر کے جواز کا فتوی دیا جائیگا، اب یہ معاملہ بیع سلم کے قواعد کے مطابق کیا جائے اور سلم کی شرائط کی رعایت کی جائے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے جواز و عدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات یہ ہیں:

"قال المحقق ابن الهمام فی فتح القدیر: لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر ولا عدم جوازه بعد الظهور قبل الصلاح بشرط الترک ولا فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به ولا فی الجواز بعد بدو الصلاح لکن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد و عند الشافعی هو ظهور النضج و بدو الحلاوة والخلاف انما هو فی بیعها قبل بدو الصلاح علی الخلاف فی معناه لابشرط القطع فعند الشافعی ومالک وأحمد لایجوز۔

وعندنا إن کان بحال لا ینتفع به فی الأکل ولا فی علف الدواب فیه خلاف بین المشائخ قیل لایجوز ونسبه قاضیخان لعامة مشائخنا والصحیح أنه یجوز لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعا به فی الحال........والحیلة فی جوازه باتفاق المشائخ أن یبیع الکمثری اول ما تخرج مع أوراق الشجر فیجوز فیها تبعا للأوراق کأنه ورق کله وإن کان بحیث ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق أهل المذهب اذا باع بشرط القطع أو مطلقا" (فتح القدیر شرح ہدایہ ۵/ ۴۸۹، اسی عبارت کو رد المحتار علی درمختار شرح تنویر الابصار ۴/ ۴۲ کے حوالہ سے مولانا احمد علی محدثؒ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں نقل فرمایا ہے، بخاری: ۱/ ۲۹۱)۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ پھل آنے سے پہلے پھل کی بیع کا عدم جواز بالاتفاق ہے۔

۲۔ پھل آنے کے بعد بدو صلاح سے پہلے بشرط ترک علی الاشجار بالاتفاق ناجائز ہے۔

۳۔ پھل آنے کے بعد بدو صلاح سے پہلے بشرط قطع (توڑنے) بالاتفاق جائز ہے۔

۴۔ بدو صلاح کے بعد بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

۵۔ بدو صلاح سے پہلے حضرت امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک (توڑنے کی شرط کے علاوہ) ناجائز ہے۔

۶۔ بدو صلاح سے پہلے اس حالت میں ہو کہ اس کو کھانے کا فائدہ حاصل نہ ہو اور نہ جانوروں کے چارہ میں کام آئے، احناف کے مشائخ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے؛ مگر علامہ قاضی خان عام مشائخ کی طرف

نسبت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور یہ صحیح قول ہے؛ اس لئے کہ دوسری حالت میں اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اگر چہ فی الحال فائدہ نہ حاصل ہو۔

باتفاق علماء مشائخ احناف حیلہ کیا جائے کہ اس وقت کمثری کو فروخت کیا جائے اسکے پتوں کے ساتھ تو یہ پھل منجر پتوں کے تابع کر کے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

اور اگر کسی طرح فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہو گرچہ جانوروں کے چارہ کے طور پر استعمال کیا جائے، یہ بالاتفاق جائز ہے اگر فروخت کیا جائے توڑنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقا۔

اسی طرح ردالمحتار اور فتح القدیر کی عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اگر کچھ پھل آگئے ہوں اور کچھ نہیں تو ظاہر مذہب میں ناجائز ہے۔ اگر مطلقاً خریدا ہو اور کچھ پھل آگئے قبضہ سے پہلے تو بیع فاسد ہے، اور قبضہ کے بعد کچھ پھل آئے تو بائع اور مشتری شریک ہوں گے تو بیع کے وقت جو پھل موجود تھا اس میں بیع جائز ہے، اور حلوانی کے نزدیک تمام میں بیع جائز ہے، اور یہ امام فضلی سے بھی منقول ہے۔ اس کو بھی گلاب کے پھول کے ساتھ لاحق کیا جائے۔

۲۔ گلاب کا پھول بیک وقت نہیں آتا ہے، اگر موجود کو دیکھتے ہوئے بیع کر لی جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

۳۔ زیلعیؒ اور امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، اور ایک طریقہ بتلاتے ہیں کہ پوری قیمت کے ساتھ بعض پھل کو خرید لے اور بائع مباح کردے تمام کو تو یہ جائز ہے۔

۴۔ اللہ کے نبی ﷺ نے معدوم چیز کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور بیع سلم میں ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں: فی زماننا خصوصا دمشق وشام میں جہل کے غلبہ کی وجہ سے بہت سارے درخت و پھل فروخت ہو رہے ہیں (یہی حال ہندوستان کا ہے یہاں بھی فروخت ہو رہے ہیں) تو ضرورت کی وجہ سے ان بیوع کو سلم کے ساتھ دلالتہً لاحق کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس طرح کی بیع جائز ہوگی استحساناً، اور یہی امام محمدؒ سے روایت ہے۔

۵۔ اگر پھل زیادہ ہوں تو اس وقت بیع امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے فاسد نہیں ہے۔

۶۔ اگر پھل پک گئے ہوں، متعارف یہی ہے، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کا قول یہی ہے عموم بلوی کی وجہ سے، بحر کی عبارت ''اسرار'' کے حوالے سے ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے اور منتقی میں

امام ابو یوسفؒ کو بھی امام محمدؒ کے ساتھ قرار دیا ہے اور تحفہ میں ہے کہ حضرات صاحبین کا قول صحیح ہے۔

۷۔اگر درخت پر ترک پھل کی شرط سے بیچا اور بائع کی رضامندی ہو تو صاحبین کے نزدیک بیع فاسد ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

۸۔امام محمدؒ کے نزدیک بعض پھل کا بدو صلاح ہو گیا اور بعض قریب البدو ہو تو بیع فاسد نہ ہوگی اور فتوی اسی پر ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۴؍۴۴، فتح القدیر ۵؍۴۹۰)۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پھلوں کی بیع کرنا قبل بدو الصلاح یا بعد بدو الصلاح کی چھ صورتیں ہیں:

۱-فروخت کرنا قطع کی شرط کے ساتھ، ۲-درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ، ۳-مطلقاً بیع کرنا یعنی کوئی شرط نہ ہو۔ پھر تینوں صورتوں کے اندر دو دو احتمال ہے: ۱۔قبل بدو الصلاح، ۲۔ بعد بدو الصلاح یعنی: ۱۔قبل بدو الصلاح بشرط قطع، ۲۔قبل بدو الصلاح بشرط بقاء، ۳۔قبل بدو الصلاح مطلقا، ۴۔ بعد بدو الصلاح بشرط قطع، ۵۔ بعد بدو الصلاح بشرط بقاء، ۶۔ بعد بدو الصلاح مطلقا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ۴ سے ۶ یعنی اخیر کی تین صورتوں کی بیع جائز ہے، اور (۱) سے (۳) تک یعنی اول کی تین صورتوں میں بیع جائز نہیں ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قطع کی شرط کے ساتھ قبل بدو الصلاح ہو یا بعد البدو یعنی (۱) اور (۴) جائز ہے، اور اسی طرح مطلقاً کی دو صورتیں (۳) اور (۶) جائز ہے، اور ابقاء کی شرط کے ساتھ یعنی (۲) اور (۵) ناجائز ہے۔ احادیث مبارکہ میں قبل البدو بیع کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، ان احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ احادیث نہی دو وجہوں سے معمول بہ نہیں ہے: اول یہ کہ بیع حدیث میں مذکور ہے بیع سلم کے ذیل میں نہ کہ بیع مطلق کے ذیل میں، اور واجب ہے بدو صلاح ہمارے نزدیک، یعنی معقود علیہ کا سلم میں موجود ہونا بازاروں میں حالت عقد سے وقت اداء تک، اور اس سلسلہ کی روایت صحیحین میں موجود ہے؛ چونکہ نبی پاک ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں کو سال دو سال کیلئے باغات کو فروخت کرتے ہوئے پایا تو اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: وقت متعینہ تک کیل متعین، عدد متعین اور وزن متعین کے ساتھ بیع کرو، تو بدو صلاح فی السلم شرط ہے، احادیث ساکتہ محمول کئے جائیں گے ناطقہ پر، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بیع مطلق ہے لیکن بشرط القطع، اور قبل البدو کی بیع سے شفقتاً منع فرمایا ہے۔ حدیث نہی محمول ہے مطلق بیع پر نہ کہ بشرط القطع پر، بشرط القطع نادر ہے، اور بشرط ابقاء سے عامۃً حدیث خالی ہے، تو اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ بیع مطلقا ہو تو جائز ہے قبل البدو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے

نزدیک۔ بیع مطلقاً ذکر کیا ہے، ہدایہ میں جائز ہے، ابن عابدین نے اعتراض کیا ہے۔ معروف بالعرف مثل میں مشروط ہے اس لئے بیع مطلقاً درست نہ ہوگی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس مسئلہ میں متردد تھا کہ میں نے فتاوی ابن تیمیہ میں دیکھا کہ ابوحنیفہ اور ثوری سے بیع کو مطلقاً جائز لکھا ہے، اور جب بائع اجازت دیدے درختوں پر چھوڑنے کا تو یہ اجازت ہے، اجازت سے ترک ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب صلب عقد میں ابقاء کی شرط نہ ہو اگرچہ معروف ہو عرف کی وجہ سے، تب بھی یہ بیع جائز ہوگی (العرف الشذی علی جامع الترمذی ۲/ ۲۳۴)۔

گویا چھ صورتوں میں سے دو صورتیں ناجائز ہیں یعنی قبل بدو الصلاح و بعد بدو الصلاح بشرط الابقاء۔ اگر ان کو بھی بیع سلم کے زمرہ میں شامل کرلیا جائے تو یہ بھی جائز ہوجائیگا؛ مگر بیع سلم کی شرائط کا وجود ضروری ہے، اور وزن معین اور عدد معین کی بیع کی جائے وقت معین تک تو جائز ہوگا۔ رہی یہ بات کہ معقود علیہ کا وقت عقد سے وقت اداء تک بازاروں موجود رہنا بیع سلم میں عند الاحناف شرط ہے تو فی زمانناکولڈ اسٹوریج یا بارہ ماسیا (ہمیشہ بارہوں مہینہ) پھل دینے والے درخت موجود ہیں اس کی وجہ سے مسلم فیہ ہر وقت موجود ہے؛ اس لئے بیع سلم جائز ہوگا۔ ارخاء عنان کے طور پر یہ بات تسلیم کئے دیتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے؛ اس لئے عموم بلوی وضرورت ناس کی وجہ سے حضرت امام شافعی کے قول پر فتوی دیا جائے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے عبارت نقل فرما کر روایات بالا سے امور ذیل مستفاد کئے ہیں:

۱۔ پھل جب تک نہ آوے اسکی بیع مطلقاً ناجائز ہے، اور حیلہ سلم کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے۔

۲۔ پھل نکل آنے کے بعد بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً جائز ہے ورنہ اختلافاً۔

۳۔ اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اسکو امام فضلیؒ نے جائز کہا ہے۔

۴۔ بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر رہنے دینے کی اجازت دیدی صراحۃً یا دلالۃً تو پھل حلال رہے گا۔

۵۔ اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔

۶۔ جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہونے کے بعد بیع درست ہے۔

۷۔ اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہوجانا کافی ہے اگرچہ احکام مذکورہ میں سے

بعض میں اختلاف بھی ہے مگر ابتلائے عام میں گنجائش ہے (امدادالفتاوی ۳/۱۰۲)۔

حضرت تھانویؒ نے پہلی صورت یعنی پھل نہ آئے تو اس صورت میں بیع کو ناجائز لکھا، اور بیع سلم کے عدم جریان کی وجہ لکھی ہے؛ مگر حضرت تھانویؒ نے ''امدادالفتاوی'' میں ایک استفتاء کا جواب گنا کے رس کے سلسلہ میں دیا ہے جبکہ وقت عقد وہ موجود نہیں اسکے جواز کا حکم لکھا ہے ابتلاء عام کی وجہ سے؛ لہذا وہی ضرورت داعی ہے اسلئے اسکو جائز کہا جائے اور اسکو بیع سلم کے زمرہ میں شامل کر کے سلم کے شرائط کے مطابق معاملہ کیا جائے۔

(سوال ۱۳۲) ۔آج کل یہ دستور ہو گیا ہے کہ پیداوار ا یکھ (گنا) یعنی رس کا معاملہ خرید ایسے وقت ہو جاتا ہے کہ کہیں ا یکھ بوئی نہیں جاتی ہے، کہیں کچھ بوئی جاتی ہے، اگر نہیں خریدی جائے تو عین وقت پر جب کہ رس تیار ہو ملتی ہی نہیں ہے، اس صورت میں خریداری کھنڈ سال کی اجازت ہو سکتی ہے، یا نہیں، اگر اجازت نہ ہو تو غالباً کھنڈ سال ہی نہ ہو یا بہت ہی زائد قیمت دینے پر شاید ملے۔

الجواب۔ عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا؛ لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے کذا فی الہدایہ۔ تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے (امدادالفتاوی ۳/۱۰۶)، تو حضرت تھانویؒ نے بوقت ضرورت اور ابتلاء عام کی وجہ سے بیع سلم کے ساتھ الحاق کی گنجائش دی ہے اس لئے لاحق کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے عبارات کو نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے، اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کر لے اسکی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ نے بروز البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلاء عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دیکر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورت شدیدہ وابتلاء عام یہاں بھی ہے جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا۔ فلیتامل

۲۔ پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

۳۔ حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اسکی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

۴۔ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

۵۔ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں شبہ ہوسکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑ نا متعارف ہے تو المعروف کالمشروط کے تحت یہ بیع جائز ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعۃ ہے اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعہ نہیں (احسن الفتاوی ۶/۴۸۶)، نیز ایک سوال وجواب بھی نقل کیا جاتا ہے:

سوال۔ باغوں کے پھل کی بیع جبکہ بور میں پھل اس قدر نکلا ہو کہ کالی مرچ یا چنے کے برابر ہو تو اسے قابل انتفاع کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے وقت میں اسکی بیع درست ہے یا نہیں؟ نیز پھل یک لخت نہیں نکلتے مثلاً کیلا تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے اسکی بیع کب درست ہوگی؟ اگر جائز نہیں تو جواز کے لئے کوئی حیلہ کارگر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سے قبل آنجناب سے استفتاء کیا گیا تھا مگر جواب مختصر ہونے کی وجہ سے خلجان دور نہیں ہوا۔ مقامی علماء میں مسئلہ کے جواز وعدم جواز میں اختلاف چل رہا ہے، عنقریب فریقین کے دلائل آپ کے پاس بھی آئیں گے۔ امید ہے کہ قدرے تفصیل سے بیان فرمائیں گے۔ بینوا توجرو۔

الجواب باسم ملھم الصواب: اس معاملہ میں ابتلاء عام اور اس سے احتراز کے تعسر بلکہ تعذر کے پیش نظر اہل فتوی پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما کر اسکا کوئی حل نکالیں۔

بعض اہل تقوی آم سے پرہیز فرماتے ہیں مگر اس پرہیز سے عامۃ المسلمین کے لئے تو کیا سبیل نکلتی ہے خود ان کے لئے بھی کارآمد نہیں؛ اس لئے کہ معاملہ صرف آم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس کے ترک سے تقوی محفوظ رہے، بلکہ سب پھلوں کی بیع میں یہی دستور ہے، بالخصوص کیلے کا مسئلہ تو اور بھی کٹھن ہے؛ اس لئے کہ اس کے تو بہت سے پودے ہی بیع کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ایسی صورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذھب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے؛ بلکہ بعض مواقع میں عمل بمذھب الغیر واجب ہوجاتا ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالی ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دیکر جواز کا فتوی تحریر فرمایا ہے۔

التحریر المختار میں علامہ رافعیؒ نے بھی علامہ ابن عابدینؒ کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے مگر حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی'' میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

ا۔ وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔

۲۔مقدار ثمار متعین نہیں۔ ۳۔کوئی اجل متعین نہیں۔

۴۔اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔ ۵۔اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

۶۔اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اول کا جواب تو خود حضرت تھانویؒ نے ہی تحریر فرما دیا ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں۔

ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جہالت مفضیہ الی المنازعۃ ہے مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا۔"**فارتفع الفساد لارتفاع العلة كما قالوا في اشتراط الآلة على الاجير والصبغ على الصباغ والخيط على الخياط**"۔

اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالکؒ کے ہاں تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتہد ۲۰۲/، اقرب المسالک مع الشرح الصغیر ۲۶۲/۳)۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں؛ اس لئے مسئلہ زیر بحث میں قول مالکؒ اختیار کرنا چاہئے للزوم التلفیق علی اختیار الشافعیؒ۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تاخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی یہ تدبیر کر سکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں تو بائع ہی سے قرض لیکر اسکو بطور ثمن واپس کردے۔

یہ تدبیر متعاقدین کے فائدہ کے لئے لکھ دی ہے ورنہ عوام پر یہ تجسس و تحقیق لازم نہیں؛ بلکہ یہ تعمق جائز ہی نہیں کہ باغ کی بیع مطلق ہوئی ہے یا بشرط تاخیر ثمن؟ پھر شرط تاخیر تین روز تک ہے یا اس سے زائد۔

لیکن جہاں بدون تجسس تین روز سے زائد شرط تاخیر محقق ہوجائے یا اس کا دستور عام معروف ہوجائے وہاں احتراز لازم ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے ابتلاء عام وضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کی بحث میں لکھی ہے؛ مگر پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازھار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالکؒ کے مطابق اسکو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائیگا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اوراس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہوتو کوئی اشکال ہی نہیں، اوراگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہوتو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار'' مال ینتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس'' بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہوتو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے۔''**کما نقل ابن عابدین عن الامام الهمام في صحة بيع الثمار بعد البروز قبل ان تكون منتفعا به**''(ردالمحتار ۴/۴۲)۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بیع قبل انفراک الزھر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے مگر خود بیع الزھر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ بیع قبل ظہور الازھار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں۔ کیلے کے باغ کی بیع اس لئے جائز ہے کہ یہ بیع الاشجار مع الاصول ہوتی ہے، لہٰذا بیع کے بعد پیدا ہونے والے درخت مشتری کی ملک ہیں، اگر اس بیع میں مدت متعینہ کے بعد ترک الاصول للبائع مشروط ہوتو یہ بیع فاسد ہوگی۔

''**وهو يثبت ملک المشترى بعد القبض فيحل أكله للمشترى الثانى**''، اس سے بہتر حل یہ ہے کہ بیع الاشجار بدون الاصول ہے، اشجار موجودہ کی بیع میں کوئی کلام نہیں اور اشجار غیر موجودہ کی بیع ببیع الاشجار الموجودہ درست ہے۔**وله نظائر فى كتب المذهب خصوصاً فى مبحث الاثمار والازهار من رد المحتار**۔

بحث مذکور میں اس شبہ کا جواب ہو چکا یعنی یہ شرط الی النزاع ہونے کی وجہ سے مفسد تھی؛ مگر عرف عام سے احتمال نزاع منقطع ہوگیا،'' **فارتفع الفساد وانظر تفصيله فى إجارات كتب المذهب فاغتنم هذا التحرير الفريد و تشكر واياک والتعمق فى الدين افتحام الضايق ولن يشاد الدين أحد إلاغلبة**''(احسن الفتاوی ۶/۴۹۰)۔

خلاصہ:

بشرط القطع یا مطلقا بعد بدو صلاح بیع کی جائے تو بیع درست ہے۔

بعد بدو الصلاح بشرط الابقاء یہ درست نہیں ہے مگر بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز کہا جائے۔

بیع ثمار قبل بدو الصلاح بشرط القطع ومطلقا جائز ہے۔

بیع ثمار قبل بدو الصلاح بشرط الابقاء جائز نہیں ہے؛ مگر بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز کہا جائے۔

بیع قبل ظہور الازھار بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں تقریباً تمام کتب احادیث میں روایات موجود ہیں۔ بخاری شریف میں متعدد روایات منقول ہیں (۱/ ۲۹۲)۔ اسی طرح

مسلم ۲/ ۱۲، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، مشکوۃ شریف، اعلاء السنن گویا تمام ہی کتب احادیث میں قبل بدوصلاح ثمر کی بیع سے اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے اور کتب فقہ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جب پھل زرد و سرخ ہوجائے، پکنے کے قریب ہوجائے تو اسکو بدوصلاح کہتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدوصلاح یعنی آندھی، سردی، آفات، مرض لگنے سے محفوظ ہوجائے اسکو بدوصلاح کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے حضرت امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب ذکر کردینے سے مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

"باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، قال الليث عن أبی الزناد كان عروة بن الزبير يحدّث عن سهل بن أبی حثمة الانصاری من بنی حارثة أنه حدّثه عن زيد بن ثابت قال: كان الناس فی عهد رسول الله ﷺ يتبايعون الثمار فإذا جدّ الناس وحضر تقاضيهم قال المبتا ع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، أصابه قشام،عاهات يحتجون بها فقال رسول الله ﷺ لما كثرت عنده الخصومة فی ذلک: فإما لا، يتابيعوا حتى يبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم، وأخبرنی خارجة بن زيد بن ثابت أن زيد بن ثابت لم يكن يبيع ثمار أرضه حتى تطلع الثريا فيتبيّن الأصفر من الأحمر " (بخاری ۱/ ۲۹۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ لیث بن سعد سند متصل کے ساتھ حضرت زید بن ثابت سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں لوگ پھلوں کی خرید و فروخت کرتے جو درختوں پر لگے ہوتے، اور جب کاٹنے و توڑنے کا وقت آتا تو مشتری یہ کہتے: پھل کالا ہوگیا، بیماری لگ گئی، پکنے سے پہلے ٹھٹھر گیا وغیرہ یعنی چند آفتوں کا تذکرہ کرتے اور جھگڑتے، اس لئے کہ قیمت کم دینی پڑے گی، آقا مولی ﷺ کے پاس اس طرح کے جھگڑے قضیے بہت آنے لگے تو اللہ کے نبی ﷺ نے بطور مشورہ یہ فرمایا کہ بدوصلاح سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو مت فروخت کرو؛ تاکہ جھگڑے ختم ہوجائیں۔ اس مشورہ کے بعد حضرت زید بن ثابت اپنے باغ کا پھل ثریا تارا نکل آنے کے بعد یعنی زردی سرخی سے نمایاں ہونے کے بعد فروخت کرتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بطور مشورہ یہ حکم دیا تھا بطور تشریع نہیں؛ اس لئے کہ قبل بدوالصلاح کے مسئلہ میں زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں، جہاں مفضی الی المنازعۃ نہ ہو جیسا کہ تعامل ہے تو قبل بدوصلاح بھی بیع جائز ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ کے اس باب پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے حاشیہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ بیع الثمار قبل البدو پر کوئی حتمی حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے؛ چونکہ اس میں قوی اختلافات ہیں۔ابن ابی لیلی اور ثوری نے مطلقاً عدم جواز کا حکم لگایا ہے اور اجماع کہا مگر یہ وہم ہے، اور یزید بن حبیب نے مطلقاً جائز کہا ہے اور یہ ابقاء کی شرط کے ساتھ بھی ہو اور اجماع نقل کیا ہے یہ بھی وھم ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ اگر قطع کی شرط لگایا ہو تو باطل نہیں ہوگا ورنہ باطل ہوجائیگا، اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ بیع ثمار اگر کچھ نہ ہو تو ناجائز ہے۔بعضوں نے کہا یہ حکم اپنے ظاہر پر ہے لیکن یہ نہی تنزیہی ہے (حاشیہ بخاری ۱/ ۲۹۲)۔

۴۔(الف): پھل آنے سے پہلے فروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل یا آئندہ سالوں کے بھی ہوں۔اس سلسلہ میں ماقبل میں تفصیل کے ساتھ روایات اور فقہاء کی عبارات سے واضح ہو چکا ہے کہ اس صورت میں بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے ضرورت شدیدہ وابتلاء عام کی وجہ سے جائز ہوگا۔

(ب) باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے ہوں اور کچھ درختوں میں نہیں آئے۔ماقبل فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہو چکا ہے، یہ صورت بھی جائز ہے۔

(ج) پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔ماقبل میں بات آچکی ہے کہ کم از کم جانوروں کیلئے قابل انتفاع ہوسکتا ہے اسلئے یہ بھی جائز ہے۔

۵۔(الف): فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل توڑ لے گا، ماقبل کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ جائز ہے۔

(ب) طے پایا کہ پھل تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا، ماقبل کی عبارتوں سے واضح ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے۔اس طرح کا معاملہ نہ کیا جائے؛ مگر بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز کہا جائے، اگر یہ بھی نہ ہو تو متعارف بین التجار ہوگیا ہے اس لئے اس کو جائز کہا جائے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۱۲۴ مفتی تقی عثمانی)۔

(ج) نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی یعنی پھل مطلقاً خریدا گیا ہو اور بعد میں بائع کی اجازت سے رہنے دے تو یہ صورت جائز ہے۔

۶۔ خریدار پھل خریدلے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لے لے، اس کی گنجائش نہیں ہے؛ چونکہ اس کا چلن نہیں ہے؛ البتہ اجازت باقی رہنے کی وجہ سے جو پھل ہوگا وہ جائز ہوگا۔

”إن استأجر الشجر إلى وقت الادراک بطلت الإجارة طابت الزيادة لبقاء الاذن “(درمختار علی رد المحتار ۴/ ۴۴)،”ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلايجوز كذا لو استأجر أشجارا ليجفف عليها ثيابه

لايجوز وذكره الكرخي إذا بطلت بقي الإذن معتبرا فيطيب "(فتح القدیر ۵/ ۴۹۰، ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/ ۴۴)۔

۷- امرود کی بیع، کیلا کی بیع، گلاب کی بیع کا حکم ماقبل میں آچکا ہے کہ جائز ہے، یا ایسا درخت جسکا پھل یکبارگی نہ آتا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

۸- بیع سلم کی شرطوں سے متعلق باتیں ماقبل میں سوال ۲ و ۳ کے ذیل میں آچکی ہیں، ضرورت شدیدہ وابتلاء عام کی وجہ سے بدوصلاح قبل وبعد بیع سنین وثلث سنین وغیرہ جو اس ذیل میں نہ آتے ہوں ان کو بیع سلم کے ساتھ لاحق کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل

مولانا روح اللہ قاسمی☆

۱- شریعت اسلامی نے دیگر امور کی طرح خرید وفروخت کے معاملات میں بھی اعتدال اور توازن کو قائم کیا اور اس کی پوری وضاحت کی کہ خرید وفروخت کا کونسا معاملہ کیا جاسکتا ہے اور کونسا نہیں کیا جاسکتا۔ جن معاملات کے کرنے سے شرعاً روکا گیا ان میں ایک بیع معاومہ ہے جس کا دوسرا نام بیع سنین ہے۔

دونوں طرح کے الفاظ روایت میں آئے ہیں، بعض میں معاومہ کا لفظ آیا ہے اور بعض میں بیع سنین کا؛ چنانچہ مسلم میں "**باب النهی عن المحاقلة والمزابنة**" کے تحت، ابوداؤد میں "**باب فی بیع السنین**" اور "**باب فی المخابرة**" کے تحت، ترمذی میں "**باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة**" کے تحت، نسائی میں "**النهی عن بیع الثنیا**" کے تحت، اسی طرح مسند احمد بن حنبل، صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، جس میں ''معاومہ'' کا لفظ آیا ہے، جبکہ ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ کے علاوہ مذکورہ تمام کتابوں میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ہی روایت ہے جس میں ''بیع السنین'' کا لفظ وارد ہے؛ بلکہ ایک ہی روایت میں ایک راوی نے ''بیع المعاومہ'' کا ذکر کیا ہے تو دوسرے نے ''بیع السنین'' کا (دیکھئے: صحیح مسلم: البیوع، باب کراء الارض، ابوداؤد: البیوع، باب فی بیع السنین، نسائی: البیوع، بیع السنین، مسند احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبداللہ، صحیح ابن حبان، باب البیع المنھی عنہ)۔

دونوں الفاظ سے ایک ہی بیع مراد ہے، چنانچہ امام مسلمؒ نے جو باب قائم کیا ہے اس میں انہوں نے بیع المعاومہ کی وضاحت بیع سنین سے کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے بہت سے بزرگوں نے مثلا علامہ احمد بن محمد خطابی البستیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) نے معالم السنن میں اور علامہ حسین بن مسعود بغویؒ (المتوفی ۵۱۶ھ) نے شرح السنۃ میں لکھا: "**المعاومة فهی بیع السنین**" (معالم السنن، البیوع، من باب بیع السنین ۹۷/۳، شرح السنۃ، البیوع، باب النھی عن المزابنۃ والمحاقلۃ ۸۵/۸)۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی مالکیؒ (المتوفی ۶۵۶ھ) نے المفہم میں لکھا ہے: "**وهو المعبر عنها باللفظ الآخر بیع السنین**" (المفہم ۴۰۳/۴، دار ابن کثیر دمشق)، اسی طرح حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) کی بذل المجہود میں

☆ مدرسہ فلاح المسلمین، مدھوبنی، بہار۔

ہے:" نهی عن بیع السنین بکسر السین جمع السنة بفتحها وهی بیع المعاومة"(بذل المجهود ۱۵/ ۳۴، البیوع، باب فی بیع السنین)۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے تکملہ میں لکھا ہے:"والمعاومة وبیع السنین معناهما واحد"(تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۴۱۰، باب النہی عن المحاقلۃ...)۔

معاومہ ’’عام‘‘ سے باب مفاعلت کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں کسی سے ایک سال کا معاملہ کرنا۔ بیع معاومہ یا بیع سنین کی تشریح میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ متعینہ درخت وباغات کے پھلوں کو ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے فروخت کرنا بیع معاومہ کہلاتا ہے، نیز اس کے بطلان وعدم جواز پر بھی سبھوں کا اتفاق ہے؛ کیونکہ جب ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے پھلوں کی بیع کی جائیگی تو ممکن ہے کہ سال رواں درخت پر پھل موجود ہوں؛ مگر آئندہ سالوں کے پھل بالیقین موجود نہیں ہیں؛ لہٰذا یہ معدوم کی بیع ہے جو فی الحال بائع کی ملکیت میں موجود نہیں ہے، نہ ہی اس کی حوالگی پر بائع کو قدرت ہے پس کثرت غرر وجہالت کی بنیاد پر یہ بیع باطل ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے چند عبارتیں ذکر کی جاتی ہیں:

علامہ محی الدین ابوزکریا یحی بن شرف النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:" وأما النهی عن بیع المعاومة وهو بیع السنین فمعناه أن یبیع ثمر الشجرة عامین أو ثلاثة أو اکثر فیسمی بیع المعاومة وبیع السنین"(منہاج شرح مسلم للنووی ۱۰/ ۱۹۳، المطبعۃ المصریۃ بالازہر)۔

معالم السنن میں ہے:" قال الشیخ: بیع السنین هو أن یبیع الرجل ما تثمره النخلة أو النخلات بأعیانها سنین ثلاثا أو أربعا أو اکثر منها، وهذا غدر لأنه یبیع شیئاً غیر موجود ولا مخلوق حال العقد ولا یدری هل یکون ذلک أم لا، وهل یتم النخل أم لا؟" (معالم السنن، البیوع، من باب بیع السنین ۳/ ۸۶)۔

علامہ قرطبی مالکیؒ (م ۶۵۶ھ) تحریر کرتے ہیں:"والمعاومة: بیع الثمر أعوامًا .وهو المعبَّر عنه باللفظ الآخر: بیع السنین .ولا خلاف فی تحریم بیعه لکثرة الغرر والجهل" (المفہم ۴/ ۴۰۳، ط: دار ابن کثیر دمشق)۔

علامہ بغوی الشافعیؒ (المتوفی ۵۱۶ھ) لکھتے ہیں: "وصورة بیع السنین: أن یبیع ثمر نخیله سنین ثلاثا أو أربعا أو اکثر، فهو فاسد، لأنه بیع ما لم یخلق"(شرح السنۃ: البیوع، باب النہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ ۸/ ۸۵)۔

ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ) رقم طراز ہیں:" وأما المعاومة فهی بیع السنین وذلک أن یبیع الرجل ما تثمره النخلة أو النخلات سنتین وثلاثا وأربعا وهذا غرر لأنه یبیع شیئا غیر موجود ولا مخلوق فلا یدری أیکون أم لا؟" (کشف المشکل من حدیث الصحیحین، ۳/ ۱۴، مسند جابر بن عبد اللہ: الحدیث الرابع عشر، ط: دار الوطن الریاض)۔

علامہ ابو الفضل قاضی عیاض المالکیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) ارقام فرماتے ہیں: "واما بيع المعاومة فهو بيع الثمر سنين وقد فسره فى كتاب مسلم ووجه المنع فيه بين وماخوذ مما تقدم من النهى عن بيع الثمر قبل زهوه لأنه إذا باع ثمرته سنينا فمعلوم أن ثمرة السنة الثانية والثالثة لم تخلق وهى لو خلقت ولم تزهو لم يجز العقد عليها فإذا لم تخلق أولى أن لا تجوز" (اکمال المعلم ۵/۱۸۹، البیوع: باب النہی عن المحاقلۃ)۔

علامہ شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی المالکیؒ (المتوفی ۶۸۴ھ) فرماتے ہیں:" والمعاومة بيع الثمار أعواماً" (الذخیرۃ ۵/۳۹۲، الاجارۃ فرع: یمنع کراء الارض بما تنبتہ)۔

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) نہایہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:" هى بيع ثمر النخيل أو الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذا البيع باطل؛ لأنه ما لم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۶۲، البیوع: باب المنہی عنہا من البیوع)۔

بذل المجہود میں ہے:" والمراد بيع ماتحمله هذه الأشجار مثلا سنة فاكثر وهذا البيع باطل؛ لأنه بيع ما لم يخلق فهو بيع المعدوم" (بذل المجہود ۱۵/۳۴، البیوع: باب فی بیع السنین)۔

مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:"قوله والمعاومة. مفاعلة من العام بمعنى السنة. والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فاكثر. والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد كما صرح به فى هذه الرواية وانما حرم لكونه بيع غرر؛ لأنه بيع ما لم يخلقه الله تعالى بعد" (تکملۃ فتح الملہم ۱/۴۱۰، البیوع: باب النہی عن المحاقلۃ)۔

ان تمام عبارتوں کا حاصل یہی ہے کہ دو سال یا اس سے زیادہ کے لئے پھلوں کی بیع کرنا بیع معاومہ کہلاتا ہے، اور اس میں چونکہ مبیع کا وجود نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ بیع باطل ہے۔

علامہ نوویؒ نے ابن المنذر کے حوالے سے اس کے بطلان پر اجماع نقل کیا ہے:"وهو باطل بالاجماع نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذة الاحاديث ولأنه بيع غرر؛ لأنه بيع معدوم ومجهول غير مقدور على تسليمه وغيره مملوک للعاقد" (منہاج شرح مسلم للنووی ۱۰/۱۹۳، المطبعۃ المصریۃ بالازہر)۔

یہ واضح رہے کہ بیع معاومہ یا بیع سنین اسی وقت ہوگا جب کہ متعینہ درخت یا متعینہ باغ کی بیع کی جائے جیسا کہ مذکورہ عبارتوں میں بعض الفاظ سے واضح ہے، اگر درخت متعین نہیں ہو تو یہ بیع سلم بن جائیگا جو چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، علامہ خطابیؒ تحریر کرتے ہیں:"وهذا فى بيوع الأعيان، فأما فى بيوع الصفات فهوجائز مثل أن يسلف فى الشىء إلى ثلاث سنين أو أربع أو اكثر ما دامت المدة معلومة إذا كان الشىء المسلف فيه غالبا وجوده

عند وقت محل السلف"(معالم السنن،البیوع:من باب بیع السنین ۸۶/۳)۔امام بغویؒ رقم طراز ہیں:"**هذا فی بیوع الأعیان، أما فی بیوع الصفات، فهو جائز وهو أن یسلم فی شیء إلی أجل معلوم .وذلک الشیء منقطع فی الحال، وسیوجد عند المحل غالبا**"(شرح السنۃ للامام البغوی:البیوع؛باب النہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ ۸۵/۸)۔

حضرات شوافع کے یہاں بیع معاومہ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جس کا ذکر ابھی ہوا،ایک تفسیر اور کی گئی ہے،یعنی ایک سال کے لئے بیع کرنا اس شرط کے ساتھ کہ سال ہونا پورا ہونے پر مبیع بائع کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دیا جائیگا۔اس تعریف کی رو سے یہ بیع پھلوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہوگی؛ بلکہ ہر چیز میں عام ہوگی،جیسا کہ الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

علامہ ابو القاسم عبد الکریم الرافعی القزوینیؒ المتوفی (۶۲۳ھ)تحریر کرتے ہیں :"**(ومنها) ما روی أنه ﷺ نهی عن بیع السنین وله تفسیران: أحدهما أن یبیع ثمرة النخل سنین، والثانی أن یقول بعتک هذه السنة علی أنه إذا انقضت السنة فلا بیع بیننا فأرد أنا الثمن وترد أنت المبیع**"(فتح العزیز بشرح الوجیز المعروف بالشرح الکبیر ۱۳۴/۴،کتاب البیع:الفساد من جہۃ المعنی)(اسی میں سے وہ روایت ہے جو آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیع سنین سے منع فرمایا ہے۔اس کی دو تفسیر ہے:ایک یہ کہ پھل کی بیع چند سال کے لئے ہو،اور دوسرے یہ کہ کہے: میں نے اس کی بیع ایک سال کے لئے کی اس شرط پر کہ جب سال ختم ہوجائے تو ہمارے درمیان بیع باقی نہیں رہے گی،میں تمہیں ثمن لوٹا دونگا اور تم مجھے مبیع لوٹا دینا)۔

علامہ نوویؒ رقم طراز ہیں:"**ومنها بیع السنین وله تفسیران: أحدهما بیع ثمرة النخلة سنین، والثانی أن یقول: بعتک هذا سنة علی أنه إذا انقضت السنة فلا بیع بیننا فتردّ إلیّ المبیع وأردّ إلیک الثمن**"(روضۃ الطالبین للنووی ۶۴/۳،کتاب البیع:باب البیوع المنہی عنہا،نیز دیکھئے:الإقناع فی حل ألفاظ أبی شجاع:شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب القاہری الشافعی)۔

۲-درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات:

پھلوں کی بیع کی مختلف شکلیں ہیں:اگر درخت پر پھل سرے سے نہ آئے ہوں تو باتفاق ائمہ اربعہ اس کی بیع باطل ہے،الا یہ کہ بیع سلم کے طور پر ہو؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے؛لہذا ان نصوص کی بنیاد پر جس میں معدوم کی بیع کی ممانعت ہے تمام ہی اس کے بطلان کے قائل ہیں،نیز یہ بیع معاومہ اور بیع سنین میں بھی داخل ہے؛ کیونکہ بیع معاومہ میں نہی کی اصل علت یہی ہے کہ اس میں معدوم کی بیع ہوتی ہے جو بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:"**وأما الذی یرجع إلی المعقود علیه فأنواع منها أن یکون موجودا فلا ینعقد بیع المعدوم وما له خطر العدم کبیع نتاج النتاج... وکذا بیع الثمر والزرع قبل ظهوره**

لأنهما معدوم"(بدائع ۴/ ۳۲۶،البیوع:فصل فی الشرط الذی یرجع الی المعقود علیہ)(وہ شرائط جن کا تعلق معقود علیہ سے ہے اس کی چند قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ وہ موجود ہو، پس معدوم کی بیع اور جس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو اس کی بیع منعقد نہیں ہوگی جیسے بچہ کے بچہ کی بیع... اور اسی طرح پھل اور کھیتی کی بیع اس کے ظاہر ہونے سے پہلے؛ کیونکہ یہ معدوم ہے)۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:" **لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر**" (فتح القدیر ۶/ ۲۶۴، البیوع:قبل خیار الشرط تحت قولہ من باع ثمرۃ لم یبد)(پھل نکلنے سے پہلے اس کی بیع کے جائز نہیں ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر کرتے ہیں:"**اتفق الفقهاء علی بطلان بیع الثمار والزروع قبل أن تخلق لنهی النبی ﷺ عن بیع مالم یخلق**"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۱۷۵،العنصر الثالث: بیع الثمار او الخضار او الزروع، وکذا فی الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ، ثمار: رقم: ۱۰، نیز دیکھئے: البحر ۵/ ۵۰۲ زکریا، شامی ۷/ ۸۵، ط: دار عالم الکتب ریاض، المجموع شرح المہذب للنووی ۹/ ۳۱۰، فقہ البیوع ۱/ ۳۲۶)(پھلوں اور کھیتیوں کے نکلنے سے پہلے اس کی بیع پر فقہاء کا اتفاق ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے ان چیزوں کی بیع سے منع فرمایا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہوں)۔

پھر اگر پھل درخت پر آ گئے لیکن بدو صلاح نہیں ہوا تو اس کی تین صورتیں ہیں:

۱- درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، یہ بیع بالا جماع درست نہیں ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے بیع کی ممانعت فرمائی ہے۔ پانچ روایتیں ہیں جن میں بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ نافع عن ابن عمر کی روایت میں "**حتی یبدو صلاحها**" کے الفاظ ہیں، حضرت ابوہریرہؓ سے " **حتی یحرز من کل عارض**" منقول ہے، حضرت انسؓ کی روایت میں "**حتی تنجو من العاهة**" ہے، تو بعض روایتوں میں "**حتی تزهی**" یا "**حتی تشقه**" کے الفاظ آئے ہیں۔ علامہ ابوالحسن ماوردی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام احادیث بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت پر دلیل ہیں۔ رہا تعبیرات کا اختلاف، تو یا تو یہ روایت بالمعنی کے طور پر ہے، یا ممکن ہے کہ مختلف اوقات میں آپ ﷺ سے مختلف الفاظ منقول ہوں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:" **فهذة خمسة أحادیث تمنع من بیع الثمار قبل بدو الصلاح وألفاظها وإن كانت مختلفة فمعانیها متفقة فیُحتمل أن یكون النبی ﷺ قال هذه الالفاظ المختلفة فی أزمان مختلفة فنقل كل واحد من الرواة ما سمعه من لفظه، ویُحتمل أن یكون النبی ﷺ قال أحد هذه الألفاظ فنقل كل واحد من الرواة المعنی وعبر عنه بغیر ذلک اللفظ فكان اختلاف الالفاظ من جهة الرواة**"(الحاوی الکبیر، کتاب البیوع: باب لا یجوز بیع الثمر حتی یبدو صلاحہ ۵/ ۱۹۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

الغرض بدو صلاح سے پہلے بیع سے آپ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے اور فرمایا:"**أرأیت إن منع الله الثمرة فبم یأخذ أحدكم مال أخیه؟**"(نسائی، البیوع: شراء الثمار قبل أن یبدو صلاحہا)(بھلا بتاؤ اگر اللہ تعالی پھل نہ دے تو

اپنے بھائی کا مال تیرے لئے کیسے حلال ہوگا؟)۔

علامہ نوویؒ رقم طراز ہیں:"أن يبيعها بشرط التبقية فبيعها باطل بالاجماع" (المجموع شرح المہذب للنووی ۱۱/ ۱۱۸ طبع مکتبۃ الارشاد جدہ) (باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچے تو اس کی بیع بالاجماع باطل ہے)۔

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:" القسم الأول وهو أن تباع بشرط التبقية فبيعها باطل" (الحاوی الکبیر، کتاب البیوع: باب لا یجوز بیع الثمر حتی یبدو صلاحہ ۵/ ۱۹۰)۔

علامہ القاضی ابو محمد عبد الوہاب علی بن نصر المالکیؒ (المتوفی ۴۲۲ھ) فرماتے ہیں: "وأما بيعها بشرط التبقية فباطل من غير خلاف والأصل فيه نهيه ﷺ عن بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها" (المعونۃ علی مذہب أہل المدینۃ ۲/ ۳۹، کتاب البیوع: باب فی بیع الثمار)۔

علامہ قرافی مالکیؒ صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں:"ويجوز بيع الثمار قبل الزهو بشرط القطع، ويبطل بشرط التبقية" (الذخیرۃ ۵/ ۱۸۳، ط: دار الغرب الاسلامی)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) رقم طراز ہیں:" أحدها أن يشتريها بشرط التبقية فلايصح البيع إجماعا لأن النبى ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها ... النهى يقتضى فساد المنهى عنه قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث" (المغنی ۶/ ۱۴۸، البیوع: مسألۃ: ۲۲۷، إذا اشتری الثمرۃ دون الاصل)۔ پہلی شکل یہ ہے کہ پھل کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچے تو یہ بالاجماع صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے بیع سے منع فرمایا ہے اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس حدیث کے مضمون کے تمام ہی اہل علم قائل ہیں۔

احناف کے یہاں بھی یہ صورت باطل ہے؛ کیونکہ اس بیع میں ایسی شرط لگادی گئی ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہونے کے ساتھ اس سے عاقدین میں سے ایک کی منفعت متعلق ہے اور اس کا تعامل بھی نہیں ہے، نیز پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنا درخت یا زمین کو عاریت یا اجارہ پر لئے بغیر نہیں ہوسکتا ہے؛ کیونکہ اگر اس رکھنے کی اجرت طے ہو تو یہ اجارہ ہے ورنہ عاریت ہے، اور یہ چیزیں (درخت اور زمین) بائع کی ملکیت ہے، اس طرح بیع میں اجارہ یا عاریت کی شرط لگانا ہوا جو صفقۃ فی صفقۃ ہونے کی وجہ سے منہی عنہ ہے۔

بدائع میں ہے:"وإن اشترى بشرط الترک فالعقد فاسد بالإجماع؛ لأنه شرط لايقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين ولا يلائم العقد ولاجرى به التعامل بين الناس ومثل هذا الشرط مفسد للبيع لماذكرنا، ولأنه لايتمكن من الترک إلا بإعارة الشجرة والأرض وهما ملک البائع فصار

بشرط الترک شارطا الإعارة فکان شرطه صفقة فی صفقة وانه منهی عنه، هذا إذا لم یبد صلاحه''(بدائع ۴/ ۳۸۳،زکریا)(اور اگر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچے تو عقد بالا جماع فاسد ہے؛ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتی اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہے اور یہ عقد کے مناسب بھی نہیں ہے، نہ ہی لوگوں کے درمیان اس کا تعامل ہے، اور اس طرح کی شرط مفسد بیع ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور اس لئے بھی کہ مشتری پھل کو درخت پر باقی رکھنے پر قادر نہیں ہے؛ مگر درخت یا زمین کو عاریت پر لیکر، اور یہ دونوں بائع کی ملکیت ہیں، پس چھوڑ دینے کی شرط لگا کر گویا وہ عاریت کی شرط لگانے والا ہو گیا، پس یہ صفقة فی صفقة ہے جو منہی عنہ ہے، یہ اس صورت میں ہے جب بدو صلاح نہیں ہو)۔

علامہ ابوالفضل موصلی الحنفیؒ (المتوفی ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں:'' وإن شرط ترکها علی الشجر فسد البیع لأنه إعارة أو إجارة فی البیع فیکون صفقتین فی صفقة وانه منهی عنه وکذا الزرع فی الأرض وإن ترکها بأمره بغیر شرط جاز وطاب الفضل وإن کان بغیر أمره تصدق بالفضل لحصوله بأمر محظور، وإن استأجر الشجر طاب له الفضل لوجود الإذن وبطلت الإجارة لأنه غیر معتاد''(الاختیار لتعلیل المختار ۲/ ۷)۔

علامہ بابرتیؒ نے اس مقام پر ایک اعتراض کیا ہے کہ اگر درخت پر چھوڑ دینے کی شرط پر پھل کی بیع ہو تو اس میں صفقة فی صفقة لازم نہیں آتا ہے؛ کیونکہ درخت کو اجارہ یا عاریت پر لینا صحیح نہیں ہے؛ البتہ اگر کھیتی کی بیع کھیت میں چھوڑ دینے کی شرط پر ہو تو اس میں زمین کو اجارہ یا عاریت پر لینے کی بات کہی جاسکتی ہے اور اس میں صفقة فی صفقة لازم آئیگا؛ کیونکہ زمین کا اجارہ واعارہ صحیح ہے۔ علامہ بابرتیؒ کی عبارت ہے: ''وفیه تأمل؛ لأن ذلک إنما یکون صفقة أن لو جازت إعارة الاشجار أو إجارتها ولیس کذلک، نعم هو إنما یستقیم إذا باع الزرع بشرط الترک فان إعارتها وإجارتها جائزة فیلزم صفقة فی صفقة''(عنایہ، البیوع، فصل من باع)۔ لیکن یہ بات بجائے خود محل نظر ہے۔ اجارہ کی شکل میں اسے صحیح مانا جاسکتا ہے عاریت والی شکل میں نہیں؛ کیونکہ درخت کو عاریت پر دینا جائز ہے۔

(اس صورت کی مزید تفصیل بیع بعد بدو صلاح بشرط الترک والی صورت میں بیان کی گئی ہے)۔

۲- بائع نے یہ شرط لگادی کہ پھل فوری طور پر توڑ لئے جائیں، باتفاق ائمہ اربعہ یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ ممانعت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پھل ضائع ہوجائے اور مشتری کو کچھ بھی ہاتھ نہ لگے، کما مر، پس جب پھل توڑ لیا گیا تو اس کا خدشہ جاتا رہا، گویا اب یہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع نہیں رہی اور نہی کا اس بیع سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ فرماتے ہیں:''وقبل بدو الصلاح بشرط القطع فی المنتفع به صحیح اتفاقا''

(البحر ۵/ ۵۰۲،زکریا)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:"أن يبيعها بشر ط القطع فى الحال فيصح بالإجما ع؛ لأن المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها... وهذا مأمون فيما يقطع فيصح بيعه كما لو بدا صلاحه"(المغنی ۶/ ۱۴۹،مسئلہ: ۷۲۲)۔

علامہ قرافی مالکیؒ فرماتے ہیں:"ويجوز بيع الثمار قبل الزهو بشرط القطع"(الذخیرۃ ۵/ ۱۸۳،ط: دار الغرب الاسلامی)۔

علامہ ابوالحسین یحی بن سالم الیمنی الشافعیؒ رقم طراز ہیں: "إذا با ع الثمرة على رؤوس الشجر مفردة قبل بدو الصلاح أو با ع زرعا فى أرض قبل بدو الصلاح فان شرط فى البيع قطع ذلک قال الشيخ أبو حامد: صح البيع بلا خلاف؛ لأنهما يأمنان بهذا الشرط من الغرر۔ وإن شرطا تبقية ذلک لم يصح البيع بلاخلاف؛ لأن ذلک يؤدّى إلى الغرر؛ لأنه لايدرى هل يسلم ذلک أم لا،وإن أطلقا العقد لم يصح البيع عندنا"(البیان فی مذہب الشافعی ۵/ ۲۵۲،البیوع: باب بیع الاصول والثمار)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:"الثانى أن يبيعها بشرط القطع فالبيع صحيح بلا خلاف؛ لأنه بالقطع يزول المحذور من الآفة و العاهة"(المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۱۸،ط: مکتبۃ الارشاد جدہ)۔

البتہ اس صورت میں تمام فقہاء کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ جواز کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ وہ پھل قابل انتفاع ہوگئے ہوں، اگر قابل انتفاع نہیں ہوں تو یہ شکل بھی جائز نہیں ہوگی۔

پھر قابل انتفاع ہونے میں تفصیل ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں توڑے جانے کے وقت قابل انتفاع ہونا ضروری ہے،یعنی اگر وہ فی الحال قابل انتفاع ہے اور جانور کے چارہ کے طور پر بھی اس کا استعمال ہوسکتا ہے تو بالاتفاق اس کی بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:"انما يجوز بشرط القطع إذا كان المقطوع منتفعا به كالحصرم واللوز والبلح والمشمش فأما ما لا منفعة فيه كالجوز والسفرجل والكمثرى فلايجوز بيعه بشرط القطع ايضا"(المجموع شرح المہذب ۵/ ۱۲۰)(پھلوں کی بیع توڑنے کی شرط کے ساتھ جائز ہے؛ جبکہ توڑے ہوئے پھل قابل انتفاع ہوں جیسے کچا انگور، بادام، کچی کھجور، خوبانی۔ بہر حال جس میں کوئی منفعت نہیں ہو جیسے اخروٹ، بہی اور امرود، تو اس کی بیع توڑنے کی شرط کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے)۔

لیکن حضرات احناف کے یہاں مطلق انتفاع بھی کافی ہے یعنی اگر چہ فی الفور آدمی یا جانور کے چارہ کے طور پر

اس کا استعمال نہیں ہوسکتا؛ لیکن مستقبل میں وہ قابل انتفاع ہے توصحیح قول کے مطابق اسے قابل انتفاع مانا جائیگا اور اس کی بیع صحیح ہوگی۔علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:" **لم يبد صلاحه بعد إن كان منتفعا به بوجه من الوجوه**"(بدائع ۴/ ۳۸۳، زکریا)۔

ہندیہ میں ہے:" **وإن باعها قبل أن تصير منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بنى آدم وعلف الدواب فالصحيح انه يصح وعلى المشترى قطعها فى الحال**"(البیوع:الفصل الثانی فی بیع الثمار...)(اور اگر اس کو بیچا قابل انتفاع ہونے سے پہلے کہ وہ آدمی کے کھانے اور جانور کے چارہ کے لائق بھی نہیں ہوتو صحیح یہ ہے کہ اس کی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ذمہ داری ہے کہ اسے فوراً توڑ لے)۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:" جمہور فقہاء کے نزدیک توڑے جانے کے وقت پھل کا قابل انتفاع ہونا ضروری ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں مطلق انتفاع کی شرط ہے(موسوعہ فقہیہ اردو ۱۵/ ۴۰،ثمار،رقم:۱۱)۔

شامی میں ہے:" **وعندنا إن كان(اى الثمر) بحال لاينتفع به فى الأكل ولا فى علف الدواب ففيه خلاف بين المشائخ قيل لا يجوز ونسبه قاضى خان لعامة مشائخنا والصحيح انه يجوز لأنه مال منتفع به فى ثانى الحال إن لم يكن منتفعا به فى الحال**"(شامی ۷/ ۸۵،البیوع:مطلب فی بیع الثمر والزرع،ط: دار عالم الکتب ریاض)(اور ہمارے نزدیک اگر پھل اس حالت میں ہو کہ اس سے کھانے اور جانور کے چارہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔کہا گیا ہے کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔قاضی خاں نے اسے عام مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے،اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے؛ کیونکہ یہ مآلاً قابل انتفاع مال ہے اگرچہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے)۔

اس کے علاوہ مالکیہ کے یہاں مزید دو شرطیں اور ہیں: ایک یہ کہ اس بیع کی حاجت ہوخواہ عاقدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو۔دوسرے یہ کہ اکثر لوگوں کا یہ عمل نہ ہو۔علامہ قرافی مالکی (المتوفی ۶۸۴ھ) فرماتے ہیں:" **يجوز بيع الثمار قبل الصلاح بثلاثة شروط: أن يكون منتفعا بها لنهيه عليه السلام عن إضاعة المال، وأن تدعو لذلك حاجة وإلا فهو من باب إفساد الثمرة وقطعها عن غايتها المطلوبة منها فلا يجوز إلا لحاجة، وأن لا يتمالأ عليه اكثر أهل البلد لئلا يعظم الفساد فى ذلك**"(الذخیرۃ ۵/ ۱۹۴،ط: دار الغرب الاسلامی، نیز دیکھئے:الشرح الصغیر للعلامۃ الدردیر مالکی ۳/ ۲۳۴)(قبل بدو صلاح پھلوں کی بیع تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے: یہ کہ وہ قابل انتفاع ہو؛ کیونکہ آپ ﷺ نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔(دوسرے یہ کہ) اس کی ضرورت ہو، ورنہ یہ پھل کو ضائع کرنا اور اسے مقصود اصلی سے قطع کرنا ہوگا، پس ضرورت کی بنیاد پر ہی جائز ہوگا۔(تیسرے یہ کہ) شہر کے اکثر لوگوں کا اس پر اتفاق نہیں ہو؛ تا کہ اس میں فساد بڑھ نہ جائے)۔

پھر احناف کے یہاں جب توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کی گئی (یا مطلق بیع کی گئی ہو جیسا کہ تیسری شکل ہے) تو ضروری ہے کہ فوری طور پر توڑ لئے جائیں، الا یہ کہ بائع کی اجازت مل جائے۔ موسوعہ کی صراحت کے مطابق (مالکیہ کے علاوہ) ''جمہور فقہاء کے نزدیک عقد بیع کے وقت فوری پھل توڑنا ضروری ہے'' (موسوعہ فقہیہ اردو ۱۵/ ۴۰، شمار: رقم: ۱۱)۔

"وعلى المشترى أن يقطع للحال وليس له أن يترك من غير إذن البائع" (بدائع ۴/ ۳۸۳، زکریا)۔

حضرات شوافع کے یہاں بھی بائع کی اجازت سے بدوصلاح تک پھل کو درخت پر چھوڑ سکتا ہے؟ لیکن اگر اس نے توڑنے کا مطالبہ کردیا تو توڑنا لازم ہوگا۔ علامہ ابوالحسن ماوردیؒ لکھتے ہیں: **" فلو سمح البائع بعد اشتراط القطع على المشترى بترك الثمرة إلى بدو الصلاح جاز لصحة العقد ولو طالبه بالقطع لزمه ذلك"** (الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۱، البیوع، باب لا یجوز بیع الثمر حتی یبدو صلاحہ) (پھر اگر توڑنے کی شرط لگانے کے بعد بائع نے مشتری کو بدوصلاح تک پھل چھوڑ دینے کی اجازت دیدی تو جائز ہے عقد صحیح ہونے کی وجہ سے، اور اگر توڑنے کا مطالبہ کردیا تو توڑنا لازم ہوگا)۔

امام مالکؒ کے یہاں بلا اجازتِ مالک بھی اتنی قلیل مدت تک تاخیر کی گنجائش ہے جس میں پھل میں نشوونما نہ ہو اور وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نہ بدلے، علامہ ابوالبرکات الدردیر مالکیؒ فرماتے ہیں: **"بيعه قبل بدو صلاحه بشرط قطعه في الحال أو في مدة قريبة لا ينتقل فيها الثمر أو الزرع من طور لآخر فيجوز"** (الشرح الصغیر ۳/ ۲۳۴، ط: دارالمعارف قاہرہ) (بدوصلاح سے قبل اس کی بیع ہوئی ہو فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ یا اتنی قریبی مدت میں کہ پھل یا کھیتی ایک حالت سے دوسری حالت میں نہیں بدلے تو جائز ہے)۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ پھلوں کی مطلق بیع کی جائے، نہ باقی رکھنے کی شرط ہو اور نہ توڑنے کی، یہ صورت بھی شکل اول کی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور یہ بیع باطل ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: **" القسم الثالث أن يبيعها مطلقا لا بشرط القطع ولا بشرط التبقية فمذهبنا أن البيع باطل للأحاديث"** (المجموع شرح المہذب ۱۱/ ۱۲۰)۔

علامہ ابوالحسن ماوردیؒ رقم طراز ہیں: **" وأما القسم الثالث وهو أن تباع بيعا مطلقا لا يشترط فيه التبقية والترك ولا يشترط فيه القطع فمذهب الشافعي رحمه الله أن البيع باطل"** (الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۱)۔

" بيع الثمار قبل بدو الصلاح على ثلثة أوجه على الجداد و على التبقية أو مطلقا لا شرط فيه فأما على الجد فيجوز بالاجماع، وأما على التبقية فلايجوز بالاجماع، وأما مطلقا فلايجوز عندنا" (مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل ۶/ ۴۵۲، ط: دارعالم الکتب)۔

اس کے بطلان کی وجہ بیان کرتے ہوئے مفتی تقی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کا استدلال احادیث کے

عموم سے ہے؛ کیونکہ احادیث میں بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت ہے اوراس میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ جہاں تک بیع بشرط القطع کے جواز کا مسئلہ ہے تو وہ اس نہی کے تحت میں داخل ہی نہیں ہے؛ کیونکہ وہ ثمر مقطوعہ کی بیع ہے؛ لہذا وہ ہماری بحث سے ہی خارج ہے۔ باقی اس کے علاوہ شکلیں نہی کے تحت میں داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع رہیں گی۔"**استدل الائمة الثلاثة بعموم حديث الباب فانه ينهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها مطلقا ويدخل فيه محل النزاع ايضا غير أنهم استثنوا الصورة الأولى من النهى وهى البيع بشرط القطع فان البيع بعد القطع لايبقى محلا للنزاع لأنه حينئذ بيع للثمرة المقطوعة فخرج مما نحن فيه وهو بيع الثمر المعلق فهو مستثنى عندهم عقلا ولا وجه لاستثناء باقى الصورة فتبقى محظورة**" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ یہ صورت بھی بیع بشرط القطع کی طرح جائز ہے پھر جیسا کہ شکل ثانی میں عرض کیا گیا کہ اس صورت میں بھی مشتری پر فوری طور پر توڑنا ضروری ہے۔ چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے:"**وعلى المشترى قطعها فى الحال إذا باع مطلقا أو بشرط القطع**"(البیوع:الباب التاسع،الفصل الثانی فی بیع الثمار)۔

لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب نے یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر بائع نے قطع کا مطالبہ کرلیا تو فوری طور پر توڑنا ضروری ہوگا، اور اگر اس کا مطالبہ نہیں کرے تو مشتری پر فوری توڑنا ضروری نہیں ہے۔ ایسا اس لئے نہیں کہ توڑنا مقتضائے عقد میں سے نہیں ہے؛ بلکہ اس لئے کہ بائع نے اپنے معاملہ میں تساہل سے کام لیا تو گویا ایسا ہوگیا کہ اس نے توڑنے کی شرط کے ساتھ بیچا پھر تساہل برتتے ہوئے توڑنے کا حکم نہیں دیا (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

یہ تین شکلیں تو ہوئیں کہ جب بدوصلاح سے پہلے بیع کی جائے،اوراگر بدوصلاح کے بعد بیع کی جائے تو اس کی بھی مذکورہ تین صورتیں بنتی ہیں: یا توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ، یا بیع مطلق ہو اور تبقیہ یا ترک کا کوئی ذکر نہیں ہو۔ ان تینوں شکلوں میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے بدوصلاح سے قبل بیع سے منع فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ بدوصلاح کے بعد اس میں ممانعت نہیں ہو، نیز بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت کی وجہ ہلاکت کا خوف ہے، پس بدوصلاح کے بعد زوال علت کی وجہ سے حکم بھی باقی نہیں رہیگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: "**إذا بدا الصلاح فى الثمرة جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية إلى حال الجزاز وبشرط القطع وبذلك قال مالك والشافعى**"(المغنی ۶/۱۵۵)۔

احناف کے یہاں یہ ہے کہ اگر پھل توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہوئی یا مطلقاً ہوئی تب تو ائمہ ثلاثہ کی طرح یہ جواز کے قائل ہیں؛ لیکن اگر پھل کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو مسئلہ میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر پھل کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا ہو تو بالاتفاق یہ بیع صحیح نہیں ہوگی، اور اگر پھل کا بڑھنا مکمل ہوگیا ہو اور چھوڑ دینے کی شرط کے ساتھ بیع کی جائے تو

حضرات شیخین رحمہا اللہ اس بیع کو قیاساً صحیح نہیں مانتے جیسا کہ اس سے قبل گذرا کہ اس صورت میں بیع میں ایسی شرط لگادی گئی ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں عاقدین میں سے ایک کا فائدہ ہے۔ پھر یہ کہ اگر پھل کو درخت پر باقی رکھنے کے بدلے کوئی اجرت طے ہوجائے، تو بیع کے ساتھ اجارہ کی شرط لگی اور اگر کوئی اجرت طے نہ ہو تو بیع کے ساتھ عاریت کی شرط لگی، پس بہر صورت یہ شکل ناجائز ہے؛ کیونکہ اس میں کسی نہ کسی ممنوع کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ بیع اور شرط بھی منع ہے اور ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنا بھی۔ علامہ ابوبکر شمس الائمۃ سرخسیؒ فرماتے ہیں: ”**إن كان بمقابلة منفعة الترك شئ من البدل فهذه إجارة مشروطة فى البيع وإن لم يكن فهى إعارة مشروطة فى البيع وقد ورد النهى عن ذلك حيث نهى رسول الله ﷺ عن صفقتين فى صفقة وعن بيع وشرط وعن بيع وسلف، وكل عرف ورد النص بخلافه فهو غير معتبر**“ (المبسوط ۱۲/ ۱۹۶، دار المعرفہ بیروت) (اگر چھوڑنے کی منفعت کے مقابلہ میں اجرت کا کوئی حصہ مقرر ہو تو یہ اجارہ ہے جس کی بیع میں شرط لگائی گئی ہے، اور اگر نہیں ہو تو عاریت مشروط ہے اور اس سے ممانعت ہے۔ آپ ﷺ نے ایک معاملہ میں دو معاملہ کرنے یعنی بیع اور شرط اور بیع اور سلم سے منع فرمایا ہے، اور جو عرف نص کے خلاف وارد ہو وہ غیر معتبر ہے)۔

لیکن حضرت امام محمدؒ استحساناً اس بیع کو صحیح مانتے ہیں؛ کیونکہ لوگوں کا عرف اور تعامل اسی پر ہے۔ بدائع میں ہے: ”**وكذا (اى جاز) إذا بدا صلاحه فباع بشرط القطع أو مطلقا، فأما إذا باع بشرط الترك فان لم يتناه عظمه فالبيع فاسد بلا خلاف لما قلنا وكذا إذا تناهى عظمه فالبيع فاسد عن أبى حنيفة وأبى يوسف وقال محمد: يجوز استحساناً لتعارف الناس وتعاملهم ذلك**“ (بدائع ۴/ ۳۸۳، زکریا) (اور ایسے ہی پھلوں کی بیع جائز ہے جب توڑنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقا بیع ہو، بہر حال جب چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو اگر اس کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا ہو تو بیع فاسد ہے بلا کسی اختلاف کے اس وجہ سے جو ہم نے کہا، اور ایسے ہی جب اس کا بڑھنا مکمل ہو گیا ہو تو بیع فاسد ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہا اللہ کی روایت کے مطابق، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع جائز ہے استحساناً لوگوں کے تعارف اور تعامل کی وجہ سے)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ”**وهذا إذا لم يتناه عظمها فإن تناهى عظمها فباعها مطلقا أو بشرط القطع صحّ وإن باع بشرط الترك لم يصح قياسا عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالى وصحّ استحسانا عند محمد رحمه الله تعالى**“ (البیوع: الفصل الثانی فی بیع الثمار)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ حضرت امام محمدؒ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر پھل کی جسامت مکمل ہونے

سے پہلے بیع کا معاملہ ہو پھر اسے تیار ہونے تک درخت پر چھوڑ دینے کی شرط لگائی جائے تو اس صورت میں پھل میں جو زیادتی ہوگی وہ بائع کی ملک سے زیادتی ہوگی، گویا اس صورت میں معدوم کو موجود کے ساتھ ملا دیا گیا پھر اس کی بیع ہوئی؛ لہذا یہ بیع باطل ہوگی؛ لیکن اگر پھل کی جسامت مکمل ہوگئی ہے، اب مزید اس میں بڑھوتری کا امکان نہیں ہے، اب صرف اس کا پکنا باقی ہے پھر درخت پر چھوڑ دیے جانے کی شرط کے ساتھ بیع ہوئی تو ایک تو یہ کہ یہ شرط متعارف ہے اور شرط متعارف خواہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، بیع کی صحت سے مانع نہیں ہے، دوسرے یہ کہ چھوڑنے کی مدت بہت مختصر ہوگی اور قلیل وکثیر کا حکم یکساں نہیں ہے، تیسرے یہ کہ بائع کی ملکیت سے اس پھل میں اب کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے، اب صرف اس کا پکنا باقی ہے اور پکنا، رنگ پکڑنا اور مزہ کا آنا سورج، چاند اور ستارے کے اثرات سے ہوتا ہے؛ لہذا اب اس میں صرف سورج چاند وغیرہ کا عمل دخل رہا، بائع کی ملکیت کا اس میں کوئی اثر نہیں رہا؛ اس لئے حضرت امام محمدؒ بطور استحسان کے اس کے جواز کے قائل ہیں (المبسوط ۱۲/۱۹۶، دار المعرفہ بیروت)۔

حضرت امام محمدؒ کے اس قول پر اکثر مشائخ احناف نے فتوی دیا ہے۔ امام طحاویؒ کا بھی یہی قول ہے، علامہ ابن ہمامؒ اور ابن عابدین شامیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۷)۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک تو یہ کہ پھلوں کی جسامت مکمل ہونے کے بعد امام محمدؒ کے قول جواز کی بنیاد کیا ہے؟ اور دوسرے یہ کہ کیا بیع میں اس طرح کی شرط لگانے سے بیع کی صحت پر کس حد تک اثر پڑتا ہے۔

جہاں تک حضرت امام محمدؒ کا قول ہے تو وہ استحساناً ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے کہ تعامل ناس کی بنیاد پر امام محمدؒ نے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔ یعنی اگر پھلوں کا بڑھنا مکمل ہوجائے؛ لیکن ابھی وہ مکمل طور سے تیار نہیں ہوئے ہوں تو امام محمدؒ کے نزدیک چونکہ اس بیع کا تعامل ہے (جیسا کہ بدائع کے حوالہ سے گذرا)، لہذا تعامل ناس کی بنیاد پر استحساناً یہ بیع جائز ہے، اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہیں ہو۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر پھلوں کی جسامت مکمل ہونے سے پہلے بھی اس بیع کا تعامل ہوجائے کہ عام طور سے لوگ اسی طرح بیع کرنے لگیں اور اس میں اس طرح کی شرط لگانا متعارف ہوجائے تو بطور استحسان کے اسے بھی جائز ہونا چاہیے۔ آج کل اس معاملہ کا تعامل کس حد تک ہے یہ کسی سے مخفی نہیں ہے، پس حضرت امام محمدؒ کے اصل کے مطابق بڑھنا مکمل ہو یا نہیں ہو، اگر اس کی بیع کا تعامل ہے تو یہ جائز ہونا چاہیے؛ لہذا فی زماننا دونوں شکلوں کے جواز کی گنجائش ہے، جیسا کہ مفتی تقی صاحب کا میلان اسی طرف ہے۔

وہ تحریر فرماتے ہیں: "**ويظهر من كلام ابن الهمام في الفتح أيضا أن العرف إذا جرى ببيع الثمار بعد بدو صلاحها بشرط الترك واشتدت إليه الحاجة كان قياس قول محمد الجواز وإن لم يتناه عظم الثمار لأنه أجاز شرط الترك بعد ما تناهى عظمها للعرف والضرورة قلت كذلك أجاز محمدؒ**

بيع الثمار فى حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها للضرورة والعرف كما قدمنا عن الفتح ورد المحتار فكان قياس قوله الجواز عند الضرورة وإن لم يتناه عظمها" (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۷۸)(فتح القدیر میں ابن ہمام کے کلام سے واضح ہے کہ جب بعد بدوصلاح پھلوں کی بیع بشرط الترک کا رواج ہوجائے اوراس کی حاجت بھی شدید ہوجائے تو امام محمدؒ کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جائز ہواگرچہ اس کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا ہو؛اس لئے کہ حضرت امام محمدؒ نے تناہی عظم کے بعد ترک کی شرط کے ساتھ بیع کی اجازت ضرورت وعرف کی بنیاد پر دیا ہے جیسا کہ فتح القدیر اور رد المحتار کے حوالہ سے ہم نے بیان کیا، پس ان کے قول کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے وقت یہ شکل بھی جائز ہواگرچہ اس کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا ہو)۔

دوسری بات یہ کہ بیع میں ایسی شرط لگانا جواس کے تقاضا کے خلاف ہو وہ اس پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے، کیا ہر طرح کی شرطِ مفسد سے بیع میں فساد آتا ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ شرط فاسد جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اوراس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛لیکن بعض شرطیں اس سے مستثنیٰ ہیں اور وہ بیع کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔

علامہ ابوبکر شمس الائمۃ السرخسی فرماتے ہیں: بیع میں شرط لگانے کی مختلف شکلیں ہیں:

-شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو جیسے مشتری کے لئے ملکیت کی شرط لگانا یا ثمن یا مبیع کی حوالگی کی شرط لگانا تو یہ بیع جائز ہے؛ کیونکہ یہ چیزیں محض عقد سے ثابت ہیں اور شرط سے محض تاکید کا فائدہ ہوا ہے۔

-شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن اس کا عرف عام ہو تو یہ بھی جائز ہے؛ کیونکہ عرف سے ثابت ہونے والے کا درجہ ایسا ہے گویا وہ دلیل شرعی سے ثابت ہو، نیز اس عرف کو چھوڑنے میں واضح حرج لازم آئیگا۔

-شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو مگر اس کا عرف عام نہ ہو، پس اگر اس میں عاقدین کا فائدہ ہو تو بیع فاسد ہے اور اگر اس میں کسی کا فائدہ نہیں ہو تو شرط باطل ہے اور بیع صحیح ہے۔"مبسوط" کی عبارت یہ ہے:

"ثم الشرط فى البيع على أوجه إما أن يشترط شرطا يقتضيه العقد كشرط الملك للمشترى فى المبيع أو شرط تسليم الثمن أو تسليم المبيع فالبيع جائز؛ لأن هذا بمطلق العقد يثبت، فالشرط لايزيده إلا وكادةً وإن كان شرطا لا يقتضيه العقد وليس (لفظ "ليس" من خطا الكاتب كما هو ظاهر۔ محمد روح الله) فيه عرف ظاهر فذلک جائز أيضا كما لو اشترى نعلا وشراكا بشرط أن يحذوه البائع لأن الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي ولأن فى النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بينا" (المبسوط للسرخسی ۱۳/ ۱۴، باب البیوع اذا کان فیہ شرط۔ ط: دار المعرفہ بیروت)۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:" يشترى نعلا أو شراكا بشرط أن يحذوه البائع أو اشترى أديما بشرط

أن يخرز له خفا أو اشترى قلنسوة بشرط أن يبطنه البائع فان هذه الشروط كلها جائزة؛ لأنه متعارف بين الناس'' (عمدۃ القاری ۱۳/ ۲۸، الشروط: باب بیع المزابنۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ''وكذلك إن كان (اى الشرط)مما لايقتضيه العقد ولا يلائم العقد أيضا لكن الناس فيه تعامل فالبيع جائز كما إذا اشترى نعلا على أن يحذوه البائع''(بدائع ۴/ ۳۸۱، زکریا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر شرطِ فاسد مفسد عقد نہیں ہوتی، اور اسی میں سے ایک وہ شرط بھی ہے جو بین التجار متعارف ہوگئی ہو اگر چہ وہ تقاضائے عقد کے خلاف ہو؛ لیکن متعارف ہونے کی وجہ سے استحساناً اسے بیع کی صحت پر اثر انداز نہیں مانا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں شرط لگانا عام طور سے نزاع کا باعث ہوتا ہے اور رفع نزاع کی بنیاد پر وہ ممنوع ہوتا ہے؛ لیکن جب شرط متعارف ہوجائے تو اب باعث نزاع نہیں رہ جاتا ہے، مثلاً دور حاضر میں بازار میں کئی ایسے سامان ملتے ہیں جس میں ایک آدھ سال کی فری سروس ہوتی ہے، اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ بیع کی کہ اسے ایک سال کی فری سروس چاہیے تو وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن اس کا چلن اور رواج عام ہے؛ اس لئے باعث نزاع نہیں ہے؛ لہٰذا متعارف ہونے کی وجہ سے اس شرط کے باوجود بھی بیع صحیح ہوگی۔

''درر الحکام'' میں ہے: ''الشرط المتعارف ولو لم يكن من مقتضيات العقد جوز البيع معه استحسانا وصار معتبرا ... وجوز البيع معه خلاف القياس لأن فيه نفعا لأحد المتعاقدين ووجه الإستحسان العرف والتعامل لأن الشرط متى كان متعارفا فلا يكون باعثا على النزاع ويحصل الملك المقصود بغير خصام''(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۱۵۹، مادہ: ۱۸۸)(شرط متعارف اگر چہ مقتضیات عقد میں سے نہیں ہو، اس کے ساتھ استحساناً بیع جائز ہے اور وہ معتبر ہوگی۔ شرط متعارف کے ساتھ بیع کا جواز خلاف قیاس ہے؛ اس لئے کہ اس میں عاقدین میں سے ایک کا نفع ہے۔ اور استحسان کی وجہ عرف اور تعامل ہے؛ اس لئے کہ شرط جب متعارف ہوجائے تو باعث نزاع نہیں رہ جاتی، اور بغیر نزاع کے ملکیت حاصل ہوجاتی ہے)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں بعض معاملات دیانۃً جائز ہوتے ہیں اگر چہ قضاءً فاسد ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں فساد دو وجہوں سے آتا ہے۔ کبھی تو حق شرع کی وجہ سے کہ وہ عقد کسی معصیت پر مشتمل ہوتا ہے، یہ تو کسی حال میں جائز نہیں ہے، اور کبھی فساد آتا ہے نزاع اور جھگڑے کے خطرہ کی وجہ سے، اس میں معصیت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، صرف نزاع کے اندیشہ کے پیش نظر وہ ممنوع ہوتی ہے۔ پس اگر ایسے معاملات میں نزاع واقع نہیں ہو تو وہ میرے نزدیک دیانۃً جائز ہے؛ کیونکہ فساد کی علت یعنی نزاع کا وجود نہیں ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:'' إن من البيوع الفاسدة ما لو أتى بها أحد جازت ديانة وإن كانت فاسدة قضاء وذلك لأن الفساد قد يكون لحق الشرع بأن اشتمل العقد على

مأثم فلایجوز بحال۔ وقد یکون الفساد لمخالفة التنازع ولا یکون فیه شئ آخر یوجب الإثم فذلک إن لم یقع فیه التنازع جاز عندی وإن بقی فاسدا قضاء لارتفاع العلة وهی المنازعة" (فیض الباری ۳/ ۴۸۴، البیوع، باب من اجری امر الامصار، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی درس بخاری میں اس کی وضاحت کی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: جو شرط متعارف بین التجار ہوگئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو جیسے کوئی فریج خریدتا ہے تو ایک سال کی فری سروس ہوتی ہے، تو یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے؛ لیکن چونکہ متعارف ہوگئی تو متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہوگئی، اور فقہاء متقدمین نے اس کی مثال دی ہے: "**أن یشتری النعل بشرط أن یحذوه البائع**" تو یہ شرط متعارف ہوگئی، لہذا جائز ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شرط متعارف بین التجار ہو جائے چاہے وہ عقد کے خلاف ہو تب بھی جائز ہوتی ہے، اور یہ شرط کہ اس کو درخت پر چھوڑا جائیگا یہ تو متعارف سے بھی زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہذا بیع بشرط الترک جائز ہے (انعام الباری شرح بخاری ۶/ ۲۷۳)۔

الغرض اس مسئلہ میں حضرت امام محمدؒ کے قول کی دو بنیادی وجہ سامنے آتی ہے کہ جب بدو صلاح کے بعد پھل کی جسامت مکمل ہو جائے تو شرط متعارف اور تعامل ناس کی بنیاد پر امام محمدؒ اس صورت کے جواز کے قائل ہیں، لہذا اگر یہ بنیادیں دوسری صورتوں میں بھی پائی جائیں، مثلاً بدو صلاح کے بعد جسامت مکمل ہونے سے پہلے یا ظہور کے بعد بدو صلاح سے بھی پہلے درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ پھل کی بیع کا رواج ہو جائے تو تعامل اور شرط متعارف کی بنیاد پر ان دونوں شکلوں کو بھی حضرت امام محمدؒ کے اصول پر جائز ہونا چاہیے اور فی زماننا اس کا تعامل مخفی نہیں ہے۔

اگر پھل کا بڑھنا مکمل نہیں ہوا ہو تو اس کے عدم جواز پر حضرت امام محمدؒ کی طرف سے جو دلیل دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں جزء معدوم کے اضافہ کی شرط لگا دی گئی ہے؛ کیونکہ پھل کو درخت پر چھوڑے رکھنے میں پھل میں اضافہ ہوتا رہیگا اس لئے یہ شکل ناجائز ہے؛ جبکہ تناہی عظم کے بعد بیع کی شکل میں یہ بات نہیں ہے؛ لہذا یہ کہنا کہ اگر دونوں شکلوں میں تعامل ہو جائے تو دونوں صورتوں کو امام محمد کے اصول پر جائز ہونا چاہیے بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں صورتوں میں جو فرق کیا گیا اس کی دلیل اسی وقت تام ہوگی جب یہ مانا جائے کہ قبل تناہی عظم والی صورت میں عرف نہیں ہے۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں صورتیں ناجائز ہوں؛ لیکن تعامل کی بنیاد پر بعد تناہی عظم والی صورت جائز ہوئی تو قبل تناہی عظم والی صورت قیاس کے مطابق ناجائز ہی رہی؛ کیونکہ اس میں تعامل نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ رقم طراز ہیں: "**ولایخفی أن الوجه لا یتم فی الفرق لمحمد إلا بادعاء عدم العرف فیما لم یتناه عظمه إذ القیاس عدم الصحة للشرط الذی لایقتضیه العقد فی المتناهی وغیره، خرج منه المتناهی للتعامل فکون**

ما لم يتناه على أصل القياس إنما يكون لعدم التعامل فيه والجزء المعدوم طُرد" (فتح القدیر ۶/۲۶۵)۔

الغرض حضرت امام محمدؒ نے جو قبل تناہی عظم اور بعد تناہی عظم والی صورت میں فرق کیا ہے یہ درحقیقت تعامل اور عدم تعامل کی بنیاد پر ہے، پس اگر دونوں صورتوں میں تعامل ہوجائے تو دونوں کو جائز ہونا چاہیے۔

اس میں زیادہ سے زیادہ دو باتیں کہی جاسکتی ہیں: ایک تو یہ کہ شرط متعارف کو معتبر ماننے سے "**نهى عن بيع وشرط**" والی حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ قبل بدو صلاح بیع کی ممانعت والی روایتوں کا اہمال لازم آئیگا؛ کیونکہ قبل بدو صلاح بیع بشرط القطع اور بیع مطلق عندالاحناف جائز ہے ہی، اگر یہ صورت یعنی قبل بدو صلاح بیع بشرط الترک بھی جائز ہوجائے تو بدو صلاح سے قبل جو بیع کی ممانعت ہے اس کا کوئی مصداق نہیں رہ جائیگا۔

پہلے اعتراض کا جواب علامہ شامیؒ نے دیا ہے کہ بیع وشرط سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نزاع پیدا ہوتا ہے، پس رفع نزاع کے لئے شریعت نے اس کی ممانعت کردی؛ لیکن جب شرط لگانے کا عرف عام ہوجائے تو نزاع کا احتمال ختم ہوجاتا ہے تو اب مضمون حدیث کی مخالفت باقی نہیں رہی۔ ہاں شرط لگانا قیاس کے خلاف ہوگا؛ لیکن عرف عام کو قیاس پر فوقیت ہوتی ہے، اس لئے قیاس کا اعتبار نہیں۔ اسی بنیاد پر فقہاء کے یہاں جو مثالیں ملتی ہیں اگر ان کے علاوہ میں اس طرح کی شرط کا عرف عام ہوجائے تو اس کا اعتبار ہوگا جبکہ باعث نزاع نہیں ہو۔

"شامی" میں ہے: "**فإن قلت: نهى النبى ﷺ عن بيع وشرط فيلزم أن يكون العرف قاضيا على الحديث. قلت: ليس بقاض عليه بل على القياس لأن الحديث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة، والعرف ينفى النزاع فكان موافقا لمعنى الحديث فلم يبق من الموانع إلا القياس والعرف قاض عليه ... ومقتضى هذا أنه لو حدث عرف فى شرط غير الشرط فى النعل والثوب والقبقاب أن يكون معتبرا إذا لم يؤد إلى المنازعة**" (شامی ۷/۲۸۶، باب البیع الفاسد مطلب فی الشرط الفاسد اذا ذکر...)۔

"درر الحکام" میں ہے: "**ويرد على هذه المادة أن النبى ﷺ نهى عن البيع فتجويز البيع بالشرط هو ترجيح للعرف على النص مع أن نص الشارع أقوى من العرف وليس لأحد أن يردّ النص بالعرف......والجواب أن علة النهى عن البيع بالشرط الوارد فى الحديث الشريف ما يثيره البيع بالشرط من النزاع بين المتبايعين؛ لأن غاية الشارع إنما هى قطع النزاع وحسم الخلاف بين الناس والشروط التى يجرى بها العرف والعادة ليست مما يسبّب نزاعا ويثير خصاما فلاتكون مقصودة بالنهى الوارد فى الحديث الشريف**" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۱۵۹)۔

دوسرے اعتراض کا جواب علامہ طحاوی نے پھر ان کے بعد علامہ عینی اور اخیر دور میں خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری نے دے رکھا ہے۔

علامہ ابوجعفر طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو نہی ہے، وہ نہی ارشادی ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں حضرت زید بن ثابت سے منقول ہے، جبکہ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ بدوصلاح سے مراد بیع ثمار قبل الظہور رہے یعنی پھل کے نکلنے سے پہلے ہی اس کی بیع کی جائے، یہ درحقیقت بیع معدوم کے قبیل سے ہوا؛ اس لئے اس کی ممانعت ہے، یا یہ کہ یہ نہی برائے تنزیہ ہے برائے تحریم نہیں۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "**والنهى محمول على بيع الثمار قبل أن يوجد أصلا وقيل: هو على ظاهره لكن النهى فيه للتنزيه**" (عمدۃ القاری ۱۲/ ۳، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہا)۔

ایک دوسرے مقام پر علامہ عینی نے علامہ طحاوی کا وہ قول نقل کیا ہے جو ابھی ذکر ہوا۔ وہ رقم طراز ہیں: "**إن المراد منه البيع قبل أن يتكون فيكون بائعها بائعا بما ليس عنده وقد نهى رسول الله ﷺ عن ذلك. وقال الطحاوى ما ملخصه إن قوما قالوا: إن النهى المذكور ليس للتحريم ولكنه على المشورة منه عليهم لكثرة ماكانوا يختصمون إليه فيه**" (عمدۃ القاری: باب بیع المزابنۃ ۱۱/ ۴۲۷) (اس سے مراد اس کے نکلنے سے پہلے بیع ہے، پس اس کا بیچنے والا غیر موجود شئی کا بیچنے والا ہوگا اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طحاوی نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ مذکورہ نہی تحریم کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ آپ ﷺ کی طرف سے انہیں بطور مشورہ کے ہے اس معاملہ میں ان حضرات کے کثرت نزاع کی وجہ سے)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) کی بھی وہی رائے ہے جو علامہ طحاوی کی ہے۔ بخاری میں منقول حضرت زید بن ثابتؓ کا قول "**كالمشورة يشير بها**" کے تحت فرماتے ہیں: "**وهذا يفيدنا فانه يدل على أن النهى عن بيع الثمار قبل البدو للارشاد**" (فیض الباری ۳/ ۴۷۶، باب بیع الثمار قبل بدوصلاحہا، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

مفتی تقی صاحب نے "فتح الملہم" میں اسی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع نہ کی جائے (فتح الملہم ۱/ ۳۷۹)۔

یہ پھلوں کی بیع کے تعلق سے ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات تھیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بیع ثمار قبل بدوصلاح اور بعد بدوصلاح کی سات شکلیں نکلیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ اگر پھل کے نکلنے سے پہلے بیع ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

۲۔ پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بھی بالاتفاق بیع صحیح نہیں ہے۔

۳۔ پھل نکلنے اور قابل انتفاع ہونے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بالاتفاق بیع صحیح ہے۔

۴۔ پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ مسئلہ ائمہ ثلاثہ اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح نہیں ہے اور احناف کے یہاں صحیح ہے۔

۵ تا ۷۔ پھل نکلنے اور بدوصلاح کے بعد بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو یا بغیر کسی شرط کے ہو، ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر سہ صورتیں جائز ہیں۔ حضرات احناف کے یہاں توڑنے کی شرط کے ساتھ یا بغیر کسی شرط کے ہو تو جائز ہے۔ باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو حضرات شیخین رحمہما اللہ اس بیع کو صحیح نہیں مانتے؛ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل کا بڑھنا مکمل ہو گیا تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

پس احناف کے اصل مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ پھل کی بیع توڑنے کی شرط کے ساتھ اور مطلق بیع (نہ توڑنے کی شرط نہ باقی رکھنے کی) دونوں صورتوں میں (بدوصلاح سے پہلے اور بعد میں) جائز ہے، اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ دونوں صورتوں میں فاسد ہے۔ **"إن البيع بشرط القطع جائز في الفصلين كما أن البيع بشرط الترک فاسد في الفصلين أما إذا كان بشرط الاطلاق فهو جائز في الصورتين"** (فیض الباری ۳/۷۷۴ باب بیع النخل قبل ان یبدو صلاحہ)۔

اس طرح احناف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان دو صورتیں محل نزاع ہیں۔

الف۔ بدوصلاح سے قبل بیع جبکہ مطلق ہو، یہ شکل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، احناف کے نزدیک جائز ہے۔

ب۔ بدوصلاح کے بعد جبکہ بیع باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو۔ یہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز ہے اور احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ پھر اس آخری صورت میں خود احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ امام محمد مسئلہ کی تفصیل کرتے ہیں؛ جبکہ حضرات شیخین کے یہاں کوئی تفصیل نہیں ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۷، کتاب البیوع: باب النہی عن بیع الثمار)۔

۳- بدوصلاح کی مراد اور اس بابت فقہاء کے اختلاف کی تفصیلات:

بدوصلاح میں "بدوٗ" بدا يبدو کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ظاہر ہونا، اور "صلاح" فساد کی ضد ہے۔ پھلوں میں بدوصلاح کا مطلب ہوا کہ اس کی منفعت ظاہر ہو جائے۔ اس کی تشریح میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ پھلوں کی نوعیت کے اعتبار سے اس کا الگ الگ معنی بیان کیا گیا ہے۔ علامہ ماوردی شافعیؒ نے بدوصلاح کی تشریح میں حضرت امام شافعیؒ کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: **" مذهب الشافعي أن بدو الصلاح يختلف باختلاف الاجناس"**

(الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۴) (امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ بدوصلاح (کا مفہوم) پھلوں کی جنس بدلنے سے بدل جاتا ہے)، پھر آگے چل کر اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔

وہ تحریر فرماتے ہیں: "**أحدها مايكون فيه بدو الصلاح باللون وذلک فی النخل بالاحمرار والاصفرار.... القسم الثانی مايكون بدو صلاحه بالطعم. ... القسم الثالث ما يكون بدو صلاحه بالنضج واللين. ... والقسم الرابع ما يكون بدو صلاحه بالقوة والاشتداد. ... والقسم الخامس ما يكون بدو صلاحه بالطول والامتلاء ... والقسم السادس ما يكون بدو صلاحه بالعظم والكبر. ... والقسم السابع ما يكون بدو صلاحه بانشقاق كمامه. ... والقسم الثامن ما يكون بدو صلاحه بانفتاحه وانقشاره**" (الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۵)۔

ترجمہ: پہلی قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح رنگ بدلنے سے ہوتا ہے، جیسے کھجور میں سرخی یا زردی آجائے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح مزہ سے ہوتا ہے، جیسے گنے میں مٹھاس آجائے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح پکنے اور نرم ہوجانے سے ہوتا ہے، جیسے انجیر اور تربوزہ کہ اسکی سختی میں نرمی آجائے۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح مضبوط ہونے اور سخت ہونے سے ہوتا ہے، جیسے گیہوں اور جو وغیرہ۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح اس کے لمبا ہونے اور بھر جانے سے ہوتا ہے، جیسے چارہ اور سبزیاں وغیرہ۔

چھٹی قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح بڑا ہونے سے ہوتا ہے، جیسے ککڑی وغیرہ۔

ساتویں قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح غلاف پھٹنے سے ہوتا ہے، جیسے روئی اور اخروٹ۔

آٹھویں قسم یہ ہے کہ اس میں بدوصلاح کھِل جانے سے ہوتا ہے، جیسے گلاب کا پھول وغیرہ۔

یہ سب درحقیقت بدوصلاح کی علامتیں ہیں۔ ان مثالوں میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ شوافع کے یہاں بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جن پھلوں میں رنگ نہیں آتا وہ پک جائیں اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہوجائیں اور جن میں رنگ آتا ہے اس کا رنگ آجائے۔ مفتی تقی صاحب علامہ رملی (المعروف بالشافعی الصغیر) کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: "**بدو صلاح الثمر ظهور مبادئ النضج والحلاوة**" (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۶۸) (پھل میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کے پکنے اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہوجائیں)۔ پس یہ جو آٹھ شکلیں بیان کی گئی ہیں، درحقیقت اسی کے آثار اور علامت کے طور پر ہیں۔

چنانچہ علامہ نوویؒ بدوصلاح کا مختلف معنی نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: "**وعندی أن ذلک ليس**

باختلاف محقق یرجع إلی معنی ...فتباین الألفاظ عن العلماء فی ذلک لاینبغی أن یعتمد علیه فی إثبات اختلاف۔ ومذھبنا أن بدو الصلاح یرجع إلی تغیر صفة فی الثمرة وذلک یخلتف باختلاف الاجناس وھو علی اختلافه راجع إلی شئ واحد مشترک بینھما وھو طیب الاکل وفی ذلک جمع بین الحدیثین اللذین ذکرھما المصنف" (المجموع ۱۱/۱۵۰)(میرے نزدیک یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، پس الفاظ کا یہ اختلاف جو علماء سے منقول ہے، اسے اختلاف کی بنیاد بنانا مناسب نہیں ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ بدو صلاح کا تعلق پھل کی صفت بدلنے سے ہے، اور یہ جنسوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس اختلاف کے باوجود سب میں ایک چیز قدر مشترک کے طور پر موجود ہے یعنی کھانے میں اچھا ہونا۔ اور اس صورت میں ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے جسے مصنف نے بیان کیا ہے)۔

خود علامہ ماوردیؒ نے بھی مذکورہ آٹھ قسموں کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: **"وجملة القول فی بدو الصلاح أن تنتھی الثمرة أو بعضھا إلی أدنی أحوال کمالھا فتنجو من العاھة"** (الحاوی الکبیر ۵/۱۹۵) (خلاصہ یہ ہے کہ بدو صلاح یہ ہے کہ پھل یا اس کا کچھ حصہ کمال کی ادنی حالت کو پہنچ جائے)۔

مالکیہ کے یہاں بھی مختلف اشیاء کے اعتبار سے مختلف تشریح منقول ہے، التلقین فی فقہ المالکی: ابو محمد عبد الوہاب البغدادی المالکی (المتوفی ۴۲۲ھ) میں ہے: **"وبدو الصلاح یختلف باختلاف أنواعھا ففی النخل باحمرار البسر أو اصفرارہ، وفی العنب بأن یسود أو تدور الحلاوة فیه"** (البیوع فصل فی بیع الثمار ۳۷۵)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی (المغنی ۶/۱۵۸) تحریر فرماتے ہیں: "جس پھل کا رنگ اس کے صلاح کے وقت بدل جاتا ہو مثلاً کھجور، کالا انگور اور آلو بخارا، تو اس کا بدو صلاح اس کے رنگ کے بدل جانے سے ہوگا، اور اگر انگور سفید ہو تو اس کا بدو صلاح اس کا تموہ ہے یعنی اس میں میٹھا پانی ظاہر ہو اور وہ نرم ہو جائے اور اس کا رنگ زرد ہو جائے، اور اگر پھل ایسا ہو جس میں رنگ نہیں آتا ہو مثلاً سیب وغیرہ تو اس میں بدو صلاح میٹھا اور عمدہ ہونا ہے، اور اگر تربوزہ وغیرہ ہو تو اس میں بدو صلاح پکنا ہے، اور جس پھل کا رنگ نہیں بدلتا اور عمدہ ہونے پر چھوٹی بڑی ہر شکل میں کھایا جاتا ہے مثلاً ککڑی اور کھیرا، تو اس میں بدو صلاح عادتاً کھانے کے قابل ہونا ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ اردو ۹/۲۱۳، بیع منہی عنہ، رقم: ۷۱)۔

مذاہب ثلاثہ کی ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بدو صلاح کے مفہوم میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ قریب قریب سبھوں کے یہاں ایک ہی بات ملتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ مذکورہ تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **"وما قلنا فی ھذا الفصل فھو قول مالک والشافعی وکثیر من أھل العلم أو مقارب له"** (المغنی ۶/۱۵۹، ط: دار عالم الکتب) (اس بابت ہم نے جو بات کہی ہے، یہی امام مالک، امام شافعی اور دوسرے بہت سے اہل علم کا مذہب ہے یا

اسی کے قریب ہے)۔

موسوعہ فقہیہ میں بھی اس کی صراحت ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بدوصلاح کا مفہوم ایک ہی ہے۔اس میں صراحت ہے کہ ''بدوصلاح کے مفہوم میں جمہور اور حنفیہ کا اختلاف ہے۔جمہور کے نزدیک بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ پکنے اور حلاوت کے آثار نمایاں ہوجائیں اس طور پر کہ جو پھل رنگ نہیں پکڑتے وہ رس دار اور نرم ہوجائیں، اور جو پھل پکنے پر رنگ پکڑتے ہیں وہ سرخ یا سیاہ یا زرد ہوجائیں، حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے'' (موسوعہ فقہیہ ۱۵/۴۱، ثمار، رقم:۱۲)۔

احناف کے یہاں بدوصلاح کا مفہوم جیسا کہ ابھی گذرا یہ ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے۔ علامہ ابن ہمامؒ بدوصلاح کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' **بدو الصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد**'' (فتح القدیر ۶/ ۲۶۴)۔

تقریباً اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں اس مفہوم کو اکثر کتب احناف میں بیان کیا گیا ہے۔بعض حضرات سے یہ بھی منقول ہے کہ بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہوجائے یعنی آدمی یا جانور کے چارہ کے لائق ہوجائے۔''**وبدو الصلاح صيرورته صالحا لتناول بنی آدم أو لعلف الدواب**'' (الجوہرۃ النیرۃ، کتاب البیوع ۱/ ۲۳۱، ط: مکتبہ حقانیہ ملتان) ''**وفی الشمنی وإنما الخلاف فی تفسير بدو صلاحها وعندنا علی ما فی المبسوط هو أن يأمن العاهة والفساد وعلی ما فی الخلاصة عن التجريد أن يكون منتفعا به**'' (مجمع الأنہر: البیوع، فصل فیما یدخل فی البیع)۔

حنفیہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث میں بدوصلاح کی وضاحت کے لئے جو مختلف تعبیرات ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے۔اور ظاہر ہے کہ پھلوں کے اعتبار سے اس کا معیار بدلتا رہتا ہے، اسی لئے روایات میں جو پھلوں کے پکنے اور مٹھاس آجانے یا بعض کے سرخ یا زرد ہونے کی جو تعبیر آئی ہے وہ اس پھل کو پیش نظر رکھ کر ہے کہ اس میں آفت سے حفاظت اس کے پکنے یا رنگ بدلنے سے ہوتی ہے (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۶۹)۔

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس پر کلام کرتے ہوئے تفصیل بیان کی ہے کہ پھلوں کے بدلنے سے بدوصلاح کی کیفیت بدلتی ہے، پھر مختلف پھلوں کے ذریعہ اس کی مثالیں دی ہیں، مثلاً انجیر میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس میں مٹھاس آجائے اور رنگ پکڑلے، اسی طرح کالے انگور میں یہ ہے کہ کالا پن آجائے یا سفید انگور میں یہ ہے کہ سفیدی آجائے اور پک جائے، اسی طرح دوسرے کئی پھلوں کی مثال دی ہے۔دراصل اس سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ پھل خراب ہونے سے محفوظ ہوجائے جس کی علامت مختلف پھلوں میں مختلف ہے، اسی لئے علامہ عینی فرماتے ہیں: ''إن

بدو الصلاح متفاوت بتفاوت الأثمار" (عمدۃ القاری ۱۱/۴۲۶، البیوع، باب بیع المزابنۃ، ط: دار کتب العلمیۃ بیروت)۔

۴- پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی صورتیں:

الف- پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیا جائے، خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی۔

اگر درخت پر پھل سرے سے نہ آئے ہوں تو باتفاق ائمہ اربعہ اس کی بیع باطل ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، لہذا ان نصوص کی بنیاد پر جس میں معدوم کی بیع کی ممانعت ہے تمام ہی اس کے بطلان کے قائل ہیں، نیز یہ بیع معاومہ اور بیع سنین میں بھی داخل ہے؛ کیونکہ بیع معاومہ میں نہی کی اصل علت یہی ہے کہ معدوم کی بیع ہوتی ہے جو بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔ کما مر۔ بیع سلم سے اس کو مشابہت بھی نہیں ہے؛ کیونکہ پھلوں کی بیع میں درخت یا باغ متعین ہوتا ہے اور عاقدین متعین درخت یا متعین باغ کے پھلوں کا معاملہ کرتا ہے اور اسی سے بیع ثمار بیع سلم سے ممتاز وجدا ہوجاتا ہے۔ بیع سلم میں اگر یہ قید ہو کہ مجھے اس باغ یا اس درخت کا پھل متعینہ مدت میں چاہیے تو باغ اور درخت کی تعیین کی وجہ سے بیع سلم صحیح نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اس متعین درخت وباغ میں پھل ہوگا بھی یا نہیں، نیز اس میں بیع سلم کی دوسری بنیادی شرائط بھی مفقود ہیں کہ نہ اس میں مبیع کی مقدار متعین ہوتی ہے نہ ادائیگی کا وقت متعین ہوتا ہے؛ اس لئے بیع سلم سے اس کو کوئی مشابہت نہیں ہے۔ مزید یہ ہے کہ اس کے جواز کی گنجائش نکل آئے تو ممانعت کی روایات کا کوئی مصداق ہی نہیں رہیگا؛ لہذا یہ صورت بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔

ب- باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے۔

اگر باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ میں نہیں آئے ہوں تو جن درختوں میں پھل آگئے ہوں صرف انہی کی بیع صحیح ہوگی، جن میں پھل نہیں آئے ان کی بیع صحیح نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی۔ اسی کے قائل امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کے یہاں معدوم کی بیع بھی صحیح ہے؛ کیونکہ اس صورت میں موجود اور معدوم کی تمیز مشکل ہوگی، لہذا معدوم کو موجود کے تابع مانا جائیگا، جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے جب بعض میں بدوصلاح ہو اور بعض میں نہیں ہو۔

علامہ ابن قدامہؒ جمہور کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ ان پھلوں کی بیع ہے جو ابھی وجود میں ہی نہیں آئے ہیں، لہذا جس طرح سرے سے پھل نہیں آئے ہوں تو بالاتفاق اس کی بیع صحیح نہیں ہوتی ہے اسی طرح اگر کچھ پھل آگئے ہوں اور کچھ نہیں آئے ہوں تو اس کی بیع بھی صحیح نہیں ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں: "**وجملة ذلك أنه إذا باع ثمرة شئ من هذه البقول لم يجز إلا بيع الموجود منها دون المعدوم وبهذا قال أبو حنيفة والشافعي،**

وقال مالک: یجوز بیع الجمیع لأن ذلک یشق تمیزہ فجعل ما لم یظہر تبعا لما ظہر کما أن ما لم یبد صلاحہ تبع لما بدا۔ ولنا أنہا ثمرۃ لم تخلق فلم یجز بیعہا کما لوباعہا قبل ظہور شئ منہا"(المغنی ۶/ ۱۶۰)(خلاصہ یہ ہے کہ جب اس طرح کا پھل بیچے تو صرف موجود کی بیع جائز ہے نہ کہ معدوم کی، اور اسی کے قائل امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ ہیں، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سب کی بیع جائز ہے؛ کیونکہ تمیز کرنا مشکل ہوگا، پس معدوم کو موجود کے تابع مانا جائیگا، جیسا کہ جب بعض میں بدو صلاح ہو اور بعض میں نہیں ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان پھلوں کی بیع ہے جو ابھی نکلے ہی نہیں ہیں؛ لہٰذا اس کی بیع جائز نہیں ہوگی، جیسا کہ اس کی بیع ہو جب سرے سے پھل نہیں نکلے ہوں)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:"**قال الشافعی والأصحاب إذا بدا صلاح ما خرج من القثاء والبطیخ لم یجز بیع ما لم یخلق منہ تبعا لما خلق ووجب افراد العقد بالموجود وقال مالک یجوز بیع ما لم یخلق تبعا لما خلق لأن الحادث یختلط فدعت الضرورۃ إلی بیعہ قبل وجودہ تبعا**"(المجموع ۱۱/ ۱۵۵)۔

پس امام مالک کے علاوہ بقیہ تینوں اماموں کے یہاں اس صورت میں محض موجود کی بیع جائز ہے، معدوم کی بیع ناجائز ہوگی۔ پھر اگر مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے مزید پھل نکل آئے تو یہ بیع فاسد ہوجائیگی، اور اگر اس نے قبضہ کرلیا تھا پھر نئے پھل آئے ہیں تو اب اس باغ میں بائع اور مشتری دونوں شریک ہونگے اور مقدار کے تعین میں مشتری کی بات کا اعتبار ہوگا۔"**ولو اشتراہا مطلقا فأثمرت ثمرا آخر قبل القبض فسد البیع لتعذر التمیز ولو أثمرت بعدہ اشترکا للاختلاط**"(البحر ۵/ ۵۰۳، زکریا)۔

"**ولو اشتراہا مطلقا وأثمر ثمرا آخر قبل القبض فسد البیع لتعذر التمییز قبل التسلیم وإن أثمرت بعد القبض یشترکان والقول للمشتری فی قدرہ لأنہ فی یدہ وہو منکر**"(الاختیار لتعلیل المختار ۲/ ۷، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:"**فإن خرج بعض الثمرۃ أو خرج الکل لکن بعضہ منتفع بہ لا یجوز البیع للجمع بین الموجود والمعدوم والمتقوم وغیر المتقوم فتبقی حصۃ الموجود مجہولۃ**" (ایضا)(اگر بعض پھل نکلے ہوں یا سبھی پھل نکل آئے لیکن بعض قابل انتفاع نہیں ہوئے ہوں تو اس کی بیع جائز نہیں ہے؛ کیونکہ موجود اور معدوم اور متقوم وغیر متقوم کا اجتماع ہوگیا ہے، پس موجود والے حصہ میں جہالت باقی رہ گئی)۔

یہ تو حنفیہ کا ظاہر مذہب ہے اور اسی کو اکثر اہل متون نے نقل کیا ہے؛ لیکن بعض فقہاء احناف نے ضرورت اور تعامل ناس کی بنیاد پر اس صورت کے جواز کا قول اختیار کیا ہے۔ دلائل میں غور کرنے اور عرف وعادت کو سامنے رکھنے سے اسی قول کی ترجیح سمجھ میں آتی ہے۔

چنانچہ حنفیہ ایک بڑے بزرگ امام عبدالعزیز بن احمد بن نصر المعروف بہ شمس الائمہ حلوانیؒ (المتوفی ۴۴۸ھ) اور الامام ابوبکر محمد بن الفضل البخاریؒ سے جواز کا فتوی منقول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جو موجود ہے اسے اصل مانا جائیگا ؛اور معدوم کو اس کے تابع مانا جائیگا؛ کیونکہ لوگوں کا تعامل اسی پر ہے اور اس سے ہٹانے میں حرج لازم آئیگا، نیز حضرت امام محمدؒ سے منقول ہے کہ درخت پر پھول اگرچہ یکبارگی نہیں ہوتے مگر اس کے باوجود پورے پھول کی بیع صحیح ہے، پس اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

علامہ ابن ہمام تحریر کرتے ہیں: "**وكان الحلواني يفتي بجوازه في الكل وكذا حكى عن الامام الفضلي وكذا يقول الموجود وقت العقد أصل وما يحدث تبع نقله شمس الأئمة عنه ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر بل قال عنه: اجعل الموجود أصلا في العقد وما يحدث بعد ذلك تبعا وقال: استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم في ذلك عادة ظاهرة وفي نزع الناس من عادتهم حرج.وقد رأيت رواية في نحو هذا عن محمد رحمه الله وهو بيع الورد على الأشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق**" (فتح القدیر ۶/۲۶۹، البیوع، فصل من باع دارا) (شمس الائمہ حلوانی اس کے جواز کا فتوی دیتے ہیں، اور ایسے ہی امام فضلی سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو عقد کے وقت موجود ہے وہ اصل ہے اور جو ہوگا وہ تابع ہے۔ اسے شمس الائمہ نے امام فضلی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے عقد کے وقت جو موجود کے زیادہ ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے؛ بلکہ وہ کہتے ہیں موجود کو اصل اور جو بعد میں ہوا سے تابع مانا جائیگا، وہ کہتے ہیں: تعامل ناس کی وجہ سے اس میں استحسان ہے؛ کیونکہ انگور کی بیع میں لوگوں کا یہی تعامل ہے اور اس میں ان کا واضح عرف ہے اور لوگوں کو اس کے عرف سے ہٹانے میں حرج ہے۔ اس معاملہ میں امام محمد کی ایک روایت بھی دیکھا اور وہ گلاب کے پھول کی بیع ہے؛ اس لئے کہ گلاب کا پھول نو بہ نو ہوتا ہے پھر ہر ایک میں اسی طریقہ سے بیع جائز ہوئی)۔

علامہ ابوالفضل موصلی الحنفیؒ (المتوفی ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں:" **وكان شمس الائمة الحلواني والإمام أبو بكر محمد بن الفضل البخاري يفتيان بجوازه في الثمار والباذنجان ونحوهما جعلا المعدوم تبعا للموجود للتعامل دفعا للحرج بالخروج عن العادة وعن محمد الجواز في بيع الورد لأنه متلاحق**" (الاختیار لتعلیل المختار ۲/۷)۔

ابن نجیمؒ بھی اسی کے قائل ہیں (دیکھئے: فقہ البیوع ۱/۳۲۷)۔

خود علامہ ابن ہمامؒ کا رجحان بھی اسی جواز کی طرف ہے جیسا کہ شامی نے اس کی وضاحت کی ہے،" **وظاهر كلام**

الفتح الميل إلى الجواز ولذا أورد له الرواية عن محمد"(شامی ۸۶/۷،البیوع،مطلب فی بیع الثمر والزرع)۔

مجلّہ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔اس کی دفعہ ہے:"**ما تتلاحق افراده يعنى أن لا يبرز دفعة واحدة بل شيئًا بعد شئ كالفواكه والأزهار والأوراق والخضراوات إذا كان برز بعضها يصح بيع ما سيبرز مع ما برز تبعا له بصفقة واحدة**"(مادۃ:۲۰۷)(جو پھل نو بہ نو ہوتے ہوں یعنی یکبارگی نہیں نکلتے ؛ بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہوں جیسے میوہ، پھول، پتے اور سبزیاں، جب بعض پھل نکل جائے تو تبعاً اس کی بیع بھی صحیح ہے جو نکلنے والے ہوں ایک عقد سے)۔

علی حیدر اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:"**قد جوز هذا البيع استحسانا للعرف والتعامل فالبيع أصلا فى الموجود وتبعا فى المعدوم ... وبعض الفقهاء يشترط لجواز هذا البيع أن يكون الثمر الذى ظهر اكثر مما لم يظهر ليكون للأكثر حكم الكل وبعض العلماء لا يشترط هذا الشرط والظاهر من المجلة اختيار القول الثانى**"(درر الحکام شرح مجلۃ الأحکام ۱۸۲/۱،مادہ:۲۰۷)۔

علامہ شمس الائمۃ سرخسی اس کے عدم جواز کے قائل ہیں؛ لیکن انہوں نے اس کی جو وجہ بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اصلاً یہ بیع ناجائز ہے اور اس کے جواز کا قول اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا متبادل موجود ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ اس بیع میں موجود اور معدوم دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اور معدوم میں بیع کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور موجود کا ثمن کیا ہو، غیر معلوم ہے پس یہ عقد جائز نہیں ہے، نیز معدوم کو موجود کا درجہ ضرورتاً دیا جاتا ہے جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی اور امام ابوبکر فضلی نے دیا ہے؛ لیکن یہاں ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا متبادل موجود ہے، مثلاً یہ کہ پھلوں کی بیع درخت سمیت کی جائے یا جو پھل ابھی موجود ہیں محض ان کی بیع کی جائے اور پھر جب بعد میں مزید پھل کی پیداوار ہو تو اس کی بیع ہو یا یہ کہ موجودہ پھلوں کی وہ قیمت لگائی جائے جو اس درخت یا باغ میں ہونے والے تمام پھلوں کی قیمت ہو سکتی ہے پھر بائع کی طرف سے مکمل فائدہ اٹھانے کی اجازت مل جائے؛ لہٰذا جب مقصود ان طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے تو خواہ مخواہ معدوم کی بیع کے جواز کا قول اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ منہی عنہ ہے(المبسوط ۱۹۶/۱۲،دار المعرفہ بیروت)۔

اس میں غور کرنے سے واضح ہے کہ شمس الائمہ سرخسی یا اور اہل متون نے جو عدم جواز کا قول اختیار کیا ہے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ یہاں اس ضرورت کا فقدان ہے جس کی بنیاد پر احکام میں نرمی ہوتی ہے۔پس معلوم ہوا کہ اگر ایسی ضرورت کا وجود ہو تو اس کے جواز کا قول اختیار کیا جا سکتا ہے۔جہاں تک سوال معدوم کی بیع کی ممانعت کا ہے تو اس کا تعلق اس شکل سے ہے کہ اصالتہً معدوم کی بیع ہو۔اگر معدوم کی بیع موجود کے تابع مان کر ہو تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی دسیوں نظیریں موجود ہیں، مثلاً حمل کی بیع، یا تھن میں دودھ کی بیع یا جانور کے پشت پر اون کی بیع اصالۃ جائز نہیں ہے؛ مگر تبعاً جائز ہے۔

الغرض اگر ضرورت کی بنیاد پر مذکورہ شکل کے جواز کا قول اختیار کیا جائے تو یہ شمس الائمہ سرخسی وغیرہ کے قاعدہ کے خلاف نہیں ہوگا؛ چنانچہ جن بزرگوں نے جواز کا قول اختیار کیا ہے ان کے پیش نظر ضرورت اور تعامل ناس تھا، اور آج ضرورت کا تحقق کس قدر ہے مخفی نہیں ہے۔ آج کے دور میں اس کی ضرورت اور تعامل کے پیش نظر اس کے قول جواز کو ترجیح دینا قرین قیاس اور اقرب الی الصواب ہے؛ اس لئے کہ جواز وعدم جواز کے قائلین میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں: " **لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا ولا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علی الناس لا یمکن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذکورة ... وفی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت ویلزم تحریم أکل الثمار فی هذه البلدان إذ لا تباع إلا کذلک والنبی ﷺ إنما رخص فی السلم للضرورة مع أنه بیع المعدوم فحیث تحققت الضرورة هنا أیضا أمکن إلحاقه بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوه من الإستحسان لأن القیاس عدم الجواز وظاهر کلام الفتح المیل إلی الجواز ولذا أورد له الروایة عن محمد بل تقدم أن الحلوانی رواه عن أصحابنا وماضاق الأمر إلا اتسع ولایخفی أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة**" (شامی ۷/۸۶، ط: دار عالم الکتب ریاض) (ہمارے زمانے میں ضرورت کا تحقق مخفی نہیں ہے، خاص کر دمشق شام جیسے علاقہ میں جہاں درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے؛ کیونکہ لوگوں میں جہالت کا غلبہ ہے؛ اس لئے مذکورہ کسی طریقہ کو اختیار کر کے بچنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر بعض افراد کے اعتبار سے ممکن بھی ہو تو عام لوگوں کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے ہٹانے میں حرج ہے جیسا کہ معلوم ہے، اور لازم آئیگا کہ ان شہروں میں پھلوں کا کھانا حرام قرار دیدیا جائے؛ کیونکہ اس کی بیع اسی طرح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے سلم کی رخصت ضرورت کی بنا پر دی ہے باوجودیکہ وہ معدوم کی بیع ہے۔ یہاں بھی چونکہ ضرورت کا تحقق ہے؛ اس لئے بطور دلالت سلم کے حکم میں شامل کیا جاسکتا ہے؛ لہذا یہ نص سے متصادم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے استحسان کے قبیل سے قرار دیا ہے اس لئے کہ قیاس کا تقاضا عدم جواز ہے، اور فتح القدیر کے کلام کا ظاہر جواز کا رجحان ہے؛ اسی لئے انہوں نے امام محمد کی روایت کا ذکر کیا ہے؛ بلکہ گذر چکا کہ حلوانی نے اس کو ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے، اور جس معاملہ میں تنگی ہوتی ہے تو اس میں گنجائش نکل آتی ہے، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ظاہر الروایت سے عدول کے لئے اتنا کافی ہے)۔

لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ علامہ شامیؒ نے مسئلہ کی جو تفصیل بتائی ہے اس اعتبار سے تو اس شکل کو بھی جائز ہونا چاہیے؛ جبکہ سرے سے پھل کی پیداوار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب بعض پھل میں پیداوار نہیں ہونے کی وجہ سے مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اس کے جواز کا قول اختیار کیا گیا تو جب سرے سے پھل نہ آئے ہوں تو اس وقت بھی یہی بات کہی جاسکتی ہے اور اس کے بھی

جواز کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مفتی تقی صاحب نے اس سوال کو قائم کر کے اس کا دو جواب دیا ہے: ضرورت کا تحقق جس طرح اس صورت میں ہے، پہلی صورت میں نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ محض ضرورت کسی حرام کو حلال بننے کے لئے کافی نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ کسی شرعی اصول کے تحت داخل نہ ہو، اور اس صورت میں وہ موجود ہے کہ جو پھل موجود ہے اسے اصل مبیع قرار دیا جائے اور جو معدوم ہے اسے موجود کے تابع مانا جائے؛ لیکن پہلی صورت میں تو معدوم ہی اصل مبیع بنے گی جس کی حرمت نص سے واضح ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۷)۔

بعض فقہی اصول بھی اس کے جواز کی طرف مشیر ہیں، "الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة" جب کوئی چیز ضرورت کا درجہ اختیار کرلے تو اس کی بنیاد پر احکام میں نرمی آتی ہے۔ چنانچہ "الضرورات تبیح المحذورات"، "المشقة تجلب التیسیر" وغیرہ قاعدے اسی پس منظر میں ہیں، لہذا ان قاعدوں سے یہاں بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش نظر آتی ہے۔ اسی قاعدہ کی بنیاد پر بیع وفا کے جواز کا قول اختیار کیا گیا ورنہ اصلاً ربا کی مشابہت کی بنیاد پر ممنوع ہونا چاہیے۔ بیع سلم اور بیع استصناع بھی اصلاً بیع باطل اور معدوم کی بیع ہیں؛ لیکن احتیاج ناس اور ضرورت عامہ کے پیش نظر شرعاً اس کا جواز ثابت ہے۔ ان قاعدوں سے دسیوں مسائل میں فائدہ اٹھایا گیا ہے (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ۱/۴۲، مادة:۳۲)۔

"العادة محکمة" عرف وعادت شرعی حکم کی ایک بڑی بنیاد ہوتی ہے اور اس پر حکم شرعی کا مدار ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے بھی اس مسئلہ میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس کے جواز کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ عرف وعادت کو شرعی بنیاد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس حکم کے سلسلے میں کوئی نص وارد نہیں ہو؛ کیونکہ جب کسی مسئلہ میں نص وارد ہو اور اس کے مقابلہ میں لوگوں کا عرف ہو تو اس صورت میں نص کے مقتضی پر عمل ہوگا، عرف پر عمل نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ نص عرف کے مقابلہ میں قوی ہوتا ہے، پس عرف کی بنیاد پر کسی حکم شرعی میں تبدیلی کا اختیار نہیں ہے، اور یہاں تو اس مسئلہ میں نص وارد ہے تو کیا یہاں نص کے مقابلہ میں عرف وعادت کی بنیاد پر اس مسئلہ کے جواز کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے؟۔

اصل میں جب نصوص شرعی کے مقابلہ میں عرف آجائے تو اس کی مختلف شکلیں بنتی ہیں۔

عرف دلیل شرعی کے مطابق ہو۔ اس صورت میں نص کی رعایت ہوگی؛ کیونکہ نص پر عمل ہی اصل ہے۔ عرف سے محض استیناس کیا جائے گا۔

عرف نص سے مکمل متصادم ہو تو نص پر عمل ہوگا اور عرف کو چھوڑ دیا جائیگا؛ کیونکہ نص کے رہتے ہوئے عرف کو حکم

شرعی کی بنیاد بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

عرف نص سے مکمل متصادم نہیں ہو، مثلاً دلیل عام ہو اور عرف کسی خاص شکل میں موجود ہو اور اسی خاص فرد کے اعتبار سے عرف نص سے مخالف ہو۔ اس صورت میں جس خاص فرد میں عرف موجود ہے وہ عرف عام ہے تو اسے ترجیح ہوگی اور نص کے لئے اسے مخصص مانا جائیگا جیسا کہ بیع سلم واستصناع کے جواز اور دوسرے بہت سے مسائل میں ہوتا ہے، اور اگر عرف خاص ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور نص پر عمل ہوگا۔" **أما إذا ورد فإما أن يكون نصا في مخالفتها فلا كلام في اعتباره دونها مطلقا عامة كانت أو خاصة لأن النص أقوى من العرف ... وإما أن يكون عاما ويكون المعتاد جزئيا من جزئياته فحينئذ إما أن تكون عامة فتصلح أن تكون مخصصة لعمومه اتفاقا**" (شرح القواعد الفقہیۃ للشیخ مصطفیٰ الزرقا، ص ۲۲۰، المادۃ: ۳۶، نیز دیکھیے: الوجیز فی ایضاح القواعد الکلیۃ للدکتور محمد البورنو: ۲۸۲)۔

چنانچہ علی حیدر نے درر الحکام میں امام ابو یوسف کا قول نقل کیا ہے کہ:" **إذا تعارض النص والعرف ينظر فيما إذا كان النص مبنيا على العرف والعادة أم لا فإذا كان النص مبنيا على العرف والعادة ترجح العادة ويترك النص وإذا كان النص غير مستند إلى عر ف وعادة يعمل بالنص ولا عبرة بالعادة**" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۱/۴۴، مادۃ: ۳۶) (جب نص اور عرف میں تعارض ہو جائے تو دیکھا جائیگا کہ نص عرف وعادت پر مبنی ہے یا نہیں، اگر نص عرف وعادت پر مبنی ہے تو عرف کو ترجیح ہوگی اور نص متروک ہوگی، اور اگر نص عرف وعادت پر مبنی نہیں ہے تو نص پر عمل کیا جائیگا اور عرف غیر معتبر ہوگا)۔

درحقیقت ابتلائے عام کی وجہ سے کسی شرعی حکم کو حرام سے حلال نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ ہوتا صرف یہ ہے کہ جب کسی چیز میں ابتلائے عام ہو جائے اور اس میں لوگوں کو اس سے روکنا ناممکن اور مشکل ہو جائے تو کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو کسی شرعی قاعدہ پر منطبق کیا جائے اور حرمت سے بچنے کی راہ نکالی جائے؛ تاکہ لوگوں کو حرج لازم نہیں آئے۔ پھلوں کی بیع کی صورت میں تو اتنا زیادہ ابتلائے عام ہے کہ اگر یہ دعوی کیا جائے کہ پوری دنیا میں ہر زمانے میں پھلوں کی بیع میں لوگ شرعی احکام واصول کو نظر انداز کرتے چلے آرہے ہیں تو شاید غلط نہیں ہو۔ اب ظاہر ہے کہ اس ابتلائے عام کو بیک جنبش قلم ناجائز کہہ دیا جائے تو حرج عظیم لازم آئیگا؛ اس لئے جب تک کسی شرعی اصول کے دائرہ میں لاکر اس کے جواز کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہو اس راہ کو اپنایا جائیگا۔ ہاں اگر ابتلائے عام کسی شرعی اصل کے دائرہ میں نہیں آتے ہوں تو پھر بلا وجہ کسی ناجائز عمل کو جواز کے دائرہ میں نہیں لایا جاسکتا، مثلاً جن معصیتوں میں ابتلائے عام ہو جائے تاویل کی راہ اپنا کر اس کی شدت میں کمی نہیں کی جائیگی۔

ج۔ پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔

اگر سرے سے انتفاع کے قابل نہ ہو کہ کھانے یا جانور کے چارہ میں بھی کام نہ آسکتا ہو، شوافع اور حنابلہ کے یہاں اس کی بیع صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ان کے یہاں فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری ہے۔ احناف کے یہاں صحیح قول کے مطابق یہ بیع صحیح ہے؛ کیونکہ اگر چہ حالاً وہ قابل انتفاع نہیں ہے؛ لیکن مستقبل میں قابل انتفاع مال ہے، اور اگر جانوروں کے چارہ کے لائق ہو گئے ہوں؛ لیکن انسانی استعمال کے قابل نہیں ہوں تو احناف کے یہاں بالاتفاق اس کی بیع صحیح ہے۔ مالکیہ کا مذہب احناف کی طرح ہے (موسوعہ ۹/۲۱۵، ۲۱۷) (جواب نمبر ۲ کے ضمن میں اس کی تفصیل گذر چکی)۔

۵- اگر پھل تیار نہیں ہو تو اس کی فروخت شکلیں:

الف۔ فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا۔

باتفاق ائمہ اربعہ یہ صورت جائز ہے؛ کیونکہ ممانعت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پھل ضائع ہو جائے اور مشتری کو کچھ بھی ہاتھ نہ لگے، پس جب پھل توڑ لیا گیا تو اس کا خدشہ جاتا رہا، گویا اب یہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع نہیں رہی، اور نہی کا اس بیع سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

البتہ اس صورت میں تمام فقہاء کے یہاں یہ تفصیل ہے کہ جواز کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے کہ وہ پھل قابل انتفاع ہو گئے ہوں، اگر پھل قابل انتفاع نہیں ہوں تو یہ شکل بھی جائز نہیں ہوگی۔ پھر قابل انتفاع ہونے میں بھی تفصیل ہے، نیز مالکیہ نے اس کے علاوہ مزید دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے (جواب نمبر ۲ کے ضمن میں اس کی بھی تفصیل گذر چکی)۔

ب۔ طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔

بدوصلاح سے پہلے یہ بیع بالاجماع صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں ایسی شرط ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے یا اس صورت میں ایک عقد میں دوسرا عقد کرنا ہے، یا تو بیع کے ساتھ اجارہ ہے یا اعارہ اور یہ دونوں باطل ہے۔ اس کے علاوہ اس کا خدشہ ہے کہ پھل ضائع ہو جائے اور مشتری کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے (اس کی بھی تفصیل جواب نمبر ۲ کے ضمن میں آچکی ہے)۔

ج۔ نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات ہوئی اور نہ درخت پر باقی رہنے کی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بیع قبل بدوصلاح سے ممانعت ہے اور یہ صورت بھی اس میں داخل ہے، حضرات احناف کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور مشتری کی ذمہ داری ہے کہ فوری طور پر پھل توڑ لے (اس کی بھی تفصیل جواب نمبر ۲ کے ضمن میں آچکی ہے)۔

۶-پھل خریدنے کے بعد پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایا پر لینا:

پھل خریدنے کے بعد (ان صورتوں کے اعتبار سے جو جائز ہیں کما مر) اگر درخت کو عاریت پر لے لے تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جیسا کہ گذرا کہ بیع مکمل ہونے کے بعد بائع کی اجازت سے پھل درخت پر باقی رکھے تو ایسا کرنا جائز ہے اور پھل میں ہونے والی زیادتی حلال ہے؛ لیکن اگر عاریت کے بجائے درخت کو اجارہ پر لے تو اس کا حکم درج ذیل ہے:

دراصل درخت کو اجارہ پر لینے کی دو صورتیں ہیں اور فقہاء نے ان دونوں صورتوں میں درخت کے اجارہ کو صحیح نہیں لکھا ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ درخت کو کرایہ پر لیا جائے؛ تاکہ اس پر پیدا ہونے والا پھل حاصل کیا جائے۔ یہ اجارہ باطل ہے؛ اس لئے کہ اجارہ منفعت کی بیع ہے اور درخت کو اجارہ پر لینے کی شکل اس سے جو منفعت حاصل ہوگی وہ پھل کی شکل میں ہوگی جو منفعت نہیں، ذات ہے؛ لہٰذا پھل حاصل کرنے کے لئے درخت کا اجارہ صحیح نہیں ہے۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: **”وإذا عرف أن الاجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر؛ لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين“** (بدائع الصنائع ۴/۱۷۵، الاجارۃ، فصل رکن الاجارۃ) (اور جب معلوم ہوگیا کہ اجارہ منفعت کی بیع ہے تو اس پر ہم بعض مسائل کی تفریع کرتے ہیں، پس ہم کہتے ہیں کہ درخت اور انگور کی بیل کا اجارہ پھل کے لئے صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ پھل عین ہے اور اجارہ منفعت کی بیع ہے نہ کہ عین کی بیع)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: **”ولايجوز إجارة الشجر والكرم بأجرة معلومة على أن تكون الثمرة للمستأجر لأن الثمرة عين لا يجوز استحقاقها بعقد الإجارة فإنه يجوز بيعه بعد الوجود وإنما يستحق بعقد الإجارة مما لايجوز بيعه بعد الوجود، ولأن محل الاجارة المنفعة وهی عرض لايقوم بنفسه ولايتصور بقاؤها والثمرة تقوم بنفسها كالشجرة فكما لا يجوز أن يتملک الشجرة بعقد الإجارة فكذلک الثمرة ولأن المؤاجر يلتزم مالا يقدر على إبقائه فربما تصيب الثمرة آفة وليس فی وسع البشر اتخاذها“** (المبسوط ۱۶/۳۳، باب الاجارۃ الفاسدۃ) (درخت اور انگور کی بیل کا اجارہ اجرت معلومہ پر جائز نہیں ہے اس شرط پر کہ پھل مستاجر کے لئے ہو؛ اس لئے کہ پھل عین (ذات) ہے جس کا استحقاق عقد اجارہ سے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی بیع وجود کے بعد جائز ہے اور عقد اجارہ سے اس چیز کا استحقاق ہوتا ہے جس کی بیع وجود کے بعد جائز نہیں ہو، اور اس لئے بھی کہ اجارہ کا محل منفعت ہے، اور وہ عرض ہے جو قائم بالذات نہیں ہوتا اور اس کی بقا متصور نہیں ہے۔ اور پھل درخت کی

طرح قائم بالذات ہے۔پس جس طرح عقد اجارہ سے درخت کی ملکیت حاصل نہیں ہوتی پھل کی بھی نہیں ہوتی۔اور اس لئے بھی کہ (اس اجارہ میں) اجرت دینے والا اس چیز کا التزام کرتا ہے جس پر وہ قادر نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ پھل پر آفت آجائے اور انسان کے بس میں نہیں ہے کہ اسے بنادے)۔

شامی میں ہے:" **وانما لا یصح استئجار الاشجار أیضا لما مر إنها تملیک منفعة**" (شامی ۹/۱۰، اول کتاب الاجارۃ)۔

دوسری صورت زیر بحث مسئلہ ہے، وہ یہ ہے کہ پھل حاصل کرنے کے لئے درخت کو اجارہ پر نہیں لیا گیا۔پھل تو اس نے پہلے ہی خرید لیا ہے جو اس کی ملکیت ہے جبکہ درخت دوسرے کی ملکیت ہے۔یہاں بات یہ ہے کہ جو پھل اس نے خریدا ہے ابھی اسے مکمل تیار ہونا باقی ہے۔ابھی وہ انسانی استعمال کے قابل نہیں ہوا ہے اور ابھی اس کی ضرورت ہے کہ کچھ مدت کے لئے اسے درخت پر مزید رہنے دیا جائے؛ تاکہ وہ مکمل تیار ہوسکے اور منفعت اصلی حاصل ہوسکے۔فقہاء نے اس صورت کو بھی ناجائز لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ درخت کو اجارہ پر لینا کسی حال میں صحیح نہیں ہے: اس لئے کہ اولاً اجارہ کی مشروعیت ہی غیر قیاسی ہے۔قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اجارہ کا عقد صحیح نہیں ہو؛ لیکن شرعاً ان چیزوں میں اس کی اجازت دی گئی جس کا تعامل ہے اور محض درخت کو اجارہ پر دینے کا کوئی تعامل نہیں ہے۔دوسرے یہ کہ درخت کو اجارہ پر لینے کی حاجت بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ پھلوں کو اس کے اصل کے ساتھ خریدنا ممکن ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کو اجارہ پر لیا جائے اس سے وہی منفعت حاصل کی جائے جو اس سے مقصود ہو۔مثلاً سایہ حاصل کرنے کے لئے یا کپڑا خشک کرنے کے لئے درخت کا اجارہ نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ درخت سے یہ منفعت مقصود نہیں ہوتی ہے، اسی طرح پھل خریدنے کے بعد اسے درخت پر چھوڑے رکھنے کے لئے درخت کو کرایہ پر نہیں لیا جاسکتا؛ کیونکہ درخت کو اس منفعت کے لئے کرایہ پر نہیں لیا جاتا، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:"**ومنها أن تکون المنفعة مقصودة یعتاد استیفاؤها بعقد الإجارة ویجری بها التعامل بین الناس لأنه عقد شرع بخلاف القیاس لحاجة الناس ولاحاجة فیما لا تعامل فیه للناس فلایجوز استئجار الأشجار لتجفیف الثیاب علیها والاستظلال بها لأن هذه منفعة غیر مقصودة من الشجر ولو اشتری ثمرة شجرة ثم استأجر الشجرة لتبقیة ذلک فیه لم یجز لأنه لایقصد من الشجر هذا النوع من المنفعة وهو تبقیة الثمر علیها فلم تکن منفعة مقصودة عادة**"(بدائع ۴/۴۶، زکریا)(اور ایک شرط یہ ہے کہ منفعت مقصود ہو اور عقد اجارہ سے اس کا حصول معتاد ہو اور اس کا تعامل بھی ہو؛ اس لئے کہ وہ ایسا عقد ہے جو قیاس کے برخلاف مشروع ہے لوگوں کی حاجت کی وجہ سے، اور جس میں تعامل نہیں ہو اس میں حاجت کا وجود نہیں ہوتا؛

چنانچہ کپڑا خشک کرنے کے لئے اور سایہ حاصل کرنے کے لئے درخت بطور اجارہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ ایسی منفعت ہے جو درخت سے مقصود نہیں ہے، اور اگر کسی نے درخت کا پھل خریدا پھر پھل کو درخت پر باقی رکھنے کے لئے درخت کو کرایہ پر لیا تو جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ درخت سے اس طرح کی منفعت مقصود نہیں ہوتی اور وہ پھل کو درخت پر چھوڑے رکھنا ہے، پس عادۃً یہ منفعت مقصود نہیں ہوئی)۔

مبسوط میں ہے: "**لو استأجر الأرض مدة معلومة يجوز وهنا لو استأجر الأشجار مدة معلومة لايجوز بحال لأن استئجار الأرض بالدراهم صحيح واستئجار الأشجار لا يجوز بحال**" (المبسوط ۱۲/۱۹۶) (اگر زمین کو متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے تو جائز ہے لیکن اگر درخت کو متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے تو کسی حال میں جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ روپیہ سے زمین کو کرایہ پر لینا صحیح ہے اور درخت کرایہ پر لینا کسی حال میں صحیح نہیں ہے)۔

درر الحکام میں ہے: "**إذا بيع شجر عليه ثمر غير ناضج ورضى المشترى بإيجار الشجر للبائع حتى ينضج الثمر فلا يصح الايجار وإذا رضى المشترى بإعارة الشجر للبائع جاز ذلک**" (درر الحکام ۱/۲۵۴، مادۃ: ۲۶۸) (جب درخت کی بیع ہے اور اس پر کچا پھل ہو اور مشتری بائع کو درخت اجارہ پر دینے کو راضی ہو جائے یہاں تک کہ پھل پک جائے تو اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے، اور جب مشتری درخت کو عاریت پر دینے پر راضی ہو جائے تو جائز ہے)۔

البتہ ایسا کر لینے کے بعد جو پھل دوسرے کی ملکیت میں تیار ہوا اور اس میں جو اضافہ ہوا ہے وہ حلال ہے؛ کیونکہ اجارہ کا جو معاملہ ہوا وہ باطل ہے؛ لیکن اجارہ کے ضمن میں بائع کی طرف سے درخت پر پھل کو باقی رکھنے کی جو اجازت ملی وہ باقی رہی اور اسی کی وجہ سے پھل میں جو زیادتی ہوئی وہ بائع کی اجازت سے ہوئی؛ لہٰذا وہ حلال ہے۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں: "**وإذا صار العقد لغوا بقى مجرد الاذن، والترک متى كان بإذن البائع فالفضل يطيب له**" (المبسوط ۱۲/۱۹۶، نیز دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۹/۲۱۸، بیع منہی عنہ، رقم: ۷۸، شرح القواعد الفقہیہ: مصطفی الزرقاء/۲۷۸)۔

علامہ برہان الدین ابن مازہ الحنفی (المتوفی ۶۱۶ھ) صاحب محیط فرماتے ہیں: "**لو استأجر الأرض إلى وقت الإدراک يلزمه أجر المثل ولا يطيب له الفضل، و لو استأجر الأشجار إلى وقت إدراک الثمر فى مثل هذه الصورة يطيب له الفضل ولا يلزمه شئ من الأجر، والفرق أن الإجارة فى مسألة النخيل أضيف إلى غير محلها وهى الأشجار؛ لأن الحادث من الأشجار زيادة فى التمر والزيادة فى التمر عين وليس بمحل الإجارة، فالتصرف المضاف إلى غير محله لا جواز له ولا انعقاد، فيبقى مجرد**

الإذن بالترک من غیر عقد ولا فساد فیه، فیطیب الفضل ولا یجب الأجر" (المحیط البرہانی ۶/۳۳۹، کتاب البیع، الفصل السادس، ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت) (اگر زمین کو (کھیتی) پکنے کے وقت تک اجارہ پر لے تو اجرت مثل لازم ہے اور زیادتی پاک نہیں ہے، اور اگر درخت کو پھل پکنے کے وقت تک اجارہ پر لے اسی صورت میں (یعنی جبکہ مطلقاً یا توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو) تو زیادتی پاک ہے اور کوئی اجرت لازم نہیں ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کھجور والے مسئلہ میں اجارہ غیر محل یعنی درخت کی طرف منسوب ہے؛ اس لئے کہ درخت سے جو حادث ہوگا وہ کھجور میں زیادتی ہوگی، اور کھجور میں زیادتی عین ہے جو اجارہ کا محل نہیں ہے، پس ایسا تصرف جو غیر محل کی طرف منسوب ہو نہ وہ جائز ہے اور نہ ہی اس کا انعقاد ہوتا ہے، پس بغیر عقد کے محض چھوڑ دینے کی اجازت باقی رہی اور اس میں کوئی فساد نہیں ہے؛ لہذا زیادتی پاک ہوگی اور اجرت واجب نہیں ہوگی)۔

اگر درخت کے پھل کے بجائے زمین پر اگنے والی سبزی ترکاری وغیرہ خریدی جائے، مثلاً کھیرا ککڑی، تربوزہ یا چاول گیہوں وغیرہ، اور اسے تیار ہونے کے لئے مدت معلومہ تک زمین کو اجارہ پر لیا جائے تو یہ شکل صحیح ہے؛ لیکن جو پھل درختوں پر اگتے ہیں جیسے آم سیب امرود وغیرہ، اس پھل کو تیار ہونے کے لئے بجائے درخت کے زمین کو اجارہ پر لیا جائے تو یہ صورت بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ اگر زمین کو بغیر درخت کے اجارہ پر لیا جائے تو شئ مستاجر یعنی زمین، مواجر (اجارہ پر دینے والے) کی ملکیت سے مشغول ہوگی؛ اس لئے کہ اس زمین میں مواجر کا درخت موجود ہے اور جب تک شئ مستاجر مکمل فارغ نہیں ہو، اجارہ صحیح نہیں ہوتا، اور اگر زمین کو درخت کے ساتھ اجارہ پر لیا جائے تو پھر وہی بات ہوئی، کیونکہ مقصود تو درخت کو ہی اجارہ پر لینا تھا (تفصیل کے لئے دیکھئے: المحیط البرہانی ۷/۴۸۷، بدائع الصنائع ۴/۴۶، ردالمحتار ۷/۸۹)۔

الغرض فقہاء کی تصریحات کے مطابق درخت کا اجارہ نہ اس شکل میں صحیح ہے جب کہ درخت کو پھل حاصل کرنے کے لئے اجارہ پر لیا جائے؛ کیونکہ اس صورت میں اجارہ کی بنیاد ہی صحیح نہیں ہوتی ہے، اور نہ اس شکل میں صحیح ہے کہ اولاً پھل بلا کسی شرط کے خرید لئے جائیں پھر اسے تیار ہونے کے لئے درخت کو اجارہ پر لیا جائے۔

لیکن اس دوسری صورت میں جس سے ہماری بحث متعلق ہے غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ اس اجارہ کے ناجائز ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس لئے اس اجارہ کو غیر صحیح مانا جائے؛ کیونکہ اس میں اجارہ منفعت پر نہیں، ذات پر واقع ہوا ہے، اور اجارہ چونکہ منفعت (عرض) کی بیع کا نام ہے؛ لہذا ذات کی بیع ہونے کی وجہ سے یہ اجارہ صحیح نہیں ہوا، جیسا کہ محیط کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے: "**إن الإجارة فی مسألة النخیل أضیف الی غیر محلها وهی الأشجار لأن الحادث من الأشجار زیادة فی التمر والزیادة فی التمر عین ولیس بمحل الإجارة فالتصرف المضاف إلی غیر**

محله لا جواز له ولا انعقاد" (المحیط البرہانی ۶/۳۳۹، کتاب البیع ،الفصل السادس)۔

جب اس پہلو سے اس پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس صورت میں اجارہ ذات پر نہیں، منفعت (عرض) پر واقع ہے۔ اجارہ کے منفعت پر ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس منفعت کے وجود میں آنے کے بعد اس کی بیع صحیح نہیں ہو؛ کیونکہ اس کا تعلق عرض سے ہوتا ہے؛ جبکہ بیع ذات کی ہوتی ہے۔"**وانما یستحق بعقد الاجارة مما لایجوز بیعه بعد الوجود ولأن محل الاجارة المنفعة وهی عرض لایقوم بنفسه ولایتصور بقاؤها**"(المبسوط ۱۶/۳۳، باب الاجارۃ الفاسدۃ)۔ یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے، یعنی یہ نہیں ہے کہ اس اجارہ کے نتیجہ میں مستاجر کو پھل مل رہے ہوں، پھل تو اس نے خرید لیا ہے اور وہ اس کی ملکیت ہے؛ بلکہ پھل کا درخت سے جو تعلق ہے اس کی بنیاد پر پھل کو تقویت مل رہی ہے، یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس اجارہ کے نتیجہ میں پھل کی صفت میں تبدیلی آئیگی جو کہ عرض ہے، پس اجارہ عرض پر واقع ہے۔ جیسے کسی نے کھیتی خریدی پھر کھیت کو اجارہ پر لے لیا تو اس میں زمین کی منفعت پیداوار کو ملتی ہے اور یہ اجارہ صحیح ہوتا ہے، اسی طرح کی بات پھل اور درخت میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ زرع اور زمین والے مسئلہ میں شمس الائمہ سرخسی نے اس کی وضاحت کی ہے۔ وہ اجارہ کے ایک مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" **وإن استأجر الأرض مدة معلومة بأجر معلوم ليترک الفضل فيها فذلک جائز لأن استئجار الأرض صحيح إذا كان المستاجر يتمكن من استيفاء منفعتها والتمكن هنا موجود لاشتغالها بزرعه بمعنى أنه وصلت منفعة الأرض إلى زرعه فصار كان زرعه استوفى منفعة الأرض**"(المبسوط ۱۲/ ۱۹۴)۔

الغرض جب اس صورت میں اجارہ ذات پر نہیں، عرض پر واقع ہے تو ممانعت کی یہ بنیاد نہیں ہوگی، اور اس سے واضح ہے کہ کسی دوسری وجہ سے اجارہ اشجار کی اس شکل کو فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے۔

علامہ مرغینانیؒ صاحب ہدایہ کے بیان سے اس پر روشنی پڑتی ہے، انہوں نے وضاحت کے ساتھ اس ممانعت کی ایک دوسری وجہ لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:"**وإن اشتراها مطلقا وتركها على النخيل وقد استأجر النخيل إلى وقت الادراک طاب له الفضل لأن الإجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة فبقي الإذن معتبرا**" (ہدایہ: البیوع، فصل ومن باع دارا)۔

صاحب ہدایہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس اجارہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نہ اس کا تعامل ہے اور نہ ہی ضرورت۔ اور جب تک تعامل اور ضرورت دونوں کا تحقق نہ ہو اجارہ اشجار کے جواز کا قول اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسی کو

موسوعہ فقہیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ موسوعہ فقہیہ میں ہے: لوگوں میں درختوں کے اجرت پر لینے کا عرف نہیں، نیز خریدار کو درختوں کے اجرت پر لینے کی حاجت نہیں، اس لئے کہ پھلوں کو ان کے اصل کے ساتھ خریدنا اس کے لئے ممکن ہے، اور قیاس میں اصل یہ ہے کہ اجارہ باطل ہے شرعاً حاجت کی وجہ سے، اس چیز میں اجازت دے دی گئی جس کا تعامل ہے اور محض درختوں کو اجارہ پر دینے کا تعامل نہیں (موسوعہ فقہیہ اردو ۹/۲۱۸)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے بھی اس مسئلہ پر بحث کیا ہے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ اجارہ اشجار کی حاجت تو موجود ہے، اس کا تعامل نہیں ہے؛ لہذا یہ جائز نہیں ہے۔ وہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہ جب پھلوں کی جسامت مکمل نہ ہو اور اس کی بیع مطلقاً ہو پھر بائع کی اجازت سے پھل کو درخت پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پختہ ہوجائے تو اس میں ہونے والی زیادتی حلال ہوتی ہے، اس کے تحت اجارۂ اشجار کے بطلان کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے باطل ہونے کی دو وجہ ہے: ایک تو یہ کہ اس کا تعامل نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ ضرورت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی متبادل نہیں ہو اور یہاں متبادل موجود ہے کہ پھل کے ساتھ درخت کو بھی خرید لیا جائے پھر اس پر پھل باقی چھوڑا جائے۔ پھر اس دوسری شق پر خود ہی نقد کرتے ہیں کہ اجارہ شجر درخت خریدنے کا متبادل نہیں ہوسکتا ہے۔ کہاں درخت کو اجارہ پر لینا اور کہاں اسے خریدنا، اس میں جو دشواری ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں مشتری کو ایسی چیز کے خریدنے پر مجبور کرنا ہوا جس کی اسے حاجت نہیں ہے، نیز ہوسکتا ہے کہ اسے درخت خریدنے کی وسعت بھی نہ ہو، علاوہ ازیں بائع درخت بیچنے سے اتفاق کرلے کوئی ضروری نہیں ہے؛ لہذا یہ ماننا کہ اجارہ اشجار کی حاجت نہیں ہے، صحیح نہیں ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اس کا تعامل نہیں ہے، اور اجارہ کی مشروعیت وہاں ہوتی ہے جہاں حاجت کے ساتھ ساتھ تعامل بھی ہو، اور اجارہ اشجار میں تعامل نہیں ہے پس درخت کا اجارہ عدم تعامل کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔ عدم تعامل کو عدم جواز کی وجہ ماننا بہتر ہوگا نہ کہ عدم حاجت کو؛ کیونکہ عدم حاجت کا فقدان ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کی صراحت کی کہ اجارہ اشجار کا عدم جواز اس کے عدم تعامل کی وجہ سے ہے (عدم حاجت کی وجہ سے نہیں ہے؛ کیونکہ حاجت تو موجود ہے)۔

ابن ہمامؒ کی پوری عبارت یہ ہے: ''**أما في الإجارة فلأنها إجارة باطلة لعدم التعارف في إجارة الأشجار والحاجة فان الحاجة ليست بمتعينة في ذلک وانما يتعين لو لم يكن مخلص إلا بالاستئجار وهنا يمكن أن يشترى الثمار مع أصولها فيتركها عليها ولا يخفى ما في هذا من العسر فانه يستدعى شراء مالا حاجة له إليه أو ما لا يقدر على ثمنه وقد لا يوافقه البائع على بيع الأشجار فالأول أولى. وأصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل ولا تعامل فى**

إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز"(فتح القدیر ۶/۲۶۵)(بہرحال اجارہ والے مسئلہ میں تو اجارہ باطل ہے اجارہ اشجار کے تعامل اور حاجت نہیں ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ حاجت اِسی صورت میں متعین نہیں ہے۔ ہاں متعین ہوتی اگر اجارہ پر لینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا، اور یہاں ممکن ہے کہ پھل کو اس کے اصل سمیت خرید لیا جائے، پھر اس پر پھل چھوڑ دیا جائے۔ اور اس میں جو دشواری ہے وہ مخفی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں اس چیز کے خریدنے کی ضرورت ہوگی جس کی نہ ہی اسے حاجت ہے، نہ ہی اس کے ثمن پر اسے قدرت ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بائع درخت کو بیچنے سے اتفاق نہیں کرے، پس پہلا بہتر ہے۔ اور اجارہ میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باطل ہو مگر شریعت نے حاجت کی بنیاد پر اس کی ان صورتوں میں اجازت دی ہے جس میں تعامل ہے، اور محض درخت کے اجارہ میں کوئی تعامل نہیں ہے پس اجارہ جائز نہیں ہے)۔

اس موقع پر یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے علامہ ابن ہمامؒ کی طرف اجارہ اشجار کے جواز کی رائے کی نسبت کی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: "آگے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ چونکہ پھل دار درخت کا اجارہ تعامل سے ثابت ہے اور درخت کو خرید کرنے میں دشواری ہے اس لئے اس کی اجازت ہونی چاہیے"۔ اور استدلال میں اسی مذکورہ عبارت کو پیش فرمایا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: قاموس الفقہ ۳/۴۷)۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ کہ اس عبارت میں ابن ہمام نے اجارہ اشجار کے جواز کی رائے پیش نہیں کی ہے، نہ یہ بتایا ہے کہ پھل دار درخت کا اجارہ تعامل سے ثابت ہے۔ وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اجارہ اشجار کے بطلان کی دو وجہ ہے: عدم تعامل اور عدم حاجت۔ پھر اسی دوسری وجہ پر نقد کیا ہے کہ اجارہ اشجار کے بطلان کے لئے عدم حاجت کے وجود کو تسلیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ ماننا کہ اجارہ اشجار کی حاجت نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا متبادل موجود ہے (یعنی پھل کو درخت سمیت خرید لینا) صحیح نہیں ہے۔ جو متبادل پیش کیا گیا ہے اسے متبادل کہنا مشکل امر ہے؛ لہذا اجارہ اشجار کی ضرورت موجود ہے۔ پھر فرماتے ہیں: "فالأول اولی" کہ پہلی وجہ یعنی عدم تعامل کو اجارہ اشجار کے بطلان کا سبب ماننا بہتر ہوگا، دوسری وجہ یعنی عدم حاجت کو بطلان کی وجہ ماننا مناسب نہیں ہوگا؛ کیونکہ اجارہ اشجار کی حاجت موجود ہے۔ معاً آگے اس کا نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ اجارہ اشجار کی ضرورت تو موجود ہے مگر تعامل موجود نہیں ہے؛ اس لئے عدم تعامل کی وجہ سے اجارہ اشجار جائز نہیں ہے، عبارت یہ ہے:" وأصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز"، قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ اجارہ باطل ہو مگر شریعت نے اس کی اجازت ضرورت کی وجہ سے دی ہے ان مقامات میں جہاں تعامل ہو اور اجارہ اشجار میں تعامل نہیں ہے (اگرچہ ضرورت موجود ہے کما ہو مفہوم مما سبق)، لہذا اجارہ اشجار جائز نہیں ہے۔ اگر"الأول أولی" سے اجارہ کا جواز ثابت ہو رہا ہو (جیسا کہ مولانا خالد

سیف اللہ رحمانی صاحب نے استدلال فرمایا ہے) تو معاً بعد کی اس عبارت کا کوئی مطلب نہیں رہ جائیگا: ’’إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز‘‘۔

الغرض اجارہ اشجار کے عدم جواز کی وجہ یا عدم تعامل اور عدم حاجت دونوں ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے، یا محض عدم تعامل ہے جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے فرمایا۔ خواہ دونوں علت کی وجہ سے یا ایک علت کی وجہ سے بہر حال اجارۂ اشجار باطل ہے۔ صاحب ہدایہ نے اپنے زمانے میں اجارہ اشجار میں عدم تعامل اور عدم حاجت دونوں کو موجود پایا؛ جبکہ علامہ ابن ہمام حاجت کو موجود مانتے ہیں اور تعامل کی نفی فرماتے ہیں، گویا ان کے زمانے میں بھی اس کا تعامل نہیں تھا اگر چہ حاجت موجود تھی۔ علامہ ابوالفضل موصلی الحنفی (المتوفی ۶۸۳ھ) نے بھی یہی بات کہی کہ یہ اجارہ اس لئے باطل ہے کیونکہ غیر معتاد ہے۔’’ وإن استأجر الشجر طاب له الفضل لوجود الإذن وبطلت الإجارة لأنه غير معتاد‘‘(الاختیار لتعلیل المختار ۲/ ۷)۔

پس جب اجارہ اشجار کا عدم جواز عدم تعامل اور عدم حاجت یا محض عدم تعامل کی بنیاد پر ہے تو اگر اس کا تعامل اور حاجت دونوں ثابت ہو جائے تو اسے جائز ہونا چاہیے۔ مجلس کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ فی زماننا اجارۂ اشجار کی ضرورت اور اس کا تعامل موجود ہے یا نہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں بدائع کی جو عبارت گذری اس سے بھی یہ بات مترشح ہے۔

۷-مذکورہ صورتوں کے علاوہ اس سے متعلق دیگر صورتیں:

چند صورتوں کی طرف سرسری طور پر نشاندہی کی جاتی ہے:

☆ بعض پھلوں میں بدو صلاح ہو اور بعض میں نہیں ہو تو اگر یہ ایک درخت کے پھل ہیں تو بالاتفاق اس کی بیع صحیح ہے۔ اور اگر کچھ درخت میں بدو صلاح ہو گیا ہو اور کچھ میں نہیں ہو، اور یہ درخت ایک ہی باغ کے ایک ہی نوعیت کے ہوں یا الگ الگ نوعیت کے، ایک باغ کے درخت ہوں یا قریب قریب باغات کے۔ اس میں تفصیل ہے جسے موسوعہ فقہیہ میں بیان کیا گیا ہے (دیکھیے: موسوعہ فقہیہ اردو ۹/ ۲۲۰)۔

☆ پھل اتنے چھوٹے ہوں کہ اس کی بیع نہیں ہو سکتی، ابھی وہ پھول کی شکل میں ہو، پھل کی شکل نہیں بنی ہو تو بیع الاثمار کے طور پر نہ سہی بیع الازہار کے طور پر اس معاملہ کو انجام دیا جا سکتا ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۹)۔

☆ معدوم کی بیع جائز نہیں ہے، نیز بیع معاومہ بھی جائز نہیں ہے۔ پس اگر کسی کو پھل نکلنے سے پہلے اس کی بیع کرنے کی نوبت آئے یا سال دو سال کے لئے معاملہ کرنا چاہے تو پھلوں کا معاملہ نہیں کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت باغ کا معاملہ ہو اور طے ہو کہ پورا باغ چھ مہینہ کے لئے یا سال بھر کے لئے یا کئی سال کے لئے متعین رقم پر کرایہ پر دیا جائے اور

کرایہ دار کو یہ اجازت حاصل ہو کہ کرایہ دار باغات کے پھلوں کے ساتھ ساتھ اپنی مرضی سے زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھائیگا اور مالک کو زمین کی پیداوار میں اس عرصہ کے درمیان کوئی حق نہیں ہوگا تو یہ معاملہ بھی صحیح ہے بشرطیکہ زمین قابل کاشت ہو (انوار رحمت: مفتی شبیر احمد مرادآبادی، ص ۱۸۰)۔

☆ جس پھل کی خریداری ہو رہی ہے وہ متعین درخت اور باغ کے نہیں ہوں تو بیع سلم سے لاحق مان کر اس معاملہ کو انجام دیا جاسکتا ہے خواہ اس کی جو بھی شکل ہو۔

☆ بدوصلاح سے قبل پھل کی بیع درخت کے ساتھ یا ہری کھیتی کی بیع زمین کے ساتھ کی جائے تو جائز ہے؛ کیونکہ پھل درخت کے تابع ہے (موسوعہ فقہیہ اردو ۲۱۶/۹)۔

☆ ایک شخص درخت کا مالک ہے مگر اس کے پھل کا مالک نہیں ہے، اس کے ہاتھ پھل کی بیع کی جائے تو جائز ہے (حوالہ سابق)۔

۸- پھلوں کی بیع کی مروجہ شکلوں میں ائمہ کے اختلاف سے فائدہ اٹھانا:

پھلوں کی بیع کی جو مروج شکلیں ہیں وہ مختلف ہیں، بعض صورتوں کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے؛ لہذا بغیر ضرورت شدیدہ کے اسے ملحق بالسلم قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

ماقبل میں تفصیل سے بات آچکی ہے کہ قبل بدوصلاح اور بعد بدوصلاح کے اعتبار سے پھلوں کی بیع کی بنیادی طور پر چھ شکلیں بنتی ہیں۔ یا اس کی بیع بشرط الترک ہو یا بشرط القطع ہو یا بلاشرط ہو، پھر یا تو بدوصلاح سے پہلے ہو یا اس کے بعد۔ ان میں چار شکلیں تو احناف کے یہاں بالاتفاق صحیح ہیں۔ باقی رہا بشرط الترک والی صورتیں، تو اگرچہ حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں یہ جائز نہیں ہیں؛ مگر امام محمدؒ کے اصول کے مطابق اس کی جو بھی صورت بنے اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔ اگر تناہی عظم و بدوصلاح کے بعد بیع ہو تب تو خود امام محمدؒ کی صراحت کے مطابق اس کی بیع جائز ہے، اور اگر بعد بدوصلاح قبل تناہی عظم بیع ہو یا قبل بدوصلاح ہی بیع ہو تو بھی امام محمدؒ کے اصول کے مطابق اس کے جواز کی گنجائش موجود ہے۔ جیسا کہ تفصیل سے گذرا۔ پھر درخت پر پھل کو تیار ہونے تک چھوڑنا یا بطور شرط کے ہو یا بطور اجارہ واعارہ کے بہر صورت جواز کی گنجائش موجود ہے؛ کیونکہ اگر شرط لگادی گئی تو یہ شرط متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور نہی عن بیع وشرط سے کوئی تعارض نہیں ہے (کما مر)، بطور اجارہ کے ہو تو درخت کو پھل حاصل کرنے کے لئے نہیں، بلکہ خریدے ہوئے پھل کو پکنے اور تیار ہونے کے لئے اجارہ پر دینے کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا گیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ درخت کو اجارہ پر لینے میں یہ احتیاط کرے کہ شراء اور اجارہ کا معاملہ الگ الگ ہو؛ تاکہ صفقۃ فی صفقۃ لازم نہیں آئے (کما مر)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے، اس کا بھی حکم تفصیل سے بیان کیا جاچکا کہ حضرت امام مالک کے یہاں یہ صورت جائز ہے اور فقہاء احناف نے ضرورتاً اس کے جواز کا فتوی دیا ہے۔

اسی طرح بشرط القطع بیع ہو خواہ بدو صلاح سے پہلے یا بعد میں تو باتفاق ائمہ اربعہ یہ صورت جائز ہے۔ پھر عندالاحناف فوری طور پر پھل توڑنا ضروری ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اگر بائع کی طرف سے اس کی اجازت مل جائے خواہ یہ اجازت جس شکل میں بھی ہو تو وہ زیادتی حلال اور جائز ہوتی ہے، اور اگر اجارہ اشجار کی گنجائش نکل آئے تو ایک متعینہ مدت کے لئے الگ سے اجارہ کا معاملہ بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ پھل مکمل تیار ہو سکے۔

اسی طرح اگر پھل اتنے چھوٹے ہوں کہ اس کی بیع نہیں ہوسکتی، ابھی وہ پھول کی شکل میں ہو، پھل کی شکل نہیں بنی ہو تو بیع الاثمار کے طور پر نہ سہی بیع الازہار کے طور پر اس معاملہ کو انجام دیا جاسکتا ہے، کما مر آنفا۔

اور اگر پھل سرے سے نہیں آئے ہوں تو معدوم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں ہے؛ لیکن اس میں بھی اس بات کی گنجائش تو موجود ہے ہی کہ زمین کو باغ اور درخت کے ساتھ متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے؛ خواہ جتنی بھی مدت ہو، تو یہ جائز ہے۔

یہ تمام شکلیں وہ ہیں جن میں درخت یا باغ متعین ہو۔ ان شکلوں میں نہ الحاق بالسلم کی ضرورت ہے نہ ہی اس کی گنجائش؛ کیونکہ جب پھل متعین درخت اور باغ کا ہو تو باتفاق ائمہ اربعہ اس میں سلم کی گنجائش نہیں ہے، حضرت شیخ محمد زکریاؒ نے ابن المنذر کے حوالہ سے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے یہاں بھی جائز نہیں ہے۔ مالکیہ کے یہاں بھی اگر متعین درخت یا باغ کے پھلوں کی بیع ہو تو اس میں بیع سلم نہیں کر سکتے۔

حضرت شیخ اوجز میں تحریر فرماتے ہیں: " **ولا یجوز أن یسلم فی ثمر بستان بعینه ولا قریة صغیرة لکونه لا یؤمن تلفه وانقطاعه**"، پھر ابن المنذر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: "**إبطال السلم إذا أسلم فی ثمر بستان بعینه کالاجماع من أهل العلم وممن حفظنا عنه ذلک الثوری ومالک والأوزاعی والشافعی وأصحاب الرأی وسحاق**" (اوجز / البیوع / السلفة فی الطعام ۱۲/ ۶۱۳، ط: دارالقلم دمشق) (جب متعین باغ کے پھل میں بیع سلم کرے تو اس کا بطلان تقریباً اجماعی ہے اور ہماری معلومات کے مطابق یہی ثوری، امام مالک، اوزاعی، امام شافعی، اصحاب الرای اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے)۔

پھر دو صفحہ کے بعد فرماتے ہیں: " **وعلی هذا ظهر أن ماحکی الحافظان ابن حجر والعینی فی**

شرحی البخاری عن مذهب المالکیة من جواز السلم فی النخل المعین من البستان المعین بعد بدو صلاحه لیس بصحیح، اللهم إلا أن یقال إن ما حکیاه قول فی مذهبهم" (ایضا ۱۲/ ۶۱۵)(پس واضح ہوا کہ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی نے اپنی شرح میں مالکیہ کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ ان کے یہاں متعین باغ کے متعین درخت میں بدوصلاح کے بعد بیع سلم جائز ہے، صحیح نہیں ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ ان کا ایک قول ہو)۔

الغرض مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں واضح ہوا کہ پھلوں کی بیع میں اگر درخت اور باغ متعین ہو تو بیع سلم کی گنجائش نہیں ہے؛ تاہم اگر غیر متعینہ باغات کے پھلوں کی بیع ہو خواہ اس کی جو بھی شکل ہو، بدوصلاح ہو یا نہیں، خواہ پھل نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں، بہر صورت اس میں بیع سلم سے الحاق کی گنجائش موجود ہے، اور حضرت تھانویؒ کی طرف سے جو بعض اعتراضات ہیں کہ سلم کی شرائط اس میں پورے نہیں ہوتے مفتی رشید احمدؒ نے اس کا شافی جواب دیا ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۸)۔

خلاصہ بحث:

۱۔ بیع معاومہ یا بیع سنین کی تشریح میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ متعینہ درخت و باغات کے پھلوں کو ایک سال سے زائد عرصہ کے لئے فروخت کرنا بیع معاومہ کہلاتا ہے، نیز اس کے بطلان وعدم جواز پر بھی سبھوں کا اتفاق ہے۔

۲۔ پھلوں کی بیع کی مختلف شکلیں ہیں۔ اگر درخت پر پھل سرے سے نہ آئے ہوں تو باتفاق ائمہ اربعہ اس کی بیع باطل ہے؛ الا یہ کہ بیع سلم کے طور پر ہو۔ پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بھی بالاتفاق بیع صحیح نہیں ہے۔ پھل نکلنے اور قابل انتفاع ہونے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بالاتفاق بیع صحیح ہے۔ پھل نکلنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ مسئلہ ائمہ ثلاثہ اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح نہیں ہے اور احناف کے یہاں صحیح ہے۔ پھل نکلنے اور بدوصلاح کے بعد بیع ہو اور توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو یا بغیر کسی شرط کے ہو، ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر سہ صورتیں جائز ہیں۔ حضرات احناف کے یہاں توڑنے کی شرط کے ساتھ یا بغیر کسی شرط کے ہو تو جائز ہے۔ باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو حضرات شیخین رحمہما اللہ اس بیع کو صحیح نہیں مانتے؛ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل کا بڑھنا مکمل ہو گیا ہو تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

۳۔ بدوصلاح کے مفہوم میں جمہور اور حنفیہ کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ پکنے اور حلاوت کے آثار نمایاں ہو جائیں اس طور پر کہ جو پھل رنگ نہیں پکڑتے وہ رس دار اور نرم ہو جائیں، اور جو پھل پکنے پر رنگ پکڑتے ہیں وہ سرخ یا سیاہ یا زرد ہو جائیں، حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ پھل آفت اور خراب ہونے سے

محفوظ ہوجائے۔

۴۔اگر درخت پر پھل سرے سے نہ آئے ہوں تو باتفاق ائمہ اربعہ اس کی بیع باطل ہے۔اگر باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ میں نہیں آئے ہوں تو مام ابوحنیفہ،امام شافعی اورامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جن درختوں میں پھل آگئے ہوں صرف انہی کی بیع صحیح ہوگی،جن میں پھل نہیں آئے ان کی بیع صحیح نہیں ہوگی۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معدوم کی بیع بھی صحیح ہے۔متاخرین احناف نے ضرورت اور تعامل کی بنیاد پرفتوی امام مالک کے قول پر دیا ہے۔ اگر پھل نکل آئے لیکن قابل انتفاع نہیں ہوں تو اگر سرے سے انتفاع کے قابل نہ ہوکہ کھانے یا جانور کے چارہ میں بھی کام نہ آسکتا ہو،شوافع اور حنابلہ کے یہاں اس کی بیع صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ ان کے یہاں فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری ہے۔ احناف کے یہاں صحیح قول کے مطابق یہ بیع صحیح ہے۔مالکیہ کا مذہب احناف کی طرح ہے۔

۵۔پھر اگر پھل تیار نہیں ہوتو اس کوفروخت کرنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں: الف۔فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا تو باتفاق ائمہ اربعہ یہ صورت جائز ہے۔

ب۔طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔بدوصلاح سے پہلے یہ بیع بالاجماع صحیح نہیں ہے،بدوصلاح کے بعد ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح ہے،احناف میں حضرات شیخین کے یہاں صحیح نہیں ہے،حضرت امام محمد تفصیل کرتے ہیں۔

ج۔ نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات ہوئی اور نہ درخت پر باقی رکھنے کی،تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں ہے،حضرات احناف کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور مشتری کی ذمہ داری ہے کہ فوری طور پر پھل توڑ لے۔

۶۔اگر پھل کی خریداری کے بعد درخت کو اجارہ پر لے اور اس کی حاجت بھی ہو اور تعامل بھی تو اجارہ پر لینے کی گنجائش ہے۔

۷۔اس سوال کے جواب میں چند صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

۸۔پھلوں کی بیع میں اگر درخت اور باغ متعین ہو تو بیع سلم کی گنجائش نہیں ہے؛ تاہم اگر غیر متعینہ باغات کے پھلوں کی بیع ہو خواہ اس کی جو بھی شکل ہو،بدوصلاح ہو یا نہیں،خواہ پھل نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں،بہرصورت اس میں بیع سلم سے الحاق کی گنجائش موجود ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عمر بن یوسف کوکنی ☆

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

”عن جابر بن عبداللہؓ قال: نھی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة......وعن الثنیا ورخص في العرایا“ (صحیح مسلم، باب النہی عن المحاقلۃ: ۳۷۹۰)۔

معاومہ:

یہ عام سے باب مفاعلۃ کا مصدر ہے، اس کے معنی ”سال“ کے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے: ”سنۃ سے مسانہۃ“ اور ”شھر سے مشاھرۃ“ (الکوکب الوہاج شرح صحیح مسلم: ۱۷/ ۱۲۳، طبع دار المنہاج)۔

تعریف:

کسی درخت کے پھلوں کو دو سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے فروخت کرنا، چنانچہ علامہ نوویؒ کا بیان ہے: ”واما النھي عن بیع المعاومة وھو بیع السنین فمعناہ أن یبیع ثمر الشجرة عامین أو ثلاثة أو اکثر فیسمی بیع المعاومة وھو بیع السنین“ (شرح صحیح مسلم ۱۰/ ۱۶۵، طبع دار الکتب العلمیہ، نیز دیکھئے: النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر ۳/ ۲۹۱)۔

علامہ محمد بن محمد السنوسی الحسنی مالکی تحریر فرماتے ہیں: ”والمعاومة......وھي في العرف بیع الثمر سنین، وعلة المنع أنه من بیع الثمار قبل بدوصلاحھا؛ ولأنه إذا بیع سنین فمعلوم أن ما في السنة الثانیة لم یوجد، وإذا منع بیعھا بعد الوجود وقبل بدو الصلاح فکیف إذا لم یوجد“ (مکمل اکمال الاکمال ۵/ ۳۸۳) (معاومہ سے مراد عرف میں پھلوں کی چند سال کے لئے بیع کرنا ہے، اور ممانعت کی علت یہ ہے کہ آئندہ سال کے پھل ابھی موجود نہیں ہیں۔ جب پھلوں کے وجود کے بعد بدوصلاح سے قبل ان کی بیع ممنوع ہے تو جب پھل موجود ہی نہیں تو اس کی بیع کیسے جائز ہوسکتی ہے؟ یعنی بطریق اولی یہ بیع درست نہیں ہوگی)۔

☆ جامعہ حسینیہ عربیہ، شری وردھن، رائے گڈھ، مہاراشٹر۔

علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں: "بيع السنين وهي بيع المعاومة، والمراد بيع ماتحمله هذه الشجرة مثلا سنة فأكثر" (بذل المجہود فی حل ابوداؤد ۱۵/۱۹ طبع عباس احمد الباز)۔

بیع معاومہ کا حکم:

اس بیع میں غرر کثیر ہے، وہ یہ کہ مبیع مجہول ہے کہ مبیع کا ظہور ہوسکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا ہے، اور اگر وجود ہو تب بھی مقدار میں جہالت ہے، نیز ایک چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کی بیع کرنا ہے، یعنی معدوم کی بیع ہے؛ اس لئے کہ بالاتفاق یہ بیع حرام ہے اور باطل ہے، چنانچہ علامہ نووی شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اما حكم المسألة فبيع المعدوم باطل بالإجماع، ونقل ابن المنذر وغيره اجماع المسلمين على بطلان بيع الثمرة سنتين ونحو ذلک" (المجموع شرح المہذب ۹/۲۵۸ طبع دارالفکر)۔

"فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالإجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذه الحاديث؛ ولأنه بيع غرر؛ لأنه بيع معدوم ومجهول غير مقدور على تسليمه وغير مملوک للعاقد" (شرح صحیح مسلم ۱۰/۱۶۵، نیز دیکھئے: الأم ۲/۴۹)۔

حنفیہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: "وهذا البيع باطل؛ لأنه بيع مالم يخلق فهو بيع المعدوم" (بذل المجہود ۱۵/۱۶۵، نیز دیکھئے: تکملۃ فتح الملہم ۷/۴۱۰)۔

علامہ قرطبی مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں: "والمعاومة بيع الثمر أعواما......ولا خلاف في تحريم بيعه لكثرة الغرر والجهل" (المفہم شرح صحیح مسلم ۴/۴۰۳ طبع دار ابن کثیر)۔

حدیث صحیح کی روشنی میں اہل علم کی تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ سال رواں کے پھل وجود میں آنے سے پہلے ہی کوئی درخت کے پھلوں کو فروخت کرے یا آئندہ ایک یا ایک سے زائد سالوں کے لئے پھلوں کی بیع کرے تو بالاتفاق ناجائز وحرام ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز وعدم جواز میں مذاہب اربعہ:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع یا تو ان کے ظہور سے پہلے ہوگی یا ظہور کے بعد۔

قبل الظہور: تمام ائمہ کے نزدیک ظہور ثمر سے قبل بیع ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور اس میں غرر کثیر ہے جیسا کہ جواب (۱) کے تحت اس کی تصریحات مذکور ہیں۔

بعد الظہور: پھلوں کے ظہور کے بعد بیع ہو تو یا بدو صلاح سے قبل ہوگی یا بدو صلاح کے بعد۔

بعد الظہور قبل بدوالصلاح: اس میں تین حالتیں ہیں: ۱- درخت پر پھل باقی رکھنے (شرط تبقیہ) کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

شوافع: "**فلایجوز بیع الثمار مطلقا ولا بشرط الابقاء**" (روضۃ الطالبین ۳/۲۱۰)۔

حنفیہ: "**والبیع......قبل بدوالصلاح......بشرط الترک لایجوز بالاجماع**" (البنایۃ شرح الہدایہ ۸/۳۷)۔

مالکیہ: "**لایجوز بیع الثمروالزرع قبل بدوصلاحه وحده......علی شرط التبقیة أو علی أصله حتی یتم طیبه**" (منح الجلیل علی مختصر سیدی خلیل ۴/۴۹۹)۔

حنابلہ: "**ان یشتریها بشرط التبقیة فلا یصح البیع اجماعا......قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم علی القول بجملة هذا الحدیث، ای: ان النبي ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدوصلاحها، نهی البائع والمبتاع**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۷ طبع دارالفکر)۔

۲- درخت سے پھل توڑنے (شرط قطع) کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

شوافع: "**ویجوز بشرط القطع بالاجماع**" (روضۃ الطالبین ۳/۲۱۰)۔

حنفیہ: "**وقبل بدوالصلاح بشرط القطع في المنتفع به صحیح اتفاقا**" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۵/۵۴۴، طبع داراحیاء التراث)۔

مالکیہ: "**ویجوز بیع الثمار قبل الزهو بشرط القطع، ویبطل بشرط التبقیة**" (الذخیرۃ لشہاب الدین القرافی ۵/۱۸۳، طبع دارالغرب الاسلامی)۔

حنابلہ: "**أن یبیعها بشرط القطع في الحال فیصح بالإجماع؛ لأن المنع إنما کان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل أخذها......وهذا مأمون فیما یقطع فصح بیعه کما لوبدا صلاحه**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۷) (بدوصلاح سے قبل فی الحال قطع کی شرط کے ساتھ بالاجماع بیع جائز ہے؛ کیونکہ ممانعت کی وجہ پھلوں پر قبضہ سے پہلے کسی آفت وغیرہ کے ذریعہ پھلوں کے ضائع ہونے کا خوف ہے، اگر فوراً پھلوں کو توڑ دیا جائے تو مستقبل میں ضیاع کا خوف باقی نہیں رہتا، پھلوں کو فوراً توڑ کر ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے، لہٰذا جیسے بدوصلاح کے بعد خوف ضیاع نہ ہونے کی وجہ سے بیع درست ہوتی ہے اسی طرح بدوصلاح سے قبل بھی شرط قطع کے ساتھ بیع درست ہوگی)۔

۳- بدوصلاح سے قبل مطلقاً بیع کرنا یعنی تبقیہ یا قطع کی شرط کے بغیر پھلوں کی بیع کرنا شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

شوافع: "**فلایجوز بیع الثمار مطلقاً**" (روضۃ الطالبین ۳/۲۱۰)۔

"وذلک(حدیث النهي) یدلّ علی منع البیع مطلقا سواء اشترط بقاء ها إلی أوان الجذاذ أو قطعها أو أطلق العقد، فاستثنی منه ما قام الإجماع علی جوازه وهو البیع بشرط القطع، وبقي علی عمومه فیما عداه" (کفایۃ النبیہ ۱۹۲/۹) (حدیث نہی مطلقا تینوں حالتوں میں بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے، لیکن چونکہ بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے ساتھ بیع کے جواز پر اہل علم کا اجماع ہے؛ اس لئے یہ صورت ممانعت کے حکم سے مستثنی ہوگی اور اجماع کی بنا پر حدیث کے عموم میں اس صورت کی تخصیص کی جائے گی، لہذا بقیہ دونوں صورتوں میں حدیث نہی اپنے عموم پر باقی رہے گی، یعنی بدوصلاح سے قبل دونوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہوگی۔

مالکیہ: "لاتباع الثمرة قبل زهوها إلا مع أصلها أو علی القطع، والإطلاق مبطل کاشتراط التبقیة" (ارشاد السالک مع اسہل المدارک ۱۰۳/۲)۔

حنابلہ: "أن یبیعها مطلقا ولم یشترط قطعا ولا تبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی" (المغنی لابن قدامہ ۷۲/۴)۔

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے قبل کسی بھی طرح پھل قابل انتفاع ہوا ہو یعنی کم از کم چوپایوں کے چارے کے کام آسکتا ہو تو تبقیہ یا قطع کی شرط کے بغیر مطلقاً بیع درست ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ کا بیان ہے: "بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقاً ای لا بشرط القطع ولا بشرط الترک، فعند الأئمة الثلاثة لا یجوز، وعندنا یجوز" (البحر الرائق ۴۵۵/۵)۔

بدوصلاح کے بعد تینوں حالتوں میں سے کسی بھی حالت پر پھلوں کی بیع تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے (البتہ حنفیہ کے یہاں شرط تبقیہ میں کچھ تفصیل ہے)۔

شافعیہ: "یجوز بیع الثمر بعد بدوصلاحه مطلقا ای من شرط قطع ولا تبقیة......وبشرط قطعه وبشرط ابقاء ه......ومفهومه الجواز بعد بدوه في الأحوال الثلاثة لا من العاهة حینئذ غالبا" (تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۱۲۲/۶)۔

مالکیہ: "وصحّ بیع ثمر ونحوه بدا صلاحه إن لم یستتر" (مختصر العلامۃ الشیخ خلیل مع شرحہ جواہر الاکلیل ۱۰/۲)۔

حنابلہ: "وجملة ذلک انه إذا بدا الصلاح في الثمرة جاز بیعها مطلقا وبشرط التبقیة إلی حال الجزاز وبشرط القطع" (المغنی لابن قدامہ ۷۵/۴)۔

حنفیہ: "ومن باع ثمرة لم یبد صلاحها أو قد بدا جاز البیع" (الہدایہ مع فتح القدیر ۲۶۶/۶)۔

۳-بدوصلاح کی مراد:

بدوصلاح کی مراد میں اہل علم کے مابین کچھ اختلاف ہے،حضرات شوافع کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ نوویؒ کا بیان ہے:"**يحصل بدوالصلاح بظهور النضح ومبادئ الحلاوة وزوال العفوصة أو الحموضة المفرطين وذلک فيما لا يتلون بأن يتموه ويلين، وفيما يتلون بأن يحمر أو يصفر أويسود، وهذه الأوصاف وإن عرف بها بدوالصلاح فليس واحد منها شرطا فيها؛لأن القثاء لا يتصور فيه شئ منها بل يستطاب أكله صغيرا أو كبيرا، وإنما بدوصلاحه أن يكبر بحيث يجنى فى الغالب ويؤكل، وإنما يؤكل في الصغر على الندور، وكذا الزرع لا يتصور فيه شئ منها وبدوصلاحه باشتداد الحب، قال صاحب التهذيب: بيع أوراق الفرصاد قبل تناهيها لايجوز إلا بشرط القطع وبعده يجوز مطلقا وبشرط القطع، والعبارة الشاملة أن يقال بدوالصلاح في هذه الأشياء صيرورتها إلى الصفة التي تطلب غالبا لكونها على تلک الصفة**"(روضۃ الطالبین ۵۵۶/۳)(بدوصلاح یہ ہے کہ پھل میں ابتدائی مٹھاس ظاہر ہو اور وہ پکنا شروع ہوجائے اور پھل کا کسیلا پن اور کھٹاس دور ہوجائے؛لہذا جو پھل رنگ نہیں پکڑتے وہ پکنا اور نرم ہونا شروع ہوجائے،اور جو پھل رنگ پکڑتے ہیں وہ سرخ ہونا یا زرد ہونا یا سیاہ ہونا شروع ہوجائے،اور جن پھلوں میں یہ دونوں کیفیتیں نہ پائی جاتی ہوں مثلاً ککڑی وغیرہ تو ان میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو، چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔الغرض ہر پھل اور غلہ اور سبزی کا بدوصلاح یکساں نہیں؛ بلکہ ہر ایک ایسی حالت کو پہنچے جس میں عام طور پر اسے طلب کیا جاتا ہے)۔

اسی طرح امام الحرمین شافعیؒ بھی مختلف پھلوں کے بدوصلاح کی مختلف کیفیات کو تفصیلاً ذکر کرنے کے بعد آخر میں ضابطے کے طور پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

"**قال الأصحاب: الوجه أن ينتهي إلى منتهى يعتاد أكله فيه......وعلامة ذلک في المتلونات، التلون إلى جهة الادراک، وعلامته فيما لايتلون التموّه،وجريان الحلاوة والرونق**"(نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ۱۴۸/۵، ۱۴۸/۷ طبع دارالمنہاج)(ضابطہ یہ ہے کہ پھل اس حالت کو پہنچے جس میں اسے کھایا جاسکے،لہذا رنگ پکڑنے والوں میں اس کی علامت رنگ پکڑنا اور ان کے علاوہ میں پھل کا پکنے کے قریب ہونا اور اس میں مٹھاس وغیرہ کا جاری ہونا)۔

۴-الف: پھل کے آنے سے پہلے یعنی پھلوں کے وجود سے پہلے ہی ان کو فروخت کرنا خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے، یہ بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے،جیسا کہ''بیع معاومہ''(سوال نمبر ۱) میں تفصیل گذر چکی ہے۔

ب- باغ کے کچھ درختوں پر پھل آئے ہوں اور ان میں بدوصلاح بھی ہوا ہو اور بعض درختوں پر پھل آئے ہی نہ

ہوں تو ایسے پھل دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان پھلوں کا تلاحق یعنی حادث (نئے پھلوں) کا موجود پھلوں سے لاحق ہونا غالب ہوگا یا غالب نہیں ہوگا، (تلاحق کا غالب ہونا یہ ہے کہ وہ پھل ایک سال میں دو مرتبہ آتے ہوں، اگر درخت سال میں دو مرتبہ پھلدار نہ ہوتا ہو تو تلاحق نادر ہے، چنانچہ علامہ رملی کبیرؒ "یغلب تلاحقها" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "**وهي مما يثمر في السنة مرتين**" (حاشیۃ الشیخ الرملی الکبیر علی أسنی المطالب ۲۷۲/۴)۔

اگر جدید (بعد میں آنے والے) پھلوں کا موجود پھلوں سے اختلاط نادر ہو تو ایسے پھلوں کی بیع شرط قطع، شرط ابقاء اور مطلق تینوں حالتوں میں جائز ہے؛ اور اگر پھلوں کا اختلاط غالب ہو تو ایسے پھلوں کی بیع صرف شرط قطع کے ساتھ ہی جائز ہے، شرط ابقاء اور مطلق ہونے کی صورت میں جائز نہیں؛ کیونکہ موجودہ پھلوں کو مشتری فوراً توڑے اور درخت پر باقی نہ رکھے تو نئے پھل موجود پھلوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوں گے تو مبیع معلوم و متعین ہے اور اس کی تسلیم پر بھی بائع کو قدرت حاصل ہے؛ اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔

اس کے برخلاف درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقاً بیع ہوتی ہو تو عقد بیع کے بعد پھلوں کو درخت پر ایک مدت تک باقی رکھیں گے تو جدید پھل عقد کے وقت موجود پھلوں کے ساتھ مختلط ہو جائیں گے جس کی بنا پر اصل مبیع میں جہالت پیدا ہوگی؛ کیونکہ جو پھل عقد کے بعد وجود میں آئے ہیں ان کی بیع نہیں ہوئی ہے تو اس صورت میں بائع کو اصل مبیع کی سپردگی بہت مشکل ہے، گویا وہ اصل مبیع کی تسلیم پر قادر نہیں؛ اس لئے موجود پھلوں کو کاٹنا اور درخت سے توڑنا ضروری ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمیؒ مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**(ولو بيع ثمر) أو زرع بعد بدو الصلاح وهو مما يندر اختلاطه أو يتساوى فيه الأمران أو يجهل حاله صح بشرط القطع والابقاء ومع الاطلاق أو مما (يغلب تلاحقه واختلاط حادثه بالموجود) بحيث لايتميزان (كتين وقثاء) وبطيخ (لم يصح إلا أن يشترط المشتري) يعني أحد العاقدين ويوافقه الآخر (قطع ثمره) أو زرعه عند خوف الاختلاط فيصح البيع حينئذ لزوال المحذور**" (تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۴۳۶/۶، نیز دیکھئے: اسنی المطالب ۲۷۰/۴، النجم الوہاج ۲۱۲/۴، نہایۃ المحتاج ۱۵۵/۴)۔

حاصل عبارت: اگر بدو صلاح کے بعد پھل یا کھیتی کے فصل کی بیع کی گئی جس میں تلاحق اور موجود کے ساتھ حادث کا اختلاط غالب ہو مثلاً انجیر اور ککڑی، تو بیع اسی وقت صحیح ہوگی جبکہ مشتری یا بائع پھلوں کو توڑنے کی شرط لگائے؛ کیونکہ اس صورت میں محذور یعنی مبیع کی جہالت لازم نہیں آ رہی ہے، البتہ کسی نے پھلوں کو توڑنے کی شرط کے ساتھ درخت پر موجود

پھلوں کو فروخت کیا اور عقد کے بعد فوراً مشتری ان پھلوں کو نہ توڑ سکا یہاں تک کہ اس درخت پر نئے پھل بھی ظاہر ہوئے تو اب راجح قول کے مطابق بیع فسخ ہوگی؛ اس لئے کہ بائع کو عقد کے وقت موجود پھل (اصل مبیع) کے سپرد کرنے پر قدرت نہیں ہے، جیسا کہ علامہ دمیریؒ تحریر فرماتے ہیں:

”والثاني ينفسخ، لتعذر التسليم المستحق وهذا هو المفتى به، وقد صححه في البسيط والقاضي أبوطيب والشاشي وصاحب المهذب وابن ابي عصرون والمصنف في نكت الوسيط والشيخ“(النجم الوہاج ۴/ ۲۱۳)۔

لیکن اس کے مقابل ایک قول ہے جسے خود علامہ نوویؒ نے ”منہاج الطالبین“ میں ”اظہر قول“ قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی؛ کیونکہ فی الجملہ بائع کے لئے مبیع کو سپرد کرنا ممکن ہے اور عین مبیع باقی ہے۔

”ولو حصل الاختلاط فيما يندر فالأظهر انه لا ينفسخ البيع لبقاء عين المبيع وتسليمه ممكن بالطريق الآتی“(المنہاج مع النجم الوہاج ۴/ ۲۱۲)۔

جب بیع فسخ نہیں ہوئی تو اگر بائع جدید پھلوں میں تسامح کرے یعنی یا تو بائع ہبہ کردے یا ان پھلوں سے اعراض کرے تو بیع برقرار رہے گی اور مشتری کو اختلاط کی وجہ سے فسخ بیع کا جو خیار حاصل تھا وہ بھی ساقط ہوگا اور تمام پھل مشتری کی ملکیت ہی سمجھے جائیں گے، کیونکہ بائع کے تسامح کرنے کی بنا پر تمام پھل مشتری کے ہوئے تو اصل مبیع میں کوئی جہالت باقی نہیں رہی، گویا اصل مبیع باقی ہے اور بائع کو اس کے سپرد کرنے پر قدرت حاصل ہے، نیز بائع کی طرف سے مشتری پر امتنان (احسان بتلانے) کی شکل بھی نہیں؛ اس لئے کہ جدید پھلوں کا حلال ہونا عقد کے ضمن میں یعنی عقد فسخ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کی تنقیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:”فإن لم يتفق قطع حتى اختلط فكما فی قوله (ولو حصل الاختلاط فيما يندر فالاظهر انه لا ينفسخ) لبقاء عين المبيع وتسليمه ممكن بالطريق الآتی......(بل يتخير المشتري)......(فإن سمح له البائع) بما حدث بهبة أو اعراض ويملك به......(سقط خياره في الأصح) لزوال المحذور ولا أثر للمنة هنا؛ لأنها في ضمن عقد وفي مقابلة عدم فسخه“(تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۶/ ۱۳۷)۔

بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں تمام پھلوں پر ملکیت مشتری کی رہے گی، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ عبدالحمید شروانیؒ فرماتے ہیں:”(ويملک به) ای يملک المشتري بسبب الاعراض“(حاشیۃ الشروانی مع التحفۃ ۶/ ۱۳۷)۔

نیز یہ اختلاط بائع کی طرف سے مشتری کو تخلیہ دینے سے پہلے ہو تو مشتری کو فسخ بیع کا خیار حاصل ہوگا جب تک بائع

مسامحت نہ کرے، اور اگر یہ اختلاط تخلیہ کے بعد ہو تو مشتری کو خیار حاصل نہیں ہوگا، یعنی بیع برقرار رہے گی۔

جیسا کہ شیخ ابراہیم بیجوریؒ تحریر فرماتے ہیں: "وإذا وقع اختلاط فيما شرط فيها لقطع قبل التخلية خيّر المشتري مالم يسمح له البائع، فإن بادر وسمح سقط خياره، وأما بعد التخلية فلاخيار للمشتري" (حاشیۃ البجوری علی شرح العلامہ ابن القاسم الغزی ۱/ ۶۷۲)۔

اختلاط الحادث بالموجود کے مسئلہ پر صاحب مذہب امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "فإن كان المبيع تينا أو غيره من شجر تكون فيه الثمرة ظاهرة، ثم تخرج قبل أن تبلغ الخارجة ثمرة غيرها من ذلك الصنف، فإن كانت الخارجة المشتراة تميّز من الثمرة التي تحدث لم يقع عليها البيع فالبيع جائز للمشتري الثمرة الخارجة التي اشترى يتركها حتى تبلغ، وإن كانت لا تميّز مما يخرج بعدها من ثمرة الشجرة، فالبيع مفسوخ؛لأن ما يخرج بعد الصفقة من الثمرة التي لم تدخل في البيع غير متميز من الثمرة الداخلة في الصفقة، والبيوع لا تكون إلا معلومة (قال الربيع): وللشافعي في مثل هذا قول آخر إن البيع مفسوخ إذا كان الخارج لا يتميز إلا أن يشاء رب الحائط أن يسلّم مازاد من الثمرة التي اختلط بثمر المشتري يسلّمه للمشتري فيكون قد صار إليه ثمره والزيادة إذا كانت الخارجة لاتميز التي تطوع بها" (الأم ۲/ ۴۴، طبع دار المعرفۃ) (اگر مبیع انجیر وغیرہ ایسا پھل ہو جو درخت پر ظاہر ہوتا ہو پھر خریدے ہوئے پھلوں کو درخت سے نکالنے سے پہلے اسی صنف کے دوسرے پھل اس میں نکل آئیں، اگر بعد میں نکلنے والے پھل خریدے ہوئے پھل (اصل مبیع) سے جدا رہ سکتے ہوں یعنی دونوں میں تمیز ممکن ہو تو بیع جائز ہے اور مشتری کے لئے صرف وہی پھل ہیں جن کو اس نے خریدا ہے اور مکمل پکنے تک ان کو درخت پر چھوڑ دے، اور اگر بعد میں نکلنے والے پھلوں کی بیع نہیں ہوئی ہے اور وہ اصل مبیع کے ساتھ خلط ملط ہو گئے کہ ان میں تمیز نہیں کر سکتے، اور عقد میں مبیع تو معلوم اور متعین ہوتی ہے، لیکن امام شافعیؒ کے تلمیذ جلیل امام ربیع فرماتے ہیں کہ اس جیسی صورت مسئلہ میں امام شافعیؒ کا ایک دوسرا قول بھی ہے، وہ یہ کہ بعد میں نکلنے والے پھل اور عقد کے وقت موجود پھلوں میں تمیز نہ ہو سکتی ہو تو بیع فسخ ہوتی ہے مگر باغ والا (بائع) بعد میں نکلنے والے زائد پھل مشتری کو دینا چاہے تو وہ مشتری کو اصل مبیع کے ساتھ سپرد کرے تو بائع کو یہ اختیار حاصل ہے، تو نئے پھلوں کے اختلاط سے بیع فسخ نہیں ہوگی اور اصل مبیع اور زائد پھل جو ایک ساتھ مختلط ہو گئے ہیں یہ سب مشتری کے لئے ہوں گے)۔

نیز اس اختلاط کی صورت میں نفاذ بیع (عدم فسخ) کا قول اختیار کرنا مبنی بر مصلحت ہے، جیسا کہ اس کی توضیح کرتے ہوئے علامہ شبراملسیؒ کا بیان ہے:

"(سقط خیاره)وینبغي ان مثل ذلک مالو وقع الفسخ والمسامحة معا فیسقط خیاره رعایة لبقاء العقد سیما وقد رجح کثیر من الاصحاب انه یخیر البائع أولا"(حاشیۃ الشبراملسی علی النہایہ ۴/۱۵۶)(ایسے عقد میں اگر فسخ اور مسامحہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوتو مناسب ہے کہ خیار مشتری کے سقوط کو ترجیح دے اور عقد کو نافذ کرے؛ کیونکہ بقاء عقد کی رعایت کا تقاضہ یہی ہے، جبکہ بہت سے اصحاب نے اولا بائع کے اختیار تسامح کو ترجیح دی ہے، یعنی بائع تسامح سے کام لے اور عقد کو جاری رکھے)۔

اس نازک مسئلہ کی مزید تنقیح کے لئے علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کا کلام ملاحظہ ہو:"ویؤیده قول الشیخین إن القطن الذي لا یبقی اکثر من سنة کالزرع فإذا باعه قبل خروج الجوزق أو بعده وقبل تکامل القطن وجب شرط القطع ثم إن لم یقطع حتی خرج الجوزق فهو للمشتري لحدوثه علی ملکی، قال الأوزاعي: وهذا هو المختار وإن نازع فیه ظاهر النص"(تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۶/۱۳۹)۔

فقہاء کرام کی ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً ان ہی پھلوں کی بیع ہوگی جو درخت پر موجود ہیں، جو عقد کے وقت پھل نہیں ہیں ان کی بیع نہیں ہوگی؛ لہذا اگر حادث اور موجود دونوں میں تمیز ممکن ہے تو دونوں کو علاحدہ شمار کیا جائے، لیکن اس طرح دونوں میں تمیز کرنا باعث مشقت ہے؛ اس لئے بیع کے بعد دوسرے درخت پر اسی صنف کے پھل ظاہر ہوں تو بائع کو چاہئے کہ ان نئے پھلوں میں تسامح سے کام لے یعنی وہ مشتری کو ہبہ کرے یا ان سے اعراض کرے یعنی مشتری کو لینے کا اختیار دے اور ان کا مطالبہ نہ کرے تو ایسی صورت میں بیع درست ہوگی اور تمام پھل مشتری کے لئے جائز ہوں گے۔

نیز حادث پھل کا موجود سے اختلاط ہو تو جواز بیع کے لئے بعض فقہاء کے کلام سے ایک حیلہ بھی مترشح ہوا ہے، ایسی صورت مسئلہ میں وہ حیلہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں علامہ شبراملسی شافعیؒ کا کلام ملاحظہ ہو:

"ومثاله للزرع بیع البرسیم ونحوه فلا یصح إلا بشرط القطع؛ لأنه مما یغلب فیه التلاحق بزیادة طوله واشتباه المبیع بغیره، وطریق من أراد شراء ه للرعی أن یشتري بشرط القطع ثم یستأجر الأرض مدة یتأتی فیها رَعیُه، وفي هذه تکون الرِبّة للمشتري"(نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج ۴/۱۵۵، نیز دیکھئے: حاشیۃ الشروانی علی التحفہ ۶/۱۳۶، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۴/۲۰۲)(برسیم (مصر میں پائی جانے والی ایک قسم کی گھاس) وغیرہ میں تلاحق غالب ہے، اس کے طول میں زیادتی کے ذریعہ اور مبیع کا غیر مبیع کے ساتھ اشتباہ واختلاط غالب ہے تو ایسی چیزوں میں صرف شرط قطع کے ساتھ ہی بیع درست ہوگی؛ لیکن اگر کوئی برسیم وغیرہ کو فوراً کاٹنے کے بجائے کچھ مدت تک چرانے کے لئے چاہتا ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ برسیم کو مشتری شرط قطع کے ساتھ خریدے، پھر اتنی مدت تک کے لئے اس زمین کو کرایہ پر لے جتنی مدت اس میں چرانا ممکن ہو تو ایسی صورت میں موجود اور بعد میں پیدا ہونے والی سب کی سب مشتری کے لئے ہوگی)۔

☆اگر باغ میں ایک جنس کے پھل کے درخت ہوں مثلاً آم یا کاجو یا ناریل وغیرہ، اور ایک جنس کے پھلوں کے بعض درخت میں بدوصلاح ہوا ہو اور بعض میں نہ ہوا ہو تو بعض درخت کا بدوصلاح کافی ہے، اسی جنس کے تمام درختوں میں بدوصلاح ضروری نہیں؛ اس لئے کہ پھلوں میں عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ یکبارگی تمام پھل تیار نہیں ہوتے؛ بلکہ آہستہ آہستہ تیار ہوتے ہیں؛ تاکہ انسان کے لئے تفکہ اور انتفاع کا زمانہ دراز رہے، تو تمام درختوں میں بدوصلاح یکبارگی نہ ہونا ظاہر ہے؛ اس لئے بعض کا بدو بھی کافی ہے۔

جیسا کہ علامہ دمیریؒ نے تحریر فرمایا: ”(**ويكفي بدوصلاح بعضه وإن قلّ)حتى في الحبة الواحدة؛ لأن الله تعالى أجرى العادة أن لا تطيب الثمار دفعة واحدة إطالة لزمن التفكه وليس صلاح جنس صلاحا لجنس الآخر**“(النجم الوہاج ۴/۲۱۰، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۶/۱۳۲، کفایۃ النبیہ ۹/۱۹۷)۔

بعض درخت کا بدوصلاح بقیہ درختوں کے لئے کافی ہے جبکہ عقد، پھلوں کی جنس، باغ اور پھلوں کا زمانہ (موسم) ایک ہو۔ علامہ جلال الدین محلی شافعیؒ کا واضح کلام ملاحظہ ہو: ”**ويكفى بدو صلاح بعضه وإن قلّ البعض لبيع كله من شجر أو أشجار متحدة الجنس، فإن اختلف كرطب وعنب بدا الصلاح في إحدهما فقط، وجب شرط القطع في الآخر۔**

قوله(وإن قلّ) كثمرة في بستان بشرط اتحاد العقد والجنس والبستان والحمل كما تقدم“(کنز الراغبین مع حاشیۃ القلیوبی وعمیرہ ۳/۴۷۳، ۳۷۵)۔

۴-ج: درخت پر پھل نکل آئے اور (قابل استعمال ہوں) ان میں بدوصلاح ہوا ہو تو بدوصلاح کے بعد شرط قطع اور ابقاء اور مطلقاً تینوں حالتوں میں بیع جائز ہے اور فوراً توڑنے کی شرط نہ ہو تو مشتری کو پھل تیار ہونے تک پھلوں کو درخت پر رکھنے کا حق حاصل ہے، اور اگر پھلوں کو توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کی ہو تو مشتری پر اس شرط کا لحاظ یعنی فوراً توڑنا ضروری ہے، اگر اس صورت میں مشتری نے پھلوں کو نہیں نکالا اور پکنے کی مدت تک درخت پر چھوڑے رکھنے میں بائع نے درگزر سے کام لیا تو پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے میں حرج نہیں، اگر بائع پھل کو درخت پر باقی رکھنے میں مسامحت نہ کرے؛ بلکہ مشتری سے پھلوں کو توڑنے کا مطالبہ کرے اور بائع کے مطالبہ کے بعد مشتری نے تاخیر کی اور اتنی مدت گزری جو عرف میں زمین کے لئے قابل اجرت سمجھی جاتی ہو تو مشتری پر اتنی مدت کی اجرت لازم ہوگی ورنہ نہیں، چنانچہ شیخ زکریا انصاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

”**(الثمار فبيع مالايغلب اختلاطه منها دون الشجر بعد بدوالصلاح جائز من غير شرط القطع) بأن يطلق أو بشرط إبقاء ه أو قطعه......(ويستحق به الابقاء إلى وقت الجذاذ إن لم يشترط**

القطع) للعرف، فإن شرط القطع لزم الوفاء به إلا أن يسامح البائع بالترك إلى أوان الجذاذ، فمن لم يتفق القطع حيث لا مسامحة حتى مضت مدة، فإن كان البائع طالبه بالقطع فلم يقطع وجبت الأجرة وإلا فلا، قاله الخوارزمي" (أسنی المطالب شرح روض الطالب ۴/ ۲۵۷، نیز دیکھئے: الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۳، النجم الوہاج ۴/ ۲۰۴، کنز الراغبین مع الحاشیتین ۲/ ۳۰۷)۔

اور اگر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے یعنی بدوصلاح نہیں ہوا لیکن فوراً کاٹنے کی صورت میں وہ فی نفسہ منتفع بہ ہیں تو ایسے پھلوں کی بیع شرط قطع کے ساتھ ہی درست ہے، شرط تبقیہ یا مطلقاً ان دونوں صورت میں جائز نہیں، لہذا شرط قطع کے ساتھ بیع ہوئی تو جائز ہے؛ اس لئے کہ بدوصلاح نہ ہونے کی وجہ سے آفت وغیرہ کے ذریعہ پھلوں کی ہلاکت کا امکان غالب ہے تو شرط قطع کے بغیر بیع ہو تو مشتری کے مال کا ضائع ہونا یا بائع کو اپنے بھائی کا مال باطل طریقے پر کھانا لازم آتا ہے، اور حدیث میں نبی کریم صلى الله عليه وسلم نے بدوصلاح سے قبل خرید وفروخت سے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا ہے:

"**عن ابن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع**" (صحیح مسلم، باب النہی عن بیع الثمار، رقم الحدیث: ۱۵۳۴)۔

علامہ محمد امین الہرری شافعیؒ فرماتے ہیں: "**(نهى البائع) لئلا يأكل مال أخيه بالباطل، (و) نهى (المبتاع) لئلا يضيع ماله**" (الکوکب الوہاج شرح صحیح مسلم ۱۷/ ۹۷، طبع دار المنہاج)۔

حضرت انسؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلى الله عليه وسلم نے فرمایا: "**إذا منع الله الثمرة فبم تستحلّ مال أخيك**" (صحیح مسلم، باب وضع الجوائح، رقم: ۱۵۵۵) (اگر اللہ تعالی پھل کو ضائع (ہلاک) کردے تو کیسے آپ اپنے بھائی کے مال کو حلال سمجھیں گے؟ (آپ کے لئے اپنے بھائی کا مال کیسے حلال ہوگا)۔

اور بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے ساتھ بیع کرنے میں یہ خرابی لازم نہیں آتی؛ کیونکہ فوراً پھلوں کو نکال کر ان سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے تو اس میں آفت سے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہے؛ اس لئے شرط قطع کے ساتھ بیع درست ہوگی، لہذا اگر شرط قطع کے ساتھ بیع ہوئی ہو تو علی الفور مشتری سے پھلوں کو توڑنے کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور اگر بائع مطالبہ کرے تو مشتری پر پھلوں کو نکالنا ضروری ہے، اور اگر بائع نے بیع کے بعد مسامحت کی یعنی مشتری سے پھلوں کو نکالنے کا مطالبہ نہیں کیا اور دونوں شرط قطع کے ساتھ بیع ہونے کے باوجود پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کے لئے راضی ہوں تو اس طرح کرنا درست ہے؛ کیونکہ نفس عقد درست ہوا ہے۔

چنانچہ علامہ ماوردیؒ کا واضح کلام ملاحظہ ہو: "**وأما القسم الثاني: هو أن تباع بشرط القطع فالبيع جائز؛ لأنه لا منع من بيعها لأن تنجو من العاهة......فلو سمح البائع بعد اشتراط القطع على المشتري بترك**

الثمرة إلى بدو الصلاح جاز لصحة العقد. ولو طالبه بالقطع لزمه ذلک"(الحاوی الکبیر ۵/۱۹۱)۔

اس پر مزید روشنی علامہ رملی شافعیؒ کے کلام سے حاصل کی جاسکتی ہے:"**(وقبل الصلاح منفردا عن الشجرة لايجوز) ای لا یصح البیع ویحرم (إلا بشرط القطع)......وللبائع إجباره عليه، فإن لم يطالبه به لم يستحق عليه أجرة عن ذلک لغلبة المسامحة به، ولو تراضيا بإبقائه مع شرط قطعه جاز، والشجرة أمانة في يد المشتري لتعذر تسليم الثمرة بدونها**"(نہایۃ المحتاج ۴/۱۴۶، نیز دیکھئے: حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۴/۵۹۳)

(بدوصلاح سے قبل محض پھلوں کی بیع جائز نہیں بلکہ حرام ہے مگر شرط قطع کے ساتھ، اور شرط قطع کے ساتھ بیع ہو تو بائع کے لئے مشتری کو قطع پر جبر کرنے کا حق حاصل ہے، اگر بائع نے مشتری سے پھل توڑنے کا مطالبہ نہیں کیا تو اس مدت کی اجرت کا وہ مستحق نہیں ہوگا؛ کیونکہ ایسے معاملہ میں عموماً مسامحت سے کام لیا جاتا ہے، اور اگر شرط قطع کے ساتھ بیع کرنے کے باوجود بائع ومشتری دونوں درخت پر پھل باقی رکھنے کے لئے راضی ہوں تو جائز ہے، اور فی الحال درخت مشتری کے قبضہ میں امانت کے طور پر رہے گا؛ کیونکہ درخت کے بغیر پھلوں کی سپردگی متعذر رہے۔

"**(وإن شرط) قطع الثمر (وترک عن تراض) منهما (فلا بأس)**"(روض الطالب مع أسنی المطالب ۴/۲۵۹)۔

نیز علامہ رملی کبیر (بشرط القطع) کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:"**قال في الكافي: لو لم يتفق القطع حتى مضت مدة لمثلها أجرة إن كان طالبه بالقطع، فلم يقطع وجبت وإلا فلا، وأطلق القفال في فتاويه عدم الوجوب، (وقوله قال في الكافي أشار إلى تصحيحه)**"(حاشیۃ الرملی علی أسنی المطالب ۴/۲۵۸)۔

☆ بدوصلاح سے قبل درخت کے پھلوں کو جس مشتری کے ہاتھوں فروخت کررہا ہے اگر وہ درخت بھی اسی مشتری کا ہو (۱) بایں طور کہ پہلے مالک نے صرف درخت اس مشتری کو فروخت کیا تھا اور پھل بائع نے اپنے لئے باقی رکھے تھے، پھر یہ پھل بھی اسی مشتری کو فروخت کرے، (۲) یا مالک درخت نے درخت کے پھلوں کی کسی کے لئے وصیت کی ہو تو وہ موصی لہ پھل اسی مالک درخت کو فروخت کرے، (۳) یا بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے ساتھ پھلوں کی بیع کی ہو پھر وہ مشتری قطع سے قبل وہی پھل اپنے بائع یعنی مالک درخت کو فروخت کرے، ان تمام صورتوں میں بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے بغیر مالک درخت کو پھل فروخت کرنا جائز ہے، اور اگر ایسے مالک درخت کو شرط قطع کے ساتھ بھی فروخت کرے تو اس مشتری ثمرہ پر شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں یعنی درخت سے فوراً پھلوں کو توڑنا ضروری نہیں؛ اس لئے کہ درخت اور پھل دونوں ایک ہی شخص کی ملکیت میں جمع ہوئے ہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص درخت اور پھل دونوں ایک ساتھ خریدے۔

چنانچہ متن "منہاج الطالبین" کی علامہ دمیری یوں تشریح فرمارہے ہیں:

"**(وقيل إن كان الشجر للمشتري جاز بلا شرط)؛ لأنهما يجتمعان في ملک شخص واحد،**

فأشبه ما إذا اشتراهما معا، وبهذا جزم صاحب التنبيه ورجحه جماعة، وصححه في الروضة في المساقاة، ولم يصح الرافعي هناک شيئا ونقلاه هنا عن الجمهور، (قلت: فإن كان الشجر للمشتري وشرطنا القطع لم يجب الوفاء به، والله اعلم)؛لأنه لا يجب ان يقطع ثمار نفسه عن أشجاره، وصورة ذلک أن يبيع الشجرة لشخص ويبقى الثمرة ثم يبيعه الثمرة، أويوصى لإنسان بثمره فيبيعها لصاحب الشجرة، أو يبيع الثمرة بشرط القطع ثم يشتريها قبله''(النجم الوہاج ۴/ ۲۰۵،۲۰۶،نیز دیکھئے:نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۴۷،أسنی المطالب ۴/ ۲۵۸،حاشیۃ الجمل ۴/ ۵۹۴)۔

☆اگرکوئی درخت کے ساتھ پھل فروخت کرے ایک ثمن کے عوض یعنی درخت اور پھل دونوں کا ثمن ایک ہی ہو، علاحدہ ثمن مقرر نہ کیا ہوتو بغیر کسی شرط کے یہ بیع جائز ہے؛اس لئے کہ اس صورت میں پھل درخت کے تابع سمجھے جائیں گے اور پھل کے ضائع ہونے سے مشتری کے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے،اس صورت میں فوراً پھل کوتوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں؛ کیونکہ یہاں مشتری پر اس کی ملکیت میں تصرف سے حجر لازم آرہا ہے اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف سے روکنا درست نہیں۔

جیسا کہ علامہ دمیریؒ نے اس طرح مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے:''(وإن بيع مع الشجر جاز بلا شرط) بالاجماع، هذا إن لم يفصّل الثمن، فإن فصّله بأن قال بعتک الشجرة بدينار والثمرة بعشرة فلا يصح لإنتفاء التبعية كما قاله الرافعي في المساقاة، (ولا يجوز بشرط قطعه) لأن فيه حجرا على المشتري في ملكه بخلاف البيع من صاحب الاصل، فإن العقد شملهما فصارت الثمرة تابعة''(النجم الوہاج ۴/ ۲۰۶)۔

اور اگر درخت اور پھل دونوں کا علاحدہ ثمن مقرر کیا ہوتو صرف شرط قطع کے ساتھ ہی بیع درست ہوگی، بقیہ دو صورتوں (ابقاء اور مطلقاً) میں بیع درست نہیں ہوگی؛ کیونکہ ایسی صورت میں پھل درخت کے تابع نہیں ہورہے ہیں اور بدوصلاح سے قبل پھل کی بیع صرف شرط قطع کے ساتھ ہی درست ہے۔

علامہ شیخ سلیمان جمل فرماتے ہیں:''ثم إن فصّل كبعتک الاصل بدينار والثمرة بنصفه لم يصح بيع الثمرة إلا بشرط القطع لانتفاء التبعية'' (حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۴/ ۵۹۵)۔

۵-الف: بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کے وقت عاقدین میں یہ بات طے پائے کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار توڑلے گا تو اصطلاح میں اسے ''شرط قطع'' کہتے ہیں،شرط قطع کے ساتھ یہ بیع جائز ہے۔

علامہ عمرانی شافعیؒ فرماتے ہیں:''إذا باع الثمرة على رؤوس الشجر مفردة قبل بدوالصلاح أو باع زرعا في أرض قبل بدوالصلاح، فإن شرط في البيع قطع ذلک، قال الشيخ أبوحامد صح البيع بلا

خلاف؛ لأنهما يأمنان بهذا الشرط من الغرر"(البیان في مذہب الامام الشافعی ۵/۲۵۲ طبع دار المنہاج)۔

علامہ عمرانی شافعیؒ دلیل حکم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ جن احادیث میں قبل بدوالصلاح بیع کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان احادیث کا عموم تقاضہ کرتا ہے کہ شرط قطع کے ساتھ بھی بیع درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن چونکہ شرط قطع کے ساتھ بیع کے جواز پر اجماع ہے؛ اس لئے اجماع کے ذریعہ"حدیث نہی" کے عموم میں تخصیص کی جائے گی۔

"**وعموم هذا يدلّ على أنه لا يجوز بشرط القطع ولا بغيره فقامت الدلالة على جواز البيع بشرط القطع وهو الاجماع،وبقي الباقي على عموم الخبر**"(البیان ۵/۲۵۳)۔

علامہ قلیوبی فرماتے ہیں:"**فيجوز إجماعاً فهو مخصّص لعموم المنع في مفهوم الحديث السابق**"(حاشیۃ القلیوبی علی کنز الراغبین ۲/۲۷۳)۔

۵-ب: بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کے وقت عاقدین میں طے پائے کہ یہ پھل درخت پر ہی لگے رہیں گے تو اسے اصطلاح میں"شرط الابقاء" یا"شرط التبقیہ" کہتے ہیں اور شرط تبقیہ کے ساتھ بیع جائز نہیں؛ اس لئے کہ یہ شرط غرر کا باعث ہوتی ہے، معلوم نہیں کہ پھل بدوصلاح تک سلامت رہیں گے یا ضائع ہوں گے؟، چنانچہ علامہ عمرانیؒ فرماتے ہیں:

"**وإن شرطا تبقية ذلک لم يصح البيع بلا خلاف، لأن ذلک يؤدي إلى الغرر؛ لأنه لا يدري هل يسلم ذلک أم لا؟**"(البیان ۵/۲۵۲)۔

دلیل مسئلہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے شیخ سلیمان جملؒ فرماتے ہیں کہ"حدیث نہی" کا عموم اس بیع کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے،"**لأنه دليل على عدم الجواز اي في غير الغاية**"(حاشیۃ الجمل ۴/۵۹۴)،"**وبقي الباقي على عموم الخبر**"(البیان ۵/۲۵۳)۔

۵-ج: بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کے وقت عاقدین میں خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی بات طے پائی اور نہ درخت پر باقی رہنے کی اسے اصطلاح میں"مطلقاً" سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس صورت میں بھی بیع درست نہیں؛ اس لئے کہ"حدیث نہی" کا عموم جیسے شرط تبقیہ کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے اسی طرح"مطلقاً" بیع کے بھی عدم جواز پر دلالت کرتا ہے۔

"**وإن أطلقا العقد لم يصح البيع عندنا وبه قال مالک وأحمد وإسحاق، وقال أبوحنيفة: يصح البيع ويأخذ المشتري بقطع ذلک في الحال**"(البیان ۵/۲۵۲)۔

"**وقد جرت العادة ان الثمار لا تنقل إلا بعد بدوالصلاح فيها، وإذا باعه ثمرة أو زرعا قبل بدوالصلاح فيها من غير شرط القطع لم يأمن أن يتلف بعاهة قبل ذلک وفي ذلک غرر من غير**

حاجة فلم يصح"(البیان ۵/ ۲۵۳)(عرف وعادت یہی ہے کہ پھلوں کو بدوصلاح کے بعد ہی منتقل کیا جاتا ہے،لہذا کوئی بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے بغیر پھلوں کو فروخت کرے تو وہ پھل ضائع ہونے سے مامون نہیں تو اس میں بلا حاجت کے غرر لازم آرہا ہے؛اس لئے یہ درست نہیں۔

۶- بدوصلاح سے قبل شرط قطع کے ساتھ بیع درست ہوتی ہے،لہذا خریدار شرط قطع کے ساتھ ہی پھل خرید لے تو اسے فوراً پھل توڑنا ضروری ہے؛لیکن اگر مشتری نے فوراً پھل نہیں نکالے تو نکالنے کی مدت تک پھل کے درخت کو کرائے پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ توڑنے کی مدت تک درخت پر پھل باقی رکھنے کا خریدار کو حق نہیں ہے گویا اس مدت میں وہ زمین سے فائدہ حاصل کر رہا ہے؛اس لئے منفعت زمین کو کرائے پر لینے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ علامہ رملی کبیر پھلوں میں تلاحق واختلاط کے مسئلہ پر فرماتے ہیں:"**فطريقه أن يشتري بشرط القطع ثم يستأجر الأرض حتى تكون العروق مملوكة له فما يحدث من الزيادة يكون ملكا له قاله المتولي**"(حاشیۃ الرملی علی أسنی المطالب ۲/۷۰۴،نیز دیکھئے:حاشیۃ الشبر املسی علی نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۵۵،حاشیۃ الشروانی علی التحفۃ ۶/ ۱۳۶،المعتمد ۳/ ۵۵)۔

۸- بیع سلم کی شرطوں میں اختلاف ائمہ کرام سے فائدہ اٹھانا:

اللہ تعالی نے دنیا میں لوگوں کی حاجات کو ایک دوسرے سے متعلق رکھا ہے،بعض ماہر کاشتکار،تاجر اور ہنرمند ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی نہیں ہوتی،وہ اپنے اختراعات وایجادات کو بروئے کار لانے کے لئے مال و دولت کے محتاج ہوتے ہیں،اس کے بالمقابل بعض لوگوں کے پاس مال واسباب کی فراوانی ہوتی ہے لیکن انہیں زراعت یا تجارت میں مہارت نہیں ہوتی یا اس کے لئے اپنے وقت کو فارغ نہیں کر پاتے،وہ اپنے اموال کے نفع کے خواہشمند رہتے ہیں،تو تعاون باہمی اور ایک دوسرے کی حاجات کی تکمیل اور مصالح ومنافع کو بروئے کار لانے کے لئے شریعت نے"عقد سلم"کو مشروع کیا ہے،اس عقد سلم میں دراصل ایک معدوم کی بیع ہے جس کی وجہ سے اس میں غرر کثیر ہے؛لیکن عامۃ الناس جواز عقد سلم کے محتاج ہیں؛اس لئے شریعت نے اسے بیع معدوم سے مستثنی کیا اور معمولی غرر کو گوارا کیا ہے،عام بیوع سے ہٹ کر کچھ شروط وقیود کو ضرور قرار دیا؛تاکہ یہ عقد عاقدین کے لئے مفید ثابت ہو اور حال یا مستقبل میں ان کے درمیان کسی نزاع وجھگڑے کا سبب نہ بنے۔اس میں بعض شروط منصوص نہیں ہیں بلکہ فقہاء کرام نے رفع ضرر وغرر کے لئے ان کا لحاظ کیا؛اس لئے ایسی شروط میں فقہاء کے مابین کچھ اختلاف بھی پایا جارہا ہے،جیسا کہ سوالنامے میں مذکور مثال میں شوافع کے نزدیک ابتداء عقد سے حلول اجل تک مسلم فیہ کا وجود ضروری نہیں،ادائیگی کے وقت پایا جانا ضروری ہے،لہذا مسلم فیہ درمیانی زمانے میں یا ابتداء عقد میں مفقود ہو لیکن ادائیگی (تسلیم) کے وقت میں وہ موجود رہتی ہو تو ایسی چیز میں سلم کرنا جائز ہے۔

"**قال الماوردي:السلم يجوز فيما كان موجوداً أو وقت المحل وإن كان معدوما من قبل**"(الحاوی

الکبیر ۵/۳۹۱)۔

"الشرط الثالث: القدرة على التسليم......وإنما تعتبر القدرة على التسليم عند وجوبه، وذلک في البيع والسلم الحال في الحال، وفي السلم المؤجل عند المحل، ولو كان المسلم فيه عام الوجود عند المحل فلا بأس بإنقطاعه قبله وبعده" (روضۃ الطالبین ۳/۲۵۱، نیز دیکھئے: تحفۃ المحتاج مع حواشی ۶/۲۰۱)۔

مسلم فیہ میں اہم شرط یہ ہے کہ صفات کے ذریعہ اسے منضبط اور محدود کیا جاسکے؛ لہذا جس چیز کا صفات کے ذریعہ انضباط ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے اور جس کا انضباط ممکن نہ ہو تو اس میں سلم جائز نہیں؛ اس لئے کہ مبیع فی الحال موجود نہیں، صفات کے ذریعہ اس کی تعیین وتحدید نہ ہوئی تو مسلم فیہ (مبیع) مجہول ہو رہی ہے، اور یہ ایسی جہالت ہے جو عاقدین میں اکثر باعث نزاع ہوتی ہے، انضباط وعدم انضباط کے اعتبار سے بعض اشیاء میں سلم کے جواز وعدم جواز میں اختلاف آراء ہوسکتا ہے، مثلاً روٹی میں اکثر فقہاء نے سلم کو ناجائز قرار دیا؛ کیونکہ اس میں آگ کی تاثیر کو منضبط نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن قدیم زمانہ میں ہی بعض فقہاء روٹی میں سلم کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تاثیر کے اعتبار سے روٹی کو منضبط کیا جاسکتا ہے۔علامہ دمیری کا کلام ملاحظہ ہو:

"(لاخبز في الأصح عند الأكثرين) لتأثره بالنار تأثرا ظاهرا، والثاني الصحة؛ لأنه مضبوط وصححه الإمام والغزالي والفارقي ومشائخ خراسان، فإذا قلنا بهذا اشترط فيه ذكر البلد والنوع كالعلامة والخشكار، وانه رطب أويابس" (النجم الوہاج ۴/۲۵۸)۔

"(ولايصح السلم في المطبوخ والمشوي)بإختلاف الغرض باختلاف تأثير النار فيه، ومن ثم لو انضبطت ناره أو لطفت صح فيه على المعتمد" (تحفۃ المحتاج مع الحواشی ۶/۲۲۸، نیز دیکھئے: الحاشیۃ علی النجم الوہاج ۴/۲۵۸)۔

لہذا جو شرائط منصوص نہیں، اور سلم کے دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے موجودہ معاییر ومکاییل سے مسلم فیہ کا انضباط ہو رہا ہو جو عاقدین میں باعث نزاع نہ ہو تو ایسی قیود وشروط میں اختلاف ائمہ سے فائدہ اٹھانے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

جیسا کہ ڈاکٹر محمد الزحیلیؒ فرماتے ہیں:"ويجوز السلم اليوم في كل مايضبط ويحدد وصفه لمنع المنازعة عند التسليم مع مراعاة التقدم العلمي في ضبط الأشياء ودقة وصفها، وفي وجود الآلات والمصانع التي تنتج أصنافا متشابهة ومضبوطة حسب الأوصاف والمعايير" (المعتمد ۳/۱۵۱، ۱۵۲)۔

دکتور وہبہ زحیلیؒ کا بیان ہے:"يجوز السلم في أنواع الحيوان قياسا على جواز القرض فيها،

ويجوز السلم في اللحم مع العظم وفي السمک بشرط ضبط صفاته، ويصح في الثياب بمواصفات معينة، وفي التبن والحطب بميزان معلوم، وفي الخبز ونحوه مما أمكن ضبطه ومسته النار كما يجوز قرض الخبز وزنا وعددا لحاجة الناس إليه" (المعاملات المالیہ المعاصرۃ ص ۳۰۰)۔

نیز مسلم فیہ کی تعیین وانضباط کے لئے جو اوصاف ذکر کئے جائیں گے وہ عاقدین کے نزدیک متعارف ہوں؛ نیز مکان عقد میں عاقدین کے علاوہ دو عادل بھی ان اوصاف کو جانتے ہوں؛ تاکہ عاقدین میں اختلاف (نزاع) کی صورت میں رفع نزاع کے لئے دو عادل کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ جیسا کہ علامہ نوویؒ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صفات المسلم فيه مشهورة عند الناس وغير مشهورة ولا بد من معرفة العاقدين صفاته، فإن جهلها أحدهما لم يصح العقد، وهل يكفي معرفتهما؟ وجهان: أصحهما لا، وهو المنصوص بل لا بد من معرفة عدلين ليرجع اليهما عند تنازعهما" (روضۃ الطالبین ۲۶۹/۳)۔

اس قسم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقد سلم میں ایسی صورت اختیار کرنا جس سے عرف وعادت کے مطابق مسلم فیہ کا انضباط ہو اور ادائیگی کے وقت عاقدین میں نزاع کا سبب نہ ہو تو جائز ہے۔

خلاصہ بحث:

۱- کسی درخت کے پھلوں کو دو سال یا اس سے زائد مدت کے لئے فروخت کرنا "معاومہ" کہلاتا ہے، نیز درخت پر ابھی پھل نہ آئے ہوں تو ان کو ایک سال کے لئے فروخت کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز وعدم جواز میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کو مختصراً بحث میں پیش کیا گیا ہے۔

۳- شوافع کے نزدیک بدو صلاح سے مراد ہر پھل یا غلہ یا سبزی کا ایسی حالت کو پہنچنا جس میں عامۃً اسے طلب کیا جاتا ہے؛ لہذا رنگ پکڑنے والے پھلوں میں اس کی علامت ہے رنگ پکڑنا اور ان کے علاوہ میں پھل کا پکنے کے قریب ہونا۔

۴- الف: پھل کے آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے، یہ بالاتفاق ناجائز وحرام ہے۔

ب- اصلاً ان ہی پھلوں کی بیع درست ہوگی جو درخت پر موجود ہوں، جو پھل عقد کے وقت نہیں ہیں ان کی بیع نہیں ہوگی؛ لہذا اگر حادث اور موجود دونوں میں تمیز ممکن ہے تو دونوں کو علاحدہ شمار کیا جائے، اور جو پھل عقد کے بعد آئے ہیں وہ مشتری کے نہیں ہوں گے؛ لیکن موجود اور حادث پھلوں میں اس طرح تمیز کرنا باعث مشقت ہے؛ اس لئے بیع کے بعد

درخت پر اسی صنف کے پھل ظاہر ہوں تو بائع کو چاہئے کہ ان نئے (حادث) پھلوں میں تسامح سے کام لے یعنی وہ مشتری کو ہبہ کرے یا ان سے اعراض کرے یعنی مشتری کو لینے کا اختیار دے ان کا مطالبہ نہ کرے، تو ایسی صورت میں بیع درست ہوگی اور تمام پھل مشتری کے لئے جائز ہوں گے۔

☆ اگر باغ میں ایک جنس کے پھل کے درخت ہوں مثلاً آم، کاجو یا ناریل وغیرہ، اور ایک جنس کے پھلوں کے بعض درخت میں بدوصلاح ہوا اور بعض میں نہ ہو تو بعض درخت کا بدوصلاح کافی ہے، اسی جنس کے تمام درختوں میں بدوصلاح ضروری نہیں؛ جبکہ عقد، پھلوں کی جنس، باغ اور پھلوں کا زمانہ (موسم) ایک ہو۔

ج- پھل نکل آئے لیکن تیار نہیں ہوئے یعنی بدوصلاح نہیں ہوا لیکن فوراً کاٹنے کی صورت میں وہ فی نفسہ منتفع بہ ہیں تو ایسے پھلوں کی بیع شرط قطع کے ساتھ ہی درست ہے، بقیہ دو صورتوں میں جائز نہیں؛ لہذا شرط قطع کے ساتھ بیع ہو تو علی الفور مشتری پر پھلوں کو نکالنا ضروری ہے؛ البتہ اس صورت میں اگر بائع نے مسامحت کی یعنی مشتری سے پھلوں کو نکالنے کا مطالبہ نہیں کیا اور دونوں شرط قطع کے ساتھ بیع ہونے کے باوجود پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کے لئے راضی ہوں تو اس طرح کرنا درست ہے؛ کیونکہ نفس عقد درست ہوا ہے۔

☆ بدوصلاح سے قبل پھلوں کو جس مشتری کے ہاتھوں فروخت کر رہا ہے، اگر وہ درخت اسی مشتری کا ہو تو شرط قطع کے بغیر مالک درخت کو پھل فروخت کرنا جائز ہے۔

☆ اگر کوئی پھلوں کو درخت کے ساتھ فروخت کرے ایک ثمن کے عوض یعنی پھل اور درخت کا ثمن ایک ہی ہو تو بغیر کسی شرط کے یہ بیع جائز ہے۔

۵- الف: مذکورہ صورت ''شرط قطع'' کی ہے اور شرط قطع کے ساتھ بیع جائز ہے۔

ب- مذکورہ صورت ''شرط تبقیہ'' کی ہے اور شرط تبقیہ کے ساتھ بیع جائز نہیں۔

ج- مذکورہ صورت کو ''مطلقاً'' بیع سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس صورت میں بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

۶- بدوصلاح سے قبل خریدار شرط قطع کے ساتھ پھل خریدلے تو پھل توڑنے کی مدت تک درخت کرائے پر لینے کی گنجائش ہے۔

۸- بیع سلم کے جو شرائط منصوص نہیں اور سلم کے دیگر شرائط کی رعایت کرتے ہوئے موجودہ معایر ومکائیل سے مسلم فیہ کا انضباط ہو رہا ہو جو عاقدین میں حال یا مستقبل میں باعث نزاع نہ ہو تو ایسی شروط وقیود میں اختلاف ائمہ سے فائدہ اٹھانے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد الیاس قاسمی☆

۱-حدیث میں بیع معاومہ کا مصداق:

معاومہ ''عام'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی سال کے ہیں۔

حدیث میں بیع معاومہ کی ممانعت کی گئی ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی درخت پر آنے والے پھلوں کو دو سال یا اس سے زائد سالوں کے لئے فروخت کر دیا جائے۔حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے۔

''**عن أبی الزبیر وسعید بن مینا عن جابر بن عبداللہؓ أن النبی ﷺ نہی عن المعاومۃ وقال أحدھما: بیع السنین**'' (سنن ابی داؤد، باب فی بیع السنین، رقم الحدیث: ۳۳۷۵) (حضرت ابوالزبیر اور سعید بن میناء سے مروی ہے وہ جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بیع معاومہ سے منع فرمایا ہے، اوران میں سے ایک نے کہا: بیع سنین سے منع فرمایا)۔

''بذل المجہود'' میں ہے: ''**قولہ ﷺ : عن بیع السنین (بکسر السین جمع السنۃ بفتحھا) وھی بیع المعاومۃ والمراد بیع ماتحملہ ھذہ الشجرۃ مثلاً سنۃ فأکثر وھذا البیع باطل لأنہ بیع مالم یخلق فھو بیع المعدوم**'' (بذل المجہود ۱۱/ ۷۰، ط: دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت)۔

آپ ﷺ کا ارشاد بیع سنین (سین کے کسرہ کے ساتھ سنہ کی جمع ہے) سے مراد بیع معاومہ ہے، اوراس سے مراد مثلاً یہ ہے کہ اس درخت پر ایک سال سے یا ایک سے زائد سال جو پھل آئیں گے ان کی بیع، حدیث میں بیع معاومہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔اس کا مصداق یہ ہے کہ درخت کے پھلوں کی خرید وفروخت کی جائے درآنحالیکہ ابھی درخت پر پھل ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں۔

☆ خادم افتاء، دارالافتاء ''دارارقمؓ''، سائی بابانگر، کونڈواخرد، پونا مہاراشٹرا۔

چنانچہ ''تکملہ فتح الملہم'' میں مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''المعاومة مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فاكثر، والمعاومة و بيع السنين معناهما واحد كما صرح به في هذه الرواية وانما حرم لكونه بيع غرر لأنه بيع مالم يخلقه الله تعالىٰ'' (تکملہ فتح الملہم ۱/۴۳۱) (معاومہ عام سے مفاعلہ کا صیغہ ہے جو سال کے معنی میں ہے، جیسے سنۃ سے مسانہۃ ہے اور شہر سے مشاہرہ ہے، اور اس سے مراد ان پھلوں کی بیع ہے جو مخصوص درخت پر ایک سال یا اس سے زائد مدت میں آئیں گے۔ معاومہ اور بیع سنین کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ یہ روایت صراحت کرتی ہے۔ یہ بیع غرر ہونے کے سبب حرام ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی ہے)۔

علامہ نوویؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: ''أما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه إن بيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه من المنذر وغيره لهذه الاحاديث ولأنه بيع غرر لانه بيع معدوم و مجهول غير مقدور على تسليمه وغير مملوك للعاقد والله اعلم۔'' (شرح النووی علی مسلم ۱/۱۹۳) (رہی بیع معاومہ کی ممانعت اور اس سے مراد بیع سنین ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ درخت کے پھلوں کو دو سال، تین سال یا اس سے زائد مدت تک کے لئے فروخت کردینا، اسے بیع معاومہ اور بیع سنین کہا جاتا ہے، یہ بالاجماع باطل ہے، اس بارے میں علامہ ابن منذر وغیرہ نے ان احادیث کے سبب اجماع نقل کیا ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ بیع غرر ہے؛ کیونکہ معدوم پھل اور ایسی چیز کی بیع ہے جس کی حوالگی پر وہ قادر نہیں ہے اور یہ چیز عقد کرنے والے کی ملکیت میں نہیں ہے، اللہ زیادہ جاننے والا ہے)۔

بیع معاومہ کے سلسلے میں ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''هى بيع ثمر النخل أو الشجر ثنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق'' (مرقاۃ المفاتیح ۵/۱۹۲۸، رقم الحدیث: ۲۸۳۶) (یہ کھجور یا کسی اور درخت کے پھلوں کو دو تین سال یا اس سے زائد مدت تک کے لئے فروخت کرنا ہے، قبل اس کے کہ اس کے پھل ظاہر ہوں، یہ بیع باطل ہے؛ کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو پیدا نہیں ہوئی ہے، لہٰذا یہ پیدا ہونے سے قبل بچے کی بیع کی طرح ہے)۔

''عون المعبود'' میں بیع معاومہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قال الخطابى هو أن يبيع الرجل ما تثمره النخلة أو النخلات بأعيانها سنين ثلاثا أو أربعا أو

اكثر منها وهذا غرر؛ لأنه بيع شئ غير موجود ولا مخلوق حال العقد، ولا يُدرى هل يكون ذلك أم لا؟ وهل يثمر النخل أم لا وهذا فى بيوع الاعيان۔وأما فى بيوع الصفات فهو جائزمثل أن يسلف فى شئ إلى ثلاث سنين أو أربع أو اكثر ما دامت المدة معلومة، كيل معلوم ووزن معلوم إلى اجل معلوم، بعيد أو قريب، إذا كان الشئ المسلف فيه غالبا وجوده عند وقت محل السلف"(عون المعبود ۹/ ۱۶۳ نسخہ مکتبہ شاملہ)(علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: یہ وہ بیع ہے جس میں متعین کھجور کا درخت یا چند درخت تین سال، چار سال یا اس سے زائد مدت تک جو پھل دیں گے اس کی بیع کی جائے، یہ غرر ہے، اس لئے کہ ایسی چیز کی بیع ہے جو موجود نہیں ہے، اور نہ ہی عقد بیع کے وقت وہ پیدا شدہ ہے، یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ وجود میں آئے گی یا نہیں۔اور کھجور کے درخت پھل دیں گے یا نہیں۔ یہ حکم متعینہ کھجور کے درختوں کے سلسلے میں ہے، رہی یہ بات کہ مبیع کی صفات بیان کرتے ہوئے بیع کی جائے تو یہ جائز ہے۔جیسے یہ کہ کسی چیز کی تین، چار سال یا اس سے زائد مدت کے لئے بیع کی جائے، جب کہ وہ مدت معلوم ہو، پیمانہ معلوم ہو، وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو، خواہ قریب کی مدت ہو یا دور کی؛ جب کہ جس چیز میں بیع سلم کی جارہی ہو وہ عقد سلم کی مدت پوری ہونے کے وقت غالباً موجود رہے)۔

۲-پھلوں کی خرید وفروخت کے احکام:

اگر پھل اس قابل ہوگئے ہوں کہ ان سے کامل طور پر انتفاع ممکن ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کی بیع درست ہوگی؛ اس لئے کہ عقد کا محل موجود ہے، اور اسے زمین پر یا درخت پر کٹائی یا توڑنے کی مدت تک باقی رکھنا جائز ہے؛ اس لئے کہ عرف اس کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**إذا أصبح الزرع والثمر بحالة ينتفع بهما انتفاعا كاملا صح التعاقد عليه لأن محل العقد موجود ويجوز إبقاءه فى الأرض أو على الشجر إلى وقت الحصاد أوالقطاف عند أبى حنيفة وأبى يوسف لأن العرف يقتضيه ويتعامل به الناس عادة**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۰۲۲)۔

اگر پھل اس حالت میں ہوں کہ ان سے کامل انتفاع ممکن نہ ہو تو امام مالک اور محمد بن الحسن کے نزدیک لوگوں کے تعارف اور تعامل کی وجہ سے ان کی بیع درست ہوگی جب کہ امام شافعیؒ اور شیخین کے نزدیک ان کی بیع درست نہ ہوگی؛ کیونکہ اس کو باقی رکھنا امر مطلوب ہے، اور اسے باقی رکھنے میں خریدار کا ایسا نفع ہے جس کا عقد بیع متقاضی نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ اس کے مناسب ہے(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۰۲۲)۔

فقہاء احناف کے نزدیک کسی چیز کی بیع اس وقت ہوگی جب کہ وہ مال کی تعریف میں داخل ہو؛ لہذا اگر پھل اس قابل ہوں کہ ان سے انتفاع ممکن ہو تو وہ مال کے قبیل سے ہوں گے اور ان کی بیع درست ہوگی، اگر ان سے بالکل ہی انتفاع ممکن نہ ہو تو پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: مبیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ مال متقوم ہو، حنفیہ کے نزدیک مال وہ چیز ہے جس کی جانب طبیعت مائل ہو، جیسا کہ اس سے پہلے ہم تعریف بیان کر چکے ہیں، اور حاجت کے وقت کے لئے اس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہو۔ دوسری عبارت کے مطابق مال وہ چیز ہے جس کا مالک بننا انسان کے لئے ممکن ہو اور عادۃً اس سے انتفاع ممکن ہو، اصح قول یہ ہے کہ یہ ہر وہ سامان ہے جس کی لوگوں کے نزدیک مادی قیمت ہو (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۳۲۱)۔

پھلوں کی بیع میں فقہاء احناف نے ان کے قابل انتفاع ہونے کا لحاظ کیا ہے، اگر پھل قابل انتفاع ہوں تو ان کی بیع درست ہوگی اور اگر قابل انتفاع نہ ہوں تو ان کی بیع درست نہ ہوگی۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**مذهبهم فی أصلها وهو بیع الثمر قبل بدو صلاحه (وكذا الحب ونحوه) إنه إن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب إذا باع بشرط القطع أو مطلقا**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/۱۹۷)۔

(دراصل بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع میں فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ اس حیثیت میں ہو کہ اس سے انتفاع ممکن ہو اگرچہ جانوروں کے چارہ کے طور پر انتفاع ہو تو تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ اس کی بیع جائز ہے جب کہ وہ کاٹنے کی شرط سے اسے فروخت کردے یا مطلق فروخت کردے)۔

اگر پھلوں کی بیع بدو صلاح کے بعد ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک بیع درست ہوگی۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پھلوں کی بیع جائز ہے کہ درختوں سے علیحدہ پھلوں کی بیع درست ہے۔ پھلوں کی بیع بدو صلاح کے بعد ہی جائز ہے، البتہ بدو صلاح کی تفسیر میں ان کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد پختگی ومٹھاس کی علامات کا ظہور ہے جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے یا اس سے مراد آفت اور بربادی سے محفوظ ہوجانا ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ جواز کی دلیل خود نبی ﷺ کی حدیث سے ماخوذ ہے کہ آپ نے بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد پھلوں کی بیع جائز ہے، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے جو مفہوم مخالف کے معتبر ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ یہ بھی اصول ہے کہ ہر وہ بیع جائز ہے جس میں بیع کی شرطیں کامل طور پر پائی جاتی ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۱-۲۲)۔

چند شرطوں کے ساتھ پھلوں کے بدوصلاح سے پہلے ان کی بیع جائز ہے جب کہ وہ قابل انتفاع ہوں۔

”ویجوز کذلک بیع الثمار بعد ظهورها وقبل بدوالصلاح بشرط القطع فی الحال وذلک إذا کان ینتفع به وهذا باتفاق“(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۲)۔

(اسی طرح پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد اور بدوصلاح سے قبل بھی فوراً کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع جائز ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ پھل قابل انتفاع ہوں، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے)۔

اگر بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع مطلق طور پر یا پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ کی جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہوگی، اسی طرح اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط رکھے تو احناف کے نزدیک بھی بیع جائز نہ ہوگی، اگر مطلق طور پر بیع کی جائے تو بیع درست ہوگی؛ جب کہ پھل فی الحال یا فی المآل قابل انتفاع ہوں، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

اگر بدوصلاح سے قبل پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقاً پھلوں کی بیع کی جائے، کاٹ لینے یا ان کو باقی رکھنے کی صراحت نہ کی جائے تو جمہور علماء (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک بیع باطل ہے، احناف کے نزدیک بھی یہی حکم ہے جب کہ پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط رکھے؛ اور اگر وہ پھلوں کو کاٹ لینے اور باقی رکھنے کی شرط نہ رکھے تو یہ جائز ہے جس پر تمام مسالک کا اتفاق ہے، جب کہ اس سے انتفاع ممکن ہو۔ صحیح قول کے مطابق اگر انتفاع ممکن نہ ہو تو بھی صحیح قول کے مطابق ان کی بیع درست ہوگی؛ اس لئے کہ آئندہ کے اعتبار سے یہ قابل انتفاع ہے اگر چہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے، پس اگر ان کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط عائد کرلے تو بیع فاسد ہو جائے گی (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۱-۲۲)۔

۳-بدوصلاح کی لغوی تحقیق اور اختلاف فقہاء:

”بدوٗ“ بدا یبدو سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔

صلاح کے لغوی معنی درستگی اور پختگی کے ہیں:”البدو (بفتح الباء وسکون الدال وتخفیف الواو) والبدو (بضم الباء والدال و تشدید الواو) کلاهما مصدر بمعنی الظهور کمافی تاج العروس وصلاح الشئ ضد فساده“ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۳)۔

اصطلاح فقہاء میں بدوصلاح کے معنی:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے محفوظ ہو جانا ہے۔ جب پھل اتنا بڑا ہو جائے کہ جس کے بعد جو آفتیں پھلوں کو لاحق ہوتی ہیں ان سے وہ محفوظ ہو جائے تو کہا جائے گا کہ بدوصلاح متحقق ہوگئی۔

"بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد"(ردالمحتار ۴/ ۵۵۵)(ہمارے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ وہ آفت اورخرابی سے مامون ہوجائے)۔

"بدو الصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد"(حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ۴/ ۱۲)۔

"ظهور الصلاح عندنا أن يأمن العاهة والفساد"(البحرالرائق ۵/ ۳۲۵)۔

فقہاء مالکیہ نے بدوصلاح کی تفسیر مختلف چیزوں کے اعتبار سے مختلف بیان کی ہے، کھجور میں بدوصلاح سے مراد ان کا سرخ، زرد ہونا یا رنگ کا خوشنما ہوجانا ہے، اورانگور میں بدوصلاح سے مراد اس کا سیاہ ہونا اوراس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ہے، ان کے علاوہ دیگر پھلوں میں بدوصلاح کا تحقق مٹھاس پیدا ہونے سے ہوگا۔ خس اور عصفر میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہوجائیں۔ تمام سبزیوں میں بدوصلاح کا تحقق اس طرح ہوگا کہ وہ استعمال کے قابل ہوجائیں۔ کھیتی اور دانوں میں بدوصلاح کا تحقق ان کے خشک اور پختہ ہوجانے سے ہوگا۔

"بدو الصلاح فی کل شئ بحسبه ففی البلح باحمراره أو اصفراره وفی غیره بظهور الحلاوة فيه"(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۵۳۹)۔

(ہر چیز میں بدوصلاح اس چیز کے مطابق ہوگا؛ لہذا کھجور میں اس کے سرخ یا زرد ہونے سے ہوگا اور کھجور کے علاوہ اشیاء میں بدوصلاح کا تحقق اس میں مٹھاس کے پیدا ہونے سے ہوگا)۔

"وهو أی بدوالصلاح (الزهو) فی البلح باحمراره أواصفراره وما فی حکمهما کالبلح الخضراوی(وظهور الحلاوة) وفی غیره من الثمار کالعنب (والتهيؤ للنضج) بأن يميل إن انقطع إلى صلاح کالموز لأن من شأنه أن لا يطيب حتى يدفن فی نحوالتبن وهو(فی ذی النور)بفتح النون ای صاحب الورق کالورد والياسمين(بانفتاحه)ای انفتاح أكمامه فيظهر ورقه وفی البقول بإطعامها بأن ينتفع بها فی الحال وذلک باستقلال ورقه وتمامه بحيث لم يكن فی قلعه فساد(وهل هو) ای بدو الصلاح(فی البطيخ) الأصفر كالعبدلی والخربز والقاوون والضمری (الاصفرار) بالفعل(أو التهيؤ للتبطيخ) بأن يقرب من الاصفرار قولان ولم يذكر بدو صلاح البطيخ الاخضر ولعله تلوّن لبه بالحمرة أو غيرها"(الشرح الکبیر للشیخ الدردیر ۳/ ۱۷۸)۔

مواہب الجلیل میں ہے: "وفی الحنطة ونحوها والقطانی يبسها"(مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل ۳/ ۵۰۳)۔

فقہاء شوافع کے نزدیک ایسے پھل وغیرہ جن کا کوئی رنگ نہیں ہوتا ہے، میں بدوصلاح کا تحقق اس وقت ہوگا جب

کہ اس میں پکنے اور مٹھاس کی علامت ظاہر ہوجائے اور جو پھل رنگدار ہوتے ہیں ان میں بدوصلاح کا تحقق سرخ، سیاہ یا زرد ہوجانے پر ہوگا۔

علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:"بدو الصلاح أن يحمر البسر أو يصفرأو يتموه العنب لأنه قبل بدو الصلاح لا يقصد أكله فهو كالرطبة وبعده يقتات ويؤكل فهو كالحبوب۔" (المجموع ۵/۴۶۵)۔

(بدوصلاح یہ ہے کہ کھجور سرخ یا زرد ہوجائے اور انگور میں مٹھاس پیدا ہوجائے؛ اس لئے کہ بدوصلاح سے قبل اس کے کھانے کا قصد نہیں کیا جاتا تو یہ گھاس کی طرح ہوگا، اور بدوصلاح کے بعد اس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے اور اسے کھایا جاتا ہے؛ لہذا یہ غلوں کے حکم میں ہوگا)۔

''الاقناع'' میں ہے:"بدو الصلاح وهو بلوغه صفة يطلب فيها غالبا فعلامته فى الثمر الماكول المتلون أخذه فى حمرة أو سواد أو صفرة وفى غير المتلون منه كالعنب الأبيض لينه وتمويهه وهو صفاء ه وجريان الماء فيه إذ هو قبل بدو الصلاح لا يصلح للاكل" (الاقناع فی حل الفاظ ابی الشجاع ۱/۲۱۵)۔

(بدوصلاح سے مراد پھل کا ایسے اوصاف کا حامل ہونا ہے جس میں وہ غالبا مطلوب ہوتا ہے، تو کھائے جانے والے رنگ دار پھلوں میں اس کی علامت اس کا سرخ، سیاہ یا زرد ہونا ہے، اور غیر رنگ دار پھل میں اس کا نرم ہونا، اس میں رس کا پیدا ہونا ہے، یا اس کا صاف ہوجانا اور اس میں رس کا جاری ہوجانا ہے؛ اس لئے کہ بدوصلاح سے قبل وہ کھانے کے قابل نہیں ہوتا)۔

فقہاء حنابلہ نے بدوصلاح کے تحقق کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ:

(۱) جن پھلوں میں بدوصلاح کے وقت ان کا رنگ تبدیل ہوجاتا ہے جیسے کھجور، سیاہ انگور تو ان میں بدوصلاح کا تحقق ان کے رنگ کے متغیر ہوجانے پر ہوگا، اگر سفید انگور ہو تو اس میں بدوصلاح کا تحقق اس میں رس پیدا ہوجانے، نرم ہوجانے اور زرد رنگ کا ہوجانے سے کیا جائے گا۔

(۲) جن پھلوں کا رنگ متغیر نہیں ہوتا، جیسے سیب تو اس کے میٹھا ہوجانے سے بدوصلاح کا تحقق ہوگا۔ تربوز وغیرہ میں بدوصلاح کا تحقق پختہ ہوجانے کی علامات کے ظہور سے ہوگا۔

(۳) اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کا رنگ متغیر نہیں ہوتا جیسے ککڑی اور کھیرا، تو ان میں بدوصلاح کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائیں (دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۴/۷۹)۔

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے:"صلاح ثمر النخل أن يحمر أو يصفر والعنب أن يتموه وسائر الثمر أن يبدو فيه النضج ويطيب اكله"(عمدۃ الفقہ ۱/۵۵)۔

بدوصلاح پرفقہاء کے مستدلات:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھل کا سرخ یا زرد ہونا ہے۔ان کی دلیلیں درج ذیل احادیث ہیں:

"عن جابرؓ قال: نهى النبى ﷺ عن بيع الثمر حتى يطيب" (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۱۸۹) (حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ خوش رنگ نظر آئے)۔

"عن أبى البخترى قال: سالت ابن عباس عن النخل فقال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع النخل حتى يأكل منه أو يؤكل" (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۱۵۳۷) (حضرت ابوالبختری سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کھجور کے درختوں کے پھل کی بیع سے متعلق پوچھا تو فرمایا: نبی ﷺ نے کھجور کے درختوں کے پھل کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائے)۔

فقہاء احناف کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے مامون ومحفوظ ہوجانا ہے۔ان کے دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

(۱) **"فى حديث ابن عمر "وعن السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة"** (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۵۰(۱۵۳۵)، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:۳۳۶۸) (گیہوں کی بالی کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہوجائے اور آفت سے مامون ہوجائے)۔

(۲) **"فى رواية يحيىٰ بن سعيد "حتى يبدو صلاحه ويذهب عنه الآفة."** (صحیح مسلم، رقم:۱۵۳۵) (یحییٰ بن سعید کی روایت میں ہے: یہاں تک کہ اس میں بدوصلاح ہوجائے اور اس کی آفت اس سے دور ہوجائے)۔

(۳) **"وفى حديث ابن دينار عن ابن عمرؓ، نهى النبى ﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها وكان اذا سئل عن صلاحها قال: حتى تذهب عاهته"** (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۱۴۸۶) (حضرت ابن دینار سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، جب آپ سے بدوصلاح کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ فرماتے: یہاں تک کہ اس کی آفت اس سے دور ہوجائے)۔

(۴) **"عن عائشةؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تنجو من العاهة"** (شرح معانی الآثار ۴/۲۳) (حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ آفت سے محفوظ ہوجائے)۔

(۵) **"عن عثمان بن عبدالله بن سراقة عن ابن عمرؓ عن النبى ﷺ أنه نهى عن بيع الثمار**

حتی تذهب العاهة "(شرح معانی الآثار،رقم:۵۵۶۶)(حضرت عثمان بن عبداللہ بن سراقہؓ سے مروی ہے وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اللہ کے رسول ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس کی آفت دور ہوجائے)۔

(۶)اس حدیث سے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے:

"**أرأیت إن منع اللہ الثمرة بما تستحل مال أخیک؟**"(صحیح البخاری،رقم:۲۲۰۸)(تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ پھلوں کو روک دے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے مال کو کس طرح حلال کرسکتا ہے؟)۔

"**فانه یدل علی أن العلة فی هذا النهی هو کون الثمرة لمثابة الهلاک وهذه العلة تزول بأمنها من العاهة**"(فتح الملہم ۱/ ۳۸۵)(یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں نہی کی علت پھل کا ہلاکت کے درپے ہونا ہے اور اس کے آفت سے محفوظ ہوجانے سے یہ علت ختم ہوجاتی ہے)۔

بدوصلاح کی معرفت کے اصول وضوابط:

بدوصلاح کی معرفت کے درج ذیل پانچ اہم اصول ہیں:

(۱) کچھ پھلوں میں بدوصلاح کا علم ان کے رنگ سے ہوتا ہے۔

دلیل:حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ پھل کو اس کے رنگدار ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس کے رنگدار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:وہ سرخ ہوجائے یا زرد ہوجائے اور وہ کھانے کے قابل ہوجائے۔

"**عن جابر بن عبداللہؓ قال: نهی النبی ﷺ أن تباع الثمرة حتی تشقح فقیل: وما تشقح؟ تحمار وتصفار و یؤکل منها**"(بخاری،رقم الحدیث:۲۱۹۶)۔

(۲) کچھ پھلوں میں بدوصلاح کا علم مزہ سے ہوتا ہے،مثلاً گنے کا ذائقہ میٹھا ہوجائے تو اس میں بدوصلاح کا تحقق ہوجائے گا۔

دلیل: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پھل کی فروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ مزہ دار ہوجائے۔

"**عن جابر بن عبداللہؓ قال: نهی(أو نهانا) رسول اللہ ﷺ عن بیع الثمر حتی یطیب**"(صحیح مسلم،رقم الحدیث:۱۵۳۶)۔

(۳) کچھ اشیاء میں بدوصلاح کا علم ان کی سختی و پختگی کے ذریعے ہوجاتا ہے، مثلاً گیہوں اور جو۔

دلیل: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انگور کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سیاہ ہوجائے، اور دانہ کی بیع سے یہاں تک کہ وہ سخت ہوجائے۔

"عن أنسؓ أن النبی ﷺ نهی عن بیع العنب حتی یسود و عن بیع الحب حتی یشتد" (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۳۷۱)۔

(۴) کچھ اشیاء میں بدوصلاح کا علم ان کے غلاف کے پھٹنے سے ہوتا ہے، جیسے کپاس اور اخروٹ۔

(۵) کچھ اشیاء میں بدوصلاح کا تحقق ان کے کھانے کے قابل ہوجانے سے ہوتا ہے۔

دلیل: حضرت جابرؓ کی مذکورہ بالا حدیث جس میں آپ ﷺ نے پھل کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ رنگدار ہوجائے، آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ رنگدار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو فرمایا کہ وہ سرخ ہوجائے یا زرد ہوجائے اور کھانے کے قابل ہوجائے۔

۴- بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت کی صورتیں:

(الف) پھل آنے سے قبل ان کی خرید وفروخت کی یہ صورت شرعاً جائز نہیں؛ کیونکہ نبی ﷺ نے بیع معاومہ اور بیع سنین سے منع فرمایا ہے، اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ بائع پھل آنے سے قبل باغ کے پھلوں کو ایک سال یا چند سالوں کے لئے فروخت کردے۔

"عن جابرؓ قال: نهی رسول الله ﷺ عن بیع السنین" (سنن النسائی، رقم الحدیث: ۴۶۲۶)۔

پھل آنے سے قبل ان کی خرید وفروخت جائز نہیں؛ چنانچہ ملا علی قاریؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"هی بیع تمر النخل أو الشجر سنتین أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذاالبیع باطل لأنه بیع مالم یخلق فهو کبیع الولد قبل أن یخلق" (مرقاة المفاتیح، ۵/۱۹۲۸، رقم الحدیث: ۲۸۳۶)۔

(یہ کھجور یا کسی اور درخت کے پھلوں کی دو، تین سال یا اس سے زائد مدت تک کے لئے فروخت کرنا ہے، قبل اس کے کہ اس کے پھل ظاہر ہوں، یہ بیع باطل ہے؛ کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو پیدا نہیں ہوئی، جیسا کہ پیدائش سے قبل بچے کی بیع)۔

علامہ کاسانیؒ نے اسے بیع معدوم قرار دیا ہے، بیع معدوم منعقد نہیں ہوتی، اسی طرح پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع بھی منعقد نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ بیع معدوم ہے۔

"فلا ينعقد بيع المعدوم، وماله خطر العدم........وكذا بيع التمر والزرع قبل ظهوره لأنهما معدوم" (بدائع الصنائع، ۵/۱۳۸)۔

پھل آنے سے قبل ان کی خرید وفروخت غرر ہے:

اللہ کے رسول ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، اور خرید وفروخت کی مذکورہ صورت بھی غرر میں داخل ہے، امام محمدؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وشراء الثمر قبل أن يخرج وأشباهه فإن هذا كله فاسد لأنه يبتاع مالم يكن بعد أولم يدر ماهو؟ وقد بلغنا عن رسول الله انه نهى عن بيع الغرر وهذا عندنا من الغرر" (کتاب الاصل ۲/۴۳۹)۔

(پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع کرنا اور اس جیسی صورتیں فاسد ہیں، اس لئے کہ وہ ایسی چیز فروخت کررہا ہے جو کہ ہوسکتا ہے بعد میں ہو ہی نہ (اور اگر ہو تو) معلوم نہیں کہ کیسی ہو، ہم کو اللہ کے رسول ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، اور یہ بیع بھی ہمارے نزدیک بیع غرر میں داخل ہے)۔

علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جو پھل ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے، ان کی بیع جائز نہیں؛ کیونکہ یہ بیع معدوم اور بیع غرر میں داخل ہے۔

"لا يجوز بيع المعدوم كالثمرة التي لم تخلق لما روى أبو هريرةؓ عن النبي ﷺ نهى عن بيع الغرر والغرر ما انطوى عنه أمره وخفي عليه عاقبته" (المجموع ۹/۲۵۷) (غرر وہ معاملہ ہے جس کی حقیقت چھپی ہوئی ہو اور اس کا انجام پوشیدہ ہو)۔

جو پھل ابھی تک ظاہر نہیں ہوا وہ معدوم میں داخل ہے، اور معدوم کی بیع باطل ہے۔ مجلۃ الاحکام میں ہے:

"بيع المعدوم باطل فيبطل بيع ثمرة لم تبرز أصلا" (مجلۃ الاحکام ۱/۴۲، المادۃ:۲۶) (معدوم کی بیع باطل ہے، لہذا اس پھل کی بیع باطل ہے جو ابھی تک سرے سے ظاہر ہی نہیں ہوا)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں کہ پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع منعقد نہیں ہوتی؛ کیونکہ یہ بیع معدوم، بیع مجہول اور بیع غرر میں داخل ہے، ان کا کہنا ہے:

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ پیدا ہونے سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت منعقد نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ اس چیز کی بیع کے قبیل سے ہے جو پیدا نہیں ہوئی، اور بیع سنین ومعاومہ کے قبیل سے ہے، اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے بیع سنین اور بیع معاومہ سے منع فرمایا ہے، بیع معاومہ چند سالوں تک درخت کو فروخت کردینے کا نام ہے، اس لئے یہ بیع

معدوم ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ہم تعریف بیان کر چکے ہیں، غرروہ ہے جس کی حقیقت چھپی ہوئی ہو اور اس کا انجام پوشیدہ ہو۔ غرر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مبیع کا وجود مجہول ہے، بسا اوقات وہ ظاہر ہوتی ہے اور کبھی ظاہر نہیں ہوتی، اگر وہ پائی بھی جائے تو اس کی مقدار مجہول ہوتی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۷۷)۔

عصر حاضر میں ہندوستان اور قرب وجوار کے ممالک میں درختوں پر بور آنے کے بعد ہی پھلوں کی خرید وفروخت کا رواج عام ہے؛ اس لئے ابتلاء عام کے سبب اس کی گنجائش ہونی چاہئے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نے پھلوں کی خرید وفروخت میں عرف ورواج کی بناء پر ایسے پھلوں کی بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے جو فی الحال ناقابل انتفاع ہوں، لیکن مآل کے اعتبار سے قابل انتفاع ہوں۔ ایسے پھلوں کی خرید وفروخت کے جواز کے لئے علامہ شامیؒ نے یہ حیلہ بیان کیا ہے کہ درخت پر آنے والے پہلے پھل کو درخت کے پتوں کے تابع قرار دے کر فروخت کر دیا جائے، اگر پھل ایسے ہوں کہ ان سے انتفاع ممکن ہو اگرچہ چوپایوں کے چارہ کے طور پر ہو، تمام مسالک کا اتفاق ہے کہ اس کی بیع جائز ہے، جب کہ کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ یا مطلق طور پر فروخت کرے (رد المحتار ۴/۵۵۵)۔

درختوں میں جو پھول ظاہر ہوتے ہیں یہ جانوروں کے لئے قابل انتفاع ہوتے ہیں، اس لئے بور آنے کے بعد عرف ورواج کی رعایت کرتے ہوئے پھلوں کی بیع کی گنجائش ہونی چاہئے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ عرف و رواج کی رعایت کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے بدو صلاح سے پہلے بھی پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ عرف میں ایسی خرید وفروخت رواج پا چکی ہو۔

"ورجح ابن عابدين فی رسالته نشر العرف جواز بيع الثمار مطلقاً قبل بدو الصلاح أو بعده إذا جرى العرف بترك ذلك لأن الشرط الفاسد إذا جرى به العرف صار صحيحا ويصح العقد معه استحسانا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۸۲)۔

فقہاء نے عرف وعادت کا اعتبار کرتے ہوئے بہت سے فقہی مسائل میں حالات کے مطابق تبدیلی کی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه فی الفقه فی مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا" (البحر الرائق ۱/۷۹)۔

(درحقیقت عرف وعادت کا معتبر ہونا بہت سے فقہی احکام کی بنیاد ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے اسے ایک اصل قرار دیا ہے)۔

عرف وعادت کی اہمیت وضرورت کو بیان کرتے ہوئے علامہ قرافیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”فجميع هذه المسائل وهذه الابواب التی سردتها مبنية على العوائد غير مسألة الثمار المؤبرة بسبب أن مدركها النص والقياس، وما علاها مدركه العرف والعادة فإذا تغيرت العادة أو بطلت بطلت هذه الفتاوی وحرمت الفتاوی بها لعدم مدركها فتأمل ذلک بل تتبع الفتاوی هذه العوائد كيفما تقلبت كما تتبع النقود فی كل عصر و حين“(الفروق للقرافی ۳/۲۸۸)۔

(یہ تمام مسائل اور ابواب جن کا میں نے ذکر کیا ہے، عرف وعادت پر مبنی ہیں، سوائے تابیر کئے ہوئے پھلوں کے مسئلہ کے کہ اس کی بنیاد نص اور قیاس ہے اور اس کے علاوہ جو دیگر مسائل ہیں ان کی بنیاد عرف وعادت ہے، لہذا جب عرف و عادت میں تبدیلی ہوجائے تو یہ فتاوی بھی بدل جائیں گے، اور ان کی بنیاد کی عدم موجودگی کی صورت میں ان کے مطابق فتویٰ دینا حرام ہوگا، یہ بات قابل غور ہے، یہ فتاویٰ عرف وعادت کے تابع ہوتے ہیں، اگر عرف وعادت تبدیل ہوجائیں تو فتاویٰ بھی تبدیل ہوجائیں گے، جیسا کہ ہر زمانہ وعہد میں سکوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے)۔

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ اگر محض درختوں پر بور آجانے کے بعد ہی پھلوں کی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا جائے تو حدیث میں بدو صلاح سے قبل خرید وفروخت کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا نسخ لازم آئے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں بدو صلاح سے قبل خرید وفروخت کی ممانعت کراہت تنزیہی کے درجے میں ہے؛ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت اس تاویل کی مؤید ہے:

”عن زيد بن ثابتؓ قال: كان الناس فی عهد رسول الله ﷺ يتبايعون الثمار فاذا أجدّ الناس وحضر تقاضيهم قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات يحتجون بها فقال رسول الله ﷺ لما كثرت عنده الخصومة فی ذلک: ”فأما لا، فلا تتبايعوا حتى تبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم“(بخاری، رقم الحدیث: ۲۱۹۳)۔

(حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ پھلوں کی بیع کیا کرتے تھے، پھر جب لوگ کٹائی کرتے اور ان کے ایک دوسرے سے تقاضے کا وقت آتا تو خریدار کہتا کہ پھل کو دمان لگ گیا، اس کو بیماری لگ گئی، اس کو قشام لاحق ہوگیا، یہ آفتیں ہوتی تھیں جس کی وجہ سے وہ آپس میں حجت کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایسے جھگڑے کثرت سے آنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ بیع نہیں چھوڑ سکتے تو اس وقت تک پھلوں کو نہ خریدو جب تک کہ پھل کی صلاح ظاہر نہ ہوجائے، یہ بات مشورہ کے طور پر فرمائی یعنی لوگوں کو ان کے جھگڑے کی زیادتی

کی وجہ سے آپ ﷺ مشورہ دے رہے تھے)۔

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"کان النھی للمشورة والارشاد دون التحریم کما نطق بہ زید بن ثابتؓ فی روایة البخاری"، (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۱) (یہ ممانعت مشورہ ورہنمائی کے طور پر تھی، نہ کہ حرمت کے طور پر، جیسا کہ امام بخاری کی روایت میں حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان فرمایا ہے)۔

ب- پھل آنے کے بعد ان کی خرید وفروخت:

اگر بعض درختوں میں پھل آ گئے ہوں اور بعض میں نہیں تو فقہ حنفی کی ظاہر الروایہ کے مطابق باغ کے تمام پھلوں کی بیع جائز نہیں، چنانچہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ولو برز بعضھا دون بعض لا یصح فی ظاھر المذھب وصححہ السرخسی" (الدرالمختار علی رد المحتار ۴/۵۵۵) (اگر بعض پھل ظاہر ہو جائیں اور بعض ظاہر نہ ہوں، ظاہر مذہب کے مطابق بیع صحیح نہیں، امام سرخسی نے اسے صحیح قرار دیا ہے)۔

فقہاء احناف کے راجح قول کے مطابق بعض درختوں میں پھل آ جانے کے بعد باغ کے تمام پھلوں کی بیع درست ہے، علامہ شامی علامہ ابن ہمام کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے گلاب کے پودے کے تمام پھولوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، حالانکہ تمام گلاب ایک ساتھ نہیں کھلتے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی کا قول (علامہ حلوانی نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے) ان کا ایسا خیال ہے کہ یہ ہمارے اصحاب سے مروی ہے، اسی طرح یہ امام فضل سے بھی منقول ہے، فرماتے ہیں: لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ لوگوں کو ان کی عادت سے ہٹانے میں حرج لازم آتا ہے۔ فتح القدیر میں علامہ ابن ھمام فرماتے ہیں: اس سلسلے میں میں نے درختوں پر گلاب کی بیع کے سلسلے میں امام محمدؒ سے ایک روایت دیکھی ہے؛ اس لئے کہ گلاب یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے ہیں، اور تمام میں بیع کو جائز قرار دیا ہے، یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز نہیں، اس لئے کہ ان جیسے طریقوں کی حاجت ضرورت کے تحقق کے وقت ہوتی ہے اور اس معاملے میں ضرورت متحقق نہیں ہے ------ میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں ضرورت کا تحقق مخفی نہیں ہے، خصوصا شام کے دمشق کے علاقے میں جہاں درختوں و پھلوں کی کثرت ہے، لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ طریقوں میں سے کسی خاص طریقے کا ان کو پابند بنانا ممکن نہیں؛ اگرچہ ان میں سے بعض افراد کی مناسبت سے یہ ممکن ہے؛ لیکن ان میں سے عام لوگوں کی مناسبت سے یہ ممکن

نہیں۔اور لوگوں کو ان کے عرف و رواج سے ہٹانے میں حرج لازم آتا ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اس سے ان علاقوں میں پھلوں کو کھانا حرام قرار دینا لازم آتا ہے؛ اس لئے کہ انہیں اسی طریقے پر فروخت کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے بیع سلم میں ضرورت کی بناء پر رخصت دی ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہوگئی ہے، لہذا بطریق دلالت اسے سلم سے ملحق قرار دینا ممکن ہے، پس یہ مسئلہ نص سے متصادم نہ ہوگا، اس لئے فقہاء نے اسے استحسان کے باب سے قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ قیاس کا تقاضہ عدم جواز ہے، فتح القدیر کے کلام کے ظاہر سے جواز کی جانب میلان سمجھ میں آتا ہے، اس لئے اس مسئلے میں امام محمد سے ایک روایت لائے ہیں، بلکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ امام حلوانی نے اسے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے اور جب بھی معاملے میں تنگی پیدا ہوتی ہے تو اس میں وسعت و گنجائش پیدا کی جاتی ہے (ردالمحتار ۴/ ۵۵۵-۵۵۷)۔

علامہ سرخسی نے جو پھل پیدا نہیں ہوئے ان کو پیدا ہو جانے والے پھلوں کے تابع قرار دے کر تمام پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے:

"کان شیخنا الامام شمس الائمة یفتی بجواز هذا البیع فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیر ذلک وهکذا حکی عن الشیخ الامام أبی بکر محمد بن الفضل قال: اجعل الموجود أصلا فی العقود وما یحدث بعد ذلک تبعا قال: استحسن فیه لتعامل الناس فانهم تعاملوا ببیع ثمار الکرم هذه الصفة ولهم فی ذلک عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عادتهم حرج بین قال: وقد رأیت فی هذا عن محمد وهو فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البیع فی الکل مطلقا بهذا الطریق" (المبسوط ۱۲/ ۱۹۷)۔

(شیخ امام شمس الائمہ پھلوں، بیگن، تربوز وغیرہ میں اس بیع کے جواز کا فتوی دیا کرتے تھے، اسی طرح یہ بات شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں: میں موجودہ پھلوں کو بیع میں اصل قرار دوں گا اور اس کے بعد جو پھل پیدا ہوں گے میں ان کو تابع قرار دوں گا، فرماتے ہیں: لوگوں کے عرف و رواج کی وجہ سے اس کو مستحسن قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ انگور کی بیل کے پھلوں میں لوگوں میں اسی طریقے پر بیع کرنے کا رواج ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں میں یہی عرف و عادت مروج ہے، اور لوگوں کو ان کے عرف و رواج سے ہٹانے میں حرج بالکل واضح ہے، فرماتے ہیں: اس سلسلے میں میں نے امام محمدؒ سے ایک روایت دیکھی ہے اور یہ درختوں پر گلاب کی خرید و فروخت ہے؛ اس لئے کہ گلاب کے پھول یکے بعد دیگرے آتے ہیں، پھر اس طریقے پر تمام پھولوں میں بیع کو جائز قرار دیا)۔

امام مالکؒ کے نزدیک بھی اگر باغ کے بعض درختوں پر پھل آ گئے ہوں تو ان کو اصل قرار دے کر جو پھل ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے ہیں، انہیں موجود پھلوں کے تابع قرار دے کر باغ کے تمام پھلوں کی بیع درست ہوگی۔ چنانچہ موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے:

"وما لم يخلق من ثمرة النخل لا يجوز بيعه تبعا لما خلق....... ومذهب مالك جوازه وهو أيضا ما أفتى به بعض الحنفية كالحلوانى وأبى بكر محمد بن الفضل البخارى وآخرين استحسانا وذلك يجعل الموجود أصلا فى العقد وما يحدث بعده تبعا له من غير تقييد بكون الموجود وقت العقد اكثر" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۹/۱۹۱)۔

(کھجور کے درخت کے جو پھل ابھی پیدا نہیں ہوئے، پیدا شدہ پھلوں کے تابع قرار دے کر ان کی بیع جائز نہیں ۔۔۔۔امام مالکؒ کا مسلک اس کا جائز ہونا ہے۔ اسی مسلک پر بعض احناف جیسے امام حلوانی، ابوبکر محمد بن فضل بخاری اور دوسرے فقہاء نے استحساناً فتوی دیا ہے، یہ اس طریقے پر ہے کہ موجودہ پھلوں کو عقد میں اصل قرار دیا ہے، اور جو پھل بعد میں پیدا ہوں گے، وہ اس کے تابع ہوں گے۔ اس مسئلے میں عقد کے وقت موجود پھلوں کے (بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں سے) زائد ہونے کی قید نہیں لگائی ہے)۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک پھلوں کی مختلف اصناف واجناس میں سے ہر صنف میں بدو صلاح کا علیحدہ علیحدہ اعتبار ہوگا، فقہاء شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جنس کا علیحدہ علیحدہ اعتبار ہوگا اور ہر باغ کا علیحدہ اعتبار ہوگا، مثلاً اگر انگور میں بدو صلاح ہوجائے تو اس بنیاد پر انار کی بیع درست نہ ہوگی۔ اگر ایک باغ کے انگور میں بدو صلاح ہوجائے تو دوسرے باغ کے انگور کی بیع درست نہ ہوگی؛ اس لئے کہ ایک جنس دوسری جنس کے تابع نہیں ہوتی اور باغات کے اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے ان میں پھلوں کے پکنے کے اوقات مختلف ہوتے ہیں۔

"وينظر فى بدو الصلاح إلى كل نوع أو صنف على حدة من أنواع الثمار عند الحنفية وقال الشافعية والحنابلة فى أظهر الروايتين عندهم : ينظر إلى كل صنف على حدة وفى بستان واحد فلا يصح بيع الرمان مثلاً إن بدا صلاح العنب ولا بيع عنب فى بستان إن بدا الصلاح فى بستان آخر إذ أن الجنس الواحد لا يتبع جنسا آخر والبساتين تختلف فى إبان نضوجها بحسب موقعها الجغرافى" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/۳۴۱۳)۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر ایک جنس میں بدو صلاح ہوجائے تو تمام آس پاس کے باغات کے پھلوں کی

خرید وفروخت درست ہوجائے گی، اور ایک جنس کے بدوصلاح پر دوسری جنس میں بدوصلاح نہ ہوا ہوتو اس کے پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی۔

"وقال المالكية: إن بدا الصلاح فی صنف من أصناف الثمار جاز بيع ما فی البساتين المجاورة ولا يجوز بيع صنف لم يبد صلاحه ببدو صلاح صنف آخر" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۳۴۸۳)۔

فقہاء ظاہریہ کے نزدیک اگر کسی باغ کے پھلوں کی اجناس میں سے کسی جنس میں بدوصلاح ہوجائے کھجور اور انگور کے سوا تو دوسرے تمام اجناس کے پھلوں کی بیع درست ہوجائے گی بشرطیکہ بیع ایک ہی مرتبہ میں ہوئی ہو، البتہ انگور اور کھجور میں بدوصلاح کی علامات ظاہر ہونے کے بعد ہی ان کی بیع درست ہوگی؛ کیونکہ ان دونوں کے متعلق خاص نص مروی ہے:

"وقال الظاهرية: إذا بدا الصلاح فی صنف من أصناف الثمار فی بستان واحد جاز بيع جميع أصناف الثمار الاخرىٰ بشرط كون البيع صفقة واحدة ما عدا النخل والعنب فلا يجوز بيع شئ من ثمارها إلا بعد الازهاء أو ظهور الطيب بالسواد أو بغيره لورود نص خاص بهما" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/ ۳۴۸۳)۔

اگر ایک جنس کی بعض انواع میں بدوصلاح واقع ہوجائے اور بعض میں واقع نہ ہوتو اس سلسلے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کی تمام انواع میں بدوصلاح یکے بعد دیگرے قریبی اوقات میں واقع ہوتو ایسے پھلوں کی بعض انواع میں بدو صلاح سے تمام پھلوں کی بیع درست ہوجائے گی، اور اگر ان انواع میں بدوصلاح بہت زیادہ تاخیر سے ہوا ہوتو ہر نوع میں بدو صلاح کا اعتبار علیحدہ علیحدہ طور سے ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں: "فأما نوع آخر من ذلك الجنس فقال القاضی: لا يتبعه وهو أحد الوجهين لأصحاب الشافعی وقال محمد بن الحسن: ماكان متقارب الادراك فبدو صلاح بعضه يجوز به بيع جميعه وإن كان يتأخر إدراك البعض تأخيرا كثيرا فالبيع جائز فيما أدرك ولا يجوز فی الباقی" (المغنی ۴/ ۶۸)۔

ج- پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل ان کی خرید وفروخت:

عام طور پر فقہاء احناف نے پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل ان کی خرید وفروخت کو جائز نہیں قرار دیا ہے؛ کیوں کہ قابل انتفاع ہونے سے قبل وہ مال کی تعریف میں داخل نہیں۔ علامہ سرخسی رقمطراز ہیں:

"شراء الثمار قبل أن تصير منتفعا به لا يجوز۔" (المبسوط ۱۲/ ۱۹۵) (پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل ان کی خریداری جائز نہیں)۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:"کذا بیع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنهما معدوم وإن کان بعد الطلوع جاز ، وإن کان قبل بدو صلاحهما إذا لم یشترط الترک ومن مشایخنا من قال: لا یجوز إلا إذا صار بحال ینتفع به بوجه من الوجوه فان کان بحیث لا ینتفع به أصلا لا ینعقد" (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸-۱۳۹)۔

(اسی طرح پھلوں اور کھیتی کی خرید وفروخت ان کے ظاہر ہونے سے قبل؛ اس لئے کہ یہ معدوم ہیں، اگر پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی بیع کی جائے تو جائز ہے؛ اگرچہ ان کی بدوصلاح سے قبل ہو جب کہ انہیں درختوں پر چھوڑنے کی شرط عائد نہ کرے، ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں: جائز نہیں ہے مگر جب کہ ایسی حالت میں ہوجائے جس سے انتفاع ممکن ہوجائے، اگر یہ پھل ایسی حالت میں ہوں کہ ان سے کسی بھی صورت میں اس سے سرے سے انتفاع ممکن نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی۔

لیکن فقہاء احناف کے اصح قول کے مطابق پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل بھی ان کی خرید وفروخت جائز ہے، چنانچہ علامہ زیلعیؒ رقم طراز ہیں:

"ومن با ع ثمرة بدا صلاحها أولا صح لأنه مال متقوم منتفع به فی الحال أو فی المآل وقیل لا یجوز قبل أن یصیر منتفعا به والأول أصح"(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۴/۱۲)۔

(جو کوئی پھل فروخت کرے تو اس کی بیع صحیح ہے، بدوصلاح ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اس لئے کہ یہ مال متقوم ہے، فی الحال یا فی المآل اس سے انتفاع ممکن ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابل انتفاع ہونے سے قبل اس کی بیع صحیح نہیں)۔

فتاوی عالمگیری میں بھی پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل ان کی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

"بیع الثمار قبل الظهور لا یصح اتفاقا فان باعها بعد أن تصیر منتفعا بها یصح وإن باعها قبل أن تصیر منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب فالصحیح أنه یصح وعلی المشتری قطعها فی الحال إذا با ع مطلقا أو بشرط القطع"(فتاوی عالمگیری ۳/۱۰۶)۔

(پھلوں کے ظاہر ہونے سے قبل ان کی بیع بالاتفاق صحیح نہیں، پھر اگر قابل انتفاع ہونے کے بعد انہیں فروخت کرے تو بیع صحیح ہے۔ اگر انہیں قابل انتفاع ہونے سے قبل فروخت کرے تو اس طور سے کہ وہ انسانوں کے کھانے اور جانوروں کے چارہ کے لائق نہ ہوں تو صحیح یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور مشتری پر لازم ہے کہ وہ اسی حالت میں انہیں کاٹ لے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ انہیں مطلقاً بیچ دے یا کاٹنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے)۔

۵- پھل تیار نہ ہو تو اسے فروخت کرنے کی تین شکلیں:

اگر پھل تیار نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱-پھلوں کو بدوصلاح سے قبل فروخت کیا جائے، ۲-بدوصلاح کے بعد پھلوں کو فروخت کیا جائے۔

(۱) بدوصلاح سے قبل پھلوں کو فروخت کیا جائے، اس کی تین صورتیں ممکن ہیں:

الف-اگر فریقین میں یہ بات طے پائی کہ ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**فان صار منتفعا به ولكن لم يبد صلاحه بعد بأن كان لا يأمن العاهة والفساد عليه فاشتراه بشرط القطع يجوز**" (المبسوط ۱۲/۱۹۵) (اگر پھل قابل انتفاع ہوجائیں لیکن ان میں بدوصلاح نہ ہوا ہو اس طور پر کہ وہ آفت اور بربادی سے محفوظ نہ ہوں، اور وہ انہیں کاٹنے کی شرط کے ساتھ خرید لے تو یہ معاملہ جائز ہے)۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**لا خلاف فی .... ولا فی جوازہ قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به**" (ردالمحتار ۴/۵۵۵) (جو پھل قابل انتفاع ہوں انہیں بدوصلاح سے قبل کاٹ لینے کی شرط سے فروخت میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی اس صورت میں پھلوں کی بیع درست ہے؛ چنانچہ علامہ دردیر مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**صح بیع ثمر..........قبل بدو صلاحه علی شرط قطعه فی الحال أو قریبا منه بحیث لا یزید ولا ینتقل عن طوره إلی طور آخر فیجوز بشروط ثلاثة إن نفع ای شرط قطعه فی الحال أو قریبا منه بحیث لا یزید ولا ینتقل عن طوره الی طور آخر......**" (الشرح الکبیر للشیخ دردیر ۳/۱۷۶)۔

(بدوصلاح سے قبل اسی وقت یا اس سے قریبی وقت میں پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع صحیح ہے اس طور سے کہ ان میں اضافہ نہ ہو اور اپنی اس حالت سے دوسری حالت میں منتقل نہ ہو، تو اگر وہ قابل انتفاع ہوں تو تین شرطوں کے ساتھ ان کی بیع جائز ہے یعنی اسی وقت یا اس سے قریبی وقت میں ان کو کاٹنے کی شرط رکھے اس طور سے کہ ان میں مزید اضافہ نہ ہو اور وہ اپنی اس حالت سے دوسری حالت میں منتقل نہ ہوں)۔

فقہاء شافعیہ نے بھی اس صورت میں پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ الاقناع میں علامہ ماوردیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**لا یجوز بیع الثمار حتی یبدو صلاحها إلا بشرط القطع**" (الاقناع ۱/۹۲) (بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت جائز نہیں مگر انہیں کاٹنے کی شرط کے ساتھ)۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک بھی پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی تیاری سے قبل بھی ان کی خرید وفروخت

درست ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "إذااشتری الثمرة دون الاصل ولم یبد صلاحها علی الترک إلی الجزاز لم یجز وإن اشتراها علی القطع جاز، لا یخلو بیع الثمرة قبل بدو صلاحها من ثلاثة أقسام ......القسم الثانی أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع" (المغنی ۴/ ۶۳) (اگر اصل کو چھوڑ کر پھلوں کو بدوصلاح سے قبل خرید لے اس شرط پر کہ ان کے توڑے جانے تک درخت پر باقی رہیں گے تو یہ جائز نہیں۔ اور اگر انہیں کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے تو جائز ہے، بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت تین شرطوں سے خالی نہیں ہوتی۔۔۔۔دوسری قسم یہ ہے کہ وہ اسی وقت انہیں کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے تو یہ بالا جماع صحیح ہے)۔

"فقہ المعاملات" میں ہے: "لو باع الثمر قبل بدو صلاحه بشرط قطعه فی الحال یجوز لأنه بذلک تتم الصفقة وینتفی الغرر وربما تقتصر حاجة المشتری علی هذه المرحلة لأن المنع کان لخوف تلف الثمار قبل أخذ المشتری لها وهذا مأمون فیما یقطع فی الحال" (فقہ المعاملات ۱/ ۷۱)۔

(اگر بدوصلاح سے قبل اسی وقت پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ پھلوں کو فروخت کردے تو یہ جائز ہے؛ اس لئے کہ اس طرح سے معاملہ مکمل ہوجائے گا اور غرر ختم ہوجائے گا۔ بسا اوقات خریدار کی حاجت اسی مرحلے پر پوری ہوجاتی ہے؛ اس لئے کہ پھلوں کی بیع سے ممانعت ان پھلوں کو مشتری کے لینے سے قبل ان کے تلف ہوجانے کے خوف کی وجہ سے تھا اور جن پھلوں کو اسی وقت کاٹ لیا جائے تو ان میں اس خطرے سے حفاظت ہوتی ہے)۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں ہے: "إن کان بحیث ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق أهل المذهب إذا باع بشرط القطع أو مطلقا" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۹/ ۱۹۷)۔

(ب) فقہاء نے پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کی صورت میں بیع کو ناجائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں: "وإن اشتراه بشرط الترک لا یجوز" (المبسوط ۱۲/ ۱۹۵) (اگر پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ خریداری کرلے تو یہ جائز نہیں)۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: "لا خلاف.... عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط الترک" (ردالمحتار ۴/ ۵۵۵) (پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد بدوصلاح سے قبل انہیں درختوں پر چھوڑ دینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

شیخ دردیر مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں: "لا بیعه منفرداً قبل بدو صلاحه علی شرط التبقیة." (الشرح

الکبیر ۳/ ۱۷۷)(بدو صلاح سے قبل علیحدہ طور سے پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**لا يخلو بيع الثمرة قبل بدو صلاحها من ثلاثة أقسام: أحدها أن يشتريها بشرط التبقية فلا يصح البيع إجماعا لأن النبى ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع ۔ متفق عليه، النهى يقتضى فساد المنهى عنه**"(المغنی ۳/ ۶۳)۔

(بدو صلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت تین قسموں سے خالی نہیں ہوتی: ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خریدے تو بالا جماع بیع جائز نہیں)۔

علامہ سبکیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**لا يصح البيع بشرط التبقية لابعد الصلاح ولا قبله وبشرط القطع يصح بهما**"(المجموع ۱۱/ ۴۱۴)(پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت صحیح نہیں، نہ بدو صلاح سے قبل اور نہ بدو صلاح کے بعد، اور کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے)۔

"**وإن باعها بشرط التبقية فالبيع باطل بالاجماع لأنه ربما تلفت الثمرة قبل إدراكها فيكون البائع قد أكل مال أخيه بالباطل كما جاء ت به الأحاديث**"(شرح النووی علی مسلم ۱/ ۱۸۱)۔

(اگر پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے تو یہ بالا جماع باطل ہے؛ اس لئے کہ بسا اوقات پھل پختہ ہونے سے قبل ہی ضائع ہوجاتا ہے تو بائع اپنے بھائی کا مال باطل طریقے پر کھانے والا ہوجائے گا جیسا کہ احادیث آئی ہیں)۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ بھی پھل کی تیاری سے قبل اسے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، علامہ مرغینانیؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"**وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع لانه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير أو هو صفقة فى صفقة وهو إعارة أو إجارة فى بيع**"(الہدایہ ۳/ ۲۷)۔

(اگر انہیں درختوں پر چھوڑنے کی شرط رکھے تو بیع فاسد ہوجائے گی؛ اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں ہے، اور یہ دوسرے کی ملکیت کا مشغول ہونا ہے، یا یہ ایک معاملے کے اندر دوسرا معاملہ کرنا ہے، اور یہ بیع کے ساتھ اعارہ یا اجارہ کا معاملہ ہے)۔

اس سلسلے میں علامہ زیلعیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**وإن شرط تركها على النخل فسد اى البيع لأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير أو نقول: إنه صفقة فى صفقة؛ لأنه إجارة فى بيع إن كان للمنفعة**

حصة من الثمن، أو إعارة فی بیع إن لم یکن لها حصة من الثمن، وقد نهی رسول الله ﷺ عن صفقة فی صفقة" (تبیین الحقائق ۴/ ۱۲)۔

(اگر انہیں کھجور کے درختوں پر چھوڑنے کی شرط رکھے تو بیع فاسد ہوجائے گی؛ اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی نہیں ہے اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے، یا ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک معاملے میں دوسرا معاملہ کرنا ہے ؛اس لئے کہ یہ بیع کے ساتھ اجارہ کا معاملہ ہے اگر منفعت کے عوض میں ثمن کا کوئی حصہ ہو، یا بیع کے ساتھ اعارہ کا معاملہ ہے اگر اس کے مقابلے میں ثمن کا حصہ نہ ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک معاملے میں دوسرا معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے)۔

امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل تیار تو نہ ہوا ہو لیکن اس کا حجم (سائز) مکمل ہو چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ کا امکان نہ ہو تو پھلوں کو درخت پر چھوڑ دینے کی شرط کے ساتھ بھی بیع جائز ہوگی، لیکن شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی بیع ناجائز ہوگی؛ کیونکہ یہ شرط تقاضائے عقد کے خلاف ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**فان باعه بشرط الترک ، فان لم یکن تناهی عظمه فالبیع فاسد عند الکل وإن کان قد تناهی عظمه فهو فاسد عند أبی حنیفة وأبی یوسف وهو القیاس و یجوز عند محمد استحسانا وهو قول الائمة الثلاثة واختاره الطحاوی لعموم البلوی**" (فتح القدیر ۶/ ۲۶۵)۔

(اگر پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کرے، پس اگر پھلوں کا حجم مکمل نہ ہوا ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک بیع فاسد ہے، اور اگر اس کا حجم مکمل ہو چکا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے اور یہی قیاس کا تقاضہ ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک استحسانا بیع جائز ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ اسی کو امام طحاوی نے ابتلاء عام کی وجہ سے اختیار کیا ہے)۔

امام محمدؒ نے عرف وعادت کا اعتبار کرتے ہوئے پھل کا حجم مکمل ہوجانے کے بعد اسے درخت پر چھوڑنے کی شرط کو جائز قرار دیا ہے لیکن اگر پھل کا حجم مکمل نہ ہوا ہو تو اسے درخت پر چھوڑنے کی شرط کو ناجائز قرار دیا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ امام محمدؒ کی دلیل کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد کی تعلیل کے مطابق پھل کا سائز نامکمل ہونے کے باوجود بھی اسے درخت پر چھوڑنے کی شرط جائز ہونا چاہئے؛ کیونکہ لوگوں میں اس کا عام رواج ہے، فتح القدیر میں ہے:

اسی طرح چھوڑ دینے کی شرط کے ساتھ کھیتی کی بیع کا حکم ہے۔ جن پھلوں کا حجم مکمل ہو چکا ہو ان کے سلسلے میں امام محمدؒ کی دلیل تعامل کی وجہ سے استحسان ہے، اس لئے کہ جن پھلوں کا حجم مکمل ہو چکا ہو ان کے سلسلے میں لوگوں میں ایسا ہی تعامل و رواج متعارف ہے، لہٰذا یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد متقاضی ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا دعوی ہے ان پھلوں کے سلسلے میں جن کا حجم

مکمل ہو چکا ہو یا حجم مکمل نہ ہوا ہو؛ اس لئے کہ ان پھلوں کے پختہ ہونے تک انہیں درخت پر چھوڑنے کا عرف ورواج ہے۔ امام محمدؒ اس سے منع فرماتے ہیں؛ اس لئے کہ اس میں جزء معدوم کی شرط رکھی گئی ہے اور یہ وہ اجزاء ہیں جو پھل کے حجم کے مکمل ہونے تک زمین اور درخت کی جانب سے زائد ملتے ہیں۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امام محمد کے فرق کی دلیل مکمل نہیں ہے، سوائے اس بات کے کہ جن پھلوں کا حجم مکمل نہیں ہوا ہے ان کو درخت پر چھوڑنے کا عرف نہیں؛ اس لئے کہ جن پھلوں کا حجم مکمل ہو چکا ہو اور جن کا حجم مکمل نہیں ہوا ہے ان میں عقد جس شرط کی متقاضی ہے اس کے سبب قیاس کا تقاضہ ہے کہ معاملہ صحیح نہ ہو، جن پھلوں کا حجم مکمل ہو چکا ہو وہ اس سے تعامل کی وجہ سے خارج ہو چکے ہیں لہٰذا جن پھلوں کا حجم مکمل نہیں ہوا ہے وہ اصل قیاس کے حکم پر باقی رہیں گے (فتح القدیر ۶/ ۲۶۵)۔

علامہ شامیؒ کا رجحان بھی پھلوں کے تیار ہونے سے قبل انہیں درختوں پر چھوڑنے کی شرط کو عرف ورواج کی بناء پر جائز قرار دینے کی طرف نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ درختوں پر پھلوں کی بیع اس وقت صحیح ہوگی جب کہ وہ انہیں مطلقا خریدنے یا کاٹنے کی شرط کے ساتھ خریدے۔ رہا درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ معاملہ کرنا تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد بیع متقاضی نہیں ہے اور اس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہے اور یہ نشو ونما اور پختگی میں اضافہ ہونا ہے، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس زمانے میں اگرچہ لوگ پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط عائد نہیں کرتے لیکن یہ شرط ان میں معروف ہے، فقہاء کہتے ہیں کہ جو بات عرف میں معروف ہو وہ شرط کے طور پر مشروط کے درجے میں ہے۔ اگر خریدار کو معلوم ہو کہ بائع اسے پھلوں کو کاٹنے کا حکم دے گا تو ثمن کے دسویں حصے کے عوض خریداری پر وہ راضی نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ تربوز، کھیرا، بیگن وغیرہ ترکاریاں صریح طور پر انہیں پودوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ خریدتے ہیں اور اس شرط کے ساتھ خریدتے ہیں کہ بائع متعدد متفرق مرتبہ ان کی سینچائی کرے گا؛ یہاں تک کہ جو ان میں ظاہر نہیں ہیں وہ ظاہر ہو جائیں۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے جس نے عرف کی بناء پر اس کے جواز کی صراحت کی ہو۔ جو دلائل گزر چکے ہیں ان کی بنیاد پر یہ معاملہ بھی جائز ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ جب عرف کی بناء پر معدوم کی بیع جائز ہے حالانکہ اسکی بیع تو باطل ہے فاسد بھی نہیں، تو اس شرط کے ساتھ بیع بدرجہ اولی جائز ہوگی (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۴۰-۱۴۱)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب بھی عرف وعادت کی بناء پر پھلوں کو فروخت کرنے کے بعد انہیں تیار ہونے تک درخت پر چھوڑنے کی شرط کو جائز قرار دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

فتح القدیر (۵/ ۱۰۳) میں علامہ ابن ہمام کے کلام سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر عرف میں بدو صلاح کے

بعد درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ پھلوں کی بیع کا رواج ہو جائے اور اس کی شدید حاجت ہو تو امام محمدؒ کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز ہو اگرچہ کہ پھلوں کا حجم مکمل نہ ہو؛ اس لئے کہ آپ نے عرف اور ضرورت کے سبب پھلوں کا حجم مکمل ہونے کے بعد پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کو جائز قرار دیا تھا، میں کہتا ہوں: اسی طرح امام محمدؒ نے ضرورت اور عرف کی وجہ سے پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ بعض پھل ظاہر ہوئے ہوں اور بعض ظاہر نہ ہوئے ہوں، جیسا کہ ہم اس سے پہلے فتح القدیر اور رد المحتار کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں، تو آپ کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت پھلوں کو درخت پر چھوڑنا جائز ہو اگرچہ ان کا حجم مکمل نہ ہوا ہو (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۱۹۵)۔

ج- نہ پھل درخت پر چھوڑنے کی بات طے ہوئی اور نہ توڑنے کی:

پھلوں کو خریدنے کی یہ صورت کہ مطلقاً بیع کی جائے درختوں پر چھوڑنے یا کاٹ لینے کا معاملہ طے نہ کیا جائے تو یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، اور خریدار پھلوں کے تیار ہونے تک بائع کی اجازت سے انہیں درخت پر چھوڑ سکتا ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ رقم طراز ہیں: "**وإن اشتراه مطلقا يجوز عندنا لأن مطلق العقد يقتضی تسليم المعقود عليه فی الحال فهو و شرط القطع سواء**" (المبسوط ۱۲/ ۱۹۵)۔

(اگر پھلوں کو مطلق طور پر خریدے تو ہمارے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے کہ مطلق عقد فی الحال مبیع کی حوالگی کا تقاضہ کرتا ہے لہذا یہ اور کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ معاملہ کرنا برابر ہے)۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**لو شراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الزيادة وإن بغير إذنه تصدق بما زاد فی ذاتها وإن بعد ما تناهت لم يتصدق بشئ**" (الدر المختار علی رد المحتار ۴/ ۵۵۶)۔

(اگر پھلوں کو مطلقاً خریدے اور انہیں بائع کی اجازت سے چھوڑ دے تو زائد پھل مشتری کے لئے حلال ہوں گے، اگر بائع کی اجازت کے بغیر پھلوں کو درخت پر چھوڑے تو پھلوں میں جو اضافہ ہوگا انہیں صدقہ کردے، اگر پھلوں کا حجم مکمل ہونے کے بعد انہیں صدقہ کرے تو کچھ بھی صدقہ نہ کرے)۔

ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک معاملے کی یہ صورت جائز نہیں؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں:

"**القسم الثالث أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعی وأجازه أبو حنيفة لأن إطلاق العقد يقتضی القطع فهو كما لو اشترطه**" (المغنی ۴/ ۶۳)۔

(تیسری قسم یہ ہے کہ مطلق طور پر پھلوں کو فروخت کرے اور انہیں کاٹ لینے اور باقی رکھنے کی کوئی شرط نہ ٹھہرائے تو

بیع باطل ہے۔امام مالک اور شافعی اسی کے قائل ہیں۔امام ابوحنیفہؒ نے اسے جائز قرار دیا ہے؛اس لئے کہ مطلق عقد کاٹنے کا تقاضہ کرتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ اگر وہ اس کی شرط ٹھہرائے)۔

۶-   پھلوں کو پکانے کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینا متعارف ومروج نہیں ہے؛اس لئے اکثر فقہاء احناف نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خریداری کے بعد ان کے پکنے تک انہیں کرایہ پر لینے کو باطل قرار دیا ہے؛ تاہم اس طرح معاملہ طے کر لینے کے بعد پکے ہوئے پھل خریدار کے لئے حلال ہوں گے،اور اس پر کرایہ بھی لازم نہ ہوگا؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن اشتراها مطلقاً أو بشرط القطع وتركها على النخل وقد استأجر النخيل إلى وقت الادراک طاب له الفضل لأن الإجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة فبقي الإذن معتبرا لأن الباطل لا وجود له فكان إذنا مقصودا بخلاف ما إذا اشترى الزرع واستأجر الأرض إلى أن يدرک وترک حيث لا يطيب له الفضل لأن الإجارة فاسدة للجهالة" (البحرالرائق ۵/ ۳۲۷)۔

(اگر پھلوں کو مطلقاً یا کاٹ لینے کی شرط سے خریدے اور انہیں کھجور کے درختوں پر چھوڑ دے درآنحالیکہ اس نے پھلوں کی پختگی تک کے وقت کے لئے درختوں کو کرایہ پر لے لیا ہوتو زائد پھل اس کے لئے حلال ہوں گے،اس لئے کہ یہ معاملہ متعارف نہ ہونے اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے،لہٰذا اجازت معتبر قرار پائے گی؛اس لئے کہ باطل کا وجود نہیں ہوا،لہٰذا یہ اذن مقصود کے درجے میں ہوگی،برخلاف اس کے اگر وہ کھیتی کو خریدے اور پختگی تک کی مدت کے لئے زمین کو کرائے پر لے لے اور اسے چھوڑ دے تو زائد پھل اس کے لئے حلال نہ ہوں گے؛اس لئے کہ جہالت کے باعث اجارہ فاسد ہے)۔

علامہ زیلعیؒ رقم طراز ہیں:**"وإن اشتراها مطلقا ثم استأجر النخل إلى وقت الادراک فتركها طاب له الفضل لأن الاجارة باطلة لعدم التعارف و الحاجة فبقي الاذن معتبرا"** (تبیین الحقائق ۴/ ۱۲)۔

(اگر پھلوں کو مطلق خریدے پھر کھجور کے درختوں کو پختگی تک کی مدت تک کرائے پر لے لے تو زائد پھل اس کے لئے حلال ہوں گے؛اس لئے کہ معاملہ متعارف نہ ہونے کی وجہ سے اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ باطل ہے،اس لئے اجازت معتبر قرار پائے گی)۔

علامہ سرخسیؒ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:**"استئجار النخيل لترک الثمار عليها إلى وقت الادراک باطل..... لو اشترى ثمارا على رؤوس الاشجار ثم استأجر الاشجار إلى وقت الادراک لا**

یجب علیه أجر"(المبسوط ۲۳/ ۵۷)۔

(پھلوں کی پختگی تک کی مدت کے لئے کھجور کے درختوں کو کرایے پر لینا؛ تاکہ پھلوں کو ان پر چھوڑ دے یہ معاملہ باطل ہے۔۔۔اگر درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو خریدے پھر درختوں کو پختگی تک کی مدت کے لئے کرائے پر لے لے تو اس پر اجرت واجب نہ ہوگی)۔

علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے۔آپ تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح پھلوں کو پکانے کے لئے درختوں کو کرائے پر لینا مروج نہیں ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہے؛ بلکہ خریدار کو چاہئے کہ وہ پھلوں کے ساتھ درخت بھی خرید لے اور پھلوں کو ان پر چھوڑ دے، لیکن خود علامہ نے اس صورت میں دشواری وحرج کا ذکر کیا ہے، پھر آپ نے اس طرح پھلوں کے پکنے کی مدت تک کے لئے درختوں کو کرائے پر لینا جائز قرار دیا ہے، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

جن پھلوں کا حجم مکمل نہیں ہوا ہے اگر انہیں بغیر کسی شرط کے مطلقاً فروخت کردے پھر انہیں چھوڑ دے یا تو یہ محض بائع کی اجازت سے چھوڑے یا اجارہ کے ضمن میں حاصل شدہ اجازت سے درختوں پر چھوڑے اس طور پر کہ پھلوں کی پختگی تک کی مدت کے لئے درختوں کو کرائے پر لے لے یا بلا اجازت کے درختوں پر چھوڑے تو پہلی دوصورتوں میں زائد پھل اور کھانا اس کے لئے حلال ہوں گے۔محض اجازت کی صورت میں تو حلت ظاہر ہے، اور رہا اجارہ کی صورت میں تو یہ اس لئے ہے کہ درختوں کو کرائے پر لینے کے متعارف نہ ہونے اور حاجت کے نہ ہونے کے باعث یہ اجارہ باطل ہے۔یہ کرائے پر لینا اس وقت متعین ہوجاتا جب کہ کرائے پر لینے کے علاوہ اور کوئی چھٹکارہ کی راہ نہ ہوتی، یہاں ممکن ہے کہ پھلوں کو ان کی جڑوں کے ساتھ خرید لے اور انہیں اس پر چھوڑ دے۔اس میں جو دشواری ہے وہ مخفی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کا تقاضہ ایسی چیز کو خریدنے کا تقاضا کرتا ہے جس کی حاجت نہیں ہے یا جس کی قیمت کی ادائیگی پر وہ قادر نہیں ہے۔بسا اوقات بائع درختوں کی بیع پر رضامند نہیں ہوتا، لہذا پہلی صورت زیادہ بہتر ہے(فتح القدیر ۵/ ۲۶۵طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت)۔

۷-پھلوں کی خریداری کے بعد پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی جائز صورتیں:

درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو پکانے کے لئے جس طرح انہیں کرائے پر لینا جائز ہے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ بیگن، تربوز، جیسی ترکاریوں کو خریدنے کے بعد ان کی جڑوں کو خرید لے؛ تاکہ ان میں جو اضافہ ہو وہ خریدار کی ملکیت میں واقع ہو۔اس طرح کھیتی اور گھاس کو قیمت کے ایک حصے کے عوض خریدے اور بقیہ قیمت کے عوض زمین اور گھاس کے پختہ ہونے کی مدت تک کے لئے زمین کو کرائے پر لے لے۔پھلوں کی خریداری کے بعد مزید پیدا ہونے والے پھلوں کو خریدار

کے لئے مباح قرار دے اور پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی اجازت دے دے۔ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ بائع اپنی اجازت سے رجوع کر لے گا تو خریدار اس سے اس طرح معاملہ طے کر لے کہ جب بھی وہ اپنی اجازت سے رجوع کرے گا تو خریدار کو از سرِ نو پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ خریدار کو چاہئے کہ پہلے پھلوں کی بیع کا معاملہ پہلے کرے اور اجارہ کا معاملہ بعد میں طے کرے۔ اگر بائع تربوز کے درختوں کو فروخت کرنے کے بعد زمین کو بطور اعارہ کے دیدے تو بھی جائز ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۳۲۵/۵)۔

پھلوں میں مروج استثناء:

پھلوں کی بیع میں عام طور پر یہ صورت مروج ہے کہ بائع پھلوں کو فروخت کرتے وقت کچھ پھلوں کا استثناء کر دیتا ہے، اگر یہ پھل معلوم و متعین ہوں تو فقہ حنفی کے ظاہر الروایہ قول میں اور امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس طرح اگر کسی مخصوص درخت کے پھلوں کو بیع سے مستثنیٰ قرار دے تو یہ صورت بھی جائز ہے؛ چنانچہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"لا يجوز أن يبيع ثمرة و يستثنىٰ منها أرطالا معلومة خلافا لمالک رحمه الله لأن الباقی بعد الاستثناء مجهول بخلاف ما إذا با ع و استثنىٰ نخلا معينا لأن الباقی معلوم بالمشاهدة قالؓ: قالو ا هذه رواية الحسن وهو قول الطحاوی اما على ظاهرالراوية ينبغی أن يجوز لأن الاصل أن مايجوز إيراد العقد عليه بانفراده يجوز استثناء ه من العقد وبيع قفيز من صبرة جائز فكذا استثناء ه" (الہدایہ ۲۸/۳)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں: **"لو استثنىٰ منها أرطالا معلومة صح ای البيع والاستثناء لأن ما جاز إيراد العقد عليه بانفراده صح استثناء ه منه وبيع قفيز من صبرة جائز فكذا استثناء ه"** (البحر الرائق ۳۲۷/۵)۔

(اگر بیع میں سے چند معلوم ارطال مستثنیٰ کر دے تو یہ بیع اور استثناء صحیح ہوں گے؛ اس لئے کہ جس چیز کا علیحدہ طور سے عقد کیا جا سکتا ہو تو بیع سے اس کو مستثنیٰ قرار دینا بھی صحیح ہے۔ ڈھیر میں سے ایک قفیز کا استثناء جائز ہے؛ لہذا اس کی بیع بھی درست ہوگی۔

اگر بائع کوئی غیر متعین اور مشترک جز کا استثناء کر دے تو بھی بیع درست ہوگی؛ چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"لو استثنىٰ جزء ا غير معين بل شائعا كربع و ثلث فانه صحيح بالاتفاق للعلم بالمبيع فی أجزائه ولصحة إيراد العقد عليها" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۹)۔

(اگر کسی غیر معین جزء بلکہ مشترک جزء جیسے چوتھائی اور تہائی کا استثناء کر دے تو بالاتفاق یہ صحیح ہے؛ اس لئے کہ مبیع میں اس کے اجزاء معلوم ہیں اور ان پر عقد بیع کا معاملہ کرنا صحیح ہے)۔

۸-درخت کے پھلوں میں بیع سلم سے متعلق مسائل:

باغات کے پھلوں میں بیع سلم جائز ہے؛البتہ کسی متعین درخت یا باغ کے پھلوں کی تعیین نہ کی جائے۔اگر درختوں کی تعیین کئے بغیر پھلوں کی صفات بیان کر کے بیع سلم کی جائے تو شرعاً جائز ہے۔

علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ متعینہ باغ کے پھلوں میں بیع سلم کرنا جائز نہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

علامہ ابن منذر فرماتے ہیں: اکثر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی متعینہ باغ میں عقد سلم کرنا درست نہیں؛اس لئے کہ یہ غرر میں داخل ہے، میں کہتا ہوں، یہ ہمارے فقہاء احناف کا مسلک بھی ہے؛اس کی دلیل زید بن سعنہ (سین کے فتحہ عین کے جزم اور نون کے فتحہ کے ساتھ) کے مسلمان ہونے کے قصہ کے سلسلے کی عبداللہ بن سلام کی وہ حدیث ہے جسے ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: کیا آپ بنی فلاں کے باغ کی متعینہ کھجوریں متعینہ مدت تک فروخت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں متعینہ باغ کی کھجوریں فروخت کرتا ہوں؛ بلکہ میں تمہیں مقررہ مدت تک متعینہ وسق کھجوریں فروخت کرتا ہوں (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۱۲/۶۸، نیز دیکھئے: فتح الباری ۴/۴۳۳)۔

علامہ تقی الدین سبکی کا ''المجموع شرح المہذب'' میں کہنا ہے کہ کسی متعینہ باغ کے پھلوں میں بیع سلم کرنا درست نہیں؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بیع سلم اسی چیز میں جائز ہے جس کا وجود بالکل عام ہو، اس جگہ پر اس کے ختم ہوجانے کا خوف نہ ہو، لہٰذا اگر ایسی چیز کی بیع کرے جو عام نہ ہو، جیسے ایسے مقام پر شکار کی بیع جہاں شکار عموماً نہ پایا جاتا ہو، یا کسی متعین باغ کے پھلوں کی بیع کرلے تو یہ جائز نہیں؛اس لئے کہ عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ زید بن سعنہؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرمایا: اے محمد! کیا آپ بنی فلاں کے باغ کی متعینہ کھجوریں متعینہ مدت تک فروخت کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے اس کو قبول نہ کیا؛ بلکہ متعینہ مدت پر متعینہ صفات کی کھجوریں فروخت کرنے پر آمادگی ظاہر کی (تکملۃ المجموع ۱۳/۱۳۱، دارالفکر بیروت)۔

علامہ ابن شاطؒ تحریر فرماتے ہیں کہ متعین چیز میں بیع سلم جائز نہیں۔

''قال الحفید فی البدایة ولم یختلفوا أن السلم لا یکون إلا فی الذمة وأنه لا یکون فی معین'' (ادرار الشروق علی أنواء الفروق ۳/۲۹۸)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے کہ عقد سلم میں ضروری ہے کہ مبیع ایسا دین ہونا چاہئے جس کی صفات بیان کردی جائیں اور وہ مسلم الیہ کے ذمہ میں واجب ہو۔عقد سلم میں کسی متعین چیز کو مبیع کے طور پر طے کرنا جائز نہیں، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

" لا خلاف بين الفقهاء في اشتراط كون المسلم فيه دينا موصوفا في ذمة المسلم إليه وإنه لا يصح السلم إذا جعل المسلم فيه شيئا۔"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۲۶)۔

عقد سلم کی بعض مختلف فیہ شرائط:

(۱) جمہور فقہاء، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک اگر عقد سلم میں مبیع عقد کے وقت اور مدت کی تکمیل سے قبل تک معدوم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

"أما وجود المسلم فيه عند العقد فليس شرطا لصحة السلم عند جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة فيجوز السلم في المعدوم وقت العقد وفيما ينقطع من أيدي الناس قبل حلول الأجل"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۲۱۵)۔

(جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک عقد کے وقت مسلم فیہ کا وجود عقد سلم کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، لہذا اس چیز میں بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت معدوم ہو اور جو چیز مدت پوری ہونے سے پہلے تک لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہو جائے)۔

جب کہ فقہاء احناف کے نزدیک عقد سلم میں مبیع عقد کے وقت سے مدت کی تکمیل تک بازار میں موجود ہونا چاہئے۔

"خالف في ذلک الحنفية والثوري والاوزاعي وقالوا بعدم صحة السلم إلا فيما هو موجود في الأسواق من وقت العقد إلى محل الاجل"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/۲۱۶)۔

اس شرط کے ساتھ پھلوں کی خرید وفروخت میں مشقت ودشواری لازم آتی ہے؛ اس لئے عقد سلم میں اگر مبیع صرف مدت کی تکمیل کے وقت موجود رہے تو عقد سلم درست ہونا چاہئے؛ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی معاملے میں تنگی ودشواری در پیش ہو جائے تو اس میں وسعت پیدا کی جاتی ہے۔

"الأمر إذا ضاق اتسع يعني أنه ظهرت مشقة في أمر يرخص فيه و يوسع"(مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱/۱۸، المادۃ:۱۸)۔

عقد سلم میں پھلوں کی حوالگی کی مدت متعین نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح پھلوں کی مقدار بھی متعین نہیں ہوتی۔ اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں ہوتے؛ جب کہ عقد سلم میں یہ باتیں متعین ہونا ضروری ہے۔

"يشرط لصحة السلم بيان جنس المبيع مثلا انه حنطة أو أرز أو تمر ونوعه..... وصفته

كالجيد والخسيس وبيان مقدار الثمن والمبيع وزمان تسليمه ومكانه"(مجلۃ الاحکام العدلیہ ۱/ ۷۵)۔

(عقد سلم کی صحت کے لئے مبیع کی جنس مثلا یہ کہ وہ گیہوں ہے یا چاول یا کھجور ہے، اس کی نوع ......اور اس کی صفت جیسے عمدہ ہے یا گھٹیا، ثمن اور مبیع کی مقدار اور مبیع کی حوالگی کے وقت اور اس کے مقام کی صراحت ضروری ہے)۔

لیکن امور مذکورہ کی اشتراط تعین کی علت جہالت مفضی الی النزاع ہے لیکن عرف ورواج کی وجہ سے نزاع کا احتمال نہ رہا، لہٰذا اگر ان شرطوں کی تکمیل نہ ہو تب بھی پھلوں کی خرید وفروخت کا معاملہ درست ہو جائے گا۔ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ دایہ کی اجرت مجہول ہونے کے باوجود عقد رضاعت درست ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے، اور جہالت بذات خود مانع نہیں ہے؛ بلکہ مفضی الی النزاع کی وجہ سے مانع ہوتی ہے۔

"**العادة لما جرت بالتوسعة على الظئر شفقة على الولد لم تكن الجهالة مفضية إلى النزاع والجهالة ليست بمانعة لذاتها بل لكونها مفضية إلى النزاع**"(شامی ۶/ ۵۳)۔

فقہ المعاملات میں فقہاء لکھتے ہیں کہ تجارت وکاروبار میں ایسی جہالت قابل تسامح وعفو ہوتی ہے جس کا لوگوں میں عرف ورواج ہو جائے؛ کیونکہ ایسی جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہوتی، لہٰذا ایسی جہالتوں کے باوجود تجارتی معاملہ درست ہوگا؛ کیونکہ عرف تجارت میں ایسی جہالتوں سے درگزر کیا جاتا ہے (دیکھئے: فقہ المعاملات ۳/ ۵۲)۔

پھلوں کے کاروبار میں عموماً ثمن یک مشت پیشگی ادا نہیں کی جاتی؛ جبکہ عقد سلم کی صحت کے لئے فقہاء احناف اور جمہور علماء کے نزدیک مجلس عقد میں ثمن کی ادائیگی شرط ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"**ذهب جمهور الفقهاء من(الحنفية والشافعية والحنابلة)إلى أن من شروط صحة السلم تسليم رأس ماله فى مجلس العقد فلو تفرقا قبله بطل العقد**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/ ۲۰۲)۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک عقد سلم میں شرط کے ساتھ یا بلا شرط کے دو تین دن ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی جاسکتی ہے؛ کیونکہ شرعاً یہ تاخیر معفو عنہا ہے اور یہ مجلس عقد میں ثمن کی ادائیگی کے حکم میں ہے۔

"**وقد خالف المالكية فى المشهور عندهم جمهور الفقهاء فى اشتراط تعجيل رأس مال السلم فى مجلس العقد ، وقالوا يجوز تأخيره اليومين والثلاثة بشرط وبغير شرط اعتبارا للقاعدة الفقهية ."ما قارب الشئ يعطى حكمه "حيث أنهم اعتبروا هذا التاخير اليسير معفوا عنه لأنه فى حكم التعجيل**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۵/ ۲۰۴)۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک عقد سلم میں شرط کے ساتھ ثمن کی ادائیگی میں تین دن تک تاخیر کی جاسکتی ہے؛ جب کہ

بلاشرط کے تین دن سے زائد بھی تاخیر کی جاسکتی ہے؛لہذا کاروباری دشواریوں سے بچنے کے لئے پھلوں کے مروجہ کاروبار میں امام مالک کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن رشد مالکی تحریر فرماتے ہیں:

"منها أن يكون الثمن غير معجل أجلا بعيدا لئلا يكون من باب الكالئ بالكالئ هذا فى الجملة۔واشترطوا فى اشتراط اليومين والثلاثة أجاز تأخيره بلا شرط"(بدایۃ المجتہد ۳/۲۱۸)۔

فقہاء احناف نے حرج ومشقت کے مواقع پر دوسرے مسلک کے قول پر فتویٰ دیا ہے؛ چنانچہ ممتدۃ الطہر کے مسئلے میں فقہائے احناف نے امام مالک کے قول پر فتوی دیا ہے، شامی میں ہے:

"قال العلامة :والفتوىٰ فى زماننا على قول مالك و على ما فى جامع الفصولين: لو قضى قاض بانقضاء عدتها بعد مضى تسعة أشهر نفذ"(ردالمحتار ۳/۵۰۸)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بوقت حاجت ومشقت فقہاء اربعہ کے مسالک میں سے اسہل وایسر مذہب کو اختیار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ لہوولعب اور خواہشات کی تکمیل ہی مطمح نظر نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اللہ تمہارے معاملے میں آسانی چاہتا ہے، اور وہ تمہارے معاملے میں مشقت نہیں چاہتا" (البقرہ:۱۸۵)۔

"اس نے دین کے معاملے میں تم پر تنگی نہیں رکھی ہے" (الحج:۷۸)۔

"ويجوز تقليد كل مذهب اسلامى معتمد عند الاغلبية وإن أدى الى التلفيق عند الضرورة أو الحاجة أوالعجز والعذر لأن الصحيح جوازه عند المالكية وجماعة من الحنفية كما يجوز الأخذ بأيسر مذاهب أو تتبع الرخص عند الحاجة أو المصلحة لا عبثا ولا تلهيا،وهوى، لأن دين الله يسر لا عسرفيكون القول بجواز التلفيق من باب التيسير على الناس قال الله تعالىٰ: يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر (البقرہ:۱۸۵)وما جعل عليكم فى الدين من حرج"(الحج:۷۸)(الفقہ الاسلامی وادلتہ،۱/ ۲۴)۔

خلاصہ:

حدیث میں بیع معاومہ سے ممانعت کا مصداق یہ ہے کہ پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی ان کی خرید وفروخت کی جائے۔

بدو صلاح کے بعد بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک پھلوں کی بیع جائز ہے، بدو صلاح سے پہلے اگر پھل قابل انتفاع ہو گئے ہوں تو چند شرطوں کے ساتھ پھلوں کی بیع جائز ہوگی۔اگر بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع مطلق طور پر یا پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ کی جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے۔اگر پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط رکھے تو

فقہائے احناف کے نزدیک بھی بیع جائز نہ ہوگی؛ جب کہ اگر مطلقاً بیع کی جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع درست ہوگی۔

فقہائے احناف کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے مامون ومحفوظ ہوجانا ہے، فقہائے مالکیہ کے نزدیک مختلف اشیاء میں بدوصلاح کا معیار مختلف ہے، کھجور میں بدوصلاح کا تحقق اس کے سرخ یا زرد ہوجانے سے ہوگا، اور کھجور کے علاوہ دیگر پھلوں میں بدوصلاح کا تحقق اس میں مٹھاس کے پیدا ہوجانے سے ہوگا، سبزیوں میں بدوصلاح کا تحقق اس طرح ہوگا کہ وہ قابل استعمال ہوجائیں، کھیتی اور دانوں میں بدوصلاح کا تحقق ان کے خشک اور پختہ ہوجانے سے ہوگا۔ فقہائے شوافع کے نزدیک ایسے پھل وغیرہ جن کا کوئی رنگ نہیں ہوتا، ان میں بدوصلاح کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ اس میں پکنے اور مٹھاس کی علامات ظاہر ہوجائیں، جو پھل رنگدار ہوتے ہیں ان میں بدوصلاح کا تحقق سرخ، سیاہ یا زرد ہوجانے پر ہوگا۔ فقہائے حنابلہ کے نزدیک جن پھلوں میں بدوصلاح کے وقت ان کا رنگ تبدیل ہوجاتا ہے جیسے کھجور، سیاہ انگور تو ان میں بدوصلاح کا تحقق ان کے رنگ کے متغیر ہوجانے پر ہوگا۔ اگر انگور سفید ہو تو اس میں بدوصلاح کا تحقق اس میں رس پیدا ہوجانے، نرم ہوجانے اور زرد رنگ کا ہوجانے پر ہوگا۔ جن پھلوں کے پختہ ہونے پر ان کا رنگ متغیر نہیں ہوتا تو اس کے میٹھا ہوجانے سے بدوصلاح کا تحقق ہوگا۔ تربوز وغیرہ میں بدوصلاح کا تحقق ان کے پختہ ہوجانے کی علامات کے ظہور سے ہوگا۔ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کا رنگ متغیر نہیں ہوتا جیسے ککڑی اور کھیرا، تو ان میں بدوصلاح کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائیں۔

۴- پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی صورتیں:

(الف) عصر حاضر میں ہندوستان اور قرب و جوار کے ممالک میں درختوں پر بور آنے کے بعد ہی پھلوں کی خرید وفروخت کا رواج عام ہے؛ اس لئے ابتلائے عام کے سبب درختوں پر بور آنے کے بعد ان کی خرید وفروخت کی گنجائش ہوگی۔

(ب) اگر باغ میں ایک ہی جنس کے درخت ہوں تو بعض درختوں پر پھل آجانے کے بعد تمام درختوں کے پھلوں کی بیع درست ہوگی۔ اگر باغ میں مختلف اجناس کے درخت ہوں تو ہر صنف میں بدوصلاح کا اعتبار علیحدہ طور پر ہوگا، اگر ایک ہی جنس کی بعض انواع میں بدوصلاح واقع ہوجائے اور بعض میں واقع نہ ہو تو اگر پھل کی تمام انواع میں بدوصلاح یکے بعد دیگرے قریبی اوقات میں واقع ہوتی ہو تو ایسے پھلوں کی بعض انواع میں بدوصلاح سے تمام پھلوں کی بیع درست ہوجائے گی، اور اگر ان انواع میں بدوصلاح بہت تاخیر سے ہوتی ہو تو ہر نوع میں بدوصلاح کا اعتبار علیحدہ طور پر ہوگا۔

(ج) اگر پھلوں کے قابل استعمال ہونے سے قبل ان کی بیع کی جائے تو اصح قول کے مطابق چند شرائط کے ساتھ ان کی خرید وفروخت درست ہے۔

۵- پھل تیار نہ ہو تو اس کو فروخت کرنے کی شکلیں:

(۱) بدو صلاح سے قبل پھل کو فروخت کرنے کی صورتوں کا حکم مندرجہ ذیل ہے:

(الف) اگر یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

(ب) اگر طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درختوں پر ہی رہے گا تو عرف وتعامل کی وجہ سے یہ بیع درست ہوگی۔

(ج) اگر خریدنے کے بعد نہ فوراً پھل توڑنے کی بات طے ہوئی اور نہ درخت پر باقی رکھنے کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع درست ہے؛ جب کہ ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اس طرح کی شرط کی وجہ سے بیع درست نہ ہوگی۔

(۲) بدو صلاح کے بعد پھلوں کی خرید وفروخت کی مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز ہیں۔

۶- یہ بات جائز ہے کہ خریدار پھل خریدلے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کرایہ پر لے لے۔

۷- پھل کی خریداری کے بعد پھلوں کو پکانے کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینے کے علاوہ یہ صورتیں بھی جائز ہیں:

(الف) بائع پھلوں کو پکنے تک درخت پر چھوڑنے کی اجازت دے دے۔

(ب) خریدار پھلوں کو پکانے کے لئے درختوں کو بطور عاریت لے لے۔

(ج) بیگن، تربوز وغیرہ میں خریدار ان پھلوں کی جڑوں کو بھی خرید لے۔

(د) پھلوں کو اپنے درخت پر پکانے کی اجازت دینے کے عوض بائع کسی درخت کے پھلوں کو اپنے لئے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔اسی طرح وہ تیار شدہ پھلوں کا عام مشترک جزء مثلاً دسواں حصہ یا آٹھواں حصہ وغیرہ لے سکتا ہے۔

۸- پھلوں کی خرید وفروخت میں عقد سلم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، عقد سلم کی مختلف فیہ شرطوں میں جمہور فقہاء کی رائے پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

(الف) جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک عقد سلم میں مبیع عقد کے وقت اور مدت کی تکمیل سے قبل

تک معدوم ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھلوں کی خرید وفروخت میں بیع سلم کرتے وقت جمہور فقہاء کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں۔

(ب) عقد سلم میں ثمن یکمشت وپیشگی ادا کرنا ضروری ہے، لیکن فقہائے مالکیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اگر یہ ثمن قسطوں میں اور کچھ تاخیر سے ادا کی جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد اسعد پالن پوری فلاحی☆

۱- بیع المعاومۃ کا مصداق:

جواب سے قبل بطور تمہید ایک اہم اور مفید بات کو تحریر کرنا مناسب سمجھتا ہوں؛ وہ یہ کہ مذہب اسلام نے اپنے متبعین کو ہر ایسے معاملے اور عقد سے روکا ہے جس میں سامنے والے کے ساتھ غدر اور دھوکہ لازم آئے؛ مثلاً: بیع علی بیع اخیہ، خطبۃ علی خطبۃ اخیہ، تلقی جلب، بیع الملامسہ، بیع المنابذہ، بیع الحصاۃ، بیع الغرر، بیع حبل الحبلۃ، بیع النجش، بیع المساومۃ اور بیع المصراۃ وغیرہ۔

مذکورہ تمام بیوع کو احادیث کی روشنی میں ممنوع قرار دیا گیا ہے اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ تمام ہی شارحین حدیث نے ممانعت کی وجہ سامنے والے کیساتھ غدر اور دھوکے کو قرار دیا ہے؛ منجملہ ان بیوع میں سے ایک بیع سوال میں مذکور ''بیع المعاومۃ'' بھی ہے، بعض احادیث میں اس کو ''بیع السنین'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

تمام شارحین حدیث نے اس کے مصداق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بیع المعاومہ کہتے ہیں، ''درختوں پر پھل آنے سے پہلے ان پھلوں کو چند سالوں کے لئے بیچ دینا؛ یعنی معدوم پھلوں کو بیچ کر درختوں کو بطور کنٹریکٹ کسی کو دے دینا، اور ممانعت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس میں بیع الغرر لازم آتا ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں ایک معدوم، مجہول، غیر مقدور التسلیم اور غیر مملوک شئ کی بیع کرنا پایا جارہا ہے، جو درست نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''پھلوں کے نکلنے سے پہلے ہی اس کی بیع کردی جائے تو جائز نہیں، اس کے متعلق صریح اور صحیح روایات موجود ہیں، حدیث میں اسی کو ''بیع المعاومۃ'' یا ''بیع السنین'' سے تعبیر کیا گیا ہے'' (قاموس الفقہ، مطبوعۃ مکتبہ نعیمیہ دیوبند: ۳/۴۵)۔

امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''و أما النهى عن بيع المعاومة فمعناه: أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثةً أو أكثر؛ فيسمّى بيع المعاومة و بيع السنين، و هو باطل بالإجماع؛ نقل الإجماع فيه ابن المنذر

☆ دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

و غیره لهذه الأحادیث؛ و لأنه بیع غرر؛ لأنه بیع معدوم و مجهول و غیر مقدور علی تسلیمه و غیر مملوک للعاقد"(نووی: شرح مسلم ۲/۱۰)۔

علامہ محمد بن طاہر پٹنی تحریر فرماتے ہیں:"**نهی عن المعاومة: هی بیع ثمر النخل و الشجر سنتین فصاعداً، و هو باطل بالإجماع؛ لأنه بیع ما لم یخلق بعد**" (مجمع بحار الأنوار، مطبوعۃ دار الإیمان المدینۃ المنورۃ، تحت کلمۃ "عوم" ۳/۱۰/۷)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی تحریر فرماتے ہیں:"**وقد روی عنه علیه الصلاة و السلام أنه "نهی عن بیع السنین و عن بیع المعاومة" و هو بیع الشجر أعواماً؛ل أنه بیع المعدوم؛ و قد نهی الرسول ﷺ عن بیع الغرر؛ و الغرر کما عرفنا: هو ما انطوی عنه أمره و خفی علیه عاقبته؛ و نوع الغرر: هو أن المبیع مجهول الوجود قد یظهر و قد لا یظهر، و مجهول المقدار إن وجد**" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۵)۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے:"**روی جابرؓ أن النبی ﷺ "نهی عن بیع السنین" و المراد به أن یبیع ما سوف تثمره نخلة البائع سنتین أو ثلاثاً أو أکثر؛ و ذٰلک لما فیه من الغرر**" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ الکویت: ۹/۲۰۰)۔

محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:"**قوله: (و المعاومة) مفاعلة من العام بمعنی السنة کالمسانهة من السنة، و المشاهرة من الشهر؛ والمراد منه: بیع ما تحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلی مدة سنة فأکثر؛ و المعاومة و بیع السنین معناهما واحد؛ و إنما حرم لکونه بیع غرر؛ لأنه بیع ما لم یخلقه الله تعالی بعد**"(فتح الملہم شرح مسلم ۷/۴۱۰)۔

خلاصہ اور اپنی رائے: مذکورہ بالا تمام تشریحی عبارات کی روشنی میں بندے کی رائے یہ ہے کہ بیع المعاومۃ یا بیع السنین کا مصداق بیع کی وہ مخصوص صورت ہے، جس میں درخت پر پھل آنے سے پہلے چند سالوں کے معاہدے پر ان کو بیچ دیا جائے؛ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ معدوم پھلوں کو چند سال کے معاہدے پر بیچ دیا جائے اور درختوں کو کنٹریکٹ پر دیا جائے۔

۲-درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے متعلق مذاہب ائمہ:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع دو حال سے خالی نہیں:

(۱) پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کرنا۔(۲) پھلوں کے ظہور کے بعد ان کی بیع کرنا۔

اگر پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کی جائے، تو یہ بیع بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک باطل، ناجائز اور حرام ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں ایک معدوم شئی کی بیع کرنا لازم آ رہا ہے اور معدوم شئی کی بیع کرنے سے احادیث میں منع فرمایا گیا ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد منقول ہے: "نهى النبي ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان"۔ ایک اور حدیث میں مروی ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع المعدوم"۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "أجمع العلماء على أن بيع الثمار قبل أن تخلق لاينعقد؛ لأنه من باب النهي عن بيع ما لم يخلق و من باب بيع المعاومة و السنين" (موسوعة الفقه الإسلامي للزحيليؒ ۴/۲۵۵)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ثم إن بيع الثمار قبل ظهورها باطل بالإجماع، و لا خلاف فيه، لكونه بيع المعدوم" (فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

اور اگر پھلوں کے ظہور کے بعد بیع کی جائے، تو دو حال سے خالی نہیں:

(۱) بدو صلاح سے پہلے بیع کرنا، (۲) بدو صلاح کے بعد بیع کرنا۔

پھر ہر ایک کی چند صورتیں ہیں؛ بعض صورتوں میں جواز اور بعض میں عدم جواز ہے۔

پھلوں کے ظہور کے بعد بدو صلاح سے پہلے بیع کا حکم:

اگر بدو صلاح سے پہلے بیع کی جائے، تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت: یہ ہے کہ پھل نکل آئے ہوں؛ لیکن بدو صلاح (قابل استعمال ہونے) سے پہلے ان کو اس شرط کے ساتھ بیچے جائیں کہ مشتری ان کو درخت کے اوپر سے فوراً اتار لے گا؛ یہ صورت بالاجماع درست ہے۔

"الموسوعة الفقهية الكويتية" میں ہے: "الثالثة: أن يبيعها بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط القطع في الحال؛ فهذا البيع صحيح بالإجماع، و لا خلاف في جوازه" (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/۱۹۰)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "الأولى: أن يشترط البائع على المشتري أن يقطعها فوراً و لا يتركها على الأشجار؛ و هذه الصورة جائزة بإجماع الأئمة الأربعة، و جمهور فقهاء الأمصار" (فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "القسم الثاني: أن يبيعها بشرط القطع في الحال، فيصح بالإجماع؛ لأن المنع إنما كان خوفاً من تلف الثمرة و حدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى أنسؓ أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو قال: "أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم

مال أخيه؟" (أخرجه البخاری:۲۱۹۸)**و هذا مأمون فيما يقطع فيصح بيعه كما لو بدا صلاحه**"(المغنی لابن قدامہ حنبلیؒ، مطبوعۃ دار الحدیث القاہرۃ:۵/۴۸۶)۔

مذکورہ صورت کے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:'' تاہم اگر خرید وفروخت کا معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک ان کو درخت پر رہنے دیا جائے اور بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ علامہ علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے:'' **فإن كان ذلك بإذن البائع جاز و طاب له الفضل**''(قاموس الفقہ ۳/۴۵)۔

(۲) دوسری صورت: یہ ہے کہ پھلوں کی بیع کی جائے اور مشتری یہ شرط لگائی کہ جب تک یہ پھل پک نہ جائیں، درخت ہی پر میں چھوڑے رکھوں گا، یہ صورت بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں بیع کے اندر مقتضائے عقد کے خلاف شرط لازم آرہی ہے، جس میں مشتری کا نفع وابستہ ہے، اور بیع کے اندر ایسی شرط لگانا جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لئے یا معقود علیہ کے لئے (جبکہ اس میں اہلیت موجود ہو) نفع وابستہ ہو، یہ مفسد بیع ہے یا بیع کے ساتھ اس میں اجارہ یا اعارہ لازم آرہا ہے اور یہ بھی مفسد عقد ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:"**و الصورة الثانية: أن يشترط المشترى ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ؛ و هذه الصورة باطلة بالإجماع، و لا يصح البيع فيها عند أحدٍ......... لكونه بيعاً و شرطاً**"(فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ "المغنی" میں تحریر فرماتے ہیں:"**أحدها: أن يشتريها بشرط التبقية، فلا يصح البيع إجماعاً؛ لأن النبى ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها؛ نهى البائع و المبتاع. (متفق عليه) و النهى يقتضى فساد المنهى عنه؛ قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث**" (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۴۸۶)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**وإن كان بشرط الترك فالعقد فاسد باتفاق علماء الحنفية؛ لأنه شرط لا يقتضيه العقد، و فيه منفعة لأحد المتعاقدين: و هو المشترى؛ و لا يلائم العقد، و لا جرى به التعامل بين الناس، و مثل هذا الشرط مفسد للبيع**"(موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۶)۔

(۳) تیسری صورت: یہ ہے کہ پھل مطلقاً بیچے جائیں؛ یعنی بائع کی طرف سے نہ ان کے اتار لینے کی شرط لگائی جائے اور نہ مشتری کی طرف سے درخت کے اوپر چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی جائے۔

اس صورت کے متعلق حضرات ائمہ کا اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک یہ بیع بھی ناجائز ہے اور یہ حضرات اس کو بیع بشرط الترک کے ساتھ لاحق کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے؛ امام صاحب کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی شرط نہیں لگائی گئی، تو حکم میں شرط القطع کے ہے؛ کیوں کہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری کو یہ حکم کرے کہ اپنے پھل اتار کر لے جاؤ اور ہمارے درخت خالی کردو، تو مشتری کے لئے اس کے حکم کی پیروی کرنا لازم اور ضروری ہوگا؛ اس لئے یہ صورت جائز ہے۔

ابن قدامہ حنبلی ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**القسم الثالث: أن یبیعها مطلقاً، ولم یشترط قطعاً و لا تبقیة، فالبیع باطل، و به قال مالک و الشافعی، و أجازه أبوحنیفةؒ؛ لأن إطلاق العقد یقتضی القطع، فهو کما اشترطه**'' (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۴۸۶)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ رقم طراز ہیں: ''**و إن کان البیع مطلقاً عن الشرط جاز أیضاً عند الحنفیة خلافاً للشافعیة و مالک و أحمد؛ لأن الترک لیس بمشروط نصاً؛ إذ العقد مطلق عن الشرط أصلاً، فلا یجوز تقییده بشرط الترک من غیر دلیل، خصوصاً إذا کان فی التقیید فساد العقد**'' (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۵)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''**و الصورة الثالثة: أن یقع البیع مطلقاً، ولا یشترط فیه قطع و لا ترک، فهذه الصورة محل خلاف بین الأئمة، فقال مالک و الشافعی و أحمد: البیع فیها باطل کما فی الصورة الثانیة، و قال أبوحنیفةؒ: البیع فیها جائز، کالصورة الأولی، و یجوز للبائع أن یجبر المشتری علی قطع الثمار فی الحال**'' (فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تمام عبارات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ پھلوں کے ظہور سے پہلے تو شئی معدوم کی بیع لازم آنے کی وجہ سے بیع باطل ہے، اور ظہور کے بعد بدو صلاح سے پہلے پھلوں کے اتار لینے کی شرط کے ساتھ بالاجماع جائز ہے، اور ترک کی شرط کے ساتھ بالاجماع باطل ہے، اور اطلاق کی صورت میں احناف کے نزدیک جائز اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل ہے۔

پھلوں کے ظہور اور بدو صلاح کے بعد بیع کا حکم:

دوسری صورت یہ ہے کہ بدو صلاح کے بعد بیع کی جائے، اس کی بھی چند صورتیں ہیں:

بدو صلاح کے بعد اگر پھلوں کی بیع کی جائے، خواہ پھل پک چکے ہوں یا آفات سماوی سے محفوظ ہو چکے ہوں، ائمہ

ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک یہ بیع تینوں صورتوں میں جائز ہے، یعنی: بیع بشرط القطع یا بشرط الترک یا بیع بغیر الشرط تینوں صورتوں میں جائز ہے؛ ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها تو یہاں "حتى يبدو صلاحها" یہ نہی کی غایت ہے؛ لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہوا کہ بدو صلاح کے بعد ان کی بیع جائز ہے، جب بدو صلاح کے بعد نہی باقی نہیں رہی اور بیع جائز ہوگئی، تو مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو، بیع جائز ہوگی۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل بدو الصلاح اور بعد بدو الصلاح میں کوئی فرق نہیں ہے، جو صورتیں وہاں جائز ہیں، وہ یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں؛ چناں چہ بیع بشرط القطع اور بیع مطلق عن شرط القطع و الترک مذکورہ دونوں صورتیں جو وہاں جائز تھیں وہ یہاں بھی جائز ہیں اور بیع بشرط الترک جو صورت وہاں ناجائز تھی وہ یہاں بھی ناجائز ہوگی۔

ابن قدامہ حنبلیؒ "المغنی" میں تحریر فرماتے ہیں: "جملة ذلك: إنه إذا بدا الصلاح في الثمرة جاز بيعها مطلقاً، بشرط التبقية إلى حال الجزاز، و بشرط القطع، و بذلك قال مالكؒ و الشافعيؒ، و قال أبو حنيفةؒ و أصحابه: لايجوز بشرط التبقية" (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/ ۴۹۷)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "حكم البيع بعد بدو الصلاح: و أما بيع الثمار بعد بدو صلاحها فله صور ثلثة أيضاً، الأولى: أن تباع بشرط القطع، و الثانية: أن تباع بشرط تركها على الأشجار، و الثالثة: أن تباع مطلقاً، فالشافعي و مالك و أحمد رحمهم الله يجوزون البيع في الصور الثلاث كلها، فإن باعها مطلقاً استحق المشترى الإبقاء إلى أوان الجذاذ كحالة شرط الإبقاء۔

و أما أبوحنيفة و أبويوسفؒ فقالا: يجوز البيع بشرط القطع و في صورة الإطلاق و يفسد بشرط الترك، و يجب على المشترى في صورة الإطلاق أن يقطعها إذا طالب به البائع" (فتح الملہم شرح مسلم ۷/ ۲۵۳)۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے: "السادسة: إذا اشترى الثمرة، و قد بدا صلاحها و نضجها، و لم يتناه عظمها، و شرط الترك و التبقية إلى أن يتناهى عظمها، فمذهب الجمهور كما ينص ابن قدامة جواز البيع في هذه الصورة؛ بل جوازه بإطلاقٍ؛ لأن الحديث نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، فمفهومه إباحة بيعها بعد بدو صلاحها، و المنهى عنه قبل بدو الصلاح عندهم البيع بشرط

التبقية، فيجب أن يكون ذٰلک جائزاً بعد بدو الصلاح، و إلا لم يكن بدو الصلاح غاية، و لا فائدة فی ذکرها" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹ / ۱۹۳)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: " پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد بدوالصلاح بیع کی صورت میں خواہ پھلوں کا سائز مکمل ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو، دونوں صورتوں میں بیع جائز نہیں، سائز مکمل ہو جانے کی صورت میں تو بیع اس لئے جائز نہیں؛ کیوں کہ اس صورت میں ایک ایسی شرط لگانا لازم آ رہا ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں متعاقدین میں سے ایک یعنی مشتری کے لئے نفع بھی وابستہ ہے؛ کیونکہ عقد ہو جانے کے بعد پھلوں میں جو اضافہ اور بڑھوتری ہوگی، اس کا مالک مشتری کہلائے گا اور اس طرح کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اور ایک حدیث میں بھی بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا گیا ہے: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع و شرط**" (تلخیص از: اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲ / ۱۳۰، ۱۳۱)۔

اور سائز مکمل نہ ہونے کی صورت میں بیع اس لئے جائز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس صورت میں عقد بیع کے بعد جو کچھ پھلوں میں اضافہ ہوگا، وہ بائع کی ملکیت میں ہوگا، گویا اس صورت میں موجود کے ساتھ معدوم کی بھی بیع کرنا لازم آ رہا ہے اور معدوم کی بیع صحیح نہیں ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**ثانياً: و أما إن كان البيع بعد بدو الصلاح: (۱) فإن باع بشرط القطع جاز۔ (۲) و كذا إن باع مطلقاً عن الشرط يجوز أيضاً كما قدمناه۔ (۳) و إن باع بشرط الترک، فإن لم يتناه عظمه، فالبيع فاسد بلا خلاف؛ و إن تناهى عظمه فالبيع فاسد عند أبی حنيفة و أبی يوسفؒ؛ لأن شرط الترک فيه منفعة للمشتری، و العقد لا يقتضيه، و لا يلائمه؛ كما إذا اشترى حنطة على أن يتركها فی دار البائع شهراً**" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴ / ۲۵۶)۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے: "**و الحنفية قرروا مفصلين فی هذه المسئلة: وإذا شرط الترک و لم يتناه العظم و النضج، فقد شرط فيه الجزء المعدوم، و هو الذی يزيد بمعنى من الأرض و الشجر، و هذه الزيادة تحدث بعد البيع من ملک البائع؛ فكأنه ضم المعدوم إلى الموجود، و اشتراهما، فيفسد العقد۔**

إذا شرط الترک، و قد تناهى عظمها فكذٰلک الحكم عند أبی حنيفة و أبی يوسفؒ، و هو أنه يفسد العقد أيضاً، و هو القياس؛ لأنه شرط لا يقتضيه العقد، و هو شغل ملک غيره، و لأحد

المتعاقدين فيه منفعة، و مثله يفسد العقد، و هذا لأنه يحصل فى المبيع زيادة جودة و طراوة، و للمشترى فيه منفعة"(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۹۳)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تمام فقہی عبارات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ بعد بدو الصلاح پھلوں کی بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مذکورہ تینوں صورتوں میں جائز ہے، اور احناف میں سے حضرات شیخین کے نزدیک بیع بشرط القطع اور بیع مطلق عن شرط القطع و الترک مذکورہ دو صورتوں میں جائز ہے اور بیع بشرط الترک والی صورت میں ناجائز ہے؛ خواہ پھر پھلوں کا سائز مکمل ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو، دونوں صورتوں کا حکم عدم جواز میں یکساں رہے گا۔

امام محمدؒ کی رائے:

لیکن اس مسئلے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر پھلوں کا حجم (سائز) مکمل ہو چکا ہے؛ یعنی ان پھلوں کو جتنا بڑھنا ہے اتنے وہ بڑھ چکے ہوں، اب ان میں مزید اضافے کے امکانات نہیں ہیں، تو بشرط الترک بھی بیع جائز ہوگی؛ مثلاً: کھجور اور آم وغیرہ جتنے سائز کے ہوتے ہیں، اگر درختوں پر اتنے بڑے ہو چکے ہیں، اب ان میں مزید بڑھوتری اور اضافہ نہیں ہوگا، تو بشرط الترک علی الاشجار بھی ان کی بیع جائز ہوگی؛ کیوں کہ اس پر لوگوں کا تعامل بھی بن چکا ہے اور ایک طرح کا عموم بلوی بھی ہے، اسی بنیاد پر امام طحاویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور ابن نجیم مصری اور علامہ حصکفی کی تصریح کے مطابق فتوی بھی اسی پر ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "**و إن كان قد تناهى عظمه فهو فاسد عند أبى حنيفة و أبى يوسفؒ و هو القياس، و يجوز عند محمدؒ استحساناً، و هو قول الأئمة الثلاثة، و اختاره الطحاوى لعموم البلوى، و فى المنتقى: ذكر أبويوسف مع محمدؒ**" (فتح القدیر شرح الہدایۃ ۶/ ۲۶۵)۔

"**و أما عند محمدؒ فقد استحسن فى هذه الصورة، و قال: لا يفسد البيع لتعارف الناس بذٰلک**"(عنایۃ مع فتح القدیر شرح الہدایۃ ۶/ ۲۶۸)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ "المغنی" میں تحریر فرماتے ہیں: "**قال أبوحنيفة و أصحابه: لا يجوز بشرط التبقية إلا أن محمداً قال: إذا تناهى عظمها جاز**"(المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/ ۴۹۷)۔

علامہ وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**و قال محمدؒ: يجوز استحساناً لتعارف الناس و تعاطيهم بذٰلک، و الجواز عنده ليس لتعامل الناس شرط الترک فى المبيع، و إنما التعامل بالمسامحة بالترک من غير شرط فى عقد البيع، قال فى الدر المختار: و به يفتى أى بقول محمد**"(موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/ ۲۵۶)۔

خلاصہ یہ کہ بدو صلاح کے بعد اگر پھلوں کا سائز اور ان کا حجم مکمل ہو چکا ہو اور مستقبل میں ان کے اندر بڑھوتری

کے امکانات نہ ہوں، تو چوں کہ لوگوں کا اس صورت پر ایک طرح کا تعامل بن چکا ہے؛ اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔

۳-بدو صلاح کی مراد اور فقہائے عظام کے اختلاف رائے کی وضاحت:

بدو صلاح ایک خاص فقہی اصطلاح ہے، اس کی مراد کے سلسلے میں حضرات ائمہ کا اختلاف حسب ذیل ہے:

ائمہ اربعہ میں سے حنفیہ ایک طرف ہیں اور ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہیں:

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ بدو صلاح سے مراد پھلوں پر اتنی مدت کا گذر جانا کہ وہ آفات سماویہ (آندھی وغیرہ) سے محفوظ ہو جائیں؛ خواہ ابھی ان کے پکنے کا آغاز ہوا ہو یا نہ ہوا ہو؛ ان کی دلیل آپ ﷺ کا وہ فرمان ہے جس میں بدو صلاح کی تفسیر ''امن عاہہ اور امن فساد'' سے کی گئی ہے، بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک حدیث میں منقول ہے: **''عن ابن عمرؓ قال: نهى النبى ﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، و كان إذا سئل عن صلاحها قال: حتى تذهب عاهتها، و فى رواية: و يأمن العاهة''** گرچہ اس کی مراد کے سلسلے میں بعض حضرات مثلاً: علامہ کرمانی وغیرہ کی رائے یہ بھی ہے کہ پھل انسانوں کے کھانے کے قابل اور گھاس جانوروں کے چرنے کے لائق بن جائے۔

اور ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک بدو صلاح سے مراد پھلوں کا پکنے لگنا اور ان میں مٹھاس کا پیدا ہو جانا وغیرہ ہے، ان حضرات کی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں بدو صلاح کی تفسیر ''پھلوں اور اناج کے بیاض اور احمرار و اصفرار'' سے کی گئی ہے۔

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں: **''لكن بدو الصلاح عندنا أن تأمن العاهة و الفساد؛ و عند الشافعیؒ هو ظهور النضج و بدو الحلاوة''** (فتح القدیر شرح الہدایہ ۶/ ۲۶۴)۔

''الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ'' میں ہے: **''فسر الفقهاء بدوالصلاح بمعان شتى، فالحنفية قالوا: أن تؤمن العاهة و الفساد، و إن كان بعضهم -كالكرمانى- فسره بأن تصلح الثمرة لتناول بنى آدم و علف الدواب''** (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۸۸)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: **''و بدو الصلاح أو الإزهاء فى المشهور عندالجمهور: هو ظهور الحمرة أو الصفرة فى ثمر النخل، و ظهور الماء الحلو و اللين و الاصفرار فى ثمرة الكرم، و فيما عدا ذٰلک أن يبدو النضج، أى أن العبرة فيما يتلون: هو أن يأخذ فى الحمرة أو السواد أو الصفرة كالبلح و العناب و المشمش و الإجاص، و فيما لايتلون: العبرة بظهور مبادئ النضج بأن**

يتموه، أى يبدو فيه الماء الحلو و يلين و يصفر لونه، و فى الحبوب و الزروع يعتبر اشتدادها...... و قال الحنفية: بدو الصلاح: أن تؤمن العاهة و الفساد، أى الحنفية اعتبروا مجرد ظهور الثمرة، و الجمهور اعتبروا ظهور النضج و بدو الحلاوة فى الثمار، و فى الحب و الزرع اشتدادها" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۹،۲۶۰)۔

لیکن اس موقع پر''الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ''میں اور''فتح الملہم شرح مسلم''میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے حضرات ائمہ ثلاثہ کے مسلک کو مزید اچھے انداز سے واضح فرمایا ہے، یعنی ان حضرات ائمہ کے یہاں ہر شئ کا بدو صلاح اس کی شایان شان ہوگا۔

مثلاً: مالکیہ کے نزدیک کھجور میں بدو صلاح''اس کا سرخ، زرد ہوکر پک جانا''، انگور میں''اس کا سیاہ ہوجانا اور مٹھاس کا پیدا ہونا''، ان کے علاوہ دیگر پھلوں میں''مٹھاس کا پیدا ہوجانا''، گھاس پھونس میں''ان کا قابل انتفاع ہوجانا''، سبزیوں میں''ان کا کھائے جانے کے لائق بننا''، اور غلے وغیرہ میں''ان کا خشک ہوکر دانوں کا سخت ہوجانا''وغیرہ۔

حضرات شوافع کے یہاں جن چیزوں میں رنگت کا کوئی دخل نہیں ہوتا مثلاً: بعض پھل اور غلہ وغیرہ، تو ان کا بدو صلاح یہ ہے کہ ان میں پکنے اور مٹھاس کے آثار ظاہر ہوجائیں، اور جن چیزوں میں رنگت کا دخل ہوتا ہے، ان میں سرخی، سیاہی اور زردی کا اثر پیدا ہوجائے۔

اور حنابلہ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جن پھلوں میں بدو صلاح کے وقت رنگ میں تبدیلی آتی ہے، تو ان کا بدو صلاح رنگ کی تبدیلی سے ہوگا، مثلاً: کھجور اور انگور وغیرہ، اور جن پھلوں میں بدو صلاح کے وقت رنگ کی تبدیلی نہیں آتی ہے، تو ان کا بدو صلاح ان کے پکنے اور ان میں مٹھاس پیدا ہونے سے ہوگا، اور جن پھلوں میں رنگ کی تبدیلی نہیں ہوتی اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے پھلوں کو مزے لے کر کھایا جاتا ہے، مثلاً: ککڑی اور کھیرا وغیرہ، تو ان کا بدو صلاح اس وقت ہوگا جبکہ وہ اس مرحلے تک پہنچ جائیں کہ عادۃً ان کو کھایا جانے لگے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۹/۱۸۸، نیز فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۴۸)۔

اور پھر ان حضرات کے یہاں قدرے مشترک ہر پھل، سبزی اور غلہ وغیرہ کی بدو صلاح کی آٹھ علامتیں ذکر فرمائی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) رنگ: ہر اس پھل میں جس کے بدو صلاح میں رنگ کا دخل ہو، مثلاً: کھجور وغیرہ۔

(۲) ذائقہ: ہر اس پھل میں جس کے بدو صلاح میں ذائقے کا دخل ہو، مثلاً: گنے کی مٹھاس اور لیموں کی کھٹاس۔

(۳) پکنا اور نرم ہونا: ہر اس پھل میں جس کے بدو صلاح میں پکنے اور نرم ہونے کا دخل ہو، مثلاً: انجیر اور خربوزہ۔

(۴) سخت ہو جانا: ہر اس غلے میں جس کے بدو صلاح میں سخت اور ٹائٹ ہونے کا دخل ہو، مثلاً: گیہوں اور جو۔

(۵) لمبا ہونا اور بھراؤ دار بن جانا: ہر اس گھاس اور سبزی میں جس کے بدو صلاح میں لمبائی اور بھراؤ دار ہونے کا دخل ہے، مثلاً: گھاس اور سبزیاں۔

(۶) بڑا ہو جانا: جس کے بدو صلاح میں بڑے ہونے کا دخل ہے، مثلاً: ککڑیاں اور لوکی وغیرہ۔

(۷) شگوفے کا پھٹنا: جس کے بدو صلاح میں شگوفے کے پھٹنے کا دخل ہے، مثلاً: روئی اور اخروٹ وغیرہ (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۸۸، ۱۸۹ کذا فی فتح الملہم شرح مسلم ۷/ ۲۴۸، ۲۴۹)۔

خلاصہ: یہ کہ احناف کے نزدیک بدو صلاح سے مراد آفات سماویہ اور فساد وغیرہ سے مامون ہو جانا ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قدرے مشترک تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ہر پھل، سبزی، پودا اور غلے وغیرہ کی نسبت کرتے ہوئے بدو صلاح: کسی میں رنگ کی تبدیلی، کسی میں ذائقے کا پیدا ہونا، کسی میں پکنا اور نرم ہونا، کسی میں سخت ہو جانا، کسی میں لمبا اور بھراؤ دار بن جانا، کسی میں بڑا ہونا اور کسی میں شگوفے کا پھٹنا وغیرہ مختلف کیفیتوں کا نام ہے۔

۴- مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے پھلوں کی خرید وفروخت کے احکام:

الف- پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حکم:

اس صورت کے متعلق تفصیل سے بحث اوپر آچکی ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ’’پہلا درجہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت کے اوپر مطلقاً ظاہر نہیں ہوا، اس وقت بیع کرنا جیسا کہ آج کل پورا باغ ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے کہ ابھی پھل بالکل نہیں آئے، پھول بھی نہیں لگے ہیں اور اس کو فروخت کر دیا جاتا ہے؛ اس پھل کی بیع کے متعلق حکم یہ ہے کہ یہ مطلقاً ناجائز اور حرام ہے، کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ یعنی ائمہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں‘‘ (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲/ ۱۲۸، ۱۲۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ’’پہلی صورت کہ پھلوں کے نکلنے سے قبل ہی ان کی بیع کر دی جائے، تو یہ جائز نہیں، اس کے متعلق صریح اور صحیح روایات موجود ہیں، حدیث میں اسی کو ’’بیع معاومہ‘‘ یا ’’بیع سنین‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جا سکتا؛ کیوں کہ بیع سلم کے لئے اول تو احناف کے یہاں ضروری ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو اور یہاں ایسا نہیں ہوتا؛ تاہم اگر فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو نظر انداز بھی کر دیا جائے، تو اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو، اور یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ تو یقینی طور پر مدت مقرر ہے کہ خریدار کو پھل کب مل سکے گا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر

اس صورت کی بھی کوئی توجیہ وتاویل کردی جائے، تو پھر'' بیع معاومہ'' اور'' بیع سنین'' کی ممانعت والی احادیث بے معنی ہوکر رہ جائیں گی؛ اس لئے یہ صورت تو یقینی طور پر ممنوع ہوگی'' (قاموس الفقہ: ۳/ ۴۵)۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:'' **و لا یجوز بیع ما لم یظھر، و ھذا قول عامة العلماء......و لنا أن ما لم یظھر منه معدوم، فلا یحتمل البیع**''(بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۳۲۷)۔

اور علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:'' **لا خلاف فی عدم جواز الثمار قبل أن تظھر**'' (فتح القدیر شرح الھدایۃ ۶/ ۲۶۴، نیز دیکھئے: موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/ ۲۵۵، فتح الملہم شرح مسلم ۷/ ۲۵۴)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا عدم جواز ثابت ہوا؛ کیوں کہ اس صورت میں'' بیع المعاومہ'' یا بیع السنین'' لازم آئے گا اور معدوم کی بیع لازم آنے کی وجہ سے حدیث پاک میں صراحتاً ممانعت وارد ہوئی ہے؛ نیز اس صورت میں مقدار مبیع اور اجل کی جہالت کی وجہ سے ایک طرح کا غرر بھی لازم آئے گا؛ کیوں کہ غرر کی تعریف ڈاکٹر وھبہ الزحیلیؒ اس طرح فرماتے ہیں:'' کہ جو معاملہ گول مول ہو اور جس کا انجام پوشیدہ ہو، وہ غرر کہلاتا ہے'' اور مذکور صورت میں یہی بات پائی جارہی ہے؛ اس لئے یہ عقد جائز نہیں۔

ب- کچھ درختوں پر پھل آنے اور کچھ پر نہ آنے کی صورت میں بیع کا حکم:

اس صورت کے متعلق ائمہ کے مابین اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں؛ کیوں کہ اس صورت میں پھل چوں کہ حیناً بعد حین اور بطناً بعد بطن درخت پر لگتے ہیں، اس لئے موجود اور غیر موجود پھلوں کے درمیان تمیز مشکل ہونے کی وجہ سے تسلیم وتسلم پر قدرت باقی نہیں رہے گی؛ نیز بقول علامہ سرخسیؒ '' اس نے عقد میں موجود و معدوم پھلوں کو جمع کردیا ہے اور شئی معدوم بیع کو قبول نہیں کرتی ہے''، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالی معدوم پھلوں کو وجود نہ بخشے، تو تسلیم وتسلم پر قدرت نہیں رہے گی؛ اس لئے یہ ایک طرح کا غرر اور دھوکہ ہے، ان حضرات کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں اور یہی احناف کا ظاہر مذہب بھی ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں لکھا ہے:'' **فمذھب جمھور الفقھاء من الشافعیة و الحنابلة و ظاھر الروایة من الحنفیة –و ھو الأصح عندھم قیاساً– أنه لا یصح بیعه و ذٰلک لعدم القدرة علی التسلیم لتعذر التمییز...... و علّله السرخسی بأنه جمع فی العقد بین الموجود و المعدوم، و المعدوم لا یقبل البیع، و حصة الموجود غیر معلومة۔**

و علّله الحنابلة بأنه ثمرة لم تخلق، فلم یجز بیعھا، کما لو باعھا قبل ظھور شیء منھا، و

الحاجة تندفع ببيع أصوله"(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۹۸)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:"**أن تباع سائر ثمار الشجر أو البستان فی حين ظهر بعضها و لم يظهر بعضها، و فيه خلاف بين مشائخنا الحنفية، فظاهر المذهب أنه لايجوز أيضاً**"(فتح الملہم شرح مسلم ۷/ ۲۵۴)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**إذا بيع ثمر أو زرع بعد بدو الصلاح و لو بعضه، و كان يغلب تلاحقه و اختلاط حادثه بالموجود؛ كتين، و قثاء، و موز، و ورد، و بطيخ، و باذنجان، و خيار، و قرع، فقال الحنفية فی ظاهر الرواية و الشافعية و الحنابلة و الظاهرية و الزيدية، و الإباضية: يجوز بيع ما ظهر منها من الخارج الأول، و أما بيع ما ظهر و مالم يظهر فلايجوز؛ لأن العقد اشتمل على معلوم و مجهول، قد لا يخرجه الله تعالى من الشجرة؛ و لا يصح أيضاً البيع لعدم القدرة على تسليم المبيع، و الحاجة تندفع ببيع أصوله**"(موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/ ۲۶۰، ۲۶۱)۔

لیکن امام مالکؒ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر احناف میں سے بعض حضرات فقہاء مثلاً: شمس الائمہ حلوانیؒ اور ابوبکر محمد بن الفضل بخاری اور دیگر بعض حضرات نے فتوی بھی دیا ہے اور موجود پھلوں کو عقد میں اصل قرار دیا ہے اور غیر موجود کو موجود کے تابع قرار دے کر عقد کو جائز قرار دیا ہے، ہاں! شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک اتنی شرط ضرور ہے کہ موجود پھل غیر موجود کے مقابلے میں زیادہ ہوں، یعنی ان کے نزدیک اس صورت میں عقد کے جائز ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ باغ کے اکثر درختوں پر پھل آچکے ہوں، اور دیگر حضرات کے یہاں یہ بھی شرط نہیں ہے؛ بلکہ حرج کو دور کرنے کے لئے استحساناً انہوں نے اس صورت کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ درختوں پر سارے پھل ایک ساتھ ایک ہی مرحلے میں نہیں آتے ہیں؛ بلکہ رفتہ رفتہ پھل آتے ہیں، اور دوسری جانب کچھ پھل آنے کے بعد لوگوں کا اس کی بیع پر تعامل ہو چکا ہے اور ایسا تعامل ہو چکا ہے کہ لوگوں کو اب اس سے روکنا بھی بہت دشوار ہے، اور اگر ہم نے ان کو روک دیا، اس کے باوجود بھی لوگ اسی طرح پھلوں کی خرید و فروخت کرتے رہے، تو بازار میں کوئی پھل حلال طریقے سے لوگوں کو نہیں مل پائے گا؛ اس لئے حرج کو دور کرنے اور لوگوں کو اکلِ حرام سے بچانے کے لئے اس صورت کو استحساناً جائز قرار دیا ہے۔

علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں تحریر فرماتے ہیں:"**و قال مالکؒ: إذا ظهر فيه الخارج الأول، يجوز بيعه؛ لأن فيه ضرورة؛ لأنه لايظهر الكل دفعة واحدة؛ بل على التعاقب بعضها بعد بعض، فلو لم**

یجز بیع الکل عند ظهور البعض لوقع الناس فی الحرج"(بدائع الصنائع للکاسانی ۴/ ۳۲۷)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:"**و مذھب مالکؒ جوازہ، و ھو أیضاً ما أفتی بہ بعض الحنفیۃ کالحلوانی و أبی بکر محمد بن الفضل البخاری و آخرین استحساناً، و ذٰلک بجعل الموجود أصلاً فی العقد و ما یحدث بعدہ تبعاً لہ، من غیر تقیید بکون الموجود وقت العقد أکثر۔**

ووجہ الاستحسان ھو تعامل الناس، فإنھم تعاملوا ببیع ثمار الکرم بھذہ الصفۃ، و لھم فی ذٰلک عادۃ ظاھرۃ، و فی نزع الناس من عادتھم حرج"(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۹۸)۔

اور فتح القدیر کی عبارت سے تو شمس الائمہ حلوانی اور امام ابوبکر الفضلی کے ساتھ ساتھ امام محمدؒ کا میلان بھی اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے؛ انہوں نے دیگر پھلوں کا گلاب کے باغیچے کے پھولوں پر قیاس کرتے ہوئے تمام میں جواز کا قول اپنایا؛ کیوں کہ گلاب کے تمام پھول ایک ساتھ پودوں پر نہیں لگتے ہیں؛ بل کہ حیناً بعد حین لگتے ہیں اور لوگوں کا گلاب کے باغیچے میں کچھ پھول آجانے کے بعد ان کے خرید وفروخت پر تعامل ہو چکا ہے، تمام پھول آنے کا لوگ انتظار نہیں کرتے ہیں؛ کیوں کہ تمام پھولوں کے آنے کا انتظار کرنے کی صورت میں حرج بھی لازم آئے گا اور پھولوں کے جھڑ جانے کی صورت میں مالکِ باغ کا نقصان بھی لازم آئے گا؛ اس لئے حرج کو دور کرنے کے لئے ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے (فتح القدیر شرح الھدایہ ۶/ ۲۶۹)۔

علامہ شامیؒ نے "ردالمحتار" میں اس سلسلے میں بہت ہی اچھی بحث فرمائی ہے:

"کہ ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت لوگوں سے مخفی نہیں ہے، خاص طور پر ہمارے دیار یعنی دمشق اور ملک شام میں لوگ اسی طریقے سے پھلوں کی خرید وفروخت کے عادی ہیں اور تمام لوگوں کو اپنی اس عادت سے باز رکھنے کی صورت میں حرج لازم آئے گا، اور اگر ہم نے ان کو روک دیا، اس کے باوجود بھی لوگ اسی طرح سے پھلوں کی خرید وفرخت کرتے رہے، تو لوگوں کا حرام پھلوں کو کھانا لازم آئے گا؛ کیوں کہ پھلوں کے کاروبار میں ان کی یہی عادت بنی ہوئی ہے، اور دوسری طرف ضرورت کی وجہ سے آپ ﷺ نے سلم کی اجازت مرحمت فرمائی ہے باوجود اس کے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، تو یہاں بھی ضرورت متحقق ہونے کی وجہ سے بطریق دلالت النص سلم کے ساتھ لاحق کر کے اجازت دینی چاہئے"۔

علامہ شامیؒ "ردالمحتار" میں تحریر فرماتے ہیں: "**و فی نزعھم عن عادتھم حرج کما علمت؛ و یلزم تحریم أکل الثمار فی ھذہ البلدان؛ إذ لاتباع إلا کذٰلک؛ و النبی ﷺ إنما رخص فی السلم للضرورۃ مع أنہ بیع المعدوم، فحیث تحققت الضرورۃ ھنا أیضاً أمکن إلحاقہ بالسلم بطریق الدلالۃ**"

(ردالمحتار المعروف بالشامیۃ ۷/۸۶)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تمام فقہی عبارات سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں پھلوں کی خرید وفروخت جائز نہیں؛ کیوں کہ اس صورت میں معدوم کی بیع لازم آرہی ہے؛ نیز موجود ومعدوم کو جمع کرنے کی وجہ سے ان کے درمیان تمیز دشوار ہوجائے گی تو تسلیم وتسلم پر قدرت بھی باقی نہیں رہے گی؛ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، انہوں نے موجود پھلوں کو اصل قرار دے کر غیر موجود کو ان کے تابع بنایا ہے اور استحساناً بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور فقہائے احناف میں سے بعض حضرات کا فتوی بھی اسی کے مطابق ہے، اور فتح القدیر کی عبارت سے امام محمد کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے لوگوں کے اوپر سے حرج کو دور کرنے اور حرام سے بچانے کی غرض سے امام مالکؒ کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بندے کی ناقص رائے یہ ہے کہ فقہائے احناف کو بھی اس کی اجازت دے دینی چاہئے، بالخصوص جبکہ احناف میں امام محمدؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

نیز ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ پھل دار درخت کو اجارے پر لینے کا تعامل بھی ہے اور درخت کو خریدنے میں لوگوں کے لئے بڑی دشواری بھی ہے؛ کیوں کہ مشتری کو جس چیز کی ضرورت نہیں ہے، اس چیز کو وہ کیوں خریدے گا؟ یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشتری درختوں کے خریدنے کا متحمل نہیں ہوتا ہے، یا متحمل تو ہوتا ہے لیکن درختوں کو فروخت کرنے پر مالک رضامند نہیں ہوتا؛ لہذا مذکورہ تمام دشواریوں کا حل پیش کرنے کے لئے معدوم پھلوں کے آنے اور موجود ومعدوم پھلوں کے پکنے تک درختوں کو اجارے پر لے کر جواز فراہم کرنے میں بڑی آسانی ہے (دیکھئے: فتح القدیر شرح الہدایہ ۶/۲۶۵)۔

ج- ناقابل استعمال پھلوں کی خرید وفروخت کا شرعی حکم:

اس طرح کے ناقابل استعمال پھل، اگر اس شرط کے ساتھ فروخت کئے جائیں کہ مشتری ان پھلوں کو فوراً اتار لے گا، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے؛ کیوں کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کے بیچنے کی حدیث میں جو ممانعت وارد ہوئی، اس کا سبب پھلوں کے تلف ہوجانے کا خوف ہے؛ لیکن جب بائع کی طرف سے ان پھلوں کے اتار لینے کی شرط ہوگئی، تو تلف ہوجانے کے خوف سے وہ پھل مامون ہوگئے؛ لہذا عدم جواز کا سبب بھی ختم ہوگیا، اس لئے یہ صورت جائز ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھل ظاہر تو ہوگیا ہے لیکن قابل انتفاع نہیں ہے، قابل انتفاع نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ نہ تو کسی انسان کے کام آسکتا ہے اور نہ کسی جانور کے کام آسکتا ہے، اس کی بیع بھی جائز نہیں اور یہ مجمع علیہ ناجائز ہے'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲/۱۲۹)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ ’’المغنی‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’القسم الثانی: أن یبیعها بشرط القطع فی الحال، فیصح بالإجماع لأن المنع إنما کان خوفاً من تلف الثمرة، و حدوث العاهة علیها قبل أخذها بدلیل ما روی أنسؓ أن النبی ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی تزهو، قال: ’’أرأیت إذا منع الله الثمرة بم یأخذ أحدکم مال أخیه؟‘‘ (رواہ البخاری)،‘‘ و هذا مأمون فیما یقطع، فصح بیعه کما لو بدا صلاحه‘‘(المغنی لابن قدامہ حنبلیؒ ۵/۴۸۶، نیز دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۹۰)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: أما قبل بدو الصلاح فإن کان البیع بشرط الترک أو البقاء فلا یصح إجماعاً؛ لأن النبی ﷺ ’’نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها نهی البائع و المبتاع‘‘۔

و إن کان البیع بشرط القطع فی الحال فیصح بالإجماع؛ لأن المنع إنما کان خوفاً من تلف الثمرة، و حدوث العاهة فیها قبل أخذها بدلیل حدیث أنسٍ المذکور (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلی ۴/۲۵۸)۔

لیکن مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب علامہ علاء الدین سمرقندی کے حوالے سے ’’قاموس الفقہ‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’تاہم خرید وفروخت کا معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک ان کو درخت پر رہنے دیا جائے اور بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، علامہ علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: ’’فإن کان ذٰلک بإذن البائع جاز و طاب له الفضل‘‘ (قاموس الفقہ ،ثمر: ۳/۴۵، ۴۶)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تمام فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ نا قابل استعمال پھل اگر فوری طور پر اتار لینے کی شرط کے ساتھ خریدے گئے ہوں تو یہ بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر ان کو قابل استعمال ہونے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ خریدا گیا ہے تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے؛ لیکن معاملہ طے پا جانے کے بعد آپسی رضامندی سے اگر چھوڑے گئے ہیں تو سمرقندی کی رائے کے مطابق یہ صورت بھی جائز ہے۔

۵-قبل بدو صلاح پھل فروخت کرنے کی شکلیں:

الف-قبل بدو صلاح پھل کو اتار لینے کی شرط کے ساتھ بیع کا حکم:

یہ صورت بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں پھل گرچہ تیار نہیں ہوئے ہیں؛ لیکن مقتضائے عقد کے خلاف کوئی بات اس میں نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لئے عدم جواز کی بھی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''ایک صورت یہ ہے کہ پھل کی بیع بدو صلاح سے پہلے کی جائے؛ لیکن عقد بیع میں یہ شرط لگائی گئی کہ مشتری ابھی اس پھل کو فوراً درخت سے اتار لے گا، تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے، بعض لوگوں کا اختلاف ہے، شاذ قسم کے اقوال ہیں جو ناجائز کہتے ہیں، ورنہ جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں اور ائمہ اربعہ بھی اس میں داخل ہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲/۱۲۹، نیز دیکھئے: فتح الملہم ۷/۲۵۰)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں لکھا ہے: ''**الثالثة: أن يبيعها بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط القطع في الحال؛ فهذا البيع صحيح بالإجماع، و لا خلاف في جوازه**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/۱۹۰)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**القسم الثاني: أن يبيعها بشرط القطع في الحال، فيصح بالإجماع؛ لأن المنع إنما كان خوفاً من تلف الثمرة و حدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ما روى أنس رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو قال: ''أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟''** (أخرجہ البخاری: ۲۱۹۸)''**و هذا مأمون فيما يقطع فيصح بيعه كما لو بدا صلاحه**'' (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۴۸۶، نیز دیکھئے: موسوعۃ الفقہ الاسلامی للزحیلی ۴/۲۵۸)۔

خلاصہ: الغرض! مذکورہ صورت میں چونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لئے تمام حضرات فقہائے کرام کے نزدیک یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

ب-قبل بدو صلاح پھل کے تیار ہونے تک تبقیہ کی شرط کے ساتھ بیع کا حکم:

یہ صورت بالاتفاق تمام ائمہ (حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ) کے نزدیک ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط پائی جا رہی ہے؛ یعنی بیع کے اندر ایسی شرط کو داخل کر دیا ہے جس کا بیع تقاضا نہیں کرتی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''**و الصورة الثانية: أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، و هذه الصورة باطلة بالإجماع، و لا يصح البيع فيها عند أحدٍ...... لكونه بيعاً و شرطاً**'' (فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''**أحدها: أن يشتريها بشرط التبقية، فلا يصح البيع إجماعاً؛ لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها؛ نهى البائع و المبتاع**'' (متفق علیہ) ''**النهي يقتضي فساد المنهي عنه؛ قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث**'' (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۵/۴۸۶)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں:''وإن كان بشرط الترک فالعقد فاسد باتفاق علماء الحنفية؛ لأنه شرط لا يقتضيه العقد، و فيه منفعة لأحد المتعاقدين: و هو المشترى، و لا يلائم العقد، و لا جرى به التعامل بين الناس، و مثل هذا الشرط مفسد للبيع''(موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۶)۔

لیکن علامہ ابن تیمیہ کا رجحان ضرورت کی وجہ سے اس صورت کے جواز کی طرف ہے؛ کیوں کہ لوگوں کا بدو صلاح سے پہلے بیع کر کے پھلوں کو پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کا ایک عام رواج ہو چکا ہے، پس ان حالات میں اگر لوگوں کو اس سے منع کیا گیا، تو ان کے لئے دشواری پیش آئے گی؛ اس لئے لوگوں کو دشواری سے بچانے کے لئے اور ان کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے اس کے جواز کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے اور حدیث کو بجائے حرمت پر محمول کرنے کے مشورے پر محمول کیا ہے، اور احادیث میں اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں، جن میں آپ ﷺ نے اپنا کوئی حکم امت کو بطور مشورہ پیش کیا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ''فتح الملہم شرح مسلم'' میں ابن تیمیہ کا رجحان نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:''و يظهر من كلام ابن تيمية فى فتاواه، أنه مائل إلى جواز هذه الصورة أيضاً للضرورة، و يحمل الحديث على المشورة، لا على التحريم'' (فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

اور یہ کہ مذکورہ بات آپ ﷺ نے حکم تشریعی کے طور پر ارشاد نہیں فرمائی ہے؛ بل کہ بطور مشورہ ارشاد فرمائی ہے، اس کی تائید بھی آپ ﷺ کے زمانے میں ہونے والی بیوع کے بعد پیش آنے والے لوگوں کے جھگڑوں اور اس پر آپ ﷺ کے تبصروں سے بھی ہوتی ہے؛ چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں:

''حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ پھلوں کی بیع کیا کرتے تھے (یعنی ابھی پھل پکا نہیں ہوتا، بل کہ درخت کے اوپر ہوتا تھا اسی وقت لوگ بیع کر لیا کرتے تھے) اور پھر وہ پھل درخت پر لگا رہنے دیتے تھے، پھر جب لوگ ان پھلوں کی کٹائی کرتے اور ایک دوسرے سے تقاضے کا وقت آتا، مثلاً: بائع پیسوں کا مطالبہ کرتا اور مشتری پھلوں کا مطالبہ کرتا، تو مشتری کہتا کہ پھل کو ''دمان'' (ایک قسم کی بیماری ہوتی ہے، جس سے پھل درخت پر پکنے سے پہلے ہی سڑ جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے) یا اس کو ''مراض'' یا ''قشام'' (یہ دونوں بھی درخت کو لگنے والی دو بیماریاں ہیں) لگ گیا ہے، اور یہ ایسی آفتیں ہوتی تھیں جن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے حجت بازیاں کرتے تھے اور جھگڑتے تھے اور مشتری کہتا کہ چوں کہ میرے پھلوں کو آفت لگ گئی ہے، اس لئے مجھے تو پورا پھل نہیں ملا ہے؛ لہٰذا میں پوری قیمت ادا نہیں کروں گا''۔

جب آپ ﷺ کے پاس اس قسم کے جھگڑے کثرت سے آنے لگے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''فإمالا''، یعنی اگر تم لوگ اس بیع کو نہیں چھوڑ سکتے ہو، تو اس وقت تک پھلوں کو مت خریدو جب تک کہ پھل کی صلاح ظاہر نہ ہو جائے، یعنی وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائے تب تک تم اس کو نہ خریدو؛ تاکہ بعد میں آفت لگنے کی وجہ سے یہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہ بدو صلاح سے پہلے پھلوں کو نہ خریدو، یہ مشورے کے طور پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے''، یعنی لوگوں کو اپنے جھگڑوں کی کثرت کی وجہ سے آپ ﷺ بطور مشورہ یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲/ ۱۲۶)۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ وہ شرطیں جو مفسد عقد ہوتی ہیں، ان سے تین قسم کی شرائط مستثنیٰ ہیں:

(۱) پہلی وہ شرط جو مقتضائے عقد میں داخل ہے، وہ عقد کو فاسد نہیں کرتی۔

(۲) دوسری وہ شرط جو مقتضائے عقد میں داخل نہیں ہے؛ لیکن اس کے ملائم اور مناسب ہے؛ جیسے کفیل کی شرط اور رہن کی شرط وغیرہ، یہ عقد کے لئے مفسد نہیں ہوتی۔

(۳) تیسری وہ شرط جو متعارف بین التجار ہوگئی ہے کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہے، جیسے: کوئی فریج خریدتا ہے، تو ایک سال کے لئے اس کی فری سروس ہوتی ہے، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے؛ لیکن چوں کہ متعارف ہوگئی ہے، اس پر سب لوگ عمل کرتے ہیں اور سارے تجار بدون نکیر کے اس پر عمل کرتے ہیں، تو متعارف ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز ہوگئی ہے، اور بہت سی شرطیں متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہو جاتی ہے، بشرطیکہ فی نفسہ وہ حرام نہ ہوں؛ لہذا جہاں حاجت داعی ہو، وہاں مفتی کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ لوگوں کے لئے توسع پیدا کرتے ہوئے کسی دوسرے فقیہ کے قول پر فتوی دے اور فقہائے متقدمین نے اس کی مثال دی ہے: جوتے کو اس شرط کے ساتھ خریدنا کہ بائع اس میں تلوا لگا دے، تو یہ شرط گرچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن وہ متعارف بن گئی ہے؛ لہذا یہ جائز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شرط بین التجار متعارف ہو جائے، خواہ وہ خلاف عقد ہی کیوں نہ ہو، وہ جائز ہوتی ہے، اور یہ شرط لگانا ''کہ پھلوں کو پکنے تک درخت پر چھوڑا جائے گا'' یہ متعارف سے زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی، تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ شرط بھی جائز ہو؛ لہذا بیع بشرط الترک جائز ہوگی (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۲/ ۱۳۴؛ ۴/ ۱۰۵)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: ''احناف نے اس شرط کے ساتھ خرید و فروخت کو منع کیا ہے کہ پھل کی تیاری تک پھل درخت پر رہنے دئے جائیں اور یہ اس لئے ہے کہ یہ ایک ایسی شرط ہے جو تقاضائے عقد کے خلاف ہے؛ اس لئے ایسی شرط معاملے کو فاسد کر دے گی؛ مگر یہ مسئلہ موجودہ حالات میں قابل غور ہے؛ کیوں کہ جو شرطیں تعامل کا درجہ اختیار کرلیں اور خرید و فروخت میں رواج پا جائیں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ معتبر بھی ہیں اور بیع کے صحیح ہونے

میں رکاوٹ بھی پیدا نہیں کرتیں، اور فتاوی عالمگیری میں مختلف جزئیات کے ذریعہ اس اصول کو منقح اور واضح کیا گیا ہے''۔

''اور اسی تعامل اور ضرورت کی وجہ سے بعض حضرات فقہاء نے موجود پھلوں کے ساتھ غیر موجود پھلوں کی خرید و فروخت کو درست رکھا ہے، اور امام محمدؒ نے اسی تعامل کی بنا پر پھل کی تیاری کے بعد اس کو درخت پر لگے رہنے کی شرط کو درست قرار دیا ہے......ابن ہمام کا خیال ہے کہ دراصل امام محمد کی یہ رائے خلاف قیاس از راہِ استحسان ہے اور عرف وتعامل کی رعایت پر مبنی ہے''۔

''بلکہ ابن ہمام کی عبارت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کا میلان بھی اسی طرف ہے؛ چوں کہ خرید وفروخت کے معاملے میں تیاری سے قبل بیع، اور اس کے بعد پھل درخت پر باقی رکھنے کا ہے؛ اس لئے غیر مکمل پھل میں بھی درخت پر باقی رکھنے کی شرط درست اور صحیح ہونی چاہئے''۔

''اب تو صورت حال یہ ہے کہ پھل کی تیاری سے پہلے ہی باغات کی خریدی اور پھل کی تیاری تک درخت پر پھلوں کے باقی رکھنے کا عام رواج ہو چکا ہے، اور علامہ شامی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ: ''اگر خرید وفروخت کی اس صورت کو نادرست قرار دیا جائے، تو بازار میں حلال طریقے سے خرید کئے ہوئے پھلوں کی دستیابی دشوار ہو جائے گی، خود فقہاء کو بھی اس کا احساس ہے؛ اسی لئے انہوں نے مختلف حیلے بھی پیش کئے ہیں؛ تاکہ خلق خدا کی طرف حتی الوسع اکلِ حرام کی نسبت سے بچا جا سکے ------ یہ عرف وعادت اور ضرورت انسانی ہی وہ امر ہے کہ جس کے تحت فقہاء نے ''مفتی بہ قول'' اور ''ظاہر الروایۃ'' سے عدول کو بھی جائز قرار دیا ہے: "و ما ضاق الامر الا اتسع، و لا يخفى أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الرواية"۔

''ان حالات میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ عرف وتعامل کی بنا پر پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے؛ لہٰذا اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز ہوگا اور یہ شرط بجائے خود معتبر شرط ہوگی'' (قاموس الفقہ: ۳/۵۰-۵۲)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اس مسئلے میں یہ سمجھتا ہوں (واللہ سبحانہ وتعالی اعلم) کہ شرط الترک کے ساتھ اگر بیع ہو تو جائز ہے؛ لیکن یہ اس صورت کے ساتھ متعلق ہے کہ ثمر ظاہر ہو چکا ہو، اگر ظاہر نہیں ہوا تو جواز کی کوئی صورت نہیں، اور اگر کچھ ظاہر ہوا ہو اور کچھ ظاہر نہ ہوا، تو حنفیہ میں سے امام فضلی یہ فرماتے ہیں کہ جو حصہ ظاہر نہیں ہوا، اس کو ظاہر شدہ ثمر کے تابع مان لیں گے اور یوں تبعاً اس کی بیع کو بھی جائز کہتے ہیں''۔

''یہ سب کچھ فقہائے کرام نے اس لئے کیا ہے کہ یہ عجیب قصہ ہے کہ اول دن سے آج تک باغات میں پھلوں کی

جو بیع ہوتی چلی آئی ہے، وہ اس طرح ہوتی آئی ہے کہ کوئی بھی اس کی بیع کے لئے پھل کے پکنے کا انتظار نہیں کرتا تھا؛ یہ طریقہ ساری دنیا میں ہے اور یہ عالمگیر طریقہ ہے''۔

''تو ہر دور کے فقہاء نے یہ محسوس کیا کہ یہ عموم بلوی کی صورت ہے اور عموم بلوی کی صورت میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کو قواعد شرعیہ پر منطبق کیا جائے اور تحریم سے بچنے کے لئے کوئی بھی اصل شرعی نکلتی ہو، تو اس کو اختیار کیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو حرج لازم نہ آئے؛ لہذا اس زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف توجیہات اختیار کی گئیں''۔

''امام فضلیؒ نے یہ فرمایا کہ جتنی گنجائش شرعاً نکل سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بسا اوقات شریعت تبعاً کسی شئی کی بیع کو جائز قرار دیتی ہے؛ حالاں کہ اصلاً وہ چیز جائز نہیں ہوتی، جیسے گائے کے پیٹ میں بچہ ہو تو اصلاً اس کی بیع جائز نہیں ہوتی؛ لیکن گائے کے تابع ہو کر جائز ہو جائے گی، اسی طرح مستقل معدوم کی بیع جائز نہیں ہوتی؛ لیکن اگر کسی موجود کے ضمن میں معدوم کی بیع کر دی جائے تو جائز ہو جاتی ہے؛ لہذا ہم یہ کہیں گے کہ کچھ پھل جو موجود ہیں وہ اصل ہیں اور جو ابھی وجود میں نہیں آئے وہ تابع ہیں، تو ان کو تابع کر دیا؛ تاکہ اس صورت میں بھی بیع جائز ہو جائے'' (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۴/ ۱۱۳)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا تمام عبارات کی روشنی میں واضح طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط پائی جانے کی وجہ سے یہ صورت جائز نہیں ہے؛ لیکن علامہ ابن تیمیہ نے لوگوں کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے اور عصر حاضر میں بھی لوگوں کی عام طور پر بیوع اسی طرح ہوا کرتی ہے؛ اس لئے علامہ ابن تیمیہ اور صحابی رسول حضرت زید بن ثابتؓ کے قول اور مفتی محمد تقی صاحب کی رائے اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی پیش کردہ تشریح کو مدنظر رکھتے ہوئے عام رواج کی بنا پر لوگوں کے لئے گنجائش پیدا کر کے اس کی اجازت دے دی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے، اور یہی اس عاجز کی بھی ناقص رائے ہے۔

ج۔قبل بدو صلاح مطلق عن شرط القطع والترک بیع کا حکم:

اس صورت کے متعلق حضرات ائمہ کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک یہ بیع بھی ناجائز ہے، اور یہ حضرات اس کو بیع بشرط الترک کے ساتھ لاحق کر کے اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، یعنی جس طرح ترک کی شرط کے ساتھ بیع ناجائز ہے، اسی طرح مطلق عن الشرط کی صورت میں بھی بیع ناجائز ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، امام صاحب کا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی شرط نہیں لگائی گئی تو یہ حکم میں شرط القطع کے ہے؛ کیوں کہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری کو یہ حکم کرے کہ اپنے پھل اتار کر لے جاؤ اور ہمارے درخت خالی کردو، تو مشتری کے لئے

اس کے حکم کی پیروی کرنا لازم اور ضروری ہوگا؛ اس لئے یہ صورت جائز ہے؛ بلکہ ہدایہ اور عالمگیری کی عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کے لئے فوری طور پر پھل اتار لینا لازم اور ضروری ہے، اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان کو درخت پر چھوڑے رکھے۔

”و علی المشتری قطعها فی الحال إذا باع مطلقاً أو بشرط القطع “(عالمگیری:۳/۱۰۹)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:”و الصورة الثالثة: أن یقع البیع مطلقاً، و لا یشترط فیه قطع و لا ترک، فهذه الصورة محل خلاف بین الأئمة، فقال مالک و الشافعی و أحمد: البیع فیها باطل کما فی الصورة الثانیة، و قال أبوحنیفةؒ: البیع فیها جائز، کالصورة الأولی، و یجوز للبائع أن یجبر المشتری علی قطع الثمار فی الحال“(فتح الملہم شرح مسلم ۷/۲۵۰)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ رقم طراز ہیں:”و إن کان البیع مطلقاً عن الشرط: جاز أیضاً عند الحنفیة خلافاً للشافعیة و مالک و أحمد؛ لأن الترک لیس بمشروط نصاً؛ إذ العقد مطلق عن الشرط أصلاً؛ فلا یجوز تقییده بشرط الترک من غیر دلیل؛ خصوصاً إذا کان فی التقیید فساد العقد“ (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلیؒ ۴/۲۵۵، نیز دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۴۸۶/۵)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ مطلق عن الشرط بیع کرنے کی صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل ہے اور احناف کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن جواز کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مشتری کو پھل پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت بھی حاصل ہوگی؛ بل کہ فوری طور پر اتار لینا ضروری ہوگا۔

۶- پھل توڑنے کی مدت تک کے لئے درختوں کو اجارے پر لینے کا حکم:

اگر مشتری پھل کو درخت پر پکنے تک چھوڑے رکھنا ہی چاہتا ہے، تو اس کے لئے حضرات فقہاء نے دو حیلے بتائے ہیں:

اول یہ کہ درختوں کو بٹائی پر لے لے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”مساقات“ یا ”معاملہ“ کہا جاتا ہے، اور معمولی تناسب مثلاً: ہزارواں حصہ باغ کے مالک کے لئے طے کر دے، دوم یہ کہ بائع بذات خود مشتری کو پھل پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت دے دے؛ لیکن پھر ایک سوال یہاں یہ ہوسکتا ہے کہ بائع اجازت دے کر کچھ دنوں کے بعد اگر مکر جائے، تو مشتری کے لئے تو اپنے پھلوں کی سلامتی باقی رکھنا خطرے میں پڑ جائے گا، تو اس وقت مشتری کیا کرے گا؟

تو اس کا حل یوں پیش کیا ہے کہ بائع مشتری کو اس طرح اجازت دے کہ ”میں فلاں مدت کے لئے آپ کو درخت

پر پھل رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اور اگر میں کبھی اپنے اس اقرار سے مکر جاؤں، تب بھی تم کو درخت پر پھل رکھنے کی اجازت باقی رہے گی''۔

''درمختار'' میں ہے:''و الحیلة أن یأخذ الشجرة معاملة علی أن له جزءً من ألف جزءٍ أن یشتری أصول الرطبة کالباذنجان و أشجار البطیخ و الخیار؛ لیکون الحادث للمشتری، و فی الزرع و الحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن و یستأجر الأرض مدة معلومة یعلم فیها الإدراک بباقی الثمن، و فی الأشجار الموجود و یحل له البائع ما یوجد، فإن خاف أن یرجع یقول: علی أنی متی رجعت فی الإذن، تکون مأذوناً فی الترک'' (الدر المختار مع الشامیة ۷/۸۸،۸۹)۔

علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:''(و المخلص) من هذه اللوازم الصعبة(أن یشتری) أصول الباذنجان و البطیخ و الرطبة لیکون ما یحدث (علی ملکه) و فی الزرع و الحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن، و یستأجر الأرض مدة معلومة یعلم غایة الإدراک، و انقضاء الغرض فیها بباقی الثمن، و فی ثمار الأشجار یشتری الموجود و یحل له البائع ما یوجد، فإن خاف أن یرجع یفعل کما قال الفقیه أبو اللیث فی الإذن فی ترک الثمرعلی الشجر، و هو: أن یأذن المشتری علی أنه متی رجع عن الإذن، کان مأذوناً فی الترک بإذن جدیدٍ، فیحله علی مثل هذا الشرط''(فتح القدیر شرح الهدایة ۶/۲۶۹)۔

خلاصہ یہ کہ خرید وفروخت میں لوگوں کے تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں حیلوں میں سے کوئی حیلہ اختیار کیا جائے، تو طرفین کے لئے بھی آسانی رہے گی اور لوگوں کو بھی حلال طریقے سے پھل دست یاب ہوتے رہیں گے، اور علامہ شامی اور ابن ہمام کی رائے کی بنیاد پر اس ناچیز کی بھی رائے یہی ہے۔

۷- مذکورہ صورتوں کے علاوہ مزید صورتوں کا حکم:

مذکورہ صورتوں کے علاوہ مزید چار صورتیں اور ذہن میں آرہی ہیں:

(۱) پہلی صورت: یہ ہے کہ کسی باغ میں مثال کے طور پر ایک نوع کے آم کے پانچ سو درخت ہیں، ان میں صرف ایک ہی درخت میں ابھی بدوصلاح ہوا ہے اور مابقیہ درختوں میں نہیں ہوا ہے، تو کیا باغ کے مابقیہ درختوں کے پھل بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں دو قول ہیں:

پہلا قول: جمہور حضرات ائمہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام محمدؒ) وغیرہ کا ہے کہ اس نوع کے مابقیہ تمام درختوں کا پھل بیچنا جائز ہے؛ کیوں کہ باغ کے تمام درختوں کا بدوصلاح ایک ہی ساتھ ہو جائے یہ کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ عام طور پر اس میں تقدم و تاخر ہوتا رہتا ہے، اور تمام درختوں میں بدوصلاح کا اعتبار کرنے کی صورت میں مشقت بھی لازم آئے گی؛ لہذا جن درختوں میں بدوصلاح نہیں ہوا ہے، ان کو ان درختوں کے تابع قرار دے دیا جائے گا جن میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ اس لئے ایک درخت میں بدوصلاح کے بعد مابقیہ درختوں کے پھل بیچنا جائز ہوگا۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت ہے کہ جن درختوں میں بدوصلاح ہو چکا ہے، ان کی تو بیع جائز ہے اور جن میں نہیں ہوا ہے ان کی بیع جائز نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۹/ ۱۹۴، ۱۹۵)۔

اپنی رائے: لیکن بندے کی ناقص رائے میں پہلے مذہب پر عمل کرنے میں زیادہ آسانی ہے بنسبت دوسرے مذہب پر عمل کرنے کے؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب ہر درخت میں بدوصلاح کا ہونا ضروری ہے، تو ظاہری بات ہے کہ اس میں موجود و معدوم پھلوں کے درمیان امتیاز پر قدرت کے نہ ہونے کی وجہ سے بائع اور مشتری دونوں کے لئے بڑی دشواری کا سامنا ہوگا جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۲) دوسری صورت: یہ ہے کہ کسی باغ میں ایک جنس کے مختلف انواع کے درخت ہوں، ان میں ایک نوع کے درختوں میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ لیکن دوسری انواع میں نہیں ہوا ہے، تو کیا دوسری انواع کے پھلوں کو پہلی نوع کے تابع قرار دے کر فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ مثال کے طور پر کسی باغ میں آم کے مختلف نوع کے درخت ہیں، ان میں کچھ درخت کیسر آم کے ہیں، کچھ لنگڑے کے، کچھ آفوس کے اور کچھ راجاپوری کے ہیں، اور ہر نوع کے آم میں بدوصلاح مختلف اوقات میں ہوتا ہے، تو کیا ایک نوع کے آم میں بدوصلاح ہو جانے کے بعد دوسری نوع کے درختوں میں بدوصلاح سمجھا جائے گا اور دوسری نوع کے درختوں کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حضرات ائمہ کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: بعض اصحاب شوافع کا ہے کہ ایک نوع کو دوسری نوع کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ دو مختلف انواع کے درختوں کے پھلوں کے ادراک، تناہی اور بدوصلاح میں تقارب و تباعد ہوتا رہتا ہے؛ لہذا جس طرح دو مختلف اجناس میں سے ایک جنس کو دوسری جنس کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح ایک نوع کو بھی دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

دوسرا مذہب: امام محمدؒ کا ہے کہ جو پھل ادراک کے بالکل قریب ہو چکے ہیں، تو بعض پھلوں میں بدوصلاح کی بنیاد

پر متقارب الا دراک تمام پھلوں کوفروخت کرنا جائز ہے اور متباعد الا دراک پھلوں کوفروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

تیسرا مذہب: بعض اصحاب شوافع اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کا ہے کہ ایک جنس کے تمام درختوں کے پھلوں کو بیچنا جائز ہے، ان حضرات نے اس مسئلے کا قیاس زکوۃ میں تکمیل نصاب والے مسئلہ پر کیا ہے، یعنی جس طرح زکوۃ میں نصاب کی تکمیل کے لئے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے اور زکوۃ واجب کی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی مختلف انواع کے درختوں کو ایک نوع کے درخت تصور کر کے ایک کو دوسرے کے تابع قرار دیا جائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۹/ ۱۹۵)۔

خلاصہ یہ کہ تین مذاہب میں سے پہلے مذہب پر عمل کرنے میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی ہے؛ بنسبت دوسرے اور تیسرے مذہب پر عمل کرنے کے؛ کیوں کہ مثال کے طور پر آم کے مختلف انواع ہیں اور ہر نوع میں بدوصلاح کے اعتبار سے تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے؛ بلکہ بعض مرتبہ تو ایک نوع کے آم ختم ہونے پر دوسری نوع کے آم تیار ہوکر بازار میں آتے ہیں؛ اس لئے ایک نوع کو دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا، جس طرح ایک جنس کو دوسری جنس کے بدو صلاح کے تابع قرار نہیں دیا جاتا ہے؛ برخلاف دوسرے مذہب کے کہ اس میں دونوں طرح کے پھلوں کے درمیان امتیاز کرنے کی دشواری لازم آئے گی، اور تیسرے مذہب میں تو چوں کہ ایک نوع کو دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع قرار دیا ہے اور ایک جنس کے تمام درختوں کو ایک ہی نوع قرار دے کر سب کے لئے جواز بیع کا حکم ثابت کیا ہے، اور ظاہری بات ہے کہ اس میں بین طور پر غرر ہے، جس کا اندازہ مبتلا بہ لوگوں کو بآسانی ہوسکتا ہے۔

(۳) تیسری صورت: یہ ہے کہ کسی باغ میں مختلف اجناس کے درخت ہوں، ان میں سے کسی ایک جنس میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ لیکن دوسری اجناس میں ابھی نہیں ہوا ہے، تو کیا دوسری اجناس جن میں ابھی بدوصلاح نہیں ہوا ہے، ان کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟ مثلاً: باغ میں آم کے درخت بھی ہیں، امرود کے بھی ہیں اور چیکو کے بھی ہیں، ان میں سے امرود میں بدوصلاح ہو چکا ہے؛ لیکن آم اور چیکو میں نہیں ہوا ہے، تو کیا آم اور چیکو کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک، شوافع اور حنابلہ کی ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ انواع ثمار میں سے ہر نوع کے بدوصلاح کا علیحدہ اعتبار ہوگا اور ہر باغ کی نوع کے بدوصلاح کا بھی علیحدہ اعتبار ہوگا؛ کیوں کہ ہر نوع کا بدو مختلف اوقات میں ہوتا رہتا ہے، نیز اسی طرح سے ہر باغ کے پھلوں کے پکنے کے اوقات بھی اپنے اپنے جائے وقوع کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے ہیں؛ اس لئے ایک نوع کو دوسری نوع کے اور ایک باغ کی نوع کو دوسرے باغ کی نوع کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "و ینظر فی بدو الصلاح إلی کل نوع أو صنف علی حدة من أنواع الثمار عند الحنفیة، و قال الشافعیة و الحنابلة فی أظهر الروایتین عندهم: ینظر إلی کل صنف

علی حدة، و فی بستان واحد، فلا یصح بیع الرمان مثلاً: إن بدا صلاح العنب، و لا بیع عنب فی بستان إن بدا الصلاح فی بستان اٰخر؛ إذ أن الجنس الواحد لا یتبع جنساً اٰخر، و البساتین تختلف فی إبان نضوجها بحسب موقعها الجغرافی"(موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلی ۴/ ۲۵۵)۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے:"**إن بدا الصلاح فی جنس من الثمر، لم یکف فی حل بیع ما لم یبد صلاحه من جنس اٰخر؛ فبدو صلاح البلح لایکفی فی حل بیع نحو العنب، و إذا کان فی البستان عنب و رمان، فبدا صلاح العنب، لا یجوز بیع الرمان حتی یبدو صلاحه، نص علی هذا المالکیة، و هو متفق علیه**" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۱۹۶)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا دونوں فقہی عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک باغ کی نوع کو اسی باغ کی دوسری نوع کے بدوصلاح کے تابع نہیں قرار دیا جائے گا، اسی طرح سے ایک باغ کی نوع کو دوسرے باغ کی نوع کے بدو صلاح کے بھی تابع قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۴) چوتھی صورت: یہ ہے کہ کسی شخص کے ایک جنس اور ایک نوع کے درختوں کے پانچ باغات ہیں، ان میں سے ایک باغ کے درختوں کا بدوصلاح ہو چکا ہے اور دوسرے باغات کا نہیں ہوا ہے، تو کیا بدوصلاح والے باغ کا اعتبار کر کے دوسرے باغات کے پھلوں کو بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟ مثال کے طور پر آم کے پانچ باغ ہیں؛ لیکن ان میں سے ایک باغ میں بدوصلاح ہو چکا ہے اور مابقیہ باغات میں نہیں ہوا ہے، تو کیا مابقیہ باغات کے پھلوں کا بیچنا جائز ہوگا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً دیکھا جائے گا کہ دونوں باغات جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہیں یا دور، اگر دونوں باغات ایک دوسرے سے بالکل قریب ہیں، تو اس سلسلے میں حضرات فقہا کے دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام مالکؒ کا مذہب، امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک کھیت کی فصل یا ایک باغ کے درختوں کے بدوصلاح کا اعتبار اس کے پڑوس والے دوسرے کھیت کی فصل یا دوسرے باغ کے درختوں کے لئے کیا جائے گا، اور دونوں کھیت کی فصل کو ایک ہی کھیت کی فصل اور دونوں باغات کے پھلوں کو ایک ہی باغ کے پھل تصور کر کے بیچنا جائز ہوگا۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے:"**إن بدا صلاح الثمر فی أحد بستانین (متقاربین) من دون الآخر، و قد باعهما فی عقد واحد، والثمرة من نوع واحد، ففیه وجهان:**

أحدهما: مذهب مالک، و قول الشافعیة، و هو روایة عن الإمام أحمد: أن بدو الصلاح فی

شجرة من القراح (المزرعة) صلاح له و لما قاربه و جاوره فیتبعه"(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/۱۹۶)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**و قال المالکیة: إن بدا الصلاح فی أصناف الثمار، جاز بیع جمیع ما فی البساتین المجاورة**" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلی ۴/۲۵۵)۔

اور قرب کی تفسیر مالکیہ نے یہ کی ہے کہ دونوں باغ اتنے قریب ہوں کہ ایک باغ کے پھلوں کی خوشبو دوسرے باغ میں محسوس ہو، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سلسلے میں ماہرین کے قول کا اعتبار کیا جائے۔

اور مالکیہ میں سے ابن کنانہ نے دونوں طرح کے باغات (خواہ قریب قریب ہوں یا دور) کا ایک ہی حکم لگایا ہے، اور ایک باغ کے بدو صلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کے پھلوں کا بیچنا جائز قرار دیا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۹/۱۹۶)۔

دوسرا مذہب: حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کا ہے، ان کے نزدیک ایک باغ کے بدو صلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کو اس کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا، خواہ دونوں باغ قریب قریب ہی کیوں نہ ہوں؛ کیوں کہ ہر باغ کے جائے وقوع کے اعتبار سے اس کے پکنے کے اوقات مختلف ہوتے ہیں، اور ایک باغ کی ایک نوع کے کچھ درختوں میں بدو صلاح کے بعد اسی باغ کی اسی نوع کے دوسرے درختوں کو بیچنے کا جواز اشتراک کے ضرر کو دور کرنے کے مقصد سے ہے، اور وہ ضرر باغ کے بدل جانے کی صورت میں باقی نہیں رہتا ہے؛ اس لئے ایک باغ کو دوسرے باغ کے تابع قرار دینا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ ایک دوسرے سے دور دو باغوں کا حکم ہوتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۹/۱۹۶)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**و ینظر فی بدو الصلاح إلی کل نوع أو صنف علی حدة من أنواع الثمار عند الحنفیة، و قال الشافعیة و الحنابلة فی أظهر الروایتین عندهم:...... و لا بیع عنب فی بستان إن بدا الصلاح فی بستان اٰخر؛ إذ إن......البساتین تختلف فی إبان نضوجها بحسب موقعها الجغرافی**" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلی ۴/۲۵۵)۔

اور موسوعہ فقہیہ میں ہے: "**الاٰخر: أن لا یتبع أحد البساتین الآخر، و هذا هو الأصح، و المعتمد عند الشافعیة، هو المذهب عند الحنابلة، و لو کانا متقاربین، و ذلک:......أن إلحاق ما لم یبد صلاحه بالذی بدا صلاحه، هو لدفع ضرر الاشتراک، و اختلاف الأیدی، و هذا الضرر منتف فی البستان الاٰخر، فوجب امتناع التبعیة؛ کما هو الشأن فی البستانین المتباعدین**" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/۱۹۶)۔

خلاصہ: مذکورہ بالا عبارات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اگر دونوں باغ جغرافیائی اعتبار سے ایک دوسرے سے اتنے قریب ہوں کہ ایک باغ کی خوشبو دوسرے باغ میں محسوس کی جائے، تو مالکیہ کے نزدیک دونوں باغ کو ایک ہی باغ تصور

کیا جائے گا اور ایک باغ کے بدوصلاح کا اعتبار کر کے دوسرے باغ کے پھلوں کا بیچنا جائز ہوگا، اور اگر دونوں باغ ایک دوسرے سے اتنے دور ہوں کہ ایک دوسرے کی خوشبو محسوس نہ ہو، تو یہ حکم نہیں ہوگا؛ بل کہ ہر باغ کے درخت کے بدوصلاح کا علیحدہ اعتبار ہوگا اور ہر باغ کو اپنے اپنے بدوصلاح کے بعد ہی فروخت کیا جائے گا؛ لیکن حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایک باغ کو دوسرے باغ کے بدوصلاح کے تابع قرار نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ ہر باغ کے بدوصلاح کا علیحدہ علیحدہ اعتبار کیا جائے گا، خواہ دونوں باغ ایک دوسرے سے قریب ہوں یا دور، اور دلائل کے اعتبار سے بندے کی ناقص رائے میں یہی مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔

۸- بیع سلم کی اختلافی شرائط سے مسلک حنفی میں استفادہ:

جواب سے قبل بطور تمہید اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ مسلک غیر پر فتوی دینے کے کیا شرائط ہیں اور کن کن ضرورتوں کی بنیاد پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مجبوری اور ابتلائے عام کے وقت دوسرے امام کے مسلک پر عمل اور فتوے کی جو گنجائش دی گئی ہے اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سے اپنی من مانی اور تشہی مقصود نہ ہو؛ بلکہ لوگوں کو تنگی و پریشانی سے نکال کر آسانی فراہم کرنا مقصود ہو۔

چنانچہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ اس سلسلے میں اپنی رائے بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس مسئلے میں جس قول کی طرف میرا رجحان ہے اس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ تتبعِ رخص عام حالات میں تشہی، لہو ولعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر نا جائز ہے؛ ہاں! کسی خاص مسئلے میں عذر یا مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہو تو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، وہ تتبعِ رخص جس کے ممنوع ہونے پر بعض حضرات نے اجماع کا دعوی کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان ہر امام کے مسلک میں سے اس قول کو اختیار کرے، جو اس کے لئے آسان ہو اور یہ کسی واقعی ضرورت کے پیش نظر نہ ہو؛ بلکہ محض خواہشِ نفس کی پیروی میں ہو؛ کیوں کہ اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ شریعت کے احکام سے آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا اور دین کھلونا اور مذاق بن کر رہ جائے گا، تتبعِ رخص کی اس قسم میں یہ صورت داخل ہے کہ انسان تشہی اور لہو ولعب کی غرض سے مختلف مسائل میں مختلف فقہاء کے اقوال اختیار کرے''۔

اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے بیان کرتے ہوئے ''البلاغ مفتی اعظم نمبر'' صفحہ: ۴۱۹ پر لکھا ہے:

''لیکن چوں کہ چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں؛ اس لئے اگر مسلمانوں کو کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو، تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتوی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مفتی محمد تقی

عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانویؒ نے ہم سے فرمایا: کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں اوراس کی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں؛ اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلوی عام ہو، وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو، اس کو فتوی کے لئے اختیار کرلیا جائے''۔

لیکن مفتی شفیع صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کرلینا ضروری ہے:

(۱) اجتماعی ضرورت متحقق ہو۔

(۲) جس امام کے قول کو لیا جائے، اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتوی اور علماء سے معلوم کی جائیں۔

(۳) ائمہ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے۔

الغرض! مذکورہ بالا دونوں عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ دوسرے امام کے مسلک پر فتوے کے لئے مذکورہ شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہے (یعنی: اجتماعی ضرورت متحقق ہو، اس امام کے مسلک کی مکمل تفصیلات معلوم ہو، تشہی مقصود نہ ہو اور ائمہ اربعہ کے مسلک سے خروج اختیار نہ کیا جائے)، اگر ان شرائط کے ساتھ دوسرے امام کے مسلک پر فتوی دیا جائے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اب سوال مذکور میں ہمارے جن حضرات اکابر کے فتاوی کا تذکرہ کیا گیا ہے، انہوں نے اس مسئلے میں اپنے زمانے کے لوگوں کا ابتلائے عام دیکھا اور مذکور عقد کو عقد سلم پر محمول کر کے مسلک حنفی پر قائم رہتے ہوئے لوگوں کے لئے حل پیش کرنا دشوار ہو گیا تھا؛ اس لئے انہوں نے اس کی صحت کی اختلافی شرائط سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلک حنفی سے ہٹ کر مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے مسلک پر فتوی دیا؛ تا کہ لوگوں کی طرف اکل حرام کی نسبت نہ ہو؛ کیوں کہ احناف کے یہاں عقد سلم کی صحت کے شرائط میں سے ایک کڑی شرط یہ ہے کہ ''مسلم فیہ'' عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک بازار میں مسلسل ملتی رہنی چاہئے، اگر بوقت عقد اس کا انقطاع ہوجائے یا درمیان میں کسی وقت ہوجائے، تو عقد سلم صحیح نہیں ہوگا، اور جن اکابر کے فتاوی کا سوال میں تذکرہ کیا گیا ہے، انہوں نے مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے مسلک پر فتوی دے کر حضرات مفتیان کرام کو بھی لوگوں کے لئے آسانی فراہم کرنے کا مشورہ دیا ہے؛ جیسا کہ حضرت شیخ تھانویؒ نے صراحتاً اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے: ''**أما وجود المسلم فيه عند العقد فليس شرطاً لصحة السلم عند**

جمهور الفقهاء من المالكية و الشافعية و الحنابلة، فيجوز السلم فى المعدوم وقت العقد و فيما ينقطع من أيدى الناس قبل حلول الأجل......و خالف فى ذٰلک الحنفية و الثورى و الأوزاعى، و قالوا بعدم صحة السلم إلا فيما هو موجود فى الأسواق من وقت العقد إلى محل الأجل دون انقطاع“

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۲۵/ ۲۱۵،۲۱۶)۔

اورآج ہمارے زمانے میں بھی اکثر باغات کے پھلوں اور گنے کے کھیتوں کی بیع وقت سے پہلے ہی ہوجایا کرتی ہے اوراس پرلوگوں کاایسا تعامل ہو چکا ہے کہ اب ان کو منع کرنے اور بیع کو ناجائز اورحرام قرار دینے کی صورت میں لوگوں کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا، ان کے لئے بازار میں کوئی حلال پھل اور گنا دستیاب نہیں ہوگا؛ اس لئے ان مجبوریوں اور ضرورتوں کا بھی تقاضا یہی ہے کہ دوسرے امام کے مسلک پرفتوی دے کر گنجائش پیدا کی جائے اوراس بیع کو جائز قرار دیا جائے۔

اس سلسلے میں مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے بھی یہی ہے،جس کوانہوں نے اپنی کتاب ’’قاموس الفقہ‘‘میں اس طرح تحریرفرمایا ہے:

’’مالکیہ،شوافع اورحنابلہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ مسلم فیہ معاملے کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک ہمیشہ بازار میں دستیاب رہے،اتنی بات کافی ہے کہ ادائیگی کے وقت سامان بازار میں موجود رہتا ہو،ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ میں سال دوسال کی مدت پر پھلوں میں بیع سلم ہوا کرتی تھی،اور ظاہر ہے کہ پھل پورے سال دستیاب نہیں رہتے تھے؛بل کہ اپنے موسم میں آیا کرتے تھے،نیز آپ ﷺ نے ’’متعین مدت‘‘اور’’متعین مقدار‘‘ کی شرط توذکرفرمائی؛لیکن اس پوری مدت میں سامان کی موجودگی کا کوئی ذکرنہیں کیا ہے......خیال ہوتا ہے کہ جمہور کی رائے اس مسئلے میں آسان بھی ہے اورموجودہ عرف ورواج کے قریب بھی (قاموس الفقہ ۴/ ۱۷۵)۔

خلاصہ: پھل اور گنا وغیرہ کی خریدوفروخت کے معاملے میں موجودہ زمانے کے رواج،اس میں لوگوں کے ابتلائے عام اوران کی ضرورتوں کا خیال کرتے ہوئے مذکورہ بالاحضرات اکابر کے فتاوی کی روشنی میں بندے کی بھی رائے یہ ہے کہ اس میں توسع اورگنجائش پیدا کرنی چاہئے اورلوگوں کواکل حرام سے بچانے کی حتی الامکان کوشش ہونی چاہئے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت سے متعلق جدید مسائل

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی☆

تمہید:

پھل اور میوہ جات انسان کے لئے بہترین غذا ہیں، اسی لئے ان کی پیداوار پر خصوصی توجہ بھی دی جاتی ہے، کچھ لوگ اپنی زمینوں میں خود ہی پھل پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جب کہ کچھ زمین بٹائی پر دوسرے کے حوالہ کردیتے ہیں، پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو پھلوں کی بیع پختہ ہونے کے بعد یا تو خود توڑ کر کرتے ہیں یا دوسروں کے ہاتھوں درخت پر لگے ہوئے ہی فروخت کردیتے ہیں، جب کہ آج کل پھلوں کے وجود میں آنے سے پہلے ہی، یا کئی سالوں کے لئے پھلوں کی بیع کرلیتے ہیں؛ حالاں کہ شریعت نے کسی چیز کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کی خرید وفروخت سے صراحتاً منع کر رکھا ہے کہ اس میں غرر (دھوکہ) پایا جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

"**نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر**" (مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۱۳) (رسول اللہ ﷺ نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے)۔

اسی غرر میں بیع معدوم کو بھی شامل کیا گیا ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"**ويلتحق به الطير في الهواء، والمعدوم المجهول، والآبق، ونحو ذلك**" (فتح الباری، باب بیع الغرر و حبل الحبلۃ: ۴/ ۴۱۸) (اسی میں ہوا میں پرندہ کی بیع، معدوم مجہول کی بیع، بھاگے ہوئے (غلام) کی بیع وغیرہ بھی شامل ہے)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) قابل مبارک باد ہے کہ اس نے حسب سابق اس موضوع پر سمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں کچھ سوالات مرتب کرکے اہل علم وفقہ کی خدمت میں ارسال کئے، ذیل میں انھیں سوالات کے بالترتیب جوابات نقل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

۱- "معاومہ" عام سے بنا ہوا ایک لفظ ہے، جس کے معنی "سال" کے آتے ہیں، حدیث میں معاومہ کی بیع سے منع کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

☆ جامعہ ام سلمہ، فردوس نگر، تو پچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)۔

" **نهی رسول الله ﷺ عن المحاقلة، والمزابنة، والمعاومة، والمخابرة**" (مسلم، باب النہی عن المحاقلة والمزابنة…، حدیث نمبر:۱۵۳۶) (رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ سے منع فرمایا ہے)۔

اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں: "**وأما النهی عن بیع المعاومة، وهو بیع السنین، فمعناه: أن یبیع ثمر الشجرة عامین، أو ثلاثة، أو أکثر، فیسمی بیع المعاومة وبیع السنین**" (شرح النووی، باب النہی عن المحاقلة…: ۱۰/ ۱۹۳) (جہاں تک بیع معاومہ سے ممانعت کی بات ہے اور وہ بیع سنین (سالوں تک کی بیع) ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ درخت کے پھل دو، تین یا اس سے زائد سالوں کے لئے فروخت کیا جائے، اسے بیع معاومہ یا بیع سنین کہا جاتا ہے)۔

معلوم ہوا کہ معاومہ درخت کے پھلوں کو کئی سال کے لئے بیچ دیا جائے، مثلاً یوں کہا جائے: میں اپنے درخت یا باغ کے پھلوں کو دو یا تین یا چار سالوں کے لئے ہر سال دس ہزار روپے کے عوض میں بیچتا ہوں، تو یہ "معاومہ" کہلائے گا؛ لیکن یہ صرف پھلوں کے ساتھ مقید نہیں ہے؛ بلکہ پھلوں کے علاوہ وہ زمینی پیداوار بھی شامل ہے، جو غیر معلوم معدوم ہو، شیخ الاسلام علی بن حسین سغدیؒ فرماتے ہیں:

"**بیع المعاومة وهو أن یقول: بعت منک مایخرج من أرضی، أو شجری کذا عاماً بکذا درهماً**" (النتف فی الفتاوی: ۱/ ۴۶۹، تحقیق: ڈاکٹر صلاح الدین الناہی) (بیع معاومہ یہ ہے کہ کوئی کہے: میں نے تم سے اپنی زمین یا درخت کی پیداوار اتنے سال کے لئے اتنے درہم میں بیچا)۔

نیز یہ کئی سالوں کا معاملہ ایک ہی عقد میں ہو، ایسا نہ ہو کہ ہر سال تجدید کی جائے، علامہ ابن اثیرؒ (م: ۶۰۶ھ) رقم طراز ہیں:

"**بیع السنین: بیع الثمرة للسنین: هو أن یبیعها لأکثر من سنة فی عقد واحد، وهو بیع غرر؛ لأنه بیع مالم یخلقه الله تعالیٰ بعد**" (جامع الأصول فی أحادیث الرسول، الفرع الثالث: فی المحاقلة والمزابنة والمخابرة وما یجری معها، حدیث نمبر: ۳۰۱، نیل الأوطار، باب النہی عن بیع الثمر قبل بدو صلاحہ: ۵/ ۲۳۹) (بیع سنین: کئی سالوں کے لئے پھل کی بیع: وہ یہ ہے کہ آدمی ایک سے زائد سال کے لئے ایک عقد میں بیع کرے، یہ بیع غرر ہے؛ کیوں کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے ابھی تک پیدا ہی نہیں کیا)۔

اسی طرح 'معاومہ' میں صرف ایسے پھل یا دوسرے زمینی پیداوار ہی شامل ہوں گے، جو تازہ ہوں؛ کیوں کہ خشک پھلوں یا زمینی پیداوار میں عقد سلم کرتے ہوئے کئی سالوں کی بیع کی گنجائش ہے، احمد بن محمد قدوریؒ (م: ۴۲۸ھ) رقم طراز ہیں:

”ویجوز أن یکون السلم سنین (إن) کان فی الثمار الیابسة، وذلک لایعدم من أیدی الناس“

(التجرید:۵/ ۲۶۶۳، مسئلہ نمبر:۱۳۰۵۲، تحقیق: ڈاکٹر محمد احمد سراج وڈاکٹر علی جمعہ محمد)۔

(اگر پھل خشک ہوں اور لوگوں کے پاس موجود ہوں تو کئی سالوں کے لئے سلم جائز ہے)۔

تنبیہ:

مذکورہ عبارت میں سلم کے ذکر سے یہ بات نہ سمجھی جائے کہ بیع سلم اور بیع معاومہ دونوں ایک ہی ہیں؛ بل کہ دونوں میں فرق ہے کہ اول (سلم) کا تعلق بیوع الصفات سے ہے، جب کہ ثانی (معاومہ) کا تعلق بیوع الأعیان سے ہے، امام خطابیؒ لکھتے ہیں:

” بیع السنین:هوأن یبیع الرجل ماتثمره النخلة، أوالنخلات بأعیانها سنین ثلاثاً أوأربعاً، أو أکثرمنها، وهذا غدر؛ لأنه یبیع شیئاً غیرموجود، ولامخلوق حال العقد، ولایدری هل یکون ذلک أم لا؟ وهل یتم النخل أم لا؟ وهذا فی بیوع الأعیان، فأما فی بیوع الصفات فهوجائز، مثل أن یسلف فی شئ إلی ثلاث سنین، أو أربع، أوأکثر مادامت المدة معلومة إذاکان الشئ المسلف فیه غالبا وجوده عند وقت محل السلف“ (معالم السنن، باب بیع السنین: ۳/ ۷۱) (بیع سنین یہ ہے کہ آدمی درخت یا باغ میں آئے ہوئے عین پھلوں کی بیع تین، چار یا اس سے زائد سالوں کے لئے کرے، یہ دھوکہ ہے؛ اس لئے کہ اس میں غیر موجود اور ایسی شئی کی بیع ہورہی ہے، جو عقد کے وقت موجود ہی نہیں ہے، نہ یہ معلوم کہ یہ ہوگا بھی یا نہیں؟ اور کیا پھل تمام میں آئیں گے یا نہیں؟ اور یہ بیوع الأعیان میں ہے، جہاں تک بیوع الصفات کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے، مثلاً: کوئی تین، چار یا اس سے زائد سالوں کے لئے سلم کرے تو مدت معلوم ہونے اور سامان کی حوالگی کے وقت تک شئی کے غالب طور پر موجود رہنے کی صورت میں درست ہے)۔

بعض حضرات کئی سالوں کے لئے زمین کرایہ پر لینے کو بھی معاومہ میں شامل کرتے ہیں، ڈاکٹر محمود عبدالرحمٰن عبدالمنعم نقل کرتے ہیں:

”وقیل: هی اکتراء الأرض “(معجم المصطلحات والألفاظ الفقهیة: ۲/ ۳۰۸، نیل الأوطار، باب النهی عن بیع الثمر قبل بدوصلاحه: ۵/ ۲۳۹) (اور کہا گیا ہے کہ معاومہ سے مراد کئی سالوں کے لئے زمین کرایہ پر لینا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ:” بیع معاومہ سے مراد ایسا عقد بیع ہے، جو متعینہ قیمت پر کئی سالوں کے لئے درختوں پر لگے ہوئے تازہ اور تر پھلوں یا دوسری زمینی پیداوار پر ایک ہی عقد میں کیا جائے“۔

۲- خرید و فروخت کے لحاظ سے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱- پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کی جائے۔
۲- پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی جائے۔

پہلی صورت میں بیع کرنے سے حدیث میں روکا گیا ہے، حضرت حکیم بن حزامؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا:

"یارسول الله! یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی، فأبتاعه له من السوق؟ فقال: "لاتبع مالیس عندک" (سنن أبی داود، باب فی الرجل یبیع لالیس عنده، حدیث نمبر: ۳۵۰۳) (اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس آدمی آتا ہے اور مجھ سے ایسی چیز کی بیع چاہتا ہے، جو میرے پاس نہیں ہے تو کیا میں اس کے لئے بازار سے خرید کرلوں؟ جواب دیا: ''ایسی چیز مت فروخت کرو، جو تمہارے پاس نہ ہو'')۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ایسے پھلوں کی بیع کے نادرست ہونے پر فقہاء نے اجماع کیا ہے، جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہوں، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے:

"أجمع الفقهاء علی عدم صحة بیع الثمارقبل ظهورها؛ لأنها معدومة، وبیع المعدوم غیر جائز للغرر" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۵/ ۱۳، لفظ: ثمار) (ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع کے عدم جواز پر فقہاء کا اجماع ہے؛ کیوں کہ یہ معدوم ہے اور معدوم کی بیع دھوکہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

جہاں تک دوسری صورت (پھل ظاہر ہونے کے بعد بیع کی جائے) کا تعلق ہے تو اس کی دوصورتیں ہیں:

(الف) درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع کی جائے۔
(ب) درخت کے ساتھ پھلوں کی بیع کی جائے۔

پھر پہلی صورت کی تین شکلیں ہیں:

(الف) پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ بیع کی جائے۔
(ب) پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے اور نہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو۔
(ج) یہ بیع بغیر کسی شرط (نہ درختوں پر باقی رکھنے اور نہ کاٹ لینے) کے مطلق ہو۔

جہاں تک پہلی صورت (درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع) کی پہلی شکل (پھلوں کو کاٹ لینے کی شرط کے ساتھ بیع) کا تعلق ہے تو یہ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک حضرت انسؓ کی حدیث کی وجہ سے درست ہے، جس میں انھوں نے فرمایا:

"أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع ثمر التمر؛ حتى يزهو، فقلنا لأنس: مازهوها؟ قال: تحمر وتصفر، أرأيت إن منع الله الثمرة، بم تستحل مال أخيك؟ "(صحیح البخاری، باب بیع المخاضرة، حدیث نمبر: ۲۲۰۸) (رسول اللہ ﷺ نے زہو سے پہلے کھجور کے پھل کی بیع سے منع فرمایا ہے، (حضرت انسؓ کے شاگردان کہتے ہیں کہ) ہم نے (حضرت) انسؓ سے پوچھا: زہو کیا ہے؟ جواب دیا: اس کا لال یا زرد ہونا، (مزید فرمایا): تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ تعالیٰ پھل روک لے تو تم کس بنیاد پر اپنے بھائی کا مال حلال کروگے؟)

حضرت انسؓ کے قول (بم تستحل مال أخيك؟) کا مطلب یہ ہے کہ اگر پھل ضائع ہوجائیں تو خریدنے والے کے دئے ہوئے مال کے بدلہ میں کچھ بھی نہیں بچے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ صورت اس وقت پائی جائے گی جب کاٹنے کی شرط نہ لگائے (شرح الزرقانی، باب النہی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا: ۳/۳۳۶، حاشیۃ السندی علی النسائی: ۷/۲۶۴)؛ لیکن اگر کاٹنے کی شرط لگادے تو پھر یہ شکل نہیں پائی جائے گی، اسی لئے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی صورت میں بیع درست ہوگی، مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"الأولى: أن يشترط البائع على المشتري أن يقطعها فوراً، ولايتركها على الأشجار، وهذه الصورة جائزة بإجماع الأئمة الأربعة وجمهور فقهاء الأمصار"(پہلی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے پر یہ شرط لگائے کہ وہ پھل فوراً توڑلے گا، درخت پر نہیں چھوڑے گا تو یہ بہ اجماع ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے امصار جائز ہے)۔

رہی بات پہلی صورت (درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع) کی دوسری شکل (پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے اور نہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع) کی تو یہ تمام کے نزدیک درست نہیں؛ کیوں کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمرحتى يبدوصلاحها، نهى البائع والمبتاع"(صحیح مسلم، باب النہی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحہا، حدیث نمبر: ۳۷۴۵) (رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع کو منع فرمایا ہے، خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو منع کیا ہے)۔

اسی حدیث کی بنیاد پر جمہور فقہاء کے نزدیک یہ دوسری شکل ممنوع ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"والصورة الثانية: أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى حين الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالإجماع"(تکملۃ فتح الملہم، باب النہی عن بیع التمر حتی یبدو صلاحہا: ۱/۳۸۶، نیز دیکھئے: فقہ حنفی: فتح القدیر، کتاب البیوع ۶/۲۶۸، فقہ شافعی: المجموع ۱۱/۱۱۸، ط: مکتبۃ الإرشاد جدہ، فقہ مالکی: الذخیرۃ للقرافی، اللفظ العاشر، الثمار فی رؤس النخل ۵/۱۸۳، فقہ حنبلی: الکافی لابن

قدامۃ، باب بیع الثمار ۳/۱۱۰) (اور دوسری صورت یہ ہے کہ خریدنے والا پھل کے تیار ہونے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط لگائے تو یہ صورت بالاجماع باطل ہے)۔

اب مسئلہ پہلی صورت (درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع) کی تیسری شکل (بغیر کسی شرط (نہ درختوں پر باقی رکھنے اور نہ کاٹ لینے) کے مطلق کا ہے تو اس سلسلہ میں فقہاء کی دو رائیں ہیں:

۱- یہ بیع نادرست ہے ---- اس کے قائلین میں حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری اور امام ابواللیث رحمہم اللہ ہیں ---- یہ حضرات ایک تو بدو صلاح سے قبل پھل کی بیع کی ممانعت والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، دوسرے یہ کہتے ہیں کہ مطلق ابقاء کا تقاضا کرتا ہے، اور جب بشرط الابقاء بیع درست نہیں تو یہ بھی درست نہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"(القسم الثالث) أن يبيعها مطلقاً لابشرط القطع ولابشرط التبقية، فمذهبنا أن البيع باطل للأحاديث، وبه قال مالك وأحمد واسحاق وداؤد... وعندنا: الإطلاق يقتضى التبقية" (المجموع: ۱۱/۱۲۰، بدایۃ المجتہد، الباب الثالث: وہی البیوع المنہی عنہا من قبل الغبن الذی سببہ الغرر: ۲/۱۴۹، المغنی لابن قدامۃ، مسئلہ نمبر: ۷۲۲، وإذا اشترى الثمرة دون الأصل، ولم يبدصلاحها على الترک...: ۶/۱۴۹) ((تیسری قسم) یہ ہے کہ اس کی بیع مطلق کرے، نہ کاٹنے کی شرط لگائے اور نہ ہی باقی رکھنے کی، تو احادیث کی وجہ سے ہمارا مذہب یہ ہے کہ بیع باطل ہے، اسی کے قائل امام مالک، امام اسحاق اور امام داؤد ہیں... (کیوں کہ) ہمارے نزدیک مطلق لفظ ابقاء کا تقاضا کرتا ہے)۔

۲- یہ بیع درست ہے ---- اس کے قائلین میں حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام بخاری اور حضرت امام زہری رحمہم اللہ ہیں ---- یہ حضرات کہتے ہیں کہ مطلق کی صورت بشرط القطع کی صورت میں داخل ہے؛ کیوں کہ جب لفظ مطلق ہے تو اگر بائع کاٹنے کا حکم دے تو مشتری پر کاٹنا لازم ہے، تو یہ بشرط القطع میں داخل ہو گیا؛ لیکن اگر بائع کاٹنے کا حکم نہ دے تو مشتری پر کاٹنا ضروری نہیں کہ قطع تقاضائے بیع نہیں ہے، پس اس کی مثال ایسی ہوئی کہ بائع نے پہلے تو بشرط القطع بیچا، پھر سستی برتی اور کاٹنے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا نتیجہ کے اعتبار سے پہلی اور تیسری صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

ترجمہ: تیسری صورت یہ ہے کہ بیع مطلق ہو، نہ کاٹنے کی شرط لگائی گئی ہو اور نا ہی چھوڑنے کی تو یہ صورت ائمہ کے درمیان اختلاف کا محل ہے... امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: اس صورت میں بیع پہلی صورت کی طرح جائز ہے اور بائع کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ فی الفور پھل کاٹنے پر خریدار کو مجبور کرے، اسی مذہب کی طرف امام بخاریؒ کا جھکاؤ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے اور امام بخاریؒ کے بقول امام زہریؒ کا بھی یہی مسلک ہے... ہماری دلیل یہ ہے کہ مطلق کی

صورت اور وہ تیسری صورت ہے، حقیقتاً پہلی صورت میں داخل ہے؛ کیوں کہ یہ صرف لفظ میں اطلاق ہے: چنانچہ اگر بیچنے والا خریدار کو حکم دے تو اس پر فی الحال کاٹنا واجب ہے، پس یہ گویا ایسا ہی ہوا جیسے قطع کی شرط لگائی ہو، اور جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے، جس میں بیچنے والے نے خریدار کو کاٹنے کا حکم نہ دیا ہو تو خریدار پر پھلوں کا کاٹنا واجب نہیں؛ کیوں کہ قطع تقاضائے عقد میں سے نہیں ہے؛ بل کہ اس لئے ہے کہ بیچنے والے نے اپنے حکم کے (نفاذ) میں سستی برتی، پس یہ ایسا ہی ہوگیا، جیسا کہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیچا ہو، پھر اس نے سستی برتی اور کاٹنے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا نتیجہ کے اعتبار سے پہلی اور تیسری شکل میں کوئی فرق نہیں ہے (تکملۃ فتح الملہم:۱/۳۸۶-۳۸۷، نیز دیکھئے: تحفۃ الفقہاء، بیع الثمار علی الأشجار...:۲/۵۵-۵۶)۔

اب جہاں تک تعلق ہے دوسری صورت (پھلوں کو درخت کے ساتھ بیچنے) کا تو اس سلسلہ میں تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بیع درست ہے؛ کیوں کہ قاعدہ ہے: "**یغتفر فی التوابع مالایغتفر فی غیرھا**" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم، ص:۱۰۳)، علی بن عباس حکمی لکھتے ہیں:

"**فأما إن کان البیع للثمرة مع أصلها، فلاخلاف فی جوازه لدخول الثمرة تبعاً لأصلها، فلایضر احتمال الغرر**" (البیوع المنہی عنہا نصافی الشریعۃ الإسلامیۃ...، ص:۱۴۶)۔

جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے، جس میں پھل کی بیع درخت کے ساتھ ہو تو پھل کے درخت کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لہٰذا دھوکہ کا احتمال نقصان دہ نہیں ہے۔

۳- فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ "بدوصلاح"، "ظہور" سے آگے کی صفت ہے؛ البتہ اس سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں ان کے مابین مختلف رائیں پائی جاتی ہیں، ان رایوں کو نقل کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں احادیث وآثار میں منقول الفاظ ذکر کئے جائیں:

۱- "**عن ابن عباس... حتی تطعم**" (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۵۳۶)۔

۲- "**عن ابن عمر... حتی تذھب العاھة، وسئل عنه فقال: طلوع الثریا**" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۵۰۱۲)۔

۳- "**عن جابربن عبدالله ... حتی تشقه**" (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۵۳۶)۔

۴- "**عن جابربن عبدالله... حتی یطیب**" (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۲۰۷۷)۔

۵- "**عن ابن عباس... حتی یأکل منه أویؤکل**" (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۵۳۷، صحیح البخاری، حدیث نمبر:۲۱۳۲)۔

۶- "**عن أنس بن مالک... حتی تزھی**" (المؤطا للإمام مالک، حدیث نمبر:۱۸۱۴، صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۴۸۸)۔

۷- "**عن ابن عباس... حتی یبدو صلاحھا وتبیّنُ، تبیضّ أو تحمرّ**" (دارقطنی، حدیث نمبر:۲۸۷۲)۔

یہ الفاظ تو مختلف ہیں؛ لیکن مفہوم کے اعتبار سے ایک ہی معنی کو ادا کرنے والے ہیں، حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں:

"ألفاظ مختلفة وردت فی الأحادیث الثابتة معانیها کلها متفقة" (التمہید لما فی المؤطا من المعانی والأسانید: ۲/ ۱۹۰)۔

(ثابت شدہ احادیث میں وارد الفاظ مختلف ہیں؛ لیکن معانی میں سب متفق ہیں)۔

اس سلسلہ میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

۱- فقہائے احناف سے اس کی دو مرادیں منقول ہیں:

۱- پھل آفت (سماوی) اور خراب ہونے سے مامون ہوجائے۔

۲- پھل قابل انتفاع ہوجائے ----- عبدالرحمٰن بن محمد شیخی زادہؒ فرماتے ہیں:

"وعندنا علی ما فی المبسوط: هوأن یأمن العاهة والفساد، وعلی ما فی الخلاصة عن التجرید: أن یکون منتفعاً به" (مجمع الأنہر: ۳/ ۲۶، نیز دیکھئے: ردالمحتار، مطلب: فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصوداً: ۷/ ۸۵، التجرید: ۵/ ۲۳۹۳، مسئلہ نمبر: ۵۹۳) ("مبسوط" کے مطابق ہمارے نزدیک (بدوصلاح) یہ ہے کہ پھل آفت (سماوی) اور خراب ہونے سے مامون ہوجائے، جب کہ "خلاصہ" بحوالہ "تجرید" کے مطابق پھل قابل انتفاع ہوجائے)۔

اور قابل انتفاع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یا جانور کے کھانے کے لائق ہوجائے، شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحدادیمنیؒ فرماتے ہیں:

"وبدوالصلاح: صیرورته صالحاً لتناول بنی آدم، أولعلف الدواب" (الجوہرۃ النیرۃ: ۱/ ۲۳۱)۔

(اور بدوصلاح: جانوروں کے لئے چارہ یا انسانوں کے لئے کھانے کے لائق ہوجانا ہے)۔

۲- مالکیہ نے پھلوں کے اعتبار سے اس کی تفسیر کی ہے؛ چنانچہ "کھجور" میں "صلاح" اس کا "سرخ یا زرد ہونا" ہے۔ "انگور" میں "مٹھاس کا پیدا ہونا اور کالا ہونا" ہے، ان کے علاوہ دوسرے پھلوں میں "مٹھاس کا پیدا ہونا" ہے۔ "خس" اور "زعفران" میں "صلاح" یہ ہے کہ وہ "قابل انتفاع" ہوجائیں۔ "سبزیوں" میں "صلاح" ان کے "کھانے کے لائق" ہونا ہے، جب کہ "بیج" اور "دانہ" میں ان کا "پختہ اور سوکھ جانا" ہے۔ شیخ محمد عرفہ دسوقیؒ فرماتے ہیں:

"(وهو) أی بدوالصلاح (الزهو) فی البلح باحمراره أواصفراره وما فی حکمهما کالبلح الخضراوی (وظهورالحلاوة) فی غیره من الثمار کالعنب (والتهیؤ للنضج) بأن یمیل إن انقطع إلی صلاح کالموز... (و) هو (فی ذی النور)... کالورد والیاسمین (بانفتاحه)...... (و) فی (البقول بإطعامها)

بأن ينتفع بها في الحال ...وأما القرطم والبرسيم فبدوصلاحه أن يُرعى دون فساد"(حاشیۃ الدسوقی مع الشرح الکبیر: ۳/۱۷۸، حاشیۃ العدوی، بیع الثمر قبل بدوصلاحہ: ۲/۱۶۷)، "**صلاح العنب دوران الحلاوة فيه مع اسوِدادِ أسوَدِهِ**" (منح الجلیل لمحمد بن أحمد بن محمد علیش: ۵/۲۹۴)، "**وصلاح الزرع أن يبيض عند مالك**" (الذخیرۃ: ۵/۱۹۵)۔

البتہ احمد بن غنیم نفراوی ازہریؒ نے اس سلسلہ میں ایک ضابطہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"**الضابط الشامل لكل ماسبق: أن يبلغ المعقود عليه الحالة التي ينتفع به على الوجه الكامل**" (الفواکہ الدوانی: ۲/۱۵۱) (گزری باتوں کا ایک عام ضابطہ یہ ہے کہ معقود علیہ اس حالت کو پہنچ جائے جس میں کامل طریقہ سے فائدہ اٹھایا جاسکے)۔

یہی بات علامہ علیش مالکیؒ نے بھی لکھی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"**وحاصله في سائر الثمار إمكان الانتفاع به**" (منح الجلیل: ۲/۳۱۷) (اور اس کا حاصل تمام پھلوں میں امکان انتفاع ہے)۔

۳-شوافع کے نزدیک "بدوصلاح" سے مراد پھل کا ایسی حالت کو پہنچ جانا ہے، جس میں عموماً اسے کھانے کے لئے طلب کیا جاتا ہے، علامہ زکریا انصاریؒ لکھتے ہیں:

"**بدو الصلاح: بلوغ الشئ حالة يطلب فيها للأكل غالباً**" (الغرر البہیۃ: ۳/۳۶، نیز دیکھئے: الإقناع فی حل ألفاظ أبی شجاع: ۱/۳۵۱، حاشیۃ الجمل: ۳/۲۰۴) (بدوصلاح سے مراد شئی کا اس حال میں پہنچ جانا ہے، جس میں پھل کو عموماً کھانے کے لئے طلب کیا جاتا ہے)۔

جب کہ بعض نے "بدوصلاح" سے مراد "صلاحیت ادخار" لی ہے؛ چنانچہ خطیب شربینیؒ لکھتے ہیں: "**والعزيزي ضبطه بالصلاحية للادخار**" (حاشیۃ الشربینی علی الغرر البہیۃ: ۲/۱۵۱) (اور عزیزی نے اس کو صلاحیت ادخار سے ضبط کیا ہے)۔

جس کی علامتیں مختلف پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہے؛ چنانچہ رنگ پکڑنے والے پھلوں میں "مٹھاس کا پیدا ہونا اور پکنے کے آثار کا ظاہر ہونا" ہے، جب کہ رنگ نہ پکڑنے والے پھلوں میں "سرخ، زرد یا کالا ہونا" ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں: "**وبدو صلاح الثمر: ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لايتلون، وفي غيره: بأن يأخذ في الحمرة أوالسواد**" (منہاج الطالبین، باب الأصول والثمار، ص: ۲۳۲) (بدوصلاح سے مراد رنگ نہ بدلنے والے پھلوں میں مٹھاس کا پیدا ہونا اور پکنے کے آثار کا ظہور ہے، اس کے علاوہ میں سرخ یا کالا ہونا ہے)۔

امام ماوردیؒ نے "بدوصلاح" کی آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں:

۱- رنگ: ہر ایسے کھائے جانے والے پھل میں، جو رنگ پکڑتا ہو، جب اس میں سرخی، زردی یا سیاہی رنگ آجائے تو ''بدوصلاح'' کی صفت آجائے گی، جیسے: بلح، عناب، کشمش، اجاص۔

۲- مزہ: مٹھاس یا کھٹاس کا پیدا ہونا، جیسے: گنا میں مٹھاس اور انار میں کھٹاس کا پایا جانا۔

۳- پختگی اور نرمی: جیسے: زیتون اور تربوز۔

۴- سختی: جیسے: گیہوں اور جو۔

۵- لمبائی اور بھراوٹ: جیسے: چارہ اور سبزیاں۔

۶- بڑا ہونا: جیسے: ککڑی۔

۷- پھٹنا: جیسے: روئی اور آخروٹ۔

۸- کھلنا: جیسے: گلاب اور دوسرے پھول (دیکھئے: الحاوی الکبیر ۵/۱۹۶)۔

البتہ ان مرادوں اور علامتوں کا مطلوب ''آفت سے مامون رہنا'' ہی ہے، امام نوویؒ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''...أن المطلوب ببدو الصلاح أمنها من العاهة'' (المجموع: ۱۱/۳۶۱) (بدوصلاح کا مقصد آفت سے مامون رہنا ہے)۔

اور یہی بات امام ماوردیؒ نے بھی لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''وجملة القول فی بدوالصلاح أن تنتهی الثمرة، أوبعضها إلی أدنی أحوال كمالها فتنجو من العاهة'' (الحاوی الکبیر: ۵/۱۹۶) (بدوصلاح کے سلسلہ میں خلاصہ یہ ہے کہ پھل پختہ ہوجائے یا اس ادنی کمال کو پہنچ جائے، جس کے نتیجہ میں آفت سے محفوظ رہے)۔

۴- حنابلہ کے نزدیک رنگ پکڑنے والوں میں ''صلاح'' ''رنگ کا بدلنا'' ہے، جیسے: کھجور، کشمش، جب کہ رنگ نہ پکڑنے والے مختلف پھلوں میں مختلف امور، جیسے: سیب میں مٹھاس اور مزیدار ہونا، تربوز میں پکنا، اور جو رنگ نہیں پکڑتے ہیں اور چھوٹے بڑے ہر ایک کھائے جاتے ہوں، جیسے: ککڑی، تو ان میں ''صلاح'' اس عمر کو پہنچ جانا ہے جس میں عادتاً یہ کھائے جاتے ہوں، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: ''وجملة ذلک: أن ماكان من الثمرة يتغير لونه عند صلاحه كثمرة النخل، والعنب الأسود، والإجاص، فبدو صلاحه بذلک، وإن كان من العنب أبيض، فصلاحه بتموهه، وهوأن يبدوا فيه الماء الحلو، ويلين، ويصفر لونه، وإن كان مما لايتلون كالتفاح ونحوه، فبأن يحلو، أويطيب، وإن كان بطيخاً، أونحوه، فبأن يبدو فيه النضج، وإن كان مما لايتغير لونه، ويؤكل طيباً، صغاراً وكباراً كالقثاء والخيار، فصلاحه بلوغه أن يؤكل عادة'' (المغنی: ۶/۱۵۸-۱۵۹)۔

البتہ محمد بن عبداللہ زرکشی حنبلیؒ نے شیخ مجدالدین ابوالبرکات کے حوالہ سے ایک ضابطہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''جعل أبوالبركات الضابط فی جميع الثمار: أن يطيب أكلها، ويظهر فيها النضج'' (ابوالبرکات نے

تمام پھلوں میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ اس کا کھانا اچھا ہوجائے اور اس میں پکنے کے آثار ظاہر ہوجائیں)۔

پھر فرمایا:"**والضابط الذی ذکرہ أبوالبرکات أجود**" (شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی، باب بیع الأصول والثمار: ۴۵/۲)(ابوالبرکات نے جس ضابطہ کو بیان کیا ہے، وہ بہتر ضابطہ ہے)۔

خلاصہ:

مذکورہ تمام دبستان فقہ کی عبارتوں سے جو بات معلوم ہورہی ہے، وہ یہ ہے کہ ''بدوصلاح سے مراد پھل اس حالت میں ہوجائے، جس میں عمومی آفتوں سے محفوظ ہوکر وہ قابل انتفاع ہوسکے''، جس کی تشریح احادیث کی زبان میں ''حتی تطعم''،''حتی تذہب العاہۃ''،''حتی تشقہ''،''حتی یطیب''،''حتی یأ کل منہ أو یؤکل''،''حتی تزہی''،''حتی یبدو صلاحہا وتبین تبیض أو تحمر''وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے آئی ہے۔

۴- اس سوال کے اندر تین شقیں ہیں، جن کے جوابات بالترتیب حسب ذیل ہیں:

(الف): جواب نمبر (۲) میں یہ بات گزر چکی ہے کہ پھل آنے سے پہلے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا درست نہیں، خواہ یہ معاملہ اسی سال کے لئے ہو یا آئندہ سال کے لئے؛ کیوں کہ یہ بیع معدوم ہے اور معدوم کی بیع کی ممانعت صراحتاً حدیث میں مذکور ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:"**لاتبع مالیس عندک**"(سنن أبی داود، باب فی الرجل یبیع لالیس عندہ، حدیث نمبر:۳۵۰۳)۔

اسی کی روشنی میں فقہائے امت نے بھی اس طرح کی بیع کو نادرست قرار دیا ہے، علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: "**لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظہر**"(فتح القدیر:۲۶۴/۶)(ظہور سے پہلے پھلوں کی بیع کے نادرست ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ رقم طراز ہیں:"**اتفق الفقہاء علی بطلان بیع الثمار والزروع قبل أن تخلق**"(الفقہ الإسلامی وأدلتہ، بیع الثمار أو الخضار أو الزروع:۱۷۵/۴)(پیدائش سے پہلے پھلوں اور کھیتیوں کی بیع کے باطل ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے)۔

البتہ اس کے جواز کا ایک متبادل طریقہ یہ ہے کہ ''پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے؛ بل کہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً: ایک سال یا دو سال کے لئے زمین سمیت باغ کرایہ پر دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ بوکر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا''(فتاوی قاسمیہ:۳۳۰/۱۹)، علی بن ابوبکر مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"ومن استأجر أرضاً علی أن یکربها ویزرعها أویسقیها ویزرعها فهوجائز" (الہدایہ ۲/۲۷۲)
(جس نے زمین اس شرط کے ساتھ اجرت پر لی کہ وہ ہل سے اس کی جوتائی کرے گا اور کھیتی کرے گا یا اس کی سینچائی کرے گا اور کھیتی کرے گا تو یہ درست ہے)۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس میں مشتری پر اضافی بوجھ لادنا ہوا، ایسی صورت میں خریدار مشقت میں پڑ جائے گا؛ اس لئے بہتر شکل یہ ہے کہ پھلوں کی بیع کو بیع سلم کے ساتھ ملحق کردیا جائے، علامہ شامیؒ نے اس سلسلہ میں بہت واضح بات کی ہے اور اپنے یہاں دمشق کی مثال بھی پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں ضرورت کا تحقق پوشیدہ نہیں ہے، بالخصوص شام کے دمشق جیسے کثیر درختوں اور پھلوں والے علاقہ میں؛ کیوں کہ جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ کسی ایک طریقہ کے ذریعہ لوگوں پر خلاصی لازم کرنا ممکن نہیں ہے؛ البتہ بعض افراد کی نسبت سے اس کا امکان ہے؛ لیکن عام لوگوں کی نسبت سے ممکن نہیں اور لوگوں کو ان کی عادتوں سے اتارنے میں حرج ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، (جس کے نتیجہ میں) ان شہروں میں پھل کھانے کی حرمت لازم آتی ہے کہ پھلوں کی بیع اسی طریقہ پر ہوتی ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے بیع معدوم ہونے کے باوجود سلم کی بیع کو ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، پس ضرورت کے ثبوت کی وجہ سے بطریق دلالت یہاں بھی اس کو سلم سے ملحق کرنا ممکن ہے، اس طرح نص سے متصادم بھی نہیں ہوگا، اسی لئے فقہاء نے اسے استحسان قرار دیا؛ کیوں کہ قیاس عدم جواز کا تقاضہ کرتا ہے، فتح القدیر کے ظاہری کلام سے بھی جواز کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے، اسی لئے امام محمدؒ کی ایک روایت بھی اس کے لئے لائے ہیں؛ بل کہ یہ بات گزرچکی کہ امام حلوائیؒ نے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے، اور جب معاملہ تنگ ہوجاتا ہے تو گنجائش نکل آتی ہے، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ظاہر روایت سے عدول کرنے کی یہاں گنجائش ہے (ردالمحتار ۷/۸۶)۔

علامہ شامیؒ نے بعض پھلوں کے ظہور کے بعد بیع کو ضرورت کی بنیاد پر سلم کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے، ہمارے زمانہ میں پھلوں کے ظہور سے قبل ہی بیع کا عام رواج ہے، ظاہر ہے کہ یہاں بھی اس ضرورت کا تحقق ہورہا ہے، جس کی وجہ سے علامہ شامیؒ نے بیع سلم کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے، نیز مسلمہ قاعدہ ہے: "الضرورات تبیح المحظورات" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم، ص: ۸۵، التحبیر شرح التحریر، ص: ۷/۳۸۴۷)، اور یہاں ضرورت شدیدہ ہے، نیز قاعدہ ہے: "الحرج مدفوع" (اصول السرخسی: ۲/۲۰۳)، اور "المشقة تجلب التیسیر" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم، ص: ۷۵)، جو سلم کے ساتھ ملحق کئے جانے کو درست قرار دے رہا ہے، ورنہ پھلوں کا کھانا حرام ہوجائے گا کہ بیع کا عام طریقہ آج کل یہی ہے، اسی لئے مفتی رشید احمدؒ نے بھی اسی کو بنیاد بنا کر جائز قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورتِ شدیدہ وابتلاء عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل (احسن الفتاوی:۶/۴۸۷)۔

ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح؛ بل کہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے؛ بل کہ بعض مواقع میں عمل بمذہب الغیر واجب ہوجاتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتوی تحریر فرمایا ہے (احسن الفتاوی:۶/۴۸۷-۴۸۸)۔

۴-(ب): اگر باغ کے کچھ درختوں میں پھل آئے اور کچھ میں نہیں تو ایسی صورت میں اس کے خرید وفروخت کے سلسلہ میں اختلاف ہے؛ چنانچہ:

۱- ائمۂ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمدؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسی صورت میں بیع جائز ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں: "**قال الشافعي والأصحاب: إذا بداالصلاح فی بعض الثمرة، جاز بيع جميعها، وذلک أن الله تعالیٰ أجری العادة بأن الثمار لاتطيب دفعة واحدة رفقاً بالعباد، فإنها لوطابت دفعة واحدة، لم يكمل تفكههم بها، وإنما تطيب شيئاً فشيئاً**" (المجموع، باب بیع الأصول والثمار:۱۱/۱۵۸، فقہ مالکی: رسالۃ القیروانی، باب فی البیوع وماشاکل البیع، ص:۱۲۰، الفواکہ الدوانی:۲/۱۵۰، فقہ حنبلی: زادالمستقنع، باب بیع الأصول والثمار:۴/۵۵۷) (امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ جب بعض پھل میں بدوصلاح ہوجائے تو تمام کی بیع درست ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھلوں میں عادت رکھی ہے کہ وہ یکبارگی نہیں پکتے، یہ بندوں پر نرمی کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ اگر یکبارگی پک جائیں تو اس سے تفکہ کا حصول نہیں ہوسکے گا، بس وہ یکے بعد دیگرے پکتے ہیں)۔

احناف میں سے شمس الائمہ امام حلوانیؒ اور ابوبکر محمد بن فضل اس بات کے قائل ہیں کہ اگر اکثر ظاہر ہوجائے تو بیع درست ہے، علامہ داماد آفندیؒ لکھتے ہیں: "**وقیل: یجوز إذاکان الخارج أکثر ویجعل المعدوم تبعاً للموجود استحساناً لتعامل الناس و للضرورة، وکان شمس الأئمة الحلوانی وأبوبکرمحمدبن الفضل البخاری یفتیان به**" (مجمع الأنہر، فصل فیمایدخل فی البیع تبعابغیرتسمیۃ:۲/۱۹، نیز دیکھئے: الدرالمختارمع الرد:۷/۸۵) (اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے، جب کہ ظاہر ہونے والا اکثر ہو، ایسی صورت میں استحساناً لتعامل الناس وللضرورۃ معدوم کو موجود کے تابع بنایا جائے گا، شمس الائمہ حلوانی اور ابوبکر محمد بن الفضل بخاری یہی فتوی دیا کرتے تھے)۔

۲- ظاہر مذہب کے مطابق احناف ایسی صورت میں خرید وفروخت کے عدم جواز کے قائل ہیں، شامیؒ لکھتے ہیں:
"(ولوبرز بعضها دون بعض لا) يصح (فی ظاهرالمذهب) وصححه السرخسی"(الدرالمختارمع الرد: ۷/۸۵)
(اگر بعض پھل ظاہر ہوجائیں اور بعض نہیں، تو ظاہر مذہب میں اس کی بیع درست نہیں، امام سرخسی نے اسی کی تصحیح کی ہے)۔

راقم کی رائے:

راقم حروف کے نزدیک ان لوگوں کی رائے قابل ترجیح ہے، جوجواز کے قائل ہیں، بالخصوص جب کہ پھل کا اکثر ظاہر ہو چکا ہو، جس کی تین وجہیں ہیں:

۱- اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے، لہٰذا وہ قابل ترجیح ہے، امام مرغینانیؒ فرماتے ہیں:" **لأن للأکثر حکم الکل فی أصول الشرع، فیترجح بالکثرة**"(الہدایۃ علی ہامش البنایۃ: ۱۲/۲۶۴)۔

۲- تعامل ناس کی وجہ سے کہ یہ بھی ترجیح کے اصول میں سے ہے، اس کے لئے قیاس کو بھی ترک کیا جاسکتا ہے، خاص کر بیع میں، ملاخسروؒ لکھتے ہیں:"**وبالتعامل یترک القیاس فی البیع**" (دررالحکام: ۲/۲۹۷)، نیز یہ لوگوں کی عام عادت میں سے ہے، جس سے ان کو دور کرنا باعث تکلیف ہے، شیخ ابوبکر محمد بن الفضل کہتے ہیں:" **أجعل الموجود أصلاً فی العقد، ومایحدث بعد ذلک تبعا، واستحسن فیه لتعامل الناس؛ فإنهم تعاملوا ببیع ثمار الکرم بهذه الصفة، ولهم فی ذلک عادة ظاهرة، وفی نزع الناس عن عادتهم حرج بین، وقال: وقد رأیت فی هذا عن محمد، وهوفی بیع الوردعلی الأشجار، فإن الوردمتلا حق، ثم جوز البیع فی الکل مطلقا بهذاالطریق**"(المبسوط للسرخسی: ۱۲/۱۹۷)۔

۳- ضرورت کی وجہ سے کہ اس کے ذریعہ سے ضرر دور ہوتا ہے، عبدالرحمٰن بن صالح السدیس فرماتے ہیں:
"**الضرورة: هی التی تندفع بها الضرر**" (الفروق فی الشرح الممتع ص: ۲۴)، یہاں بھی اگر اجازت نہ دی جائے تو لوگ ضرر میں مبتلا ہوجائیں گے، جب کہ اصول ہے:"الضرر یزال"(الأشباہ والنظائر للسبکی: ۱/۴۱)۔

۴ -(ج): ایسی صورت میں تمام ائمہ کے نزدیک بیع درست نہیں ہے، امام قدوریؒ فرماتے ہیں:"**إذا باع ثمرة لاینتفع بها، فالبیع لایجوز عندنا؛ لانها لاتتقوم**"(التجرید: ۵/۲۳۹۸، مسئلہ نمبر: ۱۱۴۷۶)(جب ناقابل انتفاع پھل کی بیع کرے تو ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ متقوم نہیں ہے)۔

تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ احناف کے نزدیک فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری نہیں؛ بل کہ اگر مستقبل میں بھی قابل انتفاع ہے تو اس کی بیع درست ہوسکتی ہے، علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:"**وعندنا: إن کان بحال لاینتفع به فی**

الاكل، ولافى علف الدواب، فيه خلاف بين المشائخ، قيل: لايجوز، ونسبه قاضى خان لعامة مشايخنا، والصحيح أن يجوز؛ لأنه مال منتفع به فى ثانى الحال إن لم يكن منتفعاً به فى الحال"(حاشیہ ابن عابدین:۸۵/۷)(اور ہمارے نزدیک اگر اس حال میں ہو کہ کھانے اور جانوروں کے چارہ کے لئے بھی مفید نہ ہو تو ہمارے مشائخ کے درمیان اس میں اختلاف ہے، کہا گیا: جائز نہیں، اور قاضی خاں نے اس کی نسبت عام مشائخ کی طرف کی ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ مستقبل میں قابل انتفاع ہے، گرچہ فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں:"...**فلايجوز فيما لاينتفع به، شرط القطع أم لا**" (السراج الوہاج، باب بیع الأصول والثمار،ص:۱۹۷)(... پس غیر منتفع میں بیع درست نہیں، خواہ کاٹنے کی شرط لگائے یا نہ لگائے)۔

محمد عرفہ دسوقیؒ رقم طراز ہیں:"...**فيجوز بشروط ثلاثة(إن نفع)أى بلغ حد الانتفاع به كالحصرم؛ وإلا فهو إضاعة مال كالكمثرى قبل ظهورالحلاوة فيها، فإنها غيرمنتفع بها**" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۲۷۰/۳)(... پس تین شرطوں کے ساتھ یہ جائز ہے، (نمبر ایک) نافع ہو، یعنی اس حد تک پہنچ جائے کہ اس سے انتفاع کیا جاسکے، جیسے: حصرم، ورنہ اضاعت مال ہے، جیسے: ناشپاتی کی بیع مٹھاس ظاہر ہونے سے پہلے کہ یہ غیر منتفع ہے)۔

امام مالکؒ کے نزدیک بیع کے درست ہونے کے لئے ایک بنیادی شرط چیز کا'' قابل انتفاع'' ہونا ہے؛ چنانچہ امام محمد بن محمد حطابؒ لکھتے ہیں:"**يشترط فى المعقود عليه أن يكون منتفعاً به، فيجوز بيع المنتفع به، لا ما لامنفعة فيه، فلايجوز العقد به، ولا عليه**" (مواہب الجلیل:۶/ ۶۴)(معقود علیہ میں شرط یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہو؛ چنانچہ اس کی بیع درست ہے، غیر منتفع کی بیع درست نہیں، نہ تو اس کے ذریعہ سے عقد کیا جاسکتا ہے اور نا ہی اس پر عقد کیا جاسکتا ہے)۔

۵- الف: اس سوال کے بھی تین اجزاء ہیں، جن کے جوابات بالترتیب یہ ہیں:

(الف) پھل وجود میں آچکے ہوں؛ لیکن تیار نہ ہوں اور فریقین کے مابین یہ طے ہوجائے کہ خریدار اسی حالت میں پھل توڑ لے گا تو بیع کی یہ صورت تمام مسالک میں درست ہے، ابن ہبیرہ شیبانیؒ لکھتے ہیں:"**واتفقوا على أنه إذا اشترى ثمرة لم يبدصلاحها بشرط قطعها، فإن البيع جائز**"(اختلاف الأئمۃ العلماء، باب بیع الاصول:۱/ ۳۷۶)(اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کاٹنے کی شرط کے ساتھ ایسا پھل خریدے، جس میں بدو صلاح نہیں ہوا ہو تو یہ بیع جائز ہے)۔

البتہ سفیان ثوری اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں، امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:"**ومنعه الثورى وابن أبى ليلىٰ تمسكاً بالنهى الوارد فى ذلک**"(الجامع لأحکام القرآن:۴۷۹/۹)(سفیان ثوری اور ابن ابی لیلی اس

سلسلہ میں وارد نہی کی وجہ سے اس سے روکتے ہیں)۔

بدوصلاح کے بعد بھی کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

"**وأما إن كان البيع بعد بدو الصلاح، فإن باع بشرط القطع جاز**"(الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۴۸۷/۴)
(اگر بدوصلاح کے بعد کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو یہ جائز ہے)۔

۵-(ب): اگر خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان یہ بات طے پائے کہ پھل تیار ہونے تک درخت پر ہی لگا رہے گا تو بیع کی اس صورت کے جائز ہونے اور نہ ہونے میں فقہائے کرام کی تین رائیں ملتی ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ، ان کے شاگرد امام ابویوسفؒ اور محمد بن صاحبؒ کے نزدیک بیع کی یہ صورت نادرست ہے، علامہ سغدیؒ لکھتے ہیں: "**فإن اشتراه على أن يتركه في الشجرة حتى يدرك فسد البيع في قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد بن صاحب**" (النتف فی الفتاوی للسغدی، بیع ما ینبت: ۳۸۴/۱) (اگر پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ خریداری کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور محمد بن صاحب رحمہم اللہ کے نزدیک بیع فاسد ہے)۔

۲- امام شافعیؒ کے یہاں بیع کی یہ صورت درست ہے، علامہ ماوردیؒ رقم طراز ہیں: "**القسم الثاني: أن يباع بشرط الترك إلى وقت الجداد، فيجوز بيعها ويلزم تركها**" (الحاوی الکبیر: ۱۹۳/۵) (دوسری قسم: تیار ہونے کے وقت تک چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچا جائے تو یہ بیع درست ہے اور اس کا چھوڑنا لازم ہے)۔

۳- امام مالکؒ، امام احمدؒ اور احناف میں سے امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام طحاویؒ کے نزدیک بدوصلاح سے پہلے باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع درست نہیں؛ لیکن بدوصلاح کے بعد درست ہے، عبدالوہاب ثعلبی مالکیؒ لکھتے ہیں:

"**بيع الثمار يقع على وجهين: أحدهما قبل بدو الصلاح فيها: ...بيعها بشرط التبقية، فباطل من غير خلاف...(و)بيعها بعد بدو الصلاح:...إن بيعت بشرط التبقية جاز**" (المعونۃ علی مذہب عالم المدینۃ، باب بیع الثمار: ۴۰۱/۲-۴۱) (پھلوں کی بیع دو طریقوں پر ہوتی ہے: ایک بدوصلاح سے پہلے... اس میں باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے بیع باطل ہے... (دوسرا طریقہ) بدوصلاح کے بعد... اگر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچا گیا تو یہ جائز ہے)۔

موفق الدین علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: "**لايجوز بيع الثمرة قبل بدوصلاحها بشرط التبقية إجماعاً...وإن كان بعد بدوصلاحه، جاز مطلقاً وبشرط القطع والتبقية**" (الشرح الکبیر: ۱۹۱/۴-۱۹۲) (بدوصلاح سے پہلے باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ پھل کی بیع بالاجماع درست نہیں... اور بدوصلاح کے بعد مطلق بھی درست، کاٹنے کی

شرط کے ساتھ بھی درست اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی درست ہے)۔

علامہ سغدی حنفیؒ لکھتے ہیں:" **وقول محمد بن الحسن إن كان صلاحها لم يبد فالبيع فاسد، وإن كان قد بدا فالبيع جائز والشرط جائز، وبه أخذ الطحاوي**"(النتف فی الفتاوی للسغدی، بیع مابینت:۱/ ۳۸۴)(امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اگر بدوصلاح نہ ہوا ہو تو بیع فاسد ہے اور بدوصلاح کے بعد بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز، امام طحاویؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے)۔

قول راجح:

راقم کے نزدیک ان مذکورہ اقوال میں وہ قول قرین صواب ہے، جس میں پھل کے پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ" شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء إلی المنازعۃ ہے اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعہ نہیں"(احسن الفتاوی:۶/ ۴۸۷)۔

۵-ج: اس کا جواب سوال نمبر(۲) کے جواب میں تفصیل کے گزر چکا ہے۔

۶- اس سلسلہ میں فقہاء دو رائیں ہیں:

۱- درخت کو کرایہ پر نہیں لیا جا سکتا ----- اس کے قائلین ائمہ اربعہ ہیں، علامہ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں:

"**وإن اشتراها مطلقاً عن الترک والقطع وترکها علی النخیل باستئجار النخیل إلی وقت الإدراک، طاب له الفضل لبطلان إجارة النخیل لعدم التعارف، فإن التعارف لم یجرفیما بین الناس باستئجار الأشجار، ولعدم الحاجة إلی ذلک؛ لأن الحاجة إلی الترک بالإجارة إنما تحقق إذا لم یکن مخلص سواها، وهاهنا یمکن للمشتری أن یشتری الثمار مع أصولها**" (العنایۃ شرح الہدایۃ: ۸/ ۴۲۸)

(اگر کاٹنے اور چھوڑنے کی شرط کے بغیر مطلقاً خریدا اور پکنے کے وقت تک درخت کو کرایہ پر لے کر درخت پر چھوڑ دیا تو درخت کے اجارہ کے باطل ہونے کی وجہ سے اس میں ہونے والی زیادتی اس کے لئے جائز ہے کہ درخت کا اجارہ لوگوں میں متعارف نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اجارہ کے ذریعہ درخت پر چھوڑنے کی ضرورت اس وقت ہوتی جب کہ اس سے چھٹکارہ کی کوئی سبیل نہیں ہوتی اور یہاں ممکن ہے کہ مشتری درخت کے ساتھ پھلوں کو خرید لے)۔

خلیل بن اسحاق جندی مالکیؒ رقم طراز ہیں:"**لایصح استئجار الأشجار لاستیفاء ثمارها؛ لأن ذلک مؤد إلی بیع ثمرة قبل بدوصلاحها**" (التوضیح فی شرح مختصر ابن الحاجب: ۷/ ۱۶۱)(پھلوں کو مکمل حاصل کرنے کے لئے درختوں کو اجرت پر لینا درست نہیں کہ یہ بدوصلاح سے پہلے پھل کی بیع تک پہنچانے والا ہے)۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں:"لایصح استئجار الأشجار لثمارها" (الوسیط: ۱۵۸/۴)(پھلوں کے لئے درخت کواجرت پرلینادرست نہیں ہے)۔

محمد بن صالح العثیمینؒ لکھتے ہیں:"المذهب: وهوقول أكثرالعلماء أن النخل لايستأجر" (الشرح الممتع علی زادالمستقنع:۸۴/۶)(مذہب جواکثرعلماء کاقول ہے، یہ ہے کہ درخت اجرت پرنہیں لیاجاتا)۔

۲- علامہ ابن تیمیہ اوران کے شاگردعلامہ ابن قیم جوزیؒ اس کے جواز کے قائل ہیں، علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

"قال شيخ الإسلام: وهذا لايحتاج إليه؛ بل الصواب جواز إجارة الشجركما فعل عمر ابن الخطاب ؓبحديقة أسيد بن حضير، فإنه آجرها سنين، وقضى بها دينه"(إغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان:۶/۲)(شیخ الاسلام کہتے ہیں: اس کی ضرورت نہیں؛ بلکہ درست بات یہ ہے کہ درخت کواجرت پرلیناجائز ہے، جیساکہ عمربن الخطابؓ نے اسیدبن حضیرؓ کے باغ کے ساتھ کیاکہ انھوں نے کئی سالوں کے لئے اجارہ کامعاملہ کیااوراس کے ذریعہ سے دین اداکیا)۔

شوافع میں سے علامہ سبکیؒ بھی جواز کے قائل ہیں، وہ لکھتے ہیں:"أما الإجارة فينبغي أن يجوز فيهاكما يستأجرالأرض ليزرعها تستأجر الشجرلثمرها، لاأجد فرقاً بينهما ولادليلا على بطلانهما" (فتاوی السبکی ۴۲۹/۱)(جہاں تک اجارہ کاتعلق ہے توجس طرح زمین کوکھیتی کے لئے اجرت پرلیناجائزہے، اسی طرح درخت کوپھل کے لئے اجرت پرلیناجائز ہوناچاہئے، میں دونوں میں نہ توکوئی فرق پاتاہوں اورناہی ان کے باطل ہونے پردلیل پاتاہوں)۔

احناف میں سےعلامہ بدرالدین عینیؒ نے بھی درخت کےاجارہ کے لئے اجارۂ ظئر کواصل ماناہے، وہ لکھتے ہیں:

"وإجارة الظئر ثابتة بنص القرآن الموافق للقياس الصحيح، فيجب أن يكون أصلاً يقاس عليها إجارة الشجرلثمرها، وإجارة البقرللبنها"(البنایۃ ۲۸۹/۱۰)(دایہ کااجارہ ایسے نص قرآنی سے ثابت ہے، جوقیاس صحیح کےموافق ہے، پس ضروری ہے کہ یہ ایسااصل بنے، جس پرپھل کے لئے درخت اوردودھ کے لئے بقرکےاجارہ کوقیاس کیاجائے)۔

محمد بن صالح العثیمینؒ نے حنبلی مسلک کے مطابق لوگوں کاعمل اسی پربتلایاہے، وہ لکھتے ہیں:" وهذا هوالذى عليه العمل الآن عند الناس أنه يصح استئجارالنخيل بأجرة معلومة لمدة معينة حسب مايتفقان عليه" (الشرح الممتع علی زادالمستقنع لمحمدبن صالح العثیمین:۸۴/۶)(یہ وہ ہے، جس پرابھی لوگوں کاعمل ہے کہ طے شدہ متعین اجرت کے ساتھ، متعین مدت تک کے لئے درخت کااجرت پرلینادرست ہے)۔

راقم کی رائے:

راقم حروف کے نزدیک یہ دوسری رائے درست معلوم ہورہی ہے،جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱- حضرت عمرؓ کا عمل؛ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:"أن أسيد بن حضير مات وعليه دين، فباع عمر ثمرة أرضه سنتين" (مصنف ابن أبي شيبة، اثر نمبر:۲۳۲۶۰)۔

۲- اجارہ "عقد على المنافع بعوض" کو کہتے ہیں، درخت کے اجارہ میں بھی منافع پر ہی عقد ہوتا ہے؛ کیوں کہ پھلوں کی بیع تو پہلے ہوچکی ہے، اب پھل کے اندر جو بڑھوتری ہوگی، وہ درخت کے ذریعہ سے کشید کردہ ہوگی اور یہی منافع ہے؛ کیوں کہ پھل توڑنے پر درخت کو کوئی نقصان نہیں ہورہا ہے، وہ تو اپنے اصلی حال پر باقی ہے۔

۳- درخت کے اجارہ سے خلاصی کی جو صورت نقل کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ درخت کو بھی خریدا جاسکتا ہے؛ لیکن اس میں دو اشکال ہوتے ہیں:

(الف) درخت کا مالک درخت بیچنے پر راضی نہ ہو، ایسی صورت میں خلاصی ممکن نہیں۔

(ب) مشتری درخت خریدنے پر قادر نہ ہو، اس صورت میں بھی خلاصی نہیں ہوسکتی ----- لیکن اجارہ کی صورت میں دونوں کے راضی ہونے کا زیادہ امکان ہے کہ دونوں خسارۂ فاحش سے بچ جائیں گے۔

۴- درخت کے اجارہ کو اس لئے نادرست قرار دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ لوگوں میں متعارف نہیں ہے، اس سے خود بخود یک گونہ گنجائش معلوم ہورہی ہے۔

۵- اجارہ کو خلاف قیاس ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے: "أن الإجارة جوزت بخلاف القياس للحاجة" (الهداية: ۲۷۳/۲)، یہاں بھی ضرورت پائی جارہی ہے؛ اس لئے جائز ہونا چاہئے۔

ان وجوہات کی روشنی میں راقم کے نزدیک یہ رائے قرین صواب اور حرج سے بچانے کی ایک عمدہ شکل ہے؛ اس لئے اسے درست ہونا چاہئے۔

۷- آج کل پھلوں کی خرید وفروخت کی جتنی صورتیں بھی بازاروں میں رائج ہیں، ان کی تفصیل جامعۃ الرشید کراچی کے استاذ محمد عمر عباسی نے درج ذیل لکھی ہے:

1- جو پھل درختوں پر ایک ساتھ لگتے ہیں، جب تک پھول کی شکل میں ظاہر نہ ہوں، ان کی خرید وفروخت جائز نہیں؛ کیونکہ اس صورت میں جس چیز کو بیچا جارہا ہے، اس کا فی الحال کوئی وجود نہیں ہے، اور جو چیز موجود نہ ہو اس کی خرید و فروخت کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

آج کل باغات کئی سالوں کے لیے ٹھیکے پر دے دیے جاتے ہیں، اس میں آنے والے کئی سالوں کے پھل ابھی سے فروخت کر دیے جاتے ہیں؛ چونکہ اس میں ایک غیر موجود چیز کو بیچا جاتا ہے، لہذا ایسی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ادھار پر پھل صرف اس صورت میں بیچنا جائز ہے جب یہ تمام شرائط پائی جائیں:

☆ بیچی گئی چیز کا سودے کے وقت سے لے کر حوالگی کے وقت تک فروخت کرنے والے کی دسترس میں ہونا۔

☆ سودے کی مجلس کے اختتام سے پہلے پوری قیمت ادا کرنا۔

☆ اوصاف وغیرہ کے ذریعے اس کی تعیین ممکن ہونا۔

☆ اس کی نوعیت کا معلوم ہونا۔ ☆ اس کی مقدار کا معلوم ہونا۔

☆ اوصاف کا معلوم ہونا۔ ☆ حوالگی کی مدت کا معلوم ہونا۔

☆ حوالگی کی جگہ کا معلوم ہونا۔

2- پھل کے درخت پر ظاہر ہو جانے کے بعد اگر اس کی حالت ایسی ہو کہ اس کو انسانی استعمال میں لایا جاسکتا ہو، نہ ہی جانوروں کو کھلایا جاسکتا ہو تو بھی اس کی خرید وفروخت جائز ہے؛ کیونکہ فی الحال اگر چہ یہ ایک بے فائدہ چیز ہے لیکن آگے چل کر ایک مفید چیز بن سکتی ہے اور شریعت کا اصول ہے جو چیز فی الحال کارآمد ہو یا مستقبل میں مفید بن سکتی ہو، اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔

3- اگر درختوں پر پھل کی ابتدائی شکل ''پھول'' لگ چکے ہوں یا پھل ایسے ہوں کہ ان کا کوئی مفید استعمال ہو اور اس شرط پر بیچے جائیں کہ خریدار فوراً درختوں سے اتار لے گا یا بغیر کسی شرط کے بیچے جائیں تو ایسی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ پھولوں کی یہ خرید وفروخت اس لیے جائز ہے کہ یہ جانوروں وغیرہ کے کھانے کے کام آسکتے ہیں۔

4- اگر پھل درخت پر لگ گئے، لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے بغیر کسی شرط کے خرید لیے، تو یہ خرید وفروخت بھی جائز ہے، اور اگر سودا کرتے وقت یہ طے ہوا کہ خریدار پھل فوراً اتارے گا اور اب مالک نے فوراً پھل اتارنے کا کہا، تو خریدار پر لازم ہوگا کہ یہ پھل فوراً درختوں سے اتار لے۔

5- اگر پھل درخت پر لگ گئے، لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے خریدتے وقت کوئی شرط نہیں لگائی؛ بلکہ خود مالک نے اس کو اجازت دے دی کہ آپ یہ پھل کچھ مدت کے لیے میرے درختوں پر چھوڑ سکتے ہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

6- اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور سودے میں یہ طے پائے کہ خریدار، پھل درختوں سے فوراً اتارے گا اور خریدار نے درختوں کے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ مدت کے لیے پھل اس کے درختوں پر ہی رہنے دیئے تو چونکہ اس مدت میں پھلوں میں کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوا، اس لیے خریدار ان پھلوں کا مالک ہوگا؛ البتہ مالک کی رضامندی کے برخلاف اس

کے درخت استعمال کرنے کا گناہ ہوگا۔

7-اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور خریدار نے اس شرط پر خریدے ہوں کہ وہ انہیں درختوں پر نہیں چھوڑے گا یا بغیر کسی شرط کے خریدے ہوں تو یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

8-اگر پھل تیار ہو چکے ہوں اور خریدار نے اس شرط پر خریدے ہوں کہ وہ انہیں درختوں پر ہی چھوڑے گا، اس کی بھی اجازت ہے۔

9-اگر ایک باغ میں مختلف اقسام کے پھلوں، مثلاً: سیب، امرود اور ناشپاتی وغیرہ کے درخت ہوں اور سودا کرتے وقت کچھ اقسام کے درختوں پر پھل لگ چکے ہوں اور کچھ پر ابھی تک پھول بھی نہ لگے ہوں اور خریدار ایک ہی سودے میں فی الحال موجود اور غیر موجود تمام اقسام کے پھل خرید لے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس صورت میں غیر موجود پھل موجودہ پھلوں کے تابع ہوکر اس خریدار کے ہوں گے۔

10-اگر درختوں پر کچھ پھل لگ چکے ہوں اور کچھ آئندہ لگنے والے ہوں اور خریدار ان سب کا سودا کرلے تو یہ صورت بھی جائز ہے، اس صورت میں غیر موجود پھل، موجودہ پھلوں کے تابع بن کر خریدار کی ملکیت ہوں گے۔

11-اگر درختوں پر پھل لگ چکے ہوں لیکن تیار نہ ہوئے ہوں اور خریدار موجودہ پھل خرید لے اور مالک کی اجازت سے کچھ مدت کے لیے انہیں ان درختوں پر ہی رہنے دے، تو یہ بھی جائز ہے۔ اس مدت میں موجودہ پھلوں میں جو بڑھوتری ہوگی وہ خریدار کی ہوگی، اور اگر سودا کرتے وقت طے یہ پایا کہ پھل درختوں سے فوراً اتارے جائیں گے، لیکن مالک کی اجازت کے بغیر اس کے درختوں پر رہنے دیے اور اس مدت میں ان کے حجم میں اضافہ ہوگیا، تو یہ اضافہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ یہ اس اضافے کی بقدر پیسے صدقہ کرے۔

12-اگر درخت پر کچھ پھل لگے ہوئے ہوں اور خریدار صرف یہی موجودہ پھل خریدے اور پھلوں پر اس کے قبضہ کرنے سے پہلے پہلے اس درخت پر کچھ مزید پھل بھی آجائیں تو یہ پہلے والی خریداری فاسد ہوجائے گی، اس لیے کہ خریدے گئے پھلوں میں اضافہ ہو چکا ہے اور یہ زائد پھل درخت کے مالک کے ہیں اور یہاں ان دونوں کے پھلوں میں امتیاز کر کے ان کو الگ الگ کرنا بہت مشکل ہے۔

13-اگر درخت پر کچھ پھل لگے ہوئے ہوں اور خریدار صرف یہی موجودہ پھل خریدے اور پھل پر اس کے قبضہ کرنے کے بعد اس درخت پر کچھ مزید پھل بھی آجائیں تو اس نئے پیدا ہونے والے پھل میں یہ دونوں مشترک ہوں گے اور ان دونوں کی ملکیت کی مقدار کے تعین کا دارومدار خریدار کے بیان پر ہوگا۔

14-اگر پھل درخت پر لگ تو گئے لیکن تیار نہیں ہوئے اور خریدار نے شرط لگائی کہ پھل اتنی مدت تک درختوں پر

ہی رہیں گے، تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ (tijarat-aur-islam/index.php/shariahandbiz.com/fruits-of-trading-1165/)

ان تمام صورتوں کے جوابات پچھلے سوالوں کے جواب میں آچکے ہیں۔

۸- سوال کے جواب سے پہلے بیع سلم سے متعلق ائمہ کے شرائط ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں درج ذیل شرطیں ہیں:

۱-جنس معلوم ہو، ۲-نوع معلوم ہو، ۳-صفت معلوم ہو، ۴-قدر معلوم ہو، ۵-مدت معلوم ہو، ۶-رأس المال کی مقدار معلوم ہو، ۷- سامان دینے کی جگہ معلوم ہو، اگر سامان کے لے جانے میں صرفہ آتا ہو (مرشد الحیر ان إلی معرفة أحوال الإنسان، ص:۷۱، مادہ نمبر:۷۴۴، مختصر القدوری، ص:۸۸)۔

علامہ علاء الدین سمرقندیؒ نے مزید تفصیل کرتے ہوئے سترہ شرطیں لکھی ہیں، جن میں سے چھ کا تعلق رأس المال سے ہے؛ جب کہ گیارہ کا تعلق مسلم فیہ سے ہے۔ رأس المال کی شرائط حسب ذیل ہیں:

۱-جنس معلوم ہو، مثلاً: درہم ہیں یا دینار، گیہوں ہیں یا جو، روئی ہے یا لوہا وغیرہ۔

۲-نوع معلوم ہو، مثلا: دراہم کون سے ہیں؟ غطریفی یا عدلی، یا دینار کون سے ہیں؟ محمودی، ہروی، یا پھر مروی وغیرہ، واضح رہے کہ یہ شرط اس صورت میں ہے جب کہ شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں۔

۳-صفت معلوم ہو، مثلاً: یہ عمدہ ہیں، یا گھٹیا یا پھر متوسط۔

۴-رأس المال کی مقدار معلوم ہو، یہ شرط اس سلم کے جواز کے لئے ہے جس میں عقد کا تعلق مکیلی، موزونی یا عددی متقارب سے ہو، نیز یہ احناف میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے یہاں شرط ہے؛ جب کہ صاحبین رحمہم اللہ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے۔

۵-درہم و دینار پرکھے ہوئے ہوں، امام ابوحنیفہؒ نے قدر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سلم کے جواز کے لئے یہ شرط بھی رکھی ہے؛ لیکن صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

۶-فریقین کی جدائیگی سے پہلے رأس المال پر قبضہ، یہ تمام علماء کے یہاں شرط ہے، خواہ رأس المال عین ہو یا دین۔

مسلم فیہ کے شرائط درج ذیل ہیں:

۱-جنس معلوم ہو، مثلاً: گیہوں یا جو۔

۲-نوع معلوم ہو، مثلاً: بارش کے پانی سے سیراب کیا ہوا ہے یا سینچائی کے ذریعہ سے۔

۳-صفت معلوم ہو، مثلاً: عمدہ ہیں، یا اوسط یا پھر گھٹیا۔
۴-مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو، مثلاً: کتنا قفیز ہے یا کتنا کیل ہے۔
۵-بدلین ربا الفضل کی علت کی دونوں صفتوں میں سے کسی ایک صفت (قدر اور جنس) پر مشتمل نہ ہو۔
۶-مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو، جن کی تعیین ہوسکتی ہو۔
۷-وقت معلوم ہو۔
۸-مسلم فیہ کی جنس عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہو۔
۹-عقد پختہ ہو، اس میں خیار شرط نہ لگائی گئی ہو۔
۱۰-سامان دینے کی جگہ معلوم ہو، اگر سامان کے لے جانے میں صرفہ آتا ہو۔
۱۱-مسلم فیہ ان چیزوں میں سے ہو، جس کو وصف (مکیلی، موزونی، عددی متقارب اور پیمائشی) کے ساتھ ضبط کیا جاسکتا ہو (تحفۃ الفقہاء: ۲/۸-۱۴)۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عقد سلم کے لئے چار ارکان ہیں اور ہر رکن کی کچھ شرطیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:
۱- عاقدین، ۲- صیغہ، ۳-رأس المال، ۴-مسلم فیہ۔

عاقدین کی شرطیں:

۱- عقل، ۲- بلوغ، ۳- اختیار۔

صیغہ کی شرطیں:

اس سے مراد ایجاب وقبول ہے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:
۱- اتحاد مجلس، ۲- ایجاب وقبول کا باہم موافق ہونا، ۳- اسی طرح صیغہ لفظ سلم یا سلف سے منعقد کرنا۔

رأس المال کی شرطیں:

رأس المال سے مراد وہ ثمن ہے، جو مشتری سلف کے طور پر بائع کے سپرد کرے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:
۱- عاقدین کو اس کی مقدار اور صفت معلوم ہو۔
۲- مجلس عقد میں رب المال کی طرف سے رأس المال حوالہ کردیا جائے اور اس پر قبضہ بھی ہوجائے اور یہ ان دونوں کی جدائیگی سے قبل ہوجائے۔

مسلم فیہ کی شرطیں:

مسلم فیہ سے مراد وہ سامان ہے، جس پر عقد ہو رہا ہے، اس کے لئے درج ذیل شرطیں ہیں:

۱- ان چیزوں میں سے ہو، جس کو وصف کے ساتھ ضبط کرنا ممکن ہو۔

۲- عاقدین کو اس کی مقدار، نوع اور صفت معلوم ہو۔

۳- مختلف اجناس کا اختلاط نہ ہو، جیسے: مختلف چیزوں کا مخلوط چارہ۔

۴- مسلم فیہ دین ہو۔

۵- نوعیت اور مدت کے اعتبار سے مقدور التسلیم ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ المنہجی: ۶/ ۵۲-۵۸)۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس کے لئے آٹھ شرطیں ہیں:

۱- مطلق ذمہ میں ہو، کسی متعین عین میں نہ ہو۔

۲- ایسی صفت سے متصف ہو، جس کو ضبط کرنا ممکن ہو۔

۳- کیل، وزن، عدد اور گز وغیرہ مقادیر کے ذریعہ مقدار معلوم ہو۔

۴- رأس المال متعین اور معلوم ہو۔

۵- نقد ہو، ادھار نہ ہو۔ ۶- مسلم فیہ ادھار ہو۔

۷- مدت معلوم ہو۔ ۸- مسلم فیہ ادائیگی کے وقت موجود ہو (المعونۃ علی مذہب عالم المدینۃ: ۲/ ۲۳-۲۴)۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کے لئے سات شرطیں ہیں:

۱- مسلم فیہ کی صفات مکیلی، موزونی، عددی اور ذراعی ہونے کے اعتبار سے منضبط ہو۔

۲- نوعیت اور جنس کی صفات مذکور ہو۔

۳- معیار شرعی کے ذریعہ اس کی مقدار معلوم ہو۔

۴- معلوم مدت تک کے لئے ذمہ میں ہو۔

۵- ادائیگی کے وقت اس کے پائے جانے کا غالب امکان ہو۔

۶- رأس المال کی مقدار معلوم ہو۔

۷- مجلس عقد سے جدائیگی سے قبل قبضہ ہو جائے (دلیل الطالب لنیل المطالب، باب السلم، ص: ۱۳۶-۱۳۷)۔

مذکورہ تمام مسالک کی شرائط پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اکثر شرطیں تمام کے یہاں موجود ہیں، سوائے چند کے، جیسے: مسلم فیہ کی موجودگی کہ امام احمدؒ کے نزدیک ادائیگی کے وقت اس کی موجودگی کا غالب امکان ہو، جب

کہ امام مالکؒ کے نزدیک ادائیگی کے وقت وہ موجود ہو۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ امت کا اختلاف رحمت ہوا کرتا ہے اور وقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش دی گئی ہے، اس کی واضح مثال مفقود الخبر شخص کی بیوی کے انتظار کا مسئلہ ہے، جس میں فقہ حنفی سے عدول کر کے فقہ مالکی کو اختیار کیا گیا ہے اور یہ ضرورت کی بنا پر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے مسالک سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے گنے کی بوائی سے پہلے بیع کی گنجائش نکالی ہے، وہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا؛ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الہدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے (امداد الفتاوی: ۶/ ۳۷۴-۳۷۴)۔

خلاصۂ بحث:

☆ بیع معاومہ سے مراد ایسا عقد بیع ہے، جو متعینہ قیمت پر کئی سالوں کے لئے درختوں پر لگے ہوئے تازہ اور تر پھلوں یا دوسری زمینی پیداوار پر ایک ہی عقد میں کیا جائے۔

☆ بدو صلاح سے مراد پھل اس حالت میں ہو جائے، جس میں عمومی آفتوں سے محفوظ ہو کر وہ قابل انتفاع ہو سکے۔

☆ ظہور سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت بیع سلم کے ساتھ ملحق کر کے درست ہے۔

☆ کچھ درختوں پر پھل آنے کے بعد پورے باغ کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ ایسا پھل، جو فی الحال قابل انتفاع نہ ہو؛ لیکن مستقبل میں قابل انتفاع ہونے کا امکان ہو تو اس کی بیع درست ہے۔

☆ وجود میں آئے ہوئے پھلوں کو فوری توڑنے کی شرط کیساتھ بیع درست ہے۔

☆ پھل کے پکنے تک درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع درست ہے۔

☆ پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینا درست ہے۔

☆ پھلوں کی خرید و فروخت کی مروج شکلوں میں بیع سلم سے متعلق دیگر ائمہ کی شرطوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

☆ مطلق (نہ کاٹنے کی شرط ہو نہ باقی رکھنے کی تو) بیع کی صورت جائز ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد عباس یوسف سعادتی ☆

۱- حدیث: ''عن جابر بن عبد اللہؓ أن النبی ﷺ نهى عن المعاومة، وقال أحدهما: بيع السنين'' (أخرجہ مسلم: ۱۵۳۶، وابوداؤد: ۳۳۷۵، وترمذی: ۱۳۱۳، وابن ماجہ: ۲۲۶۶)، ''وفی رواية للبخاریؒ نهى عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة''۔

لغوی تحقیق: ''عاومت فلانا: عاملته بالعام'' (معجم لغۃ الفقہاء: ۴۳۸)۔

''عاومت فلانا'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی کے ساتھ ایک سال کے لئے معاملہ کرے (القاموس الوحید ۲/ ۱۱۴۴)۔

''عند الفقهاء: (۱) بيع شجر معين أعواما متوالية كل عام بمبلغ كذا'' (معجم لغۃ الفقہاء: ۴۳۸)۔

یعنی کسی متعین درخت کے پھل کو چند سال مسلسل بیچنا اس طور پر کہ ہر سال کے پھلوں کی قیمت مقرر ہو۔

انگریزی میں: Sale Contract for Years in a row

(۲) ''هی بيع الشجر أعواما كثيرا'' (درخت کو کئی سالوں تک بیچنا)۔

(۳) ''هی اكتراء الارض سنين'' (چند سالوں تک زمین کو کرایہ پر لینا)۔

(۴) ''هو أن يبيع ثمر النخلة لاكثرمن سنة فی عقد واحد'' (کھجور کے درخت کے پھل کو ایک سے زائد سالوں کے لئے ایک ہی عقد میں بیچنا) (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۵۵ بحوالہ جامع الاصول ۱/ ۴۰۳، نیل الاوطار ۵/ ۱۷۵، مجمع الزوائد ۴/ ۱۰۴)۔

(۵) ''بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلى عدة سنة فاكثر'' (فقہ البیوع ۱/ ۳۲۷، قاموس الفقہ ۲/ ۳۶۳) ایک مخصوص درخت یا چند مخصوص درختوں پر سال بھر یا چند سالوں تک جو پھل آئے اسکو بیچنا۔

☆ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

تھوڑے سے فرق کے ساتھ ''موسوعہ فقہیہ'' کی عبارت ہے:

''أن يبيع ما سوف تثمره نخلة البائع سنتين أو ثلاثا أو اكثر''(۲۰۰/۹) یعنی کھجور کا درخت آئندہ دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ تک جو پھل دے فروخت کرنے والا اس کو فروخت کرے۔

مصداق: پھلوں کے نکلنے سے قبل ہی اس کی بیع کردی جائے (جدید فقہی مسائل ۲۳۰/۴، ط: نعیمیہ طبع اول)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی بیع معاومہ وبیع سنین کا مصداق یہی قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

''لا يجوز بيع الثمار قبل ظهورها إلا بطريق السلم وانه بيع معدوم، ولم يقل بجوازه أحد وإن جرى به التعامل، والاصل فيه ماروى عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع المعاومة'' (فقه البيوع ۳۲۶/۱، ط: دار المعارف دیوبند)۔

خلاصہ یہ کہ سوال نامہ میں چوتھے سوال کی شق (الف) بیع معاومہ وبیع سنین کا مصداق ہے۔ واللہ اعلم۔

۲-اس کی تفصیلات جواب نمبر ۴ کے تحت دی جارہی ہیں۔

۳-حدیث:'' عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع'' (بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۹۹، ۲۱۸۳، ۲۱۹۴، ۲۲۴۷، وابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۳۶۷، والترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۲۷، والنسائی، حدیث نمبر: ۴۵۶۵، وابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۳۱۴، واحمد فی مسندہ: ۳۷۱۲)۔

بدو صلاح کی مراد:

لغوی تحقیق:'' البَدْو، البُدُوُّ، كلاهما مصدر بمعنى الظهور، يقول: بدا إذا ظهر من غير همزه'' (کمافی تاج العروس)، ''قال ابن منظور: بدا الشيء يبدو بدوا وبُدُوا إذا ظهر'' (لسان العرب مادہ: بدا)۔

صلاح: ضد الفساد (تاج العروس للزبیدی ۵۴۷/۶)۔

حاصل یہ کہ بدو بمعنی ظہور اور صلاح یہ فساد کی ضد ہے۔

''اصطلاحا: أن يصلح لتناول الناس وعلف الدواب'' (التعليق المجد ۱۸۸/۳) یعنی لوگوں کے استعمال اور جانوروں کے چارہ کے قابل ہو۔

اختلاف ائمہ:

حنفی مذہب: ''أن تأمن الثمرة العاهة والفساد'' (فتح القدیر مع الکفایہ ۴۸۹/۵، ردالمحتار ۳۸/۴، حاشیۃ الشلبی علی تبیین

الحقائق ۴/۱۲) (یعنی پھل کا نقصان اور خرابی سے مامون و محفوظ ہو جانا)۔

مالکی مذہب: مختلف اشیاء کے اعتبار سے مختلف تشریح کی گئی ہے:

(الف) کھجور میں سرخ یا زرد ہونا، اور رنگ پکڑنا۔ (ب) انگور میں سیاہ ہونا اور مٹھاس پیدا ہونا۔

(ج) دیگر پھلوں میں مٹھاس کا آجانا۔ (د) خس و کسم میں قابل انتفاع ہونا۔

(ھ) بقیہ سبزیوں میں کھانے کے لائق ہونا۔

(و) کھیتی اور دانہ میں خشک اور سخت ہونا ہے (شرح الدردیر و حاشیۃ الدسوقی علیہ ۳/۱۷۶، القوانین الفقہیہ / ۱۷۲)۔

شافعی مذہب: پھل وغیرہ یعنی کھیتی میں پکنا اور مٹھاس کے آثار کا ظاہر ہونا ہے جن میں رنگ نہیں آتا (علامہ رملی شافعی نے نہایۃ المحتاج میں یہی لکھا ہے)، اور جن میں رنگ آتا ہے ان میں سرخی، سیاہی یا زردی کا آغاز ہو جائے۔

علامہ شبراملسی نے اس کی آٹھ علامات یا اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) رنگ: ہر ایسے پھل جو کھائے جاتے ہوں اور رنگ بھی پکڑتے ہوں جیسے عناب (بیر کی شکل کا ایک معروف پھل) کی سرخی، خوبانی کی سیاہی۔

(۲) مزہ: گنے کی مٹھاس، انار کی ترشی۔ (۳) پکنا اور نرم ہونا: انجیر، تربوزہ۔

(۴) مضبوط اور سخت ہونا: گیہوں، جو۔ (۵) لمبا ہونا اور بھر جانا: چارہ اور سبزیاں۔

(۶) بڑا ہونا: ککڑی کا کھانے کے قابل ہونا۔ (۷) غلاف کا پھٹنا: روئی، اخروٹ۔

(۸) کھل جانا: گلاب کا پھول اور جن کا غلاف نہ ہو مثلاً یاسمین تو اس کا ظاہر ہونا ہی بدو صلاح کی علامت ہے (نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشبراملسی والرشیدی ۴/۱۴۸) اس کو آخری علامت بھی شمار کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ علامہ قلیوبی نے اس کے لئے ایک اضابطہ وضع کیا ہے:

"بلوغ الشئ إلى صفة اى حالة يطلب فيها غالبا" (شرح المحلی علی المنہاج ۲/۲۳۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۳/۲۰۴)۔

حضرات شوافع نے مختلف احادیث سے یہ علامات اخذ کئے ہیں:

(۱) "نهى عن بيع الثمر حتى يطيب" (رواہ الأربعۃ عن جابر بن عبداللہ)۔

(۲) "نهى عن بيع النخل حتى يأكل منه أو يؤكل"۔

(۳) "نهى عن بيع النخل حتى يزهو قيل: مايزهو قال يحمار أو يصفار" (بخاری و مسلم)۔

حنبلی مذہب: ضابطہ مقرر کیا ہے کہ جس پھل کا رنگ بدلتا ہو تو اس میں رنگ کی مضبوطی سے بدو ہوگا، اور انگور سفید ہو تو تموّہ یعنی میٹھا پانی ظاہر ہو اور نرم ہو جائے اور رنگ زرد ہو جائے، اور پھل میں رنگ نہ آتا ہو جیسے سیب تو میٹھا وعمدہ ہونا ہے، تربوزہ میں پکنا، اور ککڑی، کھیرا وغیرہ میں کھانے کے قابل ہونا (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۸۸)۔

علامہ وہبہ زحیلیؒ بطور خلاصہ کے تحریر فرماتے ہیں: ''**إن الحنفية اعتبروا مجرد ظهور الثمرة والأمن من العاهة والجمهور اعتبروا ظهور النضج وبدو الحلاوة فى الثمار وفى الحب والزرع اشتدادهما**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۶۰)۔

حضرات حنفیہ نے پھلوں کے ظاہر ہونے اور نقصان وخرابی سے مامون ہونے کا اعتبار کیا ہے، اور جمہور نے پھلوں میں پکنے اور مٹھاس کے پیدا ہونے کا اور دانہ وکھیتی میں مضبوطی وسختی کا اعتبار کیا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''**الذى يظهر من النظر فى مجموع الأحاديث ان المراد من بدو صلاح الثمرة هو أمنها من الآفات**'' (مجموعہ احادیث میں غور وفکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پھلوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ آفات وخرابی سے محفوظ ہو)۔

پھر مولانا نے احادیث وآثار ذکر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ پھلوں کا آفات سے مامون ہونا پھلوں کے مختلف (الجنس والنوع) ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، بعض میں پکنا اور بعض میں سرخی یا زردی۔

عربی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**غير أن هذا الأمن يتفاوت بتفاوت الثمار فلا يحصل الأمن إلا بالنضج والحلاوة، أو بحمرتها أو صفرتها، فقد وقع التفسير بذلك فى بعض الاحاديث نظر إلى تلك الثمار بخصوصها وإلا فالعلة هى الأمن من العاهة**'' (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۲۷۹، دار القلم)۔

اسی طرح علامہ عینیؒ نے ذکر کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری، باب بیع المزابنۃ ۵/ ۵۳۹)۔

علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں: ''**وبدو الصلاح فى كل شئ هو صيرورته إلى الصفة التى يطلب فيها غالبا**'' (عون المعبود: ۳۳۶۵)۔

(یعنی ہر چیز میں بدو صلاح یہ ہے کہ اس حالت تک پہنچ جائے جس حالت میں اغلبی طور پر طلب کی جاتی ہے)۔

۴-الف: پھلوں کے نکلنے سے قبل اس کی بیع کرنا جائز نہیں ہے، اس کے متعلق صریح وصحیح روایات موجود ہیں، حدیث میں اسی کو ''بیع معاومہ'' یا ''بیع سنین'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث :" **عن جابر بن عبد الله ؓ ان النبی ﷺ نہی عن المعاومة ،وقال أحدھما: بیع السنین**"(سبق تخریجہ)۔

نیز اس میں ایسی چیز کا بیچنا لازم آرہا ہے جو موجود نہیں ہے یعنی بیع المعدوم، اور یہ بھی حدیث کی رو سے ممنوع ہے:

"**عن حکیم بن حزام ؓ قال: یا رسول الله! یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی، أفأبتاعه له من السوق؟ فقال: لا تبع ما لیس عندک**" (اعلاء السنن ۱۴/۱۵۱، بحوالہ ابوداؤد)۔

اور اس میں غرر بھی لازم آتا ہے جو کہ منھی عنہ ہے۔

حدیث: "**عن أبی ھریرة ؓ ان النبی ﷺ نہی عن بیع الحصاة، وعن بیع الغرر**"(مسلم ۳/۱۱۴۳، طبع: الحلبی)۔

قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے بدوصلاح سے پہلے بیع کی ممانعت فرمائی تو قبل الظہور والبروز کی بدرجۂ اولی ممانعت ہوگی۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں :" **لا یجوز بیع الثمار قبل ظھورھا إلا بطریق السلم**"، یعنی یہ بیع بطریق سلم ہو تو جائز ہے؛ جب کہ اس کے شرائط متحقق ہوں اور یہاں مفقود ہیں۔لیکن یہاں بیع سلم بھی قرار نہیں دے سکتے؛ کیونکہ احناف کے یہاں ضروری ہے کہ مبیع فروختگی کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود رہے، حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہوتا؛ تاہم اگر فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس شرط کو نظرانداز بھی کردیا جائے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو، یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ یقینی طور پر مدت مقرر ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا (جدید فقہی مسائل ۴/۲۳۱)۔

علامہ تھانویؒ نے بیع قبل ظہور الثمار میں عدم الحاق بالسلم کا قول کیا ہے اور تقریبا پانچ اعتراضات کئے ہیں (امداد الفتاوی جدید ۳/۱۰۵)۔

اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس صورت کی بھی توجیہ وتاویل شروع کردی جائے تو پھر'' بیع معاومہ'' اور '' بیع سنین'' کی ممانعت کی حدیثیں بے معنی ہوکر رہ جائیں گی؛ اسی لئے یہ صورت تو یقیناً بالاجماع ممنوع ہوگی (ردالمحتار ۴/۵۵۵، بدائع ۶/۲۹۹۶، الموسوعہ ۹/۱۹۱، فتح القدیر ۵/۱۰۲، البحر الزخار ۳/۳۱۴، الکافی:۱۴۸)۔

۴-ب: باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) ایک باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں۔

اس صورت میں ائمہ کے تین اقوال ہیں، جن میں راجح قول عدم جواز کا ہے یعنی بعض درختوں کا بدو دیگر نوعیت کے درختوں کے لئے کافی نہ ہوگا۔ امام مالکؒ، حضرات شوافع، ابن قدامہ نے بھی یہ ہی لکھا ہے (بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۲۵، نہایۃ المحتاج ۷/ ۱۴۸، المجموع ۱۱/ ۴۴۴، المغنی ۶/ ۱۵۷)۔

(۲) ایک باغ میں ایک ہی نوع کے مختلف درخت ہوں اور کچھ درختوں میں پھل نکل آئے اور کچھ میں نہیں نکلے، تو اس کے فروخت کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: باغ کا مالک تمام درختوں کے تمام پھلوں کو جو آ چکے ہیں اور جو نہیں آئے، ایک ساتھ فروخت کرے۔

دوسری صورت: ایک ایک درخت کے پھل کی علاحدہ علاحدہ بیع کرے۔

پہلی صورت میں ائمہ کے دو قول ہیں:

قول اول: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک یہ صورت جائز ہے (المغنی ۶/ ۱۵۶، حاشیہ الدسوقی ۳/ ۱۶۰، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۴۹)۔

قول ثانی: ایک روایت میں امام احمد، امام شافعی کا قول معتمد اور حضرات احناف کے کلام سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے۔

"وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع عند أبى حنيفة والشافعى وأحمدؒ وقال مالك يجوز" (درمختار علی ہامش الرد ۴/ ۴۰)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ کی عبارت اس طرح ہے: **"الآخر: هو رواية عن الامام أحمد (وهو المتبادر من كلام الحنفية والمعتمد عند الشافعية) انه لايجوز إلا بيع ما بدا صلاحه"** (۹/ ۱۹۵)۔

اسی طرح فقہ البیوع کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں: **"وإن بيعت جميع الشجر أو البستان فى حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها، ففيه خلاف، فقال الشافعية والحنابلة: إنه لا يجوز البيع إلا فيما ظهر وهو ظاهر مذهب الحنفية: لأنه مالم يخرج معدوم"** (۱/ ۳۲۷)۔

خلاصہ یہ کہ امام مالک و محمد بن حسن کے نزدیک اور احمد کی ایک روایت کے مطابق جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے یہاں جائز نہیں ہے۔

البتہ دوسری طرف عوام میں بڑھتا ہوا تعامل کہ کچھ پھل آتے ہی باغ کے تمام پھلوں کو فروخت کر دیا جاتا ہے، اس کے پیش نظر فقہاء نے گنجائش و نرم روی اختیار کی ہے، ابن ہمامؒ، ابن نجیمؒ اور امام شافعیؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے جس

کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

علامہ شمس الائمہ حلوانی نے زیلعیؒ کے حسب روایت اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اکثر پھل نکل آئے اور کچھ باقی ہوں: "**ولکن أفتی شمس الائمة الحلوانیؒ بانه لو کان الخارج اکثر جاز البیع فی الجمیع، وبه أفتی الامام الفضلیؒ، بل یظهر من عبارته انه لا یشترط کون الخارج اکثر بل یجعل الموجود اصلا فی البیع وما یحدث بعد ذلک تبعا له**" (ردالمحتار علی الدر المختار ۴/ ۳۹، خلاصہ الفتاوی ۳/ ۳۱) "**وبه أفتی ابن نجیمؒ فی فتاواه**" (فتاوی ابن نجیم، الفتاوی الغیاثیہ، ص: ۱۱۳)۔

شمس الائمہؒ نے امام فضلی سے نقل کیا ہے کہ وہ پھل کے اکثر اور کم تر حصہ کی قید کے بغیر بہرصورت اس معاملہ کو جائز قرار دیتے ہیں کہ پھل کی کچھ تعداد نکل آئی اور کچھ پھل ابھی نہ آیا ہو، بلکہ جو پھل موجود ہو اس کو "اصل" سمجھا جائے گا اور بعد کو نکلنے والا پھل اس کے تابع ہو کر معاملہ میں شامل رہے گا، اور ابن نجیم نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے: چنانچہ فرماتے ہیں:

"امام فضلیؒ کہتے ہیں کہ لوگوں کا انگور کی خرید وفروخت میں اسی نوعیت کا تعامل ہو گیا ہے اور اب ان کو اس سے روکنے میں حرج ہے اس لئے استحساناً اس کو جائز قرار دیتا ہوں (البحر الرائق ۵/ ۳۰۱)۔

علامہ ابن ہمامؒ امام فضلیؒ کے فتوی کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"**وقد رأیت روایة فی نحو هذا من محمدؒ: وهو بیع الورد علی الأشجار، فان الورد متلاحق، ثم جوز البیع فی الکل بهذا الطریق وهو قول مالکؒ**" (فتح القدیر ۵/ ۴۹۳)۔

یعنی امام محمدؒ نے درخت پر لگے ہوئے گلاب کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ گلاب کے پھول یکبارگی نہیں کھلتے ہیں؛ بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے اور کھلتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ نہ نکلے ہوئے پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی۔

لیکن متاخرین نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اور جواز کی تدابیر اکثریت کے لئے بسبب جہالت کے ناممکن ہونے کی وجہ سے نیز اس بیع کا ضرورت کا درجہ اختیار کر لینے کی وجہ سے امام فضلی کی رائے پر عمل کیا ہے۔

دوسری صورت: ایک ایک درخت کے پھل کی علاحدہ علاحدہ بیع کی جائے تو ہر درخت کا اپنا مستقل حکم ہوگا، چنانچہ جس درخت کو فروخت کیا جا رہا ہے اس میں بعض پھل نکلے ہیں اور بعض پھل نہیں نکلے تو اس پورے درخت کے پھل بیچنا جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

الموسوعہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں :"إن كانت شجرة واحدة وبدا الصلاح فی بعض ثمرها جاز جميع بذلک"۔

"قال ابن قدامہؒ: ولا اعلم فيه اختلافا" (۹/۱۹۴)۔

۴-(ج): پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے۔

اس جزئیہ کے حل کے لئے مفتی تقی عثمانی صاحب کا ایک فقرہ نقل کردینا کافی معلوم ہوتا ہے:

"وإذا ظهر الثمر ولكنه غير منتفع به حتى فی علف الدواب، ففيه خلاف مشائخ الحنفية، فذكر قاضی خان عن عامة المشائخ أنه لا يجوز بيعه أيضا، ولأن البيع يختص بمال متقوم والثمر قبل بدو الصلاح ليس كذلک" (الموسوعہ ۹/۱۹۲)، "ولكن صحح ابن الهمامؒ أنه يجوز لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال وإن لم يكن منتفعا به فی الحال ويبدو أنه مذهب الائمة الثلاثة أيضا حيث أجازوا بيع الثمرة قبل بدو صلاحها ومطلقا (إذا كان بشرط القطع) ولم يشترطوا كونه منتفعا به" (فقہ البیوع ۱/۳۲۷ بحوالہ: المغنی لابن قدامہ ۴/۲۰۲)۔

(اور جب پھل نکل آئے لیکن قابل انتفاع نہیں ہوئے یہاں تک کہ جانور کے چارے کے قابل بھی نہیں تو اس سلسلہ میں احناف کے یہاں اختلاف ہے، علامہ قاضی خانؒ نے عام مشائخ سے عدم جواز نقل کیا ہے؛ تاہم ابن ہمامؒ نے اس معاملہ کو درست قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ مال قابل انتفاع ہے؛ اگرچہ فی الحال اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے پھل کو بدو صلاح سے قبل مطلق بیچنے کو جائز قرار دیا ہے (بشرطیکہ کاٹنے کی شرط لگائی ہو)، اور ان حضرات نے اس کے قابل انتفاع ہونے کی شرط نہیں لگائی)۔

حاصل یہ کہ حنفیہ کے یہاں یہ بیع جائز ہے اور جمہور کے یہاں بھی جائز ہے۔

۵-(الف): فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا، یہ صورت بالاجماع جائز ہے، ذیل میں چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) "ابن قدامہؒ قال: إن بيعها بشرط القطع فی الحال فيصح بالاجماع" (المغنی ۶/۱۴۹)۔

(۲) "النوویؒ قال: فان باع الثمرة قبل بدو صلاحها بشرط القطع صح بالاجماع" (شرح مسلم ۱۰/۱۸۱)۔

(۳) "ابن رشدؒ قال: فأما بيعها قبل الزهو بشرط القطع فلا خلاف فی جوازه إلا ماروی عن الثوری وابن أبی ليلى من منع ذلک وهی رواية ضعيفة" (بدایۃ المجتہد ۲/۲۶۲، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: الفروع لابن مفلح ۴/۱۶۵، والایضاح لابن ھبیرہ ۱/۲۸۵، وشرح فتح القدیر لابن الھمام ۵/۴۹۲)۔

دلیل: حضرات حنابلہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بدو صلاح سے قبل بیع کی ممانعت صرف اس لئے ہے کہ اس کے حصول سے قبل اس کے تلف ہوجانے اور اس پر آفت آجانے کا اندیشہ ہے (المغنی ۶/۱۴۹)، اس کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتلاؤ! اگر اللہ تعالی پھل نہ دے تو تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا (بخاری ۴/۱۹۸، ۲ مسلم ۳/......) اور توڑ لینے کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں پایا جاتا ہے لہذا اس کی بیع صحیح ہوگی جیسا کہ اگر بدو صلاح کے بعد ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بیع کی صحت پر اجماع سے عمومی ممانعت کی تخصیص ہوتی ہے جو سابقہ حدیث کے مفہوم میں پائی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ بدو صلاح والی روایت علاحدہ ہوجاتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں اکثر و بیشتر نقصان کا اندیشہ جاتا رہتا ہے، برخلاف اس صورت کے جو بدو صلاح سے قبل پائی جاتی ہے۔

شرائط: تاہم فقہاء نے اس حکم کے لئے کچھ قیودات وشرائط تحریر کئے ہیں:

(۱) پھل قابل انتفاع ہو، یہ قید متفق علیہ ہے؛ تاہم تفصیل میں قدرے اختلاف ہے، احناف و مالکیہ نے مطلق انتفاع کی قید لگائی ہے؛ چاہے فی الحال ہو یا فی المآل، شوافع وحنابلہ نے فی الحال کی قید لگائی ہے، شوافع نے یہ بھی قید لگائی کہ وہ منفعت غرض صحیح کے لئے مقصود ہو۔

(۲) عاقدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو پھل کی موجودہ شکل کی ضرورت ہو؛ تاکہ اضاعت مال لازم نہ آئے جو شرعاً ممنوع ہے (بخاری: ۲۴۰۸، مسلم: ۱۷۱۵)۔

(۳) لوگوں میں بکثرت ایسا نہ ہو اور لوگ اس میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں۔

یہ دونوں شرطیں امام مالکؒ نے تحریر فرمائی ہیں (الشرح الکبیر للدردیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ ۳/۱۷۶)۔

(۴) حنابلہ فرماتے ہیں: وہ پھل بطریق مشاع نہ ہو (غیر معین نہ ہو) یعنی کوئی شخص بدو صلاح سے قبل آدھا پھل غیر متعین صورت میں توڑنے کی شرط کے ساتھ خریدے، اس لئے کہ اس کے لئے اپنے مملوکہ پھل کو توڑنا غیر مملوکہ پھل توڑے بغیر ممکن نہیں، اور ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے (کشاف القناع ۳/۲۸۲، المغنی ۶/۱۵۲)۔

بہر حال مسئولہ جزئیہ احادیث نبویہ، عبارات فقہاء اور شرائط کے اعتبار سے بالاتفاق جائز اور صحیح ہے۔

تین مزید شکلیں:

علماء کرام نے اس صورت کے ساتھ مزید تین صورتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو تتمیماً للفائدہ نقل کی جارہی ہیں:

(۱) پھل تیار نہیں ہوا اور عاقدین موجودہ حالت میں پھل کے توڑنے پر اتفاق کرلیں؛ البتہ یہاں پھل کو اس کی اصل یعنی درخت کے ساتھ بیچا جائے تو یہ صورت بالاجماع جائز ہے، اس لئے کہ پھل اصل کے تابع ہوجائے گا اور اس کو کوئی نقصان لاحق نہ ہوگا جو کہ ممانعت کی علت ہے، یہ حضرات شوافع کا قول ہے (اس صورت کی صراحت تمام نے کی ہے)۔

(۲) پھل کی بیع درخت کے مالک سے کی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ جب وہ اصل کے ساتھ فروخت ہوگا تو تابع ہوکر بیع میں داخل ہوگا لہذا اس میں غرر کا احتمال مضر نہیں جیسا کہ بکری کے ساتھ تھن میں موجود دودھ کی بیع میں جہالت کا احتمال ہوتا ہے (حضرت حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے)۔

(۳) حضرات مالکیہ نے ایک اور صورت کا اضافہ کیا ہے:

اصل یعنی درخت کو فروخت کیا جائے اور پھل کچھ وقفہ کے بعد خواہ وہ تھوڑا ہو یا لمبا، اور ان دونوں کے خریدار کے ہاتھ سے نکلنے سے قبل پھل کو اس اصل کے ساتھ شامل کردیا جائے جو اس سے قبل فروخت کی جاچکی ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۴/ ۳۸، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، الشرح الکبیر ۳/ ۱۷۶، شرح الخرشی ۵/ ۱۸۵، تحفۃ المحتاج ۴/ ۴۶۳، کشاف القناع ۳/ ۲۸۲)۔

ایک اہم مسئلہ: مسئولہ صورت میں خرید وفروخت کا معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک اس کو درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا تو اس میں دو قول ہیں:

قول اول: احناف، شوافع، بعض مالکیہ اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ بیع صحیح ہے، اور احناف وشوافع نے اس سلسلہ میں کوئی فرق نہیں کیا کہ مشتری حیلہ کرنے والا ہے یا نہیں۔

علامہ علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: " **فان کان ذلک بإذن البائع جاز وطاب له الفضل** " (تحفۃ الفقہاء: ۵۶)۔

قول ثانی: مالکیہ میں سے بعض اور امام احمد کی ایک روایت اس معاملہ کے بطلان کی ہے (الکافی فی فقہ المالکیہ ۲/ ۶۸۳، المغنی ۶/ ۲۱)؛ اس لئے کہ لوگ پھر حیلوں کا دروازہ کھول دیں گے (الشرح الممتع بتصرف ۹/ ۲۱)۔

۵-(ب) طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا، یہ صورت بالاجماع درست نہیں ہے (دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۲۵۵، اوجز المسالک ۱۲/ ۳۸۹، المغنی ۶/ ۱۴۸، المجموع ۱۱/ ۱۱۵، بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۶۲، الفروع ۴/ ۱۶۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۵۶)۔

دلائل:

(۱) ابن قدامہ فرماتے ہیں: " **لأن النبی ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها ،نهی البائع**

و المبتاع" (بخاری فی کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها، مسلم فی کتاب البیوع، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها، رقم: ۴۹، النھی یقتضی فساد المنھی عنہ ۶/ ۱۴۸)۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا، بائع ومشتری کو بھی منع فرمایا، اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضہ کرتی ہے۔

(۲) علامہ مالکیؒ لکھتے ہیں: " ووجه منعه أن المنفعة تقل فى ذلک والغرر يكثر، لأنه لا يكون مقصودها إلا ما يؤول إليه من الزيادة، وذلک مجهول ولأن الجوائح تكثر فيها فلا يعلم الباقى منها ولا على أى صفة تكون عند بدو صلاحها" (المنتقی ۴/ ۲۱۸، دیکھئے: اوجز ۱۲/ ۳۹۰)۔

اس صورت میں نفع کم اور دھوکہ ونقصان زیادہ ہے؛ اس لئے کہ اس عقد سے جو مقصود ہے وہ زیادتی ہے جو کہ بعد میں وجود میں آئے گی اور وہ مجہول ہے، نیز اس میں آفات بھی بہت زیادہ واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم نہیں کہ کتنی مقدار باقی رہے گی اور وہ کس حالت پر ہوگی۔

(۳) علامہ وہبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے:" لانه شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد العاقدين وهو المشترى ولا يلائم العقد ولا جرى به التعامل بين الناس ومثل هذا الترک مفسد للبيع ولانه لا يتمكن من الترک إلا باعارة الشجر والارض وهما ملک البائع فصار بشرط الترک شارطا الاعارة فكان شرطه صفقة فى صفقة وهذا منهى عنه كما عرفنا، ثم انه مشتمل على الغرر إذ لايدرى المشترى هل يبقى الثمر أم تصيبه آفة فيهلک فتكون علة فساد البيع إذن ثلاثة أمور، فيه غرر، شرط فاسد وصفقه فى صفقة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۲۵۶)۔

اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے، جس میں مشتری کا فائدہ ہے، نیز عقد کے مناسب بھی نہیں اور نہ لوگوں کا اس طرح تعامل ہے؛ لہذا اس قسم کی شرط بیع کو فاسد کردے گی، اور دوسری علت یہ ہے کہ پھل کو درخت پر پکنے تک چھوڑے رکھنا زمین اور درخت کو عاریت پر لینے سے ممکن ہوگا، حالانکہ دونوں چیزیں بائع کی ملکیت میں ہیں، اس صورت میں چھوڑے رکھنے کی شرط کی وجہ سے یہ شخص عاریت کی شرط لگانے والا بھی ہوگا، نتیجۃً یہ صفقۃ فی صفقہ ہوگا جو کہ ممنوع ہے، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں غرر ہے؛ اس لئے کہ مشتری یہ نہیں جانتا کہ پھل باقی رہے گا یا کوئی آفت اس کو ہلاک کردے گی، اور غرر بھی علت فساد ہے۔

اب اگر مشتری پھل درخت پر باقی رکھنا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ پوری طرح تیار ہوجائے تو اس کے لئے فقہاء نے دو

حیلے بتلائے ہیں:

(۱) اول یہ کہ درخت بٹائی پر لے لے جس کو ''مساقات'' یا ''معاملت'' کہا جاتا ہے، اور معمولی تناسب مثلاً ہزارواں حصہ مالکِ باغ کے لئے مقرر کرے۔

''**والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزء اً من ألف جزء**'' (درمختار علی ہامش الرد ۴/۴۰)۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو بطور خود پکنے تک اس کو درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے۔

سوال: درخت کے مالک نے اگر آج اجازت دے دی اور آئندہ پھر اپنی اجازت سے رجوع کرلے تو خریدار کس طرح اپنے حق اور پھل کا تحفظ کرے گا؟

جواب: مالک سے اس طرح اجازت حاصل کی جائے کہ میں پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تم کو پھل درخت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا (حوالہ سابق)۔

البتہ واضح ہو کہ امام محمدؒ کے نزدیک مالک کا رجوع کرنا درست ہوگا، اور رجوع کی شرط پر معلق اجازت معتبر نہ ہوگی (جدید فقہی مسائل ۴/۲۳۲)۔

۵-(ج): نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی۔ اس سلسلہ میں ائمہ کے یہاں دو قول ملتے ہیں:

قول اول: حضرات حنفیہ اس کو جائز قرار دیتے ہیں (المبسوط ۱۲/۱۹۵، الہدایۃ ۳/۲۹، الافصاح ۱/۲۸۵، بدایۃ المجتہد ۲/۲۶۳)۔

قول ثانی: ائمۂ ثلاثہ اس صورت کو ناجائز کہتے ہیں (حاشیہ الصاوی ۳/۲۳۳، الکافی ۲/۶۸۳، الافصاح ۱/۲۸۵)۔

علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں: ''**القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك** رحمہ اللہ **والشافعي** رحمہ اللہ **وأجازه أبو حنيفة**'' (المغنی ۶/۱۴۹)۔

حنفیہ نے اگرچہ اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے۔

''**وعلى المشتري قطعها في الحال إذا باع مطلقاً أو بشرط القطع**'' (عالمگیری ۳/۱۰۹)۔

جمہور کی دلیل: حدیث میں قبل بدو صلاح پھلوں کی خرید و فروخت کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے لیکن پہلی صورت

(بشرط القطع) کا استثناء اس لئے کیا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کٹے ہوئے پھلوں کی بیع؛ کیونکہ خریدار اسے فوراً کاٹ لیتا ہے لیکن اس صورت کو حدیث کے حکم سے خارج کرنا درست نہیں ہے (المغنی ۶/ ۱۴۹)۔

حضرات حنفیہ نے حدیث نہی کو بشرط ترک الثمر علی الشجر پر محمول کیا ہے اور اطلاق کی صورت کو اس ممانعت سے خارج قرار دیتے ہیں، مو?طا امام مالک کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے: "**ابتاع رجل ثمر حائط فی زمان رسول الله ﷺ فعالجه وقام فیه حتی تبین له النقصان فسأل ربَّ الحائط أن یضع له،أو أن یقیله فحلف أن لایفعل فذهبت أمّ المشتری إلی رسول الله ﷺ فذکرت ذلک له فقال رسول الله ﷺ: تألّی أن لایفعل خیرا**" (۲/۶۲۱)۔

دلیل: حضرات احناف فرماتے ہیں کہ حقیقت کے اعتبار سے تیسری صورت (مسئلہ مذکورہ) بھی پہلی صورت میں (بشرط القطع) داخل ہے، اس لئے کہ اس میں صرف بیع کی حد تک اطلاق ہوتا ہے (یعنی صرف بیع کے اندر پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کا ذکر نہیں ہوتا)؛ ورنہ بائع کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خریدار کو فوراً پھل کاٹنے کا حکم دے اور اس کی وجہ سے خریدار پر اس پھل کو کاٹنا واجب ہو جائے گا تو گویا یوں سمجھا جائے گا کہ بیع کے اندر پھل کاٹنے کی شرط ملحوظ ہے اس لئے تو خریدار کے لئے پھل کاٹنا ضروری ہو گیا۔

لیکن اگر پھل کاٹنے کا حکم نہ دیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے تساہل سے کام لیا اور چشم پوشی کرتے ہوئے اپنا حق چھوڑ دیا، اس حقیقت کے بعد واضح ہو گیا کہ انجام کے اعتبار سے پہلی اور تیسری صورت ایک جیسی ہے، اور جب پہلی صورت بالاتفاق جائز ہے تو تیسری صورت بھی جائز ہونی چاہئے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۲۵۰ دارالقلم)۔

علامہ زحیلیؒ فرماتے ہیں: اس صورت میں پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط صراحۃً نہیں ہے اس لئے کہ معاملہ شرط سے بالکلیہ مطلق وخالی ہے؛ لہٰذا بلا دلیل چھوڑنے کی شرط کے ساتھ معاملہ کو مقید کرنا درست نہیں، خصوصاً جب کہ تقیید میں عقد کا فاسد ہونا لازم آئے۔

مزید فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے یہاں اس معاملہ کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ ہر مال منتفع ہے اگرچہ جانور کے چارے کے طور پر ہی ہو، گو فی الحال انسان کے لئے فائدہ مند نہ ہو (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۲۵۵)۔

البتہ حنفیہ کے موقف پر دو اہم سوال وارد ہوئے ہیں:

سوال (۱): آج کل اگرچہ پھل کاٹنے یا نہ کاٹنے کی شرط کے بغیر بیع ہوتی ہے؛ لیکن عرف یہی ہے کہ بائع خریدار کو پھل کاٹنے کا حکم نہیں دیتا، اور شرعی قاعدہ ہے: "**المعروف کالمشروط**" (الاشباہ والنظائر لابن نجیم ۱/ ۲۷۹)۔

یعنی جس چیز کا عرف ہو جائے وہ بھی مشروط کے حکم میں آتی ہے لہذا یہ صورت بھی ''بیع بشرط الترک'' کی طرح ہو گئی، اس لئے اس کو ناجائز قرار دینا چاہئے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے اسی قاعدہ کی وجہ سے عرف کی صورت میں اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے (ردالمحتار ۴/۵۵۶)۔

جواب (۱): علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ترک معروف بھی ہو جائے تو بھی یہ معاملہ جائز ہوگا، اس لئے کہ اگر شرط عقد کا حصہ نہ ہو اور بائع اسے پھل کاٹنے کا حکم نہ دے تو خریدار کے لئے زائد مقدار استعمال کرنا جائز ہوتا ہے؛ لہذا یہاں بھی یہی حکم ہوگا اور خود امام صاحب سے یہ حیلہ منقول ہے۔

علامہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**الحاصل أن الشرط إذا لم يكن فى العقد، ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه، سواء كان معروفا أولا، ولا ألتفت إلى ما قاله الشامي: ان المعروف كالمشروط، بعد ما وجدت رواية عن الإمام عند الحافظ ابن تيمية فى فتاواه**'' (فیض الباری ۳/۲۵۶)۔

علامہ ابن تیمیہ کی عبارت یہ ہے: ''**فان الكوفيين احتالوا على الجواز تارة بأن يؤجر الأرض فقط، ويبيحه ثمر الثمرة كما يقولون فى بيع الثمرة قبل بدو صلاحها، الحيلة يبيحه إياها مطلقا أو بشرط القطع ويبيحه إبقائها، وهذه الحيلة منقولة عن أبى حنيفة والثورى وغيرهما**'' (تکملہ ۱/۲۵۵ بحوالہ فتاوی ابن تیمیہ المطبوعہ بمصر ۳/۴۳۵)۔

جواب (۲): اگر کوئی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو، لیکن اس کا عرف ہو جائے جس کی وجہ سے وہ باہمی نزاع کا باعث نہ رہے تو وہ معاملہ جائز ہو جاتا ہے، جس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ اگر خریدار اس شرط کے ساتھ جوتا خریدتا ہے کہ دکاندار اسے تسمہ لگا کر بھی دیگا تو یہ شرط اگرچہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے، لیکن عرف کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا ہے (حاشیہ ہدایہ ۵/۱۲۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)، اسی طرح آج کل قالین وغیرہ اس شرط پر خریدے جاتے ہیں کہ دکاندار اسے خریدار کے گھر میں بچھائے گا، اسے بھی معاصر فقہاء کرام نے جائز کہا ہے (تقریر ترمذی ۱/۹۷)، تو جب باہمی نزاع کا سبب نہ بننے کی وجہ سے اصل شرط کے ساتھ بیع جائز ہو جاتی ہے، تو عرف جسے ہم شرط کے حکم میں قرار دے رہے ہیں، اگر اس کے اندر باہمی نزاع پیدا نہ ہو تو وہ بدرجۂ اولی جائز ہونا چاہئے (غرر کی صورتیں ر ۳۹۵)۔

سوال (۲): بعد بدو صلاح پھلوں کی خرید و فروخت کی صورتوں میں بھی حنفیہ کے ہاں صرف بیع بشرط الترک والی صورت ناجائز ہے اور بقیہ دونوں صورتوں میں جائز ہے، اور مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قبل بدو صلاح پھلوں کو فروخت کرنے کا حکم بھی وہی ہے تو حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے قبل بدو صلاح پھلوں کو فروخت کرنے کی ممانعت وارد ہوتی ہے اس کا کیا

مطلب ہوگا؟

جواب (۱): قبل بدوصلاح کی قید احترازی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ بعد بدوصلاح پھلوں کی خرید وفروخت کے احکام کو نکالا جائے؛ بلکہ یہ قید اتفاقی اور عادت کی وجہ سے ہے چونکہ اس وقت زیادہ رواج قبل بدوصلاح بیع کرنے کا تھا؛ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کا ذکر فرمایا۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ قبل بدوصلاح کے ذکر کرنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: (۱) غرر، (۲) مقتضائے عقد کے خلاف لگائی گئی شرط۔

جب کہ بعد بدوصلاح کی صورت میں صرف دوسری خرابی لازم آتی ہے؛ چونکہ حدیث کے ذریعہ سے غرر سے بچنے کا حکم دینا مقصود ہے اس لئے بطور خاص قبل بدوصلاح والی صورت کا ذکر کیا گیا (تکملہ ۱/۲۵۲)۔

جواب (۲): امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ قبل بدوصلاح کی روایات کا تعلق بیع سلم سے ہے؛ چونکہ بیع سلم کے اندر مسلم فیہ کا عقد کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک موجود ہونا ضروری ہے لہذا پھلوں کے اندر بیع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعد بدوصلاح ہو؛ تاکہ یہ کہا جاسکے کہ عقد کے وقت مسلم فیہ موجود ہے، اگر قبل بدوصلاح بیع سلم کردی گئی تو یہ جائز نہیں ہوگی؛ کیونکہ اس وقت پھل بمنزلہ معدوم ہوتے ہیں۔

امام طحاویؒ اپنے جواب کی تائید میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان تمام آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ پھلوں کو ان کی مدت سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں۔

لہذا یہی آثار مذکورہ روایت کے اندر موجود ممانعت کی علت پر دلالت کرتے ہیں (شرح معانی الآثار ۲/۱۹۵)۔

جواب (۳): امام طحاویؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ حدیث کا تعلق صرف سلم سے نہیں بلکہ تمام بیوعات سے ہے، نیز یہ بھی تسلیم ہے کہ یہ حدیث مطلق عن شرط الترک اوالقطع کو بھی شامل ہے، لیکن یہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ بطور ارشاد ومشورہ کے ہے، اوران حضرات نے زید بن ثابتؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے:

"کان الناس فی عهد رسول الله ﷺ یتبایعون الثمار فاذا جدّ الناس وحضر تقاضیهم، قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، اصابه قشام، عاهات یحتجون بها، فقال رسول الله ﷺ لما کثرت عنده الخصومة فی ذلک: فإما لا، فلا تتبایعوا حتی یبدوصلاح الثمر کالمشورة یشیر بها لکثرة خصومتهم" (اخرجہ البخاری تعلیقا، رقم: ۲۱۳۹، ابوداؤد، رقم: ۳۳۷۲) (لوگ پھلوں کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے اس کی بہتری معلوم ہونے سے پہلے، جب پھل اتارنے لگتے اور وصول یابی کا وقت آتا تو خریدار کہتا کہ پھلوں کو دمان یا قشام یا مراض ہوگیا، اس قسم کی آفتوں سے حجت کرتے تھے، جب آپ ﷺ کے پاس اس قسم کے جھگڑے بکثرت آنے لگے

تو آپ نے مشورہ کے طور پر فرمایا: ’’اگر یہ معاملات نہیں چھوڑتے تو پھل نہ بیچا کرو یہاں تک کہ اس کی بہتری کا حال معلوم ہو‘‘، جھگڑے اور اختلاف کی کثرت کی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ بطور مشورہ فرمایا۔

۶- اس سلسلہ میں فقہاءِ عظام کے دو نقطۂ نظر ہیں: (۱) جمہور ائمہ کے یہاں عدمِ جواز ہے۔ (۲) علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عقیل، شیخ تقی الدین صاحب الفائق، صاحب الفروع، صاحب فتح القدیر ابن ھمام وغیرہم کے یہاں جواز کا رجحان پایا جاتا ہے۔

عدم جواز کے باب میں فقہاء کی عبارتیں:

(الف) ’’لا يجوز إجارة الشجر و الكرم بأجرة معلومة على أن تكون الثمرة للمستأجر لأن الثمرة عين، لا يجوز استحقاقها بعقد الاجارة ولأن محل الاجارة المنفعة‘‘ (المبسوط)۔

(ب) ’’لا يصح إيجار الأشجار لثمارها و شاة لنتاجها و لبنها و صوفها، لأنه بيع عين مثل وجودها‘‘ (منح الجلیل شرح مختصر خلیل)۔

(ج) ’’لا تجوز إجارة أرض و شجر لحملها على الصحيح من المذهب وعليه جماهير الاصحاب وقطع به اكثرهم وحكاه ابو عبيد اجماعا‘‘ (انصاف)۔

(د) ’’وإذا اشترى الثمرة مطلقا فلم يشترط الترک و لا القطع ولم يتناه عظمها ثم تركها، فان كان الترک باذن مجرد من البائع طاب له الفضل والأكل، وإن كان الترک بإذن فى ضمن الإجارة، بأن استأجر الأشجار إلى وقت الإدراک طاب له الفضل أيضا، لأن الإجارة باطلة لعدم التعارف بين الناس على استيجار الأشجار ولعدم حاجة المشترى وإلى استيجار الأشجار، لأنه يمكنه شراء الثمار مع أصولها والأصل فى القياس بطلان الإجارة وأجيزت شرعا للحاجة فيما فيه تعامل، ولا تعامل فى إجارة الأشجار المجردة فبقى الإذن‘‘ (الموسوعہ الفقہیہ ۹/ ۱۹۴)۔

خلاصۂ عبارات یہ ہے کہ اجارہ کا محل منفعت ہے نہ کہ عین شئی اور یہاں عین ہی کا اجارہ ہو رہا ہے جیسا کہ اول الذکر دو عبارتوں کا مفاد ہے، اور آخری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اجارہ کی اجازت ضرورت وتعامل کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور یہاں نہ حاجت متحقق ہے نہ ہی اجارۂ اشجار کا تعامل ہے۔

عدم جواز کے دلائل:

مجموعی اعتبار سے بندہ کو ان حضرات کی کل چار دلیلیں ملیں:

دلیل اول: وہ احادیث جن میں بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت منقول ہے، بایں طور کہ یہ روایات بیع کی طرح اجارہ کی ممانعت کو بھی شامل ہیں، اس لئے کہ اجارہ و بیع میں کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ اجارہ بیع ہی کی ایک نوع ہے۔

رد: فریق آخر نے اس دلیل کو تسلیم نہ کرتے ہوئے جواب میں فرمایا کہ بیع و اجارہ میں کئی طرح سے فرق ہے۔ شیخ عبداللہ بن عمر بن محمد السمیبانی نے ''کتاب اجارۃ النخیل'' میں فقہاء کے حوالہ سے اور خاصۃً ابن قیمؒ کے حوالے سے مختلف فروق نقل فرمائے ہیں۔

دلیل دوم: شیخ ابوعبیدؒ نے عدم جواز پر اجماع نقل فرمایا ہے۔

رد: اس سلسلہ میں کئی علماءِ کرام نے اختلاف کیا ہے، تو اختلاف کے باوجود اجماع کیسے منعقد ہوجائے گا لہذا ابو عبید علیہ الرحمہ کی اجماع سے مراد اکثر علماء کا قول ہوسکتا ہے، نیز اس میں اجارۃ الشجر کے بجائے اجارۃ الارض مراد ہوسکتا ہے، بلکہ ان حضرات نے حضرت عمرؓ کا عمل جو صحابہ کی موجودگی میں ہوا اسکو بھی نقل کیا ہے، جو جواز کے اجماع پر دلالت کرتا ہے نہ کہ عدم جواز پر۔

دلیل سوم: عقد اجارہ کے انعقاد کے شرائط میں سے ایک بنیادی شرط اجارہ کا محل منفعت ہے نہ کہ عین، اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اجارۂ شجر میں عین کا اجارہ لازم آرہا ہے لہذا یہ درست نہیں۔

ان دلائل کے علاوہ ان حضرات نے اجارۂ شجر کا عدم تعامل، غرر و جہالت کے لزوم سے بھی استدلال کیا ہے۔

دلیل چہارم: اس صورت میں صفقۃ فی صفقۃ (اجارہ فی بیع) لازم آتا ہے، جو کہ منھی عنہ ہے؛ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: ''**نھی رسول اللہ ﷺ عن صفقتین فی صفقۃ واحدۃ**'' (أخرجہ احمد فی مسندہ ۶/ ۳۲۴، رقم: ۳۷۸۲، مسند البزار ۵/ ۳۸۴، رقم: ۲۰۱۷)۔

اس روایت کی بنیاد پر جمہور ائمہ نے صفقۃ فی صفقۃ کے عدم جواز کا قول کہا ہے؛ البتہ امام مالک علیہ الرحمہ کے یہاں قدرے تفصیل ہے۔ وہ بعض مقامات پر جائز اور بعض مواقع میں عدم جواز کا قول کرتے ہیں، من جملہ وہ اجتماع اجارہ اور بیع فی صفقۃ واحدۃ کو جائز قرار دیتے ہیں (الخرشی علی مختصر خلیل ۷/ ۴۰، المدونہ الکبری ۳/ ۴۱۵)۔

اسی طرح عرف و تعامل ہونے کی صورت میں سرخسیؒ نے بطریق استحسان جائز قرار دیا ہے (المبسوط للسرخسی ۲۵/ ۱۰۲، اور المحیط البرھانی، کتاب الاجارہ میں اس قسم کی جزئیات موجود ہیں، فصل ۳۳، ۱۲/ ۱۰۵، تفصیل کے لئے دیکھئے: فقہ البیوع ۱/ ۵۰۵ تا ۵۱۵)۔

دوسرا نقطۂ نظر اجارۂ شجر کے جواز کا ہے۔ ان حضرات کی دلیلیں اور عبارتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) صاحب انصاف تحریر فرماتے ہیں: ''**جوز إیجار الأشجار ابن عقیل تبعا للأرض، واختارہ**

الشيخ تقى الدين وصاحب الفائق، وقال فى الفروع: وجوز إجارة الشجر مفردا ويقوم عليها المستأجر، فإن تلفت الثمرة فلا أجرة وإن نقصت عن العادة فالفسخ أو الأرش لعدم المنفعة المقصودة بالعقد وهى كجائحة" (الانصاف)۔

۲-علامہ سعدالدین الھلالی لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرات شافعیہ وحنابلہ کی ایک رائے جواز کی ہے۔

"**المذهب الثالث: يرى تحريم بيع الثمر قبل بدو صلاحه و جواز استئجار الشجر للثمر وهو مذهب الشافعية و الحنابلة فى الجملة و حجتهم۔ أن العرف جرى على جواز استئجار الشجر للثمر، لأن هذه الإجارة منفعة مباحة مقصودة يمكن استيفاؤها مع بقاء العين۔**"

۳-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ابن ہمامؒ نے اس پر ایک اور طریق سے بھی بحث کی ہے کہ فقہاء نے اس بات کو منع کیا ہے کہ پھل خرید لیا جائے اور جتنی مدت میں وہ پکے اتنی مدت کے لئے درخت کرایہ پر لیا جائے؛ کیونکہ اجارہ ایک خلاف قیاس حکم ہے اور اس کی اجازت اسی وقت ہے جب اس کے سوا چارہ نہ رہے، یہاں درخت پر پھل باقی رکھنے کے لئے ایک دوسری تدبیر بھی موجود ہے کہ خریدار پھل کے ساتھ درخت بھی خرید کرلے، آگے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ چونکہ پھل دار درخت کو خرید کرنے میں دشواری ہے اس لئے اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

"**لا يخفى ما فى هذا من العسر فانه يستدعى شراء ما لا حاجة له إليه أو مالا يقدر على ثمنه و قد لا يوافقه البائع على بيع الأشجار فالأول أولى**" (جدید فقہی مسائل ۴/ ۲۳۴ بحوالہ فتح القدیر ۵/ ۴۹۰)۔

اس میں جو دشواری ہے وہ مخفی نہیں؛ کیونکہ اس کا تقاضہ ہے کہ خریدار اس چیز کو خریدے جس کی اس کو ضرورت نہیں یا جس کی قیمت ادا کرنے پر وہ قادر نہیں، نیز کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ بائع اس سے درخت فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہو، لہذا پہلی صورت (درخت کا اجارہ) زیادہ بہتر ہے۔

تینوں عبارتوں میں "استیجار الشجر للثمر" کے جواز کی وجہ عرف وتعامل کو قرار دیا گیا ہے اور علامہ سرخسیؒ وصاحب محیط برھانی نے بھی اجارہ وبیع کے جواز میں یہی بات ذکر کی ہے، نیز عدم جواز کے قائلین نے بھی عدم تعامل کو ہی دلیل قرار دیا ہے۔ تو حاصل یہ نکلا کہ جواز وعدم جواز کا مدار عرف وتعامل ہے، لہذا جس جگہ تعامل ہو وہاں جائز ہوگا اور جہاں تعامل نہ ہو وہاں عدم جواز ہوگا۔

خلاصۂ جوابات:

(۱) حدیث میں جو بیع معاومہ سے منع کیا گیا ہے اس کا مصداق سوال نمبر ۴ کی شق الف ہے، یعنی: پھل آنے

سے پہلے ان کوفروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی۔

فقہ البیوع (۱/ ۳۲۷) اور قاموس الفقہ (۲/ ۳۶۳) میں اس کا مصداق قریب قریب یہی مکتوب ہے۔

"بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فأكثر"۔یعنی ایک یا چند مخصوص درختوں پر سال بھر یا چند سالوں تک جو پھل آئے اس کا بیچنا۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب سوال نمبر ۴ کے ضمن میں دیا گیا ہے۔

(۳) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: مجموعۂ احادیث وآثار میں غور وفکر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پھلوں میں بدوصلاح اس کا آفات وخرابی سے محفوظ و مامون ہونا ہے، اور یہ امن وحفاظت مختلف پھلوں میں مختلف طور پر ہوتا ہے، کبھی پختگی کے ذریعہ، کبھی حلاوت ومٹھاس کے ذریعہ اور کبھی سرخی اور زردی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

بقول علامہ زحیلی علیہ الرحمہ: احناف نے پھلوں کے ظاہر ہونے اور نقصان اور خرابی سے مامون ہونے کا اعتبار کیا ہے اور جمہور نے پھلوں میں پکنے اور مٹھاس پیدا ہونے کا اور دانہ وکھیتی میں سختی ومضبوطی کا اعتبار کیا ہے۔

بدوصلاح کو اصولی زبان میں بقول علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ یوں کہہ سکتے ہیں: ''ہر چیز میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ چیز اس حالت تک پہنچ جائے جس حالت میں اغلبی طور پر وہ چیز طلب کی جاتی ہو''۔

(۴) الف: یہ صورت بالاجماع ناجائز ہے۔ بیع معاومہ وبیع المعدوم کا مصداق ہونے اور غرر کے لزوم کی وجہ سے۔

ب: اس میں اولاً دو صورتیں ہیں:

۱: ایک باغ میں مختلف نوعیت کے الگ الگ درخت ہوں، اور بعض پر پھل آئے ہیں اور بعض پر نہیں آئے، اس صورت میں ائمۂ کرام کے تین اقوال ہیں، جن میں راجح قول عدم جواز کا ہے۔

۲: ایک باغ میں ایک ہی نوع کے مختلف درخت ہوں، بعض پھلدار اور بعض ابھی بے ثمر ہیں تو اس خرید وفروخت کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

شکل نمبر (۱): باغ کا مالک بہ یک وقت تمام درختوں کو فروخت کرے تو اس باب میں دو قول ہیں:

قول اول: جواز کا ہے، جمہور ائمہ کے یہاں۔

قول ثانی: عدم جواز کا ہے۔ حنابلہ کی ایک روایت، شوافع کا قولِ معتمد اور احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق عدمِ جواز ہی ہے، لیکن متاخرین نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اور جواز کی تدابیر اکثریت کے لئے بسبب غلبۂ جہالت

کے ناممکن ہونے کی وجہ سے نیز اس معاملہ کا ضرورت کا درجہ اختیار کرنے کی وجہ سے امام فضلیؒ کی رائے پر عمل کیا ہے۔

شکل نمبر (۲): باغ کا مالک تمام درخت علیحدہ علیحدہ ایک ایک کر کے فروخت کرتا ہے تو یہ بالا جماع جائز ہے۔

ج: جمہور کے یہاں جواز معلوم ہوتا ہے اور احناف کے یہاں دو قول ہیں: (۱) قاضی خان نے عام مشائخ سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ (۲) ابن ہمامؒ اس معاملہ کو درست قرار دیتے ہیں مال کے قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے۔

(۵) الف: یہ صورت بالا جماع جائز ہے۔

ب: یہ صورت بالا جماع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں شرطِ فاسد کا وجود، غرر کا لزوم اور صفقہ فی صفقہ جیسی ممنوع چیزیں پائی جاتی ہیں، نیز نقصان زیادہ فائدہ کم ہونا ہے اور جہالت بھی ہوتی ہے۔

ج: اس باب میں ائمہ کے دو قول ہیں: (۱) احناف جواز کے قائل ہیں، لیکن واجب ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اسکو حق نہیں ہے کہ درخت پر پھل باقی رکھے۔ (۲) جمہور اسکو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(۶): اس سلسلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں: (۱) جمہور کے یہاں عدم جواز ہے۔ (۲) دیگر حضرات جواز کے قائل ہیں، دلائل کے جائزہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مدار تقریباً تعامل ہونے، نہ ہونے پر ہے، لہذا جہاں اجارہ کا تعامل ہو وہاں اجارہ جائز ہوگا، اور جہاں تعامل وعرف نہ ہو وہاں عدم جواز کا قول کیا جا سکتا ہے۔

(۷) علماء کرام نے اس صورت کے ساتھ مزید تین صورتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے:

(۱) پھل تیار نہیں ہوا اور عاقدین موجودہ حالت میں پھل کے توڑنے پر اتفاق کر لیں؛ البتہ یہاں پھل کو اس کی اصل یعنی درخت کے ساتھ بیچا جائے تو یہ صورت بالا جماع جائز ہے، اس لئے کہ پھل اصل کے تابع ہو جائے گا اور اس کو کوئی نقصان لاحق نہ ہوگا جو کہ ممانعت کی علت ہے، یہ حضرات شوافع کا قول ہے (اس صورت کی صراحت تمام نے کی ہے)۔

(۲) پھل کی بیع درخت کے مالک سے کی جائے تو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ جب وہ اصل کے ساتھ فروخت ہوگا تو تابع ہو کر بیع میں داخل ہوگا؛ لہذا اس میں غرر کا احتمال مضر نہیں جیسا کہ بکری کے ساتھ تھن میں موجود دودھ کی بیع میں جہالت کا احتمال ہوتا ہے (حضرات حنابلہ نے اس کی صراحت کی ہے)۔

(۳) حضرات مالکیہ نے ایک اور صورت کا اضافہ کیا ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد صابر حسین ندوی☆

تمہید:

عصر حاضر کے جدید مسائل میں خرید وفروخت کے اندر مختلف صورتیں پیدا ہوئی ہیں، جن میں پھلوں کی خرید وفروخت کے مسائل کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، عموماً دنیا پھلوں کا استعمال کرتی ہے، ضرورت کی بھر پائی اور ساتھ ہی بہترین ذریعہ تجارت نے اس کے اندر گونا گوں مسائل پیدا کردئے ہیں، جو حل طلب ہیں، ایک طرف وہ نصوص وقواعد ہیں جو بیع وشراء کے سلسلہ میں اٹوٹ ہیں، جن سے کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی، تو دوسری طرف فقہی حقیقت ہے کہ معاملات میں مروج صورتوں کو زمانے کے حساب سے کتاب وسنت کی حدود اربعہ میں رہتے ہوئے ان میں گنجائش پیدا کی جاتی ہے، جن میں نرمی اور آسانی ہو، معاملات درست ہوں اور حتی المقدور حرمت سے بچایا جائے، یہی دو پہلو ہیں جو اہل نظر کے نزدیک قابل غور ہیں۔

اصولی بات:

بیع وشراء میں بالخصوص پھلوں کی خرید وفروخت میں بہت سی ایسی صورتیں ہیں، جو معاملہ میں خلل انداز ہیں، لیکن ان میں بہت سے مسائل کی ہیئت اب بھی ایسی ہے کہ قدیم فقہی عبارات اور اصول کو منضبط کرنے سے مسئلہ حل ہوجاتا ہے، جیسے قبضہ کی حقیقت۔ معاملہ میں غرر وغیرہ......ذیل میں ایک نظر اس موضوع سے متعلق چند اصولوں پر کرتے ہیں؛ تاکہ آئندہ نفس مسئلہ پر بہتر اور بغیر طوالت کے حکم لاگو کیا جاسکے۔

خرید وفروخت کی بنیادی شرطیں:

۱۔معاملہ بالتراضی ہو۔ ’’**یا أیھا الذین آمنوا لا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل**‘‘ (سورۂ نساء:۲۹)۔

۲۔عوضین معلوم اور متعین ہوں، ایسی جہالت نہ ہو جو باہم جھگڑے کا سبب بنے (بدائع الصنائع:۵/۱۵۸، فتاوی ہندیہ:۳/۳)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، کنڈلور، کرناٹک۔

۳۔ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت متعین ہو،مفضی الی النزاع کوئی چیز نہ ہو،معمولی جہالت نقصان دہ نہیں (فتاوی ہندیہ: ۳/۳)۔

۴۔ثمن اموال ربویہ (نمک، گیہوں،سونا، چاندی، کھجور، جو) میں سے نہ ہو،جن پر قبضہ مجلس عقد میں ہی ضروری ہوتا ہے(صحیح مسلم: ۸۲،رقم: ۱۵۸۴،مساقات)۔

۵۔بدلین مال متقوم ہو،یعنی ایسا مال ہو کہ اسے خرید وفروخت کیا جاسکے (فتاوی ہندیہ: ۲/۴)۔

٦۔اس میں غرر یا دھوکہ نہ ہو جیسے کہ کوئی ناجائز شرط لگادی جائے (ہدایہ للمرغینانی: ۴/۳)۔

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ لغت میں کسی چیز کا ہتھیلی بھر کر لے لینے کے لئے آتا ہے،جو ملکیت سے کنایہ ہے:"**القبض لغة:تناول الشئ بجميع الكف، ويقال: هذا الشئ فى قبضة فلان أى فى ملكه وتصرفه**"(الصحاح للجوھری، والمفردات للراغب:القبض)۔اصطلاح میں قبضہ کہتے ہیں:کسی چیز کو روک لینا اور اس پر قابض ہوجانا؛خواہ اسے ہاتھ میں لینا ممکن ہو یا نہ ہو،"**هو حيازة الشئ والتمكن منه سواء أكان مما يمكن تناوله باليد أم لم يمكن**"(القوانین الفقھیۃ لابن جزی ص/۳۲۸)،علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:قبضہ کے لئے کسی چیز کو ہاتھ میں لینا شرط نہیں؛ بلکہ قبضہ کے معنی قدرت دینا اور عرف و عادت کے اعتبار سے ایسے موانع کو ہٹا دینا ہے جو اس کے استعمال میں حارج ہو،"**القبض هو التمكن والتخلى وارتفاع الموانع عرفاً وعادتاً حقيقة**" (بدائع الصنائع: ۱۷۸/۵)،عز بن عبدالسلام کا بھی یہی ماننا ہے کہ قبضہ کے معنی تصرف کے ہیں،"**قولهم قبضت الدار والأرض والعبد والبعير يريدون بذلك الاستيلاء والتمكن من التصرف** "(الاشارۃ الی الایجاز:۱۰٦)۔

ان اصطلاحی تعریفات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ عرف ورواج اور اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں؛چنانچہ فقہاء مالکیہ کے مشہور فقیہ ابوالبرکات دردیرؒ نے بھی واضح کیا ہے کہ قبضہ کے معنی لوگوں کے درمیان جاری عرف سے متعین ہوگا"**بالعرف الجارى بين الناس** "(الشرح الکبیر علی ھامش الدسوقی: ۱۴۵/۳)،امام نوویؒ نے بھی عرف ہی کو اس کا مدار قرار دیا ہے(دیکھئے:شرح مہذب: ۲۷۵/۹)،فقہاء حنابلہ میں علامہ ابن قدامہ مقدسی کا بھی یہی بیان ہے: "**لأن القبض مطلقاً فى الشرع يجب الرجوع فيه إلى العرف**"(المغنی: ۹/۴)،اسی لئے فقہ کے مسلمہ قواعد میں سے یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جو الفاظ وارد ہوئے ہیں اور اس کے مفہوم ومصداق کی تعیین وتحدید نہیں کی گئی ہے،ان میں عرف ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔علامہ سیوطی کے الفاظ میں"**كل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا فى اللغة يرجع فيه إلى العرف**"(اشباہ للسیوطی:۱۹٦)۔

معاملات میں ''غرر'':

اسلام میں دھوکا دینا اسوہ نبوی کے خلاف ہے''من غشنا فلیس منا''(مسلم:۱۰۱)،معاملات میں اسے''غرر'' سے تعبیر کرتے ہیں،غرر کی اصطلاحی تعریف میں گو کہ اہل علم کی تعبیرات مختلف ہیں لیکن حاصل ان سب کا یہی ہے کہ غرر وہ بات ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو،''**الغرر مایکون مستور العاقبة**''(المبسوط:۱۳/۱۹۴)،علامہ جرجانی لکھتے ہیں:''**بأنه مایکون مجهول العاقبة لا یدری أیکون أم لا** ''(التعریفات للجرجانی)،بیع پر اثر انداز ہونے کے اعتبار سے غرر کی دو قسمیں ہوتی ہیں(دیکھئے:بدایۃ المجتھد:۲/۱۷۱،المجموع:۹/۲۵۸)۔

۱:۔غرر کثیر:عموماً معمولی غرر بیع وشراء میں اثر انداز نہیں ہوتے؛لیکن اگر غرر کثیر ہو تو بیع منعقد نہیں ہوتی،جس کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ غرر ہی اس بیع کی صفت قرار پاجائے''**الغرر الکثیر هو ماغلب علی العقد حتی أصبح العقد یوصف به**''(المنتقی:۵/۴۱)،علامہ باجی مالکی نے غرر یسیر اس کو قرار دیا ہے کہ جس سے عام طور پر معاملات خالی نہیں ہوتے،اور غرر کثیر وہ ہے جو اس کے خلاف ہو(الفروق:۱/۱۵۰)،اور دسوقی کے الفاظ میں غرر کثیر ایسا غرر ہے جس سے لوگ چشم پوشی نہیں برتتے(المنتقی:۱/۴۱)۔

حقیقت یہ ہے کہ معاملات میں غرر کی صورت ہے اور وہ مفضی الی النزاع ہے اسی لئے حرام ہے(فتاوی ہندیہ:۳/۳)؛لیکن اگر معمولی غرر ہو یا جہل ہو جو مفضی الی النزاع نہ ہو تو معاملہ پر اثر نہیں پڑتا''**فأما إن کان أحدهما مجهولا جهالة مفضیة المنازعة فسد البیع وإن کان مجهولا جهالة لا تفضی إلی المنازعة لا یفسد الخ**''(بدائع الصنائع:۴/۵-۳۶۶)یعنی(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی زبانی)کہ''....جو غرر نزاع کا باعث بن سکتا ہو یا دوسرے فریق کیلئے نا قابل تحمل ہو اسکو غرر کثیر شمار کیا جائے گا اور جو غرر عام طور پر باعث نزاع نہ ہو؛سمجھنا چاہئے کہ وہ غرر قلیل ہے جو صحت عقد کیلئے مانع نہیں ہے''(دیکھئے:جدید فقہی مسائل:۴/۲۱۱)،مفتی تقی عثمانی صاحب''غرر یسیر کے متعلق لکھتے ہیں :جس قدر غرر مفضی الی النزاع نہ ہو اور عام حالات میں اس سے بچنا دشوار ہو تو ایسا غرر صحت عقد کیلئے مانع نہیں''(تکملۃ فتح الملھم شرح مسلم ۱/۳۳۰)۔

۲:۔عقد کی اصل ہی غرر ہو۔جیسے بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع کرنا وغیرہ،اس صورت میں بھی بیع منعقد نہیں ہوتی ہے،امام مالکؒ نے اس میں اس شرط کا اضافہ کیا ہے کہ غرر مالی عقد معاوضات میں سے ہو(ایسا معاملہ جس میں فریقین کی طرف سے لین دین کی صورت پائی جاتی ہو)یعنی غرر وصیت وغیرہ میں مؤثر نہیں''**لا یؤثر الغرر فی صحتها**''(الفروق للقرافی:۱/۱۵۱)۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر صدیق محمد امین الضریر نے یہ لکھا ہے کہ غرر یعنی مالی لین دین کے معاملات

میں ہوں، جیسے: بیع، اجارہ، شرکت، اسی طرح حقیقی انسانی حاجت اس کے درست ہونے کا تقاضہ نہیں کرتی ہو، حاجت کی بنا پر شارع نے بھی اور فقہاء نے بھی مختلف مواقع پر غرر کو گوارا کیا ہے جیسے: کھیتی میں بٹائی کی اجازت وغیرہ (الغرر وأثرہ فی العقود: ۶۱۲۔۷۵۱)۔

فقہاء کے نزدیک عرف سے کیا مراد ہے؟

عرف کے متعلق فقہاء کا ماننا ہے کہ: ''**الثابت بالعرف کالثابت بدلیل شرعی**''، ''**المعروف بالعرف کالمشروط باللفظ**''، ''**الثابت بالعرف کالثابت بالنص**''، ''**المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً**''، ''**المعروف بین التجار کالمشروط بینھم**'' (دیکھئے: شرح مجلۃ الاحکام: ص۵۱، المادۃ: ۴۴، اشباہ للسیوطی: ۹۲، للمصری: ۹۹، الوجیز: ۲۵۱، القواعد للندوی: ۶۵)، نیز معاملات کے اعتبار سے اگر جدید قسم کا معاملہ ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ: ''**الاصل فی المعاملۃ الاباحۃ**'' یعنی معاملات میں اصلاً اباحت ہوتی ہے؛ جب تک کہ کوئی صریح غیر شرعی امور کا دخل نہ ہو، اصول شریعہ کے ماہر علامہ خلاّف نے نقل کیا ہے کہ عرف ہی کی بنا پر بہت سے معاملات میں جو عام اصول سے ہٹ کر ہیں ان کی بھی اجازت دی گئی ہے، بالخصوص جو انسانوں کیلئے حاجت کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان کے بغیر انسانی مصالح پر اثر پڑتا ہو جیسے اجارات، شرکات، مضاربات، یہ وہ عقود ہیں جو قیاس پر منطبق نہیں ہوتے مگر ان کی اجازت ہے، اسی طرح عقود کے قواعد سے ہٹ کر جیسے بیع سلم، بیع الوفاء، استصناع، مزارعت، مساقات وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے (اصول فقہ: ۲۰۲)۔

ضرورت وحاجت سے کیا مراد ہے:

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ''ضرورت وحاجت'' سے کیا مراد ہے؟ اصولیین کی اصطلاح میں حاجت اسی چیز کو کہتے ہیں جس پر شریعت کے مقاصد خمسہ (حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ عقل، حفظ مال) میں سے کسی مقصد کا وجود موقوف تو نہ ہو، لیکن اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو مشقت اور حرج پیدا ہو جائے: ''**واما الحاجیات معناھا أنھا مفتقر إلیھا من حیث التوسع ورفع الضیق المؤدّی فی الغالب إلی الحرج والمشقۃ اللا حقۃ بفوت المطلوب**'' (الموافقات للشاطبی: ۵/۳)، آگے لکھتے ہیں: **أنھا لابد منھا فی قیام مصالح الدین و الدنیا بحیث إذا فقدت لم تجر مصالح الدنیا علی استقامۃ، بل علی فساد و تھارج وفوت حیاۃ، وفی الأخری فوت النجاۃ والنعیم، والرجوع بالخسران المبین**'' (موافقات: ۲/۱۷۔۱۸) یعنی دین اور دنیا کی مصلحتوں کے وجود میں آنے کیلئے جو لازم ہے، وہ ضرورت ہے، اس طرح کہ اگر وہ مفقود ہو جائے تو دنیا کی مصلحتیں درست نہ رہ سکیں گے؛ بلکہ فساد پیدا ہو جائے گا، اور آخرت میں نجات بھی نہ ملے، اخروی نعمت کا حصول نہ ہو اور انسان کھلے ہوئے خسارے سے دوچار

ہوجائے، یہ حاجات بعض اوقات ''ضرورت'' کے حق میں تسلیم کی جاتی ہیں۔

علامہ سیوطی کا بیان ہے: ''**الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة**''(الأشباہ للسیوطی:۱۸۰)،اور جیسے ضرورت کی بنا پر ناجائز بقدر ضرورت جائز ہوتا ہے ''**وما أبيح للضرورة يقدر بقدرها**''(ابن عابدین:۵/۲۳۷،روضۃ الطالبین:۹/۱۰۴،المغنی:۹/۱۴۵)۔اسی طرح حاجت کی بنا پر فقہاء احکام میں آسانی پیدا کرتے ہیں،قاعدہ مشہور ہے: ''**المشقة تجلب التيسير**''(موسوعۃ الفقہ الاسلامی: قاعدہ نمبر:۴)۔اسی طرح یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ افراد واشخاص کے لئے بھی حاجت اور مشقت کا کوئی ایسا بے لچک پیمانہ نہیں رکھا جا سکتا جو سب کے لئے مساوی ہو؛ بلکہ لوگوں کے حالات، عادات اور مختلف علاقوں کے عرف اور رواجات وضروریات کو سامنے رکھ کر ہی حاجت اور مشقت کا تعین کرنا ہوگا،فقہاء کے یہاں اسکی نظیر موجود ہے مثلاً: حجاج کیلئے زاد وراحلہ کا مسئلہ ہے۔ابن ہمام نے لکھا ہے:''**يعتبر فی حق كل إنسان ما يصلح معه بدنه**''(فتح القدیر: کتاب الحج)اسی طرح کی بات نفقہ وغیرہ کے متعلق فقہاء نے لکھی ہے(دیکھئے: جدید فقہی مسائل:۴/۸۷۔۸۸)۔

انسانی مصلحت کا خیال:

شریعت اسلامی کا حقیقی انحصار انسانی مصالح پر ہے،اللہ عزوجل انسانوں کے ساتھ آسانی چاہتے ہیں،اسی لئے حضور ﷺ ہمیشہ آسانی کو ہی اختیار کرتے تھے،بالخصوص معاملات میں نئی نئی صورتیں قرآن وحدیث سے معارض ہوتی ہیں، ایسے میں سہل شرعی حل تلاش کرنا اشد ضروری ہے؛لیکن انسانی مصلحت کا کیا مطلب ہے اور اسے کس حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے؟ یہ بھی قابل غور امر ہے،فقہاء کرام کے یہاں یہ اصول پایا جاتا ہے:''**الشريعة قائمة على جلب المصالح للعباد، ودرء المفاسد عنهم**''یعنی شریعت کا دارومدار انسانی مصالح کا خیال رکھنا،اسے اولیت دینا اور اس سے مفاسد کو دور کرنے کا ہر ممکن لحاظ کرنا ہے۔علامہ شاطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ: ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں،جن میں سب سے زیادہ مصالح کا خیال ہو اور وہ عرف عام میں ہو تو وہی انسانی مصالح کا پہلو ہے،اسکے برخلاف ''مفسدۃ'' میں شمار ہوگا،جس سے بچنا لازمی ہے، ''**والمعتمد إنما هو أنا استقرينا من الشريعة أنها وضعت لمصالح العباد**'' (الموافقات:۲/۱۲)،آگے لکھتے ہیں:''**فالمصالح والمفاسد الراجعة إلى الدنيا إنما تفهم على مقتضى ماغلب ،فاذا كان الغالب جهة المصلحة فهى المصلحة المفهومة عرفاً، وإذا غلبت الجهة الاخرى فهى المفسدة المفهومة عرفا، ولذلک كان الفعل ذوالوجهين منسوباً إلى الجهة الراجحة فإن رجحت المصلحة فمطلوب ، ويقال فيه: إنه مصلحة، واذا غلبت جهة المفسدة فمهروب عنه ويقال: إنه مفسدة**''(۲/۴۵)۔

اسی سلسلہ میں علامہ عز بن عبد السلام لکھتے ہیں: کہ مصالح کا لحاظ اور مفاسد سے اجتناب ضروری ہے؛لیکن اگر

مصالح اور مفاد دونوں برابر ہوجائیں تو ان دونوں میں اختیار ہے، اور اگر مصالح مفاسد سے زائد ہوں تو مفاسد کو بھی برداشت کیا جاسکتا ہے (دیکھئے: قواعد الاحکام ۱/۹۸)۔ علامہ ابن نجیمؒ نے ''الاشباہ، ص ۸۹'' پر یہی قاعدہ نقل کیا ہے: ''إذا تعارضت مفسدتان :روعی أعظمها ضرراً بارتکاب أخفهما''، ایک اور مقام پر ہے کہ: ضرر خاص کو ضرر عام کیلئے برداشت کرلیا جاتا ہے: ''یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام'' (ص:۸۷)۔

بیع معاومہ کا حکم:

لغت میں معاومہ یہ عربی میں لفظ ''عام'' سے مشتق ہے، جس کے معنی سال کے ہوتے ہیں، اصطلاح میں ''بیع مایثمره شجرة أو نخلة أو بستانة أکثر من عام ، سنتین أو ثلاثة أو أربعة مثلا، ویسمی بیع السنین'' (المصباح المنیر ''عوم'': ۱۶۷)، منہی عنہ بیوع کا تذکرہ کرتے ہوئے موسوعہ میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ بیع معدوم میں جائز نہیں ہے، جن میں بیع سنین اور بیع معاومہ بھی شمار کیا جاتا ہے: ''ومثال التعاقد علی المحل المعدوم: بیع الثمرة التی لم تخلق، وبیع المعاومة والسنین ،وبیع نتاج النتاج'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۱/۱۵۶)۔

اس بیع کے سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ سے نفی ثابت ہے، روایت یوں ہے: ''عن جابر بن عبدالله أن النبی ﷺ نهی عن المعاومة وقال أحدهما: بیع السنین'' (مسلم: ۳۳۷۵)، احادیث کی متداول کتابوں پر نظر دوڑائی جائے تو اس بیع کا تذکرہ خواہ دوسرے ناموں کے ساتھ ہو؛ لیکن ملتا ضرور ہے، جیسے امام نووی نے ایک باب یوں باندھا ہے: ''کتاب البیوع - باب النهی عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة،الحدیث: ۱۵۳۶'' (دیکھئے: المنہاج شرح مسلم للنووی: ۴/۱۵۰)۔ امام ترمذی نے یوں باب قائم کیا ہے: '' باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة، الحدیث: ۱۳۱۳''۔ امام ابوداود نے اسے بیع سنین سے یاد کیا ہے'' باب فی بیع السنین ؛ الحدیث: ۳۴۰۴۔ ۳۳۷۵ (دیکھئے: نسائی فی البیوع: ۷/۲۶۶ اور ۷/۲۹۴، ابن ماجہ: ۲۲۱۸، بیہقی: ۵/۳۰۶، أحمد: ۳/۳۰۹)۔

امام نوویؒ نے بیع سنین و معاومہ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن منذر سے اس کے بطلان پر اجماع نقل کیا ہے، اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ بیع معدوم کی ایک صورت ہے، اس کے اندر غرر و جہل بھی پایا جاتا ہے، اور یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جس کی سپردگی پر وہ قادر نہیں ہے'' ..... وأما النهی عن بیع المعاومة و هو بیع السنین وهو باطل بالاجماع نقل الاجماع فیه ابن المنذر وغیره لهذه الاحادیث ولأنه بیع غرر؛ لانه بیع معدوم ومجهول غیر مقدور علی تسلیمه وغیر مملوک للتعاقد والله اعلم'' (شرح مسلم للنووی: ۱۰/۱۹۳)، امام جزری کہتے ہیں کہ بیع معاومہ کی مثال ایسی ہے جیسے اس بچے کو بیچا جائے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا ہے: هی بیع ثمر النخل أو الشجر سنتین

أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره ، وهذا البيع باطل ،لأنه بيع لم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق''(تحفۃ الأحوذی:۴/۴۴۸،عون المعبود:۵/۴۶۶،دیکھئے:اعلام الموقعین عن رب العالمین:۳/۱۷۰،المجموع:۹/۲۴۵،البیان فی مذہب الامام الشافعی:۵/۶۵)۔

امام نووی نے بیع معاومہ کی نفی کی علت بتاتے ہوئے کچھ اس طرح نقل کیا ہے: یہ بات معلوم ہے کہ بیع میں غرر منع ہے؛لیکن وہ غرر ہے جس سے احتراز ممکن ہو، برخلاف اسکے کہ وہ غرر جس سے بچنا ممکن نہ ہو جیسے گھر کی بنیادیں کیسی ہیں، حاملہ جانور کی بیع کہ کیا معلوم حمل ایک ہے یا دو ہے، مذکر ہے یا مونث ہے، اعضاء مکمل ہیں یا ناقص ہیں، اسی طرح اس بکری کی فروخت جس کے تھن میں دودھ ہو وغیرہ، تو ایسے میں اس کی بیع درست قرار پاتی ہے، ایسے میں علماء نے ان بیوع میں جن کے اندر معمولی غرر ہو ان کے درست ہونے پر اجماع تک نقل کیا ہے؛ لیکن اگر غرر کثیر ہو تو بیع جائز نہیں ہے، معاومہ میں بھی یہی علت پائی جاتی ہے(دیکھئے:المجموع:۹/۲۴۶)۔

بیع معاومہ، بیع سلم نہیں ہے:

''سلم'' کے لغوی معنی دینے اور ادھار کرنے کے ہیں:''**إعطاء و التسليف**''، جیسے کہا جاتا ہے:''**أسلم الثوب للخياط؛ أى أعطاه إياه**''(لسان العرب:مادۃ:غرر،انیس الفقہاء:۲۱۸،مشارق الأنوار:۲/۲۱۷)،علامہ مطرزی کا کہنا ہے:'' **أصله: أسلم الثمن فيه، فحذف**''(المغرب للمطرزی:۱/۴۱۲)۔اسی طرح سلم،سلف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اسی لئے بعض لوگوں نے اسے سلم اور بعضوں نے سلف سے تعبیر کیا ہے، علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ اس معاملہ کو عراق والے سلف کہتے ہیں اور اہل حجاز اس کو سلم کہتے ہیں'' **السلف لغة أهل العراق، والسلم لغة أهل الحجاز**''۔سلف کے معنی عمر یا فضل میں سبقت لے جانے والے آباء واجداد کو کہتے ہیں، تو وہیں اس کے معنی ثمن (قیمت) کو بھی کہتے ہیں، جو مبیع (بیچی جانے والی چیز) سے پہلے ادا کردیا گیا ہو،''**السلف ماتقدم من الثمن على المبيع**''۔اسی طرح سلف اس قرض کو بھی کہتے ہیں، جس میں قرض دینے والے کی کوئی دنیاوی منفعت نہ ہو،'' **السلف فى المعاملات بالقرض الذى لا منفعة للمقرض**''؛ چنانچہ عقد سلم کیلئے کبھی سلم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی اس معاملہ کو سلف بھی کہہ دیا جاتا ہے:''**السلف بيع السلم**'' (القاموس الفقہی:۱۸۱)۔

سلم اصطلاح میں اس بیع کو کہتے ہیں جس کے اندر مال کا بدل فوراً دیدیا جائے اور موصوف فیہ کو مؤخر کردیا جائے، جسے سلم اور سلف سے بھی تعبیر کرتے ہیں(المغنی:۵/۶۴۲)۔ہدایہ میں ہے:''**السلم أخذ عاجل بآجل**'' (ہدایہ:۳/۹۱)، شافعیہ اس عقد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' **أن السلم بيع شئ موصوف فى ذمة بلفظ سلم**'' یعنی لفظ سلم

کے ذریعے ایسی چیز کی خرید وفروخت ہے، جس کے اوصاف بیان کردئے گئے ہوں اور وہ بیچنے والے کے ذمے ادھار ہو(فتح الوهاب:۱/۳۱۸، حاشیۃ الجمل:۱۱/۴۸۷)۔ مالکیہ لکھتے ہیں:" **السلم عقد معاوضة يوجب عمارة ذمة بغير عين ولا منفعة غير متماثل العوضين**"،یعنی سلم ایک ایسا عقد معاوضہ ہے جو بغیر کسی عین اور منفعت کے ذمے میں لازم ہوتا ہے(مواهب الجليل:۶/۴۷۶)۔

اس بیع کی قسم کے جواز پر دلائل اربعہ شاہد ہیں، بالخصوص قرآن کریم کی آیت" **يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه**"(سورہ بقرۃ:۲۸۲)،اس کی اہم دلیل ہے،علامہ ابن منذر نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے:"**أجمع كل مانحفظ عنه من أهل العلم على أن السلم جائز**"(المغنی:۴/۶۴۳)۔

سلم کے شروط کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان آراء کا اختلاف ہے: حنفیہ اور حنابلہ یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ راس مال (یعنی سامان کی قیمت) مجلس عقد میں سپرد کردی جائے،اور مسلم فیہ (یعنی سامان) کو موخر رکھا جائے، اسی لئے ابن عابدین نے سلم کی تعریف کرتے ہوئے نقل کیا ہے:"**هو شراء آجل بعاجل**"(ردالمحتار:۴/۳۰۳)،یعنی یہ مؤخر (سامان) کی فوری (قیمت کی ادائیگی) کی بیع ہے۔اقناع میں اسی مفہوم کی عبارت موجود ہے:" **عقد على موصوف فى الذمة مؤجل بثمن مقبوض فى مجلس العقد**" (کشاف القناع:۳/۲۷۶،المطلع للبعلی:۲۴۵)۔شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ راس مال پر قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے؛لیکن اس بات کی اجازت دی ہے کہ سلم فوری بھی یا تاخیر کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے،اسی لئے ان کی تعریفات اس طرح ملتی ہیں:" **عقد على موصوف فى الذمة ببدل يعطى عاجلا**"(فتح العزيز للرافعی:۹/۲۰۷)،یعنی مسلم فیہ میں یہ قید نہیں ہے کہ اسے مؤخر کر کے ہی ادا کرے؛ بلکہ فوراً بھی ادا کرسکتا ہے، "**إسلاف عاجل فى عوض لايجب تعجيله**"(الروضۃ للنووی:۴/۳)۔

اس سلسلہ میں مالکیہ کے یہاں توسع اختیار کیا گیا ہے،اور یہاں تک مذکور ہے کہ راس المال بھی فوراً ادا کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اسے ایک دن یا تین دنوں تک ٹالا جاسکتا ہے؛ تاکہ معاملہ میں نرمی قائم رہے، "**بيع معلوم فى الذمة محصور بالصفة بعين حاضرة أو ماهو فى حكمها إلى أجل معلوم** "(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی،ط:دارالشعب بالقاھرۃ،۱۱۸۶)۔

اب بیع سلم کی ان تعریفات اوراحکامات کے لحاظ سے اسے بیع معاومہ پر قیاس کرنا ہے، بیع معاومہ میں راس مال اگرچہ ادا کردیا جائے؛لیکن رب المال کی تاخیر ایسی ہوتی ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی واضح نہیں ہوتا،حضرت تھانویؒ نے یہی بات لکھی ہے اور نقل کیا ہے کہ:" ......سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیونکہ اگر اشتراط وجود مسلم فیہ من وقت العقد الی

حلول الاجل سے قطع نظر کر کے شافعی کا مذہب بھی لے لیا جاوے، کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت حلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ:

اولا: مقدار ثمار کی متعین نہیں۔

ثانیا: کوئی اجل متعین نہیں۔

ثالثا: اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ بائع اول ہی سے اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے، اور وہ اسی وقت اس پر قابض ہو جاتا ہے، پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر اور خواہ نہ ہو۔

رابعا: اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

خامسا: اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہوسکتا" (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۵)۔

حضرت گنگوہیؒ کی رائے:

ایک طرف حضرت تھانویؒ کی تفصیلات ہیں تو دوسری طرف حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی تصریحات ہیں، حضرت کے نزدیک عموماً توسع معلوم ہوتا ہے، اور درخت و پھل کی خرید و فروخت میں عرف و رواج کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، آپ نے "**بیع الاثمار قبل الظهور**" کا عنوان لگا کر حضرت تھانویؒ کے مذکورہ بالا اشکالات کا بھی جواب دیا ہے، اور پھر" فائدہ" کا عنوان لگا کر گفتگو کی ہے، جو اس مسئلہ پر قابل مطالعہ ہے، آپ لکھتے ہیں:" علامہ ابن عابدینؒ نے ابتلائے عام وضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلائے عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو جائے، وہاں مذہب مالک کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر (پھل) بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے: "**كما نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى عن الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى فى صحة بيع الثمار بعد البروز قبل أن تكون منتفعا بها**" (ردالمحتار: ۴/ ۴۲)۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بیع الثمر قبل انفراک الزہر (یعنی پھول آنے سے بھی قبل بیع کر دینا) کو بالاتفاق ناجائز

قرار دیا ہے؛ مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلائے عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں'' (احسن الفتاوی: ۶/ ۴۸۹، مالکیہ نزدیک تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے، دیکھئے: بدایۃ المجتہد: ۲/ ۲۰۲، اقرب المسالک مع الشرح الصغیر: ۳/ ۲۶۲)۔

اس بحث سے اندازہ یہ ہوتا ہے حضرت گنگوہی نے بیع معاومہ سے قریب تر ایک صورت بیع قبل الثمار کے جواز کو ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے ساتھ جوڑ دیا ہے، آج غالباً یہ دور آچکا ہے، زمینی حقائق یہی ہیں کہ بیع معاومہ میں عوام الناس گرفتار ہیں۔

اشکالات اور جوابات:

اشکال یہ ہے کہ بیع معاومہ دراصل بیع معدوم بھی ہے؛ جبکہ حضور ﷺ نے فرمایا: **لاتبع مالیس عندک** '' (ترمذی: ۱۲۳۲، ابوداود: ۱۳۱۸) یعنی جو تمہارے پاس نہیں اسے مت بیچو، ایسے میں اس کے جواز کا فتوی کیسے دیا جاسکتا ہے؛ نیز اس کی وجوہات میں سے یہ بھی ہیں:

الف: بیع معاومہ کی نفی احادیث سے ثابت ہے، اگر جواز کا فتوی دیا گیا تو صریح نصوص کی خلاف ورزی مانی جائے گی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے (جدید فقہی مسائل: ۴/ ۲۳۱)۔

ب: یہ بات سچ ہے کہ بیوع میں عرف وعادت کی بنا پر بہت سے مسائل میں نرمی برتی جاتی ہے، بلکہ بیع استصناع اور سلم بھی اسی قسم میں سے ہیں؛ لیکن بیع معاومہ سے حضور ﷺ نے منع کیا، اور اس سلسلہ میں عرف کا خیال نہیں کیا؛ کیونکہ آپ کے ارشادات اور اس کی صراحت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اس کا رواج تھا۔

ج: بیع معاومہ میں کئی سال کی بیع شامل ہوتی ہے تو کیا اسے بھی گوارا کرلیا جائے؟

۱۔ان سب کا جواب اس میں پوشیدہ ہے کہ ضرورت انسانی احکام کا مدار ہیں، عرف خود شریعت کا درجہ رکھتا ہے؛ جبکہ وہ فاسد نہ ہوں، اگر ان وجوہات کو بروئے کار لایا جائے تو ظاہر ہے وہ احادیث سے عدول نہیں بلکہ وقتی ضرورت اور انسانی دشواری دور کرنا قرار پائے گا، یہ اصول سامنے رہنا چاہئے: ''**الثابت بالعرف کالثابت بالنص**'' (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۱۳) یعنی عرف سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ چیز کی طرح ہے، نیز اسی مفہوم میں یہ اصول بھی ہیں: ''**الثابت بالعرف کالثابت بدلیل شرعی**'' (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۱۳)۔ مجلۃ الأحکام العدلیۃ کی دفعہ ۴۵ میں عرف کی اس حیثیت کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے: '' **التعیین بالعرف کالتعیین بالنص**'' (مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ: ۴۵)، اور ''**العرف والعادۃ أصل من أصول الشریعۃ**'' (العرف حکایۃ اقوال الفقہاء فی حجیۃ العرف: ۲۴۷)۔

۲۔اسی طرح عموم بلوی کوفقہاء نے تیسیر کا ایک ذریعہ مانا ہے، جیسے بارش کے موسم میں راستے سے اڑنے والی کیچڑ سے نجاست کا مسئلہ ہے، جس سے کہ بچنا مشکل ہے، اسی لئے معاملات میں وہ غبن جو غبن فاحش نہ ہو اسے بھی گوار کیا ہے (اصول الفقہ للخلاف:۲۰۹)۔

۳۔علامہ عبدالوھاب خلاف نے ہی ''الحاجة تنزل منزلة الضرورات فی اباحة المحظورات'' کے تحت سلم و استصناع وغیرہ کے جواز کے بعد لکھا ہے:'' اور اسی اصل پر معاملات واشتراکات کے بہت سے مسائل متخرج ہوتے ہیں، جو لوگوں کے درمیان عام اور ان کی ضرورت ہوگئے ہیں، لہذا جب مناسب دلیل سامنے آجائے، اور وہ اس پر یقین دہانی کرادے کہ معاملات وتصرفات کی یہ قسم لوگوں کیلئے حاجت کا مقام رکھتی ہے، اس طور پر کہ اگر انہیں اس سے روکا جائے تو معاملات میں تنگی وحرج لاحق ہوجائے گی، ایسے میں انہیں اس کے بقدر اجازت دی جائے گی جو ان کے حرج کو دور کردے، اگر چہ کہ وہ ممنوع ہو جیسا کہ ربا یا اس کے مشتبہات ہوتے ہیں، اس کی بنیاد اس بات پر ہوگی کہ حاجتیں ممنوعات میں اباحت پیدا کردیتی ہیں، جس طرح ضرورات کردیتے ہیں، لیکن اسے ضرورت کے بقدر ہی تسلیم کیا جائے گا'' (اصول فقہ:۲۱۰)۔

۴۔اس کی مثال یہ بھی ہے کہ'' بیع وفاء'' بیع ہونے کی حیثیت سے حدیث مذکور کے خلاف ہے؛ کیونکہ یہ سود کے مشابہ ہے، کہ اپنا سامان دیدیا جائے اور گاہے بگاہے قیمت ادا کیا جائے، جب قیمت مکمل ادا کردی جائے تو سامان واپس لے لیا جائے، مگر اس کے باوجود بلخ وبخارا وغیرہ کے عرف وتعامل کی بنا پر وہاں کے فقہاء نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، اور بعد میں اسے بہت سے حضرات نے قبول کرلیا ہے، اور بحیثیت بیع بہت سے حضرات نے اس کو رہن کی حیثیت دی ہے، مگر جواز کو اختیار کیا ہے (دیکھئے: الاشباہ:۱۰۳، ردالمحتار:۵/۲۷۶-۲۸۱، شرح النقایۃ لعلی القاری:۲/۴۵-۴۶)۔

محتاط رائے:

بیع معاومہ باہمی رضامندی کی بیع ہے، جو مفضی الی النزاع بھی نہیں، معاملات کے فاسد ہونے میں یہی سب سے زیادہ اولیت رکھتا ہے، مذکورہ بالا بحثوں میں اگر چہ اصول کے تحت جواز تلاش کیا جاسکتا ہے؛ لیکن احوط یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حیلہ سے کام لیا جائے، تاکہ مشتبہات سے محفوظ ہوں اور دل میں اطمینان رہے، جس کی چند صورتیں یہ ہوسکتی ہیں:

الف: یہ معاملہ پھلوں کا نہ کرتے ہوئے زمین کا کیا جائے، وہ اسطرح کہ دوسال یا اس سے زائد کیلئے زمین یا درخت معاہدہ کے ساتھ خرید لے، اور اس بات کو بھی باہم طے کرلیا جائے کہ ان سالوں میں زمین سے نکلنے والی ہر چیز کا مالک وہ خود ہوگا، یہ ایک ایسی شرط ہے جو مقتضائے حال سمجھا جائے گا اور اس کی اجازت دی جائے گی، اس کی نظیر اصول فقہ سے ملتی ہے، اس بیع کو'' بیع الاصول وبیع الثمار'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، امام نووی نے اصل سے مراد زمین اور درخت دونوں لئے ہیں:''وقد عبر عنه النووی بقوله الاصول: الشجر والارض''۔وہ چیزیں جن کی اصل ہوتی ہیں اس اصل کے تابع

بھی کچھ چیزیں ہوتی ہیں، لہذا زمین اصل اور اس پر بناء تابع ہے، اسی طرح درخت اصل ہے اور اسکی ٹہنیاں، پھل وغیرہ اس کے تابع ہیں، اور اصل کی بیع جب کی جاتی ہے تو اس سے متعلق ہر چیز اس میں شامل ہوتی ہے،" **الأشياء منها ماهو أصل و منها ماهو تابع لغيره ، فالأرض أصل والبناء تابع ، والشجر أصل والأغصان والثمار تابعة لها، وعند البيع يتبع الأصل مايلتحق به حكما**"(فقہ المعاملات:۱/۳۶)۔

درختوں پر لگے پھلوں کی بیوع اور ائمہ اربعہ:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب پھل درخت سے الگ ہوجائیں تو انہیں بیچنا جائز ہے،"**ويجوز باتفاق الفقهاء بيع الثمار وحدها منفردة عن الشجرة، ولكن لايجوز بيعها الا بعد بدو صلاحها**" (فقہ المعاملات:۱/۳۶)، اسی طرح تمام فقہاء کرام کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ صرف درخت پر لگے پھل کو بیچنا جائز نہیں؛ سوائے اس صورت میں کہ بدو صلاح ہوجائے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ پھلوں کی بیع کی جائے یہاں تک بدوصلاح ہوجائے، جمہور کے نزدیک جس کا مطلب یہ ہے کہ پھل پک جائیں، ان میں مٹھاس آجائے وغیرہ، حنفیہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ آفات سے بچ جائے۔

اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ درخت پر لگے پھل ظاہر ہونے کے بعد اور بدوصلاح سے پہلے جبکہ اسی وقت توڑنے کی شرط لگادی جائے تو بیچنا جائز ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پھل قابل انتفاع ہوچکا ہو، مگر مالکیہ نے اس پر دو شرطوں کا اضافہ کیا ہے:

۱۔خرید وفروخت کرنے والے دونوں حضرات کو اسکی ضرورت ہو یا کسی ایک کو بیع کیلئے اسکی حاجت ہو۔

۲۔عوام الناس اس بیع کو درست جانتی ہو (فقہ المعاملات:۱/۳۷)۔

بدوصلاح سے کیا مراد ہے؟

احادیث میں جن بیوع سے منع کیا گیا ہے انہی میں سے ایک بیع یہ ہے کہ پھل کو بدوصلاح سے قبل بیچ دیا جائے، اسے بعض نصوص میں "بیع محاضرۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الف: ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدوصلاح سے قبل پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا:" **عن ابن عمر أن النبی ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها ، نهى البائع والمبتاع**"(بخاری مع الفتح:۴/۳۹۴، مسلم:۱۱۶۵)، بعض روایات میں کچھ صراحت کے ساتھ یوں ہے:"**نهى عن بيع النخل حتى تزهو ، وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة**" (مسلم:۳/۱۱۶۵)، یعنی پھل کو اس وقت تک نہ بیچا جائے جب تک پھول نہ نکل آئیں اور جب تک وہ آفات سے محفوظ نہ ہوجائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت منقول ہے:" **قال رسول الله ﷺ :لا تبتاعوا الثمار حتى يبدو صلاحها** " (مسلم:۳/۱۱۶۷)، حضرت انسؓ کی روایت اور تفصیل کے ساتھ یوں

بیان کی گئی ہے: ”عن أنسؓ أن النبیﷺ نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها ، وعن بيع النخل حتى يزهو ، قيل: مايزهو؟ قال: يحمار أو يصفار“ (بخاری مع الفتح: ۳۹۷/۴، مسلم: ۱۱٦۵/۳)۔ بدوصلاح کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ وہ آفات سے بچ جائیں: ”قال: نهى النبیﷺ عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، .. قال ابن عمرؓ: حتى تذهب عاهتها“ (بخاری مع الفتح: ۲٦۸/۳، مسلم: ۱۱٦٦/۳)۔

ب: ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے بدوصلاح کی تفسیر یہ بیان کی ہے:

حنفیہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ پھل آفات وفساد سے محفوظ ہوجائے، علامہ کرلانی مانتے ہیں: وہ پھل انسانوں کے کھانے کیلئے یا جانوروں کے چرنے کے لائق ہوجائیں۔ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ”... لكن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد“ (ردالمحتار: ۳۸/۴، حاشیۃ الامام الشلبی: ۱۲/۴، فتح القدیر: ۴۸۹/۵، شرح الکفایۃ علی الہدایۃ: ۴۸۸/۵)۔

مالکیہ نے مختلف نسبتوں سے الگ الگ تعریفات نقل کی ہیں: کھجور کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے اندر احمرار (سرخی) یا اصفرار (زردی) ہوجائے یا پھول آجائیں۔ انگور میں یہ ہے کہ وہ کالا ہوجائے یا پھر اسکے اندر مٹھاس پیدا ہوجائے، اس کے علاوہ پھلوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہوجائیں، اور تمام طرح کی سبزیوں میں یہ ہے کہ وہ کھانے کے لائق ہوجائیں، اور کھیتی وغلوں میں یہ ہے کہ وہ سوکھ جائیں اور سخت ہوجائیں (شرح الدردیر وحاشیۃ الدسوقی علیہ: ۱۷٦/۳، القوانین الفقہیہ ۱۷۲۔۱۷۳)۔

شوافع کے نزدیک بدوصلاح پک جانا اور مٹھاس پیدا ہوجانا ہے، حنفی کتابوں میں بھی شوافع کا یہی مسلک منقول ہے: ”وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة“ (ردالمحتار: ۳۸/۴) اس کے علاوہ آٹھ علامات بتائی گئی ہیں؛ لیکن ان میں سب سے مناسب اور ضابطہ کی بات علامہ قلیوبی نے نقل کی ہے جو کافی وشافی ہے: ” بلوغه صفة يطلب فيها غالبا“ (حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج: ۲۰۴/۳) یعنی پھل اپنی تکمیل کا اکثر حصہ پالے (دیکھئے: شرح المحلی علی المنہاج: ۲۳۵/۲)۔

حنابلہ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ جو پھل اپنی صلاح کے وقت رنگ بدلے جیسے انگور کالا ہوجائے تو یہی بدوصلاح ہے، اور اگر وہ رنگ بدلنے والا نہ ہو تو اس کا پک جانا اور کھانے کے لائق ہوجانا بدوصلاح ہے (المغنی: ۲۰۷/۴)، علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے یہاں پر بدوصلاح سے قبل بیع نہ کرنے کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے: دراصل بدوصلاح سے قبل بیچنے میں پھلوں کے تلف ہوجانے یا اس پر قبضہ سے قبل آفات میں برباد ہوجانے کا خوف ہے (المغنی: ۲۰۲/۴، حاشیۃ قلیوبی: ۲۳۳/۲)، جیسا کہ حضرت انسؓ کا فرمانا ہے: ”أرأيت إذا منع الله الثمرة ،بم يأخذ أحدكم مال أخيه“ (بخاری مع الفتح: ۳۹۸/۴، مسلم: ۱۱۹۰/۳)۔

درخت پر لگے پھلوں کو بیچنے کی مختلف کیفیتیں:

جمہور فقہاء کرام نے بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت سے منع کیا ہے، علامہ ابن منذر نے اس بات پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے: ’’ **أجمع أهل العلم على القول(النهى) بجملة هذا الحديث** ‘‘(المغنی:۲۰۲/۴)۔ فقہاء نے یہاں پر تین صورتیں نقل کی ہیں:

پہلی صورت: پھل آنے سے پہلے ہی فروخت کر دیا جائے؛ خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی، یہ صورت بیع معاومہ سے قریب تر ہے، حضور اکرم ﷺ نے غرر و جہل سے منع فرمایا ہے، اور ایسی کوئی صورت جو مفضی الی النزاع ہو اس سے بھی روکا گیا ہے، اگر اسے بیع معاومہ نہ مانیں اور صرف یہ مان لیں کہ اسی موسم کے پھل کی بیع ہو رہی ہے، تب یہ بیع معدوم کی ایک صورت ہے، بیع معدوم کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے فرمایا: ’’ **لاتبع مالیس عندک** ‘‘(ترمذی: ۱۲۳۲، ابوداود: ۱۳۱۸) کہ جو تمہارے پاس نہیں اس کی بیع مت کرو، اس حدیث کے اعتبار سے بیع معدوم کی متعدد صورتیں نکالی گئی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ وہ معدوم جس کی صفت و مدت معلوم ہو یعنی بیع ’’سلم‘‘، علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ بالاتفاق اس کی اجازت ہے: ’’ **فهذا يجوز بيعه اتفاقاً** ‘‘(زادالمعاد: ۸۰۸/۵)، معدوم کی ایک شکل یہ ہے کہ اس شئی کی بیع کی جائے جس کا حاصل ہونا یا نہ ہونا معدوم ہو، جیسے: حبل الحبلہ کی بیع، اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے (دیکھئے: الاجماع لابن منذر: ۱۱۴، مجموع الفتاوی: ۲۳/۳۰۷، موسوعۃ الاجماع لسعدی: ۱۷۴/۱، الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳۹۸/۵)۔

دوسری صورت: باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے، یہ بھی ایک طرح سے معدوم کی بیع ہے؛ لیکن اس کی کیفیت الگ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ معدوم شئی سے زیادہ موجود کا وجود ہو، یعنی عقد کے وقت اکثر کا وجود ہو، جیسے درختوں پر لگے اکثر پھلوں میں بدوصلاح ہو چکا ہو؛ لیکن ابھی بھی کچھ حصہ باقی ہو تب بھی بیع ہو جائے گی۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ’’ **فاتفق الناس على جواز بيع ذلك الصنف الذى بدا صلاح واحدة منها وإن كانت بقية الثمار معدوم وقت العقد** ‘‘(زادالمعاد: ۸۰۸/۵)۔ اس بیع کے متعلق جواز اور عدم جواز میں دو آراء ہیں:

پہلی رائے- عدم جواز کی ہے، خواہ معدوم مستقبل میں متحقق الوجود ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس میں غرر ظاہر ہو یا نہ ہو، جیسے بیع حبل الحبلہ وغیرہ، یہی رائے جمہور فقہاء حنفیہ (بدائع الصنائع: ۱۳۸/۵، تبیین: ۹/۴/۸ وغیرہ)، مالکیہ (بدایۃ المجتہد: ۱۱۱/۲، مواھب: ۳۶۳/۴، وغیرہ)، شافعیہ (الام: ۱۱۸/۳، نہایۃ المحتاج: ۴۱۰/۳ وغیرہ) اور حنابلہ (المغنی: ۶۹۹/۶، الشرح الکبیر: ۳۲۵/۲ وغیرہ) کی ہے، اور بطور دلیل ان نصوص کو پیش کرتے ہیں جن میں بیع غرر وغیرہ کی ممانعت آئی ہے، ایک روایت ہے: ’’ **نهى النبى ﷺ عن بيع السنين وهى المعاومة** ‘‘(مسلم: ۱۵۳۶)۔

دوسری رائے- جواز کی ہے، جبکہ مستقبل میں حسب عادت وجود ممکن ہو تو یہ صورت علی الاطلاق ممنوع نہیں ہے، یہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی رائے ہے (دیکھئے: مجموع الفتاوی: ۲۰/۵۳۱، اعلام الموقعین: ۱/ ۳۹۹)، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے یہ دلیل دی ہے کہ نصین میں بیع معدوم کے عدم جواز کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ اگر کہیں منع کیا گیا ہے تو وہ کسی خاص بیع سے منع کیا گیا ہے: ”**فليس فى كتاب الله ولا فى سنة رسوله بل ولا عن أحد من الصحابة أن بيع المعدوم لا يجوز لا لفظ عام ولا معنى عام ،وانما فيه النهى عن بعض الأشياء التى هى معدومة كما فيه النهى عن بيع بعض الاشياء التى هى موجودة**“ (مجموع الفتاوی: ۲۰/ ۵۴۲)، ایک اور جگہ پر ہے: ” **إذا بدا بعض ثمر الشجر جاز بيع جميعها اتفاقا**“ (مجموع الفتاوی: ۲۹/ ۴۸۰)، اسی طرح سلم اور بیع تاجیل وغیرہ پر قیاس کے بعد یہ اصول نقل کیا ہے کہ: ”**الأصل فى المعاملات الإباحة**“ یعنی بیع وشراء اور معاملات کے اندر اصل اباحت ہے۔ علامہ زرکشی سے منقول ہے: ”**تنبيهان: أحدهما بدو الصلاح فى شجرة صلاح لجميعها بلاخلاف أعلمه بين الاصحاب وكثير منهم يقول رواية واحدة**“ (شرح الزرکشی: ۳/ ۵۰۴)، ابن قدامہ نے تو اس مسئلہ میں اجماع تک نقل کیا ہے: ”**لااعلم فيه اختلافا**“ (المغنی: ٦/ ۱۵٦)۔

تیسری صورت: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے، علامہ کاسانی نے ”**كتاب البيوع**“ میں یہ فصل قائم کی ہے: ” **فصل فى الشرط الذى يرجع إلى المعقود عليه**“ اور اس کے تحت لکھا ہے کہ پھلوں کی بیع یا کھیتی کی بیع اس کے ظہور سے پہلے اس لئے منع ہے کہ وہ معدوم ہے، اور اگر بدو صلاح سے قبل ہوا اور اسے توڑنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو ہمارے مشائخ میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے؛ مگر یہ کہ وہ اس حال میں ہو جائے کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قابل انتفاع نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی: ”**إلا إذا صار بحال ينتفع به بوجه من الوجوه فإن كان بحيث لا ينتفع به أصلا لاينعقد**“، لیکن امام محمدؒ کا ماننا ہے (زکاۃ کے بیان میں) کہ اگر کسی نے پھل کے اول طلوع میں خریدا، اور اس بائع کے حکم پر اسے درخت پر ہی چھوڑ دیا، چنانچہ جب عشر کی باری آئے گی تو خریدنے والے پر ہی عشر لازم آئے گا، سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمد نے عشر کو خریدار پر ہی واجب قرار دیا ہے، اگر اسے بیچنا درست نہ ہوتا تو پھر عشر کیسے واجب ہوتا؟ اور دلیل کے طور پر یہ روایت نقل کی ہے: ” **قال ﷺ :من باع نخلا قد أبّرت فثمرتها للبائع إلا أن يشترط المبتاع**“ (بخاری: ۲۲۰۴، مسلم: ۱۵۴۳)۔

دراصل اس بیع کو علامہ کاسانی نے بیع موجود لکھا ہے کہ یقیناً جس حال میں ہے وہ منتفع بہ ہے، اور اگر وہ قابل انتفاع نہ بھی ہو تب بھی اس کی اجازت اسی بیع کی طرح ہوگی جس طرح چھوٹے چھوٹے خربوزے کی بیع درست ہو جاتی ہے: ”**وإن**

لم يكن منتفعا فی الحال فيجوز بيعها كبيع جرو الكلب على أصلنا" (بدائع الصنائع:۵/۱۳۹)، علامہ شامی نے لکھا ہے بدوصلاح کے بعد بہر حال بیع کی اجازت ہوتی ہے؛ کیونکہ اس سے انتفاع فی الوقت نہ سہی تو بعد میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یا اگر چہ کھانے کے کام نہ آئے لیکن جانوروں کے لئے کام آسکتا ہے، جس طرح لکڑی وغیرہ کو بیچا جاتا ہے جبکہ وہ پتوں کے ساتھ ابھی نکل ہی رہے ہوتے ہیں؛ البتہ اگر کسی بھی اعتبار سے قابل انتفاع نہ ہو تو ضرور مشائخ نے اختلاف درج کیا ہے، اس لئے نقل کرتے ہیں:

"وإن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب إذا باع بشرط القطع أو مطلقا" (دیکھئے: ردالمحتار، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا:۱۸/۳۸۵۔ شاملہ، البحرالرائق شرح کنز الدقائق: فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار:۵۱/۲۲۹)، درمختار کی یہ عبارت بھی جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے؛ بلکہ صراحت کرتی ہے:"كما نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى عن الامام ابن الهمامؒ فی صحة بيع الثمار بعد البروز قبل أن تكون منتفعا بها" (ردالمحتار:۴/۴۲، دیکھئے: احسن الفتاوی:۶/۴۸۹)۔

پھل تیار نہ ہونے پر فروخت کی تین شکلیں:

پہلی شکل: فریقین میں یہ بات طے پائے کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے، اس صورت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیچنے والے نے خریدنے والے کیلئے پھل کو توڑنے کی شرط لگادی ہے، حالانکہ بیع میں شرط لگانا درست نہیں؛ لیکن اس سلسلہ میں فقہاء کے نقطہ نظر میں اختلاف ہے، پہلے اس کی وضاحت کی جاتی ہے:

بیع میں شرط لگانا:

بیع میں شرط لگانے کی اجازت نہیں ہے، اگر وہ شرط مقتضائے حال ہو تو درست ہے ورنہ وہ بیع فاسد ہے، اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جس کے اندر حضور ﷺ نے فرمایا:"... مابال رجال يشترطون شروطا ليست فی كتاب الله ، ماكان من شرط ليس فی كتاب الله فهو باطل وإن كان مأة شرط ، قضاء الله أحق، وشرط الله أوثق ، وإنما الولاء لمن أعتق" (بخاری:۴۵۶، مسلم:۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ابوداود:۲۴۸، ترمذی:۴/۴۷۹)، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہؓ نے بریرۃ نامی ایک باندی خرید کر آزاد کرنا چاہا؛ لیکن ان کے مالک نے یہ شرط لگادی تھی کہ ولایت اسی کے پاس رہے گی، جبکہ ولایت آزاد کرنے والے کے پاس ہوتی ہے، یہ ایک شرط فاسد تھی جس کا تدارک حضور ﷺ نے کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"اشتريها ودعيهم يشترطون ماشاء وا" (دیکھئے: فتح الباری:۵/۲۲۵)۔

اسی طرح عبداللہ بن عمرو کی بھی ایک روایت ہے، جس کے اندر صاف طور پر ایک بیع میں دو شرطیں لگانے سے منع کیا ہے، روایت میں آتا ہے: "ولا شرطان فی بیع" اور "نهی عن بیعتین فی بیعة"۔ صاحب خرشی نے لکھا ہے کہ اس سے مقصود اس بیع سلف (ادھار) سے منع کرنا ہے جو ایک دوسرے پر مشروط ہو: "**والمقصود بالنهی عن بیع وسلف هو ما إذاكان أحدهما مشروطا علی الآخر**" (الخرشی علی مختصر خلیل: ۸۱/۵)۔ علامہ ابن قیم نے بھی یہی بات لکھی ہے (دیکھئے: تہذیب السنن: ۲۹۵/۹)۔

فقہاء کی جماعت میں سے امام احمد بن حنبل کا مسلک ظاہر حدیث پر ہے، چنانچہ انہوں نے ایک شرط لگانے کی اجازت دی ہے؛ جبکہ دو شرطوں کی نفی کی ہے، اور مثال یہ دی ہے کہ جب کوئی اپنا غلہ خریدے تو اسے لیجانے کی بھی شرط لگادے تو یہ صحیح ہے؛ لیکن ساتھ ہی اسے پیسنے کی بھی شرط لگادے تو یہ دو شرطوں کی وجہ سے فاسد ہوجائے گی (المغنی ۳۰۸/۴، الانصاف: ۳۴۸/۴)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک دوسری روایت یہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اختیار کیا ہے: کہ ایک ہی بیع میں دو شرطیں یا اس سے زائد بھی لگائے جاسکتے ہیں (الانصاف: ۳۴۸/۴)، یہی رائے امام مالک کی بھی ہے (قوانین الاحکام الشرعیۃ: ۲۷۱)، اس جماعت میں ابن سیرین، ابن شبرمہ، حماد بن ابی سلیمان وغیرہ بھی شامل ہیں (دیکھئے: المجموع: ۳۷۱/۹)؛ لیکن اس بات کا بھی خیال رہے کہ ان سب حضرات کے نزدیک غیر شرعی شرط قابل قبول نہیں ہیں، اور ان روایات کے متعلق یہ ماننا ہے کہ اس سے مراد ایک بیع میں دو بیع شامل کردینا ہے: "**المراد بها النهی عن بیعتین فی بیعة**" (دیکھئے: الاحادیث الواردۃ فی البیوع المنھی عنھا: ۳۷۷/۱)۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک بیع میں شرط لگانے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کسی نے فصل خریدی اور اس نے اسے کاٹنے کی شرط لگادی تو یہ بیع فاسد ہوجائے گی (دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۶۹/۵، المجموع: ۳۶۸/۹)، فقہ مقارن کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس قول کی کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے۔ یہاں پر یہ بات واضح رہے کہ فقہاء کی یہ بحثیں ان شروط کے بارے میں ہیں جو مقتضائے عقد نہ ہوں اور نا ہی فریقین کی مصلحت میں سے ہو۔ اگر کوئی شرط مقتضائے عقد ہے، جیسے کسی مبیع میں تصرف کرنے اور سامان کے عیوب سے خالی ہونے کی شرط ہو، یا مصلحت عقد کے مطابق ہو جیسے کوئی رہن پر خرید کرے یا وقت مؤجل پر تو ایسی شرطیں بالاتفاق جائز ہیں (دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱۶۸/۵-۱۷۲، شرح الخرشی: ۸۰/۵-۸۱، المجموع: ۳۵۸/۹-۳٦۴، المغنی: ۳۰۹/۴)۔

پھل توڑنے کی شرط:

تمام فقہاء کے یہاں بیع کی یہ صورت جس میں خریدار پھل توڑلے بالاتفاق جائز ہے، علامہ ابن نجیم نے یہاں تک

لکھا ہے کہ ایسی شرط کے ساتھ اگر بدو صلاح سے قبل بھی فروخت کردیا جائے تب بھی جائز ہے؛ کیونکہ فریقین کے درمیان کچھ بھی مفضی الی النزاع نہیں ہے:"......... **فأجازوا البيع قبل بدو الصلاح بشرط القطع**"(البحرالرائق ۲۳۰/۱۵)، ابن ہمام لکھتے ہیں:"**ولا -خلاف- في جوازه قبل بدوالصلاح بشرط القطع فيما يُنتفع به**"(فتح القدیر:۴۸۸/۵)۔ شافعیہ کی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ پھل پکنے سے قبل بھی جبکہ وہ قابل انتفاع ہوجائے، توڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنا جائز ہے: "**ويجوز بيع الثمار قبل نضجها بشرط القطع إذا كانت ينتفع به**"(الفقہ المنہجی علی مذہب الامام الشافعی:۳۵/۶)، علامہ قرافی نے بھی جواز لکھا ہے (الذخیرۃ:۱۸۳/۵)۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی نے اس صورت میں اجماع نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:"**القسم الثاني: ان بيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالاجماع، لأن المنع انما كان خوفا من المثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها**"(المغنی:۴/۲۷، دیکھئے: کشاف القناع:۲۸۱/۳، شرح المحلی علی المنہاج:۲۳۳/۲)۔

دوسری شکل: فریقین کے بیچ یہ طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت پر ہی لگا رہے گا۔

الف: فقہاء نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ پھل توڑنے کی شرط کے ساتھ اگر معاملہ کیا گیا ہے تو پھر فوراً ہی پھل توڑنا ضروری ہوگا، اس کی وجہ یہ نقل کی ہے کہ پھل کو چھوڑ دینے میں دوسرے کی ملکیت (درخت) میں تصرف لازم آتا ہے، اور اپنے مال کے ساتھ زائد نفع کا بھی خدشہ ہے، اس لئے بیع ہی فاسد ہوجائے گی، جوہرۃ النیرۃ میں ہے:"......... **أما إذا اشترط تركها على رؤس النخل فسد البيع لأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شرط شغل ملك الغير وهو صفقتان في صفقة واحدة**"(الجوہرۃ النیرۃ: کتاب البیوع ۲۱۱/۲، تبیین الحقائق:۱۲/۴)، علامہ شامی لکھتے ہیں:"**وإن باع على أن يتركه حتى يدرك لم يجز....**"(حاشیہ ابن عابدین:۳۸/۴)، حنابلہ کے یہاں ایک جزئیہ یہ ملتا ہے کہ درخت پر پھل رہنے دینے کے ساتھ اگر بیع کی جائے تو اس میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا:"**وشرط الإبقاء يبقى إلى أوان الجداد للعرف**"(شرح المحلی علی المنہاج:۲۳۳/۲)، لیکن اگر یہ شرط بیچنے والے کی طرف سے لگائی جائے تو پھر بلاشبہ یہ بیع فاسد مانی جائے گی؛ کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، ضروری ہے کہ کوئی سامان بیچنے کے بعد خریدار اس کا مالک ہوجائے اور اسے اس میں تصرف کا حق ہوجائے؛ جبکہ یہاں پر تصرف اب بھی بائع کے ہاتھ میں ہی ہے، ایسے میں بیع منعقد نہیں ہوسکتی۔

لیکن علامہ سمرقندی کے یہاں ایک جزئیہ جواز کا ملتا ہے، جو بہت مناسب معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:"**فإن كان ذلك بإذن البائع جاز وطاب له الفضل**"(تحفۃ الفقہاء:۵۶، ہندیہ:۱۰۶/۳)، کیونکہ بیع وشراء میں اصل فریقین کی رضامندی ہے، اگر دونوں اس پر راضی ہیں تو ظاہر ہے کوئی اور چیز اس کے جواز میں مانع نہیں ہے۔ علامہ شامی نے نقل کیا ہے

کہ اگر کسی نے مطلق بیع کی ہے اور مشتری نے پھل توڑنے کے بجائے چھوڑ دیا ہے؛ تاکہ وہ بہتر ہوجائے تو یہ بائع کی خوش دلی کے ساتھ درست ہے؛ لیکن اگر بغیر اس کی رضامندی کے ایسا ہے تو پھر جو کچھ بیع کے بعد زائد ہوگا اسے مشتری کو صدقہ کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس نے مال محظور سے انتفاع کیا ہے (حاشیہ ابن عابدین: ۳۸/۴)۔ علامہ قلیوبی کہتے ہیں: لیکن اگر پھل تیار تھا اور خرید وفروخت کے بعد خواہ بائع کی رضامندی سے یا بغیر رضامندی کے چھوڑ دیا گیا تو کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ اس صورت میں عین کے اندر کچھ بھی کیلاً و وزناً بڑھوتری کی گنجائش نہیں ہے (تبیین الحقائق: ۱۲/۴)۔

تیسری شکل: نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی یعنی مطلق بیع کی ہے، اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں:

پہلی رائے: اقناع میں یہ عبارت موجود ہے کہ بیع کی یہ صوت جائز نہیں ہے: ’’**وإن باعه مطلقا فلم يذكر قطعاً ولا تبقية أو باعه بشرط التبقية لم يصح**‘‘ (الاقناع: ۱۳۰/۲)، علامہ ابن قدامہ کے بیان کے مطابق اس طرح کی بیع ائمہ ثلاثہ کے یہاں منعقد نہیں ہوتی؛ جبکہ امام ابوحنیفہ اسے درست مانتے ہیں: ’’**القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالك والشافعي وأجازه أبو حنيفة**‘‘۔ ان کا ماننا ہے کہ بیع کا مطلب یہ ہے کہ پھل توڑ لئے جائیں: ’’ **لأن إطلاق العقد يقتضى القطع**‘‘ (مغنی: ۲۳۸/۱۰۔ شاملہ)، حاوی میں ہے: ’’**وأما القسم الثالث: وهو أن تباع بيعا مطلقا لايشترط فيه التبقية والترك، ولا يشترط فيه القطع، فمذهب الشافعي رحمه الله: أن البيع باطل**‘‘، ان حضرات نے دلیل کے طور پر انہیں روایات کو پیش کیا، جن کے اندر بدو صلاح سے قبل پھلوں کو بیچنے سے منع کیا گیا ہے (دیکھئے: حاشیۃ الصاوی: ۲۳۳/۳، الکافی: ۶۸۳/۲، بدایۃ المجتھد: ۲۶۳/۲، الافصاح ۲۵۸/۱، روضۃ الطالبین: ۵۵۴/۳، الحاوی الکبیر: ۱۹۱/۵)۔

دوسری رائے: امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع تو درست ہوجائے گی؛ لیکن پھل توڑنے کا حکم دیا جائے گا، احناف نے اس سلسلہ میں ابن عمرؓ کی روایت پیش کی ہے: ’’ **أن رسول الله ﷺ قال: من باع نخلا قد أبّرت فثمرتها للبائع الا أن يشترط المبتاع**‘‘ (مسلم: کتاب البیوع، باب من باع نخلا علیھا تمر: ۱۵۴۳)، یعنی جب کھجور کے درخت کی تابیر کردی گئی ہو اور اسے بیچ دیا جائے تو پھل بیچنے والے کا ہی ہوگا، سوائے یہ کہ خریدنے والے کیلئے پھل توڑنے کی شرط لگادی جائے، اس روایت میں اگرچہ پھل توڑنے کو ضروری قرار دیا ہے؛ لیکن بیع کے جواز کا بھی ثبوت ملتا ہے، حاوی میں احناف کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے یہ عبارت نقل کی گئی ہے: ’’**وقال أبو حنيفة: البيع جائز، ويؤخذ المشترى بقطعها فى الحال، بناء على أصله فى أن إطلاق العقد يقتضى تعجيل القطع؛ لأن من حقوق العقد تسليم المبيع من غير تأخير، والتسليم لايتم بالقطع، وإذا كان إطلاق العقد فيها يقتضى تعجيل قطعها، ثم ثبت أنها**

لو شرط تعجيل القطع صح العقد، وكذا مع إطلاق العقد المقتضى تعجيل القطع" اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کوخریدنے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ ضروری ہے، اور یہاں پر پھل پر قبضہ کیلئے اس کا توڑنا ضروری ہے، اسی لئے اسے فوراً توڑنے کا حکم دیا جائے اور بیع درست ہوجائے گی (کتاب الحاوی للماوردی:۵/۳۹۶)۔

فتاوی ہندیہ میں تحفۃ الفقہاء، النہر الفائق اور الکافی کے حوالے سے منقول ہے کہ اگر پھل یا پیداوار اس طرح پر بیچا جائے کہ وہ قابل انتفاع ہوتو اسے بیچنا درست ہے؛ لیکن جب مطلق بیچا جائے نہ اس میں توڑنے یا چھوڑنے کی شرط لگائی گئی ہوتو خریدار کو فوراً توڑنا ضروری ہوگا، اور اگر پھل درخت پر چھوڑنے کی شرط پر بیچا گیا ہوتو یہ بیع فاسد ہوجائے گی؛ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب اس کا تنا مضبوط نہ ہو، اور اگر مضبوط ہوتو پھر ہر دوصورت میں بیچا جاسکتا ہے؛ مگر کہتے ہیں کہ اگر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچا گیا ہوتو قیاساً امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک صحیح نہیں ہونا چاہئے؛ جبکہ امام محمد کے نزدیک استحساناً صحیح مانا جائے گا، اورفتوی امام محمد کے قول پر دیا گیا ہے: "**وعلى المشترى قطعها فى الحال هذا إذا باع مطلقا أو بشرط القطع، فإن باع بشرط القطع فسد البيع .... وصح استحسانا عند محمد رحمه الله وفى الاسرار أن الفتوى على قوله.....** " (فتاوی ہندیہ:۳/۱۰۶، الفصل الثانی فی بیع الثمار)۔

حیلے کی گنجائش:

اگر پھل درخت پر باقی رکھنا چاہتا ہوتا کہ پک جائے اور بہتر ہوجائے؛ لیکن بیع بھی انجام دینا ضروری ہے تو ایسے میں اختلاف رائے کے درمیان فقہاء نے دوطریقے ایسے بتائے ہیں جن کے ذریعہ معاملہ بغیر اختلاف کے بھی طے پاسکتا ہے:

پہلا طریقہ: علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ خریدار کو چاہئے کہ وہ درخت بٹائی پر لے لے، جس کو اصطلاح میں مساقات یا معاملت کہا جاتا ہے، اور معمولی تناسب مثلاً ہزارواں حصہ باغ کے مال کا طے کرے، اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب خریدار نے پھل کو قیمت دے کر لے لیا ہے تو پھر مساقات کیسے کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یوں مانا جائے گا کہ ثمن کی ادائیگی از راہ تبرع ہے اور عقد کا مدار معاملت پر ہے: "**....... وينبغى أن يقول المشترى للبائع بعد ما دفع الثمن أخذت منک هذا الشجر معاملة على أ ن لک جزء اً من ألف جزء ولى ألف جزء إلا جزءً ا أى من الثمر ذكره الشمنى ،وفيه أن المشترى قد أخذ الثمر شراءً ا فكيف يأخذه معاملة إلا أن يقال: إنه دَفَعَ له الثمن على وجه التبرع ، ويكون الاعتبار على عقد المعاملة**" (شامی:۴/۵۵۷، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا)۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو بطور خود پکنے تک اس کو درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے،

اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک درخت نے اگر آج اجازت دیدی اور آئندہ پھر اپنی اجازت سے رجوع کرلے،تو خریدار کس طرح اپنے حق اور پھل کا تحفظ کرے گا؟اس کا حل یوں پیش کیا گیا ہے کہ مالک سے اس طرح اجازت حاصل کی جائے کہ ''میں پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تم کو پھل باقی رکھنے کا حق ہوگا''؛البتہ واضح رہے کہ امام محمد کے نزدیک مالک کا رجوع کرنا درست ہوگا اور رجوع کی شرط پر معلق اجازت معتبر نہ ہوگی (درمختار علی ھامش الرد: ۴/ ۴۰)۔

ایک رائے:

بیع وشراء کے اصول وضوابط اور سابقہ بحثوں سے یہ نظر آتا ہے کہ ایسے میں فریقین کی رضامندی اور عادت کا اعتبار ہوگا، جو کچھ عرف وعادت میں قبول کیا جاتا ہوگا اسے قبول کیا جائے گا؛ کیونکہ عرف کی اتباع متفق علیہ مسئلہ ہے:''**اتباع العرف أمر مجمع علیه**''(البہجہ: ۲/ ۸۹)،امام محمد نے اپنے زمانے کی یہ بات لکھی ہے کہ اگر کسی نے کھیتی اس شرط پر بیچی کہ اس کا تنا کھیت میں ہی چھوڑ دیا جائے تو یہ شیخین کے یہاں درست نہیں؛ کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے،لیکن امام محمد کا ماننا ہے کہ اس کا دارومدار استحسان وعادت پر ہے:'' **قال محمد رحمه الله لا یفسد استحسنه للعادة**'' (حاشیہ ابن عابدین ۴/ ۳۸)، علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ اس طرح کی بیع میں عرف کا خیال کیا جانا چاہئے، اور وہی اس کا قبضہ مانا جائے گا:''**ولأن اطلاق العقد یقتضی التبقیة والترک؛ لأن العرف فی القبض یجری مجری الشرط...**
.......'' آگے چل کر لکھتے ہیں:''**والثانی:أن مابدا صلاحه قد نجا من العاهة، وجاز بیعه بشرط الترک فلذلک جاز مطلقا ولیس کذلک مالم یبد صلاحه**''(حاوی: ۵/ ۳۹۷)۔

یہاں پر'' فتاوی ہندیہ'' کا وہ فتوی بھی قابل غور ہے جس کے اندر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شرطیں تعامل کا درجہ اختیار کرلیں، اور خرید وفروخت میں رواج پاجائیں وہ اس سے مستثنی ہیں کہ بیع کے صحیح ہونے میں رکاوٹ بنیں؛ بلکہ وہ معتبر ہیں، ذیل کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

ترجمہ:لیکن اگر وہ شرط مروج ہو،مثلا چمڑا اور تسمہ اس شرط پر فروخت کرے کہ بائع اس کا جوتا بنا کردے تو ازراہ استحسان جائز ہوگا، اگر چمڑا خرید کیا بشرطے کہ بائع اس کے لئے موزے بنادے، یا ٹوپی خرید کی بہ شرطیکہ بائع اپنے پاس سے استر لگادے تو تعامل کی وجہ سے ان شرطوں کے ساتھ بیع جائز ہے، ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے، اسی لئے اگر پھٹا ہوا موزہ خرید کرے، بہ شرطیکہ اس پر پیوند لگادے......اور اگر کپڑا خرید کرے، اس شرط پر کہ بائع اسے چھانٹ دے اور سل دے تو تعامل اور عرف نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔ اگر شرط ایسی ہو کہ کسی صورت میں نص اس کے جواز میں وارد نہ ہو، نہ

لوگوں میں اس کا تعامل ہو تو اگر بائع اور خریدار میں سے کسی کا اس میں نفع ہو یا خود کا نفع ہو، یا خود مبیع کا نفع ہو اور وہ اس کا اہل ہو کہ دوسرے پر اس کا حق ثابت ہو سکے تو یہ معاملہ فاسد ہوگا'' (عالمگیری ۳/ ۱۳۴)۔

پھل توڑنے تک درخت کو کرایہ پر لینا:

الف: اجارہ معلوم منافع کو معلوم عوض کے بدلے بیچنے کا نام ہے، یہ معاوضہ صحیح ہوتا ہے اور اس میں حلال وحرام کے وہی احکام جاری ہوتے ہیں جو بیع میں جاری ہوتے ہیں: ''**الإجارة بيع منفعة معلومة بعوض معلوم دين أو عين**'' (مجمع الانھر: ۲/ ۳۶۸)۔ فقہاء نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''**وأما معنى الإجارة فالاجارة بيع المنفعة لغة**'' (بدائع الصنائع: ۴/ ۱۶، ہدایہ: ۳/ ۲۹۳)، علامہ شامی لکھتے ہیں: ''**وشرعاً تمليك نفع مقصود من العين بعوض**'' (ردالمحتار: ۹/ ۵۴، بحرالرائق: ۷/ ۵۰۷، جوہرۃ: ۱/ ۳۱۵)، مواہب الجلیل ۷/ ۴۹۳ میں ہے: ''**وهی منافع معلومة بعوض معلوم**'' (دیکھئے: المغنی: ۷/ ۸، البیان: ۲/ ۲۸۵)، یعنی کسی عوض کے بدلہ کسی شئی مقصود کے نفع کا مالک بنادینے کا نام اجارہ ہے۔

فقہاء کے بیان کے مطابق اجارہ میں یہ شرط ہے کہ منفعت عین کا معاملہ کیا جائے جو مباح بھی ہو اور معلوم بھی، اور جو عوض معلوم سے مدت معلوم تک طے پائے؛ جبکہ درخت کو کرایہ پر لینے کا مطلب یہ ہے کہ موجر (درخت کا مالک) اور مستاجر (درخت کو کرایہ پر لینے والا) اس بات پر راضی ہو جائیں کہ درخت کا نفع ہوگا وہ مستاجر کا ہوگا، ایک مدت معلوم تک اور خاص معلوم بدلے کے مقابلہ میں، اس طور پر کہ مستاجر اس معاہدہ کی مدت میں درخت کی تمام ضرورتیں پوری کرے گا۔ اعیان میں اجارہ کے تعلق سے یہ بات معلوم ہے کہ اس کے اندر مدت کی تحدید ضروری ہے؛ حالانکہ وہ مدت جس کے اندر مستاجر درخت کا ذمہ دار قرار پا رہا ہے وہ عقد اجارہ کو متاثر کر رہا ہے کہ اس پر حقیقی اجارہ کا حکم لگایا جائے؛ بلکہ بغائر دیکھا جائے تو یہ بیع کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں: ''**الإجارة إذا وقعت على مدة يجب أن تكون معلومة كشهر وسنة، ولا خلاف في هذا نعلمه، لأن المدة هي الضابط للمعقود عليه، المعرفة له، فوجب أن تكون معلومة، كعدد المكيلات فيما بيع بالكيل**'' (المغنی: تحدید مدۃ الاجارۃ ۶/ ۷)، یعنی اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اجارہ خاص وقت اور خاص مدت منفعت کیلئے ہوتا ہے، ایسے میں یہ ضروری ہے کہ درخت وغیرہ کے ساتھ اجارہ کرنے میں بھی یہ صورت پائی جائے کہ پھل آنے تک کی مدت خواہ وہ ایک سال ہو یا دو سال ہو اس کی تعیین کی جائے۔ جہاں تک پھل لگے درخت کو کرایہ پر لینے کی بات ہے، جو عموماً ایک مہینہ یا دو مہینہ کیلئے ہوا کرتا ہے، جیسے بدو صلاح سے پہلے یا اس کے بعد لے لیا جاتا ہے، تو یہ دراصل حقیقتاً بیع ہے، ایسے میں اس پر بیع کے ہی احکام وارد ہوں گے اگر چہ اجارہ کا نام دیدیا جائے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ درختوں میں اجارہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ درخت کے آنے تک اس کے متابعات جیسے سینچائی وغیرہ کرنے کے مراحل کی ذمہ داری لی جائے، محض خاص مدت کیلئے اس پر اجارہ کا حکم لگانا بیع بن جاتا ہے، شیخ الاسلام نے اسی لئے متنبہ کیا ہے: "فإذا كان صاحب الشجر هو الذى يسقيها ويعمل عليها حتى يصلح الثمرة ، فانما يبيع ثمرة محضة ، كما لوكان هو الذى يشق الأرض ويبذرها ويسقيها حتى يصلح الزرعَ ، فانما يبيع زرعا محضا ، وإن كان المشترى هو الذى يجد ويحصّل ، كما لو باعها على الأرض وكان المشترى هو الذى ينقل ويحوّل، ولهذا جمع النبى ﷺ بينهما فى النهى ، حيث : نهى عن بيع الحَبّ حتى يشتد ، وعن بيع الثمر حتى يبدو صلاحه ، فإن هذا بيع محض للثمرة والزرع ، وأما إذا كان المالک يدفع الشجرة إلى المكترى حتى يسقيها ويلقحها ويدفع عنه الأذى فهو بمنزلة دفع الأرض إلى من يشقّها ويبذرها ويسقيها ، ولهذا سوّى بينهما فى المساقاة والمزارعة ، فكما أن كراء الأرض ليس ببيع كزرعها، فكذلک كراء الشجر ليس ببيع لثمرها ، بل نسبة كراء الشجر إلى كراء الارض كنسبة المساقاة إلى المزارعة، هذا معاملة بجزء من النماء، وهذا كراء بعوض معلوم" (الفتاوی الکبری: الاصل الثانی أن یقال أکراء الشجر: ۴/۴۵)۔

ب: اجارہ کی تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس چیز کو اجارہ پر لیا جائے وہ قابل انتفاع ہو؛ جبکہ درخت یہاں قابل انتفاع نہیں ہے؛ بلکہ اس میں درخت کے بجائے پھل سے انتفاع مراد ہے، اورحقیقت یہ ہے کہ پھل فی نفسہ قابل اجارہ نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ پھل اپنے وجود کے ساتھ مطلوب ہوتا ہے، اور جو چیز اپنے وجود کے ساتھ ثمن کے عوض تبادلہ کیا جائے تو وہ بیع کہلاتی ہے، اسے اجارہ نہیں کہہ سکتے۔

ج: فقہاء نے اس بات سے منع کیا ہے کہ پھل خرید لیا جائے اور جتنی مدت میں وہ پکے اتنی مدت کیلئے درخت کرایہ پر لیا جائے؛ کیونکہ اجارہ ایک خلاف قیاس حکم ہے، لیکن اس کی اجازت اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، یہاں پر دوسری تدبیریں موجود ہیں، جیسے خریدار پھل کے ساتھ درخت بھی خرید کرلے یا زمین کرایہ پر لے وغیرہ ......تاہم محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ پھل دار درخت کا اجارہ تعامل سے ثابت ہے، اور درخت کو خرید کرنے میں دشواری ہے، اس لئے اسکی اجازت ہونی چاہئے: "وأما فى الاجارة؛ فلأنها إجارة باطلة لعدم التعارف فى إجارة الأشجار والحاجة ، فان الحاجة ليست بمتعينة فى ذلک ، وانما تتعين لولم يكن مخلص إلا بالاستئجار، وهنا يمكن أن يشترى الثمار مع أصولها فيتركها عليها۔

ولا يخفى مافى هذا من العسر فانه يستدعى شراء ما لا حاجة له إليه أو مالا يقدر على ثمنه ، وقد لا يوافقه البائع على بيع الأشجار، فالأول أولى، وأصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل، ولا تعامل فى إجارة الأشجار المجردة فلايجوز........ "(فتح القدیر: فصل من باع دارا دخل بنائها فی البیع: ۲۶۶/۱۴) علامہ کا ماننا ہے کہ صرف درخت کو کرایہ پر لینا اسی وقت درست ہوسکتا ہے کہ خریدار کیلئے دشواری ہورہی ہو اور تعامل کا تقاضہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اجارہ کی صورت درست نہ ہوگی۔

معاملہ میں جواز کی تدبیریں:

ابن ہمام نے اس کیلئے یہ تدبیر بتائی ہے کہ بینگن، ککڑی وغیرہ سبزیوں میں پھل کے بجائے اصل پودہی کو خرید لیا جائے؛ تاکہ اب آئندہ نکلنے والا پھل اسی کی ملک میں رہے،" يشترى أصول الباذنجان والبطيخ والرطبة ليكون ما يحدث على ملكه"........... یہ اس لئے ممکن ہے کہ ان سبزیوں کے پودا اپنے پھل کے ساتھ وجود رکھتے ہیں۔

کھیتی وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ جو پھل موجود ہوں، مقررہ قیمت کے کچھ حصہ سے اس کو خرید کرلے، اور بقیہ رقم پر اپنی مدت کیلئے زمین کا کرایہ طے کرلے، جس میں کھیتی کی تیاری یقینی ہے:"وفى الزرع والحشيش يشترى الموجود ببعض الثمن ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم غاية الادراک"................

پھلوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ موجودہ پھل خرید لے، اور بیچنے والا اس کیلئے آئندہ ہونے والے پھل کو مباح وجائز کردے:"و فى الأشجار يشترى الموجود ويحل له البائع مايوجد"............... امام سرخسی نے تو ظاہر روایت پر فتوی دیا ہے اور اس کو منع کیا ہے؛ اس لئے کہ یہ غیر موجود شئی کی خرید وفروخت ہے، لیکن متاخرین نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں امام فضلی کی رائے پر عمل کیا ہے، جو کہ پھل کے اکثر اور کمتر حصہ کی قید کے بغیر بہر حال اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں؛ کہ پھل کی کچھ تعداد نکل آئی ہو اور کچھ پھل ابھی نہ آیا ہو، بلکہ جو پھل ابھی موجود ہے اس کو اصل سمجھا جائے گا اور بعد کو نکلنے والا پھل اس کے تابع ہوکر معاملہ میں شامل رہے گا:" ولم يقيد عنه بكون الموجود أصلا فى العقد وما يحدث بعد ذلک تبعا"........ ابن نجیم مصری نے امام فضلی سے نقل کیا ہے:"...... عن الامام الفضلى وكان يقول :الموجود وقت العد ومايحدث بعد ذلک تبعا"........

امام حلوانی بھی ایسی صورتوں میں جواز کا فتوی دیا کرتے تھے، اور یہ خیال تھا کہ یہی احناف سے مروی ہے: "وكان الحلوانى يفتى بجوازه فى الكل وزعم أنه مروى عن أصحابنا"......... ابن نجیم نے امام فضلی کی رائے نقل کرنے کے بعد ان ہی کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح کا تعامل لوگوں میں عام ہو چکا ہے، لوگ انگور

کے پھل میں اسی صفت کے ساتھ بیع وشراء کرتے ہیں، اگر لوگوں کو اس سے روکا گیا تو حرج لازم آئے گا، اس لئے استحساناً اس کو جائز قرار دیتا ہوں، انہیں کی کتاب کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

" نقله شمس الائمة عنه، ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون اكثر بل قال عنه: اجعل الموجود أصل فى العقد ومايحدث بعد ذلك تبعا، وقال: استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فى ذلك عادة ظاهرة وفى نزع الناس عن عاداتهم حرج".

مزید اس پر استیناس کرتے ہوئے امام محمد کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ امام محمد درخت پر لگے ہوئے گلاب کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ گلاب کے پھول یکبارگی نہیں نکلتے ہیں اور نہ کھلتے ہیں؛ بلکہ یہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں: **"وقد رأيت فى هذا رواية عن محمد وهو فى بيع الورد على الأشجار، فإن الورد متلاحق ،ثم جوز المبيع فى الكل بهذا الطريق وهو قول مالك."** (دیکھئے: البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۱۲/ ۳۳۳۔شاملہ)۔

امام فضلی کی رائے پر خوب لکھا ہے کہ دمشق وغیرہ میں جہاں کثرت سے باغات ہیں، اسی خرید وفروخت کا تعامل ہو گیا ہے اور اوپر جو اس کو جائز کرنے کی صورتیں ذکر کی گئیں ہیں، جہل کے غلبہ کی وجہ سے معدود چند لوگوں کو چھوڑ کر عام لوگوں سے اس پر عمل کرنے کا تقاضہ ممکن نہیں، اور ان کو اس سے باز رکھنا بھی مشکل ہے .... پھر چونکہ مارکیٹ میں بھی اسی طریق پر پھل آتا ہے، اس لئے پھل کا کھانا ہی حرام ہو جائے گا، پس اس بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کر لیا ہے، لہذا جس طرح انسانی ضرورت کی رعایت اختیار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے سلم کی اجازت دیدی؛ حالانکہ وہ ایک شئی معدوم کی بیع ہے، اسی طرح پھلوں کی خرید وفروخت کی اس نوعیت کے معاملات کو بھی درست کہنا چاہئے (ابن عابدین شامی ۴/ ۲۹،مغنی ۴/ ۵، نیز دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۳۰۲ ومابعدہ، نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۴۱)۔

مختلف مسائل:

۱۔ اگر ایک درخت پر بدوصلاح ہو جائے تو کیا باغ میں موجود سارے درخت جو اسی قسم کے ہیں، ان سب کی بیع درست ہو سکتی ہے؟ فقہاء کرام کے نزدیک اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

پہلا قول: جائز نہیں ہے، یہ روایت امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، ان کے نزدیک صرف اسی درخت کے پھل کی بیع درست ہے، جس پر بدوصلاح ہو گئی ہے۔ اور دلیل کے طور پر حضور ﷺ کا یہ فرمان پیش کیا ہے جس کے اندر بدوصلاح سے قبل پھل فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، آپ نے اس روایت کو عموم رکھا ہے: **" عن ابن عمرؓ أن النبى ﷺ: نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع"** ....(دیکھئے: المغنی: ۶/ ۱۶۵)۔

دوسرا قول: جائز ہے۔ اس کے قائل جمہور فقہاء کرام ہیں، ان کا ماننا ہے کہ اگر ایک ہی درخت پر بدوصلاح ہوجائے تو اس جنس کے سارے درخت کے پھل بیچے جاسکتے ہیں، دلیل کے طور پر ابن عمر کی روایت پیش کی گئی ہے، اور صرف ایک درخت کے نکلے ہوئے پھل کے تابع دوسرے درختوں کو مانا گیا ہے؛ لیکن یہ خیال رہے کہ تمام درختوں کی بیع ضروری ہے، اگر صرف کسی ایک درخت کی بیع کی جائے تو پھر ہر ایک درخت کا الگ حکم ہوگا (دیکھئے: المغنی: ۱۵۶/۶، حاشیۃ الدسوقی ۱۶۰/۳، نھایۃ المحتاج: ۱۴۹/۴)۔

۲۔ کیا یہ درست ہے کہ اگر ایک ہی باغ میں ایک جنس کے درخت کا بدوصلاح ہوگیا ہو تو بقیہ سارے درخت جو اس جنس سے نہیں ہیں ان کے پھل بھی بیچ دیئے جائیں؟ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

پہلی رائے: باغ میں موجود سارے درخت جو اس کی جنس سے ہوا سے بیچنا جائز ہے، یہ قول بعض شوافع اور حنابلہ میں ابی الخطاب کا ہے، ان حضرات کا ماننا ہے کہ جس طرح زکاۃ کے اندر نصاب مکمل کرنے کیلئے ایک دوسرے پھل کو ملا دیا جاتا ہے، اسی طرح بیع میں بھی اس کا ایک حکم لگایا جاسکتا ہے (المغنی: ۱۵۷/۶)۔

دوسری رائے: جب ایک ہی جنس میں مختلف نوعیت ہوجائیں، تو جو ایک دوسرے سے متقارب ہوں تو ان کو ملایا جاسکتا ہے۔ یہ قول امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا ہے۔

تیسری رائے: جب انواع مختلف ہوجائیں تو بدوصلاح میں ایک دوسرے کے تابع نہیں سمجھے جائیں گے، یہ مسلک مالکیہ اور بعض شوافع وحنابلہ وغیرہ کا ہے۔ ان فقہاء نے جنس کو الگ الگ مان کر حکم میں بھی تباعد برتا ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتھد: ۱۲۵/۳، المجموع: ۴۴۴/۱۱، المغنی: ۱۵۷/۶)۔

۳۔ اگر دو قریب قریب کے باغ ہوں اور ان میں سے کسی ایک باغ کے پھل پر بدوصلاح ہوچکی ہو جبکہ دوسرے باغ میں نہیں، تو کیا ایک ہی عقد میں دونوں باغ بیچے جاسکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں دو نقطہائے نظر ہیں:

پہلا نقطہ نظر: چونکہ ایک درخت کا بدوصلاح اس کے قریب کے درخت کیلئے بھی مانا جاتا ہے اسی لئے قریب کے باغ کیلئے بھی مانا جائے گا، یہ مالکیہ کا قول اور ایک روایت امام احمد سے ہے۔ انہوں نے دلیل متقارب ہونے اور ایک ہی مجلس میں عقد کے ہوجانے کو قرار دیا ہے (دیکھئے: الام: ۹۸/۴، الکافی: ۶۸۴/۲، الموسوعۃ الفقھیۃ: ۱۹۶/۹)۔

دوسرا نقطہ نظر: عدم جواز کا ہے، کہ دو باغ ایک تصور نہیں کئے جاسکتے۔ یہ رائے حنابلہ اور شوافع وغیرہ کی ہے۔ ان حضرات نے دلیل کے طور پر ابن عمر کی یہ روایت پیش کی ہے: "**نهى رسول الله ﷺ من بيع النخل حتى تزهو وعن بيع السنبل حتى يبيض ويأمن العاهة**" (مسلم: ۱۵۳۵ وغیرہ)، اس کے علاوہ عقلی دلیلیں بھی نقل کی گئی ہیں کہ ایک باغ کا آفات سے محفوظ ہوجانا دوسرے کیلئے لازم نہیں آتا وغیرہ (دیکھئے: الموسوعۃ الفقھیۃ: ۱۹۶/۹)۔

خلاصہ مقالہ:

بیع وشراء کے سلسلہ میں اسلام نے بہت توسع اختیار کیا ہے، جدید مسائل میں (اگر وہ حرمت کے بنیادی اصول سے نہ ٹکرائیں) اصل اباحت کو قرار دیا ہے، بالخصوص جب کوئی چیز انسانی ضرورت بن جائے اور معاملات میں حرج واقع ہو تو مزید آسانی برتی جاتی ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے بیع سلم، استصناع وغیرہ کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ یہ بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

بیع معدوم اور غرر وجہل وغیرہ بیع کو مفسد بنا دیتی ہیں؛ لیکن ان سب کا دار و مدار اصل عرف پر ہے، اگر عرف کسی نص صریح سے نہ ٹکرائے تو اسے گوارا کیا جاتا ہے؛ چنانچہ بیع میں آپسی رضامندی اور حلت وحرمت کے بنیادی اصولوں کے بعد یہی اصل ہے کہ معاملات میں گنجائش پیدا کی جائے۔

۱۔ حدیث میں بیع معاومہ یا بیع سنین سے مراد یہ ہے کہ درخت پر متوقع پھلوں کی بیع کردی جائے، جو کئی سالوں پر مبنی ہو۔ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ یہ بیع معدوم ہے۔

متاخرین فقہاء بالخصوص حضرت تھانویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے اس مسئلہ پر تشفی بخش بحث کی ہے، یہ بات درست ہے کہ اسے بیع سلم پر قیاس کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا؛ لیکن حضرت گنگوہی نے تفصیل سے جواب دیا ہے، اور بہت سے اشکالات دور کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ضرورت شدیدہ اور عوام الناس کے تعامل کی بنا پر آپ اسے جائز سمجھتے ہوں؛ لیکن محتاط یہ ہے کہ اس سلسلہ میں حیلہ سے کام لیا جائے؛ تاکہ حدیث اور ضرورت کے مابین تطابق ہوسکے۔

۲۔ درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع پر سبھی کا اتفاق ہے؛ لیکن اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ درخت پر پھل نہ لگے ہوں اور اس کی بیع کردی جائے تو یہ بیچنا جائز نہیں؛ سوائے اس صورت میں کہ بدوصلاح ہو جائے۔

۳۔ بدوصلاح سے مراد پھل کا پک جانا ہے، جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں بہت مناسب بات یہ ہے کہ پھل قابل انتفاع ہو جائے، یہی اس کا بدوصلاح ہے۔

۴۔ الف: معدوم کی ایک شکل یہ ہے کہ اس شئی کی بیع کی جائے جس کا حاصل ہونا یا نہ ہونا معدوم ہو، جیسے: حبل الحبلہ کی بیع، اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے، اسی سے قریب تر آئندہ پھل آنے والے کی بیع کرنے کا مسئلہ ہے۔

ب: باغ کے اکثر درختوں پر پھل آگئے ہوں، تو اکثر کے تابع بقیہ کو مان کر سبھی کو بیچنا درست ہے۔

ج: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہ ہوئے ہوں تو اس کا بیچنا بھی درست نہیں؛ لیکن یوں سمجھ لیا جائے کہ یہ بیع پھل کی نہیں بلکہ پھول کی ہے، بیع الازہار ہے، ایسے میں یہ بیع درست ہو جائے گی۔

۵۔خرید وفروخت میں کوئی شرط لگا دینا بالخصوص جو مقتضائے حال نہ ہو وہ درست نہیں، بہت سے فقہاء شرط کو دو بیع مانتے ہیں اسی لئے درست نہیں مانتے؛لیکن اگر کہیں ضرورت ہو تو مالکیہ کے مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے،جن کے نزدیک بیع میں کئی شرطیں بھی لگائی جاسکتی ہیں۔

الف: پھل جس حالت میں ہے اسی حالت میں اگر توڑلے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے،جس حالت میں بھی پھل ہو اس کی بیع بھی ہوجائے گی۔

ب: پھل کے درخت پر لگے رہنے کی شرط درست نہیں ہے، یہ بیع کے خلاف ہے؛البتہ اتنا ضرور ہے کہ بیچنے والے کی رضامندی شامل ہو تو درست ہے۔اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ حیلہ اختیار کیا جائے تاکہ مشتبہات سے بچا جائے۔

ج:اگر نہ پھل توڑنے کی شرط ہو اور نہ چھوڑنے کی اور مطلق بیع کرلی جائے، تو بیع تو ہوجائے گی لیکن پھل توڑنے کا حکم دیا جائے گا۔

۶۔پھل خریدنے کے بعد درخت کرایہ پر لینا درست نہیں ہے، یہ اجارہ کے خلاف ہے؛البتہ یہ کرسکتے ہیں کہ باہم رضامندی سے بات طے کرلیں اور یہ طے کرلیں کہ پھل توڑنے تک درخت پر پھل لگے رہنے کی اجازت ہوگی۔

۷۔چند مختلف مسائل:الف: ایک باغ کے پھل کا بدو صلاح ہوجانا دوسرے باغ کا (جو قریب میں ہے)بدوصلاح ہونا قرار نہیں پائے گا۔

ب:باغ میں بہت سارے درخت ہوں اور سبھی ایک ہی جنس کے ہوں تو اکثر میں بدو صلاح ہوجانا سبھی کا بدوصلاح ہونا قرار پائے گا۔

ج:جب ایک ہی جنس میں مختلف نوعیت ہوجائیں،تو جو ایک دوسرے سے متقارب ہوں ان کو ملایا جاسکتا ہے۔یہ قول امام محمد بن حسنؒ کا ہے۔

۸۔بیع سلم میں موجود شرطوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے بالخصوص حضرت گنگوہیؒ کی رائے کو ترجیح دی جاسکتی ہے(تفصیلی جواب ’’بیع معاومہ‘‘ کے ذیل میں ہے)۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد زید مظاہری ندوی☆

۱-ایک سال یا کئی سالوں کی فصل اور پھلوں کے بیچنے کا حکم:

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں باغات کے پھلوں کی بیع کے لوگوں میں تین طریقے رائج تھے:

(۱) بیع معاومہ یا بیع سنین: یعنی پھلوں اور پھولوں کے ظہور اور وجود سے پہلے ہی ایک سال یا کئی سالوں کی بیع کرنا۔

(۲) بدوّ صلاح سے پہلے بیع کرنا: یعنی باغوں کے پھلوں کے وجود اور ظہور کے بعد پھلوں کے گدّر اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے ان کی بیع کرنا۔

(۳) بیع سلم: یعنی کسی معین باغ کے پھلوں میں بیع سلم کرنا اور اس غرض سے پیشگی رقم دے دینا، اور متعینہ وقت پر اس باغ سے پھلوں کو حاصل کر لینا۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں یہ تینوں طریقے رائج تھے، جن کو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور جائز طریقے سے بیع کرنے کی ہدایت فرمائی، حدیثوں میں ان سب کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان ہوئے ہیں۔

بیع معاومہ کی حقیقت اور اس کا حکم:

بیع معاومہ یا بیع سنین ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں بائع مشتری سے باغات کے ان پھلوں کی بیع کرے جن کا ابھی کسی بھی درجہ میں وجود نہیں، یعنی اس سال باغ میں آنے والے پھلوں کی (جو ابھی غیر مخلوق اور معدوم ہیں) یا آئندہ کئی سالوں میں آنے والے پھلوں کی بیع کرنا، یہ بیع معاومہ یا بیع سنین کہلاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں ایسی بیع کا رواج تھا، آپ ﷺ نے صراحۃً اس کو منع فرمایا، چنانچہ ابوداؤد اور مسلم شریف کی روایت میں ہے:

”عن جابر بن عبداللہ ؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقله والمزابنة والمعاومة،قال

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

أحدهما: بيع السنين هی المعاومة "(مسلم شریف ۲/ ۱۰،حدیث: ۳۹۰ ۸۳،باب النھی عن المحاقلة والمزابنة)۔

"قال النووی: أما النهی عن المعاومة: وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين، أو ثلاثة أو اكثر، فيسمی بيع المعاومة"(شرح مسلم للنووی ۲/ ۱۰)۔

"قال فی فتح الملهم: والمراد منه بيع ماتحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلی مدة سنة فأكثر، والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد، كما صرح به في هذه الرواية"(تکملہ فتح الملہم ۷/ ۴۱۰،جامع الأصول لابن أثیر ۱/ ۴۸۱)۔

معدوم پھلوں کی بیع کے عدم جواز کی علتیں:

(۱) شریعت مطہرہ میں کسی بھی معدوم اور غیر مخلوق شے کی بیع باطل ہے؛ بلکہ کسی درجہ میں مخلوق لیکن غیر مستبین ہوا ایسی شے کی بیع کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے؛ چنانچہ حمل کی بیع کو رسول اللہ ﷺ نے اسی وجہ سے منع فرمایا ہے، اور یہ تو معدوم کی بیع ہے اس لئے قطعاً ناجائز ہے۔

"قال فی البدائع فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر المعدوم كبيع نتاج النتاج"(بدائع الصنائع ص۱۳۸)۔

(۲) یہ بیع غرر اور خطر پر بھی مشتمل ہے؛ کیونکہ اس میں مشتری کو دھوکہ اور ضرر ہوسکتا ہے، معلوم نہیں کہ معدوم پھلوں کی بیع کے بعد اس میں پھل آئیں گے بھی یا نہیں؟ آئیں گے تو کتنے اور کیسے؟

"وإنما حرّم لكونه بيع غرر، لأنه بيع مالم يخلق الله تعالیٰ بعد"(تکملہ فتح الملہم ۷/ ۴۱۰)۔

(۳) چونکہ اس بیع میں مبیع کی کمیّت وکیفیت سب مجہول ہے، نیز مبیع غیر مقدور التسلیم ہے؛ حالانکہ بیع کی صحت کے لئے مبیع کی کمیت وکیفیت کا متعین اور معلوم ہونا شرط ہے، اور یہ شرائط یہاں مفقود ہیں اس لئے بھی یہ بیع ناجائز ہے۔

"ووجه المنع فی هذه الصورة الغرر وجهالة المبيع لأن الجنين لا يتيقن بوضعه" (فتح الملہم ۷/ ۳۱۳)۔

"وعلة النهی علیٰ هذا التفسير أنه بيع معدوم ومجهول وغير مقدور علی تسليمه، فيدخل فی بيوع الغرر"(تحفۃ الأحوذی ۴/ ۳۵۴)۔

اس لئے اس بیع کے جواز کی کوئی شکل نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ اس صورت کو ناجائز فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء ومحدثین، متقدمین ومتأخرین نے اس بیع کو باطل قرار دیا ہے، اور متعدد حضرات نے اس کے بطلان پر اجماع نقل کیا ہے، چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) "ان ابتاع الثمار قبل ظهورها، وهٰذا لم يقل بجوازه أحد، سواء جری به التعامل أولا"(فتح

الملہم فی شرح مسلم ۷/۳۷۶)۔

(۲)"**لأن بيعها قبل ظهورها لا يصح اتفاقا**" (البحرالرائق ۵/۳۰۰)۔

(۳)"**ولا حكم لهٰذا البيع أصلا لأن الحكم للموجود ولا وجود لهذا البيع**" (بدائع الصنائع ۴/۵۹۱)

(۴)"**أجمع العلماء علىٰ أن بيع الثمار قبل أن تخلق لاينعقد، لأنه من باب النهي عن بيع ما لم يخلق ومن باب بيع السنين والمعاومة**" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵/۳۴۷۶)۔

نوٹ: سوال نمبر ۸ و ۷ چونکہ سوال نمبر ایک سے مناسبت رکھتے ہیں اس لئے ان دونوں سوالوں کا جواب سوال نمبر ایک کے جواب کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

۸-معدوم پھلوں کی بیع جائز قرار دینے کے لئے بیع سلم کا حیلہ کافی نہیں ہے۔

بیع سلم (یعنی بیع الآجل بالعاجل) کے جواز کی شرطیں مختلف ہیں، بعض متفق علیہ ہیں، بعض مختلف فیہ، متفق علیہ شرطوں میں مسلم فیہ (مبیع) کا منضبط ہونا یعنی اس کی کمیت اور اس کی نوعیت وصفت اور اجل کا متعین ہونا ضروری ہے، اور مختلف فیہ شرطوں میں اہم شرط بیع سلم کے وقت سے لے کر اس کی اجل تک مسلم فیہ کا موجود ہونا احناف کے نزدیک شرط ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، اما شافعی، امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک عقد کے وقت مسلم فیہ (مبیع) کا موجود ہونا شرط نہیں؛ جبکہ حلول اجل یعنی معینہ مدت کے وقت پر اس کا موجود ہونا یقینی ہو، چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

"**ولا يشترط كون المسلم فيه موجودا حال السلم، بل يجوز أن يسلم فى الرطب فى أوان الشتاء، وفى كل يوم معدوم إذا كان موجوداً فى المحل، وهذا قول مالک والشافعی وإسحق وابن منذر، وقال الثورى والأوزاعى وأصحاب الرأى لا يجوز حتى يكون جنسه موجوداً حال العقد إلى حين المحل**"(المغنی لابن قدامہ ۴/۳۲۶، باب السلم)۔

اور امام نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں:"**ثالثا: أن يكون المسلم فيه مقدوراً على تسليمه عند وجوبه بلا مشقة.**

العلم بالمقدار شرط من شروط عقد المسلم ، والعلم يكون بالكيل أوالوزن أوالزرع أو العدد"(المجموع شرح مہذب ۱۲/۱۸۲)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ بیع سلم کی صحت کے لئے مسلم فیہ کا عقد کے وقت ہونا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شرط نہیں؛ جبکہ حلول اجل کے وقت اس کا پایا جانا یقینی ہو۔

بیع سلم کی مذکورہ بالا شرط (یعنی عقد کے وقت مسلم فیہ موجود ہونے کی شرط) کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے درختوں

پر پھلوں کی بعض صورتوں سے متعلق ضرورت عامہ کی وجہ سے امام شافعی اور امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے بعض فقہاء نے جواز کی رائے دی ہے، اور علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بعض خاص صورتوں کے متعلق اس کے ملحق بالسلم ہونے کا اجمال وابہام کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور اسی حوالہ سے مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنے فتاویٰ میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے پوری قوت سے جواز کی رائے ظاہر فرمائی ہے، نیز حضرت تھانویؒ نے گنّے میں بیع سلم کے جواز کا فتویٰ امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے دیا ہے، اور حضرت تھانویؒ نے جن صورتوں میں عدم جواز تحریر فرمایا ہے، حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اس پر نقد کرتے ہوئے شوافع ومالکیہ کے مسلک کے مطابق ان صورتوں میں بھی بیع سلم کو اختیار کرتے ہوئے جواز تحریر فرمایا ہے، دونوں اکابر کے فتاویٰ درج ذیل ہیں:

حضرت تھانوی اور مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے فتاویٰ:

سوال: آج کل یہ دستور ہو گیا ہے کہ پیداوار ایکھ یعنی رس کا معاملہ خرید ایسے وقت ہوجاتا ہے کہ کہیں ایکھ بوئی بھی نہیں جاتی ہے، کہیں کچھ کچھ بوئی جاتی ہے، اگر نہیں خریدی جاتی تو عین وقت پر جب کہ رس تیار ہو ملتی ہی نہیں ہے، اس صورت میں خریداری کھانڈ کی اجازت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر اجازت نہ ہو تو غالباً کھانڈ ہی نہ ہو یا بہت ہی زائد قیمت دینے پر شاید ملے؟

جواب: عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الهدایہ، تو ضرورت میں اس قول پر عمل کرلیا جائے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے (امداد الفتاویٰ ۶/ ۳۷۴، سوال نمبر: ۱۷۳۹، جدید نسخہ)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ میں علامہ شامیؒ کی چند عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں:

’’علامہ ابن عابدینؒ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا ہے، اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے، التحریر المختار میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ ابن عابدینؒ کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

(۱) وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔ (۲) مقدار ثمار متعین نہیں۔

(۳) کوئی اجل متعین نہیں۔ (۴) اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔

(۵) اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔ (۶) اکثر پورا ثمن پیشگی یکمشت تسلیم نہیں کیا جاتا"۔

آگے حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: "ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اس بات پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں؛ اس لئے مسئلہ زیر بحث میں قول مالکؒ اختیار کرنا چاہئے، **للزوم التلفیق علی اختیار قول الشافعی رحمۃ اللہ علیہ**۔ اور آگے تحریر فرماتے ہیں:

"**فائدہ**: علامہ ابن عابدینؒ نے ابتلاء عام وضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بیع بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے، وہاں مذہب مالکؒ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کرکے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہٰذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں؛ چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے، "**کما نقل العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن الامام ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ فی صحۃ بیع الثمار بعد البروز قبل أن تکون منتفعا بھا**" (ردالمحتار ۴/۴۲)۔

حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے "**بیع الثمر قبل انفراک الزھر**" کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں" (احسن الفتاوی ۶/۴۸۸-۴۸۹)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ کے مذکورہ بالا فتوے کا علمی وتحقیقی جائزہ:

ہمارے جن اکابر اور بزرگوں نے پھلوں کی بیع کی جن بعض صورتوں میں الحاق بالسلم کرتے ہوئے یا شوافع یا مالکیہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے جن بعض صورتوں میں جواز کی رائے دی ہے وہ محل غور ہے، جس کے چند وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عقد سلم کے وقت مبیع (مسلم فیہ) کے موجود ہونے نہ ہونے میں تو امام ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف مشہور ہے؛ لیکن اس کے علاوہ بیع سلم کی جو دوسری متفق علیہ شرطیں ہیں ان کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے، مثلاً یہ کہ مبیع یعنی مسلم فیہ کا منضبط ہونا یعنی اس کی کمیت اور نوعیت کا معلوم اور اجل کا متعین ہونا اور وقت موعود پر قدرت علی التسلیم ہونا وغیر ذلک۔

(۲) نیز بیع سلم اگر پھلوں میں ہے تو ان پھلوں کا صرف موجود ہی نہیں بلکہ قابل انتفاع یعنی گدّ راور پکنے کے قریب ہونا ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بھی جواز کے بنیادی شرائط میں سے ہے، اس کے بغیر پھلوں میں بیع سلم ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

(۳) نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پھلوں کی بیع سلم اگر کسی متعین باغ اور متعین درختوں سے متعلق ہے تو ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

(۴) ان سب کے علاوہ بنیادی طور پر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت لوگ پھلوں میں بیع سلف یعنی بیع سلم کیا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ان کو صراحۃً منع فرمادیا، اور جواز صرف اس صورت میں ارشاد فرمایا جب کہ مسلم فیہ یعنی پھل درخت میں موجود اور قابل انتفاع ہو چکا ہو۔

اسی بنیاد پر ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد ابن حنبلؒ) باوجودیکہ وہ بیع سلم میں عقد کے وقت مسلم فیہ کے موجود ہونے کو ضروری اور شرط نہیں قرار دیتے ہیں لیکن متعین باغ کے پھلوں میں اگر بیع سلم کی جائے تو وہ بھی پھلوں کے موجود اور قابل انتفاع ہونے کو شرط قرار دیتے ہیں، اس کے بغیر بیع سلم کو جائز قرار نہیں دیتے، اس مسئلہ سے متعلق احادیث مبارکہ اور شوافع اور مالکیہ وحنابلہ کی معتمد کتب کی تصریحات درج ذیل ہیں:

احادیث نبویہ:

(۱) **"عن ابن عمر أن رجلا أسلف فی نخل، فلم تخرج تلک السنة شیئاً، فاختصما إلی النبی ﷺ فقال: بم تستحل ماله؟ اردد علیه ماله. ثم قال: لا تسلفوا فی النخل حتی یبدو صلاحه"** (رواہ أبوداؤد، باب فی السلم فی ثمرۃ بعینھا، حدیث نمبر: ۳۴۶۷، ۱۱/۱۸۹)۔

(۲) **"قال الحافظ فی الفتح :عن عمرو بن أبی البختری قال: سألت ابن عمر عن السلم فی النخل فقال: نهیٰ عن بیع النخل حتی یصلح، ونقل ابن المنذر اتفاق الأکثر علیٰ منع السلم فی بستان معین لأنه غرر"** (فتح الباری ۴/ ۴۳۳)۔

مالکی مسلک:

(۳) **"وفی المدونة الکبریٰ: قال مالک: لا یجوز أن یسلف فی حائط بعینه حتی یزهیٰ ذلک الحائط۔**

قال مالک: إذا أزهی ذلک الحائط الذی سلفت فیه فلا بأس بذلک، ولا یصلح أن یسلف

فی تمر حائط بعینه قبل أن یزهیٰ (المدونۃ الکبریٰ ۴/۵)۔

وفی المدونة الکبریٰ: قلت: أرأیت الفاکهة التفاح والرمّان والسّفرجل والقِثاء والبطیخ وما أشبه هٰذه الأشیاء من الفاکهة الرطبة التی تنقطع من أیدی الناس، إن سلف رجل فی شئ منها فی حائط بعینه أیجوز ذلک ؟ قال: إذا طاب أول ذلک الذی سلف فیه فلا بأس به ویشترط أخذه، و هٰذا مثل الحائط بعینه إذا سلف فیه وقد وصفت لک ذلک"(المدونۃ الکبریٰ ۴/۶)۔

شافعی مسلک:

(۴)"وفی شرح المهذب للنووی: لا یجوز أن یسلم ثمرة بستان بعینه ولا قریة صغیرة لانه لا یؤمن تلفه وانقطاعه"(المجموع شرح المہذب ۱۲/ ۱۸۳)۔

(۵)"قال ابن المنذر: إبطال السلم إذا أسلم فی ثمرة بستان بعینه کالإجماع من أهل العلم وممن حفظنا أنه قال ذلک الثوری ومالک والأوزاعی وأصحاب الرأی وإسحاق وهو مذهب أحمد والله اعلم"(المجموع شرح المہذب للنووی ۱۲/ ۱۸۳)۔

(۶)"وقال النووی تحت حدیث:" من سلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم، ووزن معلوم، الی اجل معلوم": فیه جواز السلم وأنه یشترط أن یکون قدره معلوما بکیل أو وزن أو غیرهما مما یضبط به.... ومعنی الحدیث أنه إن أسلم فی مکیل فلیکن کیله معلوماً، وإن کان فی موزون فلیکن وزنا معلوماً وإن کان مؤجلاً فلیکن أجله معلوماً"(شرح مسلم للنووی، باب السلم ۱۱/ ۴۱، مطبوعہ بیروت لبنان)۔

(۷)"قال الحافظ فی الفتح: اشتراط تعیین الکیل فیما یسلم فیه من المکیل متفق علیه۔

والمراد اعتبار الکیل فیما یکال والوزن فیما یوزن"(فتح الباری ۴/ ۴۲۹، کتاب السلم، باب:۱)۔

حنبلی مسلک:

(۸)"قال ابن قدامة فی المغنی: ولا یجوز أن یسلم ثمرة بستان بعینه ولا قریة صغیرة لکونه لا یؤمن تلفه وانقطاعه، قال ابن المنذر: إبطال السلم إذا اسلم فی ثمرة بستان بعینه کالاجماع من أهل العلم"(المغنی لابن قدامہ ۴/ ۳۲۵)۔

(۹)"وقال ابن قدامة: إن السلم لا یصح إلا بشروط ستة ..... الشرط الثالث وهو معرفة مقدار المسلم فیه بالکیل إن کان مکیلا وبالوزن إن کان موزونا وبالعدد إن کان معدوداً، لقول النبی

علیہ السلام: من أسلف فی شئ فلیسلف فی کیل معلوم أو وزن معلوم إلی أجل معلوم" (المغنی ۳۱۸/۴)۔

(۱۰)"وقال الثوریؒ: لا تسلفن في شئ من الثمار إلا فی حینها، وفي أیدی الناس منها شئ من نحو العنب والرطب والتفّاح، وما یکال ویوزن وأشباه الفاکهة فلا تسلفن في شئ منها إلا في حینه" (اختلاف الفقہاء لابی جعفر محمد بن جریر الطبری ص ۱۲۷)۔

حنفی مسلک:

(۱۱)"وفی الدرالمختار: لا یصح فی بر قریة بعینها وثمر نخلة معینة، وفی الجوهرة: أسلم فی حنطة جدیدة، أو فی ذرة حدیثة، لم یجز لأنه لا یدری أیکون فی تلک السنة شئ أم لا" (درمختار مع ردالمحتار ۲۲۹/۴، باب السلم)۔

مذکورہ بالا تمام عبارتوں سے درج ذیل باتیں یقینی طور پر معلوم ہوئیں:

(الف) معین درخت اور معین باغ کے پھلوں میں بیع سلم ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

(ب) نیز رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے قابل انتفاع ہونے سے قبل اس میں بیع سلم کو منع فرمایا ہے۔

(ج) نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی پھلوں میں بیع سلم کی صحت کے لئے مبیع کی کمیت اور اجل کا متعین ہونا، نیز وزن کی تعیین، وقت موعود پر قدرت علی التسلیم شرط ہے، اور یہ ساری شرطیں معدوم پھلوں یا محض پھولوں کی بیع میں یقیناً نہیں پائی جاتیں، لہٰذا ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی مذکورہ صورت میں بیع سلم کرنے کی کوئی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔

الحاق بالسلم کا مطلب:

پھل آنے سے پہلے الحاق بالسلم کے حیلہ سے بیع کے جواز کے متعلق سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے قبل ظہور الاثمار والازہار کو امام مالکؒ کا مسلک اختیار کرتے ہوئے ملحق بالسلم فرما کر جواز کی رائے ظاہر فرمائی ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ الحاق بالسلم کا کیا مطلب ہے؟ جس طرح ضرورت عامہ اور رفع حرج کے لئے شریعت نے بیع سلم کو مشروع اور جائز قرار دیا ہے کیا اسی طرح ضرورت عامہ یا عموم بلویٰ کی وجہ سے یہاں بھی ظہور اثمار یا ظہور ازہار سے پہلے بھی معدوم کی بیع کو جائز قرار دیا جائے گا؟

لیکن حدیثوں میں جب خاص اسی صورت ہی کی صراحتاً ممانعت آچکی ہے تو الحاق بالسلم کا سہارا لے کر اس منہی

عنہ بیع کا جواز کیونکر ہوسکتا ہے، خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بعض صحابہ نے اسی نوع کی بیع سلم کی تھی اور نوبت مخاصمت کی آئی، اس وقت آپ نے پھلوں میں بیع سلم کی اس وقت تک کی ممانعت فرمادی تھی جب تک کہ بدوصلاح نہ ہوجائے یعنی باغ میں پھل پورے طور پر ظاہر اور گدّر نہ ہوجائے، چنانچہ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے:

"قال ابن حجر فی الفتح :وقد رویٰ ابوداؤد وابن ماجه من طریق النجرانی عن ابن عمر قال: لا یسلم فی نخل قبل أن یطلع، فإن رجلاً أسلم فی حدیقة نخل قبل أن تطلع، فلم تطلع ذلک العام شیئاً، فقال المشتری: هو لی حتی تطلع، وقال البائع: انما بعتک هذه السنة، فاختصما إلی رسول الله ﷺ فقال: اردد علیه ما أخذت منه، ولا تسلموا فی نخل حتی یبدو صلاحه" (فتح الباری ۴۳۳/۴،باب السلم فی النّخل)۔

اس لئے محض ضرورت عامہ اور ابتلاء عام کی بنا پر تو مذکورہ بالا صورت کو الحاق بالسلم کر کے جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، جس کو صراحتاً رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اس لئے الحاق بالسلم کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا۔

اور اگر الحاق بالسلم کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیع سلم کی شرطوں کے پائے جانے کے وقت اس کی بیع درست ہوا کرتی ہے اسی طرح باغوں کے پھلوں کی بیع بھی قبل ظہور الاثمار یا بعد بروز الاثمار بشرط ترک الاثمار علی الاشجار کی صورت کو بھی بیع سلم کے ساتھ ملحق کر کے جائز قرار دیا جائے، تو یہ صورت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی؛ کیونکہ الحاق کے لئے یہ دیکھنا بہر حال ضروری ہوگا کہ بیع سلم کے جواز کی جو دوسری شرطیں ہیں وہ اس صورت مسئولہ میں پائی جارہی ہیں یا نہیں، مسئلہ صرف اس ایک شرط کا نہیں ہے کہ مبیع (مسلم فیہ) کا عندالعقد احناف کے نزدیک موجود ہونا ضروری ہے اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں نہیں، اس ایک شرط میں اگر ضرورت عامہ کی وجہ سے حنفی مسلک سے عدول کر کے شوافع اور مالکیہ کے مسلک کو اختیار بھی کرلیں تو بھی دیکھنا یہ ہے کہ بیع سلم کے جواز کی دوسری شرطیں جو احناف اور شوافع اور مالکیہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، کیا وہ شرطیں بھی یہاں پائی جارہی ہیں؟ اگر نہیں پائی جارہی ہیں اور یقیناً نہیں پائی جارہی ہیں تو پھر کیونکر الحاق بالسلم کر کے اس صورت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ بیع سلم کے جواز کی دوسری شرطوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایک شرط کی وجہ سے مالکیہ اور شوافع کے مسلک کو اختیار کر کے الحاق بالسلم کا دعویٰ کسی طرح درست نہیں۔

دوسرے مسلک کو اختیار کرنے کی بنیادی شرط:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب نے دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے کچھ شرائط بیان

فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) شرط اولین تو یہی ہے کہ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بنا پر ہو، اتباع ہویٰ کے لئے نہ ہو، اور اس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہؒ نے نقل کیا ہے (الحیلۃ الناجزۃ بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/ ۲۴۰)۔

(۲) کسی مسلک میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جائے (درمختار شامی، الحیلۃ الناجزۃ ص ۰۷)۔

(۳) اگر کسی عمل میں بضرورت دوسرے مذہب پر عمل کیا جائے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہئے (حسن العزیز ۴/ ۶۴)۔

(۴) اور ایک شرط مذہب غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارج اجماع نہ ہو، حتی کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے: ''ان الحکم الملفق باطل بالاجماع'' (الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۶)۔

(۵) مفتی محمد تقی صاحب تحریر فرماتے ہیں: حضرت والد صاحب مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے......۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس امام کا قول اختیار کیا جائے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتویٰ علماء سے معلوم کی جائیں، محض کتابوں میں دیکھنے پر اکتفاء نہ کیا جائے؛ کیونکہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتیں، اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے (''البلاغ'' مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۹)۔

صورت مسئولہ و مجوثہ میں بیع سلم کے جواز کی شرطیں احناف اور شوافع، مالکیہ و حنابلہ کسی مسلک کے مطابق نہیں پائی جارہی ہیں؛ کیونکہ شافعی و مالکی مسلک میں بھی بیع سلم کی صحت کے واسطے مبیع کی مقدار، اس کی نوعیت، قدرت علی التسلیم اور اجل وغیرہ کا متعین ہونا ضروری ہے، نیز پھلوں میں بیع سلم اگر کسی متعین باغ سے متعلق ہے تو وہ حنفی و شافعی، مالکی و حنبلی کسی بھی مسلک میں جائز نہیں ہے۔ معتمد کتب مذہب کی تصریحات ماقبل میں گزر چکیں، نیز رسول اللہ ﷺ کے وقت میں باغات کے پھلوں میں بیع سلم کا رواج تھا لیکن آپ ﷺ نے اس کو منع فرما دیا؛ البتہ مشروط طور پر اس کی اجازت دی ہے، اور وہ شرط یہ ہے کہ پھلوں میں بیع سلم اس وقت ہی درست ہوسکتی ہے جب کہ پھل نمودار ہو کر گدّر اور قابل انتفاع ہو جائے، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے: ''لا تسلموا فی نخل حتی یبدو صلاحه'' (رواہ ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۴۶۷)۔

اس لئے مذکورہ بالا روایت اور مالکیہ و شوافع اور حنابلہ کی معتمد کتبِ مذہب کی تصریحات کے پیش نظر صورت مسئولہ میں جب بیع سلم کے جواز کی شرطیں نہیں پائی جارہی ہیں اور نہ ہی پایا جانا ممکن ہے؛ کیونکہ صورت مسئولہ میں پھلوں کی بیع یقیناً

کسی متعین باغ ہی سے متعلق ہوتی ہے، جس کو مالکیہ وشوافع سب نے ناجائز قرار دیا ہے پھر کیسے اور کیونکر اس کو بنیاد بنا کر الحاق بالسلم اور مذہب شافعی یا مالکی کا سہارا لے کر اس کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے؛ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی صراحتاً ممانعت فرمائی ہے۔

نیز صورت مسئولہ میں تعامل اور ضرورت عامہ کی وجہ سے مذکورہ بالا حدیث میں تخصیص کا بھی امکان نہیں؛ کیونکہ واقعہ مخصوص اور صورت متعین ہے، اس کے جواز کا قائل ہونے کی صورت میں نص کی تخصیص نہیں بلکہ یقینی طور پر نص کا ترک لازم آئے گا، اور اس کی گنجائش یقیناً نہیں؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نے واضح طور پر اس کی تصریح فرمائی ہے:

"**قال ابن عابدین فی رسم المفتی: والتعامل حجة یترک به القیاس ویخص به الأثر.... ألا تری أنا جوزنا الإستصناع للتعامل، والاستصناع بیع مالیس عنده وأنه منهی عنه، وتجویز الإستصناع بالتعامل تخصیص منا للنص الذی ورد فی النهی عن بیع مالیس عند الإنسان، لا ترک للنص أصلا، لأنا عملنا بالنص فی غیر الإستصناع قالوا: وهذا بخلاف مالو تعامل أهل بلدة قفیز الطحان فانه لا یجوز ولا تکون معاملتهم معتبرة، لأنا لو اعتبرنا معاملتهم کان ترکا للنص أصلا، وبالتعامل لایجوز ترک النص أصلا وإنما یجوز تخصیصه**" (رسم المفتی فی بحث العرف، ص۹۹، مطبوعہ سہارنپور)۔

معدوم پھلوں کے پھولوں کی بیع بھی ناجائز ہے:

پھلوں کے بیع کے ظہور اور وجود سے پہلے معدوم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع تو قطعاً ناجائز ہے ہی لیکن درختوں پر پھلوں کا اگر پھول بھی آ گیا ہو ہمارے فقہاء نے اس حالت میں بھی اس کے قابل انتفاع نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع کو بھی ناجائز قرار دیا ہے؛ جب کہ مفتی رشید احمدؒ صاحب نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرات فقہاء نے "**بیع الثمر قبل انفراک الزهر**" کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے، مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا چارہ نہیں (احسن الفتاویٰ ۶/۴۸۹)۔

لیکن مفتی رشید احمد صاحبؒ کی یہ بات بھی قابل غور ہے؛ کیونکہ بیع کی صحت کے لئے مبیع کا وجود اور اس کا مال متقوم ہونا شرط ہے، اس کے بغیر اس کی بیع جائز ہی نہیں، اور درختوں کے پھولوں میں یہ شرط نہیں پائی جاتی (کیونکہ شریعت نے اس حالت کے پھولوں کو بھی متقوم قرار نہیں دیا، اور نہ ہی بازاروں میں مستقلاً ان کی بیع ہوتی ہے اور نہ ہی عرف میں درخت سے علیحدہ کر کے اس کو مال متقوم تصور کیا جاتا ہے)؛ اس لئے بھی اس کی بیع ناجائز ہے، چنانچہ اسی حقیقت کو شمس الائمہ سرخسیؒ نے مبسوط میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

”وشراء الثمار قبل أن تصير منتفعا بها لا يجوز؛ لأنه إذا كان بحيث لا يصلح لتناول بني آدم أو علف الدواب فهو ليس بمال متقوم،...... لأن البيع يختص بعين مال متقوم والزرع فی أول ما يبدو قبل أن يصير منتفعا به لا يكون مالا متقوما أما بعد ما صار منتفعاً به بحيث يعمل فيه المناجل ومشافر الدوابّ يجوز بيعه لأنه مال متقوم منتفع به“ (کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۱۹۵، ۱۹۳)۔

معدوم پھلوں کی بیع کے جواز کی شکل اور شرعی حیلہ:

اب سوال یہ ہے کہ مختلف ملکوں اور مختلف صوبوں میں اس طرح کی بیوع کا عام رواج اور اس میں عمومی ابتلاء ہے تو کیا عموم بلویٰ کی وجہ سے اس کے جواز کی کوئی شکل ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ محض عموم بلویٰ کی وجہ سے تو کسی ایسی بیع کی اجازت نہیں ہوسکتی جس کو صراحتاً حدیث پاک میں منع کیا گیا ہو، ”نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع المعاومة والسنين“ (رواہ مسلم والترمذی)، اور معدوم کی بیع باطل ہونے پر تمام فقہاء ومحدثین کا اتفاق ہے، اس لئے خاص اس صورت کے جواز کی کوئی شکل نہیں ہوسکتی؛ البتہ یہ ممکن ہے کہ دوسرے اصول وکلیات یا دوسرے انواع معاملات میں سے کسی معاملہ کے تحت لاکر اس کے جواز کی کوئی صورت منطبق ہوسکتی ہو تو اس پر غور کرنا چاہئے۔

۷- معدوم پھلوں کی بیع کے بجائے پورے باغ کے اجارہ کرنے کا حیلہ:

ہمارے بہت سے اکابر علماء وفقہاء نے مذکورہ صورت یعنی معدوم پھلوں کی حرام بیع سے بچنے کے لئے اس معاملہ کو حدود جواز میں لانے کی چند مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں جو واقعتۃً اصول شرع اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) منجملہ ان کے ایک صورت یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ اصل معاملہ ان پھلوں کی بیع کا کیا ہی نہ جائے، جو کہ معدوم ہیں؛ بلکہ بجائے پھلوں کی بیع کے پورے باغ اور اس کی زمین کے اجارہ کا کیا جائے، یعنی اصل تو باغ کے زمین کا اجارہ ہوگا اور باغ کے درخت اس کے تابع ہوں گے، اور باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے اور دینے کی شرعاً اجازت بھی ہے، اس کے مختلف نظائر کتب فقہ میں موجود ہیں، بعض آثار صحابہ سے بھی اس کا جواز ثابت ہے، فقہاء کرام نے اصولی طور پر تحریر فرمایا ہے کہ مستأجر کے لئے اگر باغ کی زمین قابل انتفاع ہے تو اس کا اجارہ درست ہے، اس صورت میں درختوں سے انتفاع ضمناً اور تبعاً ہوگا، فقہاء کرام کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) شمس الائمہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں: ”وإن استأجر الأرض مدة معلومة بأجر معلوم ليترك

الفضل فیها فذلک جائز؛ لأن استئجار الأرض صحیح إذا کان المستأجر یتمکن من استیفاء منفعتها، والتمکن هنا موجود لاشتغالها بزرعه بمعنی أنه وصلت منفعة الأرض إلی زرعه فصار کأن زرعه استوفی منفعة الارض"(کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۱۹۴)۔

"قال فی کتاب الشرب من البزازیة: لم تصح اجارة الشرب لوقوع الإجارة علیٰ استهلاک العین مقصوداً إلا إذا آجر أو باع مع الارض فحینئذ یجوز تبعا ...

وذکر هنا الإجارة إذا وقعت علی العین لا تصح، فلا تجوز علی استئجار الآجام والحیاض لصید السمک أو رفع القصب وقطع الحطب أو لسقی أرضها أو لغنمه منها وکذا اجارة المرعیٰ۔ والحیلة فی الکل أن یستأجر موضعا معلوما لعطن الماشیة ویبیح الماء والمرعی.... استأجر نهراً یابسا أو أرضا أو سطحاً مدة معلومة ولم یقل شیئا صح وله أن یجری فیه الماء"(ردالمحتار، کتاب الاجارة، مطلب الاجارة اذا وقعت علی العین لا تصح والحیلة فیه ۵/ ۴۴)۔

مبسوط سرخسی اور علامہ شامیؒ کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ باغوں کی زمین کا اجارہ بھی درست ہے؛ کیونکہ اجارہ کے جواز کا جو معیار ہے وہ پایا جارہا ہے، نیز علامہ شامیؒ نے اس کے جواز کا جو حیلہ ذکر فرمایا ہے وہ بھی حلت اور جواز کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ یہ کہ محض انتفاع کی غرض سے درختوں کا اجارہ حنفی مسلک کے مطابق اصلاً تو ناجائز ہے؛ لیکن اصل معاملہ اگر زمین کے اجارہ کا ہو اور درخت اور اس کے پھلوں سے انتفاع اس کے ضمن میں ہو تو اس کو بھی جائز ہونا چاہئے، جیسے کسی رہائشی عمارت میں پینے یا نہانے کا پانی موجود ہو، اگر کوئی شخص اس پینے اور نہانے کے پانی کو کرایہ پر لے یا کسی باغ کے درختوں کو کرائے پر اس لئے لے کہ اس سے پھل کھایا کریں گے تو ہمارے فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

"فی رد المحتار: وإنما لا یصح استئجار الاشجار أیضا لما مر أنها تملیک منفعة، فلو وقعت علی استهلاک العین قصداً فهی باطلة، قال الرملی: وسیأتی فی إجارة الظئر أن عقد الإجارة علی استهلاک الأعیان مقصودا کمن استأجر بقرة لیشرب لبنها لا یصح، وکذا لو استأجر بستانا لیأکل ثمره" (ردالمحتار، کتاب الاجارة ۵/ ۵)۔

لیکن اگر اس پوری عمارت کو کرایہ پر لیا جائے تو اب اس پانی کے گھاٹ کا اجارہ بھی ضمناً اور تبعاً جائز ہوجائے گا؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نے بھی اس کے جواز کی تصریح فرمائی ہے، اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہئے کہ درختوں یا پھلوں کا اجارہ اگرچہ

ناجائز ہے لیکن اگر زمین کا اجارہ مستقلاً ہو اور ضمناً اس کے درختوں کے پھلوں سے انتفاع بھی ہو تو جائز ہونا چاہئے۔

اسی وجہ سے ہمارے متعدد اکابر علماء وفقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، چند فتاویٰ ملاحظہ ہوں:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اپنے فتاویٰ میں اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

.........اور اگر فقط درختوں کو اجارہ دیا گیا، ایک سال یا دو سال یا کم زیادہ کے لئے تو یہ بھی درست نہیں؛ کیونکہ اجارہ درختوں کا جائز نہیں۔

البتہ اگر زمین مع درختوں کے اجارہ دی جاوے میعاد معین تک تو درست ہے، اس صورت میں جتنا کچھ پیداوار زمین کی یا درختوں کی ہوگی وہ مستاجر لیوے گا، اور اجارہ معین الگ ملے گا (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۴۲۶ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ہے:

سوال: جن درختوں پر پھل نہ آیا ہو، خرید سے پہلے ٹھیکہ لینا جائز ہے یا نہیں، یا پھل آنے پر ٹھیکہ لینا چاہئے، ایسے پھلوں کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب: جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے؛ البتہ اگر زمین ٹھیکے پر لے لے اور اس کے بعد پھل آئے تو وہ پھل بھی درست ہے (فتاویٰ محمودیہ، بیع باطل وفاسد، سوال نمبر: ۸۷۷۵، ۲۴/۱۲۸)۔

سوال: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر وبیشتر آم وامرود وبیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کا کھانا حرام یا مکروہ ہے، حضرت تھانویؒ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے مگر دور حاضر کے علماء وصلحاء واتقیاء کی اکثریت اس قسم کے پھل کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اس کو بلا تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز بھی نہیں سمجھتے ہیں تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے، اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوگئی ہے؟

جواب: یہ بیع باطل ہے، جس پھل کے متعلق معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے اس کا کھانا جائز نہیں، حضرت تھانویؒ کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے، مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے، اگر کاشت کی زمین کو سال دو سال کے لئے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے، بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں، اس لئے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا (فتاویٰ محمودیہ، بیع باطل وفاسد، سوال نمبر: ۸۷۷۲، ۲۴/۱۲۷)۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں مذکور ہے:

سوال: ایک شخص قبل پھل آنے کے اپنا باغ بیچ دیتا ہے کیا اس پر عشر ہے؟

جواب: پھل آنے سے قبل باغ بیچ دینا جائز نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ باغ کی زمین مع باغ کے کرایہ پر دے دی تو صحیح ہے، اس صورت میں عشر اس کے ذمہ نہیں؛ البتہ سال پورا ہونے پر اس کے ذمہ زکوٰۃ ہوگی (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/۷۳، قدیم نسخہ)۔

مفتی سلمان صاحب منصور پوری کے فتاوے میں ہے:

سوال:۱۰۵- زید نے قلمی باغ رکھا ہے تو کیا اس کو ٹھیکے پر دو سال کے لئے بیچنا درست ہے یا نہیں؟ یعنی دو سال کے لئے باغ اور زمین سب فروخت کر دیں یا پھر صرف باغ فروخت کریں، دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟ یا آپ پھر تحریر فرمائیں کس طرح بیع کی جائے؟

الجواب وباللہ التوفیق: باغ مع زمین دو سال کے لئے کرایہ پر دینا درست ہے، محض بہار بیچنا جائز نہیں ہے (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ، ۱۶/۱۰۱، ڈابھیل، کتاب النوازل ۱۰/۴۸۵)۔

مولانا مفتی شبیر احمد صاحب اسی نوع کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب وباللہ التوفیق: جس زمین میں باغ لگا ہوا ہے اس کو ایک سال کے لئے مع باغ پندرہ ہزار روپئے کرایہ پر دینا جس میں مشتری کو اس درمیان باغ کے پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں پیداوار وغیرہ کے ذریعہ فائدہ حاصل کرنے کا مکمل اختیار ہو شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں اصل عقد اور معاملہ زمین کی کرایہ داری کا ہے اور باغ اس کے تابع ہے، اور پندرہ ہزار روپئے کے ساتھ بائع کی طرف سے دو کوئنٹل آم کے باغ جزءِ ثمن و قیمت کے درجے میں ہو کر اس وقت جائز ہے جب کہ اس باغ کے آم ہونے کی شرط نہ لگائی جائے؛ بلکہ مشتری کو اختیار ہے کہ وہ کہیں سے بھی دے، اور آم کی نوع وقسم بھی متعین کر لی جائے (مثلاً چوسہ، دسہری وغیرہ)، تاکہ جھگڑے وغیرہ کی نوبت نہ آئے تو ایسی صورت میں دو کوئنٹل آم کی بات درست ہے (مستفاد از فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۶/۱۰۷)۔

علماءِ محققین کی ایک جماعت کا فتویٰ:

مہاراشٹر کے مفتیوں وعلماء کی ایک جماعت نے مل کر جدید مسائل کی تحقیق کی ہے اور ''محقق ومدلل جدید مسائل'' کے نام سے شائع کئے ہیں، جس کے مرتب مولانا محمد جعفر صاحب ملی رحمانی ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کرنا'' مسئلہ نمبر ۲۸۷: پھل آنے سے پہلے بیع ناجائز وحرام ہے مگر اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہوگی کہ معاملہ پھلوں کا نہ کیا جائے بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا کیا جائے، وہ اس طور پر کہ چھ مہینے یا سال بھر

کے لئے یا کئی سال کے لئے متعین رقم کے بدلے میں کرایہ پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ بھی اجازت ہو کہ وہ خالی زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھا سکتا ہے، مالک کو اس میں کوئی حق نہ ہوگا، مگر یہ معاملہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ باغ کی زمین قابل کاشت بھی ہو، ورنہ صحیح نہ ہوگا (محقق ومدلل جدید مسائل، ص ۳۰۴)۔

عہد صحابہ میں باغوں کو کرایہ پر دینے کی ایک نظیر:

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر وفقہاء نے تمام امور کی رعایت کرتے ہوئے معدوم پھلوں کی بیع کے بجائے باغ اور اس کی زمین کو کرایہ پر لینے کا جو حیلہ بیان فرمایا اور اس کے جواز کا فتویٰ دیا، عہد صحابہ میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ ابن قیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حنبلیؒ ومالکیؒ مسلک میں باغات کا کرایہ اور ضمان پر دینا درست ہے اور دلیل میں حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے؛ جب کہ انہوں نے اسید بن حضیر کا باغ ان کی وفات کے بعد تین سال کے لئے کرایہ پر دیا تھا اور پیشگی اجرت لے کر اس سے ان کا قرضہ ادا کر دیا تھا، حضرت عمرؓ کا یہ عمل تمام صحابہ کی موجودگی میں ہوا تھا جس پر کسی نے نکیر نہیں کی، گویا یہ ایک نوع کا اجماع تھا، نیز علامہ ابن قیمؒ نے قیاس سے بھی اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

علامہ ابن قیم اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما کی بیان کردہ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اسید بن حضیر جو مقروض ہو کر وفات پا گئے تھے اور ترکہ میں انھوں نے صرف باغ چھوڑا تھا، ادائے قرض کے لئے کچھ اور نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اس باغ کو اپنی تحویل میں لے کر تین سال کے لئے اس کو بطور ضمان اور اجارہ کے دے دیا تھا، اور پیشگی اجرت لے کر اسی سے ان کا قرض ادا فرمایا تھا، حضرت عمرؓ کا یہ معاملہ نہ مزارعت ومساقات کے طور پر تھا نہ قرض وعاریت کے طور پر؛ بلکہ ضمان اور اجارہ کے طور پر تھا کہ تین سال کے پھلوں کی فصل پر باغ کے اجارہ کا معاملہ طے ہوا تھا اور قرض ادا ہو جانے کے بعد باغ وارثوں کو دے دیا گیا؛ بلکہ علامہ ابن قیمؒ نے حضرت عمرؓ کے مذکورہ واقعہ سے معدوم شے کی بیع کے جواز کو پوری قوت سے ثابت کیا ہے، جبکہ ہمارے فقہاء احناف مضبوط دلائل کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل نہیں، لیکن کم از کم حضرت عمرؓ کے مذکورہ واقعہ سے اکابر فقہاء کے بیان کردہ حیلہٗ (یعنی باغات کو کرائے پر دینے کے) جواز کی تائید ضرور ہوتی ہے (اعلام الموقعین ۴۰۶/۲)۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اس نوع کے بعض سوالوں کے جوابات میں (جس میں بعض پھلوں کی بیع، بدوّ صلاح کے قبل لازم آتی تھی جو کہ اصلاً ناجائز ہے) اس کے جواز کے بعض حیلے ذکر فرمائے ہیں، اس میں یہ صورت بھی ذکر فرمائی ہے کہ باغ کی زمین کو کرایہ پر دے دیا جائے اور پھلوں کے درختوں کا معاملہ علیحدہ ہو، خواہ بیع کا یا مساقاۃ کا، اور دلیل

میں اصولی طور پر یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ بعض اشیاء کی بیع انفراداً واستقلالاً درست نہیں ہوتی، لیکن ضمناً وتبعاً جائز ہوتی ہے، جیسے اساس حیطان (یعنی باغ کی جڑوں) کی بیع اصالتہً ناجائز ہے اور مکمل باغ کی بیع کی صورت میں ضمناً وتبعاً جائز ہے، اور مثلاً حمل کی بیع استقلالاً ناجائز ہے لیکن جانور کی بیع کے ضمن میں حمل کی بیع بھی جائز ہے؛ بلکہ مشتری کا مبیع (جانور) کے حاملہ ہونے کی شرط لگانا بھی جائز ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹/۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۳)۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی مذکورہ بالا تصریحات اور ان کے فتاویٰ کی روشنی میں یقیناً اس کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے کہ زیر غور مسئلہ میں باغات کے پھلوں کا معاملہ نہ کر کے اصل معاملہ زمین کے اجارہ کا کیا جائے، اس صورت میں اصل معاملہ زمین کے اجارہ کا ہوگا اور درختوں کے پھلوں سے انتفاع اسی کے ضمن میں ہوگا، حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا واقعہ جس کو علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے، اس صورت کے جواز کی بہت پختہ دلیل معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم

ضروری تنبیہ:

علامہ ابن قیمؒ نے اس موقع پر شئ معدوم کے بیع کے جواز پر متعدد دلائل پیش کئے ہیں، اور اس کی روشنی میں معدوم کی بیع کو علی الاطلاق راجح قرار دیا ہے، شاید کسی صاحب کو خیال ہو کہ جب معدوم کی بیع بعض کے نزدیک جائز ہے تو زیر غور مسئلہ میں بھی ابن قیمؒ کی بیان کردہ تحقیق کے مطابق معدوم پھلوں کی بیع کے جواز کا فتویٰ دے دینا چاہئے، لیکن اس کی گنجائش کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہے:

(الف) اولاً تو اس وجہ سے کہ باغات میں معدوم پھلوں کی بیع سے حضور ﷺ نے صراحتاً منع فرمایا ہے:

"نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع معاومة" (رواہ مسلم)۔

(ب) دوسرے خود علامہ ابن قیمؒ جنہوں نے شئ معدوم کی بیع کا جواز نہایت مدلل طریقے سے بیان کیا ہے، لیکن باغات کے معدوم پھلوں کی بیع کو انہوں نے بھی دوسرے موانع شرعیہ (غرر واحتمال ضرر وغیرہ) کی بناء پر ناجائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"..... اذ ليس فى كتاب الله ولا فى سنة رسول الله ﷺ ولا فى كلام أحد من الصحابة أن بيع المعدوم لا يجوز لا بلفظ عام ولا بمعنى عام، وانما فى السنة النهي عن بيع بعض الأشياء التي هى معدومة كما فيها النهى عن بيع بعض الأشياء الموجودة، فليست العلة فى المنع لاالعدم ولاالوجود، بل الذى وردت به السنة النهى عن بيع الغرر، وهو مالا يقدر على تسليمه سواء كان موجوداً او معدوماً كبيع العبد الآبق والبعير الشارد وإن كان موجوداً، إذ موجب البيع تسليم البيع، فإذا كان

البائع عاجزاً عن تسلیمه فهو غرر ومخاطرة وقمار فإنه لا یباع إلا بوکس.....وهکذا المعدوم الذی هو غرر نهیٰ عنه للغرر لا للعدم، کما إذا باعه ما تحمل هذه الأمة أو هذه الشجرة فالمبیع لا یعرف وجوده ولا قدره ولا صفته، وهٰذا من المیسر الذی حرّمه اللّٰه ورسوله" (اعلام الموقعین ۲/ ۴۰۲، فصل خطأ من أطلق أن بیع المعدوم لا یجوز)؛ اس لئے معدوم پھلوں کی بیع کی گنجائش کسی کے نزدیک نہیں۔

چند شبہات اوران کا ازالہ:

مذکورہ بالا حیلہ اختیار کرنے پر ایک شبہ اوراس کا جواب:

شبہ نمبر(۱) ایک شبہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ معاملات تو حقائق پر مبنی ہوتے ہیں، محض صورتوں اور الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، "لأن الاعتبار للمعانی والأغراض لا للمبانی والألفاظ کما فی الهدایه: "وفی قواعدالفقه الاعتبار للمعنی فی العقود لا للألفاظ فقط" (قواعد الفقہ ،ص ۶۰)۔

"العبرة فی العقود للمقاصد والمعانی لا للألفاظ والمبانی" (مجلّہ،القواعد الفقہیہ ،ص۹۱)۔

اس لئے زیرِ غور مسئلہ میں جب حقیقت متعین ہے کہ اصل مقصود تو معدوم پھلوں کی بیع کی خرید وفروخت ہی ہے، درختوں کے درمیان افتادہ زمین کوکرایہ پر لینا اصل مقصود نہیں ،تو یہ محض اجارہ کی صورت اور حیلہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا یہ حیلہ بھی غیر معتبر اورحلت میں غیر مؤثر ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں بیشک حقائق کا اعتبار ہوتا ہے لیکن حقائق الفاظ ہی سے متعلق ہوتے ہیں؛ البتہ حیثیتوں کے بدلنے سے شریعت کے احکام بھی بدل جاتے ہیں، مثلاً جنبی شخص اور حائضہ عورت کے لئے قرآن پاک کی تلاوت ناجائز ہے؛ لیکن اگر کوئی حائضہ کسی آیت مثلاً: ربّنا آتنا فی الدنیا حسنة الآیة کودعا کی حیثیت سے پڑھے تو جائز ہے، یعنی ایک عمل ایک حیثیت سے ناجائز اور دوسری حیثیت سے بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

یا مثلاً کسی شخص نے دس کلو گیہوں کی دس کلو گیہوں کے بدلے بیع کی تو ربوٰ کی دونوں علتیں قدر اور جنس پائے جانے کی وجہ سے زیادتی بھی ناجائز اور ادھار بھی ناجائز، اگر کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ سے دس کلو گیہوں کے بدلے بیع کرلو اور مشتری کہے کہ ٹھیک ہے لیکن میں تم کو گیہوں ابھی نہیں کل دوں گا، تو اب ادھار ہونے کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے؛ کیونکہ علت ربوٰ پائے جانے کی وجہ سے جانبین میں تساوی کے ساتھ یداًبید ہونا بھی ضروری ہے، ادھار کی صورت میں یہ معاملہ ناجائز اور ربا النسیئہ کا مصداق ہوگا۔

لیکن اسی معاملہ کو اگر بجائے بیع کے قرض کی حیثیت سے کیا جائے کہ ایک شخص دوسرے سے دس کلو گیہوں بطور

قرض کے لے اور یوں کہے کہ میں کل ادا کردوں گا تو یہ معاملہ بغیر کسی کراہت کے سب کے نزدیک جائز ہے، یعنی ایک ہی معاملہ ایک حیثیت سے جائز اور دوسری حیثیت سے ناجائز۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ کو سمجھنا چاہئے کہ پھلوں کے آنے سے قبل ان کی بیع معدوم ہونے کی وجہ سے یقیناً ناجائز ہے؛ لیکن اس معاملہ کو اگر باغ یا اس کی زمین کو اجارہ کی حیثیت سے کیا جائے جبکہ اجارہ کے جواز کی شرطیں بھی پائی جارہی ہوں تو بلاشبہ اجارہ کی حیثیت سے یہ معاملہ بھی بغیر کسی کراہت کے جائز ہوگا، یہ محض حیلہ نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، ناجائز معاملات سے بچنے اور جواز کی صورت اختیار کرنے کے لئے دوسری حیثیت سے معاملہ کرنے کی نظیریں حدیثوں میں پائی جاتی ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے، چنانچہ حدیثوں میں یہ واقعات آئے ہیں کہ متعدد صحابہ حضرت بلالؓ وغیرہ نے آپ ﷺ کو ہدیہ میں اعلیٰ درجے کی برنی کھجوریں پیش کیں، رسول ﷺ نے تعجب سے فرمایا کہ اتنی عمدہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا ہم نے بازار میں ردی اور مخلوط دو صاع کھجور کے عوض ایک صاع عمدہ کھجور آپ کے لئے خریدی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اَوّہ! یہ تو عین ربوٰ ہے، ایسا ہرگز مت کرو، آپ ﷺ نے اس کو واپس فرما کر دوسرا جائز طریقہ ارشاد فرمایا کہ کھجور کا تبادلہ کھجور سے مت کرو، بلکہ دو صاع کھجور کو قیمتاً بیچو پھر اسی قیمت سے ایک صاع عمدہ کھجور خریدلو، نتیجہ کے لحاظ سے بات وہی ہے لیکن معاملہ کی حیثیت بدل گئی، ناجائز صورت سے بچنے کے لئے جائز صورت کو اختیار کرنے اور دوسری حیثیت سے معاملہ کرنے کی آپ نے خود ترغیب فرمائی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"جاء بلال بتمر برنی، فقال له رسول اللهﷺ: من أين هذا؟ فقال: تمر كان عندنا ردیء فبعت منه صاعين بصاع لمطعم النبی ﷺ، فقال رسول الله ﷺ عند ذلک: اوه! عين الربا، لاتفعل، ولكن إذا رددت أن تشتری التمر فبعه ببيع آخر، ثم اشتر به" (رواہ مسلم، حدیث: ۴۰۵۹، باب بیع الطعام مثلا بمثل)۔

جائز مقصد کے لئے مشروع طریقے سے حیلہ اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے، ایسے حیلوں کو نہ اختیار کرنا عجز اور کسل ہے، علامہ ابن قیمؒ نے جائز اور مباح حیلوں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"وليس كلامنا ولا كلام السلف فی ذم الحيل متناولا لهذا القسم، بل العاجز من عجز عنه ..... والعجز كل العجز ترک هذه الحيلة، والإنسان مندوب إلى استعاذته بالله تعالیٰ من العجز والكسل، فالعجز عدم القدرة على الحيلة النافعة، والكسل عدم الإرادة لفعلها، فالعاجز لا يستطيع الحيلة، والكسلان لا يريدها.... وفی هٰذا قال بعض السلف: الأمر أمران: أمر فيه حيلة فلا يعجز عنه، وأمر لا حيلة فيه فلا يجزع منه" (اعلام الموقعین ۳/۲۷۲ فصل أنواع من الحيل المباحة)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''حیلہ دو قسم کے ہیں: ایک وہ کہ اغراض شریعت کے مبطل ہوں جیسے حیلہ ادائے زکوٰۃ میں کہ جس کا مقصود اعانت مساکین اور ازالہ رذیلہ نفس ہے، اس میں کوئی حیلہ کرنا اور ادا نہ کرنا غرض شرعی کا مبطل ہے، تو اس قسم کے حیلہ ناجائز ہوں گے۔ دوسرے وہ حیلہ جو کسی غرض شرعی کے محصّل و معین ہوں، ایسے حیلے جائز ہوں گے، جیسے حدیث میں ہے: ''بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم'' یعنی ان کو دراھم سے بیچ کر دراھم سے خرید لو'' (دعوات عبدیت ۹/۵، فقہ حنفی کے اصول وضوابط ص ۳۲۵)۔

اس لئے زیر غور مسئلہ میں اگر معدوم پھلوں کا معاملہ نہ کر کے باغ یا اس کی زمین کے اجارہ کا معاملہ کیا جائے تو اجارہ کی حیثیت سے یہ معاملہ بھی درست ہوگا، اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، اسی وجہ سے ہمارے متعدد اکابر فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

دوسرا شبہ لوگوں کے ذہن میں یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ معدوم پھلوں کی بیع کے بجائے باغ میں اجارہ کا معاملہ کرنے میں حنفی مسلک سے عدول لازم آتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ:

(الف) ماقبل میں تفصیل گذر چکی ہے کہ حنفی مسلک کے اصول وضابطہ کے مطابق شرائط پائے جانے کی صورت میں باغ کی افتادہ زمین کا اجارہ بھی درست ہے، لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق بھی اس کا جواز ہے۔

(ب) دوسرے ہمارے متعدد اکابر فقہاء ومعاصر علماء نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

(ج) تیسرے اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ باغ یا اس کی افتادہ زمین کا اجارہ حنفی مسلک میں اصلاً ناجائز ہے؛ البتہ دوسرے مذاہب میں اس کی اجازت ہے لیکن ضرورت کے موقعوں میں خصوصاً معاملات کی ان تمام صورتوں میں جن میں ابتلاء عام ہو، ناجائز صورتوں سے بچانے اور جائز صورتوں کو اختیار کرنے کے لئے ہمارے اکابر فقہاء مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ نے دوسرے مسالک کو اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت بلکہ تاکیدی ہدایت اور وصیت فرمائی ہے، چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''ضرورت میں دوسرے مجتہد کا مذہب لینا جائز ہے، آخر وہ بھی حدیث سے کہتا ہے'' (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب الاجارہ، ص ۴۴۱)۔

(۲) مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں دیانات میں تو نہیں لیکن معاملات میں جس میں ابتلاء عام

ہوتا ہے، دوسرے امام کے قول پر بھی اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتویٰ دفع حرج کے لئے دے دیتا ہوں، اگر چہ حنفیہ کے قول کے خلاف ہو، اور اگر چہ مجھے اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا، لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس کے متعلق اجازت لے لی، میں نے دریافت کیا تھا کہ معاملات میں محل ضرورت میں دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے؟ فرمایا کہ: جائز ہے'' (ملفوظات دعوات عبدیت، ۱۹/ ۱۲۴ اخرد)۔

(۳) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: '' چونکہ چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہیں، اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت والد صاحب (حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانویؒ نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں اور اس کی وجہ سے دیندار مسلمان تنگی کا شکار ہیں اس لئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلویٰ عام ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کے لئے گنجائش کا پہلو ہو اس کو فتویٰ کے لئے اختیار کرلیا جائے (البلاغ '' مفتی اعظم نمبر''، ص ۴۱۹)۔

(۴) مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: '' اگر چہ باعتبار اصل مذہب قضاء علی الغائب عند الحنفیہ جائز نہیں، لیکن مواضع ضرورت میں بوجہ مصلحت محققین حنفیہ نے قضاء علی الغائب کو جائز رکھا ہے ...... پس بناءً علیہ مواضع ضرورت میں بضرورت صیانۃ حقوق اگر قاضی غائب پر حکم کرے تو جائز اور نافذ ہوگا؛ کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مجتہد فیہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر حکم کو صاحبین کے قول پر جو جمع کیا ہے اس کی یہ وجہ لکھی ہے: **"لأن التارک بمذهبه عمداً لا يفعله إلا لهوىً باطل لا لقصد جميل"** ، اس سے صاف واضح ہے کہ اگر بضرورت بوجہ مصلحت **لا لهوىً حكم بمذهب الغير** ہوگا تو بالاتفاق صحیح ہوگا، چنانچہ علامہ شامیؒ کا یہ قول اس پر صاف دال ہے: **ولا ينافي ما مر لأن تجويز هذا للمصلحة والضرورة**'' (رد المحتار ۴/ ۳۳۹، فتاویٰ خلیلیہ، ص ۱۲۹، کتاب الطلاق)۔

(۵) نیز طلاق غضبان کے سلسلہ میں علامہ ابن قیمؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے '' اعلام الموقعین'' میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے ٹھیک اسی بات کو ابن قیمؒ کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے بھی اختیار فرمایا ہے اور ہمارے اکابر نے بھی اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے، اگر چہ علامہ شامیؒ نے اس کی بعض شقوں سے اختلاف بھی کیا ہے، عبارت درج ذیل ہے:

''قال الشامي: قلت: ولحافظ ابن القيم الحنبلي رسالة في طلاق الغضبان قال فيها: إنه علىٰ ثلٰثة أقسام: أحدها أن يحصل له مبادئ الغضب ....إلىٰ أن قال: وهٰذا الموافق عندنا لما مر في

المدهوش" (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی طلاق المدهوش، ۳/ ۲۴۴ کراچی)۔

اس کے علاوہ اور بھی دوسرے موقعوں میں ہمارے فقہاء احناف نے علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ کی عبارتیں بطور تائید کے نقل فرمائی ہیں؛ چنانچہ حموی کی شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

"قال الحموی بحث النیة فی شرح الأشباہ تحت قولہ: "وزاد ابن امیر الحاج انہ لم ینقل عن الائمة الاربعة" أقول: یؤیدہ ما فی فتاویٰ شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیة أن النّیة الواجبة محلھا القلب باتفاق الأئمة الاربعة سویٰ بعض المتأخرین الخ" (شرح الاشباہ والنظائر: حموی ص ۸۸، مطبوعہ دیوبند قدیم)۔

اس لئے احقر کی رائے کے مطابق مذکورہ مسئلہ میں معدوم پھلوں اور پھولوں کی بیع کے بجائے پورے باغ کے اجارہ کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ یہ صورت تمام دوسری صورتوں سے زیادہ بہتر ہے۔ ہمارے اکابر علماء وفقہاء نے اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

بعض لوگوں نے یہ شبہ پیش کیا ہے کہ اکابر فقہاء کی بیان کردہ اجارہ کی صورت میں بعض محققین نے یہ قید بھی ذکر کی ہے کہ درختوں کے درمیان افتادہ زمین کاشت کے قابل ہو اور اگر اس میں کاشت نہیں کی جاسکتی تو باغ کی زمین کا اجارہ درست نہیں؛ چنانچہ بعض اہل علم نے تحریر فرمایا ہے:...... "مگر یہ معاملہ اس وقت صحیح ہوگا جب کہ باغ کی زمین قابل کاشت ہو ورنہ صحیح نہ ہوگا" (محقق ومدلل جدید مسائل، ص ۳۰۴)۔

اور باغ کے درختوں کے درمیان افتادہ زمین میں عموماً نہ کوئی کاشت کرتا ہے اور نہ وہ کاشت کے قابل ہوتی ہے، اور علامہ شامیؒ کے بیان کے مطابق وجہ اس کی یہ ہے کہ باغ میں لگے ہوئے درختوں کی پھیلی ہوئی جڑیں زمین کی طاقت کو چوس لیتی ہیں، نیز درخت کے پتے زمین کی سطح پر دھوپ پہنچنے سے رکاوٹ بنتے ہیں اس لئے اس زمین میں کاشت نہیں کی جاسکتی، الا یہ کہ درخت بہت تھوڑے ہوں یا چھوٹے ہوں یا باغ کے کسی گوشہ میں علیحدہ ہوں اور باغ کی کافی زمین خالی پڑی ہو تو اس میں کاشت ممکن ہے؛ لیکن عام طور پر باغات کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ درختوں کے مابین افتادہ زمین میں کاشت نہیں کی جاسکتی؛ چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وفی مسائل الشیوع من البزازیة: استأجر أرضا فیھا أشجار أو أخذھا زراعة وفیھا أشجار إن کان فی وسطھا لا یجوز إلا إذا کان فی الوسط شجرتان صغیرتان مضی علیھما حول أو حولان لا کبیرتان لأن ورقھما وظلھما یأخذ الأرض، والصغار لا عروق لھا، وإن کان فی جانب من الأرض

كالمسناة والجداول يجوز لعدم الإخلال"(ردالمحتار،کتاب الاجارۃ ۵/۵)۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارے فقہاء شمس الائمہ سرخسیؒ نے زمین کے اجارہ کی حلت اور جواز کا جو ضابطہ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کسی بھی نوعیت سے قابل انتفاع ہو اور مستاجر کو اس پر تمکن یعنی قدرت حاصل ہو بس زمین کے اجارہ کی صحت کے لئے اتنی بات کافی ہے؛ چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

"**وإن استأجر الأرض مدة معلومة بأجر معلوم ليترك الفضل فيها فذلك جائز؛ لأن استئجار الأرض صحيح إذا كان المستأجر يتمكن من استيفاء منفعتها، والتمكن هنا موجود لاشتغالها بزرعه بمعنى أنه وصلت منفعة الأرض إلى زرعه فصار كأن زرعه استوفى منفعة الأرض**"(کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۱۹۴)۔

اس معیار کے اعتبار سے دیکھنا چاہئے کہ باغ کے درختوں کے درمیان افتادہ زمین کسی بھی نوعیت سے قابل انتفاع اور قابل کاشت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تجربہ اور مشاہدہ اور لوگوں کا عمل تو یہ بتلا رہا ہے کہ باغوں کے درمیان افتادہ زمین جس کی طاقت کو درخت چوس لیتے ہیں، جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں، دھوپ بھی کم پہنچتی ہیں، ان سب کے باوجود بعض اشیاء کی اس میں کاشت یقیناً ممکن ہے مثلاً ہلدی اور ادرک کی کاشت، کہ مزارعین کے تجربہ اور عینی مشاہدے کے مطابق ایسی زمین میں یہ دونوں کاشتیں اس حالت میں بھی ہوسکتی ہیں، کرنے والے کرتے بھی ہیں؛ کیونکہ ان دونوں کاشتوں میں جس درجہ میں زمین کی قوت چاہئے وہ پائی جاتی ہے اور ان دونوں کاشتوں میں دھوپ کی ضرورت نہیں، بلکہ پتوں سے چھن کر جو تپش آتی ہے وہ اس کاشت کے لئے مفید ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی بعض پھلوں کی کاشت ایسی زمین میں ممکن ہے جیسے خربوزہ وغیرہ، اس لئے باغ کی ایسی زمین جس پر کوئی بھی کاشت ممکن ہو اور وہ قابل انتفاع ہو تو اصالتہً اس کے اجارے کا معاملہ درست ہوگا، اور درخت اور اس کے پھل ضمناً داخل ہونے کی وجہ سے مستاجر کے لئے قابل انتفاع ہوں گے، اس لئے ہمارے اکابر علماء وفقہاء نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جو حیلہ تحریر فرمایا ہے وہ اصول شرع کے بالکل مطابق اور قابل عمل ہے۔

پھل اور پھول آنے سے پہلے فصل بیچنے کے متعلق حضرت تھانویؒ کا بیان کردہ ایک حیلہ:

بیع معاومہ وبیع سنین یعنی پھل اور پھول کے وجود سے پہلے اس کی بیع معدوم ہونے کی وجہ سے بالکل باطل اور کالعدم ہے، ایسی بیع کر لینے کے بعد بھی نہ تو بائع اس رقم کا مالک ہوتا ہے اور نہ مشتری آئندہ اس مبیع یعنی پھلوں کا مالک ہوگا؛ بلکہ حسب قاعدہ شرعی دونوں اس بات کے مکلّف ہیں کہ ایک دوسرے کو اس کی امانت واپس کردیں، بائع اتنی رقم مشتری کو واپس کردے اور مشتری سارے آموں کو اس کو واپس کرے، ایسا نہ کرکے بائع کا اس مال میں تصرف کرنا اور مشتری کا ان پھلوں میں تجارت کرنا، ملک غیر میں تصرف اور غلط ہے، اور اس سے حاصل شدہ آمدنی بھی غیر مشروع ہے، اس کے متعلق

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امت کو حرام سے بچانے کے لئے ایک نہایت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ اس طریقہ کو اختیار کر کے حرام سے بچ کر حلال کو اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی بیان کردہ صورت کا حاصل یہ ہے کہ پھل اور پھول آنے سے پہلے جو بیع ہوئی تھی چونکہ وہ بالکل باطل اور کالعدم تھی اور جو رقم مثلا پانچ لاکھ روپے بائع نے مشتری سے لی تھی اب بھی وہ مشتری ہی کی ملک اور بائع کے پاس بطور امانت یا بطور قرض کے ہے، اور باغ کے پھل بائع کی ملک ہیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو غلط کام ہو گیا سو ہو گیا، بائع و مشتری اس سے توبہ واستغفار کرلیں، لیکن اب پھل پختہ ہوجانے کے بعد بائع و مشتری ملاقات کر کے صرف ایک جملہ کہہ لیں اس سے وہ حرام معاملہ حلال ہوجائے گا، بائع مشتری سے کہہ دے کہ: ''قیمت معلومہ پر میں اب یہ سارے آم تم کو فروخت کرتا ہوں''، اور مشتری یہ کہہ دے کہ: ''قیمت معلومہ پر میں اب خریدتا ہوں''، قیمت معلومہ سے مراد وہی رقم ہے جس کو معدوم پھلوں کی بیع میں مشتری نے بائع کے حوالہ کیا تھا، اتنا کہہ دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اب یہ بیع بالکل درست ہوگی اور پہلے کی لی ہوئی رقم جواب تک بائع کے پاس امانت تھی اب اس کی ملک ہوجائے گی اور مشتری کے لئے ان پھلوں میں مالکانہ تصرف اور تجارت کرنا درست ہوگا، اور یہ کاروبار اور اس کی آمدنی پاکیزہ اور حلال ہوگی، اگرچہ شروع میں حرام کا ارتکاب موجب گناہ تھا، اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے، اگر معاملہ کئی سال کا تھا تو مجموعی رقم کو اتنے سالوں میں تقسیم کر کے ہر سال کا معاملہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے، اس تمہید کے بعد اب حضرت تھانویؒ کا ملفوظ اور بیان کردہ حیلہ انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

(۱) جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کرتے ہیں، چونکہ یہ بیع باطل ہے کہ جس سے نہ بائع کی ملک زائل ہوتی ہے نہ مشتری کی ثابت ہوتی ہے، اس لئے وہ خود بھی حرام کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی حرام کھلاتے ہیں، اس میں تبدیل ملک سے تبدیل عین کا حکم نہیں؛ اس لئے جہاں تک بیع وشراء کا سلسلہ چلے گا سب حرام کھانے میں مبتلا ہوں گے۔

(۲) جو لوگ جان بوجھ کر کھاتے ہیں وہ تو حرام کھانے کے ساتھ گنہگار بھی ہوتے ہیں۔

(۳) جو لوگ بغیر علم کے کھاتے ہیں ان کو گناہ تو نہیں ہوتا، مگر ایسا نقصان ہوتا ہے کہ ہمیشہ کو یاد رہتا ہے، جیسے زہر بے خبری میں کھا جائے تو گناہ تو نہ ہوگا مگر نقصان ضرور پہنچے گا اور وہ نقصان قلب کی ظلمت ہے۔

(۴) وہ لوگ جن کو یہ علم ہے کہ اس شہر میں باغ کثرت سے پھل نمودار ہونے کے پہلے فروخت ہوتے ہیں مگر یہ علم نہیں کہ بازار میں جو پھل بک رہا ہے وہ کس باغ کا ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان پر تحقیق واجب ہے (ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص ۷۴)۔

پھلوں کی حرام بیع کے حلال اور جائز ہونے کی نہایت آسان صورت:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ارشاد فرمایا: ''جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ فروخت کر چکے ہیں وہ اب

پھل آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں تو اصلاح ہو جائے گی، بائع یہ کہہ دے کہ ’’میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل بیچتا ہوں اور مشتری یہ کہہ دے کہ میں خریدتا ہوں‘‘ (ملفوظات کمالات اشرفیہ، ص ۴۸)۔

نیز دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: آم کی بیع کا دستور ہے کہ پھل آنے کے قبل بیع کر دیتے ہیں، یہ بیع معدوم اور باطل ہے، اس حالت میں بائع کو ثمن حلال نہیں اور آم مشتری کی ملک میں نہیں آتے، اس لئے اس کے عوض میں جو ثمن ملتا ہے وہ بھی حرام ہے، جو خریدار اس سے خریدتے ہیں ان کو اُن آموں کا کھانا جائز نہیں، اس کے متعلق یہ صورت ارشاد فرمائی تھی کہ آم آجانے کے بعد جب بیع جائز ہو سکے بائع اور مشتری دوبارہ اسی مقدار ثمن سابق پر پھر ایجاب وقبول کرلیں، بائع کہے کہ میں بیچتا ہوں، مشتری کہے کہ میں نے لیا، اس سے پہلے جو بیع باطل ہوئی تھی اس کا گناہ تو رہے گا اس کے لئے استغفار کرے، لیکن اس تجدید بیع سے مشتری کو آم اور بائع کو دام حلال ہو جائیں گے، اور پھر اس مشتری سے دوسرے خریداروں کو خریدنا اور کھانا جائز ہو جائے گا، اور جو ثمن بیع باطل کی حالت میں لیا تھا، اس کا واپس کرنا واجب تھا، اور اگر استہلاک ہو چکا تھا تو اس کے ذمہ دَین تھا، اب بیع جدید کے بعد ثمن کا مقاصّہ ہو جائے گا، (یعنی پیسوں کا لین دین پھر سے نہ کرنا پڑے گا بلکہ جو رقم بائع پر مشتری کے لئے واجب الادا تھی اور اب تجدید بیع کے بعد اتنی ہی رقم مشتری پر بائع کے لئے واجب الادا ہوگئی، مشتری یہ سمجھے گا کہ میں نے اپنی سابقہ رقم لے کر بائع کو ادا کر دی اور بائع یہ سمجھے گا کہ میں نے سابقہ واجب الادا رقم مشتری کو ادا کر کے اب واپس لے لی، اسی کا نام مقاصّہ ہے) غرض کہ سوائے دوسرے ایجاب وقبول کے کسی قسم کی دقت نہیں لیکن پھر بھی بعض لوگ اس پر عمل نہیں کرتے (ملفوظات دعوت عبدیت ۱۹/ ۱۲۳ خرد، مطبوعہ دیوبند)۔

خلاصہ بحث:

(۱) معدوم پھلوں کی بیع خواہ ایک سال کی فصل ہو یا کئی سالوں کی، معدوم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق ناجائز ہے، اور اس کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔

(۲) معدوم پھلوں کی بیع کے جواز کا وہ حیلہ جس کو مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ’’احسن الفتاویٰ‘‘ میں ذکر کیا ہے، وہ درست اور صحیح نہیں؛ کیونکہ متعین باغ کے پھلوں میں بیع سلم ائمہ اربعہ میں کسی امام کے نزدیک جائز نہیں، جو ائمہ عند العقد مبیع (مسلم فیہ) ہونے کو شرط قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

(۳) حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں گنّے کے تعلق سے امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق اس میں بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، اس کا تعلق متعین کھیت کے گنّوں سے نہیں بلکہ مطلق گنّوں سے ہے اور ایسی بیع سلم امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں۔

(۴) البتہ بجائے معدوم پھلوں کی بیع کے اس کی افتادہ زمین کے اجارہ کا معاملہ کیا جائے اور اسکے ضمن میں لگے درختوں کے پھلوں سے استفادہ ہو، تو شرعاً یہ اجارہ اور مستاجر کے لئے درختوں کے پھلوں سے انتفاع جائز ہوگا، اکابر علماء وفقہاء نے اس کے مطابق جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔

(۵) اس افتادہ زمین کے قابل کاشت ہونے کی شرط ضروری نہیں؛ جبکہ بعض کاشت اس زمین میں بھی یقیناً ہوسکتی ہے۔

(۶) معدوم پھلوں کی بیع ناجائز ہے، پھل آجانے کے بعد اس کے جائز ہونے کی جو تدبیر وصورت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان فرمائی ہے، حرام سے بچنے کے لئے اس کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ اصل مسئلہ کا حل نہیں ہے کہ پہلے ناجائز کا ارتکاب کیا جائے پھر جائز صورت کو اختیار کیا جائے؛ البتہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے بعد حرام سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے، اہل علم اور اصحاب معاملہ کے علم میں اس کا ہونا ضروری ہے۔

۲- درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب:

درختوں پر جو پھل لگے ہوئے ہوں بدوّ صلاح سے پہلے اگر ان کی بیع شرط قطع کے بغیر کی جائے تو امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر شرط قطع کے بغیر مطلقاً بیع کی جائے تو جائز ہے، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فوراً مشتری کو پھلوں کا توڑنا لازم ہوگا۔

اور اگر درختوں پر لگے پھلوں کی بیع بدو صلاح کے بعد کی جارہی ہے تو امام شافعی، امام احمد، امام مالکؒ کے نزدیک بہرصورت جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھلوں کے درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ناجائز ہے، اور اس شرط کے بغیر جائز ہے؛ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے علامہ ابوعبداللہ دمشقی شافعی اپنی کتاب " **رحمة الأمة فی اختلاف الائمة**" میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا یجوز بیع الثمرة والزرع قبل بدو صلاحه من غیر شرط القطع عند مالک والشافعی وأحمد، وقال أبوحنیفة: یصح بیع مطلقاً، ویقتضی ذلک القطع عنده، وإن باع الثمر بعد بدو صلاحها جاز عندالشافعی ومالک وأحمد بکل حال، وقال أبوحنیفة: لا یجوز بیعها بشرط التبقیة"

(رحمة الأمة فی اختلاف الائمة، باب بیع الأصول والثمار، ص ۱۳۶)۔

"وفی البحرالرائق: أن بیعها قبل الظهور لا یصح اتفاقا، وقبل بدوّ الصلاح بشرط القطع فی المنتفع به صحیح اتفاقا، وقبل بدو الصلاح بعد الظهور بشرط الترک غیر صحیح اتفاقاً، وبعد بدو الصلاح صحیح اتفاقا، وبعد ما تناهت اتفاقا إذا أطلق، وأما بشرط الترک ففیه اختلاف سیأتی، فصار

محل الخلاف البیع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا أی لا بشرط القطع، ولا بشرط الترک، فعند الائمة الثلاثة لا یجو ز، وعندنا یجوز'' (البحرالرائق ۵/۳۰۰)۔

۳- پھلوں میں بدوّ صلاح کی تعریف اوراس کا مصداق:

بدوّ صلاح کی تفسیر اوراس میں ائمہ کا اختلاف درج ذیل ہے:

(۱) احناف کے یہاں بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ پھل اس درجہ کو پہنچ جائے کہ اس میں پیش آنے اور لاحق ہونے والی آفتوں اور عاھات سے محفوظ ہوجائے؛ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

''بدو صلاح عندنا أن تؤمن العاھة والفساد، وعند الشافعیؒ ظھور النضج وبدو الحلاوة'' (شامی ۴/۴۲، البحرالرائق ۵/۳۰۱، فتح القدیر ۵/۴۸۹)۔

حضرات شوافع کے یہاں بدوّ صلاح کے متعلق شرح مہذب میں مختلف پھلوں کے لحاظ سے بدوّ صلاح کی تعریف بھی علیحدہ علیحدہ لکھی ہے؛ لیکن سب میں مشترک اور بنیادی بات یہ ہے کہ:

بدوّ صلاح یہ ہے کہ پھل میں کچھ حلاوت اور مٹھاس آجائے اور وہ پکنے کے قریب ہوجائے، جس کو ہمارے عرف میں کہتے ہیں گدّر؛ چنانچہ شرح مہذب میں ہے:

''بدو صلاح یرجع إلیٰ تغیر صفة فی الثمرة وذلک یختلف باختلاف الأجناس وھو علیٰ اختلافه راجع الیٰ شئ واحد مشترک بینھا، وھو طیب الأکل عندھا'' (المجموع شرح المہذب ۱۱/۱۵۰)۔

''وقال النووی فی شرح مسلم تحت قوله علیه السلام:۔'' نھی عن بیع الثمرة حتی تطعم'' أی یبدو صلاحھا وتصیر طعاماً، یطیب أکلھا'' (شرح مسلم للنووی ۱۰/۱۹۴)۔

مذکورہ بالا دونوں تفسیروں میں کوئی فرق نہیں؛ کیونکہ عموماً پھل گدّر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ عاھات اور فساد سے محفوظ رہے، اور یہ دونوں تعریفیں حدیثوں سے ماخوذ ہیں؛ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

لا تبتا ع الثمر حتی یبدو صلاحه وتذھب عنه الآفة'' (رواہ مسلم، حدیث: ۳۸۴۳)۔

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر شافعیؒ نے بھی بدوّ صلاح کی تعریف احناف کی تعریف کے مطابق پھلوں کی آفتوں اور عاھات سے حفاظت سے کی ہے؛ چنانچہ فتح الباری میں ہے:

''وقد جعل النھی ممتدا الی غایة بدوّ الصلاح، والمعنی فیه أن تؤمن فیھا العاھة وتغلب السلامة، فیثق المشتری بحصولھا، بخلاف ما قبل بدو الصلاح فانه بصدد الغرر'' (فتح الباری ۴/۳۹۶)۔

پھلوں میں بدوّ صلاح سے پہلے ممانعت کی شرعی حیثیت:

سوال نمبر ۳ میں ذکر کیا گیا ہے کہ:"بدو صلاح سے پہلے درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے" اور یقیناً منع فرمایا ہے؛ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"**أن رسول الله ﷺ نهىٰ عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها ،نهى البائع والمبتاع**"(رواہ مسلم، باب النهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها بغير شرط القطع، حديث: ۳۸۴۰)۔

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ پھلوں میں بدو صلاح سے پہلے بیع کی ممانعت اور نہی تشریعی وتحریمی ہے، یا نہی ارشادی وتنزیہی جو مبنی بر مصلحت بطور مشورہ کے ہے؟ اگر نہی تشریعی وتحریمی ہے تو ایسی بیع آج بھی منہی عنہ اور ناجائز ہوگی، لیکن اگر نہی ارشادی بمنزلہ مشورہ کے ہے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ آپ کے بہت سے اوامر ونواہی محض مشورہ اور مصلحت کی وجہ سے ہوا کرتے تھے، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس مسئلہ پر اچھی روشنی ڈالی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں، آپ نبی بھی تھے، آپ مفتی وقاضی اور مصلح وداعی بھی تھے، آپ مقدمات کے فیصلے کرنے والے، مسائل کو سلجھانے والے، صلح کرانے والے بھی تھے، لیکن کس موقع پر آپ نے تشریع عام کے طور پر بات فرمائی ہے، اور کس موقع پر صلح کے طور پر بطور مشورہ کے بات فرمائی ہے، کبھی فتوے اور تشریع کی قانونی زبان استعمال فرماتے تھے، اور کبھی اصلاح ومشورہ کے ارشادی زبان استعمال فرماتے تھے، اس فرق کا سمجھنا مجتہدین کا کام ہے، اسی فہم کے تفاوت کی وجہ سے ائمہ مجتہدین میں اختلاف بھی ہوجاتا ہے؛ چنانچہ کھیت کی زمین کو مزارعت یعنی بٹائی پر دینے سے آپ ﷺ نے صحابہ کو منع فرمایا ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"**نهى رسول الله ﷺ أن يؤخذ للأرض أجر أو حظ**"(رواہ مسلم، حدیث:۳۸۹۶)۔

اسی وجہ سے بعض ائمہ مجتہدین نے اس حدیث میں آئی ہوئی نہی کو نہی تشریعی سمجھتے ہوئے مزارعت یعنی بٹائی پر کھیت دینے کو ناجائز قرار دیا ہے؛ جب کہ دوسرے بعض ائمہ نے اسی نہی کو نہی ارشادی وخیر خواہی پر محمول کرکے مزارعت کو جائز قرار دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی مختلف شانوں کے متعلق علامہ ابن قیمؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"**وماخذ النزاع أن النبى ﷺ كان هوالإمام، والحاكم، والمفتى، وهو الرسول، فقد يقول الحكم بمنصب الرسالة، فيكون شرعا عاما إلى يوم القيامة، كقوله: من أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد، ......وقد يقول بمنصب الفتوى كقوله لهند بنت عتبة امرأة أبى سفيان، وقد شكت إليه شح زوجها: خذى**

ما یکفیک وولدک بالمعروف، فھذہ فتیا، لاحکم...... وقد یقوله بمنصب الإمامة، فیکون مصلحة للأمة فی ذلک الوقت، وذلک المکان، وعلی تلک الحال......ومن ھھنا تختلف الأئمة فی کثیر من المواضع التی فیھا أثر عن النبی ﷺ الخ"(زادالمعاد ۲/ ۱۹۴،فی المسائل المستنبطة من غزوة حنین، اعلاءالسنن ۱۴/ ۵۵، فتح الملہم ۷/ ۳۳۳)۔

حدیث پاک کی کتابوں میں حضرت بریرہؓ کا قصہ معروف ومشہور ہے کہ جب ان کو خیارعتق حاصل ہوا تھا تو وہ اپنے شوہر حضرت مغیثؓ سے علیحدگی چاہتی تھیں جس کی وجہ سے وہ بہت ہی رنجیدہ وغمگین تھے، رسول ﷺ نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا کہ مغیثؓ کے ساتھ رہنا گوارہ کرلو یعنی ان سے علیحدگی اختیار نہ کرو، اس پر حضرت بریرہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ اور سفارش؟ یعنی آپ کا یہ فرمان تشریعی حیثیت سے ہے یا بطور مشورہ کے ارشادی حیثیت سے؛ اگر تشریعی طور پر ہے تو سرآنکھوں پر ضرور عمل کروں گی، اور اگر محض مشورہ کی حیثیت سے ہے تو میں اس مشورہ کو قبول کرنے کو تیار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں یہ میرا تشریعی حکم نہیں محض مشورہ اور سفارش ہے، حضرت بریرہؓ نے کہا تو میں نہیں اختیار کرتی، رسول اللہ ﷺ کو اس سے ذرا بھی ناگواری اور ناراضگی نہیں ہوئی، روایت کے مختصر الفاظ درج ذیل ہیں جس کا خلاصہ اور مفہوم اوپر عرض کیا گیا:

"**فی البخاری باب شفاعة النبی ﷺ فی زوج بریرة : قال النبی ﷺ : لو راجعته، قالت: یا رسول اللہ ﷺ! تأمرنی؟ قال: إنما أشفع، قالت: لا حاجة لی فیه**"(بخاری شریف، کتاب الطلاق، حدیث: ۵۲۸۳)۔

" **فی فتح الباری: عند ابن مسعود بسند صحیح فقالت: یا رسول اللہ! أشئ واجب علی؟ قال: لا ، وفی روایة ابن ماجه: "إنما أشفع " أی أقول ذلک علی سبیل شفاعة لا علیٰ سبیل الحتم علیک**"(فتح الباری ۹/ ۴۰۹ کتاب الطلاق)۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی غور کرنا چاہئے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی بدوصلاح سے پہلے بیع کرنے کو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے تو یہ ممانعت تشریعی وتحریمی ہے یا محض ارشادی بمنزلہ مشورہ کے؟ اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت تشریعی وتحریمی نہیں:

حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے: بخاری شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے جس میں حضرت زید بن ثابتؓ نے پوری صراحت سے یہ بات فرمائی ہے کہ بدوصلاح سے پہلے صحابہ کرام بیع کیا کرتے تھے، لیکن

بعض موقعوں میں بائع ومشتری کے درمیان اختلاف کی صورتیں پیدا ہونے لگیں (تب بھی آپ نے بدوصلاح سے پہلے بیع کو منع نہیں فرمایا)؛ لیکن جب اس بنا پر مخاصمت کی کثرت ہونے لگی اس وقت آپ نے بطور مشورہ کے فرمایا کہ بدوصلاح سے پہلے بیع ہی مت کیا کرو؛ تاکہ مخاصمت کی نوبت نہ آئے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عن زید بن ثابتؓ قال: کان الناس فی عهد رسول ﷺ یتبایعون الثمار..... فقال رسول الله ﷺ لما کثرت عنده الخصومة فی ذلک: فاما لا، فلا تتبایعوا حتی یبدو صلاح الثمر، کالمشورة یشیر بها لکثرة خصومتهم۔“(رواه البخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها، عمدۃ القاری ۲/۱۲)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پھلوں میں بدوّ صلاح سے قبل بیع کی ممانعت تنزیہی ہے:

غالبًا یہی وجہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہؒ نے بدوصلاح سے قبل بیع کرنے کی ممانعت کو تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی قرار دیا ہے؛ کیونکہ احتمال مخاصمت پایا جاتا ہے، اگر یہ احتمال نہ رہے تو شاید ممانعت تنزیہی بھی نہ رہے گی، چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں اسی باب کے تحت امام قرطبی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

”قال القرطبی: هل حدیث الباب وغیره یدل علی التحریم اوالکراهة؟ فبالأول قال الجمهور، وإلی الثانی صار أبو حنیفة“(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها ۵/۱۲)۔

علامہ عینیؒ کا اطمینان:

پوری تحقیق کے بعد خلاصہ کے طور پر علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں پورے اعتماد کے ساتھ اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ بدوصلاح کی ممانعت تشریعی نہیں بلکہ محض ارشادی ہے، مشورہ ہی پر مبنی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہیں، علامہ عینیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

”.........فدل ما ذکرنا أن ما روینا فی أول هذا الباب عن رسول الله ﷺ من نهیه ﷺ عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها إنما کان علی هذا المعنی لا علی ما سواه“ (عمدۃ القاری شرح بخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها ۵/۱۲)۔

امام محمدؒ کے نزدیک بھی بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع جائز ہے:

علامہ کاسانیؒ نے ”بدائع الصنائع“ میں تحریر فرمایا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب الزکاۃ باب العشر میں یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی مشتری نے باغ کے پھلوں کو اول مرحلہ ہی میں جب کہ پھل نمودار ہونا شروع ہو خرید لیا، اور بائع کی اجازت سے پھل پکنے کے وقت تک درخت میں چھوڑ دیا تو اس صورت میں عشر بائع پر نہیں بلکہ مشتری پر ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ امام محمدؒ کے اس مسئلہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بدوصلاح سے قبل اول مرحلہ میں اگر درخت پر لگے پھل کی بیع جائز نہ ہوتی تو مشتری پر عشر واجب نہ ہوتا، اس صورت خاص میں مشتری پر عشر واجب ہونا یہ اس بیع کے جواز کی دلیل ہے، امام محمدؒ اور علامہ کاسانیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

”إن محمداً ذكر فی كتاب الزكاة فی باب العشر: أنه لو باع الثمار فی أول ما تطلع وتركها بأمر البائع حتى أدركت فالعشر على المشتری، ولو لم يجز بيعها حين ما طلعت لما وجب عشرها على المشتری“(بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۹، كتاب البيوع، فصل وأما الذی يرجع الى المعقود عليه فانواع)۔

علامہ کاسانیؒ کی تحقیق:

اس کے بعد علامہ کاسانیؒ نے اس بیع کے جواز کو مؤکد اور مدلل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے تابیر شدہ نخل کو خریدا تو اس میں لگے ہوئے پھل بائع کے ہوں گے نہ کہ مشتری کے، الّا یہ کہ مشتری بیع میں یہ شرط لگا دے کہ اس کے پھل بھی میرے ہوں گے تو اس صورت میں وہ پھل بھی مشتری کے ہوں گے، علامہ کاسانیؒ اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے شرط لگانے کی صورت میں مطلقاً مشتری کو پھل ملنے کو فرمایا ہے، اس سے قطع نظر کہ بدوصلاح سے پہلے ہو یا بعد میں، حضور ﷺ کے اس فرمان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدوصلاح سے پہلے بھی پھلوں کی بیع جائز ہے، علامہ کاسانیؒ کی ذکر کردہ حدیث اور اس سے استدلال کی عبارت درج ذیل ہے:

”والدليل على جواز بيعه ما روى عن النبی عليه الصلاة والسلام أنه قال: من باع نخلا مؤبرة فثمرته للبائع إلا أن يشترطها المبتاع، جعل الثمرة للمشتری بالشرط من غير فصل بين ما إذا بدا صلاحها أولا، دلّ أنها محل البيع كيف ما كان“(بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۹، كتاب البيوع، فصل وأما الذی يرجع الى المعقود عليه فأنواع)۔

امام طحاویؒ کی تحقیق:

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس مسئلہ سے متعلق تحقیقی و تفصیلی کلام فرمایا ہے اور آثار صحابہ اور قیاس ونظریہ سے ثابت کیا ہے کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع بالکل درست اور جائز ہے، اور جن حدیثوں میں ممانعت آئی ہے اس کا تعلق بیع سلم سے ہے یا وہ محض مشورہ پر مبنی ہے، امام طحاویؒ کی تحقیق کے مطابق پھلوں میں بیع سلم اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ پھل قابل انتفاع اور گدر نہ ہوجائے، باقی بیع سلم کے علاوہ پھلوں کی عام بیع بدوصلاح سے پہلے محض پھلوں کے ظہور کے وقت بھی جائز ہے، امام طحاویؒ نے واضح الفاظ میں اس کی صراحت فرمائی ہے، عبارت درج ذیل ہے:

"…..عن أبی البختری قال: سألت ابن عمر عن السلف فی الثمر فقال: نهی عمرعن بیع الثمر حتی یصلح، فدلت هذه الآثار التی ذکرناها علی أن الثمار المنهی عن بیعها قبل بدوّ صلاحها، ما هی؟ فانها المبیعة قبل کونها المسلف علیها، فنهی رسول الله ﷺعن ذلک حتی یکون ویؤمن علیها العاهة فحینئذ یجوز السلم فیها'' (شرح معانی الآثار ۲/۲۱۰،باب بیع الثمار قبل أن تتناهی)۔

امام طحاویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کی تائید ابوداؤد کی درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

''عن ابن عمرؓ قال رسول الله ﷺ: لا تسلفوا فی النخل حتی یبدو صلاحه'' (رواہ ابوداؤد، باب السلم فی ثمرۃ بعینها، حدیث ۳۴٦۷)۔

امام طحاویؒ نے اپنے اس دعوی اور اس نظریہ (کہ درختوں پر بدوصلاح سے قبل محض پھلوں کے ظہور سے، ابتدائی مرحلہ ہی میں بیع جائز ہے) ایک پختہ دلیل حدیث پاک سے یہ بھی دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے کھجور کے درخت کو تأبیر (قلم لگانے) کے بعد فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لئے ہوں گے، الا یہ کہ مشتری بیع میں پھلوں کے لینے کی اپنے لئے شرط لگادے، ان آثار کو نقل کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مشتری کے شرط لگانے کی صورت میں تأبیر شدہ درختوں کے پھلوں کو جو یقیناً بدوصلاح سے پہلے کا مرحلہ ہوتا ہے مشتری کے لئے قرار دیا ہے، یعنی مشتری نے ان پھلوں کو بھی درخت کے ساتھ خرید لیا، تو اگر بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع ناجائز ہوتی تو آپ اس صورت میں پھلوں کی بیع کیسے جائز قرار دیتے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے وہ معنی مراد نہیں جس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع درست نہیں؛ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پھلوں میں بیع سلم بدوصلاح سے پہلے جائز نہیں۔ امام طحاویؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

''والدلیل علیٰ ذلک ما جاء عن رسول الله ﷺ من باع نخلا بعد أن یؤبّر فثمرتها للذی باعها إلا أن یشترط المبتاع ….. قال أبو جعفر: فجعل النبی ﷺ فی هذه الآثار ثمر النخل لبائعها إلا أن یشترطها مبتاعها فیکون له باشتراطه إیاها، ویکون بذلک مبتاعا لها، وقد أباح النبی صلی الله علیه وسلم ههنا بیع ثمرة فی رؤس النخل قبل بدو صلاحها، فدل ذلک أن المعنی المنهی عنه فی الآثار الأُوَل خلاف هذا لمعنی'' (شرح معانی الآثار، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن تتناهی ۲/۲۱۱)۔

امام طحاویؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عمل تأبیر بدوصلاح سے قبل ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس صورت میں بھی پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیا، اس سے معلوم ہوا کہ بدوصلاح سے قبل بھی پھلوں کی بیع جائز ہے، اور جن

حدیثوں میں بدوصلاح سے پہلے بیع کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد بیع سلم ہے یعنی پھلوں میں بیع سلم بدوصلاح سے پہلے جائز نہیں۔

ملا علی قاریؒ کی تحقیق:

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ تأبیر نخل تو محض ایک تعبیر ہے ورنہ تأبیر کے بغیر محض پھل کا ظہور ہوجانے کے بعد بھی بدوصلاح سے قبل اس کی بیع جائز ہے، ملا علی قاریؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

”**وعليه أكثر أهل العلم، وكذا إن انشق ولم يؤبّر بعد، لأن الموجب للإفراز هوالظهور المماثل لإنفصال الجنين، ولعله عبر عن الظهور بالتأبير لأنه لا يخلو عنه غالباً، أما لو باع قبل أوان الظهور تتبع الأصل وانتقل إلى المشترى قياساً على الجنين وأخذا من مفهوم الحديث، وقال أبوحنيفةؒ تبقى الثمرة للبائع بكل حال**“(مرقاۃ شرح مشکاۃ ۶/ ۸۳، كتاب البيوع، باب المنهى عنها من البيوع)۔

ملا علی قاریؒ کی مذکورہ بات کی تائید علامہ عینیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے:

”**وقد يعبّر بالتأبير عن ظهور الثمرة وعن انعقادها وإن لم يفعل فيها شئ**“(عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۲/ ۱۰باب من باع نخلا قد أبرت)۔

امام طحاویؒ اور علامہ کاسانیؒ کے مذکورہ استدلال پر ایک اشکال اور اس کا جواب:

امام طحاویؒ، علامہ کاسانیؒ اور ملا علی قاریؒ کے مذکورہ بالا استدلال پر ایک بڑا اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس صورت میں کھجور کی بیع کو جائز قرار دیا ہے اس صورت میں اصل بیع تو کھجور کی نہیں بلکہ نخل یعنی درخت کی ہے، نخل کی بیع کے ضمن میں تابع ہوکر اس کے پھلوں یعنی کھجور کی بھی بیع ہوگئی، اور زیر بحث مسئلہ میں اصلا درخت کی بیع ہوتی ہی نہیں، بلکہ صرف پھلوں کی بیع ہوتی ہے، تو حدیث مذکور سے اس کے جواز پر استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے؛ کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ استقلالاً تو ان کی بیع درست نہیں ہوتی لیکن ضمناً وتبعاً درست ہوجاتی ہے، جیسے بڑا مکان اور بلڈنگ بیچنے کی صورت میں اس کا طریق، گلی اور فناء یعنی اس سے متعلق اور ملحق حصہ بھی اسی بلڈنگ کی بیع کے ضمن میں آتا ہے، یا مثلاً درختوں کے اصول اور جڑوں کی بیع درخت کی بیع کے ضمن میں ہوجاتی ہے؛ لیکن ان سب چیزوں کی اگر استقلالاً انفراداً بیع کی جائے مثلاً دار کی بیع کے بغیر صرف اس کے طریق اور فناء کی بیع کی جائے تو جائز نہیں، اسی طریقے سے مذکورہ بالا حدیث میں اگر درختوں کے بیع کے ضمن میں لگے ہوئے پھلوں کی بھی بیع ہوجائے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ درخت کی بیع کے بغیر بھی

پھلوں کی بیع درست ہے، جس طرح فنائے دار اور طریقِ دار کی بیع دار کے بغیر جائز نہیں ہوتی، اسی طرح درخت کی بیع کے بغیر پھلوں کی بیع بھی جائز نہیں ہونا چاہئے، حضرت امام طحاویؒ نے یہ اعتراض خود ذکر فرمایا ہے، امام طحاویؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

”**فان قال قائل: إن ما أجيز هو بيع الثمر فى هٰذه الآثار لانه مبيع مع غيره وليس فى جواز بيعه مع غيره ما يدل على أن بيعه وحده كذلك، لانّا قد رأينا أشياء تدخل مع غيرها فى البيعات ولا يجوز إفرادها بالبيع، من ذلك الطرق والأفنية تدخل فى بيع الدار ولا يجوز أن تفرد بالبيع**“ (شرح معانی الآثار، کتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل التناهى ۲/۲۱۱)۔

امام طحاویؒ نے اس اشکال کو ذکر کرنے کے بعد اس کا جواب بھی تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ درخت کے پھلوں کی بیع اور فنائے دار اور اس کے طریق کی بیع میں بڑا فرق ہے، ایک کو دوسرے پر نہ قیاس کر سکتے ہیں نہ ایک کو دوسرے کی نظیر بنا کر اعتراض کر سکتے ہیں، پھر امام طحاویؒ نے دونوں کا فرق یہ بیان کیا ہے کہ فناءِ دار اور طریق دار تو دار کی بیع میں بہر حال ضمناً وتبعاً داخل ہوتے ہیں، خواہ مشتری اس کی شرط لگائے یا نہ لگائے جبکہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے؛ کیونکہ درخت کی بیع میں اس پر لگے کھجور مشتری کے لئے اس وقت تک نہیں ہوتے جب تک کہ مشتری اس کی شرط نہ لگا دے، اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے مبیع کے ساتھ شرط لگائے بغیر ضمناً وتبعاً داخل ہو سکتی ہے اس کی بیع استقلالاً وانفراداً جائز نہیں، اور جو شئے شرط لگانے کے بعد مبیع کے ساتھ شامل ہوتی ہے اس کی بیع استقلالاً وانفراداً بھی جائز ہے، درختوں پر لگے ہوئے پھل شرط لگائے بغیر چونکہ مبیع کے تابع ہو کر مشتری کے لئے نہیں ہوتے، اس لئے درخت کے بغیر بھی محض ان پھلوں کی بیع درست اور جائز ہے، یہ امام طحاویؒ کی تقریر کا حاصل ہے (شرح معانی الآثار، کتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل التناهى ۲/۲۱۱)۔

اس کے علاوہ اور بھی نظری دلائل سے امام طحاویؒ نے ثابت کیا ہے کہ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع جائز ہے اور اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

محدثین کی ایک جماعت کا نقطۂ نظر:

اخیر میں امام طحاویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جن روایتوں میں رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے قبل بیع کرنے کو منع فرمایا ہے محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک وہ ممانعت تحریم وعدم جواز کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت محض مشورہ کی ہے یعنی امر ارشادی یا زائد سے زائد امر استحبابی ہے، اس کے علاوہ دوسرے معنی مراد نہیں ہو سکتے، یہی بات علامہ عینیؒ نے بھی

عمدۃ القاری میں تحریر فرمائی ہے، امام طحاویؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وقد قال قوم إنّ النهى الذى كان من رسول اللهﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها لم يكن منه على تحريم ذلك، ولكنه كان على المشورة عليهم بذلك لكثرة ما كانوا يختصمون اليه فيه، ورووا ذلك عن زيد بن ثابتؓ .... أن زيد بن ثابت كان يقول كان الناس فى عهد رسول اللهﷺ يتبايعون الثمار فاذا جاء البائع وحضره للتقاضى ..... فقال رسول ﷺ لما كثرت عنده الخصومة فى ذلك: لا تتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم، فدل ما ذكرنا أن ما روينا فى أول هذا الباب عن رسول الله ﷺ من نهيه عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها انما كان هذا على المعنى لا على ما سواه" (طحاوی شریف، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن تتناهی ۲/۲۱۱، وکذا فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۱۲/۳، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها)۔

علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی تحقیق:

علامہ انورشاہ کشمیریؒ نے بھی شرح بخاری میں اسی تحقیق پر اطمینان کیا ہے کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع کی ممانعت تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے، چنانچہ فیض الباری شرح بخاری میں حدیث مذکور کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"(كالمشورة يشيرها) وهٰذا يفيدنا فانه يدل على أن النهى عن بيع الثمار قبل البدو للارشاد، وحمله الطحاوى على السلم، ولا يجوز السلم عندنا أيضاً إلا إذا سلم من العاهات وهو بعد البدو لا غير" (فیض الباری شرح بخاری ۳/۲۵۲، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے:

اسی وجہ سے ہمارے بعض اکابر فقہاء نے بھی حدیثوں میں بدوصلاح سے قبل بیع کی ممانعت کو محض مشورہ پر محمول فرمایا ہے، یعنی یہ نہی تحریمی وتشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ (اگر کوئی عارض اور مفسدہ نہ ہوتو) بدوصلاح سے پہلے بھی درختوں پر لگے پھلوں کی بیع جائز ہے؛ چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

"إن حديث الباب محمول على نهي تنزيه أو ارشاد كما هو مفاد حديث زيد بن ثابت عند البخارى، وعلى كل حال، فالاحتياط أن لايشترط الترك فى العقد والله سبحانه أعلم" (فتح الملہم شرح مسلم، کتاب البیوع ۷/۳۷۹، باب النھی عن بیع الثمار قبل بدو صلاحها)۔

نیز درس ترمذی میں ایک اشکال کے جواب کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: "اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں

نص کو ترک نہیں کیا جا رہا ہے؛ بلکہ اس حدیث کو حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث جو صحیح بخاری میں ہے اس کی روشنی میں مشورے پر محمول کیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ نہی تحریم نہیں بلکہ مشورہ ہے (درس ترمذی: مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ۹۵/۴)۔

علامہ شامیؒ اور علامہ ابن نجیمؒ کی تصریح:

اسی وجہ سے فقہاء احناف نے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع بدوصلاح کے بعد اور بدوصلاح سے پہلے دونوں صورتوں میں جائز ہے؛ چنانچہ درمختار اور شامی میں ہے:

"**ومن باع ثمرة بارزة ظهر صلاحها أولا، صح في الأصح ، ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب وصححه السرخسي، قال الشامي: البروز بمعنى الظهور، والمراد به إنفراك الزهر عنها وإنعقادها ثمرة وإن صغرت**" (درمختار شامی ۴۲/۴)۔

"**وفي البحر الرائق:...... لأنه مال متقوم إما لكونه منتفعاً به في الحال أو في المآل** "(البحر الرائق ۳۰۰/۵)۔

علامہ شامیؒ اور ابن نجیمؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ پھلوں کے پھول جھڑ جانے اور پھلوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد خواہ وہ بالکل چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں یعنی بدوصلاح سے پہلے بھی ان پھلوں کی بیع جائز ہے؛ کیونکہ بدوصلاح سے قبل بھی وہ پھل مال متقوم ہے اور ابھی یا آئندہ قابل انتفاع بھی ہیں، اس لئے ان کی بیع جائز ہے۔

مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کی تصریح:

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے؛ چنانچہ "عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "**وصح بيع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا**"، **قال الشيخ اللكنوي في عمدة الرعاية: وهذا البيع مطلقا صح بدا صلاحها أو لم يبد؛ لأنه مال متقوم في الحال أو في المآل، وقيل: لا يجوز قبل بدو صلاحها والأول أصح**" (عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ ۱۲/۳)۔

اکابر علماء دیوبند کا فتویٰ:

علماء دیوبند کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے، چنانچہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

(سوال: ۸۷۷۳) ہمارے دیار میں یہ رواج ہے کہ آم درخت پر جب چھوٹے چھوٹے ہی رہتے ہیں تو مالکان اسے فروخت کر دیتے ہیں، اور پک جانے کے بعد مشتری اپنے کام میں لاتا ہے تو کیا اس طرح بیع وشراء جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

اس طرح باغ کو خریدنا درست ہے، لیکن مشتری کے ذمہ واجب ہے کہ فوراً آم توڑ لے اور بائع کے درخت سے اپنی ملک علیحدہ کر لے، اگر خریدتے وقت شرط کر لی ہے کہ آم پکنے تک درخت پر لگے رہیں گے، اور پکنے کے بعد توڑوں گا تو یہ شرط فاسد ہے اور مفسد بیع ہے (فتاویٰ محمودیہ ۲۴/۱۲۹)۔

ایک دوسرے فتوے میں تحریر فرماتے ہیں: ’’کچے پھلوں کی بیع جائز ہے، اور وہ پورے بیع کے بعد اگر مالک درخت کی اجازت سے پھل درخت پر رکھے جائیں تو بھی درست ہے؛ البتہ اگر درمیان عقد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی‘‘ (فتاویٰ محمودیہ ۲۴/۱۳۰)۔

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا تفصیل اور اکابر کے فتاویٰ سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد ان کے گدّر ہونے یعنی بدوصلاح سے قبل بھی ان کی بیع بغیر کسی کراہت وقباحت کے جائز ہے، اور حدیثوں میں جو اس کی ممانعت آئی ہے وہ محض ارشادی یا مشورے پر محمول ہے۔

یہ ساری گفتگو درختوں پر لگے پھلوں کی بیع سے متعلق تھی، اس کے بعد آگے مسئلہ آتا ہے کہ درختوں پر لگے پھلوں کی بیع کے بعد اس کو درختوں پر باقی رکھنے یا نہ رکھنے کی شرط کے ساتھ یا اطلاق کے ساتھ بیع کی جائے تو اس کے احکام کیا ہیں، سوال نمبر ۵ کے جواب کے ضمن میں انشاءاللہ اس کی تفصیل عرض کی جائے گی۔

۴- باغ کے کچھ درختوں میں پھل آئے اور کچھ میں نہیں ایسی صورت میں بیع کا حکم:

(الف) پھل آنے سے پہلے اس کی بیع یعنی معدوم پھلوں کی بیع کسی طرح بھی جائز نہیں جس کی مکمل تفصیل ماقبل میں سوال نمبر ایک کے جواب میں گذر چکی۔

(ب) کچھ درختوں میں پھل آئے اور کچھ میں نہیں اس شق کی دو صورتیں محتمل ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ باغ صرف ایک ہی نوع کے درختوں پر مشتمل ہو مثلاً صرف آم کا باغ یا صرف امرود کا باغ، دوسری صورت یہ کہ وہ باغ مختلف انواع کے درختوں پر مشتمل ہو مثلاً اس میں آم بھی ہے، امرود بھی ہے، سیب اور کھجور بھی ہے، دونوں صورتوں کے احکام جداگانہ ہیں۔

پہلی صورت جب کہ وہ باغ ایک ہی نوع کے درختوں پر مشتمل ہو اس کا حکم یہ ہے کہ باغ کے کچھ درختوں پر پھل کا آجانا بیع کی صحت کے لئے کافی ہے، تمام درختوں میں پھلوں کا آنا ضروری نہیں ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

”وكان شيخنا الإمام شمس الائمة يفتي بجواز هذا البيع في الثمار والباذنجان والبطيخ وغير ذلك، وهكذا حكى عن الشيخ الإمام أبي بكر محمد بن الفضل قال: اجعل الموجود أصلاً في العقد وما يحدث بعد ذلك تبعاً، قال استحسن فيها لتعامل الناس، فانهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم في ذلك عادة ظاهرة وفي نزع الناس عن عادتهم حرج بين “(کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/۱۹۷)۔

وفي البحر: وكان الحلواني يفتي بجوازه في الكل وزعم أنه مروى عن أصحابنا وهكذا عن الإمام الفضلي وكان يقول: الموجود وقت العقد أصل وما يحدث تبع له، نقله شمس الائمة عنه، ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر، بل قال عنه اجعل الموجود أصلا في العقد وما يحدث بعد ذلك تبعا“ (البحر الرائق ۵/۳۰۱)۔

مبسوط سرخسی اور البحر الرائق کی عبارت سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک بھی تمام درختوں یا اکثر درختوں میں پھل کا آنا شرط نہیں، اگر بعض درختوں میں بھی پھل آجائیں تو معدوم کو موجود کے تابع کر کے بیع کو جائز قرار دیا جائے گا۔

ورنہ امام مالکؒ کے یہاں تو مطلقاً ہر صورت میں اس کا جواز مصرح ہے، ضرورت کے موقع پر ان کے مسلک کو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی، امام زرقانیؒ نے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے:

”قال الزرقاني تحت قوله عليه السلام:” نهىٰ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها“۔

وبدو الصلاح في بعض حائط كاف في بيع جميعه وفي بيع ماجاوره، لا ما بعُد عنه على المشهور، وإنما كفىٰ بدو صلاح بعضه لأن الله امتنّ علينا بجعل الثمار لا تطيب دفعةً واحدةً إطالة زمن التفكه، فلو اعتبر الجميع لأدّى إلى أن لا يباع شئ قبل كمال صلاحه أو تباع الحبة بعد الحبة، وفي كل منهما حرج عظيم“(شرح الزرقانی علی مؤطا ۳/۳۸۵ باب النهي عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها)۔

دوسری صورت (یعنی جب کہ ایک باغ میں مختلف قسم کے درخت ہوں، مثلاً آم بھی اور امرود بھی وغیرہ) اس کا حکم یہ ہے کہ بعض ائمہ کے نزدیک تو جو حکم پہلی صورت کا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی باغ کے بعض درختوں میں بھی اگر پھل آ گئے تو باغ کے تمام درختوں کے پھلوں کی بیع صحیح ہے؛ جبکہ دیگر ائمہ اس میں کچھ تفصیل ذکر فرماتے ہیں، جملہ مذاہب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

خلاصۂ مذاہب:

بعض شراح حدیث علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ کی مختلف صورتیں اور ائمہ کے مذاہب نقل کئے ہیں، ہم یہاں پر

ان مختلف صورتوں اور جملہ مذاہب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

(الف) ایک درخت پر کچھ پھل آئے ہیں اور کچھ نہیں۔

(ب) یا ایک باغ کے بعض درختوں پر پھل آئے ہیں اور بعض درختوں میں نہیں۔

(ج) ایک ہی باغ میں مختلف جنسوں کے درخت ہیں (مثلاً آم بھی امرود بھی) جن میں بعض میں پھل آئے ہیں اور بعض میں نہیں۔

(د) ایک علاقہ کے مختلف باغوں میں سے بعض باغوں میں پھل آئے ہیں اور بعض باغوں میں نہیں۔

ان سب صورتوں کے متعلق ائمہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ عینیؒ اور علامہ ابوعبداللہ دمشقی نے اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

(۱) کسی علاقہ کے صرف بعض باغوں میں پھل آگئے اور بدو صلاح بھی ہوگیا تو اس کی وجہ سے دوسرے تمام باغوں میں بھی پھلوں کی بیع جائز ہے، اگرچہ دوسرے باغوں میں ابھی پھل نہ آئے ہوں، یہ قول امام لیثؒ کا ہے۔

(۲) امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے بشرطیکہ سارے درخت متلاحق یعنی ایک ساتھ اور قریب قریب ہوں، بعید نہ ہوں، تو ایسی صورت میں مختلف الاجناس درختوں میں سے بعض جنس کے درختوں میں پھل آجانے سے سب درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے؛ جب کہ وہ سارے درخت اور باغات قریب قریب ہوں۔

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ایک جنس کا باغ ہو اور اس میں بعض درختوں میں پھل آئے اور بعض میں نہیں آئے تو ایک جنس کا باغ ہونے کی صورت میں تو بیع جائز ہے، اور اگر باغ مختلف جنسوں پر مشتمل ہے تو ایک جنس کے درخت میں پھل آجانے سے دوسری جنس کے درختوں میں بیع جائز نہیں ہوگی، مثلاً آم کے باغ میں امرود بھی ہیں تو آم کے درختوں میں پھل آنے سے امرود کے درختوں میں بیع جائز نہیں ہوگی، یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے (دیکھئے: عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۲/ ۵، رحمۃ الأمۃ فی اختلاف الائمۃ للشیخ أبو عبداللہ محمد بن عبدالرحمن الدمشقی العثمانی الشافعی، ص ۱۳۷)۔

(۴) امام احمدؒ کے نزدیک اگر کسی باغ کے بعض درختوں میں پھل آگیا تو سب درختوں کے پھلوں کی بیع جائز ہے اگرچہ وہ مختلف الاجناس ہوں؛ لیکن دو باغوں میں سے ایک کو دوسرے کے تابع نہ کیا جائے گا اگرچہ دونوں ایک ہی نوع کے ہوں۔

"قال ابن قدامة: فأما النوع الواحد من بستانين فلا يتبع أحدهما آخر في جواز البيع حتى يبدو الصلاح في أحدهما، متجاورين كانا أو متباعدين، وهٰذا مذهب الشافعي" (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۱۰۰)۔

(۵)اور احناف کے نزدیک بھی اگر باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے تو پورے باغ کے پھلوں کی بیع جائز ہے، اگرچہ صاحب درمختار نے زیلعی کے حوالہ سے اس میں اکثر درختوں میں پھل آنے کی قید لگائی ہے، لیکن صاحب البحر الرائق نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر اقل میں پھل آجائیں اور اکثر درختوں میں نہ آئیں تو معدوم کو موجود کے تابع کرکے اس کی بیع کو جائز قرار دیا جائے گا، علامہ سرخسیؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے:

”**وفی الدر المختار: وأفتی الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر، زیلعی، وفی رد المحتار: ذکر فی البحر عن الفتح أن ما نقله شمس الائمة عن الإمام الفضلی لم یقیده عنه بکون الموجود وقت العقد أکثر بل قال عنه اجعل الموجود أصلا وما یحدث بعد ذلک تبعا**“(درمختار مع رد المحتار ۴/۳۴)۔

۵-پھل تیار ہونے سے قبل اس کے فروخت کرنے کی تین شکلیں اور ان کا حکم:

باغ میں پھل تیار نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ضخامت وجسامت کے لحاظ سے پھل اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہو، صرف پختہ اور سرخ یا پیلا ہونے کی دیری ہو، دوسری صورت یہ کہ پھل جسامت کے لحاظ سے اپنی انتہا کو نہ پہنچا ہو؛ بلکہ پھل کے لگے رہنے کے ساتھ اس کا حجم بھی بڑھے گا، دونوں صورتوں کے علیحدہ علیحدہ احکام ہمارے فقہاء نے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) پھلوں کے اپنے حجم کی انتہا کو پہنچنے سے قبل ہی اگر ان کی بیع کردی جائے تو فقہاء نے اس میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ:

پہلی صورت یہ ہے کہ (الف) اگر پھلوں کے فوراً توڑنے کی شرط کے ساتھ ہو تو بیع جائز ہے۔(ب) اور اگر پھلوں کے انتہا تک پہنچنے اور پکنے کے وقت تک درختوں پر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ ہو تو یہ بیع سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ کہ پھل ضخامت کے لحاظ سے اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہو تو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ اس کی بیع شیخین کے نزدیک ناجائز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

”**قال ابن الهمام فی فتح القدیر: فإن باعه بشرط الترک فإن لم یکن تناهی عظمه فالبیع فاسد عندالکل، وإن کان قد تناهی عظمه فهو فاسد عند أبی حنیفة وأبی یوسف وهو القیاس ویجوز عند محمد استحسانا وهو قول الائمة الثلاثة واختاره الطحاوی لعموم البلوی وفی المنتقی ذکر أبو یوسف مع محمد**“(نیز دیکھئے: المبسوط للسرخسی ۱۲/۹۶)۔

تیسری صورت یہ کہ پھلوں کو توڑنے یا نہ توڑنے کی کوئی شرط یا تذکرہ نہ ہو بلکہ مطلقاً بیع ہو، اور بعد میں بائع کی اجازت سے مشتری پھلوں کو درختوں پر باقی رہنے دے، اس صورت کو بھی ہمارے فقہاء نے جائز لکھا ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے اس تیسری صورت کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ جس علاقہ میں اس طرح بیع کرنے کے بعد پھلوں کے درخت پر باقی رہنے

کا عرف ہو تو بقاعدۂ "المعروف کالمشروط" یہ بھی دوسری صورت ہی کے حکم میں ہے یعنی ناجائز ہے، علامہ شامیؒ کی یہ بات عین اصول کے مطابق ہے، علامہ شامیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"فی الدر المختار: وان شرط ترکها علی الأشجار فسد البیع کشرط القطع علی البائع، وقیل قائله محمد لا یفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف فکان شرطا یقتضیه العقد وبه یفتیٰ، قید بشرط الترک لأنه لو شراها مطلقا وترکها بإذن البائع طاب له الزیادة، وإن بغیر إذنه تصدق بما زاد فی ذاتها، وإن بعد ما تناهت لم یتصدق بشیٔ.

وفی رد المحتار: قوله مطلقا: أی بلا شرط ترک أو قطع، و ظاهره ولو کان الترک متعارفا مع أنهم قالوا: "المعروف عرفا کالمشروط نصا" ومقتضاه فساد البیع وعدم حل الزیادة تأمل" (ردالمحتار ۴/۴۳ کتاب البیوع)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کہتے ہیں: حنفیہ کے نزدیک "**مطلق عن شرط الترک والقطع**" کی صورت میں بیع جائز ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر عاقدین "ترک" کی شرط صلب عقد میں نہ بھی لگائیں بلکہ مطلق بیع کریں، لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ بات معروف ہو کہ بیع کے بعد پھل کو درخت پر پکنے تک چھوڑا جاتا ہے تو اس صورت میں "**المعروف کالمشروط**" کے قاعدے سے یہ صورت بھی ناجائز ہوگی (درس ترمذی ۴/۹۳)۔

علامہ کشمیریؒ کا علامہ شامیؒ کی رائے سے اختلاف اور اس پر نقد:

لیکن علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے "فیض الباری علی صحیح البخاری" میں علامہ شامیؒ کی بات کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس پر نقد فرمایا ہے اور اطلاق کی صورت میں بھی پھلوں کو ہر حال میں درخت پر باقی رہنے کو جائز قرار دیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہؒ کے بعض فتاویٰ نقل کئے ہیں، جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حوالہ سے اس صورت کو جائز قرار دیا گیا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

قال صاحب الهدایة: إن باعه بشرط الاطلاق وأجاز بعده بالترک، طاب الفضل للمشتری، قال الشامی: إنما یطیب له ذلک إذا لم یکن الترک مشروطاً فی العقد ولا معروفاً بین الناس، وإلا فالمعروف کالمشروط۔

قلت: وتفصیل الشامی لیس بمختار عندی، فیجوز له الفضل وإن کان الترک معروفا ولا یکون کالمشروط، وإنما دعانی إلی ترک تفصیله ما حرره ابن الهمام فی ذیل سؤال وجواب، من

هذا المقام ويظهر منه كونه طيبا بدون فصل، فراجعه من هذا الباب، وكذا نقل الحافظ ابن تيميةؒ فى فتاواه ما حاصله ما في الهداية، فتفصيل الشامی غير مختار عندي"(فیض الباری علی صحیح البخاری ۳/۲۵۶)۔

علامہ کشمیریؒ کی رائے کا علمی وتحقیقی جائزہ:

لیکن واقعہ یہ ہے کہ علامہ شامیؒ نے "**المعروف كالمشروط**" کا لحاظ کرتے ہوئے جو بات تحریر فرمائی ہے وہ زیادہ مضبوط اوروزنی ہے، اس پر علامہ انورشاہ کشمیریؒ کا نقد کرتے ہوئے تسلیم نہ کرنا محل غور ہے، جس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)"**المعروف كالمشروط**" یہ ایسا قاعدہ شرعیہ فقہیہ ہے جو احادیث مبارکہ سے ماخوذ ومستنبط ہے اور بیشمار احکام شرعیہ اس پر متفرع ہیں، اس لئے اس قاعدہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، حضرت امام بخاریؒ نے تو کتاب البیوع میں ایک باب ہی اس غرض سے منعقد کیا ہے:" **باب من أجرى أمر الأمصار على ما يتعارفون بينهم فى البيوع والاجارة** " اور امام بخاریؒ نے اس قاعدہ "المعروف کالمشروط" کو بعض احادیث اور قاضی شریح کے آثار سے ثابت فرمایا ہے۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے اس باب کے تحت نقل فرمایا ہے کہ: امام بخاریؒ کا اس باب کے منعقد کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ شریعت میں عرف معتبر ہے، مقدمات کے فیصلوں میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل میں عرف ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، عرف شریعت کے ان پانچ بنیادی قواعد میں سے ہے جن پر فقہ اسلامی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

(۳) علامہ عینیؒ نے ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عرف ورواج ایسا مسلمہ شرعی اصول ہے کہ شریعت میں اس کی حیثیت شرط لازم کی سی ہے، یعنی جو چیز معروف ہے وہ لازماً بمنزلہ شرط کے ہے،" **لأن المعروف كالمشروط . لأن الرجوع إلى العرف جملة من القواعد الفقهية، وقال شريح للغزاليين سنتكم بينكم ربحاً اى جائز.... وقال هذا يدل على أن العرف عمل جار، وقال ابن ابطال: العرف عندالفقهاء أمر معمول به، وهو كالشرط اللازم فى الشرع ومما يدل على ماقاله قضية هند بنت عتبة زوجة ابى سفيان والد معاوية**"(عمدۃ القاری شرح بخاری، باب من أجر ى أمر الأمصار على ما يتعارفون، ۱۲/۱۶)۔

"**وقال الحافظ فى الفتح: مقصود بهذه الترجمة إثبات الاعتماد على العرف وأنه يقضى على العرف ... وذكر القاضى الحسين من الشافعية أن الرجوع إلى العرف أحد القواعد الخمس التى يبنى عليها الفقه... وقال شريح للغزاليين سنتكم بينكم اى جائزة**"(فتح الباری ۴/۴۰۶ کتاب البیوع، باب:۹۵،

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''اعلاء السنن ۱۴/ ۴۸۷''، باب اعتبار العرف فی البیوع والإجارات والکیل والوزن ونحوھا)۔

(۴) ہمارے فقہاء اصولیین نے اس کو اصول کے طور پر ذکر فرمایا ہے، اور بطور مثال کے ذکر فرمایا ہے کہ درخت خریدنے کے بعد اگر عرف یہ ہو کہ پکنے کے وقت تک پھل درخت پر لگے رہیں گے تو مشتری کو اس سے پہلے پھلوں کا توڑنا لازم نہیں؛ چنانچہ شرح المجلہ (مادہ نمبر: ۴۳) میں ہے:

''**المعروف عرفا کالمشروط شرطاً ، یعنی حیث کان المعروف بین الناس بقاء الثمر إلی نضجه علی شجرة لا یلزم المشتری بقطعه قبل ذلک**'' (شرح المجلہ، بیان القواعد الفقہیہ ص ۳۸)۔

نیز ''قواعد الفقہ''میں ہے: قاعدہ: ''**المعروف بالعرف کالمشروط شرطاً، المعروف بین التجار کالمشروط بینهم**'' (قواعد الفقہ ص ۱۲۵)۔

(۵) خود حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''فیض الباری علی صحیح البخاری'' میں مذکورہ باب ''باب من أجری أمر الأمصار علی ما یتعارفون'' کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ بہت سے مسائل میں اور جزئیات میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے؛ حتی کہ اگر کسی شخص نے لفظ ''عشر'' کا تلفظ کیا لیکن عرف ایسا ہو کہ ''عشر'' (۱۰) بول کر ''احد عشر'' (۱۱) مراد لیتے ہوں تو عرف کی بنا پر ''عشر'' سے ''أحد عشر ہی مراد ہوں گے۔ علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

''**حاصله أن ما تعارف بینهم فی المکیال والمیزان وغیرهما یعتبر به وإن لم یکن مطردا..... إذا تلفظ بالعشرة وأراد منه أحد عشر علی العرف جاز له**'' (فیض الباری علی صحیح البخاری ۳/ ۲۵۷)۔

(۶) ہمارے فقہائے متقدمین ومتأخرین اور اصولیین نے ہر موقع پر اس اصول ''**المعروف کالمشروط**'' کا اعتبار کیا ہے، اور اس قاعدے پر بے شمار مسائل متفرع کئے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ ''**الاشباہ والنظائر**'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''**المبحث الثالث العادة المطردة هل تنزل منزلة الشرط ؟ قال فی إجارة الظهیرية: والمعروف عرفا کالمشروط شرطاً..... وفی البزازیة: المشروط عرفا کالمشروط شرعا..... وقد جری العرف فی المطابخ بضمانها علی المستأجر فاجبت بأن المعروف کالمشروط فصار کانه صرح بضمانها علیه.....**'' (الاشباہ والنظائر ص ۱۵۶، قدیم مطبوعہ دیوبند)۔

(۷) ہمارے اکابر علماء وفقہاء نے عبادات ومعاملات کے بہت سے موقعوں میں اسی اصل کا اعتبار کرتے ہوئے احکام کو متفرع اور منطبق کیا ہے، جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے تراویح میں قرآن سنانے والے حافظ کو اس صورت میں بھی پیسے کے لین دین کو ممنوع اور ناجائز قرار دیا ہے جہاں اگرچہ حافظ قرآن کو لینے دینے کی کوئی بات پہلے سے طے نہ ہو لیکن اس

علاقے کا عرف ورواج ایسا ہو کہ حافظ قرآن کو ضرور دیا جاتا ہو حتی کہ نہ دینے پر شکایت کی نوبت آتی ہو، یہ صورتحال "**المعروف کالمشروط**" کے درجہ میں آتی ہے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اسی ضابطہ کی بنا پر اس صورت میں بھی حافظ قرآن کے لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: جو شخص قرآن نماز تراویح میں سنائے، بغیر ٹھہرائے اور مانگے اگر آدمی کچھ اس کو بطور چندہ کے دیویں، یہ لینا اس کو جائز ہے یا نہیں؟ اور دینے والے کو یہ دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے، اور جو حسب رواج وعرف دیتے ہیں حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے، اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا ہے تو درست نہیں (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)۔

(۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"ایک بدعت تراویح میں "استیجار علی العبادت" کی ہے، یعنی حافظ صاحب سے اجرت دے کر قرآن پڑھوایا جاتا ہے، اور "استیجار علی العبادۃ" حرام ہے، بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ اجرت نہیں؛ کیونکہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے، جو ہمارے مقدر میں پہنچتا ہے وہ لے لیتے ہیں۔ سبحان اللہ: **المعروف کالمشروط** جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے (وعظ تطہیر رمضان، ملحقہ برکات رمضان، ص ۲۹)۔

نیز معاملات کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"عرف کے سبب یہ شرط ہے، اور فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اور بیع فاسد بتصریح فقہاء ربوا یعنی معاملہ سود میں داخل ہے" (امداد الفتاویٰ ۳/ ۹۳)۔

(۳) مفتی محمد شفیع صاحبؒ اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

تنبیہ: ہاں اس میں یہ امر بھی قابل غور ہے اور اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر یہ شرط صراحتاً نہ ہو مگر عرفاً اس کو شرط سمجھا جانے لگے اور یہ معروف اور مشہور ہوجائے کہ یہ معاملہ ہی بدون اس صورت قرض کے نہیں ہوتا تو حسب قاعدہ فقہیہ "**المعروف کالمشروط**" (الاشباہ) یہ بھی بحکم شرط ہو کر بیع کو فاسد کردے گا (امداد المفتین ۷/ ۲۷ مطبوعہ دیوبند)۔

(۴) مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں خاص اسی مسئلہ کے تعلق سے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب تک پھل ظاہر نہ ہوجائیں اس وقت تک بیع ان کی صحیح نہیں ہے، اور چونکہ اب معروف یہ ہے کہ وہ پھل پختہ ہونے تک درختوں پر چھوڑے جاتے ہیں اور بائع اور مشتری دونوں کو یہ معلوم ہے تو بحکم "**المعروف کالمشروط**" یہ بیع

بشرط الترک ہوئی، لہٰذا بیع فاسد ہوگی‘‘ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۳۴۹)۔

(۵) مفتی تقی عثمانی صاحب خاص اسی مسئلہ کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک ’’مطلق عن شرط الترک والقطع‘‘ کی صورت میں بیع جائز ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر عاقدین ’’ترک‘‘ کی شرط صلب عقد میں نہ بھی لگائیں بلکہ مطلق بیع کریں، لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ بات معروف ہو کہ بیع کے بعد پھل کو درخت پر پکنے تک چھوڑا جاتا ہے تو اس صورت میں ’’المعروف کالمشروط‘‘ کے قاعدے سے یہ صورت بھی ناجائز ہوگی (درس ترمذی ۴/ ۹۳)۔

ایسے مسلم اور متفق علیہ اصول سے صرف نظر کرنا جس پر سینکڑوں جزئیات کو ہمارے فقہاء نے متفرع کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا، زیر بحث مسئلہ میں درخت پر لگے پھلوں کو مطلقا بیع کرنے (یعنی پھلوں کے توڑنے نہ توڑنے کا تذکرہ کئے بغیر اطلاق کے ساتھ بیع کرنے) کی صورت میں اگر چہ فی نفسہ جواز تھا لیکن جب صورتحال اور ہمارے دیار کا عرف یقیناً ایسا ہے کہ مشتری پھلوں کو درختوں پر لازماً باقی رکھتا ہے اور بائع بھی پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کو عرف وعادت کی بنا پر لازم اور ضروری سمجھتا ہو بلکہ عرف وعادت کی وجہ سے اپنے کو مجبور سمجھ کر اس کے خلاف تخلیہ کے مطالبہ کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو ایسا عرف یقیناً بمنزلہ شرط کے ہوگا، اور المعروف کالمشروط کا اعتبار کرتے ہوئے مذکورہ بالا صورت میں یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کی شرط صراحۃً مذکور ہو یا باغ والوں کا عرف وعادت ہی ایسا ہو، کہ بیع کے بعد پھلوں کو درخت پر باقی ہی رکھتے ہوں، دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہوگا، علامہ شامیؒ کی بات علامہ انور شاہؒ کی رائے کے مقابلے میں اقرب الی الفقہ والصواب اور راجح معلوم ہوتی ہے۔

(۶) علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا اس موقع پر یہ فرمانا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پھلوں کے درختوں پر باقی رکھنے یا نہ رکھنے کی شرط اور تذکرہ کئے بغیر اطلاق کی صورت میں بیع کو جائز قرار دیا ہے اور بعد میں بائع کی اجازت سے پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے کو بھی جائز قرار دیا ہے؛ چنانچہ ’’العرف الشذی‘‘ میں ہے:

’’وأما البیع مطلقاً فذکر فی الهدایة جوازه، واعتراض ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ لأن المعروف بالعرف کالمشروط بالشرط، فلا یصح البیع مطلقاً، وکنت مترددا فی هذا حتی أن وجدت فی فتاویٰ ابن تیمیة: عن أبی حنیفة والثوری أنهما أجازا البیع مطلقا، إذا أجازا البائع الترک علی الأشجار، فإذن لما وجدت عن أبی حنیفة فلا أبالی فالحالصل إذا لم یشترط الابقاء فی صلب العقد یصح البیع وإن کان معروفا بالعرف‘‘ (العرف الشذی، ص ۳۸۸)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مذکورہ بات یقیناً محل غور ہے؛ کیونکہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے، ایک کو

دوسرے کی نظیر یا مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں، امام صاحبؒ سے جس صورت میں جواز منقول ہے اس میں عرف کا تذکرہ ہی نہیں کہ اس زمانے کا ایسا عرف یا ایسی عادت تھی، اور ایسا عرف وعادت ہونے کے باوجود امام صاحب نے اس کو جائز قرار دیا؛ بلکہ حضرت امام صاحبؒ کی شان فقاہت کو مدنظر رکھتے ہوئے حسن ظن کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایسا عرف وعادت نہ ہونے کی صورت ہی میں جواز فرمایا ہوگا، ورنہ شرعی اصول کے خلاف امام صاحب کیسے ایسی بات فرما سکتے تھے۔

(۷) مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس سے استدلال صحیح نہیں؛ اس لئے کہ اس میں عرف سے کوئی تعرض نہیں، ظن غالب یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں یہ عرف نہیں تھا، اگر یہ عرف ہوتا تو صراحتاً اجازت بائع کی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ عرف کی وجہ سے دلالۃً اذن بائع موجود ہے، نیز بصورت وجود عرف امام رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی وضاحت منقول ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ایسا عرف نہیں تھا، معہذا کسی کو عدم عرف کے ثبوت میں کلام ہو تو کم از کم اس کا احتمال یقیناً ہے،'' **فإذا جاء الإحتمال بطل الإستدلال**'' (احسن الفتاویٰ ۶/۴۹۱)۔

(۸) علامہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اطلاق کی صورت میں جواز کو اسی صورت پر محمول کیا ہے جب کہ پھلوں کے توڑنے کو شرط کے درجہ میں سمجھے، اور مطلق بیع میں اگر عرف پھلوں کے درختوں پر باقی رکھنے کا ہو تو **المعروف کالمشروط** کی بنا پر اس کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ المغنی میں ہے:

''**القسم الثالث أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعي، وأجازه أبوحنيفة لأن إطلاق العقد يقتضى القطع، فهو كما لو اشترطه**'' (المغنی ۴/۹۳)۔

بہرحال مختلف وجوہ سے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے محل غور معلوم ہوتی ہے۔

اس لئے زیر غور مسئلہ میں کہ '' خریدنے کے بعد فوراً پھل نہ توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رکھنے کی'' اس مسئلہ میں اس پہلو سے تو گنجائش سمجھ میں نہیں آتی جس کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمایا؛ البتہ اس کے علاوہ اس کے جواز کی اور بھی مختلف صورتیں سمجھ میں آتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کے جواز کی پہلی بنیاد، حنفی مسلک کے مطابق:

صورت مسئولہ میں جواز کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ بیع بشرط عدم القطع یعنی اس شرط کے ساتھ بیع کرنا کہ پھل پکنے کے وقت تک درختوں پر لگے رہیں گے، اس کو ہمارے فقہاء نے اس لئے ناجائز قرار دیا ہے کہ یہ بیع مشروط ہے ایسی شرط کے

ساتھ جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس میں مشتری کا نفع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے صراحتاً منع فرمایا ہے؛ چنانچہ طبرانی میں ہے: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع وشرط" أخرجه الطبراني في الأوسط" (تحفۃ الاحوذی ۴/۳۶۲)۔

لیکن ہمارے فقہاء نے واضح طور پر اس کی صراحت فرمائی ہے کہ معاملات میں ایسی شرط لگانا جو اگر چہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو لیکن ان کا رواج اور عرف اس درجہ ہوگیا ہو کہ وہ مفضی الی النزاع نہ رہی ہوں، ایسی شرطوں کو ہمارے فقہاء نے بھی جائز قرار دیا ہے، مبسوط سرخسی اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی " فتح الملہم " میں اسی انداز کی بات تحریر فرمائی ہے جو اصول وقیاس کے بالکل مطابق ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"ثم ههنا ناحية أخرى، لم يتعرض لها الفقهاء عموما، وهي أن البيع بشرط الترك إنما يحرم عند الحنفية لكونه بيعا وشرطاً، لكن الحنفية يجوّزون مع البيع شروطاً جرى بها التعامل، لأن التعامل رافع للنزاع، ولا شك أن بيع الثمار بشرط الترك جرى به التعامل العام في أكثر البلاد، فينبغي أن يجوز هذا الشرط على أصل الحنفية" (فتح الملہم ۷/۳۸۷، باب النہی عن بیع الثمار قبل بدوّ صلاحها)۔

اس کی پوری وضاحت شیخ موصوف نے درس ترمذی میں فرمائی ہے، مزید بصیرت کے لئے ہم اس حصہ کو بھی یہاں نقل کرتے ہیں:

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: " اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو وہ ہے جس کی طرف بعض فقہاء عصر نے توجہ دی ہے، وہ یہ کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اگر اس کا رواج عام ہو جائے تو پھر وہ شرط مفسد عقد نہیں ہوتی، فقہاء اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جیسے ایک شخص نے بائع سے کہا کہ میں یہ جوتا اس شرط کے ساتھ خریدتا ہوں کہ تم اس جوتے میں نعل لگا کر دوگے، ظاہر ہے کہ نعل لگانے کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن چونکہ اس شرط کا رواج عام ہو چکا ہے اس لئے یہ شرط جائز ہوگی، آج کل کے دور میں اس کی آسان سی مثال یہ ہے کہ مثلاً آپ نے بازار سے فریج خریدا تو دکاندار آپ کو یہ سہولت دے گا کہ وہ ایک سال تک مفت سروس کرے گا، اور ایک سال کے اندر اس میں کوئی بھی خرابی ہوگی تو وہ اس کو دور کرے گا، اب اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ جب بائع نے ایک چیز فروخت کر دی تو اس کے بعد اس کی مرمت کرنا یا سروس کرنا اس کی ذمہ داری میں داخل نہیں ہے، اور یہ شرط کہ وہ ایک سال تک اس کی مفت سروس کرے یا اس کی مرمت کرے یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن چونکہ عرفاً اس کا رواج عام ہوگیا ہے کہ فریج بیچنے والی جتنی کمپنیاں ہیں وہ سب یہ سہولت دیتی ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک جس شرط کا رواج عام ہو جائے اگر چہ وہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مگر چونکہ وہ مفضی الی النزاع نہیں ہوتی اس لئے وہ شرط مفسد عقد بھی نہیں ہوتی، اس قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ " ترک علی الاشجار " کی شرط کا جب رواج عام ہوگیا ہو تو

اس وقت اگر عقد کے اندر صراحتاً ''ترک'' کی شرط لگادی جائے تو بھی حنفیہ کے نزدیک یہ عقد درست ہوجائے گا اور اس شرط کی وجہ سے وہ عقد فاسد نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ شرط مفضی الی النزاع نہیں رہی'' (درس ترمذی ۴/۹۴)۔

اس پوری تفصیل سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ ہمارے دیار میں جب پھلوں کی بیع کرنے کی صورت میں عرف عام وخاص یہی ہے کہ مشتری پھلوں کو درخت پر پکنے کے وقت تک باقی رکھتا ہے اور بائع بخوشی اس کو منظور کرتا ہے اور یہ عرف وشرط نزاع کا باعث نہیں بنتی تو اس صورت کو بھی بلاشبہ جائز ہونا چاہئے اور یہ جواز حنفی مسلک کے مطابق ہے۔

جواز کی دوسری بنیاد، حنبلی مسلک کے مطابق:

زیر بحث مسئلہ میں یعنی غیر تیار پھل کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا، اس کے جواز کی دوسری بنیاد یہ بن سکتی ہے کہ بعض روایتوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیع میں دو شرطوں کے لگانے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

''عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع'' (رواہ الترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ مالیس عندہ، تحفۃ الاحوذی ۴/۳۶۱)۔

چنانچہ اسی کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی ہے، لہٰذا ان کے نزدیک اگر کسی معاملہ میں ایک شرط لگائی جائے تو جائز ہے اور دو شرطیں لگائی جائیں تو ناجائز ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

''قال أحمد: وإذا قال أبيعک هٰذا الثوب وعليّ خياطته وقصارته، فهٰذا من نحو شرطين في بيع، وإذا قال أبيعكه وعليّ خياطته فلا بأس به، أو قال أبيعكه وعليّ قصارته فلا بأس به، إنما هٰذا شرط واحد.

وفي تحفة الاحوذي: وكلام الترمذي هٰذا يدل على أن البيع بشرطين لا يجوز عند أحمد، والبيع بشرط يجوز عنده'' (تحفۃ الاحوذی ۴/۳۶۲)۔

زیر غور مسئلہ میں اگرچہ ایسی شرط لگائی جارہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن یہ دو نہیں بلکہ ایک شرط ہے جو اگرچہ حنفی مسلک کے لحاظ سے غلط ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یقیناً جائز ہے، ضرورت کی وجہ سے اس موقع پر حنابلہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کی گنجائش یقیناً ہونی چاہئے؛ کیونکہ معاملات میں جن صورتوں میں ابتلائے عام ہو، ان میں دوسرے مسلک کو اختیار کرنے اور جواز کا فتویٰ دینے کی اکابر فقہاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے ہدایت بلکہ تاکید فرمائی ہے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

جواز کی تیسری بنیاد، شافعی مسلک کے مطابق:

زیر بحث مسئلہ میں جواز کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا جائے، وہ اس طرح کہ شمس الائمہ سرخسیؒ کی تصریح کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پھلوں کے درخت پر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ بیع مطلقاً جائز ہے، مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ پھل اپنی ضخامت اور جسامت کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو، دونوں ہی صورتوں میں درخت پر پھل باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے؛ جبکہ شمس الائمہ سرخسی کی تصریح کے مطابق امام محمدؒ کے نزدیک پہلی صورت میں (جبکہ پھل ضخامت کے لحاظ سے اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہو) جائز ہے، اور دوسری صورت میں جائز نہیں، مبسوط سرخسی کی عبارت درج ذیل ہے:

"وفی المبسوط: لو اشتراها بشرط الترک فالعقد فاسد عندنا، جائز عند الشافعیؒ؛ لأنه متعارف بین الناس، ومن الشرائط فی العقود ما یجوز العرف، کما إذا اشتریٰ نعلا وشراکین بشرط أن یحذوها البائع، ولکنا نقول إن کان بمقابلة منفعة الترک شئ من البدل فهذه إجارة مشروطة فی البیع، وإن لم یکن فهی إعارة مشروطة فی البیع، وقد ورد الشرع بالنهی عن ذلک حیث نهی رسول الله ﷺ عن صفقتین فی صفقة وعن بیع وشرط وعن بیع وسلف، وکل عرف ورد النص بخلافه فهو غیر معتبر" (کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/۱۹۶)۔

لہٰذا ضرورت کے موقع میں حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق بھی جواز کا فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے۔

جواز کی چوتھی بنیاد مقتضائے عقل وقیاس، امام محمدؒ کے مسلک کے مطابق:

زیر غور مسئلہ میں امام محمدؒ کے مسلک کے مطابق جواز کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ پھل کا حجم اگر انتہا کو پہنچ چکا ہو اور درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ اس کی بیع کی جائے تو حضرات شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک تعامل وعرف کی وجہ سے استحساناً یہ بیع جائز ہے، اور یہ عرف وتعامل امام محمدؒ کے قول کے مطابق اثمار غیر متناہیہ میں (یعنی ایسے پھل جو ضخامت وجسامت کے لحاظ سے اپنی انتہا کو نہ پہنچے ہوئے ہوں) نہیں پایا جاتا؛ اس لئے ان میں درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع بھی ناجائز ہوگی؛ لیکن علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اب چونکہ دونوں ہی صورتوں میں (خواہ اثمار متناہیہ ہوں یا غیر متناہیہ) پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے کا عرف وتعامل ناس پایا جاتا ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں جواز ہونا چاہئے۔

امام ابن ہمامؒ کے بیان کے مطابق وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل اور قیاس کا مقتضیٰ تو دونوں صورتوں میں خواہ پھل ضخامت کے لحاظ سے انتہا کو پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، دونوں ہی صورتوں میں شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو ناجائز ہونا چاہئے تھا، لیکن ضرورت اور تعامل کی وجہ سے استحساناً امام محمدؒ نے اثمار متناہیہ کی صورت کو جائز قرار دیا، اور اثمار غیر متناہیہ میں چونکہ عرف وتعامل نہیں اس لئے وہ اپنی اصل پر رہے گا، یعنی قیاس کے مطابق اس کا عدم جواز باقی رہے گا۔

لیکن علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جواز کی بنیاد جب تعامل ہے تو اب یہ تعامل اثمار متناہیہ اور غیر متناہیہ دونوں ہی صورتوں میں ہے، لہٰذا جس بنیاد پر متناہی پھلوں میں بشرط عدم القطع کی صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک جواز ہے، اسی طرح غیر متناہی پھلوں میں بھی جواز ہونا چاہئے (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے:

یہی رائے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی بھی ہے کہ امام محمدؒ کے اصول کے مطابق چونکہ اب عرف وضرورت اثمار متناہیہ وغیر متناہیہ دونوں میں پائی جاتی ہے، لہٰذا دونوں ہی صورتوں میں پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہونا چاہئے (دیکھئے: فتح الملہم شرح مسلم ۷/۳۸۷)۔

خلاصہ کلام:

(۱) درختوں پر غیر تیار شدہ پھل یا تو جسامت کے لحاظ سے اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہوں گے یا نہیں؟

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں ہی صورتوں میں پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے، صرّح بہ السرخسی فی المبسوط۔

(۳) ضرورت کی وجہ سے امام شافعیؒ کے اس قول پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے۔

(۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے اور دو شرطیں لگانا جائز نہیں، زیر بحث مسئلہ ایک شرط ہی سے متعلق ہے، لہٰذا ان کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے، ''صرّح به الترمذی فی سننه''۔

(۵) ضرورت کے موقع میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذکورہ مسلک کو اختیار کرتے ہوئے بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔

(۶) حنفی مسلک کے مطابق بھی اگرچہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لیکن تعامل ناس کی بناء پر یہ شرط مفضی الی النزاع نہ رہی اس لئے جائز ہے۔ ''صرّح به الشیخ تقی عثمانی فی فتح الملهم، وفی درس الترمذی''۔

(۷) حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر حجم کے لحاظ سے پھل اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے تو درخت پر پھل باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی عرف کی وجہ سے استحساناً بیع جائز ہے، اور اگر انتہا کو نہیں پہنچا تو جائز نہیں، امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت اسی

کے مطابق ہے۔''**صرّ ح به ابن همام فی فتح القدير**''۔

(۸) علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک چونکہ اب عرف وتعامل اثمار متناہیہ وغیر متناہیہ دونوں میں پایا جاتا ہے، لہٰذا عقل وقیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اب دونوں ہی صورتوں میں امام محمدؒ کے نزدیک جواز ہونا چاہئے۔ ''**صرّح به ابن همام فی فتح القدير**''۔

(۹) یزید بن ابی حبیبؒ کے نزدیک مطلقاً ہر حال میں درختوں پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے۔ ''**صرح به العينی فی شرح البخاری، قال يزيد بن أبی حبيب: يجوز مطلقا ولو شرط التبقية**'' (عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۲/ ۲)۔

(۱۰) امام طحاوی، علامہ عینی، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی تصریح کے مطابق بدوّ صلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی ممانعت تشریعی اور کراہت تحریمی نہیں، بلکہ ممانعت ارشادی اور کراہت تنزیہی ہے جو مبنی بر مصلحت ہے، لہٰذا اگر نزاع کا اندیشہ نہ ہو تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہوگی ''**صرح به الطحاوی فی شرح معانی الآثار والعينی فی عمدة القاری**''۔

(۱۱) بدوّ صلاح سے پہلے پھلوں کی ممانعت تشریعی نہیں بلکہ ارشادی ہے، لہٰذا ترک نص وترک حدیث کا بھی الزام عائد نہیں ہوگا۔

(۱۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس مسئلہ میں علامہ شامیؒ پر نقد کرتے ہوئے ''**المعروف کالمشروط**'' کو غیر معتبر قرار دیا ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس صورت میں بھی جواز کا انتساب کیا ہے، علامہ کی یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، اور اس بحث میں پڑنے کی بھی ضرورت نہیں؛ کیونکہ دوسرے اطمینان بخش متعدد دلائل سے اس کا جواز ثابت ہے۔

(۱۳) سب کا حاصل اور نتیجہ یہ نکلا کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا درج ذیل وجوہ سے جائز ہے:

(الف) حنفی مسلک کے مطابق شرط مقتضائے عقد کے خلاف رائج ہوجانے اور مفضی الی النزاع نہ ہونے کے باعث، (ب) امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے، (ج) امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے، (د) امام محمدؒ کے قیاس کے مطابق عرف وتعامل کا اعتبار کرتے ہوئے۔

۶- ایک مدت کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینے کا شرعی حکم:

فقہاء نے پوری صراحت سے فرمایا ہے کہ درختوں کو اجارہ پر لینا خواہ اس پر کپڑوں کو پھیلانے اور خشک کرنے کے

لئے ہو یا خریدے ہوئے پھلوں کو پکنے اور بڑھنے کے لئے ہو، درختوں کو اجارہ پر لینا اور دینا درست نہیں، فقہاء کی عبارتیں درج ذیل ہیں:

(۱) "**فی المبسوط: لو استأجر الأشجار مدة معلومة لا یجوز بحال، لأن استأجر الأرض بالدراھم صحیح، واستئجار الاشجار لا یجوز بحال**" (کتاب المبسوط للسرخسی ۱۲/۱۹۶)۔

(۲) "**فی العالمگیریة: لا یجوز استئجار الأشجار لتجفیف الثیاب علیھا**" (فتاویٰ عالمگیری ۴/۴۱۱)۔

لیکن یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ درختوں کو اجارہ پر لینے کی ممانعت منصوص تو ہے نہیں بلکہ مجتہد فیہ اور قیاسی ہے؛ چنانچہ فقہاء نے عدم جواز کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود فرمایا ہے:

"**قال ابن ھمام: لأنھا إجارة باطلة لعدم التعارف فی إجارة الأشجار والحاجة**" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

اس تعلیل سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ فقہاء کے زمانہ میں درختوں کو کرائے پر لینے کی ضرورت اور تعامل نہ تھا، لیکن جس زمانے میں اس کی ضرورت داعی ہو یا اس کا تعامل ہوجائے تو کیا اس کے جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تمام فقہاء کرام تو اس کے عدم کے جواز کی تصریح فرما رہے ہیں، لیکن یہی فقہاء اس کے عدم جواز کی علت بھی عدم ضرورت اور عدم تعامل بیان فرما رہے ہیں، ہمارے زمانے میں جبکہ ضرورت بھی داعی ہو مثلاً بعض علاقوں میں نہر کے کنارے دھوبیوں کو دھوئے ہوئے کپڑے پھیلانے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی اور درختوں کو اجارہ پر لینے سے ان کی یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہو تو کیا اس صورت میں اس کا جواز ہوگا؟ اس پہلو سے غور کرنے کی ضرورت ہے، علت وضرورت کے پیش نظر بظاہر اس کا جواز سمجھ میں آتا ہے؛ چنانچہ "فتح القدیر" میں ہے:

"**وأصل الإجارة مقتضی القیاس فیھا البطلان إلا أن الشرع أجازھا للحاجة فیما فیه تعامل ولا تعامل فی إجارة الأشجار المجردة فلا یجوز، وکذا لو استأجر أشجارا لیجفف علیھا ثیابه لا یجوز ذکره الکرخی**" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

علامہ ابن ہمامؒ کی تصریح کے مطابق اجارہ میں اصل قیاس کا مقتضیٰ عدم جواز ہے لیکن جن چیزوں میں اجارہ کا تعامل ہوجائے شریعت نے بھی ضرورت وحاجت کی بنا پر اس کو جائز قرار دیا ہے، اس کا تقاضا بیشک یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں یا کسی علاقہ میں درختوں کے کرایہ پر لینے کی حاجت وضرورت ہو اور اس کا تعامل بھی ہوجائے تو بلاشبہ ایسی صورت میں پھلوں کے پکنے کے وقت تک درختوں کا اجارہ بھی درست ہوگا، علامہ ابن ہمام کی تصریح وتعلیل کا بیشک یہی مقتضیٰ ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد شاکر نثار مدنی☆

تمہید:

خلاق کل جہاں نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر کائنات کی تمام چیزوں کو اس کا خادم بنایا، اور انسان کو دنیا میں جائز حدود میں رہتے ہوئے ان کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا“ (سورۂ بقرہ:۲۹)، اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے فائدہ کے لئے پیدا فرمائیں؛ لیکن ان تمام میں آخرت کو مدنظر رکھنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی کے گذران کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا، ارشاد خداوندی ہے: ”وَابْتَغِ فِيْمَا آتاکَ اللّٰهُ الدَّارَ الآخِرَةَ وَلا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا“ (سورۂ قصص:۷۷)۔

دنیاوی اسباب کو حاصل کرنے کا ایک بڑا اور اہم ذریعہ خرید وفروخت ہے جس کے ذریعہ روزی روٹی کا انتظام کیا جاتا ہے، اور اس کی اہمیت کے پیش نظر رب ذوالجلال نے اس کو فضل کے نام سے موسوم کیا ہے: ”فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ“ (سورۂ جمعہ:۱۰)۔

انسان کی غذائی ضرورتوں میں سے ایک پھل بھی ہے جس کی قوت وطاقت اور توانائی میں کوئی نظیر نہیں؛ لیکن چونکہ پھلوں کو درخت پر نہ تو طویل مدت کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ توڑ کر زیادہ دن تک رکھ کر اس کے فطری ذائقے اور فوائد کو بچایا جا سکتا ہے؛ اس لیے باغات کے مالکان پھل سے پہلے یا پھل آتے ہی اکثر فروخت کر دیتے ہیں، ایک طرف یہ طریقۂ کار نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں رائج ہے؛ جب کہ دوسری طرف شریعت کی واضح ہدایت ہے کہ جب تک کوئی شئی وجود میں نہ آجائے اس کو فروخت نہیں کیا جا سکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے: ”أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع“ (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۲۱۹۴، وصحیح مسلم، رقم الحدیث:۳۹۴۱) (یعنی حضور ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے پھلوں کے بیچنے سے بائع ومشتری دونوں کو منع فرمایا ہے)۔

☆ استاذ تخصص فی الحدیث ونائب مفتی مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ۔

البتہ ضرورت وحاجت کے پیش نظر شریعت نے اس عام ضابطہ سے استصناع اور سلم کو مستثنی قرار دیا ہے؛ لیکن پھلوں کے بیچنے کی مروجہ صورت بظاہر نہ استصناع کے دائرہ میں آتی ہے اور نہ ہی بیع سلم کے؛ کیونکہ سلم میں مسلم فیہ کی مقدار اور اس کی حوالگی کا وقت پوری طرح متعین ہوتا ہے، اور استصناع ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جس میں انسانی صنعت کا دخل ہو اور مبیع متعین ہو؛ جب کہ یہ شرطیں باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت میں نہیں پائی جاتی ہیں، اس لیے اس مختصر سے مقالے میں باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت کی مختلف اقسام اور ان کے شرعی حکم کو قلم بند کرنے کی طالب علمانہ کوشش ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی محض اپنے فضل وکرم سے صحیح صحیح لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں (آمین)۔

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

حدیث شریف میں بیع سنین اور بیع معاومہ سے منع فرمایا گیا ہے، بیع سنین اور بیع معاومہ کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ایک یا کئی سال کے لیے درختوں کے پھل کو بیچنا حالانکہ ابھی اس پھل کا وجود نہ ہوا ہو، چنانچہ "المصباح المنیر" میں ہے:

"المعاومة مأخوذ من العام وهو السنة، واصطلاحًا بيع ما يثمره شجرة أو نخلة أو بستانة أكثر من عام ، سنتين أو ثلاثة أو أربعة مثلًا، ويسمى بيع السنين" (ص/۱۶۷)۔

"تکملۃ فتح الملہم" میں ہے: "والمعاومة مفاعلة من العام بمعنى السنة، كالمسانهة من السنة، والمشاهرة من الشهر، والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فأكثر۔ والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد" (۷/۴۱۰، المکتبۃ الأشرفیۃ، دیوبند)۔

"بذل المجہود شرح سنن أبی داود" میں ہے: "بيع السنين والمراد منه ما تحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر" (۴/۲۵۱، قدیم)۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع میں مذاہب ائمہ کی تفصیل:

اگر پھل درخت پر اس حال میں ہوں کہ بدو صلاح ہو چکا ہو (بدو صلاح کی تعریف آگے آ رہی ہے) تو حضرات مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے پھل کی بیع مطلقاً درست ہے، یعنی چاہے درخت پر چھوڑنے کی شرط ہو، یا فوراً توڑنے کی شرط ہو، یا بلا کسی شرط کے معاملہ ہوا ہو ہر حالت میں بیع درست ہے۔

اور اگر ابھی بدو صلاح نہ ہوا ہو تو اگر درخت پر باقی رکھنے کی شرط یا مطلقاً یعنی بلا شرط بیع ہوئی ہو تو یہ معاملہ درست نہیں ہے؛ ورنہ درست ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عبد البر مالکی موطا امام مالک کی اپنی مشہور شرح الاستذکار میں تحریر فرماتے ہیں: "قال المالكية

والشافعية والحنابلة: إن بدا صلاح الثمر جاز بيعه مطلقًا أو بشرط القطع أو بشرط الترک على الشجر، أما قبل بدو الصلاح فإن كان البيع بشرط الترک أو البقاء فلا يصح إجماعًا؛ لأن النبی ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع"(الاستذکار:۱۹/۸۸)۔

علامہ نووی صحیح مسلم کی اپنی شرح ''المنہاج المعروف بشرح النووی'' میں تحریر فرماتے ہیں: "قال أصحابنا: ولو شرط القطع ثم لم يقطع فالبيع صحيح، ويلزمه البائع بالقطع، فإن تراضيا على إبقائه جاز، وإن باعها بشرط التبقية فالبيع باطل بالإجماع؛ لأنه ربما تلفت الثمرة قبل إدراكها فيكون البائع قد أكل مال أخيه بالباطل، وأما إذا شرط القطع فقد انتفى هذا الضرر، وإن باعها مطلقًا بلا شرط فمذهبنا ومذهب جمهور العلماء أن البيع باطل لإطلاق الأحاديث، وإنما صححناه بشرط القطع للإجماع، فخصصنا الأحاديث بالإجماع فيما إذا شرط القطع، ولأن العادة في الثمار الإبقاء فصار كالمشروط".

"وأما إذا بيعت الثمرة بعد بدو صلاحها، فيجوز بيعها مطلقًا وبشرط القطع وبشرط التبقية لمفهوم الأحاديث، ولأن ما بعد الغاية يخالف ما قبلها إذا لم يكن من جنسها، ولأن الغالب فيها السلامة بخلاف ما قبل الصلاح، ثم إذا بيعت بشرط التبقية أو مطلقًا يلزم البائع بسقايتها إلى أوان الجذاذ؛ لأن ذلک هو العادة فيها" (شرح النووی ۱۰/۱۸۱ علی ہامش الأم، نیز دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۵/۸۶ ۴)۔

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے پہلے اگر ظہور نہ ہوا ہو، تو بالاتفاق بیع درست نہیں ہے، اور اگر ظہور ہو گیا ہو، اور بدوصلاح نہ ہوا ہو، تو درخت پر چھوڑنے کی شرط پر جائز نہیں ہے۔ اور اگر قابل انتفاع ہو، اور فوراً توڑنے کی شرط پر معاملہ ہو، تو درست ہے، لیکن اگر بدوصلاح سے پہلے مطلقاً بیع ہو، تو اس میں اختلاف ہے۔

علامہ کاسانیؒ ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں: "وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنهما معدوم وإن كان بعد الطلوع جاز، وإن كان قبل بدو صلاحهما إذا لم يشترط الترک، ومن مشايخنا من قال: لا يجوز" (۵/۱۳۸، بیروت، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: مغنی المحتاج (۳/۸۶)، بدایۃ المجتہد (۲/۱۴۸)، غایۃ المنتہی (۲/۶۹)، فتح القدیر (۵/۱۰۲)، الفقہ علی المذاہب الاربعہ (۲/۲۹۴)، الفقہ الاسلامی وادلتہ (۴/۴۸۸)۔

۳- ائمہ اربعہ کے نزدیک بدوصلاح کی تعریف:

اصطلاحی تعریف سے پہلے لغوی تعریف کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ تا کہ اس کی روشنی میں اصطلاحی تعریف بآسانی سمجھ میں آسکے۔

لغوی تعریف:

”البدو لغة مأخوذ من بدا الشيء يبدُو بُدُوًا وبَدْوًا وبَداءً: ظهر، وأبديته: أنا أظهرته، وبداوة الأمر: أول ما يبدو منه“(لسان العرب ۱۴/ ۶۵)۔

”والصلاح لغة: ضد الفساد، ويراد به هنا ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لا يتلون وفي غيره بأن يأخذ في الحمرة أو السواد“(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۵۰)۔

اصطلاحی تعریف:

حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد فساد اور آفت سے مامون ہونا ہے، یعنی پھل اتنی مقدار میں بڑھ چکا ہو کہ اب خراب ہونے یا پالے وغیرہ سے ضائع ہونے کا امکان نہ ہو، بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ انسانوں یا کم از کم جانوروں کے کھانے کے قابل ہو گیا ہو۔

”قال الشامي: ولكن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد“(ردالمحتار ۴/ ۳۸)۔

مالکیہ نے بدوصلاح کی تعریف وتعیین میں مختلف پھلوں کے اعتبار سے الگ الگ تعریف کی ہے، چنانچہ کھجور کا بدو صلاح یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائے، اور انگور میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کا رنگ کالا ہو جائے اور مٹھاس کا اثر ظاہر ہو جائے۔

ان کے علاوہ اور پھلوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ ان پھلوں کا ذائقہ پیدا ہو جائے۔

”والمالكية فسروه تفسيرًا مختلفًا نسبيًا فهو في التمر أن يحمر ويصفر ويزهو، وفي العنب أن يسود، وتبدو الحلاوة فيه، وفي غيرهما من الثمار حصول الحلاوة، وفي الخس والعصفر أن ينتفع بهما، وفي سائر البقول أن تطيب للأكل، وفي الزرع والحب أن ييبس ويشتد“(شرح الدردیر ۳/ ۱۸۶)۔

شوافع کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل سرخ یا زرد ہو جائے، چنانچہ ”کتاب الام للامام الشافعیؒ“ میں ہے:

”بدو صلاح الثمر الذي أحل رسول الله ﷺ بيعه أن يحمر أو يصفر“(الأم ۳/ ۴۱۶)۔

حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جن پھلوں کا رنگ بدلتا ہے، ان کے رنگ بدلنے سے بدوصلاح معلوم ہوگا اور جن کا رنگ نہیں بدلتا، ان میں بدوصلاح اس وقت ہوگا، جب ایسا ذائقہ پیدا ہو جائے کہ وہ کھانے کے لائق ہو جائے۔

اور جن کا نہ رنگ بدلتا ہے اور نہ ذائقہ جیسے ککڑی، کھیرا وغیرہ تو ایسی چیزوں کا بدوصلاح یہ ہے کہ اتنے بڑے ہو جائیں کہ اسے کھایا جاتا ہو۔

”قال في الشرح الكبير لابن قدامة: وبدوّ الصلاح في ثمر النخل أن يحمر أو يصفر، وفي العنب أن يتموّه، وفي سائر الثمار أن يبدو فيه النضج ويطيب أكله، وجملة ذلک أن ما كان من الثمر يتغير لونه عند صلاحه كثمرة النخل والعنب غير الأبيض والإجاص فبدو صلاحه بذلک“.

”فإن كان العنب أبيض فصلاحه بتموّهه وهو أن يبدو فيه الماء الحلو ويلين ويصفر لونه، فإن كان مما لا يتلون كالتفاح ونحوه فبأن يحلو ويطيب،، وإن كان بطيخًا أو نحوه فبأن ينمو فيه النضج، وإن كان مما لا يتغير لونه ويؤكل طيبًا كالقثاء والخيار فصلاحه بلوغه أن يؤكل عادةً“ (الشرح الکبیر ۴/۲۸۱،الانصاف ۵/ ۶۴)۔

۴- مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے پھل کی درخت پر بیع:

پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر ان کی بیع کے احکام ذیل میں سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں:

(الف) اگر درخت کے پھل کو پیدا ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے خواہ اسی سال کے پھل کو یا آئندہ سالوں کے پھل کو تو یہ بیع جمہور (مع حنفیہ) کے نزدیک درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ معدوم یعنی ایسی چیز کی بیع ہے جس کا ابھی وجود ہی نہیں ہوا ہے، اور ایسی چیز کے بیچنے سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ اس صورت کا حکم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”فلم ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم كالحمل واللبن في الضرع والثمر قبل ظهوره“ (ردالمحتار ۷/ ۱۵ زکریا)۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ” أما قبل الظهور فلايصح اتفاقًا“ (ردالمحتار ۷/ ۸۵ زکریا)۔

لیکن عوام میں اس صورت کا بہت ہی رواج اور چلن ہے، باغ کے مالکان پھل آنے سے پہلے ایک یا کئی سالوں کے لیے فروخت کردیتے ہیں، اور ایسا کرنا ان کی مجبوری ہوتی ہے؛ کیونکہ اگر وہ پھل آنے کے بعد فروخت کریں تو اکثر ان کو خریدار میسر نہیں ہوتا، اور اگر اتفاقاً کوئی مل بھی جائے تو مناسب قیمت وصول نہیں ہو پاتی ،یعنی اگر لوگوں کو پھل آنے کے بعد بیچنے پر مجبور کیا جائے تو حرج کثیر وضرر کبیر لازم آتا ہے؛ حالانکہ فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے: ” الحرج مدفوع“ یعنی جہاں حقیقی حرج لازم آئے وہاں سہولت پیدا کی جائے گی، اسی طرح ایک دوسرا قاعدہ ہے: ”الضرر يزال“ یعنی ضرر کو ختم کیا جائے گا، اسی طرح ایک قاعدہ ہے: ”المشقة تجلب التيسير“ پریشانی کی وجہ سے حکم میں آسانی آجاتی ہے، اسی سے ملتا جلتا قاعدہ ہے: ”وما ضاق الأمر إلا اتسع“ جب بھی کسی کام میں دشواری ہو تو اس کے حکم میں گنجائش نکل آتی ہے۔

انہیں قواعد وضوابط اور لوگوں کی صورت حال وابتلاء عام کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مفتی رشید احمد صاحب

''احسن الفتاوی''میں تحریر فرماتے ہیں:

اس معاملہ میں ابتلاء عام اور اس سے احتراز کے تعسّر بلکہ تعذر کے پیش نظر اہل فتوی پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا کوئی حل نکالیں۔

بعض اہل تقوی آم سے پرہیز فرماتے ہیں؛ مگر اس پرہیز سے عامة المسلمین کے لیے تو کیا سبیل نکلتی خود ان کے لیے بھی کارآمد نہیں؛ اس لیے کہ یہ معاملہ صرف آم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس کے ترک سے تقوی محفوظ رہے؛ بلکہ سب پھلوں کی بیع میں یہی دستور ہے، بالخصوص کیلے کا مسئلہ تو اور کٹھن ہے؛ اس لیے کہ اس کے بہت سے پودے ہی بیع کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے؛ بلکہ بعض مواقع میں عمل بمذہب الغیر واجب ہوجاتا ہے، حضرات فقہاء ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی اہمیت وضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار دے کر جواز کا فتوی تحریر فرمایا ہے۔

''التحریر المختار''میں علامہ رافعیؒ نے بھی علامہ ابن عابدینؒ کی اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی''میں مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

۱-وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔

۲-مقدار ثمار متعین نہیں۔

۳-کوئی اجل متعین نہیں۔

۴-اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔

۵-اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

۶-اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اول کا جواب تو حضرت تھانویؒ نے خود ہی تحریر فرمادیا ہے کہ امام شافعیؒ کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں۔

ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ کے مفسد ہونے کی علت جہالت

مفضیہ الی المنازعۃ ہے؛مگر بسبب تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا۔

”**فارتفع الفساد لارتفاع العلة، كما قالوا فی اشتراط الآلة علی الأجير والصبغ علی الصباغ والخيط علی الخياط**“۔

اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک تاخیر الثمن بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۰۲، أقرب المسالک مع الشرح الصغیر ۳/ ۲۶۲)۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالی اس پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں ہے؛ اس لیے مسئلہ زیر بحث میں قول مالکؒ اختیار کرنا چاہیے، ”**للزوم التلفيق علی اختيار قول الشافعی رحمه الله تعالی**“۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تاخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی یہ تدبیر کرسکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں تو بائع ہی سے قرض لے کر اس کو بطور ثمن واپس کردے۔

یہ تدبیر متعاقدین کے فائدہ کے لیے لکھ دی ہے ورنہ عوام پر یہ تجسس وتحقیق لازم نہیں؛ بلکہ یہ تعمق جائز ہی نہیں کہ باغ کی بیع مطلق ہوئی ہے یا بشرط تاخیر ثمن؟ پھر شرط تاخیر تین روز تک ہے یا اس سے زائد؟

ہاں جہاں بدون تجسس تین روز سے زائد شرط تاخیر متحقق ہوجائے یا اس کا دستور عام معروف ہوجائے وہاں احتراز لازم ہے۔

فائدہ: علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ابتلاء عام وضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے؛ مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالکؒ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کرکے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے؛ لہٰذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہوچکا ہوتو کوئی اشکال نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہوتو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار ”**مال متقوم منتفع به للدواب بل لبعض حاجات الناس**“ بھی ہے؛ بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہوتو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے۔

”**كما نقل العلامة ابن عابدينؒ عن الإمام ابن الهمامؒ فی صحة بيع الثمار بعد البروز قبل أن**

تکون منتفعا بها"(ردالمحتار ۴/ ۴۲)۔

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالی نے بیع الثمر قبل انفراک الزہر کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے؛ مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ البتہ بیع قبل ظہور الازہار کی صورت میں عمل بمذہب مالکؒ کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں۔

شبہہ: بعض الناس کو شبہہ ہوا ہے کہ بیع بشرط التبقیۃ فاسد ہے اور معاملہ معہودہ میں اگرچہ بیع مطلقاً ہے مگر عرفاً تبقیہ لازم ہے، "**والمعروف کالمشروط**"؟

جواب: بحث مذکور میں اس شبہہ کا جواب ہو چکا ہے، یعنی یہ شرط مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے مفسد تھی؛ مگر عرف عام میں احتمال نزاع منقطع ہوگیا، "**فارتفع الفساد، وانظر إلی إجارات کتب المذهب، فاغتنم هذا التحریر الفرید، وتشکر، وإیاک والتعمق فی الدین واقتحام المضایق، ولن یشاد الدین أحد إلا غلبه. والله سبحانه وتعالی أعلم**"(احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۷-۴۹۰، بحذف یسیر)۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ باغ کے کچھ درختوں پر پھل آگئے ہوں اور کچھ پر نہ آئے ہوں، تو اس صورت کا اصل حکم بھی عدم جواز ہے؛ لیکن چوں کہ تمام درختوں پر ایک ساتھ پھل نہیں آتے؛ اس لیے ایسی صورت میں دشواری وغیرہ کے پیش نظر علمائے احناف نے جواز کا فتویٰ دیا، چنانچہ صاحب درمختار اس صورت کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**ولو برز بعضها دون بعض لا یصح في ظاهر المذهب وصححه السرخسي، وأفتی الحلواني بالجواز**"(درمختار)۔

علامہ شامیؒ اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**فحیث تحققت الضرورة هنا أیضًا أمکن إلحاقه بالسلم بطریق الدلالة فلم یکن مصادمًا للنص فلذا جعلوه من الاستحسان لأن القیاس عدم الجواز. وظاهر کلام الفتح المیل إلی الجواز ولذا أورد له الروایة عن محمد بل تقدم أن الحلواني رواه عن أصحابنا وما ذاق الأمر إلا اتسع ولا یخفی أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة کما یعلم من رسالتنا المسماة نشر العرف في بناء بعض الأحکام علی العرف فراجعها**"(ردالمحتار ۴/ ۴۳)۔

اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی صاحب "تکملہ فتح الملہم" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**الثاني أن تباع سائر ثمار الشجر أو البستان في حین ظهر بعضها ولم یظهر بعضها، وفیه**

خلاف بين مشايخنا الحنفية، فظاهر المذهب أنه لا يجوز أيضًا، ولكن أفتى شمس الأئمة الحلواني رحمه الله بأنه لو كان الخارج أكثر جاز البيع فى الجميع، وبه أفتى الإمام الفضلي؛ بل يظهر من عبارته أنه لا يشترط كون الخارج أكثر، بل يجعل الموجود أصلا فى البيع وما يحدث بعد ذلك تبعا له، ويقول: أستحسن فيه لتعامل الناس، فإنهم تعاملوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة، ولهم في ذلك عادة ظاهرة، وفي نزع الناس عن عادتهم حرج، حكاه ابن الهمام في الفتح (۱۰۵/۵) ثم قال: وقد رأيت رواية فى نحو هذا عن محمدؒ، وهو بيع الورد على الأشجار؛ فإن الورد متلاحق، ثم جوز البيع في الكل بهذا الطريق، وهو قول مالک" (تکملۃ فتح الملہم: ۷/۳۷۶-۳۷۷)۔

(ج) تیسری شکل یہ ہے کہ پھل درختوں پر نکل آئے ہوں، لیکن ابھی قابل انتفاع نہ ہوں، تو اس صورت میں بھی علمائے احناف میں اختلاف ہے، چنانچہ قاضی خان نے فتوی دیا ہے کہ اکثر مشائخ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے؛ لیکن علامہ کمال ابن الہمام نے فتح القدیر میں جواز کا فتوی دیا ہے، چنانچہ اس صورت کا حکم تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعندنا إن كان بحال لا ينتفع به في الأكل ولا في علف الدواب خلاف بين المشايخ، قيل: لا يجوز، ونسبه قاضي خان لعامة مشايخنا، والصحيح أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به فى ثاني الحال إن لم يكن منتفعا به فى الحال، وقد أشار محمد فى كتاب الزكاة إلى جوازه؛ فإنه قال: لو باع الثمار فى أول ما تطلع وتركها بإذن البائع حتى أدرک فالعُشر على المشتري، فلو لم يكن جائزًا لم يوجب فيه العُشر على المشترى. الخ" (فتح القدیر ۲۸۷/۶، بیروت)۔

"وفي تكملة فتح الملهم: الثالث أن تظهر جميع الثمار بمعنى انعقادها ثمرةً ولكنها غير منتفع بها في الأكل ولا في علف الدواب وفيه خلاف أيضًا بين مشايخنا الحنفية فذكر قاضي خان أن بيعها لا يجوز عند عامة المشايخ ولكن صحح ابن الهمام جوازه كما أسلفنا" (فتح القدیر ۳۳۷/۱، المکتبۃ الأشرفیۃ، دیوبند)۔

۵- غیر تیار شدہ پھلوں کی بیع کی شکلیں:

اسی طرح اگر ابھی پھل تیار نہیں ہوئے ہیں، یعنی توڑ کر بازار میں بیچنے کے لائق نہ ہوئے ہوں، گرچہ قابل انتفاع ہوں، تو اس کی بھی چند شکلیں ہوسکتی ہیں، ہر ایک کا حکم ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(الف) اگر بائع اور مشتری میں یہ بات طے ہوجائے کہ اسی وقت مشتری (خریدار) پھل کو توڑ لے گا اور پکنے

تک درخت پر نہیں چھوڑے گا، تو یہ صورت تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے، چنانچہ ”صاحب تکملہ فتح الملہم“ فرماتے ہیں:

”الأولى أن يشترط البائع على المشتري أن يقطعها فورًا، ولا يتركها على الأشجار فهذه الصورة جائزة باجماع الائمة الأربعة وجمهور فقهاء الأمصار“(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

(ب)اور اگر بائع اور مشتری میں یہ طے ہوا کہ جب تک پھل نہیں پکتے اس وقت تک درخت پر ہی رہیں گے تو جمہور کے نزدیک اس طرح کا معاملہ ناجائز ہے؛ کیونکہ بیع میں ترک علی الاشجار کی شرط ہے، اور حدیث شریف میں بیع کے ساتھ شرط لگانے سے منع کیا گیا ہے؛ چنانچہ ”المعجم الأوسط للطبراني“(۴/۳۳۵،الرقم:۱۶۴۳) کی روایت میں ہے: ”نهى عن بيع وشرط“؛ البتہ حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں یزید بن ابی حبیب سے اس صورت کے جواز کا حکم نقل کیا ہے، اسی طرح ضرورت کے پیش نظر علامہ ابن تیمیہ جواز کی طرف مائل نظر آتے ہیں؛ لیکن چونکہ یہاں ضرورت شدیدہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس کا جائز بدل موجود ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، اس لیے جمہور نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، لہٰذا اس صورت میں جمہور کا قول ہی راجح ہے۔

”والصورة الثانية: أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالإجماع، ولا يصح البيع فيها عند أحد؛ إلا ما حكاه الحافظ في الفتح عن يزيد بن أبي حبيب أنه يقول بجواز هذه الصورة أيضاً، وأما سائر أهل العلم –ومنهم الحنفية– فيقولون بعدم جوازه لحديث الباب، ولكونه بيعا وشرطاً، ويظهر من كلام ابن تيمية أيضا في فتاواه (۳/۴۲۷-۴۳۰) أنه مائل إلى جواز هذه الصورة أيضا للضرورة، ويحمل الحديث على المشورة لا على التحريم“ (تکملہ فتح الملہم ۷/۳۷۰)۔

(ج)اور اگر معاملہ کرتے وقت درخت پر چھوڑنے یا اسی وقت توڑنے کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، لیکن معاملہ ہوجانے کے بعد مشتری کے کہنے پر بائع پھلوں کو پکنے تک اپنے درختوں پر چھوڑنے کی اجازت دیدے تو یہ صورت بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے؛ اور اگر مشتری نے بائع کی اجازت کے بغیر درخت پر چھوڑے رکھا اور پھل کے سائز میں اضافہ ہوا تو ماہرین کے ذریعہ اندازہ لگا کر جو اضافہ ہوا ہے اس کو صدقہ کردے، اور اگر سائز میں اضافہ نہیں ہوا صرف رنگ اور ذائقہ کا فرق ہوا ہے تو کچھ صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے؛ چنانچہ ”ہدایہ“ میں ہے:

”ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل“(ہدایہ ۳/۲۷، دیوبند)۔

”وفي الدر المختار: لو اشتراها مطلقا وترکها بإذن البائع طاب له الزيادة، وإن ترک بغير إذنه تصدق بما زاد في ذاتها، وإن بعد ما تناهت لم يتصدق بشيء“(۴/۳۹، المکتبۃ النعمانیۃ، دیوبند)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:”والصورة الثالثة: أن يقع البيع مطلقا ولا يشترط فيه قطع ولا ترک فهذه الصورة محل خلاف بين الأئمة ...... وقال أبو حنيفة رحمه الله: البيع فيها جائز، الخ“ (تکملہ فتح الملہم ۷/۳۷۰)۔

۶- درخت کو کرایہ پر لینا درست نہیں:

اور اگر خریدار پھل خریدنے کے بعد مالک درخت سے درختوں کو پھل کے پکنے تک کرایہ پر لے، تو کرایہ کا یہ معاملہ شرعاً باطل ہے، لہذا اگر کوئی اپنے درخت کو کرایہ پر دے گا تو کسی کرایہ کا مستحق نہیں ہوگا؛ البتہ ان دنوں میں پھلوں کے اندر جو زیادتی ہوگی وہ مشتری کے لیے حلال ہوگی۔

”قال في الدر المختار شرح تنوير الأبصار: وإن استأجر الشجر إلى وقت الإدراک بطلت الإجارة وطابت الزيادة لبقاء الإذن“.

”قال الشامي في شرحه: بطلت الإجارة وإن عين المدة .... فإن أصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان؛ إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل، ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز“(ردالمحتار: ۴/۵۵۷، بیروت)۔

۷- ایک سال یا کئی سال کے لیے باغ خریدنے کی ایک جائز شکل:

پھل آنے سے پہلے باغات کو ایک یا کئی سال کے لیے خریدنے کی جائز شکل یہ ہے کہ باغ کی زمین کو ایک یا کئی سال کے لیے اجرت معلومہ کے ساتھ کرایہ پر لے لے، اور باغ لینے والا مالک سے اس بات کا اختیار حاصل کرلے کہ زمین کے ہرطرح کے منافع سے فائدہ اٹھانے کا اختیار ہوگا، چونکہ اس معاملہ میں اصل زمین ہے اور درخت اس کے تابع ہیں؛ اس لیے پھل بھی مشتری کی ملکیت ہوں گے اور مشتری مدت اجارہ کے اندر ان کو درختوں پر چھوڑنے کا مجاز بھی ہوگا۔

”قال في الهداية: من استأجر أرضًا على أن يكربها ويزرعها ويسقيها فهو جائز“(۳/۳۰۶، دیوبند)۔

”وفي البحر الرائق: إذا استأجر أرضًا على أن يكربها ويزرعها أو يسقيها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد، وهو ملائم له فلا يفسد العقد“(۸/۴۳، زکریا)۔

”وفي كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: ويجوز كراء الأرض بالشجر الذي يمكث فيها زمنًا طويلاً“(۳/۱۳۳)۔

۸-بیع سلم کی مختلف شرطوں کا حکم:

جب ہمارے بعض اکابر کی طرف سے اس معاملہ میں سلم کی مختلف فیہ شرطوں کی وجہ سے رخصت وگنجائش کا تذکرہ موجود ہے تو حرج شدید سے بچنے کے لیے مروج شکلوں میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اس بحث کی مکمل تفصیل نمبر ۴ کے تحت گذر چکی ہے؛اس لیے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ:

۱-بیع معاومہ اور بیع سنین کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال یا کئی سال کے لیے باغ کے پھلوں کو بیچنا؛ حالانکہ ابھی درخت پر پھل نہ آئے ہوں۔

۲-درختوں پر بدوصلاح کے بعد پھلوں کی بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقا درست ہے اور حنفیہ کے نزدیک اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز ہے۔

۳-حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب فساد اور آفت سے مامون ہونا ہے، مالکیہ نے بدوصلاح کی تعریف و تعیین میں مختلف پھلوں کے اعتبار سے الگ الگ تعریف کی ہے، چنانچہ کھجور کا بدوصلاح یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے، اور انگور میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کا رنگ کالا ہوجائے اور مٹھاس کا اثر ظاہر ہوجائے۔

ان کے علاوہ اور پھلوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ ان پھلوں کا ذائقہ پیدا ہوجائے۔

شوافع کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل سرخ یا زرد ہوجائے، اور حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جن پھلوں کا رنگ بدلتا ہے، ان کے رنگ بدلنے سے بدوصلاح معلوم ہوگا اور جن کا رنگ نہیں بدلتا، ان میں بدوصلاح اس وقت ہوگا، جب ایسا ذائقہ پیدا ہوجائے کہ وہ کھانے کے لائق ہوجائے۔

اور جن کا نہ رنگ بدلتا ہے اور نہ ذائقہ جیسے ککڑی، کھیرا وغیرہ تو ایسی چیزوں کا بدوصلاح یہ ہے کہ اتنے بڑے ہوجائیں کہ اسے کھایا جاتا ہو۔

۴-(الف): درخت پر پھل آنے سے پہلے بیچنا اصل ناجائز ہے؛لیکن اب ضرورت شدیدہ کے پیش نظر امام مالک کے قول پر جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے۔

(ب) اگر کچھ درختوں پر پھل آئے ہوں اور کچھ پر نہ آئے ہوں تو ایسے باغ کا بیچنا بھی درست ہے۔

(ج) پھل نکل آئے ہوں لیکن قابل انتفاع نہ ہوں تو ان کا بیچنا بھی درست ہے۔

۵-(الف) اگر پھل ابھی توڑنے کے لائق نہ ہوں لیکن بائع ومشتری معاملہ کے وقت پھل کے فوراً توڑنے پر

اتفاق کرلیں تو یہ شکل بھی جائز ہے۔

(ب) اور اگر مذکورہ بالا صورت میں مشتری درخت پر چھوڑنے کی شرط لگائے تو ناجائز ہے۔

(ج) اور اگر بیع مطلق ہوئی ہو اور بعد میں بائع اپنے درخت پر پھل چھوڑنے کی اجازت دیدے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

۷- ناچیز کے نزدیک سب سے بہتر شکل یہ کہ مشتری زمین کو مدت معلومہ تک کے لیے کرایہ پر لے، اس مدت میں اس زمین سے اسے ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کا اختیار رہے گا؛ چونکہ اس صورت میں درخت زمین کے تابع ہیں اس لیے درخت کے پھل بھی مشتری کے ہوں گے، اور یہ معاملہ شرعاً بلا کراہت درست ہے۔

۸- جب ہمارے بعض اکابر کی طرف سے اس معاملہ میں سلم کی مختلف فیہ شرطوں کی وجہ سے رخصت وگنجائش کا تذکرہ موجود ہے تو حرج شدید سے بچنے کے لیے مروج شکلوں میں ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عباداللہ قاسمی مظفرپوری☆

حرف آغاز:

خرید وفروخت باہمی رضامندی پر مبنی ایک اہم معاملہ ہے جس کا غرر، دھوکہ دھڑی، اور جہالت سے صاف وشفاف ہونا ضروری ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "نهی عن بیع الغرر" (حضور ﷺ نے غرر پر مبنی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

ایک حدیث میں ہے: "لاتبع مالیس عندک" (جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اسے فروخت نہ کرو)، ان احادیث مبارکہ سے پھلوں کی خرید وفروخت کا ایک اہم اصول معلوم ہوا کہ پھل توڑنے کے بعد فروخت کیا جائے، درخت پر لگے ہوئے ہونے کی صورت میں فروخت نہ کیا جائے؛ لیکن اکثر شہر اور شہر کے اطراف واکناف میں یہ طریقہ مروج ہے کہ لوگ پھل درخت پر لگے ہوئے ہونے کی صورت میں فروخت کردیتے ہیں، اور بسا اوقات "بدو صلاح" سے پہلے فروخت کردیتے ہیں اور بعض شہر اور بستیوں میں پھل آنے سے پہلے ہی فروخت کردیتے ہیں اور خریدار حضرات عقد کے بعد پھل تیار ہونے تک درخت پر چھوڑ دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ بیع کی یہ تمام صورتیں یا تو حرام ہیں یا اقرب الی الحرام ہیں؛ لیکن اگر ہم ان تمام پر حرمت کا حکم لگائیں تو یہ ناممکن ہے کہ بازار میں فروخت ہونے والا کوئی پھل حلال ہو، اسی کے پیش نظر مسائل کا حل شرعی قواعد اور مسلمہ اصولوں کی روشنی میں کیا جانا چاہئے؛ تاکہ عوام الناس کو حرج وتنگی میں مبتلا ہونے سے بچایا جاسکے، اسی تعلق سے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی جانب سے چند سوالات جاری کئے گئے ہیں جن کا جواب پیش خدمت ہے:

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

پھلوں کی خرید وفروخت کے تعلق سے ان دنوں معاملہ بہت ہی سنگین ہوچکا ہے، خریدار حضرات پھلوں کی آمد سے پہلے ہی سال دو سال کے لئے درخت زمین کے ساتھ یا بلا زمین خرید لیتے ہیں، جس کا مقصد صرف پھل خریدنا ہوتا ہے، درخت اور زمین کا خریدنا نہیں ہوتا، ان دنوں یہ صورت بالکل عام ہوچکی ہے، ظاہر ہے کہ جب بیع اسی طرح سے ہوئی ہے تو بازاروں میں پھل اسی قبیل کے ہوں گے، پھر ان کا استعمال کیسے جائز ہوگا؟ حدیث میں اسی قسم کی بیع کو بیع معاومہ اور بیع سنین

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک۔

سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی بیع سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا، حضرت جابرؓ سے روایت ہے: "**نهى النبي ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة**" (مسلم، حدیث نمبر: ۳۸۳۶، ترمذی، حدیث: ۱۳۱۳) (حضرت جابرؓ سے روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے منع فرمایا ہے)۔

بیع معاومہ کی تعریف:

معاومہ عام سے ماخوذ ہے جس کے معنی سال کے ہیں جیسے مساہنہ سنۃ سے اور مشاہرۃ شہر سے، اس سے مراد کسی مخصوص درخت کے پھل کو سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے اس کے وجود میں آنے سے پہلے فروخت کرنا ہے، بیع معاومہ اور سنین ایک ہی معنی میں ہے جیسا کہ اس کی صراحت اس روایت میں ہے، اور یہ بیع دھوکہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے حرام ہے، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب 'جامع الاصول' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"**والمعاومة، مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمساهنة من السنة والمشاهرة من الشهر، والمراد منه بيع ماتحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فاكثر، والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد، كما صرح به فى هذه الرواية، وانما حرم لكونه بيع غرر، لأنه بيع مالم يخلقه الله، هذه خلاصة ما فى جامع الاصول لابن الأثير**" (تکملۃ فتح الملہم ۱/۴۱۰، بذل المجہود ۸/۱۸، کتاب البیوع والاجارۃ: باب فی بیع الغرر)۔

ملا علی قاریؒ نہایہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کھجور کے پھل یا درخت کو دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے پھل کے وجود میں آنے سے پہلے فروخت کرنا شرعی رو سے باطل ہے؛ اس لئے کہ اس بیع میں وہ چیز خریدی جاتی ہے جس میں سرے سے مبیع کا وجود ہی نہیں ہوتا، جیسے (جانور کے) بچہ کو اس کی پیدائش سے قبل فروخت کرنا؛ حالانکہ بیع کی صحت کے لئے دونوں طرف مال کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں مال کوئی چیز ہی نہیں ہے، پھر بیع کس بنیاد پر درست ہوگی، چنانچہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

"**هى بيع ثمر النخيل والشجر سنتين أوثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره، وهذا بيع باطل؛ لأنه مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن تخلق**" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۶۲، باب المنہی عنہا من البیوع، طبع فیصل دیوبند)۔

خلاصہ یہ کہ درخت یا باغ کو پھل آنے سے پہلے سال دو سال کے لئے خرید و فروخت کرنا تین وجہ سے حرام ہے: ۱- دھوکہ پر مبنی ہے، ۲- شئ معدوم کی بیع ہے، ۳- غیر مقدور التسلیم ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خرید و فروخت اور ائمہ اربعہ کے مذاہب:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خرید و فروخت کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں:

الف-بدوصلاح سے قبل پھلوں کی خرید وفروخت کرنا،ب-بدوصلاح کے بعد پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی خرید وفروخت کی تین صورتیں ہیں:

الف-درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

ب-توڑنے کی شرط کے ساتھ پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

ج-مطلقا پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

بدوصلاح کے بعد خرید وفروخت کی بھی تین صورتیں ہیں:

الف-درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

ب-توڑنے کی شرط کے ساتھ پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

ج-مطلقا پھلوں کی خرید وفروخت کرنا۔

(شکل اول) پہلی صورت میں بدوصلاح سے پہلے درخت پر پھل چھوڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے(بذل المجهود ۳/۲۸)، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:"**نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع**"(صحیح بخاری، حدیث نمبر:۲۱۹۴، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل یبدو صلاحها)، اور دوسری صورت (بدوصلاح کے بعد) میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور احناف کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے(بذل المجهود ۳/۲۹)۔

نوٹ: پہلی صورت سے مراد بدوصلاح سے قبل کی بیع ہے اور دوسری صورت سے مراد بدوصلاح کے بعد کی بیع ہے، شکل اول سے مراد دونوں صورتوں کی شق اول (الف) ہے، دوسری اور تیسری شکلوں کو اسی پر قیاس کرلیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث:"**نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها**" کا تقاضا بیع کی اباحت کا ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے بدوصلاح سے قبل ممکنہ غرر کے پیش نظر منع فرمایا ہے، اگر بدوصلاح کے بعد بھی جائز نہ ہو تو حدیث میں غایت کے ذکر کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا:"**نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها ويأمن العاهة**"، اس حدیث میں جواز بیع کی علت (مبیع کا) آفت سے محفوظ ہونا ذکر کیا ہے جو کہ پھل کے باقی رکھنے کی شرط پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ توڑنے کی صورت میں آفت کا کوئی خوف ہی نہیں ہوتا(اوجز المسالک ۳/۲۹)۔

احناف کی دلیل: درخت پر چھوڑنے کی شرط میں مشتری کی منفعت جڑی ہوئی ہے، اور اصول ہے ہر وہ شرط جس سے عاقدین میں سے کسی ایک کی منفعت جڑی ہوئی ہو، اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے،"**لأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملك الغير أو لأنه صفقة في صفقة**"(البحر الرائق ۵/۵۰۵)؛ جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بیع فاسد

نہیں ہوگی؛ کیونکہ بدوصلاح کے بعد درخت پر چھوڑنے کا عرف ہے برخلاف اس صورت کے جبکہ بڑھنا مکمل نہ ہوا؛ کیونکہ اس میں جز ومعدوم کی شرط ہے، اور وہ درخت یا زمین کی قوت سے معنوی طور پر اس میں اضافہ ہونا ہے، اور ''اسرار'' میں فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے، اور ''تحفہ'' میں ہے: شیخین کا قول درست ہے؛ کیونکہ درخت پر چھوڑنے کا تعامل نہیں ہے؛ بلکہ درخت پر چھوڑنا اجازت کے ساتھ بغیر شرط کے ہوتا ہے۔

''**فانه يقول: استحسن ان لا يفسد بشرط الترک بخلاف ما إذا لم يتناه لانه شرط فيه الجزء المعدوم وهو مايزاد بمعنى فى الأرض والشجر، وفى الإسرار الفتوى على قول محمد وبه أخذ الطحاوى......وفى التحفة: والصحيح قولهما**''(البحر الرائق ۵/۵۰۶، تبیین الحقائق ۴/۱۲، النہر الفائق ۳/۶۰، مجمع الأنہر ۳/۲۷، فتح القدیر: ۶/)۔

(شکل ثانی) پھل کو توڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنا دونوں صورت میں بالاتفاق جائز ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**أرأيت إذا منع الله الثمرة فبم يأخذ مال أخيه**''(سنن نسائی، حدیث نمبر: ۴۵۲۶)(غور کرو کہ اللہ تعالی پھلوں کو روک لے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدلے لے گا؟)۔

بدوصلاح سے قبل پھل کی بیع غرر (دھوکہ) کی وجہ سے ناجائز ہے؛ کیونکہ ممکن ہے پھل کسی آفت کے زیر اثر ہوکر ہلاک ہوجائے، اور مشتری کو دی ہوئی قیمت کے عوض کچھ حاصل نہ ہو، پھر بائع کے لئے مشتری کا مال لینا کیوں کر جائز ہوگا؟ اور جب ایسا نہ ہو؛ بلکہ فوراً پھل توڑنے کی شرط ہو تو دونوں صورت میں ''ممکنہ غرر'' کے ختم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق بیع درست ہوگی۔

''**قال الموفق: القسم الثانى: أن يبيعا بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع؛ لأن المنع انما خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها بدليل ماروى أنس ان النبى ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو قال: أرأيت اذا منع الله الثمرة بم ياخذ أحدكم مال اخيه......**''۔

(شکل ثالث) پہلی صورت میں بغیر شرط کے پھل فروخت کرنے کی صورت مختلف فیہ ہے، ''**قال الموفق: الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعى وأجازه ابو حنيفة**''(اوجز المسالک ۳/۲۸)، ''**قال الموفق: اذا بدا الصلاح فيها جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية الى حال الجزاز وبشرط القطع وبذلک قال مالک والشافعى وقال ابوحنيفة واصحابه: لايجوز بشرط التبقية**''(اوجز المسالک ۳/۲۹)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع درست ہے، اور دوسری صورت میں بالاتفاق

درست ہے۔

"قوله:(ومن با ع ثمرة لم يبد صلاحها) لاخلاف فی عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط الترک، ولا فی جوازه قبل بدوالصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به، ولا فی الجواز بعد بدوالصلاح...... والخلاف انما هو فی بيعها قبل بدوالصلاح علی الخلاف فی معناه لا بشرط القطع فعند مالک والشافعی واحمد لا يجوز،وعندنا ان کان بحال لا ينتفع به فی الاکل ولا فی علف الدواب، فيه خلاف بين المشائخ قيل لايجوز، ونسبه قاضيخان الی عامة مشائخنا والصحيح انه يجوز؛لأنه منتفع به فی ثانی الحال ان لم يکن منتفعا به فی الحال"(فتح القدیر ۶/۲۶۵)۔

خلاصہ کلام یہ کہ بشرط الترک پہلی صورت میں بالاتفاق ناجائز ہے اور دوسری صورت میں ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے، بشرط القطع دونوں صورت میں بالاتفاق جائز ہے، اور پہلی صورت میں بغیر کسی شرط کے پھلوں کی خرید وفروخت احناف کے یہاں جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں بیع باطل ہے، اور دوسری صورت میں بالاتفاق جائز ہے۔

۳- بدوصلاح کی مراد اور فقہاء کی آراء:

پھلوں کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں یہ اصول اور ضابطہ ہے: **"أن النبي ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"** (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۴۸۸، کتاب الزکاۃ، باب من باع ثمارہ وقد وجب فیہ العشر) (نبی کریم ﷺ نے پھلوں کے لائق استعمال ہونے سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے)، متعدد احادیث مبارکہ میں الفاظ کے فرق کے ساتھ یہ ضابطہ نقل کیا گیا ہے:

"عن ابن عمرؓ أن النبی ﷺ نهی عن بيع الثمار حتی يبدو صلاحها، نهی البائع والمبتا ع" (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۲۱۹۴، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہا)۔

"عن أنس بن مالکؓ أن رسول الله ﷺ نهی عن بيع الثمار حتی تزهی، فقيل له: يا رسول الله!وما تزهی؟قال:حتی تحمر أو تصفر، وقال رسول الله ﷺ: أرأيت إذا منع الله الثمرة فبم يأخذ أحدكم مال أخيه؟" (صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۲۱۹۸، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحہا، مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۱۸۰۸، کتاب البیوع، النہی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا)۔

”عن عائشةؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها، وتأمن من العاهة“(مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۴۷۴۴، مسند الصدیقۃ عائشہؓ حکم الحدیث: صحیح لغیرہ وہذا اسناد اختلف فی وصلہ وإ رسالہ علی أبی الرجال)۔

”عن عبد الرحمن بن حارثة عن أمه عمرة بنت عبد الرحمن أن رسول الله ﷺ: نهى عن بيع الثمار حتى تنجو من العاهة“(مؤطا امام مالک، حدیث نمبر:۱۸۰۹، کتاب البیوع، النہی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا، حکم الحدیث: اسنادہ حسن)۔

بدوصلاح امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں:

”بدوصلاح“ سے مراد پھل کا آفت اور فساد سے محفوظ اور قابل انتفاع ہونا ہے۔

”أن تؤمن من العاهة والفساد وإن كان بعضهم“(ردالمحتار ۴/۸۵، مجمع الأنہر ۳/۲۶، کتاب البیوع طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

بدوصلاح امام مالکؒ کی نظر میں:

بدوصلاح میں اشیاء کا لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً کھجور میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے اور اس میں رنگ پکڑ لے، انگور سیاہ ہوجائے اور اس میں حلاوت وشیرینی آجائے، اور ان کے علاوہ پھلوں میں ”بدوصلاح“ مٹھاس آنا ہے، ”خس“ اور ”کسم“ میں ان دونوں کا منتفع بہ ہونا، اور تمام سبزیوں میں ان کا کھانے کے لائق ہونا اور کھیتی کے دانہ میں اس کا خشک اور سخت ہونا ہے،”فهو في التمر: ان يحمر ويصفر، ويزهو، وفي العنب: ان يسود وتبدو الحلاوة فيه، وفي غيرهما من الثمار حصول الحلاوة، وفي الخس والعصفر: ان ينتفع بهما، وفي سائر البقول: ان تطيب للاكل، وفي الزرع والحب: ان ييبس ويشتد“۔

بدوصلاح امام شافعیؒ کی نظر میں:

شافعیہ نے پھل اور اس کے علاوہ میں مثلاً کھیتی میں ”بدوصلاح“ کا معنی پکنے اور مٹھاس کے آثار کا ظاہر ہوجانا قرار دیا ہے، یہ ان چیزوں میں ہے جن میں رنگ نہیں آتا ہے، اور جن میں رنگ آتا ہے ان میں بدوصلاح یہ ہے کہ سرخی یا زردی کی شروعات ہوجائے، شافعیہ نے آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں، جن سے ”بدوصلاح“ کو جانا جاسکے۔

۱- رنگ، ہر ایسے پھل میں جو کھایا جاتا ہو، اور رنگ پکڑنے والا ہو اگر اس میں سرخی یا زردی شروع ہوجائے، مثلاً کچی کھجور، عناب، خوبانی، آلو بخارا۔

۲- مزہ، مثلاً گنے کی مٹھاس اور انار کی ترشی۔ ۳- پکنا اور نرم ہونا، مثلاً انجیر اور تربوزہ۔

۴-مضبوط ہونا اور سخت ہونا، مثلاً گیہوں اور جو۔ ۵-لمبا ہونا اور بھر جانا، مثلاً چارہ اور سبزیاں۔

۶-بڑا ہونا، مثلاً ککڑی کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائے۔ ۷-اس کے غلاف کا پھٹنا، مثلاً روئی اور آخروٹ۔

۸-کھل جانا، مثلاً گلاب کا پھول (شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۳۵، حاشیۃ الجمل علی شرح المنہاج ۳/ ۲۰۴، البجیرمی علی الخطیب ۳/ ۳۳۸، کتاب البیوع وغیرہا من انواع المعلومات، فصل فی احکام الخیار)۔

بدوصلاح امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں:

بدوصلاح سے مراد پھل کے رنگ کا بدلنا ہے؛ چنانچہ موفق حنبلیؒ لکھتے ہیں: خلاصہ یہ کہ جس پھل کا رنگ اس کے صلاح کے وقت بدل جاتا ہو مثلاً کھجور، کالا انگور، اور آلو بخارا تو اس کا بدوصلاح اس کے رنگ بدل جانے سے ہوگا، اور اگر انگور سفید ہو تو اس کا بدوصلاح ''تموہ'' ہے، یعنی اس میں میٹھا پانی ظاہر ہو اور نرم ہوجائے، اور اس کا رنگ زرد ہوجائے، اور اگر پھل ایسا ہو کہ جس میں رنگ نہیں آتا مثلاً سیب وغیرہ، تو اس میں بدوصلاح میٹھا اور عمدہ ہونا ہے، اور اگر تربوزہ وغیرہ ہو تو اس میں بدوصلاح پکنا ہے، اور جس پھل کا رنگ نہیں بدلتا اور عمدہ ہونے پر چھوٹی بڑی ہر شکل میں کھایا جاتا ہے، مثلاً ککڑی، اور کھیرا وغیرہ تو اس میں بدوصلاح عادتاً کھانے کے لائق ہونا ہے (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۵۹، اوجز المسالک ۵/ ۲۷)۔

خلاصہ کلام یہ کہ احناف نے بدوصلاح سے پھل کا آفت اور فساد سے محفوظ ہونا مراد لیا ہے، یعنی پھل بالکل ظاہر ہوجائے، اور جمہور ائمہ نے پھل میں مٹھاس اور پکنے کی شروعات کا اعتبار کیا ہے اور کھیتی کے دانہ میں اس کے سخت ہونے کا اعتبار کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۲۶۰)۔

۴-الف: پھل آنے سے پہلے فروخت کرنے کا حکم:

خرید وفروخت کے درست ہونے کے لئے حسب ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱-مبیع کا موجود ہونا، ۲-مبیع کا مال متقوم ہونا، ۳-مبیع کا ذاتی طور پر مملوکہ ہونا، ۴-بائع کی ملکیت کا ہونا، ۵-سپردگی پر قادر ہونا، ۶-معدوم ہونے کا اندیشہ نہ ہونا، **''وشرط المعقود علیه ستة: ۱-وکونه موجودا، ۲-مالا متقوما، ۳-مملوکا فی نفسه، ۴-وکون الملک للبائع فیما یبیعه لنفسه، ۵-وکونه مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم، ۶-وما له خطر العدم''** (رد المحتار علی الدر المختار ۷/ ۴، کتاب البیع)۔

شرائط مذکورہ کی خلاف ورزی عاقدین کے درمیان جھگڑے کا سبب بنے گی، اور اصول ہے کہ ہر وہ چیز جو عاقدین کے درمیان جھگڑے کا سبب بنے اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛ اس لئے عقد کے وقت مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **''لاتبع مالیس عندک''** (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۳۲، سنن نسائی، حدیث نمبر: ۴۶۱۳، سنن ابوداؤد، حدیث

نمبر:۳۵۰۳)(یعنی جو چیز تمہاری ملکیت نہ ہو اسے مت فروخت کرو)، ایک اور حدیث میں ہے:"نهى عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر"(صحیح مسلم،حدیث نمبر:۱۵۱۳،سنن ابوداؤد،حدیث نمبر:۴۵۲۲)(رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا)۔

بیع غرر کی تعریف علامہ ظفر عثمانیؒ نے یہ کی ہے:"هو كل بيع دخله الغرر بوجه من الوجوه"(اعلاء السنن ۱۴/ ۱۲۲،النہی عن بیع الغرر،طبع مکتبہ اشرفیہ دیوبند)(ہر وہ عقد جس میں کسی بھی اعتبار سے غرر، دھوکہ،فریب اور جہالت کا شائبہ نہ پایا جاتا ہو)۔

شیخ الاسلام امام نوویؒ فرماتے ہیں:"النهى عن بيع الغرر"شریعت کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے، جس کے تحت بہت سارے مسائل آئیں گے،"قال النووی:النهى عن بيع الغرر أصل من أصول الشريعة يدخل تحته مسائل كثيرة جدا، وخص من بعض الافراد بالاجماع"(اعلاء السنن ۱۴/ ۱۲۲،النہی عن بیع الغرر)۔

خلاصہ یہ کہ پھل آنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا درج ذیل اسباب کی بنیاد پر حرام ہے:الف-معدوم شی کی بیع ہے،ب-غرر پر مبنی بیع ہے، ج-مبیع غیر مقدور التسلیم ہے؛ کیونکہ عقد کے وقت مبیع نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ عقد کے بعد پھل ہی نہ نکلے یا نکلے لیکن صحیح سالم نہ نکلے،ظاہر ہے ان سب کی موجودگی میں بائع ،مشتری سے مال کس چیز کے عوض لے گا؟ اللہ تعالی کا صریح فرمان ہے:"ولا تاكلوا أموالكم بينكم بالباطل"(سورۂ بقرہ:۱۸۸)(تم کسی کا مال باطل طریقہ پر مت کھاؤ)، نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:"أرأيت إذا منع الله الثمرة فبم يأخذ أحدكم مال أخيه؟"(سنن نسائی،حدیث نمبر:۴۵۲۶)۔

حضرات فقہاء نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

"لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر"(فتح القدیر ۶/ ۲۶۵، کتاب البیع،فصل ومن باع دارا،طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت، نیز دیکھئے:المحیط البرہانی ۶/ ۳۳۳، کتاب البیع /الفصل السادس /نوع آخر،طبع دارالکتب العلمیہ بیروت، البنایہ ۸/ ۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، البحر الرائق ۵/ ۵۰۲، کتاب البیع،طبع دار الکتاب دیوبند، الفتاوی الہندیہ ۳/ ۱۰۶، کتاب البیع / باب التاسع فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز، فصل الثانی،طبع دار الکتاب دیوبند، تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۷، کتاب البیوع /حکم مایتعامل بہ الناس الیوم)۔

۴-ب: باغ کے بعض درختوں میں پھل آنے کی صورت میں بیع کا حکم:

کتب فقہ میں یہ مسئلہ "مسئلة الثمرة المتلاحقة"(یعنی یکے بعد دیگرے پھلوں کا آنا) کے نام سے متعارف ہے،فقہاء احناف کے درمیان یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، احناف کا اصل مذہب اس کے عدم جواز کا ہے؛ کیونکہ بیع کی صحت کے لئے عقد کے وقت مکمل مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے اور یہاں مبیع کا کچھ حصہ موجود ہے اور کچھ غیر موجود ہے؛ اس لئے درخت

یا باغ میں کچھ پھل آئے ہوں اور کچھ آنے باقی ہوں تو ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے: "نهى النبی ﷺ عن بيع ماليس عند الانسان ورخص فی السلم" (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۳۲، سنن نسائی، حدیث نمبر: ۴۶۱۳، سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۵۰۳) (نبی کریم ﷺ نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس یا اس کی ملکیت میں نہ ہو اور بیع سلم میں اجازت دی ہے)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: "منها: أن يكون موجوداً فلا ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۴/۳۲۶، ۳۳۹، ۳۴۰، کتاب البیوع، البحر الرائق ۴/۴۴، کتاب البیوع)۔

تاہم بعض فقہاء احناف جیسے شمس الأئمہ حلوانی اور ابوبکر محمد بن فضل بخاری رحمہم اللہ نے لوگوں کی ضرورت اور تعامل ناس کی وجہ سے استحساناً اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، بایں طور کہ درخت پر یا باغ میں موجود پھل کو اصل قرار دے دیا جائے اور غیر موجود پھل اس کے تابع ہوں؛ چنانچہ ہندیہ میں مبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے:

"ولو باع كل الثمر وقد ظهر البعض دون البعض فظاهر المذهب أنه لا يصح وكان شمس الائمة الحلوانی والفضلی يفتيان بالجواز فی الثمار والباذنجان والبطيخ، وغير ذلک ويجعلان الموجود أصلا فی العقد والمعدوم وتبعا استحسانا لتعامل الناس وإلا أنه لا يجوز كذا فی المبسوط" (الفتاوی الہندیہ ۳/۱۰۶، نیز دیکھئے: المحیط البرہانی ۶/۳۳۴، اللباب فی شرح الکتاب رص ۲۰۱)۔

بعض فقہی کتابوں میں یہ قید بھی منقول ہے کہ اس کی بیع استحساناً تعامل ناس اور ضرورت کے پیش نظر اسی وقت جائز ہوگی؛ جبکہ باغ میں موجود پھل زیادہ ہوں، اس شرط کے تعلق سے مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے؛ بلکہ اصل پھل کا وجود ضروری ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس سے کوئی بحث نہیں ہے، صاحب فتح القدیر "استحسان" کی وجہ تحریر کرتے ہیں کہ: لوگ اس جیسی بیع انگور کے پھلوں میں کرتے تھے اور ان کی عادت اس سلسلہ میں متعارف ہے، جس سے ان کو ہٹانے میں حرج ہے، اور میں نے اس تعلق سے امام محمدؒ سے ایک روایت دیکھی ہے: جس میں انہوں نے گلاب کے پھولوں کی بیع درخت پر جائز قرار دیا ہے؛ جبکہ یہ معلوم ہے کہ سارے پھول ایک ساتھ نہیں کھلتے ہیں؛ لیکن یکے بعد دیگرے کھلتے ہیں (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۷)۔

صاحب ہدایہ، علامہ زیلعی اور شمس الائمہ سرخسی رحمہم اللہ نے "ضرورت" کی نفی کی ہے، اور اس سے نجات کی تین شکلیں ذکر کی ہیں:

الف- فروخت کنندہ کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ خریدار کو درخت ہی فروخت کردے۔

ب- یا خریدار موجود پھل کو اس کے حصہ ثمن کے عوض خرید لے اور غیر موجود پھل کے آنے تک بیع کو مؤخر کردے۔

ج- یا موجودہ پھل کو پوری قیمت کے عوض لے لے اور فروخت کنندہ خریدار کو آنے والے پھل سے انتفاع کی اجازت دے دے (دیکھئے: تبیین الحقائق ۵/۱۲، ہدایہ ۳/۱۱)۔

علامہ شامی کی رائے:

۱-"قلت: لكن لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا، ولا سيما في مثل دمشق الشام كثرة الاشجار والثمار، فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن ذلك بالنسبة إلى أفراد الناس لا يمكن بالنسبة إلى عامتهم وفي نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت، ويلزم تحريم أكل الثمار في هذه البلدان إذ لا تباع إلا كذلك، والنبي ﷺ انما رخص في السلم للضرورة مع أنه بيع المعدوم، فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا أمكن إلحاقه بالسلم بطريق الدلالة، فلم يكن متصادما للنص، فلذاجعلوه من الاستحسان،لأن القياس عدم الجواز، وظاهر كلام الفتح إلى الجواز، ولذا أورد له الرواية عن محمد، بل تقدم أن الحلواني رواه عن أصحابنا، وماضاق الأمر إلا اتسع ولا يخفى أن هذا مسوغ للعدل عن ظاهر الرواية" (ردالمحتار علی الدر المختار ۶/۸۶، کتاب البیوع رمطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا)۔

ہمارے زمانے میں ضرورت کا پایا جانا مخفی نہیں اور خاص طور پر دمشق شام جیسے علاقہ میں جہاں درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے؛ کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے مذکورہ کسی طریقہ کو اختیار کرکے اس سے بچنے پر ان کو مجبور کرنا ناممکن ہے، اگر بعض افراد کے لحاظ سے ایسا ممکن ہو بھی تو عام لوگوں کے لحاظ سے ناممکن ہے، اور لوگوں کو ان کی عادت سے ہٹانے میں حرج ہے (جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے)، اور لازم آئے گا کہ ان شہروں میں پھل کھانا حرام قرار دیا جائے؛ اس لئے کہ ان کی بیع اسی طرح سے ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے سلم کی رخصت محض ضرورت کی بنا پر دی ہے؛ حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے، چونکہ یہاں بھی ضرورت ومجبوری پائی جارہی ہے؛ اس لئے بطریق دلالت اس کو سلم کے حکم میں شامل کرنا ممکن ہے؛ لہذا یہ نص سے متصادم نہیں، اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کو استحسان کے قبیل سے قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ قیاس عدم جواز کا ہے، اور فتح القدیر کے کلام کا ظاہر جواز کی طرف میلان ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اس کے لئے امام محمدؒ کی روایت ذکر کی ہے؛ بلکہ اس کو حلوانی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے، اور جس معاملہ میں تنگی ہوجاتی ہے اس میں گنجائش نکل آتی ہے، اور مخفی نہیں کہ ظاہر الروایت سے عدول کرنے کے لئے اتنا کافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ خرید وفروخت کا یہ طریقہ کار پہلے بھی مروج تھا اور ان دنوں بھی مروج ہے، نیز تاجرین کی اکثریت بھی ہر زمانے میں ان لوگوں کی رہی ہے اور ہے، جنہیں شریعت سے صرف مسلمان ہونے کی حد تک مطلب ہوتا ہے، اسلام سے ان کا دور دور کا رشتہ بھی نہیں ہوتا؛ اس لئے ان حالات میں اگر عدم جواز کے قول کو لازم قرار دیں گے تو ایسی صورت میں بازار میں فروخت شدہ پھل یقیناً حلال کے دائرہ میں نہ آئیں گے؛ کیونکہ عموماً درخت پر ہی پھل خرید لئے جاتے ہیں جس میں موجود وعدم موجود دونوں طرح کے پھل ہوتے ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت اور لوگوں کے تعامل کے پیش نظر جواز کا قول راجح ہو؛ کیونکہ عوام الناس کے لئے عافیت اور تنگی سے نجات اسی قول پر عمل آوری میں ہے، علامہ شامیؒ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی چند وجہ بھی تحریر کی ہے جو حسب ذیل ہے:

الف- اگر ضرورت کی نفی والے قول کو فرض بھی کرلیں تو یہ خواص کے حق میں ممکن ہوسکتا ہے عوام کے حق میں نہیں۔

ب- ضرورت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ''بیع سلم'' کی اجازت دی ہے، جو ضرورت یہاں بھی موجود ہے؛ اس لئے خرید وفروخت کے اس طریقہ کار کو بیع سلم کے حکم میں داخل کرنا ممکن ہے۔

ج- علامہ شامیؒ جواز کی تائید میں لکھتے ہیں کہ ابن ہمام کا رجحان بھی جواز ہی کا ہے۔

د- فقہی قاعدہ ہے: ''إذا ضاق الأمر اتسع'' جب کسی معاملہ میں تنگی پیدا ہوجاتی ہے تو اس میں گنجائش کا پہلو نکل آتا ہے۔

۴-(ج): قابل استعمال ہونے سے قبل پھل کی فروختگی کا حکم:

درخت پر تمام پھل ظاہر ہوچکے ہوں؛ لیکن وہ نہ تو انسان کے کھانے کے لائق ہوئے ہوں اور نہ ہی جانوروں کے، تو یہ صورت احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے، صاحب فتاوی قاضی خان فرماتے ہیں کہ عام مشائخ احناف کے نزدیک اس کی بیع ناجائز ہے، اور صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ اس کی بیع جائز ہے، صاحب ہدایہ جواز کے قول کو اصح قرار دیتے ہیں، اس کی مزید وضاحت سوال نمبر ۵ (شق-الف) میں ہے (ہدایہ ۳/۱۰، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۷)۔

۵-الف: پھل توڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنے کا حکم:

پھل کے قابل انتفاع ہونے سے پہلے فریقین کے درمیان اگر یہ معاہدہ طے پائے کہ خریدار پھل بوقت خریداری توڑے گا تو بیع درست ہوگی، اور اسی وقت خریدار پر پھل توڑ کر درخت کی حوالگی ضروری ہوگی، جمہور فقہاء نے اس کے صحت جواز پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: ''**والحاصل أن بيع مالم يبد صلاحه إما بشرط القطع هو جائز بالاتفاق**'' (فتح القدیر ۶/۲۶۸، بدایۃ المجتہد ۲/۲۶۲، شرح مسلم ۱۰/۱۸۱، المغنی لابن قدامہ ۶/۱۴۹، الفروع ۴/۱۶۵، الافصاح ۱/۲۸۵)۔

خلاصہ کلام یہ کہ قابل انتفاع ہونے سے پہلے پھل توڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

بدوصلاح سے قبل جواز بیع کی شرائط:

جمہور فقہاء نے لائق استعمال ہونے سے پہلے پھل فروخت کرنے کی اجازت چند شرطوں کی ساتھ دی ہے جن میں سے بعض متفق علیہ ہے اور بعض کسی ایک مذہب میں شرط ہے دوسرے میں نہیں، وہ حسب ذیل ہے:

۱-''أن يكون منتفعا به''(پھل قابل انتفاع ہو)۔

یہ شرط ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے؛ البتہ اس کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے، احناف اپنے اصح قول میں اور اسی طرح مالکیہ علی الاطلاق انتفاع کے قائل ہیں، حنفیہ نے صراحت کی ہے کہ انتفاع فی الحال ہو یا آئندہ زمانے میں ہو دونوں کو شامل ہے، فقہی کتابوں میں اسی کو مآل اور ثانی الحال سے تعبیر کیا ہے، شوافع اور حنابلہ نے جواز کو فی الحال انتفاع کے ساتھ مقید کیا ہے، اور شافعیہ نے ''منفعت'' کی قید میں یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ منفعت غرض صحیح کے لئے مقصود ہو (الموسوعۃ الفقہیۃ ۹/۱۹۰)۔

۲-''أن يحتاج اليه المتبايعان أو أحدهما''(عاقدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو اس کی ضرورت ہو)۔

۳-''أن لا يكثر ذلک بين الناس ولا يتعاونوا عليه'' (لوگوں میں بکثرت ایسا نہ ہو اور لوگ ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں)۔

اس کی وضاحت مالکیہ نے کی ہے، ان کے نزدیک ان میں سے کسی شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں بیع درست نہیں ہوگی۔

۴-''نص عليه الحنابلة وهو أن لايكون ما بيع قبل بدوصلاحه مشاعا''(موسوعہ فقہیہ ۹/۱۹۱، بیع منہی عنہ، طبع وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ کویت)، اس کی وضاحت حنابلہ نے کی ہے، وہ یہ کہ بدوصلاح سے قبل فروخت کی گئی چیز غیر معین نہ ہو۔

۵-ب: چھوڑنے کی شرط کے ساتھ پھل فروخت کرنے کا حکم:

خرید وفروخت کا اصول ہے کہ: عقد ایسی شرط سے خالی ہو جس میں فریقین میں سے کسی ایک کا فائدہ ہو، فقہ کی اصطلاح میں اسے مقتضاء عقد کے خلاف شرط کہا جاتا ہے؛ کیونکہ عقد لزوم کا تقاضا کرتا ہے، یعنی خریدار نے سامان خرید کرلیا اور فروخت کنندہ نے اپنا سامان فروخت کردیا تو ہر ایک بدلین (مبیع اور ثمن) کا فوری طور پر مالک ہوگیا؛ لہذا ہر ایک اپنے اوپر عائد ذمہ داری کو پورا کرے یعنی خریدار ثمن (روپیہ) بائع کے حوالہ کردے اور بیچنے والا مبیع (سامان) مشتری کے حوالہ کردے، مشتری کا درخت پر پکنے تک چھوڑنے کی شرط لگانا عقد کے اصول کے خلاف ہے؛ لہذا یہ بیع درست نہیں ہوگی، فقہاء

نے اس کے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"ولا خلاف......فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک" (فتح القدیر ۶/ ۲۶۴، ہدایہ ۳/ ۱۰، مجمع الأنہر ۳/ ۷، تبیین الحقائق ۳/ ۱۲، النہر الفائق ۴/ ۵۹، تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۸۷، کتاب البیوع، فیض الباری ۳/ ۴۸۷، کتاب البیوع)۔

۵-ج: بغیر کسی شرط کے پھل فروخت کرنے کا حکم:

فریقین نے پھل خرید وفروخت کرتے وقت پہلی دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں لگائی ہو، تو یہ صورت ائمہ ثلاثہ اور احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے اور احناف کے نزدیک جائز ہے؛ لیکن فی الوقت اگر کسی لائق نہ ہو تو اس کی بیع میں احناف کے درمیان بھی اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق ناجائز ہے، قاضی خان نے اس قول کو عام مشائخ احناف کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن صحیح قول جواز کا ہے اور امام محمدؒ کا رجحان بھی یہی ہے، اگر کسی شخص نے پھل نمودار ہونے کے وقت ہی خریدا اور بائع کی اجازت سے اسے پکنے تک چھوڑ دیا تو عشر مشتری پر واجب ہوگا، اگر بیع جائز نہ ہوتی تو اس میں مشتری پر عشر واجب نہیں ہوتا۔

"فصار محل الخلاف البيع بعد الظهور قبل بدو الصلاح مطلقا ای لابشرط القطع ولا بشرط الترک، فعند الأئمة الثلاثة لا يجوز، وعندنا يجوز، ولكن اختلفوا فيما اذا كان غير منتفع به الآن أكلا وعلفا للدواب؛ فقيل بعدم الجواز، ونسبه قاضيخان لعامة مشائخنا، والصحيح يجوز كما قدمنا، قد أشار عليه محمد رحمه الله فی كتاب الزكاة فان قال لو با ع الثمار اول ماتطلع وتركها باذن البائع حتى ادرک فالعشر على المشترى فان لم يكن جائزا لم يوجب فيه على المشترى العشر" (البحر الرائق ۴/ ۵۰۲، فیض الباری ۳/ ۴۸۷، ہدایہ ۳/ ۱۰، فتح القدیر ۶/ ۲۶۵، کتاب البیوع، تبیین الحقائق ۴/ ۱۲، النہر الفائق ۴/ ۵۹، تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۸۷)۔

مطلقاً خرید کر درخت پر چھوڑنے کا حکم:

اگر کسی شخص نے علی الاطلاق پھل خرید کر درخت پر چھوڑ دیا اور فروخت کنندہ نے بھی توڑنے کو نہیں کہا تو پھل کا استعمال خریدار کے لئے درست ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

الف- علامہ شامیؒ کی رائے عدم جواز کی ہے۔

ب- علامہ کشمیری، صاحب ہدایہ، علامہ ابن ہمام، ابن تیمیہ کی رائے جواز کی ہے۔

علامہ شامی کی رائے:

علامہ شامی فرماتے ہیں: اگر خرید کر درخت پر چھوڑنے کا عرف ہو تو وہ "المعروف كالمشروط" کے درجہ میں

ہوگا اور بیع فاسد ہوگی اور اس کا استعمال حرام ہوگا، جیسا کہ بشرط الترک کی صورت میں حرام ہے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"وظاهره لو كان الترک متعارفا مع أنهم قالوا المعروف عرفا كالمشروط نصا، ومقتضاه فساد البيع وعدم الحل"(ردالمحتار ۶/۸۷، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودا)۔

علامہ کشمیریؒ کی رائے:

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ زیادتی مشتری کے لئے جائز اور حلال ہوگی؛ اگر چھوڑنے کا عرف بھی ہو تو وہ "**المعروف كالمشروط**" کے درجہ میں نہیں ہوگا، اسی کے قائل صاحب ہدایہ، علامہ ابن ہمام اور ابن تیمیہؒ ہیں، علامہ شامی نے جو تفصیل ذکر کی ہے وہ میرے نزدیک غیر پسندیدہ ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

"قلت: وتفصيل الشامي ليس بمختار عندی، فيجوز له الفضل وان كان الترک معروفا، ولا يكون كالمشروط، وانما دعاني إلى ترک تفصيله ما حرره ابن الهمام فی ذيل سوال وجواب من هذا المقام، ويظهر منه كونه طيبا بدون فصل فراجعه من هذا الباب، وكذا نقله ابن تيمية عن أبي حنيفة فی فتاواه ما حصله ما فی الهداية فتفصيل الشامی غير مختار عندی.

والحاصل:أن الشرط إذا لم يكن فی العقد، ولم يأمره البائع بالقطع طاب له الفضل تركه، سواء كان معروفا أولا، ولا التفت إلى ما قاله الشامي:إن المعروف كالمشروط بعد ما وجدت عن الامام رواية عن الامام عند الحافظ ابن تيمية فی فتاواه"(فیض الباری ۳/۸۷۴، کتاب البیوع)۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب پھل چھوڑنے کی شرط (صلب) عقد میں نہ ہو اور نہ ہی فروخت کنندہ نے خریدار کو توڑنے کو کہا تو درخت پر چھوڑے ہوئے پھل میں جو زیادتی ہوئی ہوگی وہ مشتری کے لئے حلال ہوگی، خواہ چھوڑنے کا عرف ہو یا نہ ہو۔

۶-پھل خرید کر درخت کرایہ پر لینے کا حکم:

اجارہ کی لغوی تعریف: اجارہ یہ اجر سے مشتق ہے جس کے معنی عوض کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: کسی عوض کے بدلہ منفعت پر معاملہ کرنے کو اجارہ کہتے ہیں۔

درخت کو کرایہ پر لینا حقیقت میں پھل سے کامل طریقہ پر فائدہ اٹھانا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ درخت کی منفعت نہیں ہے؛ کیونکہ اجارہ میں معاملہ کسی چیز سے حاصل ہونے والے فائدہ پر ہوتا ہے نہ کہ اصل چیز پر، اور یہاں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے، فقہ السنۃ میں ہے:

"الإجارة مشتقة من الأجر وهو العوض، ومنه سمی الثواب أجرا، وفی الشرع عقد على

المنافع بعوض فلا یصح استئجار الشجر من أجل الانتفاع بالثمر لأن الشجر لیس منتفعة......والعقد یرد علی المنفعة لا للعین'' (فقہ السنۃ ۳/ ۱۳۸،اختلاف الائمۃ العلماء ۲/ ۲۷)۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:''**لأن الاجارۃ باطلۃ لعدم التعارف والحاجۃ**''(ہدایہ ۳/ ۱۱)(اجارہ عرف اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے)۔

علامہ عبد الحی لکھنویؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''**قوله: (لعدم التعارف)لأن التعارف لم یجر فیما بین الناس باستئجار الشجر ولهذا لو استأجر نخیلا یجفف علیه الثیاب لا یجوز.**

قوله: (والحاجة) ای لعدم الحاجة إلی ذلک؛ لأن الحاجة إلی الترک بالإجارة إنما تحقق إذا لم یکن مخلص سوانا وههنا یمکن للمشتری أن یشتری الثمار مع أصولها''(حاشیہ ہدایہ ۳/ ۱۱)۔

اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ درخت کو کرایہ پر لے کر بالا جازت چھوڑنے کی ضرورت اس وقت متحقق ہوتی جبکہ اس کے علاوہ خلاصی اور نجات کی کوئی اور صورت نہ ہوتی؛ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے، بلکہ مشتری کے لئے پھل کو درخت کے ساتھ خریدنا ممکن ہے۔

تاہم اگر کسی شخص نے درخت کو کرایہ پر لے کر پھل کو تیار ہونے تک درخت پر چھوڑ دیا تو اس درمیانی مدت میں پھل میں جو اضافہ ہوا ہے وہ مشتری کے لئے جائز اور حلال ہوگا؛ کیونکہ اجارہ باطل ہے اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا؛ لہذا اجازت باقی رہے گی، اور اسی کے پیش نظر پھل کا استعمال مشتری کے لئے حلال ہوگا؛ جیسا کہ سابق میں آیا ہے کہ خریدار مشتری کی اجازت سے پھل درخت پر چھوڑ دے تو زیادتی اس کے لئے حلال ہے، یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی ہے، النہر الفائق میں ہے:''**ولو استأجر النخیل إلی وقت الادراک طاب له ایضا بخلاف ما اشتری الزرع......والفرق أن الاجارة فی الأول باطلة والباطل لاوجود له فلم یوجد إلا الاذن، وفی الثانی فاسدة والفاسد له وجود فکان ثابتا فی ضمن عقد فاسد فارثت خبثا**''(النہر الفائق ۵/ ۳۵۹،تبیین الحقائق ۴/ ۲،مجمع الأنہر،البحر الرائق/ ۵۰۶)۔

خلاصہ کلام یہ کہ درخت کو کرایہ پر لینے کا عرف نہیں ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے؛ تاہم اگر کسی نے لے ہی لیا تو اجارہ باطل ہوگا، اور اجازت کے باقی رہنے کی وجہ سے زیادتی حلال ہوگی۔

۸-پھل کی آمد سے قبل خرید وفروخت کو بیع سلم پر قیاس کرنا:

بیع سلم کی تعریف: فقہاء کی اصطلاح میں بیع سلم کہتے ہیں پیشگی ثمن لے کر تاخیر سے مبیع دینے کو۔

”وفی اصطلاح الفقهاء قیل هو أخذ عاجل بآجل“(حاشیہ ہدایہ ۳/۷۵)۔

بیع سلم میں مسلم فیہ (مبیع) کا عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی تک احناف کے یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔

”ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذلک لا یجوز“ (ہدایہ ۳/۷۷)۔

ذکر کردہ وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیع سلم کی صحت کے لئے عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی تک مسلم فیہ کا مارکٹ میں موجود ہونا ضروری ہے، اگر اس شرط کو نظر انداز کر کے صرف ادائیگی کے وقت مسلم فیہ کی موجودگی کا اعتبار کریں، تو اس حد تک گنجائش ہونی چاہئے جیسا کہ بعض ارباب علم کے یہاں اس کی گنجائش ہے؛ لیکن دوسری جو شرطیں ہیں، مثلاً مسلم فیہ (مبیع) کی مقدار اور اس کی سپردگی کے وقت کی تعیین، تو ان دونوں کا سرے سے یہاں کوئی وجود ہی نہیں ہے، لہذا پھل کی آمد سے قبل خرید وفروخت کو بیع سلم پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

”ولا ینعقد هذا البیع سلما لفقدان شرائطه من کون المبیع موجودا من حین العقد الی تسلیم المبیع، ومن کون المبیع معلوم القدر وکون الاجل معینا وغیر ذلک“۔

نیز مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ حرام ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں ایسی کوئی ضرورت متحقق نہیں ہے، جس کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا جائے، دوسرے یہ کہ ضرورت کی بنا پر حرام اسی وقت حلال ہوتا ہے؛ جبکہ وہ کسی اصل شرعی کے تحت داخل ہو، اور یہاں ایسی کوئی وجہ نہیں ہے؛ کیونکہ مبیع اصل میں موجود ہی نہیں ہے (تکملة فتح الملہم ۱/۳۷۶)۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی☆

تمہید:

شریعت اسلامیہ میں خرید وفروخت کی مختلف شکلیں جاری ہیں جن سے لوگ روزہ مرشریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے معاملات انجام دے کر مستفید ہوتے ہیں، شریعت مطہرہ کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ فریقین میں سے کسی کو نقصان یا دھوکہ کا سامنا نہ ہو، جانبین کو کسی خسارہ ونقصان سے سابقہ نہ پڑے، اس لئے وہ تمام طریقے تجارت ولین دین کے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں، جن میں غش وغرر موجود ہے، ارشاد نبوی علیہ السلام ہے: "**عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن بيع الغرر**" (رواہ الطبرانی فی الاوسط ۱۴۶/۴) (آپ علیہ السلام نے دھوکہ دھڑی کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

آج کل مروجہ صورت میں باغات کے پھلوں کو کئی کئی سالوں تک کے لئے فروخت کر دیا جاتا ہے جہاں مبیع کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا ہے، اس کو شریعت میں بیع معاومہ یا بیع سنین کہا جاتا ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے: "**روى جابر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن بيع السنين**" (صحیح مسلم ۱۱/۲، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۰۰/۹)۔

۱- بیع معاومہ کا مصداق وتعریف حضرات محدثین وفقہاء کی توضیحات کی روشنی میں درج ذیل ہیں:

۱- معاومہ کے اندر عام کا مفہوم ہے جس کے معنی سال کے ہیں، ایک یا ایک سے زائد سالوں تک درختوں کے پھلوں کو بیچنا معاومہ کہلاتا ہے، جس کو بیع سنین بھی کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہے: "**عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة**" (صحیح مسلم ۱۱/۲)، روایت میں ہے: "**قال أحدهما بيع السنين هي المعاومة**" (صحیح مسلم ۱۱/۲)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "**المعاومة مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر والمراد منه بيع ماتحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فاكثر، والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد كما صرح في هذه الرواية**" (معاومہ باب مفاعلۃ سے عام بمعنی سال

☆ استاذ مدرسہ معراج العلوم چیتا کیمپ، ممبئی۔

سے مشتق ہے جیسے کہ مسانہہ سنہ (سال) سے اور مشاہرہ شہر (ماہ) سے مشتق ہے، مراد اس سے مخصوص درخت کے پھل کو ایک یا اس سے زیادہ سالوں تک فروخت کرنا ہے، معاومہ اور بیع سنین دونوں کے معنی ایک ہیں جیسا کہ اس روایت میں صراحت ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/۴۳۱)، اس کی حرمت کی وجہ غرر و دھوکہ ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، "**وإنماحرم لكونه بيع غرر لانه بيع مالم يخلق الله تعالى بعد**" (دیکھئے: جامع الاصول لابن الاثیر ۱/۴۸۱، بذل المجہود ۵/۲۵۱، تکملہ فتح الملہم ۱/۴۳۱)۔

۲- علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "**أما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلثة أو اكثر فسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره بهذه الاحاديث ولأنه بيع معدوم ومجهول وغير مقدور التسليم وغير مملوك للعاقد**" (بیع معاومہ اور بیع سنین کا مطلب یہ ہے کہ درخت کے پھل کو دو یا تین یا اس سے زائد سالوں تک فروخت کردیں، اس لئے اس کو بیع معاومہ اور بیع سنین کہتے ہیں اور بالاجماع باطل ہے، ابن المنذرؒ نے اس کے باطل ہونے پر احادیث مذکورہ کی وجہ سے اجماع نقل کیا ہے، اور اس لئے بھی باطل ہے کہ یہ مجہول و معدوم کی بیع ہے جس پر عاقد قادر التسلیم نہیں ہے اور وہ اس کی ملکیت میں نہیں ہے (شرح نووی ۲/۱۰)۔

۳- مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: "**المعاومة وهى مفاعلة من العام كالمسانهة من السنة والمشاهره من الشهر والمراد بيع ماتحمله هذه الشجرة مثلا سنة فاكثر وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق فهو بيع المعدوم**" (بذل المجہود ۴/۲۵۱) (یعنی درخت پر آنے والے پھلوں کو ایک یا زیادہ سالوں تک فروخت کرنا، اور یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز و باطل ہے)۔

بیع معاومہ اور بیع سنین ایک ہیں: "**عن أبى الزبير وسعيد بن ميناء عن جابر بن عبد اللهؓ أن النبىﷺ نهى عن الماومة وقال أحدهما بيع السنين**" (ابوداود ۲/۲۶۲ باب فی بیع السنین)، "**اختلف أبوالزبير وسعيد بن ميناء فقال أحدهما: المعاومة، وقال الآخر: بيع السنين، ومعناهما واحد**" (بذل المجہود ۴/۲۵۱)۔

۴- حافظ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے ان الفاظ میں بیع معاومہ کی وضاحت فرمائی ہے: "**المعاومة هى مفاعلة من العام كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر اى بيع السنين قال فى النهاية هى تمرالنخل أو الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثمار وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق**" (نہایہ کے حوالے سے آپ نے فرمایا: بیع معاومہ درختوں پر پھل آنے سے پہلے دو یا تین یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے پھلوں کو فروخت کردینا ہے اور یہ بیع باطل ہے؛ کیونکہ یہ غیر موجود کی بیع ہے جیسے کہ بچے کی بیع اس کی پیدائش سے پہلے) (عون المعبود ۹/۱۸۰)۔

بیع سنین کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"قال الخطابی هو أن يبيع الرجل ماتثمره النخلة أو النخلات بأعيانها سنين ثلاثا أوأربعا أو اكثر منها وهذا غرر؛ لأنه بيع شئ غير موجود ولا مخلوق فی حال العقد ولا يدری هل يكون ذلک أم لا وهل يثمرالنخل ام لا " (علامہ خطابی فرماتے ہیں: بیع سنین یہ ہے کہ آدمی کئی سالوں مثلاً تین یا چار یا اس سے زیادہ سالوں تک کے درخت پر آنے والے پھلوں کو فروخت کردے، یہ دھوکہ ہے، اس لئے کہ غیر موجود چیز کی بیع ہے اور عقد کے وقت غیر پیدا شدہ چیز کی بیع ہے، یہ بھی معلوم نہیں کہ پھل وجود میں آئے گا یا نہیں اور درختوں پر پھل آئے گا یا نہیں) (عون المعبود ۹/۱۷۸)۔

۵-قواعد الفقہ میں ہے:"المعاومة هی بيع السنين يعنی بيع ما تثمره نخلة سنتين أوثلاثا أو أربعا" (معاومہ وہ بیع سنین ہے یعنی ۲، ۳، ۴ سالوں تک آنے والے درخت پر پھلوں کی خرید وفروخت بیع معاومہ یا بیع سنین کہلاتی ہے) (التعریفات الفقہیہ، قواعد الفقہ/۴۹۴)۔

۶-الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:"بيع السنين روى جابرؓ أن النبیﷺ نهى عن بيع السنين والمراد به أن يبيع ماسوف تثمره نخلة البائع سنتين أو ثلاثا أو اكثر وذلک لما فيه من الغرر فهو أولى بالمنع من منع بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها" (بیع سنین سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور بیع سنین سے مراد ان پھلوں کا بیچنا ہے جو پھل درختوں پر آئے نہیں ہیں؛ بلکہ عنقریب آئیں گے، اور یہ بیع دو تین یا اس سے زیادہ سالوں تک کے لئے ہوتی ہے، اور ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس میں غرر ہے، لہذا بدو صلاح سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت کے مقابلہ میں اس کی ممانعت بدرجہ اولی ہوگی (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۲۰۰)۔

۷-بیع معاومہ یا بیع سنین کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے، اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں، یہ صورت ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہے؛ بلکہ معدوم ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اس کی ایک اور بدتر صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے لئے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں، مثلاً تین سال، پانچ سال یا دس سال کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی، یہ صورت بالکل ناجائز اور نص صریح کے خلاف ہے، حدیث شریف ہے:"نهى رسول الله ﷺعن بيع السنين" یعنی حضور اقدس ﷺ نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمادیا، لہذا یہ صورت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے (تقریر ترمذی، حصہ معاملات ۱/۸۸)۔

٨-قاموس الفقہ میں ہے: معاومہ عام کے معنی سال کے ہیں، درختوں کا پھل دو یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے فروخت کر دیا جائے، اس صورت کو حدیث میں بیع معاومہ اور بیع سنین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے (قاموس الفقہ ٥/ ١٢٧)؛ کیونکہ ایسی چیز کو بیچنا جائز ہے جو وجود میں آ چکی ہو، اور معاومہ کی صورت میں آدمی ان پھلوں کو فروخت کرتا ہے جن کا ابھی سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اس لئے اس معاملہ کے باطل و نادرست ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے (قاموس الفقہ ٥/ ١٤٧، الاجماع لابن المنذر/ ١١٥)۔

خلاصہ: مذکورہ تمام حضرات محدثین وفقہاء کی تشریحات سے واضح ہوا کہ بیع معاومہ (جس کو بیع سنین بھی کہا جاتا ہے) کا مصداق باغات میں پھلوں کے آنے سے قبل کئی سالوں تک کی بیع ہے جو غرر اور معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

٢- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں: ١-بدوصلاح سے پہلے کی حالت، ٢-بدوصلاح کے بعد کی حالت، دونوں حالتوں کے اعتبار سے حضرات ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

١-حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک ظہور صلاح سے پہلے کی، دوسری صورت ظہور صلاح کے بعد کی، ظہور صلاح کی صورت میں علی الاطلاق بیع جائز ہے، چاہے وہ پھل درخت پر ہوں یا درخت پر نہ ہوں (توڑ لئے گئے ہوں) اور اس کو توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط لگائی گئی ہو یا نہیں۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: "**وأما حكم بيع الثمر وحده فإنه ينقسم إلى قسمين: القسم الأول أن يكون الثمر قد ظهر صلاحه وفى هذه الحالة يجوز بيعه مطلقا سواء كان على شجرة أولا وسواء شرط قطعه أو بقاؤه أو لا**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ٢/ ٢٦٤)۔

"المجموع شرح المہذب" میں ہے: دوسری قسم یہ ہے کہ ظہور صلاح کے بعد پھلوں کو فروخت کیا جائے تو یہ بلاشبہ مطلقاً جائز ہے اور اس کو اصحاب شوافع نے تین حالتوں میں تقسیم کیا ہے: پہلی حالت یہ ہے کہ توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اور جن حضرات نے اجماع نقل کیا ہے اس میں علامہ ماوردیؒ ہیں۔

دوسری حالت یہ ہے کہ علی الاطلاق بیع ہو تو یہ بھی بلاخلاف جائز ہے خبر کی وجہ سے، اور تیسری حالت یہ ہے کہ درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہمارے (شوافع کے) نزدیک جائز ہے، اور اس کے قائل حضرت امام محمد بن حسن، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور امام داؤدؒ ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہے (المجموع شرح المہذب ١١/ ٢٩٢-٢٩٣)۔

دوسری قسم حضرات شوافع کے نزدیک درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے متعلق یہ ہے کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کی بیع جائز نہیں ہے الا یہ کہ توڑنے کی شرط لگادی گئی ہو، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ مشتری کی ملکیت میں وہ درخت ہوں؛

کیونکہ اگر درخت مشتری کے ملک ہوں گے تو اس صورت میں پھل خود بخود مشتری کے ہوں گے لہذا توڑنے کا مکلّف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: ”**القسم الثانی أن لا یکون الثمر قد بدا صلاحه وفی هذه الحالة لایجوز بیعه وحده دون أصله إلا بشرط قطعه مالم یکن الأصل مملوکا للمشتری، فإنه یصح بیع الثمن له من غیر شرط القطع علی الصحیح فإذا اشتری شخص شجرة علیها ثمر ظاهر فإن الثمر یکون للبائع**“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۲۶۵)۔

المجموع شرح المہذب میں ہے: مصنفؒ نے فرمایا کہ بدوصلاح سے قبل پھلوں اور کھیتوں کی بیع بغیر توڑنے کاٹنے کی شرط کے جائز نہیں (یعنی اگر توڑنے کاٹنے کی شرط لگادی گئی ہو تو جائز ہے)۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: حضرت امام شافعیؒ اور آپ کے اصحاب کرام نے پھلوں کی بیع کی دو قسمیں کی ہیں: پہلی قسم بدوصلاح سے قبل کی بیع ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں: اول تنہا پھلوں کی بیع ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں: پہلی یہ کہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع درختوں پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو تو یہ بیع باطل ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان احادیث شریفہ کی وجہ سے جو اس کے متعلق وارد ہیں۔ دوسری یہ کہ توڑنے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت ہوگی تو یہ بالاتفاق جائز ہے، بیع صحیح و درست ہے؛ کیونکہ توڑنے کی وجہ سے جو محذور لازم آتا تھا وہ مرتفع ہو جا رہا ہے۔ تیسری یہ کہ توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط کے بغیر مطلق بیع کا معاملہ کیا ہو، تو حضرات شوافع کا مذہب عدم جواز کا ہے، اس کے قائل حضرت امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام داؤد ہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع صحیح ہے (المجموع شرح المہذب ۱۱/ ۲۷۱-۲۷۳)۔

بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع حضرات شوافع کے نزدیک بشرط القطع اس صورت میں جائز ہے جبکہ وہ قابل انتفاع ہو، ” **قال فی التتمة: إنما یجوز البیع بشرط القطع إذا کان المقطوع منتفعا به کالحصرم واللوز والبلح والمشمش**“ اور قابل انتفاع نہ ہوں تو اس کی بیع بشرط القطع بھی جائز نہ ہوگی، ”**فأما لامنفعة فیه کالجوز والسفرجل و...... فلا یجوز بیعه بشرط القطع ایضا**“ (المجموع شرح المہذب ۱۱/ ۲۷۳)۔

خلاصہ یہ کہ شوافع کے نزدیک بدوصلاح سے قبل بشرط القطع بیع جائز ہے، اور بشرط التبقیۃ یا علی الاطلاق یعنی ”لا بشرط القطع والتبقیة“ بیع باطل و ناجائز ہے، اور بدوصلاح کے بعد بیع علی الاطلاق جائز و درست ہے۔

۲- حنابلہ کے نزدیک درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے جواز وعدم جواز کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ بدوصلاح سے قبل پھلوں کی بیع چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اگر وہ شرطیں مفقود ہوں گی تو بیع جائز نہ ہوگی:

(۱) فی الحال قطع کی شرط لگی ہو، یعنی درختوں کو کرایہ یا عاریت پر پھلوں کے پکنے تک نہ لئے جائیں؛ بلکہ فی الفور پھلوں کو توڑ لیا جائے، (۲) توڑے ہوئے پھل قابل انتفاع ہوں، (۳) وہ مشاع نہ ہوں، (۴) پھل مع درخت کے فروخت کئے گئے ہوں۔

علامہ جزری فرماتے ہیں: "**الحنابلة قالوا: لا يصح بيع الثمار حتى يظهر صلاحها......على أنه يصح بيع ما لم يظهر صلاحه بشروط، الشرط الأول: أن يشترط قطعه فى الحال ولا يصح له أن يستأجر الشجرة أو يستعير هالترک الثمرة عليها حتى تنضج، الشرط الثانى: أن يكون منتفعا به حين القطع، الشرط الثالث: أن لايكون مشاعا كأن كان له نصف ثمرة نخل مشاعا فانه لا يصح بيعه قبل ظهور صلاحه، ......الشرط الرابع: أن يبيعه مع الأصل بأن يبيع الثمرة مع الشجر**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۷۰-۲۷۱)۔

المغنی لابن قدامہ میں ہے: "**وإذا اشترى الثمرة دون الأصل ولم يبد صلاحها على الترک إلى الجذاذ لم يجز وإن اشتراها على القطع جاز**" کہ تنہا پھل کی بیع وشراء درخت پر پکنے تک چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ جائز نہیں ہے، اور اگر خرید وفروخت ہو توڑے جانے کی شرط پر تو جائز ہے، اب اس کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں: درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ جائز نہیں ہے، دوسرے یہ کہ فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت ہو تو جائز ودرست ہے بالاجماع، تیسری صورت یہ کہ مطلقاً بیع ہو تو بیع باطل ہے (المغنی ۴/۲۰۲)۔

اور بدوصلاح کے بعد علی الاطلاق پھلوں کی بیع جائز ودرست ہے، "**وإذا ظهر صلاح الثمر أو الزرع جاز بيعه مطلقا بغير اشتراط قطع أو ترک فى محله**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۷۱)۔

المغنی میں ہے: "**قال فان اشتراها بعد أن بدا صلاحها على الترک إلى الجذاذ جاز وجملة ذلک أنه إذا بدا الصلاح فى الثمرة جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية إلى حال الجذاذ وبشرط القطع، وبذلک قال مالک والشافعى، وقال أبو حنيفة وأصحابه لا يجوز بشرط التبقية إلا أن محمداً قال إذا تناهى عظمها جاز**" (اگر پھل کو بدوصلاح کے بعد اس کے توڑے جانے تک درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ کیا تو جائز ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پھل میں بدوصلاح ہوجائے تو اس کی بیع مطلقا جائز ہے، توڑے جانے تک درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے، اور توڑنے کی شرط کے ساتھ بھی اس کے قائل ہیں، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر احنافؒ کے نزدیک باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ جائز نہیں ہے، البتہ امام محمدؒ کے

نزدیک جب پھلوں کا حجم اپنی انتہاء کو پہنچ جائے تو جائز ہے)(المغنی ۴/۳۰۵)۔

۳-حضرات مالکیہ کے نزدیک درختوں پر پھلوں کی بیع بدوصلاح کے بعد اندازے سے بھی جائز ہے، جیسا کہ درخت سے الگ کرنے کے بعد یا درخت کے تابع بنا کر کے جائز ہے، چاہے اس میں توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: **"المالكية قالوا: المراد بالثمار هنا ما يشمل الفواكه كالبلح والتين والرمان إلى قوله فاذا بيع شئ منها وهو على شجرة أو قائم لم يقطع فان لذلك البيع حالتين: الحالة الاولى أن يكون قد ظهرصلاح الثمر......وحكم ما ظهرصلاحه أنه يصح بيعه وهو على شجرة جزافا بدون كيل ولا وزن كما يصح أن يباع منفردا أو تابعا بشجرة بلا فرق بين أن يشترط قطعه أو يبقى على شجرة"** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲٦۷)۔

دوسری حالت یہ ہے کہ پھلوں میں بدوصلاح نہ ہو پہلی حالت کے برعکس، اس کا حکم یہ ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ بیع صحیح ہے، یعنی تین صورتوں میں بیع صحیح ہے:

(۱) ایک یہ کہ پھل درخت کے ساتھ فروخت کئے جائیں، (۲) اصل درخت کی بیع ہو اور پھلوں کا کوئی ذکر نہ ہو ،پھل تابع ہو کر بیع میں اس کے ساتھ لاحق ہوں، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تنہا پھلوں کی بیع ہو، لیکن اس کی صحت کی تین شرطیں ہیں: فی الحال توڑنے کی شرط ہو، اس کو درخت پر نہ چھوڑا جائے، وہ پھل قابل انتفاع بھی ہو، اس پھل کی بیع وشراء کی حاجت ہو اگرچہ حد ضرورت تک نہ پہنچی ہوئی ہو، بھلے اہل شہر کے نزدیک اس کی خرید وفروخت معروف ہو یا نہ ہو (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲٦۷)۔

۴-احنافؒ کے نزدیک درختوں پر پھلوں کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں، ہر ایک کا حکم علاحدہ درج ذیل ہے: پہلی حالت یہ ہے کہ ابھی درخت پر پھل لگے ہی نہیں اور نہ ظاہر ہوئے اور نہ پھل سے ممتاز ہوئے، اس صورت میں بیع مطلقا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے جو کہ شرعاً صحیح نہیں۔

"الحنفية قالوا: الثمار لها ثلثه أحوال الحالة الأولى: أن لا ينعقد الثمرة ولا تبرز ولا تتميز عن زهرها وفى هذه الحالة لا يصح بيعها مطلقا لانها تكون معدومة وقد عرفت" ۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ پھل لگ گئے ہوں اور ظاہر ہو چکے ہوں بایں طور کہ اگر پھول رہے ہوں تو جھڑ گئے ہوں جیسے کہ جوانی اور زرد آلو، اور پھل ممتاز ہو چکے ہوں خواہ وہ چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں، اور اس حالت میں بدوصلاح ہوا ہوگا یا

نہیں، اگر بدو صلاح ہو چکا ہے تو اس کی بیع علی الاطلاق جائز و درست ہے۔

"الحالة الثانية: أن تظهر الثمرة وتبرز بحيث يتناثر الزهر عنها إن كان لها زهر كالجوافی والمشمش، وفی هذه الحالة إما أن يظهر صلاح الثمرة أولا يظهر فان ظهر صلاحها فان بيعها يصح مطلقا"۔

پھر اگر بدو صلاح نہ ہو تو اس کی بیع درخت پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، **"أما إذا لم يظهر صلاحها فانها لايصح بيعها بشرط تركها على الشجر لأن هذا شرط لا يقتضيه العقد فانه يستلزم شغل الشجر المملوک للغير وهو مناف للملک"** (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۶۹)۔

اگر درخت پر پھلوں کے چھوڑے رکھنے کی یا توڑ لینے کی شرط نہیں لگائی بلکہ اس سے سکوت اختیار کیا تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ۱- ایک یہ کہ پھل قابل انتفاع ہوں گے بھلے وہ جانوروں کے چارہ کے طور پر ہی سہی تو بیع اس صورت میں صحیح ہوگی، ۲- دوسری صورت یہ کہ پھل اس طور پر ہوں کہ بالکل قابل انتفاع نہ ہوں تو اس صورت میں بیع کی صحت مختلف فیہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے؛ کیونکہ مال ہے، اگرچہ فی الحال انتفاع ممکن نہیں ہے لیکن آئندہ ایک وقت کے بعد انتفاع کا امکان ہے (دیکھئے: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۶۹)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی اولاً دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ۱- بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع، ۲- بدو صلاح کے بعد پھلوں کی بیع۔ بدو صلاح سے قبل پھلوں کی بیع کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری پر فی الفور پھلوں کو توڑ لینے کی شرط لگادے اور درختوں پر ان کو نہ چھوڑے رکھے، اور یہ صورت جائز ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امصار کے نزدیک جائز ہے، سوائے ابن ابی لیلیٰؒ اور سفیان ثوریؒ کے، یہ دونوں حضرات اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار پھلوں کو توڑے جانے تک درختوں کے اوپر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ بیع کا معاملہ کرے، اور یہ صورت بالاتفاق باطل ہے، اور کسی کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بیع مطلقاً واقع ہو، نہ اس میں قطع کی شرط ہو اور نہ ترک علی الشجر کی شرط ہو تو یہ صورت ائمہ اربعہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک یہ بیع دوسری صورت کی طرح باطل ہے؛

البتہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت کی طرف اس صورت میں بھی بیع جائز ہے، اور بائع کے لئے جائز ہے کہ وہ مشتری کو فی الفور پھلوں کو توڑنے پر مجبور کردے، اور اسی طرف حضرت امام بخاریؒ کا بھی میلان ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال اس روایت کے عموم سے ہے جس میں بدوصلاح سے قبل بیع ثمار سے منع کیا گیا ہے؛ البتہ ایک صورت یعنی شرط القطع کا استثناء کیا ہے یہ کہ وہ جائز ہے؛ کیونکہ پھل توڑنے کے بعد محل نزاع نہیں رہتا ہے۔

اور ہمارے احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ تیسری صورت پہلی صورت میں داخل ہے، جس طرح پہلی صورت میں قطع کی شرط ہے تو اس صورت میں جبکہ مطلقاً بیع ہو تو قطع کی شرط ملحوظ ہوگی؛ کیونکہ یہ عقد کا مقتضی ہے، گویا کہ قطع کی شرط کے ساتھ ہی بیع کی گئی ہو (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۶-۳۸۷)۔

درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی دوسری صورت بدوصلاح کے بعد کی ہے، اس کی بھی تین صورتیں ہیں: ۱- بشرط القطع بیع ہو، ۲- درختوں پر چھوڑے رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کا معاملہ ہو، ۳- مطلقاً بیع کی جائے قطع یا ترک کی کوئی شرط نہ ہو، ان تینوں صورتوں میں حضرات ائمہ ثلاثہ جواز کے قائل ہیں، اور ان حضرات کا استدلال حدیث شریف کے عموم سے ہے کہ ممانعت بدوصلاح سے قبل کی ہے بدوصلاح کے بعد کی نہیں۔

"حکم البیع بعد بدو الصلاح وأما بیع الثمار بعد بدوصلاحها فله صور ثلث ایضا الاولی: أن تباع بشرط القطع، والثانیة: أن تباع بشرط ترکها علی الاشجار، والثالثة: أن تباع مطلقا، فالشافعیؒ و مالکؒ وأحمد یجوزون البیع فی الصور الثلثة کلها" (کما فی نهایة المحتاج ۴/۱۴۱، المغنی لابن قدامه ۴/۸۶-۸۷)، **"واستدلوا فی ذلک بمفهوم حدیث الباب فان الحدیث قید النهی لما بیع قبل بدوالصلاح فخرج منه ما بیع بعده مطلقا"** (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۱)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک بیع بشرط القطع اور اطلاق کی صورت میں جائز ہے، اور ترک کی شرط کے ساتھ بیع فاسد ہے، اور اطلاق کی صورت میں مشتری پر بائع کے مطالبہ کے وقت پھلوں کو توڑنا واجب ہوگا، **"وأما أبو حنیفة وأبویوسفؒ فقالا: یجوز البیع بشرط القطع وفی صورة الاطلاق ویفسد بشرط الترک ویجب علی المشتری فی صورة الاطلاق أن یقطعها إذا طالب به البائع"** (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۱)۔

البتہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ اگر بیع بشرط الترک اس صورت میں جبکہ پھلوں کا حجم اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے تو بیع استحساناً جائز ہے، ورنہ بیع بشرط الترک فاسد ہے۔

"وأما محمد بن الحسنؒ ففصل المسئلة وقال: لو کان البیع بشرط الترک بعدما تناهی عظم الثمار جاز البیع استحسانا للعرف ولو لم یتناه عظمها فسد بشرط الترک" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۲)۔

خلاصہ بحث: (۱) پھل کے ظہور سے پہلے بیع کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ متفق علیہ ہے، (۲) پھل کے ظاہر ہونے کے بعد بدو صلاح سے قبل بیع بشرط الترک کے عدم جواز میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، (۳) بدو صلاح سے پہلے اور بعد میں بیع بشرط القطع کی صورت کے جواز میں کوئی کلام نہیں، (۴) اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ بدو صلاح سے قبل لا بشرط القطع بیع ہو، اس صورت میں حضرات ائمہ ثلاثہ عدم جواز کے قائل ہیں، اور ہمارے احناف کے نزدیک اگر پھل اس درجہ میں نہ ہو کہ اس سے انتفاع ہو سکے خواہ انسانوں کے لئے یا جانوروں کے چارے کے طور پر تو صحیح قول کے مطابق جواز ہے، اس لئے کہ مال ہے، فی الحال انتفاع نہیں ہے، لیکن فی المآل انتفاع ممکن ہے۔ (۵) بدو صلاح کے بعد بشرط الترک بیع کی صورت میں بھی اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ جواز کے قائل ہیں، اور ہمارے احناف حضرات شیخینؒ عدم جواز کے قائل ہیں اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اگر پھل اپنے حجم وسائز کی انتہاء کو پہنچ چکے ہوں تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۹۲، فتح القدیر ۵/ ۴۸۸، ردالمحتار ۷/ ۸۴)۔

۳- آپ ﷺ نے بدو صلاح سے قبل بیع سے منع فرمایا ہے، **"عن جابرؓ قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"** (صحیح بخاری ۱/ ۲۱۰، صحیح مسلم ۲/ ۷)، لیکن بدو صلاح سے کیا مراد ہے جواب درج ذیل ہے: البذو باء کے فتحہ، دال کے سکون اور واؤ کے تخفیف کے ساتھ، اور البدوّ باء اور دال کے ضمہ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ، دونوں مصدر ہیں ظہور کے معنی میں، اور صلاح فساد کی ضد ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۳، کذا فی لسان العرب ۱/ ۳۴۷)۔

بدو صلاح سے مراد پھلوں سے انتفاع ممکن ہو، استعمال کے قابل ہو جائیں، اس کی تفسیر وتوضیح میں ائمہ کرام کے اقوال مختلف ہیں:

☆ حضرات حنفیہ کے نزدیک بدو صلاح سے مراد یہ ہے کہ پھل آفات سے خراب ہونے یعنی بیماری سے محفوظ ہو جائے، **"فبدو الصلاح عند الحنفية أن تأمن الثمرة العاهة والفساد كما صرح به ابن الهمام فى فتح القدير"** (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۳)۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں: **"ومعنى ظهور صلاحها هو أن يؤمن عليها من العاهات والفساد"** کہ بدو صلاح یعنی ظہور صلاح یہ ہے کہ پھل آفات اور بیماری سے مامون ومحفوظ ہو جائیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۲۶۹)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: **"فسر الفقهاء بدو الصلاح بمعان شتى فالحنفية قالوا فى تفسيره أن تؤمن العاهة والفساد، وإن كان بعضهم كالكرلانى فسره بأن تصلح الثمرة لتناول بنى آدم وعلف الدواب"**۔ کہ فقہاء کرام نے مختلف معانی کے اعتبار سے بدو صلاح کی وضاحت کی ہے، چنانچہ احنافؒ فرماتے ہیں کہ پھل آفات سے اور بیماری سے محفوظ ہو جائے، اور بعض حضرات نے وضاحت کی ہے کہ پھل انسانوں کے استعمال کرنے یا

جانوروں کے چارہ کے قابل ہوجائے (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۸)۔

شامی ۷/۸۵ پر ہے: ”**لكن بدوالصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد** “(کذا فی شرح الکفایۃ علی الہدایۃ ۵/۴۸۸)۔

☆حضرات شوافع کے نزدیک بدوصلاح سے مختلف پھلوں میں مختلف معانی مراد ہیں، جن میں رنگت نہیں ہوتی ہے، ان میں پکنا اور مٹھاس کا پیدا ہونا مراد ہے، اور جن میں رنگت ہوتی ہے ان میں سرخی، سیاہی یا زردی اختیار کر جائے، اس بارے میں انہوں نے آٹھ علامات ذکر کی ہیں:

اول ہر وہ پھل جو کھایا جاتا ہے جب وہ سرخ یا زرد ہوجائے۔ دوسرے مٹھاس جیسے کہ شیرینی اور مٹھاس جیسے کہ گنا اور ترشی کھٹاس جیسے انار۔ تیسرے پکنا اور نرم ہونا، جیسے کہ انجیر اور خربوزہ۔ چوتھے قوت واشتداد جیسے گندم وجو۔ پانچویں لمبائی اور بھرا ہونا۔ چھٹے سائز کا بڑا ہونا جیسے کہ ککڑی اس طور پر کہ کھایا جاسکے، ساتویں اس کے اپنے غلاف کا کھل جانا جیسے روئی اور آخروٹ۔ آٹھویں کھل جانا جیسے گلاب۔ اور جس میں غلاف نہیں ہوتا تو اس میں صرف ظہور ہی بدوصلاح ہے، اور اس کو آٹھویں قسم میں داخل مان سکتے ہیں (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۶۴)۔

ان تمام علامات کے لئے ایک ضابطہ یہ ہے کہ پھل ایسی حالت میں پہنچ جائے، جس حالت میں اس کو اکثر وبیشتر طلب کیا جاتا ہے۔

”**ووضع له القليوبى هذا الضابط وهو بلوغ الشئ الى صفة اى حالة يطلب فيها غالبا**“(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹، بحوالہ شرح المحلی علی المنہاج ۲/۲۳۵، وحاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۲/۳۰۴)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے: ”**وأما الشافعية ففسروه بظهور مبادئ النضج والحلاوة فقال الرملى المعروف بالشافعي الصغير فى نهاية المحتاج: وبدوّصلاح الثمر ظهور مبادئ النضج والحلاوة بأن يتموه ويلين كما فى المجرد وغيره، وقال الشبراملسى فى حاشيته: قسمه الماوردى ثمانية أقسام**“ (نہایۃ المحتاج مع حاشیۃ الشبراملسی ۴/۱۴۸، باب بیع الاصول والثمار، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۴)۔

ابن ہمام نقل فرماتے ہیں: ”**وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة**“ کہ بدوصلاح امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پھل کے پکنے کا آغاز ہوجائے اور مٹھاس کی شروعات ہوجائے (فتح القدیر ۵/۴۸۹، شامی زکریا ۷/۸۵)۔

شرح المہذب میں بڑی جامع بات فرمائی ہے: ”**ومذهبنا أن بدو الصلاح يرجع إلى تغيير صفة فى الثمرة وذلك يختلف باختلاف الاجناس وهو على اختلاف راجع إلى شيء واحد مشترك بينهما وهو الأكل**“ (بدوصلاح یہ ہے کہ پھل کی حالت میں تغیر ہوجائے یعنی اپنی اصلی حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر پذیر

ہوجائے، اور مختلف پھلوں کی جنس کے اعتبار سے تغیر مختلف ہوتا ہے اور سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ کھانے کے لائق ہوجائے (المجموع شرح المہذب ۱۱/۲۹۷)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: بدوصلاح کے متعلق روایات میں مختلف الفاظ وارد ہیں، ان تمام الفاظ سے امام شافعیؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بیع سے پہلے پھل کا پکنا ضروری ہے، پکنے سے پہلے ان کے نزدیک بیع درست نہیں ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس پھل کا آفات اور بیماری سے محفوظ ہونا کافی ہے، پورا پکنا اور اس میں مٹھاس پیدا ہونا ضروری نہیں ہے، بہرحال دونوں اقوال قریب قریب ہیں اس لئے کہ پھل بیماری اور آفات سے اس وقت محفوظ ہوتا ہے جب اس کے پکنے کے آثار شروع ہوجاتے ہیں، لہذا ان دونوں اقوال میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے (تقریر ترمذی ۱/۸۸)۔

☆ حضرات مالکیہ کے نزدیک بدوصلاح کا معنی مختلف پھلوں کے اعتبار سے مختلف انداز میں ہوتا ہے، مثلاً زردی یا سرخی مائل رنگ ہوجائے اور میووں میں حلاوت ومٹھاس پیدا ہوجائے، اور سب میں مرکزی چیز یہ کہ وہ پھل قابل انتفاع ہو خواہ توڑے جانے کے تھوڑے دنوں بعد ہی سہی۔

"ومعنى الصلاح يختلف باختلاف تلك الثمار فيظهر صلاح الفاكهة كالبلح والعناب باصفراره أو احمراره،......أما البطيخ الأخضر فظهور صلاحه يكون بتلون لبّه بالاحمرار أو الاصفرار، ويظهر صلاح الزيتون إذا قرب من الاسوداد ومثله العنب الأسود، ويظهر صلاح باقي أنواع الفاكهة بظهور ألوانها المختلفة وظهور الحلاوة فيها، والمدار في كل ذلك على امكان الانتفاع بها ولو بعد قطعها بزمن كالموز مثلا فانه يصح بيعه وهو اخضر لم يستو إذا كان يستوى بعد ذلك يوضعه في تبن أو نخالة أو غير ذلك و مثله المنجو" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۶۶)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: حضرات مالکیہ نے بدوصلاح کی وضاحت مختلف پھلوں کے اعتبار سے مختلف کی ہے، اور بدوصلاح ہر پھل کی بہ نسبت الگ الگ ہے، مثلاً تمر میں یہ کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائے، اس کا رنگ بدل جائے، کالے انگور میں بدوصلاح یہ ہے کہ سیاہ ہوکر مٹھاس پیدا ہوجائے، اس کے علاوہ پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوجائے، خس اور عصفر قابل انتفاع ہوجائیں، اور تمام ترکاریوں میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائیں، کھیتی اور اناج میں یہ ہے کہ وہ خشک ہوجائے اور سختی پیدا ہوجائے (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۸)۔

☆ حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح: ظہور صلاح کھجور میں یہ ہے کہ وہ پک جائے اور اس کا کھانا اچھا ہو، اور اناج میں بدوصلاح یہ ہے کہ وہ سخت ہوجائے یا سفید ہوجائے، **"وظهور الصلاح في التمر هو أن ينضج ويطيب أكله وفي**

الحب هو أن يشتد أو يبيض"(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۷۱)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے کہ حنابلہ کے یہاں یہ ضابطہ ہے کہ جن پھلوں میں بدوصلاح کے وقت رنگت میں تغیر وتبدل ہوتا ہے تو ان کا بدوصلاح یہی ہے کہ ان کا رنگ بدل جائے مثلاً کھجور اور کالا انگور، اور ناشپاتی میں بدوصلاح یہی ہے کہ ان کا رنگ بدل جائے، اور اگر سفید انگور ہے تو اس کا بدوصلاح یہ ہے کہ اس کے اندر مٹھاس پیدا ہوجائے، نرم ہوجائے اور زرد ہوجائے۔

"**ووضع الحنابلة هذا الضابط ما كان من الثمرة يتغير لونه عند صلاحه كثمرة النخل والعنب الأسود والاجاص فبدوصلاحه بتغير لونه وإن كان العنب الأبيض فصلاحه بتموهه وهو أن يبدو فيه الماء الحلو ويصفر لونه**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹)۔

اور اگر پھل ان پھلوں میں سے ہو جن میں تلون نہیں ہوتا یعنی اس کے رنگ مختلف نہیں ہوتے ہیں جیسے سیب اور اس کے جیسے تو اس کا بدوصلاح یہ ہے کہ مٹھاس آجائے اور کھانے کے لائق ہوجائے، اور تربوز وغیرہ ہو تو پکنا شروع ہوجائے۔

"**وإن كان مما لايتلون كالتفاح ونحوه فبأن يحلو ويطيب، وإن كان بطيخا أو نحوه فبأن يبدو فيه النضج**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹)۔

اور اگر پھل ان پھلوں میں سے ہو جن کے رنگ میں تبدیلی نہیں ہوتی اور ان کو چھوٹی بڑی ہر ایک طرح سے کھایا جاتا ہو جیسے کہ ککڑی وغیرہ تو اس کا بدوصلاح یہ ہے کہ اس حد تک پہنچ جائے جس میں اس کو عادۃً عامۃً کھایا جاتا ہے۔

"**وإن كان مما لا يتغير لونه ويؤكل طيبا صغارا وكبارا كالقثاء والخيار فصلاحه بلوغه أن يوكل عادة**"(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۸۹، المغنی لابن قدامہ ۴/۲۰۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بدوصلاح پھلوں کے تفاوت سے متفاوت ہوتا ہے، یعنی ہر پھل کا صلاح اس کے اعتبار سے ہوتا ہے، سب میں قدر مشترک یہی ہے کہ وہ استعمال کے لائق ہوجائے چاہے مٹھاس پیدا ہوجائے یا رنگت تبدیل ہوجائے، یا اپنے اس حجم کو پہنچ جائے جس سائز کے پہنچنے کے بعد عامۃً استعمال کیا جاتا ہے۔

"**قال العلامة العينى ثم اعلم أن بدوالصلاح متفاوت بتفاوت الأثمار فبدوصلاح التين أن يطيب وتوجد فيه الحلاوة ويظهر السواد فى أسوده والبياض فى أبيضه وكذلک العنب**"(عمدۃ القاری ۱۱/۲۹۸ باب بیع المزابنۃ)۔

خلاصہ کلام یہ کہ احناف کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل آفات سے اور خرابی وبیماری سے محفوظ ہوجائے، اور دیگر ائمہ کے نزدیک پکنے کے قریب ہوجائے یا پکنے کا آغاز ہوجائے، مٹھاس پیدا ہوجائے، رنگت میں تبدیلی آجائے۔

"لکن بدوالصلاح عندنا أن تأمن العاهة والفساد، وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة" (فتح القدیر ۵/۴۸۹،شامی زکریا ۷/۸۵)۔

۴-الف: پھل آنے سے پہلے ان کی بیع وشراء کرنا خواہ اسی سال کے ہوں یا آئندہ سالوں کے ہوں بالاتفاق ناجائز ہے،"ثم إن بیع الثمار قبل ظهورها باطل إجماعا ولا خلاف فیه لکونه بیع المعدوم" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۶)۔

درمختار میں علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:"أما قبل الظهر فلا یصح" (درمختار ۷/۸۵،زکریا)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:"قال في الفتح لا خلاف في عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر" (شامی زکریا ۷/۸۵،کتاب البیوع،فتح القدیر ۵/۴۸۸)۔

الموسوعۃ الفقہیہ (۹/۱۸۹) میں ہے:"الاولی أن یبیعها قبل الظهور والبروز ای قبل انفراک الزهر عنها وانعقادها ثمرة فهذا البیع لا یصح اتفاقا" کہ پھل لگنے سے پہلے بیع بالکل جائز وصحیح نہیں بالاتفاق۔

بدائع الصنائع میں ہے:"منها أن یکون موجودا فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم......وکذا بیع الثمر والزرع قبل ظهوره لأنها معدوم"،ابھی پھل نہ آئے ہوں تو اس کی بیع بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے (بدائع الصنائع ۴/۳۶۶)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:"أن تباع الثمار قبل ظهورها وهذا لم یقل بجوازه أحد سواء جری به التعامل أولا، والمراد من الظهور انفراک الزهر عنها وانعقادها ثمرة وإن صغرت کما صرح به ابن عابدین في ردالمحتار"،کہ پھلوں کو ان کے ظہور سے قبل فروخت کیا جائے،تو اس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے،خواہ اس کا تعامل ہو یا نہ ہو،اور ظہور سے مراد ہے پھلوں کا جھڑ جانا اور اس کے بعد پھلوں کا لگ جانا (تکملہ ۱/۳۹۳،شامی زکریا ۷/۸۵، لاخلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظہر)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوئے تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے، جیسا کہ آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے،اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت ناجائز ہے،اس لئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ معدوم ہے،اس لئے اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے،اس کی ایک اور بدتر صورت یہ ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دے دیتے ہیں،مثلاً تین سال،پانچ سال،یا دس سال کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کر لی،یہ صورت بالکل ناجائز ہے،اور نص صریح کے خلاف ہے،حدیث شریف میں ہے:"نهی رسول الله ﷺ عن بیع السنین"،یعنی حضور ﷺ نے کئی سال تک کی بیع

کرنے سے منع فرمایا، لہذا یہ صورت کسی حال میں بھی جائز نہیں (تقریر ترمذی ۱/۸۸-۸۹)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "**بیع الثمار قبل الظھور لا یصح اتفاقا**" کہ پھل آنے سے قبل اس کی بیع بالاتفاق صحیح نہیں ہے (فتاوی ہندیہ ۳/۱۵۶)۔

البحر الرائق میں ہے: "**قیدنا به لان بیعھا قبل الظھور لایصح اتفاقا**" (البحر الرائق ۵/۳۰۰)۔

بَور آنے سے پہلے فصل بیچنا بیع باطل ہے، جب پورا پھل آجائے تو از سرِ نو معاملہ کرنا واجب ہے، "**ولاحکم لھذا البیع اصلا لان الحکم للموجود ولا وجود لھذا البیع**" (بدائع ۴/۵۹۱، کتاب النوازل ۱۰/۴۸۴)۔

جب پھل نہیں آیا تو پھل کا خریدنا ناجائز ہے، "**بیع المعدوم باطل فیبطل بیع ثمرة لم تبرز أصلا**" (شرح المجلہ رستم باز/۹۸، فتاوی محمودیہ ۱۶/۱۰۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت پر آئے نہ ہوں تو بیع جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو منعقد نہیں ہوتی، "**منھا أن یکون موجودا فلا ینعقد بیع المعدوم**" (بدائع ۴/۳۲۶)۔

۴-ب: باغ کے کچھ درختوں میں پھل آگئے ہوں اور کچھ میں نہ آئے ہوں، تو اصلا اور ظاہر مذہب کے اعتبار سے ناجائز ہے، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ معدوم کی بیع یہاں پائی جاتی ہے، اگر بعض درختوں میں سہی مگر استحسانا اس کو بعض ائمہ مذاہب نے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ شمس الائمہ حلوانیؒ اور امام فضلی نے جواز کا فتوی دیا ہے اور معدوم کو موجود کے تابع مان کر بر بنائے ضرورت جائز قرار دیا ہے، یعنی اصلا موجود کی ہے اور جو معدوم ہے وہ اس موجود کے تابع ہے؛ کیونکہ اس کا تعامل ہو چکا ہے اور لوگوں کے عرف وعادت میں اس کا رواج ہو چکا ہے، اس طریقہ سے ان کو باز رکھنے میں حرجِ عظیم ہے، "**والحرج مدفوع**"۔ تکملہ فتح الملہم میں ہے: "**أن تباع سائر ثمار الشجر والبساتین فی حین ظھر بعضھا ولم یظھر بعضھا، وفیه خلاف بین مشائخنا الحنفیة، فظاھر المذھب انه لا یجوز أیضا، ولکن أفتی شمس الأئمة الحلوانیؒ بأنه لو کان الخارج أکثر جاز البیع فی جمیع بل یجعل الموجود أصلا فی البیع وما یحدث بعد ذلک تبعا له، ویقول: استحسن فیه لتعامل الناس فانھم تعاملوا بیع ثمار الکرم بھذه الصفة ولھم فی ذلک عادة ظاھرة وفی نزع الناس من عادتھم حرج**" (حکاه ابن الھمام فی الفتح ۵/۱۵۵)، پھر صاحب فتح القدیر ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ حضرت امام محمدؒ سے اس قسم کی ایک روایت منقول ہے: "**وقد رأیت روایة فی نحو ھذا عن محمدؒ وھو بیع الورد علی الاشجار، فان الورد متلاحق ثم جوز البیع فی الکل بھذا الطریق وھو قول مالک**" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۳)۔

درمختار مع شامی میں ہے: کہ ظاہر مذہب کی بنا پر تو ناجائز ہے، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے مگر استحسانا بعض مشائخ

نے جواز کا فتوی دیا ہے،"ولوبرز بعضها دون بعض لا يصح فى ظاهر المذهب وصححه السرخسي وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج اكثر"(درمختار)،"قال العلامة الشاميؒ: وزعم أنه مروى من أصحابنا وكذا حكى الامام الفضلي وقال: استحسن فيه لتعامل الناس، وفى نزع الناس عن عادتهم حرج "(شامی زکریا۷/۸۵-۸۶،کتاب البیوع)۔

"وقال مالکؒ: إذا ظهر فيه الخارج الاول يجوز بيعه لأن فيه ضرورة لأنه لا يظهر الكل دفعة واحدة بل على التعاقب بعضا بعد بعض فلولم يجز بيع الكل عند ظهور البعض لوقع الناس فى الحرج"، یعنی حضرت امام مالکؒ کی وضاحت کے مطابق یہ ہے کہ تمام پھل ایک بارگی نہیں نکلتے ہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں،اگر سب میں بیع کو جائز نہ قرار دیا جائے تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے(بدائع الصنائع ۴/۳۲۷)۔

پھر علامہ شامیؒ نے اس بیع کے جواز میں ضرورت کو نقل فرمایا کر بر بنائے ضرورت جواز کو ترجیح دی ہے،علامہ ابن عابدینؒ نے ملک شام دمشق کے علاقوں کے لوگوں کی عادت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں میں چیز کا رواج وعرف چل چکا ہے ان کو اس سے روکنے میں حرج ہے اور اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر پورے شہر میں حرام پھلوں کا کھانا لازم آئیگا، حالانکہ بر بنائے ضرورت آپ ﷺ نے بیع کے معدوم ہونے کے باوجود جائز قرار دیا ہے تو جس طرح بیع سلم میں ضرورت ہے ایسے ہی اس صورت میں جبکہ کچھ درختوں پر پھل آئے ہوں اور کچھ پر نہ آئے ہوں،اس کے فروخت کرنے میں ضرورت ہے اور اس کا نص سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے،اسی وجہ سے بعض مشائخ نے اس کو استحساناً جائز کہا ہے؛ کیونکہ قیاس کا تقاضا عدم جواز کا ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے ناجائز فرمایا ہے،اسی لئے صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام کا رجحان ومیلان اس کے جواز کی طرف ہے اور بطور دلیل حضرت امام محمدؒ کی روایت نقل کی ہے:"وظاهر كلام الفتح الميل إلى الجواز أورد له الرواية عن محمد"(شامی ۷/۸۶)۔

ملحوظہ: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابن عابدین شامیؒ کی تحقیق سے تو بر بنائے ضرورت پہلی صورت بالاتفاق ناجائز ہے، وہ بھی جائز ہونی چاہئے تو اس کا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جواب دیا ہے کہ جس درجہ کی ضرورت دوسری صورت میں متحقق ہے اس طرح کی ضرورت پہلی صورت میں نہیں ہے،اور صرف ضرورت سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی؛ بلکہ اصل علت دوسری صورت میں یہ ہے کہ موجود کو اصل مانا گیا ہے اور بیع کو اس پر دائر کیا گیا ہے اور معدوم کو موجود کے تابع مانا گیا ہے اور پہلی صورت میں معدوم کی بیع اصلا ہو رہی ہے جو از روئے نص حرام ہے(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۹۴)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:"ولوباع كل الثمار وقد ظهرالبعض دون البعض فظاهر المذهب أنه

لایصح وکان شمس الائمة الحلوانی والفضلی یفتیان بالجواز فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیر ذلک ویجعلان الموجود أصلا فی العقد والمعدوم تبعا استحسانا لتعامل الناس والأصح أنه لا یجوز کذا فی المبسوط"(الفتاوی الہندیہ ۵۶/۳ کذا فی البحر الرائق ۳۰۱/۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر مذہب کی بنا پر تو ناجائز ہے مگر بربنائے ضرورت وتعامل ناس استحساناً بعض مشائخ نے جواز پر فتوی دیا ہے۔

۴-ج: پھل نکل آئے مگر ابھی قابل استعمال نہیں ہوا ہے تو اس میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، قاضی خاں نے عام مشائخ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح بیع جائز نہیں ہے یعنی نہ تو کھانے کے لائق ہو نہ ہی چارے کے طور پر کام آنے کے لائق ہو تو یہ صورت عدم جواز کی ہے؛ لیکن ابن ہمامؒ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ جائز ہے؛ کیونکہ وہ مال ہے جو قابل انتفاع ہے، اگر فی الحال نہیں ہے تو فی المآل ضرور ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:"**وعندنا إن کان بحال لا ینتفع به فی الأکل ولا علف الدواب، فیه خلاف بین المشائخ قیل: لا یجوز ونسبه قاضی خان لعامة مشائخنا والصحیح أنه یجوز؛ لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال وإن لم یکن منتفعا به فی الحال**"(شامی زکریا ۸۵/۷)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: اگر انسانوں کے کھانے یا جانوروں کے چارے کے طور پر قابل استعمال ہوگئے ہوں تو بالاتفاق اس کی بیع جائز ہوگی (تکملہ فتح الملہم ۳۹۴/۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر پھل نکل آئے ہوں اور قابل استعمال نہیں ہوا ہو تو صحیح قول کے مطابق اس کی خرید وفروخت جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ مال ہے، اگر فی الحال قابل انتفاع نہیں ہے تو دوسرے وقت میں انتفاع ضرور ممکن ہے۔

۵-الف: اگر پھل ابھی تیار نہیں ہوئے اور خرید وفروخت کا معاملہ وجود میں آیا اور فریقین نے یہ طے کیا کہ پھل ابھی اسی حال میں توڑ لینا ہے تو یہ صورت بالاجماع جائز ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:"**الثالثة أن یبیعها بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط القطع فی الحال فهذا البیع صحیح بالاجماع ولا خلاف فی جوازه**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۹۰/۹)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:"**ولا هی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به** " یعنی بدو صلاح سے قبل بشرط القطع بیع کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ متفق علیہ صورت ہے (شامی ۸۵/۷، الہندیہ ۱۰۹/۳، فتح القدیر ۴۸۸/۵)۔

البحر الرائق میں ہے:"**وقبل بدو الصلاح بشرط القطع فی المنتفع به صحیح اتفاقا**" یعنی بدوصلاح

سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ پھل کی بیع جائز ودرست ہے اور یہ متفق علیہ ہے کوئی اختلاف نہیں ہے (البحر الرائق ۵/ ۳۰۰)۔

المغنی لابن قدامہ میں ہے: ''القسم الثانی لأن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع لأن المنع إنما کان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل أخذها'' یعنی اگر فی الحال توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کا معاملہ ہو تو بالاتفاق صحیح ہے؛ اس لئے کہ ممانعت پھل ضائع ہونے اور آفات کے پیدا ہوجانے کی صورت میں ضائع ہونے کی وجہ سے تھی، اس کو توڑنے سے پہلے اور جب فی الحال توڑیں گے تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۲۰۲)۔

ہدایہ میں ہے: ''وعلی المشتری قطعها فی الحال تفریغا لملک البائع وهذا إذا اشتراها مطلقا أو بشرط القطع'' (ہدایہ ۳/ ۲۶)، تقریر ترمذی میں ہے: ''بیع بشرط القطع'' یعنی پھل کی بیع ہوجانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہے کہ توڑ لے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ البتہ امام ابن ابویعلی اور سفیان ثوریؒ اس صورت کو بھی ناجائز کہتے ہیں (تقریر ترمذی ۱/ ۸۹)۔

۵-ب: پھل کے تیار ہونے تک درخت پر لگے رہنے کی شرط قرار پانے کی صورت میں بیع ناجائز ہے اور یہ شرط مفسد بیع ہے اور یہ بھی متفق علیہ صورت ہے۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے: ''أن تباع الثمار قبل بدو صلاحها أو تناهی عظمها بشرط الترک فهذه الصورة مفسدة بالاجماع'' (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۱۴)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''وان شرط ترکها علی النخیل فسد البیع لأنه لایقتضیه العقد وهو شغل ملک الغیر أو صفقة فی صفقه وهو إعارة أو إجارة فی البیع'' یعنی درخت پر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ بیع مفسد عقد ہے اور یہ بیع فاسد ہے؛ کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے؛ اس لئے کہ اس میں ملک غیر کو مشغول رکھنا لازم آرہا ہے، یا صفقہ ایک معاملہ میں دوسرے معاملہ کا ہونا لازم آرہا ہے اور یہ دونوں باتیں مفسد عقد ہیں (الہدایہ ۳/ ۲۶)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: ''الثانیة أن بیعها بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک والتبقیة علی الشجر حتی تنضج فلا یصح هذا البیع إجماعا لأنه شرط لایقتضیه العقد وهو شغل ملک الغیر أو هو صفقة فی صفقة أو هو إعارة أو إجارة فی بیع'' کہ درخت پر پھل کو پکنے تک باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا بالاتفاق صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے اور صفقہ فی صفقہ ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۹۰)۔

المغنی لابن قدامہ میں ہے: ''أحدها أن یشتریها بشرط التبقیة فلایصح إجماعا؛ لأن النبی ﷺ

نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع، والنهي يقتضى فساد المنهى عنه"،ابن قدامہؒ نے اس صورت کی ممانعت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ حدیث شریف میں بائع ومشتری کو اس طرح بیع سے منع کیا گیا اور نہی منہی عنہ کے فاسد ہونے کا تقاضا کرتی ہے (المغنی لابن قدامہ ۴/ ۲۰۲)۔

تقریر ترمذی میں ہے: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری تو بیع بھی کرلیں لیکن عقد کے اندر ہی یہ شرط لگادیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائیگا، پکنے کے بعد مشتری یہ پھل کاٹ کر لے جائے گا، ایسی بیع کو بیع بشرط الترک کہتے ہیں، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے؛ البتہ امام ابن المنذر اس صورت کو جائز کہتے ہیں (تقریر ترمذی ۱/ ۸۹)۔

خلاصہ یہ کہ پھل کے تیار ہونے تک درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں، "**ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک**" (شامی ۷/ ۸۵)۔

۵-ج: تیسری صورت یہ کہ توڑنے یا باقی رکھنے کی کوئی شرط قرار نہیں پائی بلکہ بیع کو مطلقاً عن الشرط رکھا تو اس صورت میں جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پہلے کی طرح یہ صورت ناجائز ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے (مستفاد از تقریر ترمذی ۱/ ۸۹)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے: بیع جب مطلق واقع ہو، اس میں توڑنے یا چھوڑے رکھنے کی کوئی شرط نہیں تو اس میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ باطل ہے جیسا کہ دوسری صورت میں (درخت پر چھوڑے رکھنے لگانے کی صورت میں) بیع باطل ہے، اور حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بیع اس صورت میں جائز ہے، جیسا کہ پہلی صورت میں جبکہ قطع کی شرط کے ساتھ بیع کی گئی ہو بیع جائز ہوتی ہے، اور بائع مشتری کو فی الحال پھل کو توڑنے پر مجبور کرسکتا ہے، اس مذہب کی طرف حضرت امام بخاریؒ کا میلان بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۴/ ۳۳۲) میں نقل کیا ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۶)۔

حضرات ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث شریف کے عموم سے استدلال کیا ہے: "**عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع**" کہ آپ ﷺ نے پھل کی بیع کو بدوصلاح سے پہلے منع فرمایا ہے (صحیح بخاری ۱/ ۲۹۲، حدیث نمبر ۲۱۹۴ صحیح مسلم ۲/ ۷ باب النہی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحہا/ ۳۸۳۵)۔

"**عن جابر بن عبد الله قال: نهى النبى ﷺ عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها**" (بخاری ۱/ ۲۱۰، رقم: ۱۴۶۵، صحیح مسلم ۲/ ۷، رقم: ۱۵۳۴)۔

اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے مطلقاً منع فرمایا ہے، اور اس اطلاق میں زیر بحث مسئلہ میں نزاع کی

صورت بھی داخل ہے، اس اطلاق سے بیع بشرط القطع کو اس لئے مستثنی کردیا ہے کہ قطع کی صورت میں محل نزاع باقی نہیں رہتا، **استدل الائمة الثلثة بعموم حديث الباب فانه ينهى عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها مطلقا، ويدخل فيه محل النزاع غير أنهم استثنوا الصورة الاولى من النهى وهى البيع بشرط القطع فان البيع بعد القطع لا يبقى محلا للنزاع**" (تکملہ ۱/ ۳۸۶)۔

ہمارے احناف کا استدلال اس طور پر ہے کہ اطلاق والی صورت ثالثہ دراصل پہلی صورت (بیع بشرط القطع) میں داخل ہے، جب یہ مطلقاً بیع ہے قطع وترک کی کوئی شرط نہیں ہے، تو اگر بائع مشتری کو حکم دے توڑنے کے لئے تو مشتری پر فی الحال توڑنا واجب ہوگا، تو یہ ایسے ہوگیا جیسے کہ توڑنے کی شرط لگا کر بیع کی ہو، اور اگر بائع نہ کہے تو توڑنا واجب نہ ہوگا، اس لئے نہیں کہ قطع بیع کا مقتضی نہیں ہے؛ بلکہ بائع نے تسامح اور چشم پوشی سے کام لیا ہے، گویا قطع کی شرط لگا کر تساہل ونرمی سے کام لیا، لہذا انجام کار کے اعتبار سے پہلی صورت بیع بشرط القطع اور تیسری اطلاق من الشرط میں کوئی فرق نہیں ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۸۷)۔

فتاوی شامی میں ہے: "**والخلاف انما هو فى بيعها قبل بدوالصلاح على الخلاف فى معناه لا بشرط القطع فعند مالک والشافعى وأحمد لايجوز وعندنا......الصحيح انه يجوز الخ**" یعنی اگر بیع بدوصلاح سے قبل مطلقا عن الشرط ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے اور ہمارے احناف کے نزدیک صحیح قول کے مطابق جائز ہے (شامی زکریا ۷/ ۸۵)۔

البحر الرائق میں ہے: "**فصار محل الخلاف البيع بعد الظهور قبل بدوالصلاح مطلقا اى لا بشرط القطع ولابشرط الترک فعند الائمة الثلاثة لايجوز وعندنا يجوز**"، یعنی پھل کے ظاہر ہونے کے بعد بدوصلاح سے قبل مطلقا بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز اور ہمارے نزدیک جائز ہے (البحر الرائق ۵/ ۳۰۰، کتاب البیوع)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلقا عن الشرط کی صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل ہے اور ہمارے حنفیہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔

۶- پھل خریدنے کے بعد توڑے جانے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینے کی صورت میں صفقتین فی صفقة واحدة لازم آئے گا جو کہ حدیث شریف میں منع ہے، روایت ہے: "**عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعودؓ عن أبيه قال: نهى النبى ﷺ عن صفقتين فى صفقة. رواه أحمد وقال فى مجمع الزوائد رجاله ثقات وسكت عنه ابن حجر فى التلخيص**" (نیل الاوطار ۵/ ۱۲، اعلاء السنن ۱۴/ ۱۸۲)۔

صاحب ہدایہ نے بیع بشرط الترک کی جو وجوہ ممانعت وفساد بیان کی ہے ان میں سے ایک صفقة فی صفقة بھی ہے،

اور"**هو صفقة فی صفقة وهو إعارة أو إجارة فی بیع**"(الہدایہ ۳/۲۶ کتاب البیوع)۔

فتح القدیر میں ہے: یعنی اگر شرط ترک بلا اجرت ہے تو اجارہ اور بیع ہے، اور اگر اجرت کی شرط ہے تو یہ اجارہ اور بیع ہے، "**قوله هو صفقة فی صفقة لأنه إن شرط بلا أجرة فشرط إعارة فی البیع أو بأجرة فشرط إجارة فیه**"(فتح القدیر ۵/۴۷۹)۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:"**قوله أو هو صفقة فی صفقة وهو إعارة أو إجارة فی بیع؛ لأنه إن کان بمقابلة منفعة الترک بعض الثمن فهو إجارة مشروطة فی البیع وإن لم یکن بمقابلتها شئ من الثمن فهو إعارة مشروطة فی البیع**"، یعنی اگر ثمن کا کچھ حصہ درخت پر چھوڑے رکھنے کی منفعت کے عوض میں ہو تو اجارہ ہے جس کی شرط بیع میں لگی ہوئی ہے، اس اعتبار سے اجارہ اور بیع کا اجتماع لازم آ رہا ہے، ترک علی الشجرۃ کی منفعت کے عوض میں نہیں ہے تو یہ اعارہ ہے، یہ بھی صفقۃ فی صفقۃ واحدۃ سے ہے (الکفایہ شرح الہدایہ علی فتح القدیر ۵/۴۸۹)۔

الغرض درخت کو کرایہ پر لینے کی صورت میں ایک محظور شرعی لازم آنے کی وجہ سے گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے، فتاوی محمودیہ میں ہے: باغ یعنی درختوں کو کرایہ پر لینا دینا درست نہیں ہے (فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۶/۵۸۱)۔

"**واذا عرف ان الاجارة بیع المنفعة فتخرج علیه بعض المسائل فنقول لا تجوز اجارة الشجر**"(بدائع الصنائع ۵/۵۱۸، کتاب الاجارۃ فصل فی رکن الاجارۃ ومعناہ، حاشیہ فتاوی محمودیہ جدید ۱۶/۵۸۲)۔

البتہ جواز کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بلا کسی شرط کے بیع کا معاملہ ہو اور پھر خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک کے لئے پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رکھے یا مالک خود ہی زبانی اجازت دے دے، "**ولو اشتراها مطلقا وترکها بإذن البائع طاب له الفضل**"(ہدایہ ۳/۲۷)۔

مفتی شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں: ہاں البتہ جواز کی یہ شکل نکل سکتی ہے کہ بلا شرط کے فصل فروخت ہو اور خریدار مالک سے یہ اجازت لے لے کہ پکنے تک پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رکھیں یا مالک خود ہی زبانی اجازت دے دے تو شرعاً جواز کے دائرے میں داخل ہو جائے گا، مگر معاملہ طے کرتے وقت یا اس سے قبل کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ بعد میں اجازت شرط ہے (ایضاح النوادر ۱/۷۵، بحوالہ ہدایہ ۳/۲۷، فتاوی قاسمیہ ۱۹/۴۷۶)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ احسن الفتاوی میں فرماتے ہیں کہ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑے رکھنے کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دے دی تو پھل حلال ہے (احسن الفتاوی ۶/۴۸۶)۔

خلاصہ یہ کہ پھل توڑنے کی مدت تک درختوں کو کرایہ پر لینے کی گنجائش نہیں ہے؛ کیونکہ صفقۃ فی صفقۃ لازم

آ رہا ہے؛ البتہ جواز کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ بلاشرط بیع ہو اور بعد میں خریدار مالک سے اجازت لے لے یا مالک از خود اجازت دے دے۔

۷- باغات کے پھلوں سے متعلق بطور خاص آم کے باغات کے بارے میں ایک معاملہ ہمارے علاقہ میں رائج ہے، ممکن ہے اور بھی علاقوں میں ہو، وہ یہ کہ باغ کے مالک بَور (پھول) اور پھل آنے کے وقت کسی دوسرے شخص کو ادھار دیتا ہے، وہ اس کی دیکھ ریکھ کرتا رہتا ہے، چوروں سے جانوروں سے حفاظت کرتا ہے اور جب پھل بڑے ہوجاتے ہیں یعنی بدوصلاح ہوجاتا ہے، اپنے حجم کو پہنچ جاتا ہے اور توڑے جانے کے لائق ہوجاتا ہے تو پھل توڑ کر مالک اور محافظ دونوں نصف نصف لے لیتے ہیں۔ دوران حفاظت اگر آندھی طوفان آئے اور آم چھوٹے کچے کھٹائی اچار بنانے کے لائق ہوتے ہیں تو اس کو بھی آدھا آدھ لے لیتے ہیں، حفاظت کرنے والوں کی ان آموں کے سوا کوئی اور اجرت نہیں ہوتی ہے، گویا یہی آم اس کی اجرت ہے، ظاہر ہے کہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے جیسا کہ جانور ادھیا پر پالنے کے لئے لیتے ہیں اور پیدا شدہ بچہ مالک اور پالنے والا آدھا آدھا بانٹ لیتے ہیں اور وہ ناجائز ہے، ایسی صورت میں پیداوار اصل مالک کا قرار پاتا ہے اور محافظ دیکھ بھال کرنے والا اجرت مثل کا حقدار ہوتا ہے جیسا کہ حضرات فقہاء کرام نے وضاحت کی ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **"وعلى هذا إذا دفع البقرة إلى إنسان بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث لصاحب البقرة فهو لصاحب البقرة ولذلک الرجل مثل العلف الذی علفها أجر مثله فيما عليها"** (الفتاوی الہندیہ ۲/۳۳۵، کتاب الشرکۃ، الباب الخامس فی الشرکۃ الفاسدۃ، نیز ۴/۴۴۵)۔

فتاوی شامی میں ہے: **"إذا دفع البقرة بالعلف ليكون الحادث بينهما نصفين فما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله"** (ردالمحتار)، **"مطلب يرجع للقياس الشركة الفاسدة"** (کذا فی الفتاوی البزازیہ علی الہندیہ ۵/۷۳)۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: **"اذا دفع البقرة وللآخر مثل علفه وأجر مثله لمن قام عليها"** (فتاوی تاتارخانیہ ۵/۷۶۰ ادارۃ القرآن، نیز دیکھئے: الفتاوی الکاملیہ/۵۵ کتاب الشرکہ، المحیط البرہانی ۶/۱۴ فصل فی الشرکۃ بالاعمال)۔

مذکورہ تمام عبارات کا ماحصل یہ ہے کہ دیکھ بھال کرنے والا اجرت مثل کا حقدار ہوتا ہے اور جو چارہ کھلایا اس چارہ کی قیمت کا مستحق ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح آم کے باغات کی دیکھ ریکھ کرنے والا اجرت مثل کا حقدار ہوگا، اور اگر دوا کا چھڑکاؤ کرایا یا اس میں کوئی صرفہ کیا تو اس کا عوض پانے کا حقدار ہوگا، لیکن مروجہ صورت میں دیکھ بھال کرنے والا باغ پھل میں سے اپنے دیکھ ریکھ یا اس کو بچانے کی صورت میں نصف پھل لے لیتا ہے، اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہے۔

حیلہ شرعی: اس کے جواز کا حیلہ شرعی یہ ہے کہ آم کے باغ کا مالک نصف باغ کو محافظ کے ہاتھوں فروخت کردے،

یعنی مالک آدھے باغ کا محافظ کو مالک بنادے مثلاً باغ کی قیمت ٹھہرا کر اس کے نصف حصہ کو نصف قیمت کے عوض محافظ کے ہاتھوں فروخت کردے، پھر اس کی قیمت محافظ کے ذمہ سے معاف کردے، اس کو اس سے نہ لے اور وہ باغ کی دیکھ ریکھ جاری رکھے، اس صورت میں نصف پھل کا حقدار ہو جائے گا، فقہاء عظام نے مذکورہ حیلہ شرعی کی وضاحت فرمائی ہے جو اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:"**والحيلة فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن ويبرّئه عنه ثم يأمر باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما**"(فتاوی ہندیہ ۴/ ۴۴۶، کتاب الاجارہ، الباب الخامس عشر)۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:"**والحيلة فى ذلك أن يبيع نصف البقرة من ذلك الرجل ونصف الدجاج ونصف بذر الفيلق بثمن معلوم حتى تصير البقرة وأجناسها مشتركة فيكون الحادث منهما على الشركة**"(فتاوی قاضی خاں علی الہندیہ ۲/ ۳۳۲، کذا فی الفتاوی التاتارخانیہ ۷/ ۵۰۵ زکریا)۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:"**والحيله فى جوازه أن يبيع نصف البقرة منه بثمن اللبن ويبرّئه عنه ثم يأمره باتخاذ اللبن والمصل فيكون بينهما**"(الفتاوی البزازیہ علی الہندیہ ۵/ ۳۷، کذا فی فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۶/ ۵۹۴-۵۹۵ مستفاد از کتاب النوازل ۱۲/ ۴۱۴)۔

خلاصہ یہ کہ باغات کو ادھیا پر لینا اجارہ فاسدہ ہونے کی بنا پر ناجائز ہے؛ البتہ حیلہ جواز یہ ہے کہ مالک باغ کی دیکھ ریکھ کرنے والے کو نصف باغ کا مالک بنادے؛ تا کہ تمام پیداوار کے نصف میں شریک ہو جائے۔

۸- باغات کی خرید وفروخت کا سلسلہ جو رائج ہے اس کی مختلف شکلیں اور متعدد صورتیں ماقبل میں آچکی ہیں جن میں سے بعض کا عدم جواز متفق علیہ ہے اور بعض کا جواز متفق علیہ ہے اور بعض مختلف فیہ ہیں۔

سوال میں مذکور صورتوں کو بیع سلم میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ شرائط سلم جن میں سے متعدد منصوص علیہ ہیں مفقود ہیں۔

مثلاً روایت ہے:"**عن ابن عباسؓ قال: قدم رسول الله ﷺ المدينة وهم يسلفون فى الثمار السنة والسنين والثلاث فقال: من أسلف فى شئ فليسلف فى كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم متفق عليه**"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال دو سال تین سال کی بیع سلم کیا کرتے تھے (یعنی پیشگی قیمت دے کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد پھل پہنچا دینا)، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے چاہئے کہ معین

پیمانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ بیع سلم کرے (مظاہر حق جدید ۳/ ۵۱۸، صحیح بخاری ۱/ ۲۹۹، ۲۱۸۸ باب السلم، صحیح مسلم ۲/ ۳۱، المساقات باب السلم، مشکوۃ المصابیح ۱/ ۲۵۰)۔

اس حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے کہ بیع سلم میں مدت کا تعین بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے؛ البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تعین مدت ضروری شرط نہیں ہے (مستفاد از مظاہر حق جدید ۳/ ۵۱۸)۔

جب بیع سلم کی شرائط صحت پھلوں کی مروجہ صورتوں میں نہیں پائی جاتی ہیں بطور خاص ظہور ثمار سے پہلے کی بیع میں تو اس میں سلم کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے، اس لئے مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: **"ولا ينعقد هذاالبيع لفقدان شرائطه من كون المبيع موجودا من حين العقد إلى تسليم المبيع من كون البيع معلوم القدر وكون الاجل معينا وغير ذلك"**، یعنی ظہور ثمار سے قبل کی بیع بیع سلم نہیں ہوسکتی ہے، سلم کی شرائط کے مفقود ہونے کی وجہ سے، مثلاً عقد کے وقت تسلیم مبیع کے وقت تک مبیع کے موجود ہونے کی شرط اور مبیع کے معلوم القدر ومعلوم الاجل ہونے کی شرط مفقود ہے (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۹۳)۔

اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ پھل جب تک نکل نہ آئے اس کی بیع مطلقا ناجائز ہے، اور حیلہ سلم کا اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد اس جگہ پایا جانا شرط ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۱)، لہذا اس میں عقد سلم جاری کرنے کے بجائے مبتلی بہ کو اس کے جواز واصلاح کی صورتوں پر عمل کا مشورہ دیا جائے، مثلاً اصلاح بیع معدوم کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ کو فروخت کر چکے ہیں وہ اب پھل کے آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں تو اصلاح ہوجائے گی، بائع یہ کہہ دے کہ میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل بیچتا ہوں اور مشتری کہہ دے کہ میں خریدتا ہوں (کمالات اشرفیہ/ ص ۵۸، ملفوظ: ۱۸۱)۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: اور اس کے جواز کی متبادل شکل یہ ہے کہ صرف پھلوں کا معاملہ نہ کیا جائے بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے، مثلاً ایک سال دو سال کے لئے زمین سمیت باغ کرایہ پر دے دیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ بو کر فائدہ اٹھائے اور مالک کا اس میں کوئی حق نہیں ہوگا (مستفاد از انوار رحمت/ ص ۱۷۹، فتاوی قاسمیہ ۱۹/ ۳۳۱، کتاب النوازل ۱۰/ ۴۷۵)۔

اور جیسا کہ ابن تیمیہؒ کے فتاوی کے حوالے سے نقل کیا ہے: **"فان الكوفيين احتالوا عدم الجواز تارة بأن يؤجرالأرض فقط ويبيحه ثمر الشجر كما يقولون مما بيع الثمر قبل بدوصلاحها وبيعه إياه مطلقا أوبشرط القطع ويبيحه إبقاء ها وهذه الحيلة منقول عن أبى حنيفة والثورى وغيرهما"** (فتاوی ابن تیمیہ

۴۳۵/۳، بحوالہ تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۹۵)۔

یعنی درختوں کو کرایہ پر دے کر پھلوں کو مباح قرار دیا جائے یا بیع مطلق کی جائے اور پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے کی مالک از خود اجازت دے، جیسا کہ حیلہ جواز ہدایہ سے مستفاد ہوتا ہے، "**ولو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الفضل**" (ہدایہ ۳/ ۲۷)۔

کتاب النوازل میں ہے: پس انجام کار اس کو درست کرنے کی شکل یہ ہے کہ بعد میں جب اچھی طرح پھل آ جائیں تو پھل توڑنے سے پہلے آپسی رضامندی سے از سر نو معاملہ کرلیا جائے اور سابقہ معاملہ فسخ کر دے؛ تاکہ کوئی فساد باقی نہ رہے (کتاب النوازل ۱۰/ ۴۸۴)، الحاصل یہ کہ اگر ابھی پھل نہیں آئے ہیں تو زمین کرایہ پر لینے کا حیلہ جواز اپنایا جاسکتا ہے، فتاوی محمودیہ (۱۶/ ۱۰۱) میں ہے: اور اگر پھل آ چکے ہیں اور بدو صلاح نہیں ہوا ہے تو اطلاق بیع عن الشرط کے حیلہ جواز پر عمل کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ: مذکورہ صورتوں میں بیع سلم کی شرائط مفقود ہونے کی وجہ سے سلم کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد سلطان کشمیری☆

تمہید:

خرید وفروخت کی جو صورتیں رائج ہیں، ان میں ایک باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت ہے، کتب فقہ میں عام طور پر خرید وفروخت کے جو اصول مقرر کئے گئے ہیں، پھلوں کی مروجہ تجارت میں بعض مواقع پر ان سے انحراف اور گریز بھی کیا جاتا ہے، ایک طرف یہ اصول وقواعد ہیں جو نص میں بہ صراحت بیان کئے گئے ہیں یا کتاب وسنت کے عام اصول سے مستنبط ہیں، دوسری طرف آج کل کا تعامل اور رواج ہے۔

پھلوں کی خرید وفروخت کی صورتیں:

اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم باغات کی خرید وفروخت کی ممکنہ اور مروجہ صورتوں کا تجزیہ کریں۔

۱- پھل ابھی آئے بھی نہ ہوں اور باغ فروخت کردیا جائے جیسا کہ بعض اوقات ایک یا کئی سال کے لئے باغات فروخت کردیئے جاتے ہیں جس کو حدیث میں سنین اور معاومہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کی صورت یہ کہ اس طرح بیع کی جائے کہ اس سال جو کچھ بھی اس درخت میں آئے وہ فروخت کرتا ہوں، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی ناپید اور معدوم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے میں باغ اور درخت کی جس طرح پیشگی بیع ہوجایا کرتی ہے وہ جائز نہیں ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع:

پھل نکل آئے اور انسانی استعمال کے قابل بھی ہوگئے جس کو حدیث میں بدوصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے، ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بہر حال خرید وفروخت درست ہے، چاہے غیر مشروط خرید وفروخت ہو یا فوراً توڑنے کی شرط ہو یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی، نیز خریدار کو غیر مشروط معاملہ یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط کی صورت میں حق حاصل ہوگا کہ پھل کی تیاری تک پھل درخت پر رہنے دیا جائے،

☆ سراج العلوم سری نگر، کشمیر۔

"وجملة ذلک أنه إذا بدا الصلاح فی الثمرة جاز بیعها مطلقا وبشرط القطع وبذلک قال مالکؒ والشافعیؒ، وقال أبو حنیفة وأصحابه: لایجوز بشرط التبقیة" (المغنی لابن قدامہ ۴/۷۵، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ لعبد الرحمٰن الجزیری ۲/۳۰۲، نہایۃ المحتاج ۴/۱۴۱)۔

امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک پھل کے درخت پر ایک عرصہ تک لگے رہنے کی شرط لگا دی جائے تو بیع درست نہ ہوگی، امام محمد نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ اگر پھل تیار ہو چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں اور یہ معتبر بھی ہوگی، اور اگر پھل تیار ہونے سے پہلے اس طرح کا معاملہ ہو تو درست نہ ہوگا، عموم بلوی کے تحت طحطاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، ابن نجیم و حصکفی وغیرہ کے بیان کے مطابق اسی پر فتوی ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، حنفیہ کے یہاں بدو صلاح سے مراد پھلوں پر اتنی مدت گذر جانی چاہئے کہ وہ آندھی وغیرہ آفات سے محفوظ رہے، "أن تؤمن العاهة والفساد" گو ابھی پھل پکنا شروع نہ ہوا ہو؛ جبکہ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک بدو صلاح اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ وہ پکنے لگے اور اس میں مٹھاس پیدا ہوگئی ہو "هو ظهور النضج وبدو الحلاوة" پھر اپنی اپنی تشریح کے مطابق ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ "بدو صلاح" کے بعد درخت پر لگے ہوئے پھل کی خرید وفروخت درست ہے (ردالمحتار ۴/۳۱)۔

حدیث میں بدو صلاح کے لئے مختلف علامتیں ذکر کی گئی ہیں:

"عن أنس بن مالک عن النبی ﷺ أنه نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها، وعن النخل حتى يزهو قيل: وما يزهو؟ قال: يحمار أو يصفار"، حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے پھل کی بیع سے منع فرمایا جب تک قابل انتفاع نہ ہو جائے، اور درخت پر کھجور کی بیع سے منع فرمایا جب تک رنگ نہ پکڑ لے، لوگوں نے حضرت انسؓ سے پوچھا: "زہو" کیا ہے؟ فرمایا: سرخ ہو جائے یا زرد ہو جائے (بخاری، کتاب البیوع)۔

شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے بڑی خوبی سے مختلف پھلوں میں الگ الگ علامتیں ذکر کی ہیں جس کا خلاصہ یوں ہے:

۱- رنگ کی تبدیلی، جیسے بیر وغیرہ۔ ۲- مزہ، جیسے گنے میں شیرینی اور لیموں میں ترشی۔

۳- پکنا اور نرم ہو جانا جیسے انجیر۔ ۴- سخت ہو جانا جیسے گیہوں۔

۵- لمبائی۔ ۶- حجم کا بڑھ جانا جیسے کھیرا۔

۷- غلاف کا پھٹ جانا جیسے روئی۔ ۷- کھل جانا جیسے گلاب و چنبیلی وغیرہ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۲/۲۹۴)۔

بدو صلاح سے پہلے بیع کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت بشرط التبقیۃ ہے، یعنی مشتری نے اس شرط پر خریدا کہ پکنے تک پھل درخت پر باقی رہے گا، یہ

بالاتفاق ناجائز ہے، نیز مقتضیات بیع کے خلاف شرط فاسد ہے۔

دوسری صورت بشرط القطع ہے، یہ بالاتفاق جائز ہے۔

تیسری صورت یہ کہ بیع مطلق ہو نہ قطع کی شرط ہو اور نہ تبقیہ کی، اس صورت میں احناف کے یہاں جائز ہے اور شوافع اور مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

علماء حنفیہ فرماتے ہیں کہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں پائی گئی؛ چونکہ کچا پھل بھی بسا اوقات قابل انتفاع ہوتا ہے۔

پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی حسب ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں:

الف- پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل یا آئندہ سالوں کے بھی، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے؛ کیونکہ مبیع معدوم ہے۔

ب- باغ کے کچھ درختوں پر پھل آئے اور کچھ درختوں پر نہیں آئے، بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو، اب مالک باغ تمام پھلوں کو فروخت کرتا ہے، ان کو بھی جو نکل آئے اور ان کو بھی جو نہیں نکلے، امام مالک کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جائز نہیں۔

”وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبی حنيفة والشافعی وأحمد، وقال مالک يجوز“۔

اسی طرح اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوں تو بھی امام شافعی واحمد کے برخلاف امام مالکؒ نے اس کی اجازت دی ہے بشرطیکہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں، اگر دو علاحدہ پھل کے درخت ہوں مثلاً کچھ درخت آم کے ہوں اور کچھ امرود کے تو اب آم کے بعض درخت میں پھل کا آجانا یا پھل کا قابل استعمال ہوجانا امردو کے پھلوں کی فروختگی کے لئے کافی نہ ہوگا؛ حالانکہ امرود ابھی قابل استعمال ہوا ہی نہ تھا، **”وبدوه ای الصلاح فی بعض من ذلک النوع ولو نخلة کاف فی جواز بيع الجميع من جنسه لا فی غير جنسه“** (الشرح الصغیر ۳/۲۳۵)۔

ابن ہمام نے اس پر ایک اور طریق سے بحث کی ہے کہ فقہاء نے اس بات کو منع کیا ہے کہ پھل خرید لیا جائے اور جتنی مدت میں وہ پکے اتنی مدت کے لئے درخت کرایہ پر لیا جائے؛ کیونکہ اجارہ ایک خلاف قیاس حکم ہے اور اس کی اجازت اسی وقت ہے جبکہ اس کے سوا چارہ نہ رہے، یہاں درخت پر پھل کو باقی رکھنے کے لئے ایک دوسری تدبیر بھی موجود ہے کہ خریدار پھل کے ساتھ درخت بھی خرید لے، آگے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ چونکہ پھل دار درخت کا اجارہ تعامل سے ثابت ہے اور درخت کو خرید کرنے میں دشواری ہے اس لئے اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

"ولا يخفى ما في هذا من العسر فانه يستدعي شراء ها لا حاجة له إليه أو مالا يقدر على ثمنه وقد لا يوافقه البائع على بيع الأشجار فالأول أولى" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

اس میں جو دشواری ہے وہ مخفی نہیں؛ کیونکہ اس کا تقاضہ ہے کہ خریدار اس چیز کو خرید کرے جس کی اس کو ضرورت نہیں، یا جس کی قیمت ادا کرنے پر وہ قادر نہیں، نیز کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ بائع اس سے درخت فروخت کرنے پر آمادہ نہ ہو، لہذا پہلی صورت (درخت کا اجارہ) زیادہ بہتر ہے۔

البتہ ابن حزم اور لیث بن سعد کے نزدیک ایک باغ میں مختلف پھلوں کے درخت ہوں اور ان میں سے کوئی ایک پھل تیار ہو گیا تو دوسرے پھلوں کی بیع بھی درست ہو جائے گی۔

"فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجر صفقة واحدة بعد ظهور الطيب في شيء منه جائز، وهو قول الليث ابن سعد؛ لأنه بيع ثمر قد بدا صلاحها ولم يقل رسول الله ﷺ أن ذلك لايجوز إلا في صنف واحد" (المحلی ۸/۴۵)۔

ایک باغ جس میں مختلف صنف کے درخت ہوں، کے پھلوں کو اس میں سے ایک درخت میں بھی تیاری کے آثار ظاہر ہونے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے، یہی قول لیث کا بھی ہے؛ کیونکہ یہ بدو صلاح کے بعد پھلوں کو فروخت کرنا ہے، اور حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی صنف کا پھل فروخت کرنا جائز ہوگا۔

پس احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق نکلے ہوئے پھلوں کے ساتھ ان پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں، چنانچہ اگر قبضہ سے پہلے ہی مزید کچھ پھل نکل آئے تب تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر خریدار کے قبضہ کے بعد پھل میں اضافہ ہوا اور نئے پھل نکلے تو اب باغ میں خریدار اور مالک دونوں شریک سمجھے جائیں گے، "ولو اشتراها مطلقا فأثمرت ثمرا آخر قبل القبض فسد البيع لتعذر التمييز ولو أثمرت بعده إشتركا للاختلاط" (البحر الرائق ۵/۳۰۱)، یہی فقہاء احناف کے یہاں ظاہر الروایہ ہے۔

دوسری طرف عوام میں بڑھتا ہوا تعامل کہ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کر دیا جاتا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے بعض فقہاء نے اس میں نرم روی اختیار کی ہے، ابن ہمام، ابن نجیم اور شامی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حلوانی نے زیلعی کے حسب روایت اس کو جائز قرار دیا ہے بہ شرطیکہ اکثر پھل نکل آئے ہوں اور کچھ باقی ہوں، "وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج اكثر" (حوالہ سابق)۔

شمس الائمہ نے امام فضلی سے نقل کیا ہے کہ وہ پھل کے اکثر اور کمتر حصہ کی قید کے بغیر بہر صورت اس معاملہ کو جائز

قرار دیتے ہیں کہ پھل کی کچھ تعداد نکل آئی ہو اور کچھ پھل ابھی نہ آیا ہو، بلکہ جو پھل موجود ہو اس کو اصل سمجھا جائے گا اور بعد کو نکلنے والا پھل اس کے تابع ہو کر معاملہ میں شامل رہے گا۔

"ولم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قال عنه اجعل الموجود اصلا فى العقد وما يحدث بعد ذلك تبعا" (الدر المختار علی الرد ۴/ ۳۹، خلاصۃ الفتاوی ۳/ ۳۱،۳۰)۔

ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام فضلی کہتے ہیں کہ لوگوں کا انگور کی خرید وفروخت میں اسی نوعیت کا تعامل ہو گیا ہے اور اب ان کو اس سے روکنے میں حرج ہے، اس لئے استحسانا میں اس کو جائز قرار دیتا ہوں (البحر الرائق ۵/ ۳۰۱)۔

اس پر اس بات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ امام محمدؒ نے درخت پر لگے ہوئے گلاب کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے، حالانکہ گلاب کے پھول یکبارگی نہیں نکلتے اور کھلتے بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں۔

ابن ہمام نے اس کے لئے یہ تدبیر بتائی ہے کہ بیگن ککڑی وغیرہ سبزیوں میں اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ پھل کے بجائے اصل پود ہی خرید کر لیا جائے؛ تاکہ اب آئندہ نکلنے والا پھل اسی کی ملک میں رہے، **"يشترى أصول الباذنجان والبطيخ والرطبة ليكون ما يحدث عن ملكه"**، کھیتی وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ جو پھل موجود ہوں مقررہ قیمت کے کچھ حصہ سے اس کو خرید لے اور بقیہ رقم پر اپنی مدت کے لئے زمین کا کرایہ طے کر لے جس میں کھیتی کی تیاری یقینی ہے: **"وفى الشرع والحشيش يشترى الموجود ببعض الثمن ويستاجر الأرض مدة معلومة يعلم غاية الإدراک"**، پھلوں میں یہ طریق اختیار کیا جائے کہ موجودہ پھل خرید کرے اور بائع اس کے لئے آئندہ ہونے والے پھل کو مباح وجائز کر دے، **"وفى ثمار الأشجار يشترى الموجود ويحل له البائع ما يوجد"** (البحر الرائق ۵/ ۳۰۱)۔

امام سرخسی نے تو ظاہر روایت ہی پر فتوی دیا ہے اور اس کو منع کیا ہے؛ اس لئے کہ یہ غیر موجود شئ کی خرید وفروخت ہے، لیکن متاخرین نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں امام فضلی ہی کی رائے پر عمل کیا ہے اور خوب لکھا ہے کہ دمشق وغیرہ میں جہاں کثرت سے باغات ہیں اسی خرید وفروخت کا تعامل ہو گیا ہے اور اوپر اس کو جائز کرنے کی جو صورتیں ذکر کی گئی ہیں جہل کے غلبہ کی وجہ سے معدود چند لوگوں کو چھوڑ کر عام لوگوں سے اس پر عمل کرنے کا تقاضا ممکن نہیں اور اس کو اس سے باز رکھنا بھی مشکل ہے، پھر چونکہ مارکیٹ میں جو پھل آتا ہے وہ اسی طریق سے آتا ہے اس لئے پھل کا کھانا ہی حرام ہو جائے گا، پس اب اس بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کر لیا ہے، لہذا جس طرح انسانی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے "سلم" کی اجازت دی ہے حالانکہ وہ ایک شئ معدوم کی بیع ہے، اسی طرح پھلوں کی خرید وفروخت کی اس نوعیت کے معاملات کو بھی درست کہنا چاہئے (ابن عابدین، رد المحتار ۴/ ۲۹)۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کچھ پھل نکل آئے ہوں اور باقی ابھی نہیں نکلے ہوں تو ان کو فروخت کرنا درست اور جائز ہوگا بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں، ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک درخت میں پھل کا آجانا دوسرے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہیں ہوں گے۔

ج- پھل نکل آیا لیکن قابل استعمال نہ ہو، ایسا پھل اگر اس شرط پر خرید کیا جائے کہ خریدار اسے فوراً توڑے گا، تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے، ابن قدامہ کہتے ہیں: "**القسم الثانی: أن يبيعها بشرط القطع فی الحال فيصح بالاجماع لأن المنع إنما كان خوفا من الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها**" (المغنی ۴/ ۷۲)۔

تاہم اگر خرید وفروخت کا معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک اس کو درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: "**فان كان ذلك بإذن البائع جاز وطاب له الفضل**" (تحفۃ الفقہاء/ ۵۶)۔

اسی طرح پھل تیار ہونے سے پہلے ہی خرید کرلیا اور خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت یہ طے نہ پایا کہ پھل ابھی توڑے گا، یا اسے تیار ہونے تک باقی رکھے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ درست ہوجائے گا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہ ہوگا۔

"**القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالك والشافعی وأجازه أبو حنيفة**" (المغنی ۴/ ۷۳)۔

احناف نے گو اس کو جائز رکھا ہے، لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے، "**وعلى المشتری قطعها فی الحال إذا باع مطلقا أو بشرط القطع**" (عالمگیری ۳/ ۱۰۹)۔

اور اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پائے کہ مالک پھل درخت پر رہنے دے گا تاآنکہ پھل پک جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو بیع فاسد ہوگی ہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی درست نہ ہوگی، "**أما إذا باع بشرط الترك فهو فاسد**" (تحفۃ الفقہاء/ ۵۵)؛ کیونکہ خرید وفروخت کے معاملہ میں خریدار نے ایک ایسی شرط لگا دی ہے جس میں اس کے لئے منفعت ہے۔

اگر پھل درخت پر باقی رکھنا چاہتا ہو تاکہ وہ پوری طرح تیار ہوجائے تو اس کے فقہاء نے دو حیلے بتائے ہیں: اول یہ کہ درخت پر بٹائی لے لے جس کو "مساقات" یا "معاملت" کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب مثلاً ہزارواں حصہ مالک باغ کے لئے مقرر کرے۔ "**والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزء اً من الف جزء**" (درمختار علی ہامش

الرد ۴/۴۰)، دوسری صورت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو بطور خود پکنے تک اس کو درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے، اب اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک درخت نے اگر آج اجازت دے دی اور آئندہ پھر اپنی اجازت سے رجوع کرے تو خریدار کس طرح اپنے حق اور پھل کا تحفظ کرے گا؟ اس کا حل یوں پیش کیا گیا ہے کہ مالک سے اس طرح اجازت حاصل کی جائے کہ پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دے دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تم کو پھل باقی رکھنے کا حق ہوگا (حوالہ سابق)۔

دوسری، تیسری اور چوتھی صورت میں احناف نے اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کو منع کیا ہے کہ پھل کی تیاری تک پھل درخت پر رہنے دیئے جائیں اور یہ اس لئے کہ یہ ایک ایسی شرط ہے جو تقاضائے خرید وفروخت کے خلاف ہے، اس لئے معاملہ کو فاسد کردے گی مگر یہ مسئلہ موجودہ حالات میں قابل غور ہے، اوپر علامہ سرخسی کا بیان گذر چکا ہے کہ جو شرطیں تعامل کا درجہ اختیار کرلیں اور خرید وفروخت میں رواج پاجائیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ معتبر بھی ہیں، اور بیع کے صحیح ہونے میں رکاوٹ بھی نہیں ہیں، عالمگیری میں بھی مختلف جزئیات کے ذریعہ اس اصول کو منقح اور واضح کیا گیا ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ولكنه متعارف كما إذا اشترى نعلا وشراكا على أن يحذوه البائع جاز البيع استحسانا كذا في المحيط، وإن اشترى صرما على أن يخرّز البائع له خفا أو قلنسوة بشرط أن يبطّن له البائع من عنده فالبيع بهذا الشرط جائز للتعامل كذا فى التتارخانية، وكذا لو إشترى خفا به خرق على أن يخرز البائع أوثوبا من خلقاني وبه خرق على أن يخيطه ويجعل عليه الرقعة كذا فى محيط السرخسى، ولو اشترى كرباسا بشرط القطع والخياطة لا يجوز لعدم العرف كذا فى الظهيرية، وإن كان الشرط شرطا لم يُعرف ورود الشرع بجوازه فى صورته وهو ليس بمتعارف إن كان لأحد المتعاقدين فيه منفعة أو كان للمعقود عليه منفعة والمعقود عليه من أهل أن يستحق حقا على الغير فالعقد فاسد كذا فى الذخيرة" (عالمگیری ۳/۴/۱۳۴)۔

لیکن اگر وہ شرط مروج ہو مثلاً چمڑا اور تسمہ اس شرط پر خریدے کہ بائع اس کا جوتا بنادے تو از راہ استحسان جائز ہوگا، اگر چمڑا خریدلیا بشرطیکہ بائع اس کے لئے موزے بنادے، یا ٹوپی خریدی کہ بہ شرطیکہ بائع اپنے پاس سے استر لگادے تو تعامل کی وجہ سے ان شرطوں کے ساتھ بیع جائز ہے، ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے، اسی طرح اگر پھٹا ہوا موزہ خریدکرے بہ شرطیکہ بائع اسے ٹھیک کرے یا پھٹا ہوا کپڑا بشرطیکہ اس پر پیوند کردے، اور اگر کپڑا خریدکرے اس شرط پر کہ بائع اسے چھانٹ دے اور سل دے تو تعامل اور عرف نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

اگر شرط ایسی ہو کہ کسی صورت میں نص اس کے جواز پر وارد نہ ہو، نہ لوگوں میں اس کا تعامل ہو، تو اگر بائع اور خریدار

میں سے کسی کا اس میں نفع ہو یا خود مبیع کا نفع ہو اور وہ اس کا اہل ہو کہ دوسرے پر اس کا حق ثابت ہو سکے تو یہ معاملہ فاسد ہوگا، اس تعامل اور ضرورت کی بنا پر بعض فقہاء نے موجود پھلوں کے ساتھ غیر موجود پھلوں کی خرید وفروخت کو درست رکھا ہے، امام محمد نے اسی تعامل کی بنا پر پھل کی تیاری کے بعد اس کو درخت پر لگا رہنے کی شرط کو درست قرار دیا ہے، امام ابن ہمام نے بحث کی ہے کہ صاحب ہدایہ کا یہ کہنا کہ امام محمدؒ کی رائے اس بات پر مبنی ہے کہ اب پھل کی نشو ونما مکمل ہو چکی ہے اور اب وہ درخت کی انرجی نہیں لے گا اس بنا پر تقاضائے قیاس ہے کہ یہ معاملہ درست ہو صحیح نہیں ہے، اصل میں اس شرط کو منع اس لئے کرتے ہیں کہ بیع میں کسی شرط کا لگانا صحیح نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت ہر طرح کے پھل میں ہے چاہے وہ ابتدائی حالت میں ہو یا تیار ہو، ابن ہمام کا خیال ہے کہ دراصل امام محمدؒ کی یہ رائے خلاف قیاس از راہ استحسان ہے اور عرف اور تعامل کی رعایت پر مبنی ہے۔

لیکن ابن ہمام کی عبارت پر غور کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کا میلان بھی اس طرف ہے کہ خرید وفروخت کے معاملہ میں تعامل تیاری سے قبل بیع اور اس کے بعد پھل درخت پر باقی رکھنے کا ہے؛ اس لئے غیر مکمل پھل (غیر متناہی) میں بھی درخت پر باقی رکھنے کی شرط کو درست وجائز ہونا چاہئے۔

”ولا یخفی أن الوجه لا یتم فی الفرق لمحمد إلا بإدعاء عدم العرف فیما لم یتناه عظمه“ (فتح القدیر ۵/۴۹۵)۔

اب صورت حال یہ ہے کہ پھل کی تیاری سے پہلے ہی باغات کی خرید اور پھل کی تیاری تک درخت پر پھلوں کے باقی رکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے، اور شامی نے جو بات دمشق کے بارے میں لکھی ہے، وہی بات دنیا کے اکثر خطوں کے بارے میں کہی جا سکتی ہے کہ اگر خرید وفروخت کی اس صورت کو نادرست قرار دیا جائے تو بازار میں حلال طریقے سے خرید کئے ہوئے پھل کی دستیابی دشوار ہو جائے گی، خود فقہاء کو بھی اس کا احساس ہے، اسی لئے انہوں نے مختلف حیلے بھی پیش کئے ہیں؛ تاکہ خلق خدا کی طرف حتی الوسع اکل حرام کی نسبت سے بچا جا سکے، یہ عرف وعادت اور ضرورت انسانی ہی وہ امر ہے کہ جس کے تحت فقہاء نے مفتی بہ قول اور ظاہر روایت سے عدول کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

”وما ضاق الأمر اتسع ولا یخفی أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة“ (ردالمحتار ۴/۳۹)۔

ان حالات میں یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ عرف تعامل کی بنا پر درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے، اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی جائز ہوگا اور یہ شرط بھی بجائے خود معتبر ہوگی۔

بیع سلم: سلم خرید وفروخت کی اس صورت کو کہتے ہیں جس میں قیمت نقد ادا کی جائے اور سامان ادھار رہے، اسی کو سلف بھی کہتے ہیں، سلم کی مشروعیت اور اس کے جائز ہونے میں حضرت سعید بن مسیّب کے سوا سبھوں کا اتفاق ہے، اور

ابن المنذر نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے (المغنی ۴/ ۱۸۵)، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ دونوں ہی سے اس کا ثبوت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ آیت قرآنی: "یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه" (بقرہ) (اے ایمان والو! جب کبھی تم آپس میں کسی مقررہ میعاد تک کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو)۔

حدیثیں اس سلسلے میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ راوی ہیں: "من أسلف فی شيء فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم" (بخاری، کتاب السلم)، جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو متعین پیمانہ ووزن سے متعین مدت کے لئے کرے، سلم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں قابل ذکر ہیں:

۱-سلم کا رکن، ۲-سلم کی شرائط، ۳-سلم سے متعلق احکام۔

سلم کے ارکان: دوسرے معاملات کی طرح سلم کا رکن بھی ایجاب وقبول ہے، یعنی ایک کی طرف سے پیشکش اور دوسرے کی طرف سے قبول کا اظہار، البتہ اس بات میں فقہاء کے درمیان کسی قدر اختلاف ہے کہ اس معاملہ کے لئے کیا الفاظ استعمال کئے جائیں، امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء کے درمیان سلم اور سلف کے الفاظ سے سلم کا معاملہ منعقد ہو جاتا ہے، امام شافعی اور فقہاء حنفیہ میں امام زفر کے نزدیک محض بیع کے لفظ سے سلم نہیں ہوسکتا، حنفیہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ روایت: "أن رسول اللہ ﷺ نهی عن بیع مالیس عند الإنسان ورخص فی السلم" میں گویا کہ سلم کو بیع ہی کی ایک صورت مانی گئی ہے۔

سلم کے متعلقات: سلم کے متعلقات پانچ ہوتے ہیں:

۱-خریدار-اس کو "رب السلم" یا "مسلم" کہتے ہیں۔

۲-فروخت کنندہ-اس کو مسلم الیہ کہا جاتا ہے۔

۳-قیمت جو خریدار نقد ادا کرتا ہے اس کو رأس المال کہتے ہیں۔

۴-سامان جو ادھار ہو "مسلم فیہ" کہلاتا ہے۔

۵-مذکورہ پورے معاملہ کے مجموعہ کو "عقد سلم" کہتے ہیں۔

عام فقہاء کی اصطلاح میں یہ پانچوں سلم کے ارکان کہلائیں گے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایجاب وقبول سلم کے ارکان ہیں اور یہ سب متعلقات۔

معاملہ سے متعلق شرط: سلم سے متعلق شرطیں بھی تین طرح کی ہیں: ایک وہ جو نفس معاملہ کے متعلق ہو، اور دوسرے وہ جو رأس المال سے متعلق ہو، تیسرے وہ جو مسلم فیہ یعنی سامان سے متعلق ہو۔

نفس معاملہ سے متعلق شرط یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی نے اپنے لئے خیار شرط حاصل نہ کیا ہو (بدائع الصنائع)، یعنی

یہ اختیار حاصل نہ کیا ہو کہ وہ تین دنوں میں غور کر کے ایک طرفہ طور پر معاملہ کو ختم کر سکتا ہے۔

قیمت سے متعلق شرطیں: ۱-جنس بیان کردی گئی ہو، جیسے روپئے، گیہوں چاول وغیرہ۔

۲-صفت بیان کردی گئی ہو کہ وہ اعلی درجہ کی ہے یا اوسط درجہ کی یا معمولی۔

۳-نوعیت بیان کردی گئی ہو مثلاً باسمتی چاول وغیرہ۔

۴-مقدار بیان کردی گئی ہو اگر تولی ناپی جانے والی شئ ہو، یا ایسی شمار کی جانے والی شئ ہو جس کے افراد میں بہت کم تفاوت ہوتا ہے، دوسری اشیاء میں فقہاء نے اشارہ کو کافی قرار دیا ہے، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے یہاں پہلی صورت میں بھی اشارہ کافی ہے؛ کیونکہ وہ نزاع کے سدباب کے لئے کافی ہے (البحر الرائق)۔

۵-یہ ضروری ہے کہ رأس المال پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جائے؛ کیونکہ اگر مجلس میں قبضہ نہ ہو تو وہ قیمت اور سامان دونوں دین ہو جائیں گے، اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی متعلق ہے کہ قیمت پر قبضہ سے پہلے اس کو بدل کر کسی اور جنس میں اس کو ادا کرنا درست نہیں (بدائع الصنائع ۵/۲۰۱، ۲۰۳)۔

سامان سے متعلق شرطیں: جنس متعین ہو، نوعیت متعین ہو، صفت متعین ہو، مقدار متعین ہو، جس چیز سے مقدار متعین کی گئی ہو یعنی وزن پیمانہ ناپ وغیرہ، اس کے ضائع اور ناپید ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ادھار ہو، سامان کو ادا کرنے کی مدت متعین ہو۔

امام محمدؒ کے نزدیک کم سے کم مدت ایک ماہ ہونی چاہئے، بعض فقہاء حنفیہ کم سے کم مدت تین دن اور بعضوں نے کم سے کم مدت عرف پر موقوف رکھا ہے (البحر الرائق ۶/۱۶۰)، اور عاجز کا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے، اگر ایسا سامان ہو کہ اس کو پہنچانے میں حمالی اور اخراجات مطلوب ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی بھی تعیین ضروری ہے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مقام کی تعیین شرط نہیں؛ بلکہ اگر مقام طے نہ ہوا ہو تو جہاں پر معاملہ طے ہوا ہے وہیں سامان پہنچانے کی جگہ متصور ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ جس سامان پر معاملہ ہوا وہ معاملہ طے پانے سے لے کر ادائیگی کے وقت تک بازار میں دستیاب ہو۔

سلم ایسی ہی چیزوں میں درست ہے کہ جس کی مقدار اور صفات کی ایسی تعیین کی جا سکتی ہو کہ ادائیگی کے وقت سامان کی بابت فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو، اور یہ چار قسم کی چیزیں ہیں:

الف-کیلی-یعنی وہ چیزیں جن کی مقدار پیمانوں سے ناپ کر متعین کی جاتی ہو، جیسے تیل، شہد وغیرہ۔

ب-وزنی وہ چیزیں جو باٹ سے تول کر خریدی بیچی جاتی ہیں جیسے چاول، چنا، خشک میوے وغیرہ۔

ج-ذراعی-جن چیزوں کی پیمائش ہاتھ، گز وغیرہ سے کی جاتی ہے جیسے کپڑے۔

د- عددی متقارب- ایسی چیزیں جو گن کر خریدی بیچی جاتی ہیں اور ان کے افراد میں یا تو تفاوت نہیں ہوتا یا اتنا کم ہوتا ہے کہ لوگ اسے ناقابل لحاظ سمجھتے ہیں جیسے اخروٹ انڈے وغیرہ، پس انہیں امور میں سلم کا معاملہ درست ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۲۰۱- ۲۱۴)۔

ایک اہم شرط:

سلم کے لئے ایک اہم شرط یہ ہے کہ رأس المال اور مسلم فیہ جنس اور قدر یعنی ذریعہ پیمائش ان دونوں میں سے کسی بھی ایک میں متحد نہ ہو، اگر دونوں کی جنس ایک ہوجائے یا قدر ایک ہوجائے تو ایسی صورت میں ادھار معاملہ ''ربا النساء'' ہوجائے گا، جو حرام ہے، گویا یہ شرط قیمت اور سامان دونوں ہی سے متعلق ہے (بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۴)۔

سلم کی شرائط میں فقہاء کا اختلاف رائے:

سلم کے مذکورہ احکام میں کہیں کہیں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے؛ یہاں اس کی طرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

سلم میں راس المال کی مقدار کا متعین طور پر زبان سے اظہار امام ابوحنیفہ کے نزدیک ضروری ہے، شوافع، حنابلہ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اشارہ کردینا کافی ہے، زبان سے مقدار کی تعیین ضروری نہیں (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۶۰۱)۔

راس المال کی مجلس عقد ہی میں حوالگی امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی ضروری ہے، امام مالک کے یہاں تین دن کی تاخیر سے بھی ادا کیا جاسکتا ہے- سلم کے لئے ضروری ہے کہ مسلم فیہ یعنی سامان ادھار ہو، یہ رائے مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسلم فیہ نقد بھی ہوسکتا ہے، گویا امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے کہ لفظ سلم بولا جائے اور لین دین نقد ہو (المغنی ۴/ ۱۹۳)۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ مسلم فیہ معاملہ کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک ہمیشہ بازار میں دستیاب رہے، اتنی بات کافی ہے کہ ادائیگی کے وقت سامان بازار میں موجود رہتا ہو، ابن قدامہؒ سے منقول ہے کہ عہد نبوی میں مدینہ میں سال دو سال کی مدت پر پھلوں میں بیع سلم ہوا کرتی تھی، اور ظاہر ہے کہ پھل پورے سال دستیاب نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے موسم میں آیا کرتے تھے، نیز آپ ﷺ نے متعین مقدار اور مدت کی شرط تو ذکر فرمائی ہے، لیکن اس پوری مدت میں سامان کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے (المغنی ۴/ ۱۹۶)۔

خیال رہے کہ جمہور کی رائے اس مسئلہ میں آسان بھی ہے اور موجودہ عرف ورواج سے قریب بھی۔

شوافع کے نزدیک عددی متقارب (کم فرق والی عددی چیزیں) ان میں بھی سلم جائز ہے (مغنی المحتاج ۲/ ۱۰۷)۔

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا ابراہیم بن سلیمان ہانسلوڈ فلاحی☆

۱- ’’عن جابر بن عبد اللّٰہؓ قال: نهىٰ رسول اللّٰه ﷺ عن المحاقلة و المزابنة والمعاومة و المخابرة قال أحدهما: بيع السنين هى المعاومة و عن الثنيا و رخّص في العرايا‘‘(مسلم شریف:۱۱/۲)

’’(والمعاومة) مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمسانهة من السنة، و المشاهرة من الشهر، والمراد منه ما تحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلىٰ مدة سنة فأكثر، والمعاومة و بيع السنين معناهما واحد، كما صرح في هذهٖ الرواية، و إنما حرم لكونه بيع غرر، لأنه بيع ما لم يخلقه اللّٰه تعالىٰ بعد‘‘(تکملۃ فتح الملھم :۱/۱۰۴۱،فیصل پبلیکیشنز دیوبند)۔

معاومہ یہ باب مفاعلہ سے ہے،اس کے مادہ میں لفظ’’عام‘‘ پڑا ہے جوسال کے معنیٰ میں ہے،جیسے’’مشاہرۃ‘‘میں لفظ’’شہر‘‘ پڑا ہے۔

معاومہ کا مصداق:

علامہ ابن اثیر نے’’نہایہ‘‘ میں لکھا ہے کہ کھجور وغیرہ کے درختوں کے پھلوں کو دوسال یا تین سال یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے فروخت کرنے کا نام بیعِ معاومہ ہے،اسی کو’’بیع السنین‘‘ بھی کہتے ہیں (تحفۃ المنعم شرح مسلم ۲۳/۷/۵)۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بیچنے کی اولاً دوصورتیں ہیں:۱۔قبل بدوالصلاح ۲۔بعد بدوالصلاح۔

پھران دوصورتوں میں تین تین صورتیں ہیں: ۱۔بیع بشرط القطع ۲۔بیع بشرط الترک ۳۔بیع بالاطلاق یعنی عقد میں نہ قطع ثمر کا ذکر ہونہ ترک ثمر کا ذکر ہو۔

فقہائے کرام کا اختلاف:

ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک بعد بدوالصلاح کی تینوں صورتیں اور قبل بدوالصلاح کی بشرط القطع کی صورت مجموعی طور پر چارصورتیں جائز ہیں،اورقبل بدوالصلاح کی دوصورتیں بیع بشرط الترک اور بیع بالاطلاق ناجائز ہیں۔

☆ دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات۔

اور احناف کے نزدیک دار ومدار قطعِ ثمر اور ترکِ ثمر پر ہے، اگر بیع بشرط قطع الثمر ہو یا بیع بالاطلاق ہو تو قبل بدو الصلاح بھی جائز ہے اور بعد بدو الصلاح بھی جائز ہے، اور اگر بیع بشرط ترک الثمر ہو تو قبل بدو الصلاح بھی ناجائز ہے اور بعد بدو الصلاح بھی ناجائز ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک بنیاد بدو الصلاح ہے اور حنفیہ کے نزدیک قطعِ ثمر اور ترکِ ثمر ہے۔

مذکورہ صورتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

قبل بدو صلاح کی صورتیں اور ان کا حکم:

(۱) اگر پھل کی بیع قبل بدو صلاح ہو بشرطیکہ مشتری پھل کو درخت سے اتار لے گا تو یہ صورت بالاجماع جائز ہے۔

(۲) اور اگر پھل کی بیع بدو صلاح سے پہلے کی ہو؛ لیکن مشتری نے یہ شرط لگادی ہے کہ پھل درخت پر چھوڑے رہے گا تو یہ صورت بالاتفاق (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک) ناجائز ہے۔

(۳) اور اگر پھل کی بیع بدو صلاح سے پہلے کی ہو اور اس میں کوئی شرط نہ لگائی ہو یعنی نہ قطع کرنے کی شرط ہو نہ ترک کی شرط ہو مطلقاً عن شرط القطع والترک بیع کی ہو تو ائمۂ ثلاثہ اس صورت کو بیع بشرط الترک کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے ناجائز کہتے ہیں۔

اور حنفیہ اس صورت کو بیع بشرط القطع کا حکم دے کر جائز کہتے ہیں؛ کیوں کہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری سے کہے کہ پھل لے جاؤ اور ہمارا درخت خالی کردو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل:

"نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع الثمار حتىٰ يبدو صلاحها" (مسلم شریف: ۲/۸)۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے عموم پر تو آپ بھی عمل نہیں کرتے؛ کیوں کہ عموم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ بدو صلاح سے پہلے ثمار کی کوئی بیع جائز نہ ہو خواہ بشرط قطع ہی کیوں نہ ہو، حالاں کہ آپ شرط القطع کی صورت کو جائز کہتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ آپ نے خود اس کے عموم میں بشرط القطع کی صورت میں تخصیص کی ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ مطلقاً شرط القطع والترک بھی اسی صورت بشرط القطع کی طرح ہے؛ کیوں کہ جب مطلقاً بیع کی جائے تو بائع کو ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ مشتری سے کہے اس کو نکالو اور درخت کو میرے لئے خالی کردو، تو یہ شرط القطع کے ساتھ ملحق ہے؛ لہذا یہ بیع جائز ہوگی اور گویا حنفیہ کے مشہور قول کی بنیاد پر یہ حدیث مخصوص ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ مشتری عقد بیع کے اندر یہ شرط لگائے کہ میں اپنا پھل اس وقت تک چھوڑوں گا جب تک وہ پک جائے، اس شرط کے ساتھ بیع کرے گا تو ناجائز ہوگی۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ لفظ آیا ہے: "أ رأيت إن منع الله الثمرة بما يأخذ أحدكم مال أخيه" یعنی یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو منع کر دے یعنی پھل کے اوپر کوئی آفت آ جائے اور اس کی وجہ سے پھل نہ آئے تو تم اپنے بھائی کے مال کو کس بنا پر حلال کرتے ہو؟ تم نے تو پیسے لے لئے اور اس بیچارے کو پھل نہیں ملا؛ اس لئے درخت کے اوپر چھوڑنے کی جو علت آپ نے بیان فرمائی یہ اسی وقت متحقق ہوسکتی ہے جب کہ عقد کے اندر شرط لگائی گئی ہو کہ پھل کو پکنے تک درخت کے اوپر چھوڑا جائے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ یہ حدیث اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے۔

بعد بدو صلاح کی صورتیں اور ان کا حکم:

ائمہ ثلاثہ کا مسلک: اگر پھل فروخت کیا جائے بدو صلاح یعنی پک جانے کے بعد یا آفات سے محفوظ ہو جانے کے بعد تو تینوں صورتیں (۱۔ بشرط القطع ۲۔ بشرط الترک ۳۔ بلا شرط شئ) جائز ہیں۔

دلیل: "نهى عن بيع الثمار حتىٰ يبدو صلاحها" اس حدیث میں "حتىٰ يبدو صلاحها" نہی کی غایت ہے، اور مفہوم غایت یہ ہے کہ جب بدو صلاح ہو جائے تو پھر نہی نہیں، جب بدو صلاح کے بعد نہی نہیں ہے تو کوئی بھی صورت ہو خواہ بشرط القطع ہو یا بشرط الترک ہو یا بلا شرط شئ ہو تینوں صورتوں میں جائز ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بعد بدو صلاح اگر بشرط القطع ہو یا مطلق عن شرط القطع والترک ہو تو جائز ہے اور بشرط الترک ہو تو ناجائز ہے۔

دلیل: "نهى رسول الله ﷺ عن بيع و شرط"۔

البتہ امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا ہے تو بشرط الترک بھی جائز ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۸-۳۷۵)۔

۳- پھلوں میں پختگی ظاہر ہونے کے متعلق مختلف روایات میں چند الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔يبدو صلاحها ۲۔حتىٰ يزهو ۳۔حتىٰ يبيض ۴۔حتىٰ تحمر يا حتىٰ يحمار ۵۔حتىٰ يشتد ۶۔حتىٰ يسود ۷۔حتىٰ يطيب ۸۔حتىٰ تذهب عاهتها أو يأمن العاهة ۹۔حتىٰ تشقح ۱۰۔حتىٰ يصفار۔

مذکورہ تمام الفاظ سے ایک ہی بات بیان کرنا مقصود ہے کہ پختگی ظاہر ہونے سے پہلے بیع نہ کرو۔

بدو الصلاح کی تفسیر میں اختلاف ائمہ کرام:

حنفیہ کے نزدیک یہ تفسیر ہے کہ پھل عام آفات اور تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔

اگر چہ بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ پھل بنی آدم کے لئے قابلِ اکل اور جانور کے چارے کے قابل ہو جائے۔

مالکیہ کے نزدیک: مختلف چیزوں کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے مختلف تفسیریں ہیں:

تمر: میں یہ ہے کہ وہ سرخ اور زرد ہو کر پک جاوے۔

عنب: میں یہ ہے کہ سیاہی اور شیرینی پیدا ہو جاوے۔

دیگر ثمار: میں یہ ہے کہ حلاوت حاصل ہو جاوے۔

بقول یعنی سبزیاں: میں یہ ہے کہ قابلِ اکل ہو جائیں۔

کھیتی اور غلہ: میں یہ ہے کہ خشک ہو کر سخت ہو جائیں۔

شافعیہ کے نزدیک: تفسیر یہ ہے کہ جو چیزیں قابل تلوّن نہیں ان میں پکنا اور مٹھاس کا ظاہر ہونا ہے جیسے کھیتی، اور جو چیزیں قابل تلوّن ہیں تو ان کے اندر سرخی، سیاہی اور زردی کا پیدا ہو جانا ہے۔

حضرات شوافع نے بدوصلاح کی آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں:

(۱) لون بمعنیٰ رنگ: ہر قابلِ اکل رنگین پھل میں جب سرخی، سیاہی یا زردی آ جائے، جیسے آلو بخارا اور کچی سبز کھجور۔

(۲) طعم بمعنیٰ ذائقہ: گنے کی حلاوت اور انار کا کھٹا پن۔

(۳) پکنا اور نرم ہونا، جیسے انجیر اور تربوز اور خربوزہ۔

(۴) قوی اور سخت ہونا، جیسے گیہوں، جو۔

(۵) لمبائی میں ہونا، جیسے چارہ اور سبزی۔

(۶) حجم شی کا بڑا ہونا، اس طور پر کہ کھایا جائے جیسے ککڑی۔

(۷) گابھے کا پھٹنا، جیسے روئی۔

(۸) کھلنا، جیسے گلاب کی کلی۔

حنابلہ کے نزدیک: ان کی بدوصلاح کی تفسیر قریب قریب شافعیہ کی تفسیر کے مطابق ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/۳۶۸)۔

۴-الف: اس میں مذکورہ صورت بیع معاومہ کی ہے جو بالاتفاق ناجائز ہے؛ اس لئے کہ مبیع معدوم ہے، اور معدوم کی بیع ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ مفضی الی النزاع ہے، اور اسی کو بیع سنین بھی کہتے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ''جدید فقہی مسائل'' میں لکھتے ہیں:

''بیع السنین'' کو ''بیع سلم'' بھی قرار نہیں دیا جاسکتا؛ اس لئے کہ بیع سلم کی شرائط میں مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت

متعین ہونا ہے اور یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ یقینی طور پر مدت متعین ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا، اوران سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس صورت کی بھی تاویل وتوجیہ شروع کردی جائے تو پھر بیع سنین کی ممانعت کی حدیثیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی؛ اس لیے یہ صورت یقیناً ممنوع ہوگی (۴/ ۲۳۰، ۲۳۱)۔

صاحب عون المعبود (نہی عن بیع السنین) کے متعلق فرماتے ہیں: ”**(نهى عن بيع السنن) قال الخطابي: هو أن يبيع الرجل ما تثمره النخلة أو النخلات بأعيانها سنين ثلاثا أو أربعا أو أكثر منها و هذا غرر لأنه بيع شيء غير موجود و لا مخلوق حال العقد، و لا يدرى هل يكون ذلك أم لا، و هل يثمر النخل أم لا، و هذا في بيوع الأعيان**“ (عون المعبود ۳/ ۴۳۳، کتاب البیوع باب بیع السنین ،رقم الحدیث: ۳۳۷۴)۔

”**و أما النهى عن بيع المعاومة و بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع المعاومة و بيع السنين و هو باطل بالإجماع. نقل الإجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذه الأحاديث و لأنه بيع غرر لأنه بيع معدوم و مجهول غير مقدور على تسليمه و غير مملوك للعاقد و الله أعلم**“ (المنہاج علی ہامش مسلم: ۲/ ۱۰)۔

ب: جمہور فقہاء (شافعیہ، حنابلہ) کا مذہب اور حنفیہ کی ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کی بیع صحیح نہیں ہے اور یہی قیاس کا تقاضہ ہے۔

وجہ عدم جواز: موجودہ پھل اور بعد میں متوقع پھل میں تمیز کے دشوار ہونے کی وجہ سے سپرد کرنے پر قدرت نہیں رہے گی، یہی قول صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کا ہے اور شافعیہ میں سے قاضی زکریا انصاری نے بھی یہی علت پیش کی ہے۔

علامہ سرخسی نے یہ علت بیان کی ہے کہ اس صورت میں موجود اور معدوم کو عقد میں جمع کرنا لازم آتا ہے، اور معدوم بیع کے قابل نہیں اور موجود کی مقدار معلوم نہیں۔

حنابلہ نے علت یہ بیان کی ہے کہ جو پھل پیدا نہیں ہوئے ان کی بیع پیدا شدہ پھلوں کی تبعیت میں جائز نہیں؛ اس لئے کہ غیر مخلوق کی انفراداً بیع درست نہیں ہے تو تبعاً بھی نہیں؛ البتہ ان پھلوں کی بیع جن میں بدوصلاح نہیں ہے ان پھلوں کی تبعیت میں جائز ہے جن کی بدوصلاح ہو چکی ہے؛ کیونکہ ان کی بیع انفراداً بھی درست ہے۔

مالکیہ کا مسلک: جواز کا ہے، اور مذہب مالکیہ کے مطابق بعض حنفیہ مثلاً شمس الائمہ حلوانی اور ابو بکر محمد بن فضل البخاری اور دیگر فقہاء نے استحساناً جواز کا فتوی دیا ہے۔

وجہِ استحسان: تعاملِ ناس ہے اور لوگوں کو ان کے تعامل سے روکنے میں حرج ہے اس لئے استحساناً جائز قرار دیا۔

اور حنفیہ میں سے امام محمد نے گلاب کے درخت پر لگے ہوئے پھولوں کی خرید وفروخت کی اجازت دی ہے؛ حالانکہ گلاب کے پھول ایک ساتھ نہیں نکلتے اور کھلتے ہیں؛ بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ ۹/ ۱۹۴-۱۹۶)۔

احناف کے یہاں ظاہر روایت کے مطابق پھلوں کے ساتھ ان پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں؛ چنانچہ قبضہ سے پہلے ہی مزید کچھ پھل نکل آئے تو بیع فاسد ہوجائے گی، اور خریدار کے قبضہ کے بعد پھل میں اضافہ ہوا اور نئے پھل نکلے تو بائع اور مشتری دونوں اس میں شریک سمجھے جائیں گے۔ جیسا کہ ''البحر الرائق'' میں ہے:

''ولو اشتراها مطلقا فأثمرت ثمرا آخر قبل القبض فسد البيع لتعذر التمييز، و لو أثمرت بعده اشتركا للاختلاط'' (۵/ ۵۰۳)۔

یہی عدم جواز احناف کے عام اصول کے مطابق ہے، لیکن تعاملِ ناس کی وجہ سے اور عمومِ بلوی کی وجہ سے شمس الائمہ حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے جبکہ اکثر پھل نکل آئے ہوں اور کچھ باقی ہوں اور یہ گمان کیا کہ یہی ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔

''وكان الحلواني يفتي بجوازه في الكل و زعم أنه مروی عن أصحابنا'' (البحر الرائق ۵/ ۵۰۳)۔

اور شمس الائمہ حلوانی نے امام فضلی سے نقل کیا ہے کہ وہ قلت وکثرتِ پھل کی قید کے بغیر بیع کو جائز قرار دیتے ہیں متوقع پھلوں کو موجود کے تابع گردانتے ہوئے۔

''وهكذا حكى عن الإمام الفضلي و كان يقول: الموجود وقت العقد أصل و ما يحدث تبع له نقله شمس الائمة عنه و لم يقيده عنه بكون الموجود وقت العقد يكون أكثر بل قال عنه اجعل الموجود اصلا في العقد و ما يحدث بعد ذلک تبعا'' (البحر الرائق ۵/ ۵۰۳، المحیط البرہانی ۹/ ۳۱۱، ہندیہ ۳/ ۱۰۷)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگرچہ ظاہری روایت کے مطابق عند الحنفیہ عدم جواز کا قول ہے، مگر تعاملِ ناس کو سامنے رکھتے ہوئے نیز انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے خود آپ ﷺ نے بیع سلم میں مبیع کے معدوم ہونے کے باوجود اجازتِ جواز دے دی ہے تو اسی طرح یہاں پھلوں کی خرید وفروخت کی اس نوعیت میں امام فضلیؒ کی جواز کی رائے کو عمل میں لا سکتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: یہ مذکورہ بالا گفتگو اس وقت ہے جب کہ ایک ہی باغ ہو اور اس میں ایک ہی نوع کے درخت ہوں۔

اور اگر ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے درخت ہوں تو ایک نوع کے درخت میں پھل آجانے سے دوسری نوع کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز نہیں ہوگی، اور یہی حکم دو الگ الگ باغیچوں کے پھلوں کا ہے۔

"إن كانت شجرة واحدة، و بدا الصلاح في بعض ثمرها، جاز بيع جميعها بذلک، قال ابن قدامة: و لا أعلم فيه اختلافا"۔

"و إن بدا الصلاح بشجرة واحدة لا في بقية الأشجار فمذهب الجمهور منهم مالک والشافعي و محمد بن الحسن، وهو الأظهر من مذهب الحنابلة: أنه يجوز بيع جميع الثمر من ذلک النوع"۔

"و وجهه: أنه بدا الصلاح من نوعه من البستان الذي هو فيه، فجاز بيع جميعه، كالشجرة الواحدة"۔

"و إذا كان في البستان عنب و رمان فبدا صلاح العنب لا يجوز بيع الرمان حتى يبدو صلاحه" (الموسوعة الفقهية الكويتية ۹/ ۱۹۴،۱۹۶)۔

ج – پھل کا ظہور ہوا لیکن قابلِ استعمال نہیں ہوا تو اس کی بیع میں فقہاءِ احناف کا اختلاف ہے:

شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ فرماتے ہیں: قبل انتفاع بیع جائز نہیں۔

دلیلِ نقلی: **"نهى النبي ﷺ عن بيع الثمر قبل أن يبدو صلاحه"** (ص:۲۵۶)۔

دلیلِ عقلی: بیع مالِ متقوم کے ساتھ مخصوص ہے، اور پھل قبل "بدو صلاح" مالِ متقوم نہیں۔

"ولأن البيع مختص بمال متقوم، و الثمر قبل بدو الصلاح ليس كذلک"۔

ابن ہمام اور شیخ الاسلام ابو الحسن قدوری اور قاضی اسبیجابی وغیرہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے اور امام محمد کی ایک عبارت جو باب "العشر" میں ہے، سے استنباط کیا ہے، وہ عبارت یہ ہے:

"ولو باع الثمار في أول ما تطلع و تركها بإذن البائع حتى أدرک فالعشر على المشتري فلو لم يكن الشراء جائزا في أول ما تطلع لما وجب العشر على المشتري" (العناية ۳/ ۴۸۵، اشرفی دیوبند)۔

یعنی پھلوں کے ظہور ہوتے ہی بیع کر لی اور بائع کی اجازت سے درخت پر چھوڑا یہاں تک کہ قابلِ انتفاع ہو تو پھلوں کی پیداوار میں عشر مشتری کے ذمہ ہے، اگر پھلوں کے ظہور ہوتے ہی بیع جائز نہ ہوتی تو مشتری پر عشر واجب نہ ہوتا، معلوم ہوا کہ بیع جائز ہے۔

دلیلِ عقلی: "فلأنه مال متقوم في الزمان الثاني و نفي جوازه مفض إلى نفي جواز بيع المُهر و الجحش و هو ثابت بالاتفاق" (العنایۃ ۳/۴۸۵)۔

یعنی پھلوں کا ظہور اور پہلا مرحلہ اگر چہ فی الحال متقوم مال نہیں ہے لیکن انجام کار مال متقوم ہوجائے گا اس کے بیع کے جواز کی نفی مُہر (گھوڑے یا پالتو خچر کا بچھڑا) اور جحش (گدھے کا بچہ) کی بیع کے ناجائز ہونے تک پہنچا دے گا؛ حالانکہ بالاتفاق ان کی بیع ثابت ہے، اسی طرح پھلوں کی پہلے مرحلہ کی بیع بھی صحیح ہوگی۔

مذکورہ جواز بشرط القطع اور اطلاق کی صورت میں ہے نہ کہ ترک کی شرط کے ساتھ۔

ناقابلِ انتفاع پھلوں کے جواز کا حیلہ: یہ ہے کہ پھلوں کو پتوں کے ساتھ خرید کرلئے جائیں تو پتوں کی بیع کے ضمن میں ناقابلِ انتفاع پھل بھی داخل ہوجائیں گے جیسا کہ یہ حیلہ "جامع" کی "کتاب الاجارات" میں رقم ہے۔

"و في "الجامع" في كتاب الاجارات (و هو الصحيح) و الحيلة في ذلک حتى يجوز هذا البيع على قول الكل أن يبيعه مع أوراقه، بأن يبيع الكمثرىٰ في أول ما يخرج من ورده مع أوراقه، فيجوز البيع في الكمثرى تبعا للبيع في الأوراق، و يجعل كأنه ورق كله حتى يجوز البيع" (المحیط البرهاني: ۹/۳۱۰)۔

۵-الف: پھل کی بیع بدوصلاح سے پہلے کی گئی؛ لیکن عقد بیع میں یہ شرط لگائی گئی کہ پھل مشتری ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں پھل کو درخت سے اتارلےگا تو قطع کی شرط کے ساتھ ہونے والی یہ بیع بالاجماع جائز ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے "تکملہ فتح الملہم" میں لکھا ہے:

"أن يشترط البائع على المشتري أن يقطعهما فورًا و لا يتركها على الأشجار و هذه الصورة جائزة بإجماع الأئمة الأربعة و جمهور فقهاء الأمصار" (تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

ب: پھل کے تیار ہونے تک درخت پر لگا رہنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس بیع میں مقتضاءِ عقد کے خلاف شرط لگانا ہے؛ نیز احد المتعاقدین کا نفع بھی ہے اور ان چیزوں سے فساد پیدا ہوجاتا ہے۔ ہاں بشرط القطع یا بالاطلاق اگر بیع ہو تو جائز ہے۔

ابن عابدین شامی نے ایک شرط بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی جگہ عرف اس بات کا ہو کہ جب بھی یہ پھل بیچا جاتا ہے تو بشرط التبقی علی الاشجار بیچا جاتا ہے تو عقد میں چاہے شرط نہ لگائے تب بھی وہ شرط ملحوظ سمجھی جائے گی اور بیع ناجائز ہوگی؛ کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ **"المعروف كالمشروط"**۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا قول:

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علامہ ابن عابدین شامی کے اس قول سے اتفاق نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ بات منقول ہے کہ لوگ آپس میں بیع کرتے تھے اور عام طور پر پھل درخت پر چھوڑا کرتے تھے، اس وقت بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مطلق بیع کی جاتی ہے تو جائز ہوگی۔ جب امام ابوحنیفہؒ سے یہ صراحت موجود ہے تو پھر علامہ ابن عابدین شامی نے جو قواعد کی بنیاد پر تخریج کی ہے "المعروف کالمشروط" اس کی ضرورت نہیں رہتی؛ لہٰذا اگر عرف بھی ہو تو بھی بہرحال جائز ہے۔

میں اس پر ایک چھوٹا سا اور اضافہ کرتا ہوں: فرض کرو کہ عقد کے اندر کسی نے چھوڑنے کی شرط لگائی تو حنفیہ کے قاعدہ کا مقتضاء تو یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہو؛ اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اس عقد کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقد کے اندر یہ شرط مقتضاءِ عقد کے خلاف لگائی جارہی ہے۔

جو شرط مفسدِ عقد ہوتی ہے اس سے تین قسم کی شرائط مستثنیٰ ہیں:

(۱) وہ جو مقتضاءِ عقد میں داخل ہے اور وہ عقد کو فاسد نہیں کرتی۔

(۲) وہ شرط کہ اگرچہ مقتضاءِ عقد کے اندر داخل نہیں؛ لیکن اس کے ملائم اور مناسب ہے جیسے کفیل کی شرط اور رہن کی شرط وغیرہ، یہ عقد کے لئے مفسد نہیں۔

(۳) وہ شرط جو متعارف بین التجار ہوگئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو، جیسے کوئی فریج خریدتا ہے تو ایک سال کی فری سروس ہوتی ہے تو یہ شرط مقتضاءِ عقد کے خلاف ہے؛ لیکن چونکہ متعارف ہوگئی تو متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی، اور فقہائے متقدمین نے اس کی مثال دی ہے: "أن یشتري النعل بشرط أن یحذوه البائع" تو یہ شرط متعارف ہوگئی؛ لہٰذا جائز ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو شرط متعارف بین التجار ہو جائے، چاہے وہ عقد کے خلاف ہو تب بھی جائز ہوتی ہے۔ اور یہ شرط کہ اس کو درخت پر چھوڑا جائے گا یہ متعارف سے بھی زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی تو اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہٰذا بیع بشرط الترک جائز ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۱۳۴، نیز دیکھئے: تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۷۸)۔

ج: خریدنے کے بعد نہ قطع کرنے کی شرط کی اور نہ درخت پر چھوڑنے کی شرط کی جسے بیع بالاطلاق کہتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ اس کو بشرط الترک کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے ناجائز کہتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ بشرط القطع کے حکم میں کرتے ہوئے اس کو جائز کہتے ہیں؛ کیوں کہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری سے کہے کہ یہ پھل لے جاؤ اور ہمارا درخت خالی کردو تو یہ جائز ہے۔

''إن وقع البيع مطلقا، و لا يشترط فيه قطع و لا ترک فقالت الأئمة الثلاثة: البيع فيها باطل، كما في ترک الثمار على الأشجار، و قال أبو حنيفةؒ: البيع فيها جائز كما في اشتراط القطع فورًا، و يجوز للبائع أن يجبر المشتري على قطع الثمار في الحال''(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

۶- پھلوں کوتوڑنے کی مدت تک درختوں کوکرایہ پر لینے کا تعامل نہیں ہے؛اس لئے یہ اجارہ خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے باطل ہے،اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کپڑوں کوسکھانے کے لئے درختوں کوکرایہ پر لینا اور یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے۔

اس کے برخلاف کھیتی کوخریدا اوراس کے پکنے تک زمین کوکرایہ پر لیا توچوں کہ زمین کوکرایہ پر لینے کا تعامل ہے اس لئے یہ اجارہ صحیح ہونا چاہئے،پھربھی یہ اجارہ فاسد ہے اجل کی جہالت کی وجہ سے،پس فضل اورزیادتی مستاجر کے لئے حلال نہیں ہے اورکھیتی میں زیادتی ممنوع طریقے سے حاصل ہوتی ہے؛اس لئے زیادتی کے تصدق کا حکم دیا جائے گا،البتہ یہ تصدق کا حکم اس وقت ہے جب کہ پھل کا حجم مکمل نہ ہوا ہو،اور جب اس کا حجم مکمل ہو چکا ہو پھرمشتری درختوں پر چھوڑے رکھے بائع کی اجازت کے بغیرتوچوں کہ پھلوں میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے اس لئے یہاں کچھ بھی تصدق کا حکم نہیں ہوگا۔

صاحب فتح القدیر کمال الدین ابن ھمامؒ تحریر فرماتے ہیں:''و أصل الإجارة مقتضى القياس فيها البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل، و لا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز، و كذا لو استأجر أشجارا ليجفف عليها ثيابه لا يجوز ذكره الكرخي، و إذا بطلت بقى الإذن معتبرًا فيطيب۔

بخلاف ما إذا اشترى الزرع و استأجر الأرض إلى أن يدرک حيث لا يطيب له الفضل لأن الإجارة هنا فاسدة لأن الأرض يجوز إجارتها، و إنما فسدت الإجارة لجهالة الأجل فأورث خبثا۔

أما هنا الإجارة باطلة والباطل لا وجود له فلم يوجد إلا الإذن فطاب، أما الفاسد فله وجود فكان الإذن ثابتا في ضمنه بإعتباره فمنع و هنا صار الإذن مستقلا بنفسه۔۔۔و يتصدق بما زاد لأنه حصل بجهة محظورة، أما إذا با ع ما تناهي عظمه فتركه المشتري بغير إذن البائع فإنه لا يتصدق بشيء لأنه لم يزدد في ذاتها شيء''(فتح القدیر ۶/۲۶۶،زکریا بک ڈپو دیوبند)۔

اب تک کی گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ درختوں کوکرایہ پر لینا باطل ہے؛البتہ اس کی اجازت اسی وقت ہے جب کہ استیجار کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو یعنی حاجت کے وقت اجازت ہوگی۔

سوال: اب یہاں یوں سوال نہیں کر سکتے کہ بیگن اوربطیخ کوان کے اصول کے ساتھ خرید کرمشتری اپنی ضرورت پوری کرسکتا

ہے، اسی طرح پھلوں میں بھی درختوں کو اصول کے ساتھ خرید کر مشتری کو اپنی ضرورت پوری کر لینی چاہئے، اور درختوں کے اجارے سے پرہیز کرنی چاہئے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ درخت کے پھلوں کو باذنجان اور بطیخ کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے، اس لئے کہ باذنجان اور بطیخ کو اصولوں کے ساتھ مشتری کے لئے خریدنا گرانی کا ذریعہ نہیں ہے، برخلاف درخت کے پھلوں کو اصولوں کے ساتھ خریدنے کی سکت مشتری میں نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے لامحالہ اپنے پھلوں کی حفاظت کے لئے درخت کو کرایہ پر لینا ضروری ہوجاتا ہے، اور ضرورت کے وقت اشجار کے اجارہ کی صحت پر ابن ہمام نے بحث کی ہے۔

”**و أما فی الإجارة فلأنها إجارة باطلة بعد التعارف فی إجارة الأشجار و الحاجة فإن الحاجة ليست بمتعينة فی ذلک و إنما تتعين لو لم يكن مخلص إلا بالاستئجار و هنا يمكن أن يشتری الثمار مع أصولها فيتركها عليها و لا يخفی ما فی هذا من العسر فانه يستدعی شراء مالا حاجة له إليه أو ما لا يقدر علی ثمنه و قد لا يوافقه البائع علی بيع الأشجار فالأول أولی**“ (فتح القدیر ۶/۲۶۵)۔

”**و لا يشبه ثمار الأشجار بالباذنجان و البطيخ كما لا يخفی**“ (حاشیۂ چلپی ہامش فتح القدیر ۶/۲۶۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حاجت اور ضرورت کے وقت درخت کو کرایہ پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۷- (۱) ایک آدمی نے دوسرے کے لئے درخت کی وصیت کردی نہ کہ اس کے پھلوں کی، پھر وصیت کرنے والے کا انتقال ہوگیا، تو موصی لہ ورثہ کو قطع ثمر پر مجبور کرے گا؛ تاکہ اپنی وصیت میں حاصل شدہ درختوں پر قبضہ کرلے۔

”**وكذلک لو أوصی بنقله لرجل وعليه تمر ثم مات الموصی أجبر الورثة علی قطع التمر،هو المختار من الرواية**“ (تاتارخانیہ ۸/۳۱۴ زکریا)۔

(۲) ایک باغیچہ دو آدمی کے درمیان مشترک ہے، ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کو بیچ دیا اور حال یہ ہے کہ بعض پھل کچے ہیں یا کل کچے ہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شریک کا اپنے حصہ کو بیچ دینا تقسیم کا تقاضا کرے گا، اور قابلِ انتفاع پھل تقسیم کرسکتے ہیں نہ کہ ناقابل انتفاع، ایسا ہی فتاوی اہل سمرقند میں مذکور ہے۔

”**وكذلک إذا كان مشتركا بين رجلين باع أحدهما نصيبه، وبعضه نیء أو الكل نیء لا يجوز؛لأنه يحتاج إلی القسمة والمنتفع يقسم وغير المنتفع لا يقسم**“ (محیط برھانی ۹/۳۱۲)۔

(۳) درخت کو خریدتے وقت پھل نہیں تھے، خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے پھل نکل آئے تو پھل مشتری کے ہوں گے، اور اگر کسی آفت سماوی کی وجہ سے قبل التسلیم پھل ہلاک ہوگئے تو ثمن میں کچھ کمی نہیں ہوگی گویا کہ پھل تھے ہی نہیں، اور مشتری کو کوئی خیار نہیں ہوگا۔

اور اگر بائع نے پھل کھالئے تو اکل کے بقدر ثمن میں کمی آجائے گی اور مشتری کو خیار نہیں ہوگا امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک مشتری کو خیار ہوگا، اگر چاہے تو درخت کو جمیع ثمن میں لے لے اور اگر چاہے تو نہ لے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عقد کے وقت پھل موجود ہو اور بائع کھالے تو بالاجماع مشتری کو خیار ہے۔

یہ گفتگو اس وقت ہے جب کہ مبیع میں کمی نہ آئی ہو، اور اگر کمی آئی ہو تو بالاجماع مشتری کو خیار رہے گا۔

"فأما إذا اشتراه والثمر غير موجود، ثم أثمر بعد الشراء قبل القبض فالثمر للمشترى وإن هلك قبل التسليم بآفة سماوية لا يطرح من الثمن شيء وصار كأن لم يكن، ولا خيار للمشترى، وإن أكله البائع يطرح حصته من الثمن ولا خيار للمشترى فى قول أبى حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد:له الخيار، إن شاء أخذ الشجرة بحصته من الثمن، وإن شاء ترك، كما إذا كان الثمر موجودا وقت العقد وأكله البائع، فان له الخيار بالإجماع، هذا كله إذا لم ينقص من المبيع شيء، أما إذا نقص فله الخيار بالإجماع ويطرح حصته من الثمن ونقصان الشجرة من الثمن إذا كان بفعل البائع"(الفتاوى التاتارخانية ۳۱۶/۸ ذکریا دیوبند)۔

۸- بیع سلم کے اندر حنفیہ نے ایک شرط یہ لگائی ہے کہ مبیع کا وقت عقد سے تسلیم کے وقت تک بازار میں دستیاب ہونا ضروری ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد کے وقت مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں ہے، بلکہ وقت میعاد پر پایا جانا شرط ہے۔

اور دوسری طرف عوام الناس کا باغات کے پھلوں میں خرید وفروخت کا تعامل ہوگیا ہے، ازروئے شرع ان کا یہ معاملہ کرنا حنفیہ کی شرط کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

جب عوام الناس کا تعامل ہوہی گیا ہے اور ان کو اس سے باز رکھنا بھی مشکل ہے، پھر چوں کہ مارکیٹ میں جو پھل آتا ہے وہ اسی طریق پر آتا ہے، اس لئے پھل کا کھانا ہی حرام ہوجائے گا، لہذا اب اس بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کرلیا ہے اور انسانی ضرورت کی رعایت کرنا ضروری ہے ورنہ حرج میں مبتلا ہوجائیں گے؛ اس لئے ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جائے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مذہب غیر کی شرط پر عمل کرتے ہوئے ہمارے یہاں مروج شکلوں میں فائدہ اٹھانے کی رخصت ہے جیسا کہ امداد الفتاوی (۱۰۶/۳) میں حضرت تھانویؒ نے اور احسن الفتاوی (۴۸۷/۶-۴۸۹) میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

"لا يجوز السلم فى الشيء المنقطع، لأن شرط جوازه أن يكون موجودا من حين العقد إلى حين المحل، حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل أو بالعكس، أو منقطعا فيما بين ذلك لا

يجوز، وقال الشافعی يجوز فی المنقطع إذا كان موجودا عند المحل لوجود القدرة عند وجوبه“(تبیین الحقائق: کتاب البیوع، باب السلم ۴/ ۵۰۴،طبع زکریا)۔

”الشرط الخامس: أن يكون المسلم فيه مقدور التسليم عند محله ومقتضى هذا الشرط أن يكون المسلم فيه مما يغلب وجوده عند حلول الأجل، و هذا شرط متفق عليه لصحة السلم بين الفقهاء...أما وجود المسلم فيه عند العقد فليس شرطا لصحة السلم عند جمهور الفقهاء من المالكية والحنابلة والشافعية، فيجوز السلم في المعدوم وقت العقد، فيما ينقطع من أيدى الناس قبل حلول الأجل...و خالف في ذلک الحنفية و الثورى والأوزاعي و قالوا: بعدم صحة السلم إلا فيما هو موجود في الأسواق من وقت العقد إلى محل الأجل دون انقطاع الخ“(موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۲۵/ ۲۱۵،۲۱۶، مجمع الأنہر، کتاب البیوع، باب السلم ۳/ ۱۴۰-۱۴۱)۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد نصر اللہ ندوی☆

معاومہ کا مطلب:

معاومہ کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو آئندہ کئی سالوں کیلئے بیچ دینا، مثلا: بائع مشتری سے یوں کہے کہ میں نے اپنے باغ کو تمہارے ہاتھ کئی سالوں مثلا پانچ سالوں کیلئے بیچ دیا، اور ہر سال کی قیمت پانچ ہزار روپئے ہوگی (المصباح المنیر، مادہ:عوم)۔

شرعاً بیع کی یہ قسم جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ بیع معدوم ہے، معلوم نہیں کہ آئندہ سال پھل آئے گا یا نہیں؟ اور اگر آئے گا تو کس مقدار میں آئے گا، اسی طرح جو پھل آئے گا وہ کس طرح کا ہوگا، قابل استعمال ہوگا یا نہیں؟ یہ تمام چیزیں مجہول اور نامعلوم ہیں؛ اس لئے یہ بیع درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں اس طرح کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: **''عن جابر أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع السنين، وهى المعاومة''** (مسلم، کتاب البیوع، رقم:۱۵۳۶)۔

یعنی: حضرت جابرؓ سے روایت کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سالوں کی بیع کرنے سے منع کیا ہے، اس کو معاومہ کہتے ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: **''فبيع المعدوم باطل بالاجماع، ونقل ابن المنذر وغيره إجماع المسلمين على بطلان بيع الثمرة سنتين ونحو ذلك''** (المجموع شرح المہذب ۹/۲۵۷)۔

یعنی: معدوم کی بیع بالاتفاق باطل ہے، ابن منذر اور دوسرے حضرات نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ دو یا اس سے زیادہ سال کیلئے پھلوں کا بیچنا باطل ہے)۔

اس میں غرر اور دھوکہ کا امکان ہے، اور جس معاملہ میں غرر اور دھوکہ ہو، شرعاً وہ جائز نہیں ہے۔

حدیث رسول ﷺ ہے: **''عن أبى هريرةؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر''** (مسلم، کتاب البیوع، رقم:۱۵۱۳)۔

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینک کر بیع کرنے سے اور بیع غرر سے منع کیا ہے)۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ''**وليست العلة فى المنع لا الوجود و لا العدم،بل الذى يثبت فى الصحيحين عن النبى ﷺأنه نهى عن بيع الغرر ،و الغرر ما لا يقدر على تسليمه ،سواء كان موجودا أو معدوما،كالعبد الآبق و البعير الشارد و نحو ذلك،مما لا يقدر على تسليمه ،بل قد يحصل و قد لا يحصل ،وهو غرر لا يجوز بيعه وإن كان موجودا،فان موجب البيع تسليم المبيع ،و البائع عاجز عنه،والمشترى انما يشتريه مخاطرة ومقامرة فان أمكنه أخذه ،كان المشترى قد قمر البائع ،وإن لم يمكنه أخذه كان البائع قد قمر المشترى ،و هكذا المعدوم الذى هو غرر نهى بيعه لكونه غررا لا لكونه معدوما**''(مجموع الفتاوی ۲۰/ ۵۴۳)۔

یعنی: اس طرح کی بیع میں ممانعت کی اصل وجہ معدوم ہونا نہیں؛ بلکہ غرر کا اندیشہ ہے۔اور غرر کی تعریف یہ ہے کہ جس کو حوالہ کرنے پر انسان قادر نہ ہو،خواہ وہ موجود ہو یا معدوم ہو۔جیسے بھاگا ہوا غلام اور بدکا ہوا اونٹ۔بیع کا تقاضہ یہ ہے کہ مبیع کو حوالہ کیا جائے اور بائع اس سے عاجز ہے۔مشتری اگر خریدتا ہے تو وہ رسک لے گا اور جوا کھیلے گا،اگر مبیع ہاتھ میں آئے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری نے بائع کے ساتھ جوا کھیلا،اور اگر نہیں ہاتھ آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے مشتری کے ساتھ جوا کھیلا۔اسی طرح بیع معدوم ہے جس میں غرر ہے،اور ممانعت کی وجہ بھی غرر ہے نہ کہ معدوم ہونا۔

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع:

(الف) اگر پھل کارآمد ہو چکا ہے اور کوئی پھلوں کو درخت کے ساتھ خریدتا ہے تو بالاتفاق یہ بیع درست ہے۔خواہ پھل کارآمد ہو یا نہ ہو۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں: ''**أما بيعها مع أصلها فيجوز إجماعا؛لأنها إذن تتبع الأصل ،فأشبهت الحمل مع أمه**''(شرح الزرکشی علی متن الخرقی ۲/ ۴۰)۔

یعنی: جہاں تک پھل کو درخت کے ساتھ بیچنے کی بات ہے تو بالاتفاق جائز ہے؛اس لئے کہ تب وہ اصل کے تابع ہوگا؛لہذا یہ حمل کو ماں کے ساتھ بیچنے کے مشابہ ہوگیا۔

(ب) پھل کارآمد نہیں ہوا لیکن مشتری پھل کو درخت سمیت خریدنا چاہتا ہے،تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں،بالاتفاق یہ درست ہے۔ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”وبيع الثمرة قبل بدو صلاحها من غير شرط القطع على ثلاثة أضرب.....الثانى أن بيعها مع الأصل فيجوز بالاجماع....لأنه إذا باعها مع الأصل حصلت تبعا فى البيع فلم يضر احتمال الغرر فيها،كما احتملت الجهالة فى بيع اللبن فى الضرع مع بيع الشاة ،والنوى فى التمر مع التمر، وأساسات الحيطان فى بيع الدار“(المغنی:۴/۲۱۸)۔

یعنی: پھل کو کارآمد ہونے سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ بیچنے کی تین قسمیں ہیں....دوسری قسم پھل کو درخت سمیت بیچنا ہے، یہ بالاتفاق جائز ہے؛اس لئے کہ جب پھل کو درخت کے ساتھ بیچا جائے گا تو یہ ضمناً بیع ہوگی؛لہذا اس میں غرر کا امکان نقصاندہ نہیں ہوگا،جس طرح دودھ کو جب کہ وہ تھن کے اندر ہو بکری کے ساتھ بیچنے میں جہالت کو انگیز کرلیا گیا ہے،اس کی دوسری مثال کھجور کو گٹھلی سمیت اور دیوار کو بنیاد سمیت بیچنا ہے۔

درخت کے بغیر صرف پھلوں کی بیع:

اس کی کئی صورتیں ہیں:

(الف) پھل ابھی کارآمد نہیں ہوا؛لیکن مشتری اس شرط کے ساتھ خریدتا ہے کہ کارآمد ہونے تک پھل درخت ہی پر لگا رہے گا تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے؛اس لئے کہ اس بات کا امکان ہے کہ کارآمد ہونے سے پہلے پھل تباہ ہوجائے، پس بائع باطل طریقہ سے مال کھانے والا سمجھا جائے گا۔

ابن ہبیرہ رقم طراز ہیں:”اتفقوا على أن بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها بشرط التبقية لا يصح“(اختلاف الأئمة العلماء ۱/۳۷۷)۔

یعنی: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پھل کارآمد ہونے سے پہلے اس کو درخت پر باقی رہنے دینے کی شرط کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

ان کی دلیل یہ روایت ہے:”عن أنس أن رسول الله ﷺ : نهى عن بيع الثمار حتى تزهى ،فقيل له: وما تزهى؟قال:حتى تحمر، فقال: أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه “ (بخاری،حدیث نمبر:۱۲۹۸)۔

یعنی: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھل بیچنے سے منع کیا جب تک کہ وہ کارآمد نہ ہوجائے، پوچھا گیا کہ کارآمد ہونے کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اس کا سرخ ہونا، پھر فرمایا کہ غور کرو اگر اللہ نے پھل کو روک دیا تو کسی کیلئے اپنے بھائی سے مال کا معاوضہ لینا کیسے درست ہوگا؟

(ب) پھل ابھی کارآمد نہیں ہوا ہے؛لیکن بائع اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ مشتری فوراً توڑ کر ہٹالے گا تو اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ صورت جائز ہے۔اس پر حنفیہ، مالکیہ،شافعیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:''أن يبيعها(أى الثمرة قبل بدو صلاحها)بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع ؛لأن المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة ،وحدوث العاهة عليها قبل أخذها،بدليل ما روى أن النبى ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو،قال:أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه ،وهذا مأذون فيما يقطع فيصح بيعه ،كما لو بدا صلاحه''(المغنی ۲۱۸/۲)۔

یعنی: پھل کو کارآمد ہونے سے پہلے اس شرط کے ساتھ بیچنا کہ فوراً توڑ لیا جائے، بالاتفاق درست ہے؛اس لئے کہ ممانعت پھل کے تلف ہونے اور اس پر آفت آنے کے اندیشے کی وجہ سے تھا،اس کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے پھل کو کارآمد ہونے سے پہلے بیچنے سے منع کیا ہے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذرا سوچو !اگر اللہ تعالی پھل کو روک دے تو تم کس چیز کے پیسے اپنے بھائی سے لوگے؟ البتہ اگر پھل کو فوراً توڑنے کی بات ہو تو اس کی اجازت ہوگی،جس طرح کارآمد ہونے کے بعد بیع درست ہے۔

جمہور کے نزدیک اس صورت میں بیع کے جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ فی الحال قابل انتفاع ہو؛جب کہ احناف کے نزدیک مطلق قابل انتفاع ہونے کی شرط ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:''والجمهور على أنه يجب أن تكون منتفعا به عند القطع،والحنفية على مطلق الانتفاع''(موسوعہ فقہیہ، مادۃ: بیع الثمر)۔

جب معاملہ فوراً توڑنے کی شرط پر ہو تو جمہور کے نزدیک فوراً توڑنا ضروری ہے؛جب کہ مالکیہ کے نزدیک فورا توڑنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ قریبی مدت میں بھی توڑ سکتے ہیں، بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ پھل کی کیفیت یا حجم میں اضافہ ہو سکے۔

''ذهب الجمهور إلى أن القطع يجب أن يكون فى الحال ،وأجاز المالكية أن يكون قريبا منه بحيث لا يزيد ولا يتنقل من طوره إلى طور آخر'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۴/ ۱۵)۔

مالکیہ نے اس بیع کے جواز کیلئے دو شرطیں لگائی ہیں:

نمبر ایک: اس کی واقعی ضرورت ہو؛ خواہ ایک طرف سے ہو یا دونوں طرف سے۔

نمبر دو: اس کو معمول اور رواج نہ بنایا جائے، اگر اکثریت یہی کرنے لگے تو اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔ ’’موسوعہ فقہیہ‘‘ میں ہے:

’’وزاد المالكية شرطين آخرين: هما الحاجة وعدم التمالؤ، وسواء كانت الحاجة متعلقة بأحد المتبائعين أو بكليهما، والمراد بالتمالؤ: اتفاقهم ولو باعتبار العادة أو بكليهما، فإن تمالأ عليه الأكثر بالفعل منع‘‘ (الموسوعة الفقهية ١٤/١٦)۔

حنابلہ کے نزدیک اس بیع کے جواز کیلئے یہ شرط بھی ہے کہ پھل مشترک نہ ہو۔ مثال کے طور پر مجموعی پھل میں نصف کو بدو صلاح سے پہلے خریدنے کی بات کی جائے اور بقیہ نصف کو بدو صلاح کے بعد۔ ایسی صورت میں مشتری کو اپنا پھل توڑنے کیلئے ان پھلوں کو بھی توڑنا پڑے گا جو اس کی ملکیت میں نہیں ہیں، اور یہ اس کیلئے جائز نہیں ہے۔

”وشرط الحنابلة أن لا يكون الثمر مشاعا بأن يشترى نصف الثمرة قبل بدو صلاحها مشاعا؛ لأنه لا يمكنه قطع ما يملكه إلا بقطع مالا يملكه، وليس له ذلك‘‘ (الموسوعة الفقهية ١٤/١٦)۔

دوسرا قول: یہ صورت ناجائز ہے۔ یہ قول بعض احناف کا ہے، اسی کو ابن حزم نے اختیار کیا ہے۔ سفیان ثوری اور ابن أبی لیلی سے بھی یہی مروی ہے (بدائع الصنائع ۴/۷ /۲۲، المحلی ۸/ ۴۲۴)۔

ان حضرات کی دلیل حضرت انسؓ کی وہ روایت ہے جو اوپر گذری ہے ”عن أنس أن رسول الله ﷺ: نهى عن بيع الثمار حتى تزهى‘‘۔

(ج) خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی اور نہ درخت پر باقی رکھنے کی، فقہاء کے نزدیک یہ بیع درست ہے، لیکن خریدنے کے بعد فوراً کیا پھل توڑنا ضروری ہے؟

اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ مشتری کیلئے فوراً پھل توڑنا ضروری ہے۔ یہ احناف کا قول ہے؛ اس لئے کہ مطلق عقد کا تقاضہ ہے کہ فوراً توڑا جائے، اگر ایسا نہ کیا تو بائع کے محل کو مشغول کرنا لازم آئے گا (البحر الرائق ۵/ ۳۲۵)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فوراً توڑنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ پھل تیار ہونے کی طبعی مدت کو اس کے اندر معہود مانا جائے۔ یہ قول جمہور کا ہے، جس کو ماوردی نے نقل کیا ہے (الحاوی الکبیر ۵/ ۴۰۰)۔

پھل خریدنے کے بعد اس کو توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر دینا اور لینا، جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اجارہ منافع کو بیچنے کا نام ہے؛ جب کہ یہاں پر عین کو فروخت کرنا لازم آ رہا ہے، اور وہ پھل ہے۔

المبسوط میں لکھا ہے:”لا يجوز إجارة الشجر والكرم بأجرة معلومة على أن تكون الثمرة للمستأجر؛لأن الثمرة عين لا يجوز استحقاقها بعقد الاجارة.....و لأن محل التجارة والمنفعة وهى عرض لا يقوم بنفسه ولا يتصور بقائها والثمرة تقوم بنفسها كالشجرة ،فكما لا يجوز أن يتملك الشجرة بعقد الاجارة ،فكذلک الثمر“(المبسوط١٦/٦١)۔

یعنی: درخت کو اور انگور کے پودے کو متعین اجرت کے عوض کرایہ پر اس شرط کے ساتھ دینا کہ پھل کرایہ دار کا ہوگا، جائز نہیں ہے؛اس لئے کہ پھل عین ہے،اس کا استحقاق عقد اجارہ کے ذریعہ نہیں ہوتا ہے،اوراس لئے بھی کہ محل تجارت اور منفعت یہ عرض ہیں ان کا وجود ذاتی نہیں ہے،اور بنفسہ اس کے باقی رہنے کا تصور بھی نہیں ہے؛ جبکہ پھل کا وجود درخت کی طرح ذاتی ہے،توجس طرح عقد اجارہ کے ذریعہ درخت کی ملکیت کا تصور نہیں،اسی طرح پھل کا معاملہ ہے۔

حنابلہ کی کتاب الانصاف میں لکھا ہے:”لا تجوز إجارة أرض وشجر على الصحيح من المذهب،وعليه جماهير الأصحاب ،وقطع به أكثرهم،وحكاه أبو عبيدة إجماعاً،وجوزه ابن عقيل تبعا للأرض ،واختاره الشيخ تقى الدين وصاحب الفائق ،وقال فى الفروع،وجوزه شيخنا إجارة الشجر منفرداً ،ويقوم عليها المستأجر ،فان تلفت الثمرة فلا أجرة ،وإن نقصت عن العادة فالفسخ أو الارش لعدم المنفعة المقصودة بالعقد وهى كجائحة“(الانصاف٥/٣٥٦)۔

یعنی: زمین اور درخت کو صحیح مسلک کے لحاظ سے کرایہ پر دینا درست نہیں ہے۔یہی جمہور علماء مسلک کا خیال ہے،اور اکثر لوگوں کی قطعی رائے یہی ہے۔ابو عبیدہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ابن عقیل نے زمین کے تابع بنا کر اس کو جائز قرار دیا ہے،اور اسی کو شیخ تقی الدین نے اختیار کیا ہے،موصوف نے”فروع“میں لکھا ہے کہ ہمارے استاد محترم نے صرف زمین کرایہ پر دینے کو جائز قرار دیا ہے،جسکی نگرانی کرایہ دار کرے گا، اگر پھل برباد ہو جائے تو کوئی کرایہ نہیں ملے گا۔اور اگر عادت سے کم آئے تو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا؛اس لئے کہ عقد کا مقصد حاصل نہیں ہوا،اور اس کو ایک آفت سمجھا جائے گا۔

باغ کے کچھ درختوں میں اگر پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے تو پورے باغ کو ایک ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے؛اس لئے کہ جن درختوں میں پھل نہیں آئے ہیں،ان کو بیع میں شامل کرنا،معدوم کی بیع ہوگی، جو بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں:”أما بيع الثمار قبل أن تخلق،فجميع العلماء متفقون على منع ذلک؛لأنه من باب النهى عن بيع ما لم يخلق،ومن باب بيع السنين والمعاومة“(بدایۃ المجتہد ٢/١٤٩)۔

یعنی: جہاں تک پھل کو وجود میں آنے سے پہلے بیچنے کی بات ہے تو تمام علماء کا اسکی ممانعت پر اتفاق ہے؛ اس لئے کہ اس سلسلہ میں نہی وارد ہوئی ہے، جس طرح باغ کو کئی سالوں کیلئے بیچنا ممنوع ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں جن درختوں میں پھل آ گئے ہوں، بیع میں صرف انہی کو شامل کیا جائے، اور جن درختوں میں پھل نہیں آئے ہیں ان کو بیع میں شامل نہ کیا جائے، یہی احتیاط کا تقاضہ ہے۔

بیع کی تعریف:

بیع کے معنی لغت میں مبادلۃ الشئی بالشئی کے آتے ہیں۔ یعنی خرید و فروخت کرنا۔ اور دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں (لسان العرب ٨/ ٢٣)۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: "**وشروه بثمن بخس دراهم معدودة**" (یوسف: ٢٠) (یعنی: لوگوں نے یوسفؑ کو بیچ دیا)۔

بدوصلاح کا مطلب:

بدا یبدو بدواً کے معنی آتے ہیں ظاہر ہونا۔ بداوۃ الأمر کا مطلب ہوتا ہے پہلا نتیجہ نکلنا (لسان العرب: ١٤/ ٦٥)۔

صلاح کہتے ہیں فساد کی ضد کو (تاج العروس: ٦/ ٥٤٧)، فقہاء کے نزدیک اصطلاحی اعتبار سے بدوصلاح کی الگ الگ تعریف ہے:

احناف کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ پھل کی ایسی کیفیت ہو جائے کہ وہ فساد اور آفت سے محفوظ ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پھل انسانوں اور جانوروں کیلئے قابل استعمال ہو جائے (البحر الرائق ٥/ ٣٢٥)۔

مالکیہ نے اس کی تفسیر مختلف پھلوں کے لحاظ سے الگ الگ کی ہے۔ مثلاً: کھجور کیلئے بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائے۔ انگور کیلئے اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاہ ہو جائے اور اس میں مٹھاس آ جائے۔ دوسرے پھلوں میں بدو صلاح کا مطلب یہ ہے کہ مٹھاس پیدا ہو جائے۔ سبزیوں میں بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائے، اور غلہ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خشک اور ٹھوس ہو جائے۔

شوافع نے رنگ پکڑنے والے پھلوں میں اس کو پختگی اور مٹھاس سے جوڑا ہے۔ اور جن پھلوں میں رنگ نہیں آتا ہے، ان میں سرخی اور زردی کے میلان کو معیار بنایا ہے (الحاوی الکبیر ٥/ ١٩٦)۔

علامہ ماوردی نے بدوصلاح کی آٹھ علامتیں ذکر کی ہیں:

(١) رنگ۔ یہ ہر اس پھل کیلئے ہے جو مأکول اور ملون ہو، جیسے انگور اور کچی کھجور۔

(۲) مزہ - جیسے: گنا اور انار۔

(۳) پکنا اور نرم ہونا - جیسے: انجیر اور خربوزہ۔

(۴) ٹھوس ہونا۔ جیسے: گیہوں اور جو۔

(۵) لمبا اور موٹا ہونا۔ جیسے: چارہ اور سبزیاں۔

(۶) بڑا ہونا۔ جیسے: ککڑی۔

(۷) چھلکے کا پھٹنا۔ جیسے: روئی اور آخروٹ۔

(۸) کھل جانا۔ جیسے: گلاب (دیکھئے: الحاوی الکبیر ۵/ ۱۹۵)۔

حنابلہ کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ جس پھل کا رنگ صلاح کے وقت تبدیل ہوجاتا ہے، اس کا رنگ تبدیل ہونا ہی بدوصلاح کی علامت ہے۔ جیسے: انگور اور کھجور، اور اگر انگور سفید ہوتو بدوصلاح کی علامت یہ ہے کہ اس میں میٹھا پانی اتر جائے اور نرمی آجائے۔ اور اگر پھل رنگ پکڑنے والا نہیں ہے، جیسے سیب وغیرہ، تو اس کا صلاح یہ ہے کہ وہ میٹھا اور لذیذ ہوجائے۔ اگر خربوزہ ہے تو اس کا بدوصلاح یہ ہے کہ اس میں پختگی آجائے، اور اگر پھل کا رنگ تبدیل نہ ہوتا ہو اور چھوٹے بڑے سائز میں استعمال ہوتا ہو، جیسے ککڑی، تو اس کا صلاح یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائے (الانصاف ۵/ ۶۴)۔

خلاصہ یہ کہ ہر پھل کے صلاح کا معیار اور ضابطہ الگ الگ ہے؛ لہذا یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جس کے صلاح کی علامت خود شارع نے طے کردی ہے، تو اسی کو معیار بنایا جائے گا، ورنہ اس کو عرف عام اور عادت پر چھوڑ دینا چاہئے۔

باغ کے کچھ درختوں میں بدوصلاح کا ہونا اور کچھ میں نہ ہونا:

اگر باغ کے کچھ درختوں میں بدوصلاح ہو اور کچھ میں نہ ہوتو احناف کا مسلک یہ ہے کہ بدوصلاح سے قبل پھل کو بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ قابل انتفاع ہو۔ مثلاً: جانور کا چارہ بن سکتا ہو؛ البتہ شرط یہ ہے کہ فوراً توڑنے کی شرط لگائی گئی ہو۔ اگر مطلق بیع ہوئی تب بھی مشتری کو فوراً توڑنا پڑے گا اور باغ خالی کرکے بائع کے حوالہ کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ ایک درخت کے کچھ پھلوں میں بدوصلاح ہوجائے، مثلاً: انار کے درخت میں کچھ پھلوں میں بدوصلاح ہوتو کیا پورے درخت کی بیع جائز ہے؟

علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ اس لئے کہ قدرت کا اصول ہے کہ سارے پھل بیک وقت نہیں پکتے؛ اس لئے کہ اگر سب ایک ساتھ پک جائیں گے تو لوگ ان سے مکمل لطف اندوز نہیں ہو

سکتے؛ چنانچہ وہ بتدریج پکتے ہیں، اگر تمام پھلوں کے بیک وقت پکنے کی شرط لگادی جائے تو اس سے نقصان ہوگا۔ کچے انگور کے ایک خوشہ میں کچھ دانے کچے ہوتے ہیں اور کچھ پکے، اگر سب کے پکنے کا انتظار کیا جائے تو ابتداء میں پکے ہوئے دانے گر جائیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی بیع ممکن نہیں ہوگی؛ بلکہ ایک ایک دانہ فروخت کیا جائے گا، اور یہ دونوں چیزیں حرج اور مشقت کا باعث بنیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: میں آسان دین لیکر آیا ہوں (المجموع ۱۱/۴۵۰)۔

۲۔ ایک باغ یا اس سے زائد درخت میں بدو صلاح ہو اور پھل کی جنس اور نوع ایک ہو۔ مثلاً: ایک باغ میں انار کے پچاس درخت ہوں، ان میں کچھ درخت پر بدو صلاح پایا جائے تو کیا پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

(الف) یہ جائز ہے۔ مالکیہ کے مسلک کا اقتضاء یہی ہے، نیز شوافع اور حنابلہ کا صحیح قول بھی یہی ہے (البیان للعمرانی: ۵/۲۵۹، المغنی ۵/۱۵۶)۔

(ب) ناجائز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے (حوالہ سابق)۔

۳۔ ایک باغ ہو اس میں ایک درخت یا اس سے زائد درخت میں بدو صلاح ہو اور پھل کی جنس یکساں ہو اور نوع الگ الگ ہو۔ مثلاً: کھجور کے ایک باغ میں مختلف نوع کی کھجور ہو تو کیا ایک نوع کی کھجور میں بدو صلاح کی وجہ سے دوسرے نوع کی کھجور بیچنا جائز ہے؟

اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول جواز کا ہے۔ یہ مالکیہ کے مسلک کا اقتضاء ہے، اور شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک جنس کے مختلف اجزاء کو ایک دوسرے میں ضم کیا جاتا ہے، جیسا کہ زکاۃ کے نصاب کے مکمل کرنے میں دیکھا جاتا ہے؛ لہٰذا بیع کے جواز میں بھی اس کو نظیر بنایا جاسکتا ہے (البیان للعمرانی ۵/۲۵۹، الانصاف ۵/۶۲)۔

دوسرا قول عدم جواز کا ہے۔ حنابلہ کا معتمد علیہ قول یہی ہے، اور شوافع کا بھی ایک قول یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دو نوع کے ادراک میں کبھی تباعد ہوتا ہے؛ لہٰذا بدو صلاح میں ایک کو دوسرے کے تابع بنانا جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس میں زمانہ کا دخل ہے۔ اگر ایک نوع میں بدو صلاح ہو جائے اور دوسرے نوع میں بہت تاخیر ہو تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر دونوں کے درمیان معمولی فاصلہ ہو تو جائز ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ ضرر اور غرر کا امکان نہیں ہے۔

۴۔ ایک باغ کے ایک یا اس سے زائد درخت میں بدو صلاح ہو جائے لیکن پھل کی جنس الگ الگ ہو۔ مثلاً باغ میں مختلف جنس کے پھل ہوں، انار، انگور، سیب وغیرہ، تو کیا ایک جنس میں بدو صلاح کی بنیاد پر پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

پہلا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے سابقہ موقف سے یہی مترشح ہوتا ہے؛ اس لئے کہ اوپر والی

صورت کے مقابلہ میں اس صورت میں ممانعت اولی ہے۔

دوسرا قول جواز کا ہے۔ یہ لیث بن سعد سے مروی ہے، اور ابن تیمیہ اس کے زبردست مؤید اور حامی ہیں (مجموع الفتاوی ۲۹/۴۸۲)۔

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ایک باغ کے درختوں کو الگ الگ بیچنے میں ضرر عظیم ہے، اور حتی الوسع شریعت میں ضرر کو دفع کیا گیا ہے۔

(۲) حاجت عامہ ضرورت کے درجہ میں داخل ہے۔

(۳) ضمناً بہت سی چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جبکہ اصلاً جائز نہیں ہوتی ہیں۔

مذکورہ دلائل میں غور وفکر کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سارا معاملہ ضرر اور حرج سے مربوط ہے۔ اگر ضرورت ثابت ہو جائے تو دفع ضرر کیلئے جواز کی گنجائش پیدا ہوگی، اور اگر ضرر موہوم ہو تو عدم جواز کا قول ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں صراحۃً بدو صلاح سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع کیا گیا ہے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عبدالتواب اناوی☆

تمہید:

قال تعالی: "كلوا من طيبات ما رزقناكم واشكروا لله إن كنتم إياه تعبدون" (القرآن)۔

قال تعالی: "لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (القرآن) (اللہ نے جو تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا ہے اسے کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم خدا کی ہی عبادت کرتے ہو۔ اور باطل طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ)۔

آج دنیا بھر میں باغات کی بہاروں کی خرید وفروخت اکثر پھول و پھل کے آنے سے قبل، بلکہ کئی سالوں کی ایک ساتھ خرید وفروخت ہورہی ہے، کہیں پھول کہیں پھل کے فوراً بعد اور کہیں لائق استعمال ہونے سے قبل، اور کہیں مابعد، شریعت مطہرہ نے ایسی تمام بیوع کو ناجائز قرار دیا ہے جس میں مبیع معدوم ہو، خواہ اس کا تعلق باغات سے ہو یا دیگر مواقع سے، بیع معدوم ہوگی اور بیع باطل ہوگی۔

باغات کے سلسلہ میں اسلام کا صاف اور واضح ضابطہ یہ ہے کہ باغات میں پھل جب پکنے کے عین قریب ہوجائیں اس وقت ان کو خریدا اور بیچا جائے؛ تاکہ کسی بھی فرد کا کوئی نقصان نہ ہو، مشتری کا نہ بائع کا؛ کیونکہ پکنے کے قریب پھلوں کا سودا ہوجانے کے فوراً بعد اگر بائع مشتری کو پھل توڑنے پر مجبور کردے تو فوری طور پر پھل توڑنے میں مشتری کا کوئی نقصان نہ ہوگا، جتنا مال اس نے خریدا ہے وہ اسے مل گیا، اب وہ اسے کچا بھی فروخت کرسکتا ہے اور پکا کر بھی؛ کیونکہ ایسے پھل جو از خود پکنے کے قریب پہنچ گئے ہوں انہیں توڑ کر دوسرے ذرائع سے پکانے کے طریقے ہمیشہ ہر زمانے میں بہت رہے ہیں، آج بھی ہیں اور کل بھی رہیں گے، اس پر ہمیشہ ہر زمانے اور ہر علاقے میں عوام الناس کا معمول رہا ہے۔

رہی دوسری شکلیں مثلاً باغات کو پھل اور پھول کے آنے سے قبل فروخت کرنا تو اس میں غرر بھی ہے، قمار بھی ہے، اور بیع معدوم ہونے کی وجہ سے یہ بیع باطل بھی ہے؛ کیونکہ جس چیز کو یہاں مبیع بنایا جارہا ہے اس نے ابھی دنیا میں وجود ہی نہیں لیا ہے، اور جو چیز دنیا میں موجود ہی نہ ہو اس کو کس طرح خریدا اور بیچا جاسکتا ہے، پھر اگر کسی نے مبیع معدوم پر سودا کرہی لیا تو دو

☆ جامعہ اسلامیہ، بانگرمئو، اناؤ، اتر پردیش۔

باتیں پیدا ہوں گی: ۱-یہ کہ بعد عقد بیع وجود لینے والی مبیع مقدار عقد بیع سے زائد ہو تو وہ زیادتی بائع کی ہوگی جس کو مشتری اپنا حق سمجھے گا اور بائع اسے لینے سے محروم ہوگا، اسلئے یہ شکل غرر کی وجہ سے ناجائز ہوگی، ۲-مبیع مقدار عقد بیع سے کم آئے یا بالکل نہ آئے تو اس صورت میں بائع مشتری کو کچھ واپس نہ کرے گا تو یہ شکل قمار کی ہوگی جس کی وجہ سے ناجائز ہوگی، ۳-اگر بائع ومشتری کے درمیان کوئی مقدار بوقت عقد متعین نہ ہو تو مبیع مجہول قرار پائے گی، اور ضابطہ یہ ہے کہ ثمن متعین کے لئے مبیع کا متعین ہونا لازم ہے، اور یہاں ثمن تو متعین ہے مگر مبیع مجہول بھی ہے اور معدوم بھی تو یہ کیوں کر جائز ہوسکتی ہے، ۴-عقد بیع کے لئے ایک بات یہ بھی ضروری ہوتی ہے کہ مبیع پر بائع کا قبضہ بھی ہو، جس مبیع پر بائع کا قبضہ نہ ہو اس کی بیع کو اصول شرعیہ میں بیع فاسد کہا جاتا ہے، اور یہاں تو مبیع سرے سے معدوم بھی ہے تو اس عقد کو کس اصول کے تحت جائز قرار دیا جائے؛ جبکہ یہاں مبیع معدوم بھی ہے، مجہول بھی ہے، بائع کی غیر مقبوضہ بھی ہے اور یہ عقد قمار وغرر پر بھی مشتمل ہے؛ اس لئے اس بیع کو بہر حال ناجائز بلکہ حرام کہا جانا چاہئے۔

۱- ”عن جابرؓ أن النبیﷺ نهى عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة ورخص فی العرايا، قال أبوعيسى: هذاحديث حسن صحيح“ (ترمذی، باب ماجاء فی المخابرة والمعاومة، رقم الحدیث: ۱۳۱۳) (حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں بیع محاقلہ اور بیع مزابنہ اور بیع مخابرہ وبیع معاومۃ سے منع فرمایا ہے، البتہ بیع عریہ کی اجازت دی ہے (بیع عریہ کی رخصت مرحمت فرمائی ہے)۔

معاومۃ عام سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی سال کے ہیں، جیسے ”سنین“ مشتق ہے سنۃ سے جس کے لغوی معنی بھی سال کے ہیں۔ معاومۃ اور سنین کے اصطلاحی معنی: باغات کے پھول، پھل آنے سے قبل اکٹھا ایک سال یا کئی سالوں کی بیع کرنا یعنی مستقبل کی کئی کئی فصلوں کو ایک ہی وقت میں فروخت کرنا، اصول شریعت میں اس بیع کو بیع ناجائز اور بیع باطل قرار دیا گیا ہے، ”قال رسول اللهﷺ: أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه“ (بخاری ۱/ ۲۹۳) (اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر اللہ تعالی نے پھل روک لئے (یعنی فصل نہیں آئی یا کم آئی) تو تم اپنے بھائی یعنی مشتری کی رقم کس چیز کے عوض لوگے) اور بے عوض مال لینا مال باطل ہے۔

مذکورہ روایات سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ بیع معاومۃ پھل آنے سے قبل کئی کئی فصلوں کے لئے باغات کو فروخت کردینے کا اصولی نام ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ بیع آپ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھی اور آپ ﷺ نے براہ راست اس سے منع فرمایا، اور منع فرمانے کی خاص وجہ بھی ذکر فرمائی کہ عقد بیع کی متعینہ مدت میں اگر اللہ تعالی نے فصل روک لی یا پیداوار گھٹادی تو تمہارے یعنی بائع کے پاس جو ثمن کی زیادتی ہوگی وہ کس چیز کے بدلے میں اپنے لئے حلال کرے گا؛ کیونکہ وہ مال باطل ہوگا۔

بیع معاومہ سے منع کرنے کی وجوہات:

۱- یہ مبیع معدوم کی بیع ہے، اور مبیع معدوم کی بیع باطل ہوا کرتی ہے۔

۲- یہ مبیع مجہول کی بیع ہے، ثمن متعین اور مبیع مجہول کی بیع فاسد ہوا کرتی ہے۔

۳- اس میں غرر بھی ہے؛ کیونکہ ثمن متعین سے مبیع کم بھی ہوسکتی ہے اور زیادہ بھی۔

۴- اس میں قمار بھی ہے؛ کیونکہ کسی وجہ سے فصل نہ آنے یا خراب ہونے میں ثمن ڈوب جائے گا۔

۵- یہ مبیع غیر مقبوضہ کی بیع ہے، غیر مقبوضہ مبیع کی بیع، بیع فاسد کہلاتی ہے۔

بیع معاومہ سے منع کرنے کی مذکورہ وجوہات سامنے آجانے کے بعد ''نہی'' کا مصداق ازخود سمجھ میں آجاتا ہے، اگر کسی عقد سے یہ مذکورہ چیز ہٹادی جاتی تو یقیناً وہ بیع صحیح کے زمرے میں شامل ہوجائے گی ورنہ مذکورہ وجوہ میں سے کوئی ایک بھی کسی عقد بیع میں پائی گئی تو وہ بیع جائز کہلانے کی حقدار نہ ہوگی۔

بیع معاومہ کو فقہاء کرام نے بالاتفاق ناجائز کہا ہے، کسی بھی فقیہ نے کسی بھی سورت میں بیع معاومہ کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔

بیع معدوم، مبیع مجہول، مبیع غیر مقبوضہ، غرر اور قمار، یہ چند چیزیں بیع معاومہ کے منع اور ناجائز ہونے کا مصداق ٹھہرتی ہیں۔

۲- جس طرح تمام فقہاء عظامؒ نے قبل الظہور پھلوں کی بیع کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے ٹھیک اسی طرح بعد الظہور تمام فقہاء کرام نے پھلوں کی بیع کو بالاتفاق جائز قرار دیا ہے، کسی کا بھی مذکورہ دونوں صورتوں میں کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے۔

''**وفی الشامیة، قال: لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر، ولا فی عدم جوازہ بعد الظهور**'' (ردالمحتار علی الدر المختار، مطلب فی بیع الثمر والزرع ۷/۶۵ دیوبند)۔

''**وفی الهندیة قال: بیع الثمار قبل الظهور لایصح اتفاقا، وإن باعها قبل أن تصیر منتفعا بها بأن لم تصلح لتناول بنی آدم وعلف الدواب فالصحیح أنه یصح**'' (فتاوی ہندیہ، باب فیما یجوز بیعہ ومالا یجوز، فصل فی بیع الثمار ۳/۱۰۶، نیز دیکھئے: فتاوی تاتارخانیہ ۲۷/۷/۳۱، کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲/۲۶۹)۔

مذکورہ عبارات وجزئیات سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ پھول وپھل کے ظہور کے بعد ان کی نفس بیع میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے؛ البتہ کیفیت وکمیت، صلاحیت اور دیگر اوصاف محل اختلاف ہیں...... مثلاً: ۱- پھول وپھل دکھائی دے رہے ہیں مگر ابھی کسی بھی طرح قابل استعمال نہیں ہیں، ان پھلوں کی مطلقاً بیع یعنی پیڑ پر چھوڑے رہنے یا توڑنے کی شرط کے بغیر

فروخت کرنا، ۲-نا قابل استعمال پھلوں کی بیع قابل استعمال ہونے تک درختوں پر چھوڑے رہنے کی شرط کے ساتھ، ۳-نا قابل استعمال پھلوں کی بیع بروقت توڑنے کی شرط پر، ۴-قبل بدوصلاح کی بیع، ۵-بدوصلاح کے بعد بیع، ۶-بدو صلاح کی حقیقت۔

یہ وہ چند نکات ہیں جن پر عند الفقہاء اختلاف پایا جاتا ہے، نیز یہ اختلاف ائمہ اربعہ کے درمیان بھی ہے اور خود فقہاء احناف کے درمیان بھی۔

"وفی الشامية قال: لا خلاف فی عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط الترک، ولا فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به، ولا فی الجواز بعد بدوالصلاح" (شامی ۷/ ۶۵)۔

یعنی پھل آنے سے قبل کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، اسی طرح پھل آنے کے بعد کسی بھی انتفاعی شکل میں بعد البیع درخت سے پھل توڑ لینے کی صورت میں بالاتفاق بیع جائز ہے، اور پھلوں کے مکمل قابل انتفاع ہونے کے بعد درختوں پر لگے ہونے کی صورت میں بھی اور توڑ کر فروخت کرنے کی صورت میں بھی بہرحال تمام فقہاء عظام کے نزدیک بلا اختلاف بیع درست اور جائز ہے۔

"وفی الفقه الاسلامی وأدلته: اجمع العلماء علی أن بيع الثمار قبل أن تخلق لا ينعقد؛ لأنه من باب النهی عن بيع مالم يخلق ومن باب بيع السنين والمعاومة، وقد روی عنه عليه الصلاة والسلام انه " نهی عن بيع السنين و عن بيع المعاومة"، وهو بيع الشجر أعواما؛ لأنه بيع المعدوم، وقد نهی رسول الله ﷺ عن بيع الغرر، والغرر كما عرفنا: هو ما انطوی عنه أمره، وخفی عليه عاقبته، ونوع الغرر: هو أن المبيع مجهول الوجود، قد يظهر وقد لا يظهر، ومجهول المقدار إن وجد......وأما بيع الثمار بعد القطع أو الصرام فلا خلاف فی جوازه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ للزحیلیؒ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۴، ۴۸۵)۔

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پھل آنے سے قبل باغات کی بیع ناجائز ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق ایسی مبیع سے ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے، اسے اصطلاح شرع میں مبیع معدوم کہا جاتا ہے، یہی حکم بیع سنین اور بیع معاومہ کا ہے؛ کیونکہ یہاں بھی مبیع معدوم ہے، نیز اس میں غرر بھی ہے جہالت بھی ہے، اور ایسی تمام بیوع کے سلسلہ میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے منع فرمایا ہے؛ اس لئے یہ شکل جائز نہیں ہے۔

بیع الثمر بعد الظہور:

چونکہ درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد بیع کی کئی صورتیں ہوجاتی ہیں، جن کو لے کر علماء وفقہاء کے

درمیان اختلاف نظر آتا ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

پھلوں کے درختوں پر ظاہر ہونے کے بعد خصوصاً چار شکلیں بنتی ہیں اور عموماً چھ:

۱- پھلوں کو درختوں پر لائق استعمال ہونے سے قبل مطلقاً فروخت کرنا۔

۲- نا قابل استعمال پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رہنے کی شرط پر فروخت کرنا۔

۳- نا قابل استعمال پھلوں کو بعد البیع علی الفور قطع کی شرط پر فروخت کرنا۔

۴- قابل استعمال پھلوں کو مطلقاً فروخت کرنا، ۵- قابل استعمال پھلوں کو بشرط القطع علی الفور فروخت کرنا، ۶- قابل استعمال پھلوں کو بشرط الترک فروخت کرنا۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر پھل بدو صلاح کو پہنچ جائیں تو اول کی تین صورتوں میں یعنی ۱- بیع مطلقا، ۲- بیع بشرط القطع، ۳- بیع بشرط الترک علی الشجر تینوں شکلیں بہرصورت درست اور جائز ہیں۔

"وفی الفقه الاسلامی وأدلته: وقال المالكية والشافعية والحنابلة، إن بدا صلاح الثمر جاز بيعه مطلقا، أو بشرط الترک على الشجر، أو بشرط القطع" (الفقہ الاسلامی وادلتہ للزحیلی، کتاب البیوع ۴/۴۸۸)۔

اور اگر بدو صلاح سے قبل پھلوں کی فروختگی ہو رہی ہے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع بشرط الترک علی الشجر اجماعاً ناجائز ہے اور بشرط القطع مطلقاً جائز ہے۔

"أما قبل بدوالصلاح، فإن كان البيع بشرط الترک أو البقاء فلا يصح إجماعا؛ لأن النبی ﷺ "نهى عن بيع الثمار حتى يبدوصلاحها، نهى البائع والمبتاع"، والنهی يقتضی فساد المنهی عنه، قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على القول بجملة هذا الحديث، وذلک لأن له خطر المعدوم، وإن كان البيع بشرط القطع فی الحال فيصح بالاجماع أيضا، لأن المنع انما كان خوفا من تلف الثمرة وحدوث العاهة فيها، قبل أخذها، بدليل ماروى أنس ؓ "أن النبی ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى تزهو، فقلنا لأنس: ما زهوها؟ قال: تحمر وتصفر، قال: أرأيت إذا منع الله الثمرة، بم يأخذ أحدكم مال أخيه"، وهذا مأمون فيما يقطع فی الحال فصحّ بيعه، كما لو بدا صلاحه" (الفقہ الاسلامی وادلتہ، کتاب البیوع ۴/۴۸۹)۔

رہی بات بیع مطلق کی یعنی ترک اور قطع کی شرط کے بغیر فروختگی کی تو ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: یہ بیع باطل کے زمرے میں ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ نے قبل بدو صلاح پھلوں کو مطلقاً فروخت کرنے سے صراحتاً منع فرمایا ہے، نیز یہ محل نزاع بھی ہے، اور مطلق مفضی الی العرف ہوتا ہے اور عرف الترک علی الشجر معروف ہے، اور "بیع الثمر ۃ بشرط الترک علی الشجر ۃ عند الفقہاء

لا یجوز'' کے درجہ میں ہے۔

"وأما إذا كان البيع قبل بدوالصلاح مطلقا دون اشتراط تبقية ولا قطع فالبيع باطل، لأن النبیﷺ أطلق النهى عن بيع الثمرة قبل بدو الصلاح، فيدخل فيه محل النزاع، وإطلاق العقد يقتضى التبقية لأن المطلق ينصرف إلى المتعارف، والمتعارف هو الترک، فيصير العقد المطلق كالذى شرطت فيه التبقية، يتناولهما النهى جميعا'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ، کتاب البیوع، فصل بیع الثمار ۴/۴۸۹)۔

مذکورہ عبارات سے فقہاء ثلاثہ کا مذہب بیع الثمار میں واضح ہوگیا، کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قبل بدوالصلاح بیع مطلق اور بیع بشرط الترک علی الشجر ۃ کے علاوہ بقیہ تمام اقسام بیوع درست اور جائز ہیں۔

حنفیہ: پھلوں کی خرید وفروخت میں حنفیہ کے یہاں بھی اصولاً چھ شکلیں بنتی ہیں: تین بدوصلاح سے قبل اور تین بدو صلاح کے بعد، جن کی تفصیل اس طرح ہے: ۱-قبل بدوصلاح مطلقا، ۲-قبل بدوصلاح بشرط القطع، ۳-قبل بدوالصلاح بشرط الترک، ۴-بعد بدوالصلاح بیع الثمر ۃ بشرط الترک علی الاشجار۔

مذکورہ چھ شکلوں کے الگ الگ تفصیلی احکام:

۱-لائق استعمال ہونے سے قبل پھلوں کو مطلقاً یعنی بعد البیع پھلوں کو علی الفور درختوں سے توڑنے یا انہیں درختوں پر چھوڑے رہنے کی شرط کے بغیر فروخت کرنا، حنفیہ اس شکل کو جائز کہتے ہیں اگرچہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں یہ شکل ناجائز ہے، حنفیہ کا مستدل ہے کہ دریں صورت مال موجود ہے، خواہ ناقابل استعمال سہی، انسانوں یا جانوروں میں سے کوئی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب مال موجود ہے خواہ گھٹیا ہی سہی تو وہ مبیع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو مال مبیع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کی بیع جائز ہوگی؛ خواہ اسے انسان استعمال کریں یا جانور، جبکہ یہاں کوئی شرعاً حکم منع بھی وارد نہیں ہے اس لئے یہ شکل درست اور جائز ہوگی۔

"وإن كان البيع مطلقاً عن الشرط جاز أيضا عند الحنفية، خلافا للشافعي ومالک وأحمد، لأن الترک بمشروط نصا، إذ العقد مطلق عن الشرط اصلا، فلا يجوز تقييده بشرط الترک من غير دليل، خصوصا إذا كان فى تقييد فساد العقد، وجواز بيعه على الصحيح عند الحنفية؛ لأنه مال منتفع به ولو علفا للدواب، وإن لم يكن منتفعا به فى الحال عند الانسان'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۸۶)۔

۲-پھلوں کو قبل بدوصلاح فروخت کیا جائے علی الفور توڑنے کی شرط پر تو بیع درست اور جائز ہوگی؛ مگر بائع پر لازم ہوگا کہ سودا ہونے کے فوراً بعد درختوں پر لگے اپنے تمام پھل اسی حال میں توڑلے؛ البتہ عقد سے ہٹ کر اگر بائع مشتری کو پھلوں کو کچھ دن درختوں پر لگا رہنے کی اجازت دے دے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

"إن كان بشرط القطع جاز، ويجب القطع للحال، إلا باذن البائع" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۸۶)۔

۳-"قبل بدوصلاح بيع الثمرة بشرط الترک علی الشجر"فقہاء احناف کے یہاں بالاتفاق بیع فاسد کے درجہ میں ہے؛ کیونکہ شرط ترک یہاں فساد بیع کو مستلزم ہے اور مشتری کو بائع کے درختوں سے بلاعوض نفع اٹھانا مشروط ہوتا ہے، نیز مشتری کے لئے دھوکہ بھی موجود ہے؛ کیونکہ درختوں پر پھل چھوڑنے کی صورت میں پھل باقی بھی رہتے ہیں یا نہیں یہ معلوم نہیں، مزید یہ کہ بائع کا باغ مشتری بلاعوض ایک متعین وقت تک استعمال کرے گا، یعنی شرط فاسد، غرر، صفقۃ فی صفقۃ کی بنیاد پر یہ بیع عندالحنفیہ بالاجماع جائز نہیں۔

"وإن كان بشرط الترک فالعقد فاسد، باتفاق علماء الحنفية لأنه لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد العاقدين، وهو المشترى ولا يلائم العقد ولا جرى به التعامل بين الناس، ومثل هذا الشرط مفسد للبيع كما لو اشترى حنطة بشرط أن يتركها فی دار البائع شهرا، ولأنه لا يتمكن من الترک إلا بإعارة الشجر والأرض وهما ملک البائع، فصار بشرط الترک شارطا الإعارة فكان شرطه صفقة فی صفقة وهذا منهی عنه كما عرفنا، ثم انه مشتمل علی الغرر إذ لا يدری المشتری هل يبقی الثمر أم تصيبه آفة فيهلک، فعلة فساد البيع إذاً ثلاثة أمور: فيه غرر، وشرط فاسد، وصفقة فی صفقة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۶)۔

۴، ۵-بدوصلاح کے بعد درختوں پر لگے پھلوں کی بیع مطلقاً یا بشرط القطع جائز ہے اتفاقاً، "فإن باع بشرط القطع جاز وكذا إن باع مطلقا عن الشرط يجوز ايضا" (الفقہ الاسلامی ۴/ ۴۸۷)۔

۶-بدوصلاح کے بعد درختوں پر لگے پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رہنے کی شرط پر فروخت کرنے میں فقہاء احناف کے یہاں دو صورتیں بنتی ہیں: ۱-اگر پھل ابھی بڑھ رہے ہیں تو بالاتفاق یہ بیع فاسد کہلائے گی، جائز نہ ہوگی، ۲-پھل بڑھنا بند ہو چکے ہیں تو عندالشیخین یہ بیع فاسد ہوگی بائع کے درخت اور زمین بلاعوض استعمال کرنے کی بنیاد پر؛ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع استحساناً جائز ہے اور امام محمدؒ کے قول پر ہی دیگر ائمہ اور اصحاب الترجیح نے فتوی دیا ہے۔

"وإن باع بشرط الترک، فإن لم يتناه عظمه، فالبيع فاسد بلاخلاف، وإن تناهی عظمه فالبيع فاسد عند أبی حنيفة وأبی يوسف، لأن شرط الترک فيه منفعة للمشتری والعقد لا يقتضيه، وقال محمد يجوز استحسانا لتعارف الناس وتعاطيهم بذلک، قال: فی الدرالمختار وبه يفتی ای بقول محمدؒ" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۷، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۵/ ۵۰۲، فتح القدیر علی الہدایہ ۶/ ۲۶۴-۲۶۷، ردالمحتار علی الدرالمختار ۷/ ۶۵-۶۷)۔

۳- "نھی عن بیع النخل حتی تزھو وعن بیع السنبل حتی یبیض ویأمن العاھة"(رواہ مسلم ۳/ ۱۱۶۵)۔

آپ ﷺ نے کھجور کے فروخت کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ رنگ لے آئے، اور بالیوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ سفید ہوجائیں اور نقصان کے خطرے سے باہر آجائیں۔

"وفی روایة: أن النبی ﷺ نھی عن بیع الثمرة حتی یبدو صلاحھا، وعن بیع النخل حتی یزھو، قیل: ما یزھو؟ قال: یحمار أو یصفار"(بخاری مع فتح الباری ۴/ ۳۹۷، مسلم ۳/ ۱۱۶۵)۔

آپ ﷺ نے قابل استعمال ہونے سے قبل پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا اور کھجوروں کو رنگ پکڑنے سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمایا، سوال کیا گیا کہ رنگ پکڑنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ سرخ یا زرد ہوجائیں، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں: "أن النبی ﷺ نھی عن بیع العنب حتی یسود وعن بیع الحب حتی یشتد"(رواہ ابوداؤد ۳/ ۶۶۸)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے کالے ہونے سے قبل انگور کی بیع سے منع فرمایا اور سخت ہونے سے قبل دانوں کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

مذکورہ روایات اور اس طرح کی دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ پھل اپنی اصلی حالت میں پہنچ جائیں کہ اگر انگور توڑ لیا جائے تو کوئی نقصان نہ ہو، وہ کھانے کے قابل ہوں خواہ کچھ ہی، یا کسی ذرائع سے پکا کر۔

بدوصلاح کا معنی:

حنفیہ کہتے ہیں کہ بدوصلاح کا مطلب ہے کہ پھل نقصان اور خرابی کے اندیشے سے باہر ہوجائے، بعض نے کہا کہ پھل انسانوں یا جانوروں کے کھانے کے قابل ہوجائے، یعنی اگر بروقت پھل توڑ لیا جائے تو کسی نہ کسی کے کام آجائے خواہ انسانوں کے کھانے کے یا پھر جانوروں کے چارہ میں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ اس کے مختلف اشیاء میں الگ الگ معنی ہوں گے، مثلاً کھجور میں اس کا مطلب ہوگا کہ وہ سرخ یا زرد ہوجائیں، انگور میں سیاہی آجائے اور مٹھاس پیدا ہوجائے، اور دیگر پھلوں میں ان کا اصلی مزا پیدا ہوجائے، خس اور کسم میں ان کا قابل انتفاع ہونا ہے، سبزیوں میں ان کا کھانے کے لائق ہونا اور کھیتی و دانوں میں ان کا خشک اور سخت ہونا ہے۔

شافعیہ نے پھل اور کھیتی جیسی چیزوں میں ان کا پکنا اور مٹھاس آنا وغیرہ مراد لیا ہے؛ البتہ یہ ان چیزوں میں ہے جو رنگدار نہیں ہوتیں ورنہ ہر چیز پر اس کا اصلی رنگ چڑھ جائے تو بدوصلاح ہوجائے گا، پھر ہر چیز مثلاً پھل، کھیتی، گندم، مکا، انار، گنا، خس، ککڑی، سبزی وغیرہ میں جو بھی علامتیں قابل استعمال ہونے کی ہیں اگر وہ پائی جائیں تو وہ بدوصلاح کا مطلب اور علامت ہوں گی۔

حنابلہ کے یہاں بھی کچھ اس طرح کی بات ہے کہ پھل اگر رنگ بدلتا ہو تو جس رنگ پر ٹھہرتا ہو وہ یا اس کا اصلی مزہ اور تموہ ہے، نیز عموماً عوام الناس کے نزدیک جو چیز خواہ پھل ہو سبزی ہو یا فصل جس طرح تیار سمجھی جاتی ہو وہ ہی بدوصلاح ہے، پھول و پھل اور کاشت میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا، بدوصلاح کے بعد پھلوں کی فروختگی میں حکمت یہی ہے کہ پھلوں کو ضائع ہونے اور پیدا ہونے والے خطرات سے محفوظ کیا جاسکے (الموسوعۃ الفقہیہ، باب بیع الفاسد ۹/ ۲۱۵)۔

روایت میں ایک لفظ، ''**يأمن العاهة**'' آیا ہے جس کا مطلب صاف یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پھل جب تک گدر یعنی ادھ پکا نہ ہوجائے بدوصلاح نہ ہوگا؛ کیونکہ پھل جب گدر ہوجائے گا تو توڑنے کے بعد بھی اس کے اندر پکنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی، جیسا کہ ہمارے دیار میں مروج ہے مثلاً آم، امرود، سیب، لیچی، کیلا، انار، سنگترہ، انگور، ناشپاتی، پپیتا، چیکو وغیرہ۔

یہ سب اگر گدر ہوجانے کے بعد توڑ لئے جائیں تو دیگر ذرائع سے پک جاتے ہیں اور بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں اور اسے عوام الناس میں معیوب نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ اکثر بازاروں میں جتنے بھی پھل دستیاب ہوتے ہیں ان کا اکثر حصہ گدر ہی توڑا ہوا ہوتا ہے جن کو دیگر ذرائع سے پکا کر بازار میں لایا جاتا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ پھل اگر گدر ہونے کی صورت میں فروخت کیا جائے اور مشتری اسے علی الفور توڑ لے تو پھل کسی بھی طرح نہ ضائع ہوں گے اور نہ ہی وہ کسی نقصان کے دائرے میں داخل ہوں گے، اور ساتھ ہی مشتری کو بھی کوئی نقصان لاحق نہ ہوگا، اور بائع اگر چاہے تو علی الفور اپنا باغ اور زمین مشتری سے خالی کرواسکتا ہے، نیز اگر مشتری کچھ دن بائع کی اجازت پر اپنے پھل چھوڑے رکھے تو مشتری کے پھلوں میں نمو کا کوئی اضافہ نہ ہوگا؛ البتہ زمین کا اعارہ یا اجارہ ضرور مستلزم ہوگا جو استحساناً یا عادۃً اور عرفاً جواز کے دائرہ میں ہوگا، ''**يامن العاهة**'' کی یہی تفسیر زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتی ہے اور یہی صورت دیگر تمام اشیاء میں بھی ہوگی (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۴۹۱، بیروت)۔

۴- **الف:** درختوں پر پھل یا پھول (مثلاً گلاب بیلا مہندی وغیرہ) آنے سے قبل ان کی بیع کرنا بیع معدوم کی بیع ہے جو بالاتفاق تمام فقہاء عظام کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، خواہ ایک سال کے لئے ہو یا چند سالوں کے لئے یا ایک فصل کے لئے؛ کیونکہ جس چیز کی بیع ہورہی ہے وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے، اور آپ ﷺ نے غیر پیدا شدہ چیز یعنی معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے، اسی وجہ سے تمام اصحاب مذہب نے اس بیع کے باطل ہونے پر اجماع کیا ہے۔

''**أجمع العلماء على أن بيع الثمار قبل أن تخلق لا ينعقد، لأنه من باب النهى عن بيع مالم يخلق ومن باب السنين والمعاومة–وقد روي عنه عليه الصلاة والسلام أنه نهى عن بيع السنين وعن بيع المعاومة،رواه النسائى و الترمذى، وهو بيع الشجر أعواما لأنه بيع المعدوم، وقد نهى الرسول ﷺ عن بيع الغرر، كما عرفنا، هو ما انطوى عنه أمره وخفى عليه عاقبته،ونوع الغرر:هو أن المبيع المجهول**

الموجود، قد يظهر وقد لايظهر ومجهول المقدار ان وجد"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۵-۴۸۶)۔

"عن جابرؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة، وفى لفظ بدل المعاومة وعن بيع السنين، رواه البخارى واحمد ومسلم۔

"قوله والمعاومة، هى بيع الثمرة أعواما كثيرة وهى مشتقة من العام، كالمشاهرة من الشهر، وقيل هى اكتراء الأرض سنين وكذلك بيع السنين، هو أن يبيع ثمر النخلة لأكثر من السنة فى عقد واحد، وذلك لأنه بيع غرر، لكونه بيع مالم يوجد"(نیل الاوطار للشوکانی، کتاب البیوع، باب النہی عن بیع الثمر ۶/ ۴۹۸، ۵۰۱)۔

ب- بعض درختوں میں پھل نکل آئے اور بعض میں نہیں نکلے تو یہاں دوصورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ پھول پورے باغ میں آیا ہے مگر پھل بعض درختوں میں پہلے آ گیا، جیسا کہ بسا اوقات ہواؤں کی وجہ سے ہوتا ہے کہ جہاں ہوا زیادہ لگتی ہے یا کم لگتی ہے وہاں پھل دوسرے مقام کے مقابلہ جلد نکلتے ہیں، اور بعض میں ابھی نہیں نکلا مگر چونکہ پھول آیا ہے اس لئے بدیر نکلنے کی امید بھی ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ یہ بعض درختوں پر پھل کا ظاہر ہونا اور بعض پر بدیر ظاہر ہونا دونوں کو ایک کر کے بیع الثمرۃ قبل الظہور کا حکم لگا کر بیع کو باطل قرار دیا جائے گا، اور یہاں مبیع کو بہر حال معدوم سمجھا جائے گا اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جن درختوں پر پھول آیا تھا ان پر پھل ظاہر ہوا دوسروں پر نہیں تو دیکھا جائے گا کہ پھل کسی بھی طرح لائق انتفاع ہیں یا نہیں: ۱- اگر قابل انتفاع نہیں ہیں تو یہ بیع باطل ٹھہرے گی یعنی اسے بھی بیع معدوم کے زمرے میں لیا جائے گا، ۲- اور اگر پھل کسی طرح بھی قابل استعمال ہوگئے خواہ انسانوں کے یا جانوروں کے تو پھر بیع کی تینوں شکلیں یہاں جاری ہوں گی، یعنی بیع الثمرۃ مطلقاً اور بیع الثمرۃ بشرط القطع بلا خلاف جائز ہوں گی، اور بیع الثمرۃ بشرط الترک علی الاشجار کسی بھی طرح درست اور جائز نہ ہوگی، تمام فقہاء احناف و دیگر مذاہب کے فقہاء کرام اس تیسری شکل کو غرر اور اجارہ یا اعارہ وصفقہ فی عقد واحد کی بنیاد پر لا یجوز کے قائل ہیں۔

ج- "وفى الشامية قال: ولا خلاف فى عدم جوازه بعد الظهور قبل بدوالصلاح بشرط القطع فيما ينتفع به...... إلى أن قال: إن كان بحال لا ينتفع به فى الأكل ولا فى علف الدواب فيه خلاف بين المشائخ:قيل:لا يجوز، ونسبه قاضى خان لعامة مشائخنا والصحيح أنه يجوز لأنه مال منتفع به فى ثانى الحال، إن لم يكن منتفعا به فى الحال......والحيلة فى جوازه باتفاق المشائخ أن يبيع الكمثرى أول ما تخرج مع أوراق الشجر فيجوز فيها تبعا للأوراق كأنه ورق كله، وإن كان بحيث ينتفع به ولو علفا للدواب فالبيع جائز باتفاق أهل المذهب، إذا با ع بشرط القطع أو مطلقا"(ردالمحتار علی

الدرالمختار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع ۷/ ۶۵)۔

۱- ناقابل استعمال پھلوں کی اس شرط پر بیع کہ انہیں بعدالعقد درختوں پر چھوڑ دیا جائے گا یہ صورت باتفاق فقہاء ناجائز ہے۔

۲- قابل استعمال پھلوں کی بعدالعقد علی الفور توڑ لینے کی شرط پر فروخت کیا جائے تو بالاتفاق تمام فقہاء کرام کے نزدیک یہ صورت جائز ہوگی۔

۳- اسی طرح قابل استعمال پھلوں کو مطلقاً فروخت کیا یعنی ترک وقطع کی شرط کے بغیر تو یہ صورت بھی بلاخلاف اہل مذہب درست اور جائز ہوگی۔

۴- اگر پھل بس ابھی نکلے ہی ہیں دکھائی دے رہے ہیں مگر کسی لائق نہیں ہیں، نہ انسان اسے کسی طرح استعمال کرسکتا ہے نہ جانوروں کے چارے کے کام آسکتا ہے تو اس صورت میں علماء احناف کے درمیان اختلاف ہوا ہے، علامہ فخرالدین حسن بن منصور اوزجندی قاضی خانؒ نے عام مشائخ کی طرف اس صورت کے ناجائز ہونے کی نسبت کی ہے، لیکن اصحاب مذہب کا راجح قول اس کے جائز ہونے کا ہے۔

بعض حضرات نے مذکورہ اختلاف سے بچنے کے لئے ایک حیلہ بھی ذکر فرمایا؛ تاکہ باتفاق جمیع احباب مذہب جواز کی صورت سامنے آجائے اور وہ اس طرح کہ پھلوں کے ساتھ ساتھ جو پتے نکلتے ہیں ان کو بھی ساتھ میں فروخت کرے؛ تاکہ پھل پتوں کے تابع ہوجائیں تو پھر تمام فقہاء احناف کے نزدیک یہ بیع درست ہوگی؛ مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ جواز کی بات صرف دو صورتوں کے لئے ہے:

۱- پھلوں کو علی الفور یعنی عقد بیع کے فوراً بعد توڑنے کی شرط پر فروخت کیا جائے، یعنی مشتری کو عقد کے بعد پھل توڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔

۲- عقد بیع بغیر کسی شرط کے مطلقاً کیا جائے، یعنی عقد بیع میں نہ چھوڑنے کی شرط لگائی جائے نہ توڑنے کی، تو یہ دونوں شکلیں درست اور جائز ہوں گی۔

دیگر ائمہ کے یہاں یہ شکلیں جائز نہیں ہیں لیکن احناف کا موقف یہاں جواز کا اس لئے ہے کہ جب پھل نظر آگیا تو وہ مال متقوم ہوگیا خواہ وہ ابھی کسی بھی طرح قابل استعمال نہ ہو، نہ انسانوں کے اور نہ ہی جانوروں کے، لیکن فی المآل یعنی کچھ دنوں بعد تو وہ قابل استعمال ہو ہی جائے گا، اور ضابطہ ہے کہ جس چیز کے مال متقوم ہونے پر اتفاق ہوگیا تو پھر اس کی بیع کیونکر ناجائز ہوگی، اور رہی بات حدیث نہی یعنی بدوصلاح کی تو وہ بشرط الترک کے ساتھ وابستہ ہے بشرط القطع کے ساتھ نہیں ہے۔

۵- الف: سوالنامہ کی عبارت ''پھل ابھی تیار نہ ہوں'' کا مطلب پھل ابھی پکے نہیں ہیں مگر قابل استعمال ہو چکے ہیں یعنی

اگران کوتوڑ لیا جائے تو کسی نہ کسی طرح وہ استعمال میں آسکتے ہیں خواہ انسانوں کے کھانے وغیرہ میں یا جانوروں کے چارہ میں۔

حنفیہ کا مذہب ہے کہ اگر پھل کسی طرح قابل انتفاع ہوجائے خواہ انسانوں کے کھانے میں استعمال ہو یا کم از کم جانوروں کے چارے کے لائق ہوجائیں تو بدوصلاح ہوگیا، جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذکور ہوا، اس لئے صورت مسئولہ میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا کہ مسئولہ صورتیں بھی بدوصلاح کے بعد کی ہیں؛ کیونکہ ماقبل کے سوالوں میں بدوصلاح سے قبل کی صورتوں سے متعلق تفصیلی تحریر گزر چکی ہے، موجودہ سوالوں کا تعلق بدوصلاح کے بعد کی صورتوں سے ہے۔

عبارت سوال ''فریقین میں طے پایا کہ بعد العقد مشتری پھل اسی حال میں فوراً توڑ لے گا''، صورت مسئولہ میں جب یہ بات عاقدین کے درمیان طے پاگئی کہ پھل جس حال میں موجود ہیں عقد کے بعد فوراً مشتری اسے توڑ لے گا اور بائع کے درختوں کو خالی کردے گا، یہ صورت تمام فقہاء کے درمیان بلا اختلاف جائز ہے۔

''فان باع بشرط القطع جاز،وقال المالكية والشافعية والحنابلة: إن بدا صلاح الثمر جاز بيعه مطلقا، أو بشرط القطع أو بشرط الترک على الشجر'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۷، ۴۸۸)۔

''وفی الشامية قال: ولا خلاف فی الجواز بعد بدوالصلاح، لكن بدوالصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد، وعند الشافعی هو ظهور النضح وبدوالحلاوة والخلاف إنما هو فی بيعها قبل بدو الصلاح على الخلاف فی معناه، لا بشرط القطع'' (ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر ۷/ ۶۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے یہاں بدوصلاح کے بعد پھلوں کی تینوں شکلوں میں بیع جائز اور درست ہے، حنفیہ کے نزدیک بدوصلاح کے بعد تین میں سے دو بلا خلاف اور ایک اختلاف کے ساتھ جائز ہے؛ لیکن چونکہ حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں بدوصلاح کی حقیقت وماہیت میں اختلاف ہے، ان کے یہاں پھلوں کا پکنا اور میٹھا ہونا اور رنگ پکڑنا بدوصلاح ہے، حنفیہ کے یہاں کسی قدر قابل انتفاع ہونا نیز خطرات سے محفوظ ہونا اور خراب نہ ہونا بدوصلاح کہلاتا ہے؛ اسی لئے انہوں نے قید لگائی کہ پھل ٹوٹنے کے بعد کسی نہ کسی کے کام آجائے یعنی انسان اپنے کسی کام میں لاسکتا ہو مثلاً اچار، دوا وغیرہ، یا پھر جانوروں کے چارے میں استعمال ہوجانے کے لائق ہوجائے۔

مذکورہ صورت میں چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح نہ ہوگی اس لئے ان کے نزدیک جائز نہ ہوگی، لیکن حنفیہ بدوصلاح مانتے ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ صورت بلا اختلاف فقہاء احناف جائز ہوگی۔

لیکن اگر بدوصلاح کی تعبیر کو لیا جائے تو تعبیراً یہ بیع بدوصلاح کے بعد ہورہی ہے اور جو بیع بعد بدوصلاح بشرط القطع ہوگی وہ بلا اختلاف مذاہب اربعہ جائز اور درست ہوگی۔

ب- سوال نامہ کی عبارت" طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا؟ بدو صلاح کے بعد پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کے یہاں جواز کے باوجود حنفیہ کے یہاں قدرے تفصیل ہے......اور وہ یہ کہ اس طرح کی بیع کی دو صورتیں ہوں گی:

۱- بیع اس حال میں ہوگی کہ پھلوں کا بڑھنا جاری ہے تو بایں صورت تمام فقہاء احناف کے نزدیک یہ بیع فاسد ہوگی؛ کیونکہ اس بیع میں ایسی شرط لگائی جارہی ہے جو عقد کے لئے غیر متقاضی ہے اور اس میں مشتری کا نفع مشروط ہے، نیز چھوڑ دینے کی شرط پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہے، جب تک باغ اور زمین کو اعارۃ یا اجارۃ مشروط نہ مانا جائے، اور جب ایک شرط پر عمل دوسری شرط کو مستلزم ہو تو ایسی شرط عقد کو فاسد کردیا کرتی ہے، نیز اس میں ایک پہلو غرر کا بھی موجود ہے؛ کیونکہ چھوڑنے کی شرط پر عمل کرنے میں خطرہ ہے کہ کسی آفت سماویہ وغیرہ سے پھل ہلاک ہوجائیں تو مشتری کا نقصان ہوگا، اس لئے فقہاء احناف اس بیع کو فاسد قرار دیتے ہیں بالاتفاق۔

۲- درختوں پر پھل چھوڑے رہنے کی شرط پر بیع اس حال میں ہوگی کہ پھلوں کا بڑھنا بند ہو چکا ہو صرف پکنا باقی ہو۔ اس صورت میں بھی فقہاء احناف کے درمیان اختلاف ہے:

شیخین یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ درختوں پر لگے پھلوں کو چھوڑنے کی شرط پر فروخت کرنے کو، جبکہ پھلوں کا بڑھنا بند ہو چکا ہو، بیع فاسد کہتے ہیں، اور دلیل میں وہی بات کہتے ہیں کہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اسے قبول نہیں کرتا، نیز زمین اور درختوں کو اعارۃ یا اجارۃ مشروط مانے بغیر مذکورہ شرط پر عمل ناممکن ہے، جس کو اصطلاحاً صفقۃ فی صفقۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔

امام محمدؒ اس صورت کو یعنی بدو صلاح کے بعد جبکہ پھلوں کا بڑھنا بند ہو چکا ہو، درختوں پر چھوڑے رہنے کی شرط پر فروخت کرنے کو استحساناً جائز قرار دیتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کے درمیان یہی طریقہ رائج ہے جو عرف کی حد تک پہنچ چکا ہے، نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ جواز عقد بیع کی شرط کے ساتھ وابستہ نہیں ہے؛ بلکہ عوام الناس کے یہاں عقد بیع کو شرط ترک پر مشروط کئے بغیر یہ عمل معروف ہے، اس لئے امام محمدؒ نے اس صورت کو استحساناً جائز قرار دیا ہے، نیز فقہاء کی ایک بڑی جماعت اصحاب الترجیح نے امام محمدؒ کے قول پر ہی فتوی دیا ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیوع ۴/ ۴۸۷)۔

"وقال ابن عابدین: قول محمد هو الاستحسان يترجح على قولهما، تأمل" (ردالمحتار ۷/ ۶۷)۔

ج- قابل انتفاع ہوجانے کے بعد درختوں پر پھلوں کو چھوڑنے یا توڑنے کی شرط کے بغیر فروخت کرنا تمام اہل مذہب فقہاء کرام کے نزدیک جائز اور درست ہے؛ لیکن حنفیہ کے یہاں اس میں بھی کچھ تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بلا کسی شرط کے باغ خریدا تو وہ دو حال سے خالی نہیں:

۱-اگر پھلوں کا بڑھنا بالکل بند ہو گیا ہو صرف پکنا ہی باقی رہ گیا ہو تو مشتری پر کوئی چیز صدقہ کرنا ضروری نہیں، خواہ باغ میں پھلوں کو بائع کی اجازت سے چھوڑا گیا ہو یا بائع کی اجازت کے بغیر مشتری نے از خود پھلوں کو درختوں پر چھوڑ رکھا ہو؛ کیونکہ جب پھلوں کا بڑھنا بند ہو گیا تو اب پھلوں میں کچھ بڑھا نہیں، اس لئے کچھ صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف پکنے کی ایک تبدیلی پھلوں میں واقع ہوئی ہے جس کو بڑھوتری نہیں کہا جاتا، بخلاف کھیتی کے کہ اس میں جو بڑھوتری ہوگی وہ مشتری ہی کی ہوگی؛ کیونکہ وہاں صرف دانہ اور بالی کی بیع نہیں ہوتی بلکہ دانہ اور بالی کے ساتھ اس کا تنا، بھوسہ وغیرہ سب عقد میں شامل ہوتے ہیں؛ اس لئے کھیت کی بڑھوتری مبیع بنکر مشتری کے لئے جائز ہوگی۔

۲-اور اگر ابھی پھلوں میں بڑھنے کا سلسلہ باقی ہے اور عقد کے بعد درختوں پر پھلوں کو پکنے کی مدت تک چھوڑے رکھنا بائع کی اجازت سے ہوا ہے تو پھلوں میں جو کچھ بھی بڑھوتری ہوگی وہ مشتری کے لئے حلال اور جائز ہوگی، اور اگر درختوں پر پھلوں کا چھوڑنا بائع کی اجازت کے بغیر ہوا ہے تو جتنا مال عقد کے وقت موجود تھا اس پر جو کچھ اضافہ ہوگا وہ مشتری کے لئے صدقہ کرنا ضروری ہوگا؛ کیونکہ عقد کے وقت جو مال تھا وہ اصل تھا، اب اس پر جو زیادتی ہوتی ہے وہ ممنوع راستے سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اصل یعنی طیب مال کے ساتھ خبث کی ملاوٹ ہوگئی، اب اس اصل طیب مال کو خبیث مال سے پاک کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ جتنا خبیث مال ہے اسے صدقہ کر دیا جائے، بس جو بچے گا وہ درست اور حلال مال ہوگا (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۸۷)۔

مذکورہ تفصیل کے ساتھ باغات کی خرید وفروخت کے سلسلے میں صورت مسئولہ کی یہ تیسری قسم بھی جائز اور درست ہوگی۔

۶- اگر کوئی شخص پھلوں کی مطلقاً یا قطع کرنے کی شرط پر خرید کرے پھر بائع سے درختوں کو پھلوں کے پکنے تک یا پھلوں کے توڑنے تک کے لئے کرایہ پر لے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور اس درمیان جو کچھ پھلوں میں اضافہ ہوگا وہ سب مشتری کے لئے حلال ہوگا؛ کیونکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اس طرح کی تمام شکلوں میں اجارہ باطل ہو مگر جہاں عرف وتعامل یا حاجۃً ہو وہاں ضرورۃً شریعت اجارہ کی اجازت دیتی ہے اور یہاں درختوں کو کرایہ پر لینے کی نہ حاجت ہے نہ تعامل، جس طرح کسی کو کپڑا سکھانے کے لئے درخت کو کرایہ پر لینے سے اجارہ باطل ہوتا ہے اور جب اجارہ باطل ٹھہرا تو در پردہ بائع کا اذن پایا گیا جو کہ شرعاً معتبر ہے اور جب در پردہ اجازت شرعاً معتبر ٹھہری تو مشتری کے لئے زیادتی حلال ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۷/۶۷، فتح القدیر ۶/۲۶۷-۲۶۸، البحر الرائق ۵/۵۰۶)۔

ہمارے دیار ہندوستان میں بھی یہ رواج یعنی عرف وتعامل نہیں ہے کہ باغ کو خریدنے کے بعد درختوں کو کرایہ پر لیا جاتا ہو؛ اس لئے یہ اجارہ ہندوستان میں بھی عرف وحاجت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہی ہوگا۔

عام طور سے ہندوستانی باغات خواہ وہ کسی بھی چیز کے ہوں عام طور سے مطلقاً فروخت ہوتے ہیں، پھر پھلوں کو ایک متعین مدت تک درختوں پر روکا جاتا ہے، نہ بائع کو اس بات کی اجازت دینی پڑتی ہے نہ مشتری کو اجازت لینی پڑتی ہے، اور نہ ہی عوام الناس اسے معیوب سمجھتی ہے۔

عقد کے بعد پھلوں کو پکانے یا روکنے کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینا اجارہ باطل ہونے کی وجہ سے غیر صحیح اور ناجائز ہے۔

۷- ان چیزوں کے باغات کی بیع جن کے پھل یکے بعد دیگرے نکلتے رہتے ہیں، مثلاً امرود، کیلا، سیب، تربوز، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، لوکی، بیگن، ٹماٹر، گلاب، بیلا، انجیر، کدو، مرچ، برسین، انگور، پرول وغیرہ، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو کس طرح خریدا یا بیچا جائے؛ کیونکہ ایک طرف پھل تیار ہے تو دوسری طرف پھل نکل رہا ہے پھول آرہا ہے، کوئی ابھی بالکل چھوٹا ہے اور کچھ ابھی نکلنا باقی بھی ہیں جو بعد میں نکلیں گے؟

فقہاء کرام کے یہاں ضابطہ یہ بنا کہ جو پھل موجود ہیں اور ان میں جو بدوصلاح کی حد میں ہیں ان کی بیع جائز ہوگی، بقیہ میں بیع فاسد یا باطل ہوگی۔ حنفیہ کے یہاں فاسد ہوگی؛ لیکن متاخرین حنفیہ اور مالکیہ اس کے جواز کے قائل ہیں، امام محمدؒ نے پوری فصل کو ایک ہی بار میں خریدنے یا بیچنے کو استحساناً جائز قرار دیا ہے اور اس جواز کی بنیاد تعامل الناس ہے، جیسا کہ شامی نے ذکر کیا ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۷/۶۶، الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۴۹۱)۔

ہمارے دیار ہندوستان میں بھی مذکورہ جیسی تمام چیزوں میں ایک ساتھ بیع کا عرف وتعامل ہے؛ اس لئے یہاں بھی جائز ہونا چاہئے۔

۸- بیع سلم کی مخصوص شرطوں میں سے ایک شرط مسلم فیہ کی مقدار کا متعین ہونا ہے، یعنی اگر مسلم فیہ کی مقدار متعین نہ ہو تو سلم باطل ہوگی، دوسری شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ عقد کے وقت ہی مسلم فیہ کا ثمن متعین کیا جاتا ہے، جس کی بنیاد پر مقدار ثمن متعین ہوتا ہے اور مشتری اسے ادا کرتا ہے، باغات کی بیع میں ثمن تو متعین ہوتا ہے مگر مبیع متعین نہیں ہوتی، نیز بیع سلم میں ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ مسلم فیہ وقت عقد سے وقت ادا کے مابین علاقہ یا بازار سے معدوم نہ ہو، علاقہ میں کہیں نہ کہیں پائی جاتی ہو؛ تا کہ معدوم کی بیع نہ شمار ہو۔ باغات کی بیع میں یہ بھی شرط مفقود نظر آتی ہے؛ کیونکہ علاقے بھر میں عموماً تمام باغات میں ایک ساتھ پھل نکلتے ہیں اور ایک ساتھ تقریباً ختم ہوتے ہیں، تو عقد کی ابتدا تا انتہا پھلوں کا موجود ہونا ناممکن ہوا، اور اول الذکر دونوں شرطیں تو تقریباً تمام اہل مذہب کے یہاں موجود ہیں۔

اس لئے باغات کی بیع میں سلم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے، حضرت تھانویؒ نے گنے کے پرچیوں کے

حوالے سے جو جواز کی بات لکھی ہے وہ بیع سلم نہیں ہے بلکہ وہ معاہدہ بیع ہے، کیونکہ گنا خریدنے کے لئے پرچیاں جاری ہوتی ہیں فقط، اور پیسہ یعنی گنے کا ثمن جب گنا مل میں پہنچ جاتا ہے اس کے بعد ملتا ہے، تو یہ بیع سلم کیسے ہوگئی؟ جبکہ سلم میں رأس المال عند العقد ادا کیا جاتا ہے، اور یہاں پیسہ گنا جمع ہونے کے بعد ملتا ہے۔

حضرت مولانا عبد الرشید صاحبؒ نے علت شرائط سلم یہ ذکر فرمائی کہ بغیر ان شرائط کے عقد مفضی الی النزاع ہوگا، اور بر بنائے تعارف احتمال نزاع منقطع ہوگیا، اور اب بلا کسی شرط مسلم فیہ کے باغات میں عقد بیع سلم درست اور جائز ہوگا۔

تو سوال یہ ہے کہ اگر دوسری چیزوں میں بھی تعارف ہوجائے تو کیا تمام چیزیں جن میں شروط کے ساتھ بیع سلم ہوا کرتی ہے عرف کی بنیاد پر شرائط بیع سلم ختم ہوجائیں گے، جبکہ خود عرف ہی کی بنیاد پر شرائط کے ساتھ سلم کو وجود ملا۔

نیز مولانا نے بیع الأثمار پر بیع الازہار کو مزید ترجیح دی ہے کہ ازہار مال متقوم ہیں، وہ جانوروں کے ہی نہیں بلکہ کبھی انسانوں کے بھی کام آتے ہیں، اور بیع الازہار کی فقہاء نے اجازت دے رکھی ہے، لیکن کیا تمام ازہار اس میں شامل ہیں جن کو مال متقوم کہہ کر ان کی بیع کو جائز قرار دیا جائے، یا بعض ہی ہیں جن کی واقعۃً بیع ہوتی ہے، میرا خیال ہے کہ انہی بعض کی فقہاء نے بیع کی اجازت دی ہے اور انہی کو مال متقوم کہا ہے جن کا پھول ہی مقصود ہوتا ہے جیسے گلاب، بیلا وغیرہ، لہذا مفہوم یہ ہوا کہ ثمرات و ازہار کی بیع میں شرائط سلم سے نفع اٹھانا درست نہیں ہے، یعنی باغات کی بیع میں شرائط سلم پورے نہیں اترتے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی تجارت

مفتی سعید الرحمٰن قاسمی بستوی☆

۱-حدیث میں بیع معاومہ کا مصداق:

حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے بیع معاومہ کا مصداق بتلایا کہ ایک شخص دو تین سال کے لئے اکٹھا اپنے کھیت کی پیداوار یا باغ کے پھل بیچ دے اس کو معاومہ کہتے ہیں، مثلاً کسی کھیت میں ایک سال دس من غلہ پیدا ہوا یا باغ کا پھل سو روپئے میں بکا اور فروخت ہوا تو اسی پر قیاس کرکے یا اندازے سے دو تین سال آئندہ کے لئے معاملہ کرلیا جائے، نبی کریم ﷺ نے اس طرح کے کاروبار سے اس لئے روکا ہے کہ یہ بھی ''میسرہ'' کی ایک قسم ہے۔

حضرت مولانا اس بیع کی خرابی کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں چھوٹی تجارت سے لیکر بڑی تجارت تک مستقبل کے سودے کا عام طریقہ جاری ہے، اس کے ناجائز ہونے کی طرف مسلمان تاجروں کا دھیان بھی نہیں جاتا، اس کے ناجائز وحرام ہونے کے دو خاص پہلو قابل غور ہیں: ایک تو یہ جو چیز فروخت ہورہی ہے وہ سامنے اور قبضے میں نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ بخت ونصیبہ اور اتفاق پر مبنی ہے؛ چنانچہ کبھی کبھی چھوٹے تاجروں کو نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے، جبکہ ان کے برخلاف بڑے تاجر اشیاء کا اسٹاک کرکے گرانی پیدا کرکے بعد میں خوب فائدہ اٹھاتے ہیں (اسلامی فقہ ۳/۵۹۹ بحذف وترمیم)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''**المعاومة مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر، المراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة من الشجر الى مدة سنة فاكثر والمعاومة وبيع السنين معناهما واحد**'' (تکملہ فتح الملہم ۱/۴۱۰)۔

معاومہ کے معنی باغ کے پھلوں کی ایک سال یا ایک سال سے زیادہ تک بیع کردینا ہے، مثلاً بائع یہ کہدے کہ تین سال تک جو پھل اس باغ میں آئے گا وہ پھل میں آج ہی فروخت کرتا ہوں؛ چوں کہ یہ بیع المعدوم ہے اس لئے ناجائز ہے، اس کو بیع السنین بھی کہتے ہیں (تقریر ترمذی ۱/۲۴۹، درمنضود ۵/۳۵۶)۔

☆ خادم التدریس دار العلوم الاسلامیہ بستی، اتر پردیش۔

مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری معاومہ کا مصداق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: معاومہ عام سے ہے جس کے معنی ہیں سال، اور اصطلاحی معنی ومصداق ہیں ایک سال یا زیادہ سالوں کی بہار بیچنا، یہ بالاتفاق ناجائز ہے، اور بیع باطل ہے ؛ کیوں کہ ابھی مبیع کا وجود نہیں ہے (تحفۃ الالمعی ۴/ ۲۴۲)۔

ابوعبیدہؒ نے کسائیؒ سے معاومہ کی تفصیل وتحقیق ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے: ''المعاومة هوأن تبيعه ثمرة عام أوعامين أوسنة أو سنتين أو ثلاث، قال القتيبي في غريب الحديث ۱/ ۱۹۵ :يقال للنخلة إذا حملت سنة ولم تحمل سنة فقد عاومت وسانهت ويقال عاومت فلانا معاومة ومسانهة ومساناة ومباومة ومزايلة ومحاينة ومشاناة ومصائفة ومداهرة ومزامنة'' (المنظم المستعذب فی تفسیر غریب الفاظ المہذب ۱/ ۴۵۰)۔

صاحب البیان فی مذہب الشافعی بیع معاومہ کے مصداق کی وضاحت کرتے ہیں: ''ولا يجوز بيع المعدوم بأن يقول بعت ثمرة نخلي التي ستخرج عاما أو أعواما وروى أنه عليه السلام نهى عن بيع السنين'' (البیان فی مذہب الشافعی ۵/ ۶۵)۔

''صاحب مصباح المنیر ''معاومہ کی تفصیل لکھتے ہیں: '' المعاومة مأخوذ من العام وهو السنة واصطلاحاً بيع ما يثمره شجرة أونخلة أو بستانة اكثر من عام سنتين أوثلاثة أوأربعة مثلاوهي بيع السنين'' (المصباح المنیر ص/ ۱۶۷)۔

صاحب فتح المنعم شرح مسلم نے ان الفاظ میں لکھا ہے: ''وأما بيع المعاومة وبيع السنين فقد قال النووي هو باطل بالاجماع، نقل الاجماع ابن المنذر وغيره لهذه الاحاديث لأنه بيع غرر وبيع معدوم وبيع مجهول غير مقدور على تسليم وغير مملوك للعاقد'' (فتح المنعم شرح مسلم ۶/ ۲۴۱)۔

مفتی عبدالمحسن بن حماد العباد اپنی تصنیف ''فقہ المعاملات'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''المعاومة هي بيع الأعوام أو بيع السنين كأن يقول أبيعك ثمرة نخلي لعدة سنوات مثل خمس سنوات كل سنة بألف ريال فهذا لا يجوز لأنه بيع شئ لا يوجد فعله في سنة من السنوات لا تصلح الثمرة أو تطلع شيئاً قليلا فهذا شئ مجهول''۔

نشوان بن سعید الحمیدی نے اپنی مشہور کتاب شمس العلوم میں لکھا ہے: ''المعاومة وهو أن يبيع النخل والكرم وغيرها أعواماً وهذا كنهيه ﷺ من بيع السنين ''۔

نیز انہیں جیسے الفاظ میں مولانا عمیم الاحسان نے '' **التعريفات الفقهية**'' میں اور محمد بن ابوبکر رازی نے '' **مختار الصحاح** '' میں معاومہ کی وضاحت فرمائی ہے کہ درختوں پر پھل آنے سے پہلے ایک سال یا دوسال کے لئے فروخت کرنا

ناجائز اور باطل ہے، یہ معدوم کی بیع ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے، شریعت میں معدوم کی بیع باطل ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ مشتری کے لئے بائع کو مبیع واپس کرنا ضروری ہے، اس میں قبضہ کے بعد بھی مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی کے بارے میں معلوم ہو کہ اس نے مذکورہ طریقہ پر پھل خریدے ہیں تو اس سے وہ پھل ہدیہ میں لینا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا عباراتِ اکابر وفقہاء کرام سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ معاومہ کا مصداق: چند سالوں کے لئے یا ایک سال کے لئے درختوں کے پھلوں کی پیشگی بیع ہے، جو احادیث وفقہ کی روشنی میں بالکل ناجائز اور حرام ہے، یہی تمام مسالک کے ائمہ کرام کا مسلک ومشرب ہے، نیز مذکورہ تحقیقات سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ معاومہ اور بیع السنین ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کا مصداق ایک ہی ہے۔

علامہ ابن منذرؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''کتاب الاجماع'' میں بیع السنین کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل کیا ہے:''وأجمعوا على أن بيع الثمار سنين لا يجوز'' (کتاب الاجماع لابن المنذر ر۱۳)۔

۲- اثمار علی الاشجار کے جواز وعدم جواز کی بابت ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات:

صاحب الدرالمنضود نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں پھلوں کی تین صورتیں رقم فرمائی ہیں:

۱- بیع الثمار علی الاشجار قبل الظہور، یہ صورت بالاجماع جائز نہیں ہے۔

۲- بیع الثمار علی الاشجار بعد بدوالصلاح، یہ صورت بالاجماع جائز ہے۔

۳- بیع الثمار علی الاشجار قبل بدوالصلاح کی تین صورتیں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ خریدار بائع سے یہ شرط لگائے کہ میں فی الحال پھلوں کو توڑ کر تیرے درختوں کو فارغ نہیں کروں گا تو یہ صورت بالاجماع ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ'' بيع ثمار على الاشجار قبل بدو الصلاح'' میں بائع نے یہ شرط لگائی کہ ان پھلوں کو توڑ کر میرے درختوں کو فوراً خالی کرنا پڑیگا، یہ صورت بالاجماع جائز ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ'' بيع الثمار على الاشجار قبل بدوالصلاح ''میں خریدار نے نہ پھلوں کے ترک کی قید لگائی اور نہ پھلوں کے قطع کی قید لگائی بلکہ بیع کو مطلق رکھا تو یہ صورت بھی حنفیہ کے یہاں جائز ہے، جبکہ جمہور فقہاء کرام امام شافعی ومالک واحمد رحمہم اللہ کے یہاں ناجائز ہے۔

صاحب الدرالمنضود فرماتے ہیں کہ'' بيع الثمار على الأشجار قبل أن يبدو صلاحها''والی حدیث ہمارے نزدیک بیع الثمار علی الاشجار بشرط الترک پر محمول ہے (الدرالمنضود شرح ابی داؤد ۵ر ۳۵۴)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں ''کفایت المفتی'' میں تحریر فرمایا ہے کہ درختوں پر پھول نکلتے ہی بہار کی بیع باطل ہے۔ پھول نکلنے کے بعد پھل بھی نکل آئیں لیکن بڑے نہ ہوئے ہوں یعنی اس میں گٹھلی نہ پڑی ہو (اگر گٹھلی والے پھل ہوں) یا پھل بڑے ہو چکے ہوں اور اس میں گٹھلی پڑ چکی ہو لیکن ان پھلوں میں پختگی نہ آئی ہو پھر ان دونوں صورتوں میں مشتری نے بائع سے یہ شرط لگا دی کہ پھل پکنے تک یا کارآمد ہونے تک درختوں پر علی حالہ باقی رہیں گے تو ان دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہوگی (شرط فاسد کی وجہ سے)، اور اگر پھل بڑے ہونے کے بعد مطلق عقد واقع ہوا اور صلب عقد میں کوئی شرط نہ ہو، نہ قطع ثمر کی اور نہ ترک کی؛ لیکن بائع پھلوں کے پکنے تک درختوں پر لگے رہنے کی اجازت دیدے اور یہ اجازت عرف میں نہ رائج ہو تو یہ صورت اقرب الی الجواز کی ہے (کفایت المفتی، باب البیوع ۸/ ۴۳، نیز دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۱۵/ ۱۲-۱۴)۔

بیع الثمار علی الاشجار بعد بدو الصلاح کی تینوں صورتیں یعنی بیع ثمار بعد بدو الصلاح مطلقا، اور قطع ثمار کی شرط کے ساتھ اور ابقاء ثمار علی الاشجار کی شرط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہیں۔

''اتفق الفقهاء على جواز بيع الثمار بعد بدو صلاحها مطلقاً وبشرط قطعها وبشرط ابقائها لأنه نهى عن بيع الثمرة قبل بدوصلاحها فيجوز بعد بدوه وهو صادق بكل من الاحوال الثلاثة'' (موسوعہ فقہیہ ۱۵/ ۱۵)۔

صاحب فتح الباری اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: **''باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها: واختلف فى ذلک على أقوال: فقيل يبطل مطلقا وهو قول ابن أبى ليلى والثورى وهم من نقل الاجماع على البطلان وقيل يجوز مطلقا ولو بشرط التبقية وهو قول يزيد بن حبيب وهم من نقل الاجماع فيه ايضا، وقيل إن شرط القطع لم يبطل وإلا بطل وهو قول الشافعى وأحمد والجمهور ورواية عن مالک وقيل يصح إن لم يشترط التبقية والنهى عنه محمول على بيع الثمار قبل أن توجد أصلاً وهو قول اكثر الحنفية وقيل على ظاهره لكن النهى فيه للتنزيه''** (فتح الباری، کتاب البیوع ۴/ ۳۹۴، المنہاج شرح مسلم ۹/ ۴۲۲، ۴۲۳، نیز دیکھئے: الفتاوی التاتارخانیہ ۸/ ۳۱۷، کتاب البیوع)۔

۳- بیع قبل بدو الصلاح کی ممانعت نبوی ﷺ کے مصداق میں ائمہ کا اختلاف:

بیع ثمار علی الاشجار قبل بدو الصلاح کی ممانعت نبویؐ کے مصداق کے تعین میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے: ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) فرماتے ہیں کہ حدیث: ''**نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها**'' میں نہی سے ''نہی تشریعی'' مراد ہے، جبکہ احناف فرماتے ہیں کہ حدیث پاک

میں نہی سے ''نہی ارشادی'' مراد ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت سہیل بن ابی خثمہ کی روایت دلیل ہے کہ انہوں نے عروہ بن زبیر سے حدیث بروایت حضرت زید بن ثابتؓ سنائی کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں لوگ پھلوں کی بیع کیا کرتے تھے یعنی ابھی پھل پکا نہیں ہوتا تھا، درخت پر ہی ہوتا تھا اسی وقت بیع کرلیا کرتے تھے اور پھر وہ پھل درختوں پر لگا رہنے دیتے تھے، جب لوگ کٹائی کرتے اور ایک دوسرے سے تقاضا کا وقت ہوتا مثلاً بائع پیسے کا مطالبہ اور مشتری پھلوں کا مطالبہ کرتا تو مشتری کہتا کہ پھل میں ''دامان'' لگ گیا، دامان ایک بیماری ہوتی ہے جس سے پھل درخت پر پکنے سے پہلے ہی سڑ جاتا ہے اور اس میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے،'' **أصابه قشام، عاهات، أصابه مرض**'' جس کی وجہ سے وہ باہم حجت کرتے تھے اور ان کے درمیان منازعت پیدا ہوتی تھی، کہ چوں کہ میرے پھل کو تو آفت لگ گئی، اس واسطے مجھے تو پورا پھل ملا نہیں، لہٰذا میں پوری قیمت نہیں دونگا،''**فقال رسول الله ﷺ وسلم لما كثرت عنده الخصومة فى ذلك: فأما لا**''، حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ بیع نہیں چھوڑ سکتے تو اس وقت تک پھلوں کو نہ خریدو جب تک کہ پھل میں صلاح نہ آجائے یعنی آفات سے محفوظ نہ ہوجائے، جب آفت سے محفوظ ہوجائے تب خریدو؛ تاکہ بعد میں منازعت پیدا نہ ہو۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بدوصلاح سے پہلے نہ خریدو''، یہ مشورہ کے طور پر فرمایا یعنی لوگوں میں جھگڑوں کی زیادتی کی وجہ سے بطور ارشاد و مشورہ کے فرمایا (بخاری، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحھا ٢/١١، انعام الباری ٦/ ٣٦٤)۔

بدوصلاح کی مراد و معنٰی میں ائمہ کا اختلاف:

بدوصلاح کے مرادی معنٰی میں علماء اسلام کا اختلاف رہا ہے؛ چناں چہ ''بدوٗ'' کے لغوی معنی ظاہر ہونا اور ''صلاح'' کے لغوی معنٰی ''کارآمد ہونا'' کے ہیں، پھل جب تک کارآمد نہ ہوجائیں حضور ﷺ نے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صاحب الموسوعۃ الفقہیہ نے اس اختلاف کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:''**ثم إن معنى بدو الصلاح مختلف فيه بين الجمهور والحنفية فبدوالصلاح عند الجمهور هو ظهور مبادئ النضج والحلاوة بأن يتموه ويلين فيما لا يتلون وأن ياخذ فى الحمرة أو السواد أوالصفرة فيما يتلون، وهو عند الحنفية أن تؤمن العاهة والفساد**''(الموسوعۃ الفقہیۃ ١٥/ ١٥)۔

صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری تحریر فرماتے ہیں:''**صلاح الثمر هوأن يصير إلى الصفة التى يطلب كونه على تلك الصفة وهو بظهور النضج والحلاوة وزوال العفوصة وبالتموه واللين وبالتلون**

وبطيب الاكل وقيل بطلوع الثريا وهما متلازمان، وقد روى أبو داؤد ومن طريق عطاء عن أبى هريرة مرفوعا:إذا طلع النجم صباحا رفعت العاهة عن كل بلد وفى رواية ابى حنيفة عن عطاء :رفعت العاهة من الثمار والنجم هو الثريا وطلوعها صباحاً يقع فى أول فصل الصيف وذلک عن اشتداد الحر فى بلاد الحجاز وابتداء نضج الثمار والمعتبر فى الحقيقة النضج وطلوع النجم علامة له''(عمدۃ القاری، کتاب البیوع ۱۲/۶، بدایۃ المجتہد ونھایۃ المقتصد ۱۱۳/۲)۔

احناف نے بدوصلاح (کارآمد ہونے ،ظاہر ہونے) کی تفسیر وتوضیح کی ہے کہ ''الأمن من العاهات والآفات لا الحوادث'' پھلوں کا بیماریوں سے محفوظ ہوجانا، عاہات اور آفات ہم معنی الفاظ ہیں، بیماریوں سے پھل محفوظ ہوجائیں؛ چنانچہ حادثہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں ہے، اولے پڑجائیں، آندھی آجائے تو کسی بھی وقت پھل ٹوٹ پڑے گا، اس لئے حادثہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں ہے (تحفۃ القاری ۲۴۷/۵)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے محفوظ ہوجانا ہے، کہ وہ پھل اتنے بڑے ہوجائیں کہ ان میں پھلوں والی بیماری نہ لگے تو کہیں گے بدوصلاح متحقق ہوگئی (تکملہ فتح الملہم ۳۸۳/۱)۔

ائمہ ثلاثہ نے بدوصلاح کی تفسیر کی ہے کہ وہ ''تحمار أوتصفار'' ہے یعنی کھجوریں سرخ پڑجائیں، پیلی پڑجائیں، کھجوریں جب تک درخت پر لگی رہتی ہیں تو ہری ہوتی ہیں گھاس جیسا رنگ ہوتا ہے، پھر پکنے کے قریب آجاتی ہیں تو بعض سرخ اور بعض زرد، اب وہ بیماریوں سے محفوظ ہوجاتی ہیں، جیسے آم کے درخت پر جب پھل آتا ہے، تو ایک وقت تک گٹھلی نہیں بنتی، اس وقت تک کوئی بیماری اور آفت آسکتی ہے، اور جب گٹھلی بن گئی تو کوئی بیماری نہیں آتی، لہٰذا آم میں گٹھلی بن جانا، کھجور کا سرخ ہوجانا، کھجوروں کا زرد پڑجانا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح ہے (تحفۃ القاری ۲۴۷/۵)۔

صاحب انعام الباری شارح بخاری نے امام شافعیؒ کی طرف نسبت کی ہے کہ ان کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا پک جانا ہے (انعام الباری ۲۶۳/۶)۔

صاحب تحفۃ القاری نے احناف کی بیان کردہ ''بدوالصلاح'' کی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے، اور فرمایا: حنفیہ نے جو تفسیر کی ہے وہ مسلم شریف میں ہے، اور ائمہ ثلاثہ کی تفسیر بھی روایتوں میں موجود ہے، مگر ائمہ ثلاثہ کی تفسیر صرف کھجوروں کے ساتھ خاص ہے، آم میں یہ تفسیر نہیں چلے گی، امرود میں نہیں چلے گی، اور حنفیہ نے جو تفسیر کی ہے وہ ہر پھل میں چلے گی۔

صاحب الورد الطری نے فرمایا کہ عند الاحناف بدوصلاح یہ ہے کہ ثمر ایسی حالت میں ہوجائے کہ آسمانی آفات

سے محفوظ ہوجائے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ثمر ایسی حالت میں ہوجائے کہ آسمانی آفات سے محفوظ ہوجائے اور مزید یہ بھی ہو کہ اس کا رنگ بدل جائے اور اس میں مٹھاس بھی پیدا ہوجائے، یہی تفصیلات مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ نے اپنی کتاب (تحفۃ المعی ۴/ ۳۴۳) میں درج فرمائی ہے، نیز بندے کے نزدیک بھی حنفیہ کی تفسیر راجح ہے۔

۴-اثمار علی الاشجار کی مختلف کیفیات کے اعتبار سے درج ذیل صورتوں کے احکام ومسائل:

(الف) درختوں پر پھلوں کے آنے سے قبل خواہ اسی رواں سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے غیر موجود موہوم پھل ہوں ان کو فروخت کرنا از روئے شرع درست نہیں، "**الأوّل أن يبيعها قبل الطلوع اى قبل الظهور وفى هٰذا الوجه لا يجوز**" (الفتاوی التاتارخانیہ ۸/ ۳۱۷)۔

"**بيع الثمار قبل ظهورها باطل اجماعاً ولا خلاف فيه لكونه بيع المعدوم**" (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۷۰)۔

"**أن تباع الثمار قبل ظهورها وهنا لم يقل بجوازه اَحَدٌ سواءٌ جرى به التعامل أولا، والمراد من الظهور انفراک الزهر عنها وانعقاد ها ثمرة كما صرح به ابن عابد ين فى رد المحتار**" (تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۷۶)۔

(ب) باغ کے کچھ درختوں پر پھل آگئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے تو سب کی خرید وفروخت درست ہے، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں عبارت موجود ہے: "**وإن باع الثمر على الشجر والبعض قد خرج ثم خرج الباقى فان حلله البائع جاز**" (فتاوی تاتارخانیہ ۸/ ۳۷۸)۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر بائع نے اجازت دی ہے اپنی طرف سے تو سب کی بیع درست ہے۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ لکھتے ہیں: "**فاذا اشترى ثمار بستان على ما هو العرف ويقال له بالفارسيه** "فروخت باغ" **هذا البيع فى ظاهر المذهب أنه لا يجوز وفى الكافى خلافا لمالک، وكان شمس الائمة الحلوانى، يفتى بالجواز فى الثمار والباذنجان والبطيخ وغير ذلک وكان يزعم أنه مروى عن أصحابنا وكذلک حكى عن الشيخ الامام محمد بن الفضل أنه يفتى بجواز هذا البيع وكان يقول اجعل الموجود أصلاً فى هذا البيع وما يحدث بعد ذلک تبعا وهذا شرط أن يكون الخارج اكثر لأن الاقل يجعل تابعا للاكثر**" (الفتاویٰ التاتارخانیہ ۸/ ۳۱۹، نیز دیکھئے: تکملۃ فتح الملہم ۱/ ۳۷۶-۳۷۷)۔

(ج) درختوں پر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے یعنی نہ انسانوں کے کھانے کے کام آسکتے ہیں اور نہ ہی چوپایوں کے چارہ کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں تو اس سلسلہ میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے؛ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام خواہرزادہ نے ذکر کیا کہ نا قابل استعمال پھلوں کی بیع جائز ہے اور جواز ہی کی طرف امام محمدؒ نے "کتاب الزکوٰۃ"

میں اشارہ کیا ہے، اور یہی صحیح ہے، صاحب ہدایہ نے اس کو "ہدایہ" میں ذکر کیا ہے:

" ذکر محمد فی کتاب الزکوٰۃ فی باب العشر: لو باع الثمار فی أول ما تطلع وترکھا بإذن البائع حتی أدرک فالعشر علی المشتری، ولو لم یکن الشراءُ جائزاً حین ما تطلع لما وجب العشر علی المشتری وانما جاز لأنه اشتریٰ ثمرۃ موجودۃ بحیث تصیر منتفعا فی ثانی الحال فیجوز البیع وان لم یکن منتفعا فی الحال کما اشتری ولد جاریۃ مولوداً فی الحال یجوز" (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۳۱۸/۸)۔

متعلقہ مسئلہ کے سلسلہ میں صاحب تکملہ فتح الملہم تحریر فرماتے ہیں: **"أن تظھر جمیع الثمار بمعنی انعقادھا ثمرۃ ولکنھا غیر منتفع بھا فی الاکل ولا فی علف الدواب وفیه خلاف أیضا بین مشائخنا الحنفیة فذکر قاضی خان أن یبیعھا لا یجوز عند عامة المشائخ ولکن صحح ابن الھمام جوازہ کما أسلفنا عن الفتح"** (تکملہ فتح الملہم ۳۷۷/۱)۔

۵-اگر پھل تیار نہ ہوں تو اس کو فرخت کرنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں:

(الف) درختوں پر لگے ہوئے پھل تیار نہ ہوں اور فریقین (بائع ومشتری) کے درمیان یہ شرط ہو کہ اسی حالت موجودہ میں مشتری پھلوں کو توڑے گا تو اس صورت میں بیع درست اور جائز ہوگی؛ چناں چہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"إذا باعه بعد ماصار منتفعا به إلا أنه لم یتناہ عظمه وفی ھذا الوجه البیع جائز إذا باعه مطلقا أو بشرط القطع" (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۳۱۸/۸)۔

"ثانیھا أن یکون البیع بشرط القطع فی الحال فیصح البیع بالاجماع، لأن المنع إنما کان خوفا من تلف الثمرۃ وحدوث العاھة قبل أخذھا" (الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۳/۱۵)۔

"ومن باع ثمرۃ لم یبد صلاحھا وقد بدا جاز البیع وعلی المشتری قطعھا فی الحال تفریغا لملک البائع وھذا إذا اشتراھا مطلقا أو بشرط القطع" (الھدایۃ، کتاب البیوع ۲۹/۳، مکتبہ ملتان)۔

(ب) درختوں پر پھل لگے ہوئے ہیں لیکن ابھی تیار یعنی قابل انتفاع نہیں ہوئے ہیں اور بوقت بیع فریقین کے درمیان یہ طے پایا کہ پھل تیار ہونے تک درختوں پر ہی لگے رہیں گے تو اس سلسلہ میں علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع درست نہیں ہے:

"الاول: أن یشترط المشتری بقاء ھا إلی الحصار والجز فھذا لا یجوز ودلیله الاجماع المنعقد علی ذلک" (صحیح فقه السنة وأدلته وتوضیح مذاھب الائمة الاربعة ۳۰۰/۴)۔

”بیع الثمارقبل بدو صلاحها لا یخلو من ثلثة أحوال: أحدها أن تکون البیع بشرط التبقیة وحینئذ لایصح البیع بالاجماع لحدیث ابن عمر“(الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۵/ ۱۳)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ نے شامی کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر تردیدی کلام فرما کر مندرجہ ذیل احکام پھلوں کے خرید وفروخت کے تعلق سے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) جب تک پھول پھل کی صورت اختیار نہ کرے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، علامہ ابن عابدین نے بروز البعض کے بعد بیع کو ضرورت شدیدہ وابتلائے عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے کر جائز لکھا ہے۔

ہمارے زمانہ میں قبل البروز ہی بیع کا عام دستور ہے اور وہی ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام یہاں بھی ہے، جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا ہے۔

(۲) پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع ہو گیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

(۳) حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہ ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

(۴) کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، قول جواز راجح اور قول عدم جواز مرجوح ہے۔

(۵) صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اشکال: اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو ”**المعروف کالمشروط**“ کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہئے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعت ہے اور تعاملِ ابقاء کی صورت میں احتمال منازعت نہیں، لہٰذا بیع درست ہوگی (احسن الفتاویٰ، کتاب البیوع ۶/ ۴۸۶)۔

”أن تباع الثمار بعد ما تناهی عظمها وبدا صلاحها فشرط الترک فی هذا الصورة جائزة عند محمدؒ وبه أفتیٰ کثیر من المشائخ لعموم البلویٰ واختاره الطحاوی والیه مال ابن الهمام“۔

”قال العبد الضعیف (العلامة المفتی الشیخ محمد تقی العثمانی مدظله العالی) أن العرف إذا جری ببیع الثمار بعد بدو الصلاح بشرط الترک واشتدت الیه الحاجة کان قیاس قول محمدؒ الجواز“(تکملہ فتح الملہم، کتاب البیوع ۱/ ۳۹۴)۔

فتاویٰ محمودیہ جلد نمبر ۱۶ کے تعلیق نگار نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عموماً تجار اور فروخت کرنے

والے کی عادت اوران کا تعامل اس وقت یہ ہے کہ پھلوں کوقبل از بدوالصلاح خریدتے ہیں، اوراس بیع میں درختوں پر پھلوں کے چھوڑنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے اس تعامل اورعموم بلویٰ کی وجہ سے پھلوں کوخریدتے وقت درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

"ولو جوزنا البيع قبل بدوالصلاح بشرط الترک لزم ترک حديث الباب رأساً وذلک لا يجوز اللهم إلا أن يقال إن حديث باب محمول على نهى تنزيه أو إرشاد كما هو حديث زيد بن ثابت عند البخارى وعلى كل حال فالاحتياط ان لايشترط الترک فى العقد"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۹)۔

(ج) درختوں پر پھل لگے ہوتے ہوں لیکن قابل انتفاع نہ ہوں اورفریقین کے مابین تبقیۃ الثمر علی الاشجار الی اوان الحصاد والجز کی شرط وغیرہ نہ لگی ہو بلکہ مطلقا بیع ہوگئی ہواور وہاں عرف ترک ثمر علی الاشجار کا نہ ہوتو ایسی صورت میں بیع درست ہوگی خواہ وہ ثمر درختوں پر پکنے تک رہ جائیں۔

"إذا باعه بعد ما صار منتفعا به إلا أنه لم يتناه عظمه وفى هذا الوجه البيع جائز إذا باعه مطلقا"(الفتاویٰ التاتارخانیہ ۸/۳۱۸)۔

"والحاصل أن الشرط إذا لم يكن فى العقد ولم يأمره البائع بالقطع طاب له تركه سواء كان معروفا أولا"(فیض الباری ۲/۲۵۵)۔

"ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل"(الفتاویٰ العالمگیریہ ۳/۱۰۶)۔

"وإن تركها اى الثمرة الغير متناهية على الشجر (بإذن البائع بلا اشتراط)تركها حالة العقد (طاب له) للمشترى الزيادة الحاصلة فى ذات الثمر بالترک لأنه حصل بطريق مباح"(مجمع الانہر، کتاب البیوع ۳/۲۷)۔

۶-پھل خریدکر درختوں کوکرایہ پر لینے کی گنجائش:

کیااس بات کی گنجائش ہے کہ مشتری پھل خریدلےاورپھل توڑنے کی مدت تک درختوں کوکرایہ پرلے لےتواس سلسلہ میں میری اپنی فہم کے مطابق مشتری کودرخت کرایہ پرلینے کی گنجائش دینی چاہئے،جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ''کفایت المفتی'' میں تحریرفرمایاہے کہ اس معاملہ کوزمین کے اجارہ کے طور پرکیاجائے مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزارروپیہ ہےتوآٹھ سوروپیہ پھلوں کی قیمت قراردیں، اوردوسوروپیہ میں زمین اجارہ پردیدیں اورمدت اجارہ وہ متعین کی جائے جو پھلوں کی آخری مدت ہوتواس صورت میں پھلوں کادرختوں پررہنا جائز ہوگا۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ جب زمین کو کرایہ پر لیا جاسکتا ہے تو بالفاظ دیگر درختوں کو بھی متعینہ وقت تک کرایہ پر لیا جاسکتا ہے، سنن ابوداؤد کی ایک حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین پر درخت لگے ہوں ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ درخت دوسرے کے ہوں اور زمین دوسرے کی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آدمی زمین کرایہ پر لیکر اس میں باغات لگادے اور پھر دوسرا شخص پھلوں کو خریدنے کے بعد انہیں درختوں کو متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے؛ تاکہ اس کے پھل کارآمد ہوجائیں، اگر ایسا لوگوں کے درمیان عرف وعادت بن چکی ہو اور لوگوں کا تعامل اور ضرورت شدیدہ ہوچکی ہو تو مذکورہ صورت میں درختوں کو کرایہ پر لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ تعامل ناس کی وجہ سے منازعت کا خطرہ نہیں ہے۔

"إن رسول الله ﷺ أتىٰ بنی حارثة فرأی زرعا فی أرض ظهير فقال: ما أحسن زرع ظهير قالوا: ليس لظهير قال: أليس أرض ظهير؟ قالوا: بلی ! ولكنه زرع فلانٍ قال: فخذوا زرعكم وردّوا عليه النفقة، قال رافع: فأخذنا زرعنا وردنا إليه النفقة" (سنن ابی داؤد، البیوع ۲/ ۴۸۳)۔

۷-صرف پھول اور بَو رآنے پر خرید وفروخت:

پھل آنے سے پہلے بَو رآنے کے بعد درختوں کو پتوں سمیت اگر خرید لیا جائے تو اس بابت کیا حکم ہے؟

پھل آنے سے قبل درختوں کو پتوں سمیت خریدنا جائز ہے، اس سے قبل جائز نہیں ہے لہٰذا بور آنے سے قبل نہ خریدیں؛ البتہ بعض فقہاء کرام نے درختوں کو زمین سمیت کرایہ پر لینا درست قرار دیا ہے۔

"والحيلة فی جوازه باتفاق المشائخ أن يبيع الكمثرىٰ أول ماتخرج مع أوراق الشجر فيجوز فيها تبعا للأوراق" (شامی، کتاب البیوع ۷/ ۸۵، البحر الرائق ۵/ ۵۰۲)۔

باغات میں پھل آنے سے قبل بیع کے جواز کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ پھلوں کا معاملہ کیا جائے؛ بلکہ زمین سمیت پورے باغ کا معاملہ کیا جائے مثلاً ایک سال یا دوسال کے لئے زمین سمیت باغ کرایہ پر دیدیا جائے اور کرایہ دار کو یہ حق بھی حاصل ہو کہ وہ باغ کی زمین میں کچھ کاشت وغیرہ کرکے فائدہ اٹھائے اور مالک باغ وزمین کا اس پیداوار میں کوئی حق نہ ہو۔

"إذا استأجر أرضاً علی أن يكريها بها ويزرعها أويسقيها ويزرعها صح؛ لأنه شرط يقتضيه العقد وهو ملائم له فلا يفسد العقد" (البحر الرائق، کتاب الاجارہ ۸/ ۴۳، الدر المختار مع رد المحتار ۹/ ۸۲)۔

۸-بیع سلم میں شرائط اختلافیہ سے استفادہ:

بیع سلم میں درج شرائط کے متعلق ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے، ہمارے یہاں بیع کی مروج شکلوں اور صورتوں میں اس اختلاف سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے گنے کی خرید وفروخت کے معاملہ میں معیاد

مقرر پر پائے جانے کی ضرورت کے مواقع میں اجازت دی ہے، اسی طرح مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ابتلاء عام، عموم بلوی، حالت وضرورت شدیدہ کی بنا پر بیع قبل الظہور والازہار کو جائز قرار دیا ہے، "الضرورات تبیح المحظورات"۔

نیز حالات کے تقاضا کی بنا پر ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف جانا صرف اسی جزئیہ میں اور فتویٰ دینا اسی مسلک کے مطابق درست ہے، لہٰذا بیع کی مروج شکلوں میں "اختلاف الائمہ فی شرائط السلم" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے "اعلاء السنن"، اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے "تکملہ فتح الملہم" میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، نیز بندے کے نزدیک حالات حاضرہ میں ان جیسی چیزوں سے فائدہ اٹھانا قابل تحسین امر ہے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد یاسر قاسمی☆

۱- سلم اور استصناع کے علاوہ دیگر اقسام بیوع میں صحت بیع کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مبیع عقد کے وقت موجود ہو، اور یہ انعقاد بیع کے لئے شرط ہے، لہٰذا معدوم کی بیع منعقد نہیں ہوتی (فقہ البیوع: ۱/۳۲۶)۔

پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا:

اسی بناء پر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا طریق سلم کے بغیر جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے، اور کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، چاہے اس کے مطابق تعامل جاری ہو، اور اس باب میں بطور دلیل حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بیع معاومہ سے منع فرمایا (بخاری، مسلم)۔

اس حدیث سے مراد ایک مخصوص درخت یا چند مخصوص درختوں کے پھلوں کو ایک سال یا اس سے زیادہ مدت کے لئے فروخت کرنا ہے، دھوکہ کی وجہ سے یہ بیع حرام ہے، اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ابھی پیدا نہیں کیا، اس کو بیع سنین بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ مسلم اور ابوداؤد کی بعض روایات میں صراحت ہے (فقہ البیوع: ۱/۳۲۷)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ مستفاد ہوا کہ باغات کے پھلوں کو ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا اس حدیث کا مصداق ہے۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات:

(۱) فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بدو صلاح سے پہلے پھلوں کو توڑنے کی شرط کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲) فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ظہور صلاح سے پہلے پھلوں کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط پر پھلوں کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔

دلیل: "**نهى رسول الله ﷺ عن بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها نهى البائع و المشترى أو المبتاع**" (صحیح بخاری، رقم: ۲۱۹۴)۔

☆ ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور اعظم گڑھ۔

کمال ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ''**لا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر ولا فی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک ولا فی جوازه قبل بدو الصلاح بشرط القطع فیما ینتفع به ولا فی الجواز بعد بدو الصلاح**'' (فتح القدیر:۶/۲۸۷)۔

بدوصلاح سے پہلے مطلقاً (بغیر توڑنے اور باقی رکھنے کی شرط کے) پھلوں کو فروخت کرنے کی بابت حضرات فقہاء کا اختلاف ہے:

قول اول: بیع صحیح نہیں ہے: شوافع اور اہل ظاہر کا یہی مذہب ہے۔

دلائل:

(۱) ''**عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدوصلاحها، نهی البائع والمبتاع**''۔

(۲) ''**عن أنس بن مالک أن النبی ﷺ نهی عن بیع العنب حتی یسود و عن بیع الحب حتی یشتد**'' (سنن ابوداؤد:۱/۴۳۳)۔

بدوصلاح سے پہلے فروخت کرنے میں دھوکہ ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ یہ نزاع اور خصومت تک پہنچائے گی اور شریعت نے نزاعات کے باب کو بند کر رکھا ہے۔

قول ثانی: بدوصلاح سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنا صحیح ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

دلائل: (۱) مقتضائے عقد کے خلاف کوئی شرط نہیں پائی گئی، اس لئے بیع جائز ہے۔

(۲) ''**قال النبی ﷺ: من اشتری نخلا قد أبرت فثمرته للبائع إلا أن یشترط المبتاع**''۔

اس حدیث میں شرط کے ساتھ پھل بائع کو دیا جارہا ہے، تو معلوم ہوا کہ مطلقاً اس کی بیع جائز ہے، اس لئے مشتری کے شرط لگانے کی صورت میں بیع میں داخل ہونے کے لئے بدوصلاح کی قید نہیں لگائی گئی ہے (فتح القدیر:۶/۲۹۰)۔

(۳) ''**عن عمرة بنت عبد الرحمن قالت: ابتاع رجل ثمرة حائط فی زمن النبی ﷺ فعالجه وقام حتی تبین له النقصان فسأل رب الحائط أن یضع له أو یقیله، فحلف لا یفعل، فذهبت بالمشتری إلی النبی ﷺ فذکرت له ذلک فقال: یأبی أن لا یفعل خیرا، فسمع بذلک رب الحائط، فأتی النبی ﷺ فقال: هو له**'' (مؤطاامام مالک)۔

اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو اقالہ بھی اس پر مرتب نہ ہوتا؛ اس لئے کہ اقالہ بیع صحیح پر مبنی ہوتا ہے۔

’’**فقال فی فتح القدیر بعد نقل هذه الرواية: ولو لا صحة البيع لم تترتب الإقالة عليه**‘‘ (فتح القدیر: ۶/۲۹۰)۔

علمائے احناف نے ظہور صلاح سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب درختوں پر پھلوں کو چھوڑنے کی شرط لگایا ہو۔

چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فقہ البیوع میں لکھتے ہیں: ’’**وحمل عامة الحنفية حديث النهى عن البيع قبل بدو الصلاح على ما إذا اشترط ترك الثمار على الأشجار**‘‘ (فقہ البیوع: ۱/۳۳۱)۔

’’**وفی الفقه الحنفي في ثوبه الجديد: قال صاحب إعلاء السنن : دلت الأحاديث على جواز بيع الثمار قبل بدو الصلاح وجه الدلالة أنه لو لم يجز لم يكن لقول رسول الله ﷺ أرأيت إذا منع الله الثمرة بم يأخذ أحدكم مال أخيه؟ معنى، لأنه على تقدير عدم صحة البيع لا يجوز أخذ المال مطلقاً وكذا الأمر بوضع الجوائح أيضا مبني على صحة البيع فالأحاديث حجة على من منع صحة البيع قبل بدو الصلاح**‘‘ (الفقہ الحنفي فی ثوبہ الجدید: /۹۳)۔

۳- بدو صلاح اور مذاہب ائمہ:

بدو صلاح کی مراد میں جمہور اور علمائے احناف کے مابین اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک بدو صلاح یہ ہے کہ پھل پکنے لگے، مٹھاس پیدا ہونے لگے، رنگ آنے لگے، سرخی، یا سیاہی، یا زردی ظاہر ہونے لگے۔

علمائے احناف کے نزدیک بدو صلاح یہ ہے کہ آفت سے محفوظ ہو جائے۔

’’**ففی الموسوعة الفقهية الكويتية: ثم إن معنى بدو الصلاح مختلف فيه بين الجمهور و الحنفية فبدو الصلاح عند الجمهور هو ظهور مبادئ النضج والحلاوة بأن يتموه ويلين فيما لا يتلون، وأن يأخذ في الحمرة أو السواد أو الصفرة فيما يتلون وهو عند الحنفية أن تؤمن العاهة والفساد**‘‘ (اصطلاح ثمار: ۱۲۔۱۳)۔

’’**وفی الفقه الحنفي فی ثوبه الجديد:**

لكن بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد و عند الشافعية هو ظهور النضج و بدو الحلاوة‘‘ (۴/۹۲)۔

۴-درخت پر لگے پھلوں کی بیع کی مختلف صورتیں:

الف: پھل آنے سے پہلے فروخت کردینا، خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سالوں کے بھی: اس کا تفصیلی حکم (صفحہ نمبر ا) پر گذر چکا۔

ب: باغ کے کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ میں نہیں:

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے:

(ا) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، مگر ان پھلوں میں جو ظاہر ہو چکے ہیں اور یہی علمائے احناف کا ظاہر مذہب ہے، اس لئے کہ جو پھل ظاہر نہیں ہوئے وہ معدوم ہیں، اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے۔

''ففی الدر المختار:ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب وصححه السرخسي'' (الدر المختار، کتاب البیوع:۲/ ٦٢)۔

''وفی فقه البيوع: وإن بيعت جميع أثمار الشجر أو البستان في حين ظهر بعضها ولم يظهر بعضها ففيه خلاف فقال الشافعية والحنابلة إنه لا يجوز البيع إلا فيما ظهر وهو ظاهر مذهب الحنفية لأن مالم يخرج معدوم'' (فقہ البیوع:١/ ٣٢٧)۔

''وقال ابن قدامة رحمه الله تعالى:وجملة ذلک أنه إذا باع ثمرة شيئ من هذه البقول لم يجز إلا بيع الموجود منها وبهذا قال أبو حنيفة و الشافعي'' (المغنی لابن قدامہ ۴/ ٢٠٧)۔

متاخرین علمائے احناف اور مالکیہ جواز کے قائل ہیں؛ اس لئے کہ ظاہر ہونے والے پھلوں کو بعد میں ظاہر ہونے والے پھلوں سے ممتاز کرنا دشوار ہے، لہذا جو پھل ابھی آئے نہیں انہیں آنے والے پھلوں کے تابع قرار دیا جائیگا، جیسے وہ پھل جن کا صلاح ظاہر نہ ہوا اسے ان پھلوں کے تابع قرار دیا جاتا ہے جن کا صلاح ظاہر ہو گیا، لیکن علمائے مالکیہ اور علمائے احناف کے مذہب میں کچھ تفصیل ہے:

الف: علمائے مالکیہ نے ایک ہی بطن میں لگاتار ظاہر ہونے والے پھلوں پر جواز کو منحصر کیا ہے، لہذا پہلے بطن کے بدوصلاح سے متصل تمام بطون کی بیع جائز ہے، مگر اگر بطون کے درمیان فصل پایا گیا تو بطن اول کے بدوصلاح سے دوسرے بطون کے پھلوں کی بیع جائز نہیں ہوگی۔

''ففی حاشية الدسوقي: حاصله:أن الشجر إذا كان يطعم في السنة بطنين متميزين فلا يجوز أن

يباع البطن الثانی بعد وجوده وقبل صلاحه ببدو صلاح البطن الأول وهذا هو المشهور"(حاشیۃ الدسوقی:۳/۱۷۷)۔

"**وفی الموسوعة الفقهية:وذهب متأخرو الحنفية والمالكية إلى الجواز لأن ذلک يشق تمييزه فجعل مالم يظهر تبعاً لما ظهر كما أن مالم يبد صلاحه تبع لما بدا الخ**" (الموسوعۃ الفقہیۃ،ثمار:۱۴)۔

فقہ البیوع میں مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ایک بطن میں پیہم ظاہر ہونے والے پھل، یا ایسے پھل جن کے بطون میں امتیاز نہیں پایا جاتا؛ حالانکہ ان کی ایک انتہا ہوتی ہے جہاں پہنچ کر پھل آنے بند ہوجاتے ہیں، ایسے پھلوں پر علمائے مالکیہ نے جواز کو منحصر کیا ہے۔

رہے وہ پھل جو ہمیشہ آتے رہتے ہیں اور ان کے بند ہونے کی کوئی مدت نہیں ہے، جیسے بعض ممالک میں کیلا، تو اس کی بیع کے جواز کے لئے مدت بیان کرنا لازم ہے خواہ مدت زیادہ ہو، جب کہ بعض مالکیہ نے ایک سال کے ساتھ مدت جواز بیان کیا ہے اور بعض علماء نے دو سال تک کی قید لگائی ہے (فقہ البیوع:۱/۳۲۹۹)۔

۲-علمائے احناف میں سے متاخرین نے ضرورتاً اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

علامہ ابن عابدین رقم طراز ہیں: امام حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے، اور ان کا یہ نظریہ تھا کہ ہمارے علماء سے یہی مروی ہے، اسی طرح امام فضلی سے بھی منقول ہے، اور ان کا کہنا ہے کہ تعامل ناس کی وجہ سے اسے مستحسن قرار دیا گیا ہے، تمام لوگوں کو ان کی عادت سے نکالنے میں حرج ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ: میں نے امام محمدؒ سے مروی اسی جیسی ایک روایت درختوں پر گلاب کے پھول کی بیع کے حوالے سے دیکھی، اس لئے کہ گلاب کے پھول پے بہ پے آتے ہیں اور کل کے اندر بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور یہی امام مالکؒ کا بھی مذہب ہے (ردالمحتار علی الدر:۷/۸۶)۔

امام سرخسی نے اپنے زمانہ میں صورت مذکورہ کے حدیث سے متصادم ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے، اور صاف لکھتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ جڑوں کو خریدلے، یا بعض ثمن کے عوض موجودہ پھلوں کو خریدلے اور باقی پھلوں میں عقد کو پھل آنے تک مؤخر کردے، یا موجودہ پھلوں کو جمیع ثمن کے عوض خریدلے اور بائع نئے آنے والے پھلوں کو مشتری کے لئے مباح قرار دے، اس طرح دونوں کی ضرورت پوری ہوجائیگی، اور نص کی مخالفت بھی لازم نہیں آئے گی (مبسوط سرخسی:۱۲/۱۹۶)۔

لیکن علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں ضرورت کا تحقق مخفی نہیں ہے، بالخصوص دمشق میں جہاں درختوں اور پھلوں کی کثرت ہے، اس لئے کہ مذکورہ طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ لازم کرکے لوگوں کو چھٹکارا دلانا ممکن نہیں ہے، ہر چند کہ بعض افراد کو اس سے چھٹکارا مل جائیگا لیکن تمام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے، نیز اس سے ان تمام شہروں میں پھل کھانے کی حرمت لازم آئے گی، اس لئے کہ ہر جگہ بیع اسی طرح ہوتی ہے، جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ضرورت کی وجہ سے بیع سلم کی رخصت دی حالانکہ وہ معدوم کی بیع ہے، تو جب ضرورت یہاں بھی متحقق ہے تو بطریق دلالت اسے سلم کے ساتھ لاحق کیا جاسکتا ہے، اور نص کی مخالفت بھی لازم نہیں آئے گی، اسی لئے فقہاء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے؛ اس لئے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ صورت ناجائز ہو، فتح القدیر کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا میلان جواز کی طرف ہے، اسی لئے انہوں نے امام محمدؒ سے روایت ذکر کی ہے؛ بلکہ ماقبل میں گذر چکا کہ ہمارے علماء سے حلوانی نے جواز کی روایت نقل کی ہے، اور ضابطہ بھی ہے کہ کسی بھی معاملہ میں جتنی تنگی آتی ہے اتنی ہی وسعت آتی ہے، اور یہ بھی مخفی نہیں ہے کہ ضرورتاً ظاہر الروایہ سے عدول کی گنجائش ہے (رد المحتار علی الدر: ۷/ ۸۶)۔

ج: پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں:

اگر پھل نکل کر قابل انتفاع بن گئے، خواہ کھانے میں یا جانوروں کے چارے میں تو بالاتفاق بیع جائز ہے، لیکن جب پھل ظاہر ہوئے اور قابل انتفاع نہیں ہوئے حتی کہ جانوروں کے چارے میں بھی استعمال کے قابل نہیں ہوئے تو اس سلسلہ میں مشائخ احناف کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ قاضی خان نے عام مشائخ احناف سے نقل کیا ہے کہ بیع جائز نہیں ہے، لیکن ابن ہمامؒ کا کہنا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ بیع جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ پھل مستقبل میں قابل انتفاع بن جائیں گے گو ابھی قابل انتفاع نہیں ہیں، امام محمدؒ نے کتاب الزکوۃ میں اس کے جواز کا اشارہ دیا ہے۔

’’قال فی الفتح: والخلاف إنما هو فی بیعها قبل بدو الصلاح علی الخلاف في معناه لا یشترط القطع فعند مالک و الشافعی وأحمد لا یجوز، وعندنا إن کان بحال لا ینتفع به فی الأکل و لا فی علف الدواب خلاف بین المشائخ قیل لا یجوز ونسبه قاضی خان لعامة مشایخنا والصحیح أنه یجوز؛ لأنه مال منتفع به فی ثانی الحال إن لم یکن منتفعا به فی الحال وقد أشار محمد فی کتاب الزکاة إلی جوازه فإنه قال: لو باع الثمار فی أول ما تطلع وترکها باذن البائع حتی أدرک فالعشر علی المشتری، فلو لم یکن جائزا لم یوجب فیه العشر علی المشتری‘‘ (فتح القدیر ۶/ ۲۸۷)۔

فتح القدیر کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر پھل توڑنے کی شرط نہ لگایا اور پھل ظاہر ہو چکے ہیں مگر بدو صلاح

نہیں ہوا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے۔

جب کہ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:"ویبدو أنه مذهب الأئمة الثلاثة أیضاً، حیث أجازوا بیع الثمرة قبل بدو صلاحها مطلقاً (إذا كان بشرط القطع) ولم یشترطوا كونه منتفعا به"(فقہ البیوع ١/٣٢٧)۔

لگتا ہے کہ یہی ائمہ ثلاثہ کا بھی مذہب ہے؛ اس لئے کہ ائمہ ثلاثہ نے بدو صلاح سے پہلے پھلوں کو توڑنے کی شرط کے ساتھ مطلقاً بیع کو جائز قرار دیا ہے، اس کے قابل انتفاع ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:''فان باعها قبل بدو صلاحها لم یجز إلا بشرط القطع'' (المغنی لابن قدامہ ٤/٢٠٢)۔

''وفی الموسوعة الفقهیة الكویتیة:وهذا الشرط (أن یكون الثمر منتفعاً به) متفق علیه نص علیه بعض الحنفیة والمالكیة والشافعیة والحنابلة وإن اختلفوا فی تفاصیله فمذهب الحنفیة والمالكیة اطلاق الانتفاع به فی الحال أو المآل والشافعیة والحنابلة قیدوا الجواز بالانتفاع به فی الحال'' (٩/١٩١)۔

٥-پھل تیار نہ ہونے کی صورت میں فروختگی کی تین صورتیں:

ذیل میں ان تینوں صورتوں میں خرید وفروخت کے احکام بالترتیب بیان کئے جاتے ہیں:

الف: متعاقدین میں طے پایا کہ خریدار ابھی پھل توڑ لے گا:

پھل تیار نہ ہونے کی صورت میں اگر متعاقدین میں یہ طے پایا کہ خریدار فوراً پھل توڑ لے گا تو بالاجماع یہ بیع جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:''القسم الثالث: أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع لأن المنع إنما كان خوفا من تلف الثمر وحدوث العاهة علیها قبل أخذه''(المغنی ٤/٧٢)۔

''وقال ابن الهمام:والحاصل أن بیع مالم یبد صلاحه إما بشرط القطع وهو جائز اتفاقا لأنه غیر متناول للنهی كما ذكرنا''(فتح القدیر ٦/٢٩٠)۔

اگر خریدار نے بائع کی اجازت سے پھلوں کو باقی رکھا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ چنانچہ علاء الدین السمرقندی لکھتے ہیں:

''فإن كان ذلك بإذن البائع جاز و طاب له الفضل''(تحفۃ الفقہاء:٥٦)۔

ب: طے پایا کہ تیار ہونے تک پھل درخت ہی پر رہے گا:

اگر معاملہ اس شرط پر طے پایا کہ جب تک پھل پک نہ جائے درخت ہی پر رہے گا تو ائمہ اربعہ کے یہاں بالاجماع بیع فاسد ہے۔

چنانچہ ''فتح القدیر'' میں ہے: ''ولا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر ولا فى عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک''(فتح القدیر:۶/۲۸۷)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''إن باعها بشرط التبقية فالبيع باطل بالاجماع''(المجموع:۱۱/۱۱۵)۔

ابن رشد فرماتے ہیں: ''وأما بيعها قبل الزهو بشرط التبقية فلا خلاف فى أنه لا يجوز'' (بدایۃ المجتہد:۲/۲۶۲)۔

علامہ ابن نجیم نے فساد بیع کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس میں مشتری نے ایسی شرط لگائی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور اس کا فائدہ بھی ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین نقل کرتے ہیں:

''وعلل في البحر الفساد بأنه شرط لا يقتضيه العقد وهو شغل ملک الغير'' (ردالمحتار ۷/۸۶)۔

لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب پھل کی بیع تیار ہونے سے پہلے کی جائے، اور اگر پھل کی بیع تیار ہونے کے بعد کی جائے اور خریدار یہ شرط لگائے کہ پھل درخت ہی پر رہیں گے، تو یہ شرط ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے؛ اس لئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع کیا ہے، حدیث کے مفہوم مخالف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدو صلاح کے بعد بیع جائز ہے۔

''فقال المفتى تقى العثماني: فإن بدو صلاحها بمعنى أنها أمنت من الآفات قبل النضج جاز هذا الشرط عند المالكية والشافعية والحنابلة؛ لأن النبى ﷺ إنما نهى عن بيع الثمرة حتى يبدو صلاحها. ومفهومه أنه يجوز بعد بدو صلاحها''(فقہ البیوع ۱/۳۳۱)۔

حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے منافی ہے، لہٰذا عقد بیع فاسد ہو جائے گی۔

''ففي فقه البيوع: ولا يجوز هذا الشرط في ظاهر قول الحنفية؛ لأن هذا الشرط ينافى مقتضى العقد ففسد العقد''(فقہ البیوع ۱/۳۳۱)۔

جب کہ احناف میں سے امام محمدؒ کا قول ائمہ ثلاثہ کی طرح اس صورت میں جواز کا ہے، اور علامہ ابن نجیم اور حصکفی

وغیرہ نے امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اور عموم بلوی کی وجہ سے امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے: ’’ قیل قائله محمد لا یفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف فکان شرطا یقتضیه العقد و به یفتي، بحر عن الأسرار، وقال ابن عابدین:عبارة البحر: وفی الأسرار الفتویٰ علی قول محمد و به أخذ الطحاوی وفی المنتقی ضم إلیه أبا یوسف، وفی التحفة: والصحیح قولهما...... وقال ابن عابدین:لکن حیث کان قول محمد هو الاستحسان یترجح علی قولهما تأمل‘‘(ردمع الدر:۷/ ۸۷)۔

ج: پھل تیار ہونے سے پہلے مطلقاً خریدا، نہ چھوڑنے کی شرط لگا یا نہ توڑنے کی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع جائز ہے، مگر خریدار پر لازم ہے کہ پھل توڑ لے، اسے درخت پر باقی رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

’’ففی الهندیة:وإن باعها قبل أن تصیر منتفعاً بها بأن لم تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب فالصحیح أنه یصح وعلی المشتری قطعها فی الحال هذا إذا با ع مطلقاً أو بشرط القطع‘‘ (ہندیہ ۳/ ۱۰۶)۔

تاہم اگر پھلوں کو مطلقاً خریدا اگرچہ درختوں پر چھوڑنے کا عرف ہو، اس نے بائع سے اجازت لے کر چھوڑ دیا تو پھل میں جو بڑھوتری ہوئی وہ اس کے لئے حلال ہوگی، اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر چھوڑ دیا تو زیادتی کو صدقہ کرنا خریدار پر لازم ہے، اور اگر پھل تیار ہونے کے بعد مطلقاً خریدا اور پھل کو پکنے کے لئے بدون اجازت درخت پر چھوڑ دیا تو کچھ بھی صدقہ نہیں کرے گا۔

’’ففي الفقه الحنفي فی ثوبه الجدید:

ولو اشتری الثمار مطلقاً بلا شرط ترک أو قطع ولو کان الترک متعارفا و ترکها باذن البائع طابت له الزیادة وإن بغیر إذنه تصدق بما زاد في ذاتها وإن اشتراها بعد ماتناهت لم یتصدق بشئ‘‘(۴/ ۹۷)۔

اگر مطلقاً فروخت کیا اور پھل ابھی تیار نہیں ہوئے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے۔

’’ففی المغنی لابن قدامة:القسم الثالث: أن یبیعها مطلقاً ولم یشترط قطعاً ولا تبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی وأجازه أبو حنیفة‘‘(المغنی لابن قدامہ ۴/ ۷۲)۔

۶- پھل پکنے تک درخت کو کرایہ پر لے لینا:

علمائے احناف کے نزدیک اگر کسی شخص نے پھل کے پختہ ہونے تک کے لئے درخت کو اجارہ پر لیا تو اجارہ باطل ہے اگرچہ مدت کی تعیین کر دے؛ اس لئے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اجارہ باطل ہو، مگر شریعت نے ان چیزوں کا اجارہ جائز قرار دیا ہے، جن میں تعامل پایا جائے، اور صرف درختوں کو اجارہ پر دینے کا کوئی تعامل نہیں ہے، لہذا اجارہ جائز نہیں ہے، مگر

اس مدت میں پھل میں جو اضافہ ہوا وہ خریدار کے لئے حلال ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:"**وإن استأجر الشجر إلی وقت الإدراک بطلت الإجارة وطابت الزيادة لبقاء الإذن، قال ابن عابدين تحت قوله: (بطلت الإجارة) وإن عين المدة، در منتقی، فإن أصل الإجارة مقتضی القياس فيه البطلان، إلا أن الشرع أجازها للحاجة فيما فيه تعامل ولا تعامل في إجارة الأشجار المجردة فلا يجوز**"(ردالمحتار علی الدرالمختار ۷/۸۷)۔

۸-باغات کے پھلوں کی فروختگی میں شروط سلم کے اختلاف سے فائدہ اٹھانا:

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر روشنی ڈالی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروط سلم میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کو بیان کردیا جائے، تو واضح رہے کہ بیع سلم کی بعض شرائط کا تعلق رأس المال سے ہے اور بعض کا مسلم فیہ سے۔

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحت سلم کے لئے چھ شرائط کا پایا جانا لازم ہے:

(۱) جنس معلوم ہو، (۲) صفت معلوم ہو، (۳) مقدار معلوم ہو، (۴) اجل معلوم ہو، (۵) رأس المال کی مقدار معلوم ہو، (۶) اگر مسلم فیہ کی ادائیگی کے لئے بار برداری کی ضرورت پڑے تو اس کی ادائیگی کی جگہ کا متعین ہونا بھی شرط ہے۔

رأس المال کی شرائط میں ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ علمائے احناف کے نزدیک رأس المال کی چھ شرطیں ہیں: (۱) جنس ثمن کو بیان کرنا، (۲) اگر شہر میں مختلف نقود رائج ہوں تو نوع کو بیان کرنا، (۳) وصف کو بیان کرنا، (۴) امام ابوحنیفہ کے نزدیک رأس المال کی مقدار کو بیان کرنا، حضرات صاحبین، شوافع، حنابلہ کے نزدیک رأس المال کی مقدار کو متعین کرنا شرط نہیں ہے، امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں کوئی روایت محفوظ نہیں ہے، (۵) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دراہم ودنانیر کا منقود ہونا شرط ہے، صاحبین کے نزدیک شرط نہیں ہے، (۶) مجلس عقد سلم سے جدا ہونے سے پہلے رأس المال پر قبضہ کرنا یہ چھٹی شرط حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مابین متفق علیہ ہے، جب کہ امام مالکؒ کے یہاں قول معتمد میں تین دن یا اس سے کم تاخیر جائز ہے، اگر تین دن سے زیادہ تاخیر کیا تو اگر تاخیر شرط کے ساتھ ہے تو مالکیہ کے یہاں بالاتفاق فاسد ہے، اور تین دن سے زیادہ تاخیر بلاشرط ہو تو المدونۃ الکبری میں دو قول بیان کئے گئے ہیں: فساد وعدم فساد، لیکن فساد ہی معتمد ہے۔

مسلم فیہ کے شرائط:

علمائے احناف کے نزدیک مسلم فیہ کی گیارہ شرطیں ہیں:

(۱) جنس معلوم ہو، (۲) نوع معلوم ہو، (۳) صفت معلوم ہو، (۴) قدر معلوم ہو، (۵) ربا الفضل کی دونوں علتوں میں سے کوئی علت نہ پائی جائے، (۶) مسلم فیہ متعین کرنے سے متعین ہوجائے، (۷) مسلم فیہ مؤجل ہو، اس سلسلہ میں علماء کا

اختلاف ہے:

حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ صحت سلم کے لئے تاجیل کو شرط قرار دیتے ہیں، لہٰذا سلم حال صحیح نہیں ہے، امام شافعی کے نزدیک نقد اور ادھار دونوں طرح سلم جائز ہے، شوافع کے یہاں سلم حال کا فائدہ یہ ہے کہ مبیع کی عدم موجودگی میں بیع جائز ہے۔

پھر علماء کا اقل مدت اجل سلم میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مدت ایک ماہ یا اس کے قریب ہونا چاہئے، مالکیہ کے یہاں اقل اجل پندرہ یوم ہے۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اجل کا معلوم ہونا لازم ہے، مگر کیفیت علم اجل میں اختلاف ہے، حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک متعین زمانے کی تعیین لازم ہے جو کبھی مختلف نہ ہو؛ جب کہ مالکیہ کے نزدیک جہالت یسیرہ (مثلاً کھیتی کاٹے جانے تک، نوروز تک) کے ساتھ تعیین جائز ہے۔

(۸) آٹھویں شرط یہ ہے کہ جنس مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک دستیاب ہو، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مسلم فیہ کا ادائیگی کے وقت موجود ہونا کافی ہے، خواہ عقد کے وقت موجود ہو یا نہ ہو۔

(۹) نویں شرط یہ ہے کہ عقد سلم قطعی ہو، اس میں خیار شرط نہ ہو، (۱۰) امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر مسلم فیہ کی ادائیگی کے لئے بار برداری کا خرچ اٹھانا پڑے تو ادائیگی کی جگہ کو بیان کرنا لازم ہے، حضرات صاحبین کے یہاں لازم نہیں ہے۔

(۱۱) گیارہویں شرط یہ ہے کہ مسلم فیہ ذوات الامثال ہو یا عددیات متقاربہ یا ذرعیات متقاربہ ہو جس کے وصف کو حتمی طور پر متعین کیا جاسکتا ہو، حنابلہ اور شوافع کا مذہب حنفیہ سے قریب تر ہے، جب کہ مالکیہ غیر منضبط بالوصف میں بھی سلم کو جائز قرار دیتے ہیں (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۴/ ۵۹۹-۶۱۴)۔

ائمہ اربعہ کے شرائط سلم کو اجمالاً بیان کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ کا فتوی اور مولانا لدھیانویؒ کا فتوی بالترتیب لکھا جاتا ہے:

سوال (۱۳۲) جس میں گنے کی کاشت سے پہلے اس کی خریداری کے متعلق سوال کیا گیا ہے، اور کاشت سے پہلے عدم خریداری کی صورت میں پیش آنے والی پریشانیوں کا ذکر ہے، اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

الجواب: عقد سلم میں بیع کا وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الہدایۃ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کرلیا جائے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے (امداد الفتاوی: ۳/ ۱۰۷)۔

مولانا رشید احمد لدھیانویؒ احسن الفتاوی میں " بیع الثمر قبل الظھور" کی بابت سوال کے تفصیلی جواب میں فائدہ کے تحت لکھتے ہیں:

فائدہ: علامہ ابن عابدینؒ نے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے الحاق بالسلم کی بحث بروز البعض کی بحث میں لکھی ہے، مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازھار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالکؒ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کرکے جائز قرار دیا جائیگا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے، لہٰذا دوسرے مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہو چکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ بیع الاثمار نہیں بلکہ بیع الازھار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم "**منتفع به للدواب بل لبعض حاجات الناس**" بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے۔

كما نقل العلامة ابن عابدين:عن الامام ابن همامؒ فى صحة بيع الثمار بعد البروز قبل أن تكون منتفعا بها(ردالمحتار: ۴/۴۲)۔

حضرات فقہاء کرام نے "**بيع الثمر قبل انفراك الزهر**" کو بالاتفاق ناجائز قرار دیا ہے، مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ البتہ بیع قبل ظہور الازھار کی صورت میں عمل بمذہب مالک کے سوا چارہ نہیں اور یہ جب جائز ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کا فیصلہ کردیں (احسن الفتاوی: ۳/۴۸۹)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا لدھیانویؒ کے فتوے کا جائزہ:

ماقبل میں صحت سلم کے شرائط کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، جس سے یہ مستفاد ہوا کہ ثمن تین دن کے اندر اندر ادا کردیا جائے، بلاشرط اس سے زیادہ تاخیر ہو تو اس میں امام مالکؒ کا مسلک مفید ہوسکتا ہے، لیکن عقد سلم کی صحت کے لئے یہ متفقہ شرط ہے کہ مقدار ثمر معلوم ہو، اگر مقدار ثمر معلوم نہ ہو تو جہالت کی وجہ سے عقد سلم جائز نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "**فليسلم فى كيل معلوم أو وزن معلوم**" (ترمذی: ۱/۲۴۵)۔

حدیث سے مستفاد ہوا کہ مقدار اور اجل کا علم شرط ہے، احسن الفتاوی میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے اس لئے قابل تحمل ہے؛ لیکن مقدار مبیع کی جہالت کو تراضی طرفین کی وجہ سے قابل تحمل قرار دینا سخت محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ جن عقود میں غرر شدید ہو یا شریعت کا حق پامال ہوتا ہو وہ تراضی طرفین سے بھی جائز نہیں ہوتے، شریعت متعاقدین میں سے ہر ایک کے جائز مفاد کا تحفظ کرتی ہے خواہ وہ خود اپنے مفاد سے دستبردار ہوگیا ہو، ففی

ردالمحتار: ان الابراء لا یعمل فی الربا لأن رده لحق الشرع (۷/۴۰۰)۔

لہٰذا بیع قبل ظہور الازھار والاثمار کے جواز کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، نیز واضح رہے کہ علامہ شامیؒ نے اس کو سلم قرار نہیں دیا ہے؛ بلکہ بعض پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد اور بعض کے ظاہر ہونے سے پہلے ضرورتاً اس کو سلم کے ساتھ لاحق کیا ہے، یہاں پر علامہ ابن عابدین نے سلم کو بطور نظیر پیش کیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیع قبل الازھار کو سلم میں شامل کرنے سے متعلق سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: خود ضرورت عامہ دلیل مستقل نہیں، جب تک کسی کلی شریعہ میں وہ صورت داخل نہ ہو، جیسا کہ عبارات مذکورۂ سوال میں صرف ضرورت کو جواز کے لئے کافی نہیں سمجھا گیا؛ بلکہ ضرورت کو داعی قرار دیا کسی کلیہ میں داخل کرنے کا، مثل الحاق بالسلم وغیرہ کے، اور بیع قبل ظہور الاثمار وغیرہ میں الحاق ہو نہیں سکتا، اور اس طرح کوئی دوسرا کلیہ بھی نہیں چلتا۔"فلا قیاس أحدهما علی الآخر" اور سلم میں اس کا داخل نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیونکہ اگر" اشتراط وجود مسلم فیہ من وقت العقد الی حلول الأجل" سے قطع نظر کر کے شافعی کا مذہب بھی لے لیا جائے کہ ان کے نزدیک صرف وجود وقت الحلول کافی ہے، تب بھی یہ اس لئے سلم نہیں کہ اولاً مقدار ثمار کی متعین نہیں۔

ثانیا: کوئی اجل معین نہیں۔

ثالثا: اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا؛ بلکہ بائع اول ہی سے اشجار کو مشتری کے سپرد کر دیتا ہے اور وہ اسی وقت سے اس پر قابض ہو جاتا ہے پھر خواہ ثمر قلیل ہو یا کثیر ہو اور خواہ نہ ہو۔

رابعا: اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

خامسا: اکثر پورا ثمر پیشگی یک مشت بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، غرض یہ سلم کسی طرح نہیں ہو سکتا (امدادالفتاوی: ۳/۱۰۵)۔

خلاصہ یہ کہ باغات کے پھلوں کی بیع قبل ظہور الاثمار والازھار جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نصوص شرعیہ کے خلاف ہے اور اس کے جواز کے لئے پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے بیع سلم کے تحت داخل کرنا بھی ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ مروجہ صورتوں میں شرائط سلم مفقود ہیں۔

لہٰذا علمائے امت کی ذمہ داری ہے کہ عامۃ الناس اور بالخصوص باغات کے تجار کا اجتماع بلا کر ان میں بیداری لائیں، اور خرید وفروخت کی بابت احکام شرعیہ سے انہیں متعارف کرائیں؛ تا کہ جہالت کا سد باب ہو اور شریعت کی بالا دستی قائم ہو، اور منہیات شرعیہ سے بچتے ہوئے وہ تجارت کریں، اور معدوم کی بیع اور بیع غرر سے اجتناب کریں۔

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا طاہر حسین قاسمی☆

۱۔ بیع معاومہ کا مصداق:

سنۃ اور عام کے معنی سال کے ہیں، اسی سے سنین اور معاومہ ہے، بیع معاومہ: اسکی صورت یہ ہے کہ اس طرح بیع کی جائے کہ اس سال جو کچھ پھل اس درخت میں آئے وہ فروخت کرتا ہوں، حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا، اور وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی معدوم اور ناپید ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانہ میں باغ، درخت اور تالاب کی جس طرح پیشگی بیع ہوجایا کرتی ہے وہ جائز نہیں ہے۔ اس کا مصداق بیع معدوم اور بیع غرر اور ناپید کی بیع ہے جو کہ ازروئے شرع منع ہے۔

”عن جابر بن عبد اللهؓ قال : نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة“ (صحیح مسلم، باب عن المحاقلة والمزابنة وبيع الثمرة قبل بدوصلاحها، وعن بيع المعاومة وهو بيع السنين، حدیث نمبر: ۱۵۳۶، ابو داؤد، باب فی بیع السنین، حدیث نمبر: ۳۳۷۴) ”وأما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع السنين و هو باطل بالاجماع ولانه بيع غرر، لانه بيع معدوم“ (شرح النووی علی مسلم ۲/۱۰)۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب:

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی مختلف صورتیں ہیں: پہلی صورت اور پہلا درجہ یہ ہے کہ ابھی پھل درخت کے اوپر مطلق ظاہر نہیں ہوا، اس وقت میں بیع کرنا جیسا کہ آج کل پورا باغ ٹھیکہ پر دے دیا جاتا ہے کہ ابھی پھل بالکل بھی نہیں آیا، پھول بھی نہیں لگے اور اس کو فروخت کردیا جاتا ہے، اس طرح پھل کی بیع کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ یہ مطلقا ناجائز اور حرام ہے اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں یعنی ائمہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، حدیث میں اسی کو بیع معاومہ یا بیع سنین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

☆ خادم دار القضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ پونے، مہاراشٹرا۔

دوسری صورت اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھل ظاہر تو ہوگیا لیکن قابل انتفاع نہیں ہے۔ قابل انتفاع نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو کسی انسان کے کام آسکتا ہے اور نہ کسی جانور کے کام آسکتا ہے، تو اس کی بیع بھی بالاتفاق جائز نہیں، یعنی پہلی اور دوسری دونوں صورتیں بالاتفاق ناجائز ہیں، جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اسلام اور جدید معاشرتی مسائل میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو: ۱۲۹/۲)۔

تیسری صورت اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ پھل انسانوں یا جانوروں کے لئے قابل انتفاع تو ہے لیکن ابھی بدوصلاح نہیں ہوا یعنی آفات سے محفوظ نہیں ہوا، اور اندیشہ ہے کہ کوئی بھی آفت اس کو لگ جائے تو وہ سارا پھل یا اس کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا، یہ "بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها" کہلاتا ہے۔ تیسری صورت اور تیسرا درجہ یعنی "بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها" کی پھر تین صورتیں ہیں:

۱-ایک صورت یہ ہے کہ پھل کی بیع بدوصلاح سے پہلے کی گئی لیکن عقد بیع میں یہ شرط لگائی گئی کہ مشتری ابھی اس پھل کو درخت سے اتار لے گا، "بشرط القطع فشرط أن يقطعه البائع"، بیع کے فوراً بعد وہ اس کو قطع کرلے گا، اس شرط کے ساتھ اگر بیع کی جائے تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے۔ بعض لوگوں کا اختلاف ہے کہ یہ ناجائز ہے اور یہ قول شاذ کے درجہ میں ہے ورنہ جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں، اور ائمہ اربعہ بھی اس میں داخل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کی جائے لیکن مشتری یہ کہے کہ میں یہ پھل خرید رہا ہوں لیکن جب تک یہ پھل پک نہ جائے درخت ہی پر چھوڑوں گا، درخت پر چھوڑنے کی شرط پکنے تک لگائی جائے یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ سب اسکے عدم جواز کے قائل ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ درخت پر لگا ہوا پھل خرید تو لیا اور اس میں کوئی شرط بھی نہیں لگائی یعنی نہ قطع کرنے کی شرط اور نہ درخت پر چھوڑنے کی شرط ہے، مطلقاً عن شرط القطع والترک بیع کی گئی۔ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اس بیع کو بھی ناجائز کہتے ہیں، یعنی یہ حضرات اس کو ملحق بشرط الترک ہی مانتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اس کو جائز کہتے ہیں کہ جب مطلق عن شرط القطع والترک ہے، کوئی شرط نہیں لگائی گئی تو یہ حکم میں شرط القطع کے ہے؛ کیونکہ بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی بھی وقت مشتری سے کہے کہ پھل لے جاؤ اور ہمارا درخت خالی کردو؛ لہذا یہ جائز ہے۔

چوتھی صورت اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ بعد بدوصلاح یعنی پھل پک چکا ہو یا آفات سے محفوظ ہو چکا ہو اسکے بعد فروخت کیا جائے تو اس میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ بعد بدوصلاح جب بھی بیع کی جائے تو جائز ہے یعنی تینوں صورتیں جائز ہیں، یعنی بشرط القطع، بشرط الترک بھی، اور بلا شرط شئی بھی، اور ان حضرات کا استدلال یہ حدیث ہے: "نهى عن بيع

الثمار حتی یبدو صلاحها"(رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے یہاں تک بدوصلاح ہو جائے)،مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بدوصلاح سے قبل بیع جائز نہیں ہے اور بدوصلاح کے بعد بیع جائز ہے ۔

اور مفہوم غایت یہ ہے کہ جب بدوصلاح ہو جائے تو پھر نہی نہیں تو جب بدو الصلاح کے بعد نہی نہیں تو کوئی بھی صورت ہو خواہ بشرط القطع ہو یا بشرط الترک ہو، یا بلا شرط شئی ہو، تینوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل بدو الصلاح میں اور بعد بدو الصلاح میں کوئی فرق نہیں، جوصورتیں وہاں جائز ہیں وہ یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں؛ چنانچہ اگر بشرط القطع ہو یا مطلق عن شرط القطع والترک ہو تو جائز ہے اور بشرط الترک ہو تو یہاں وہ ناجائز ہیں؛البتہ بشرط الترک میں حضرات شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ پھل کا حجم یعنی اس کا سائز مکمل ہو چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا ہے تو بشرط الترک بھی جائز ہے، مثلاً کھجور جس سائز کی ہوتی ہے اگر درخت کے اوپر اتنی بڑی ہو چکی ہے کہ اب اس میں مزید اضافہ نہیں ہونا ہے تو اب اگر بشرط الترک بیع کریگا تو یہ بیع جائز ہے، لیکن شیخین کے نزدیک اس کا سائز مکمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بشرط الترک ناجائز ہے، ان دونوں حضرات کے نزدیک ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگائی جارہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، "**نهی رسول الله ﷺ عن بیع وشرط**" ۔اس میں "**احد المتعاقدین**" کی منفعت ہے، اور جب ایسی شرط بیع کے اندر لگائی جائے تو وہ شرط کو فاسد کردیتی ہے، لہذا یہ بیع ناجائز ہے (ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۳۱)۔

۳-بدوصلاح سے مراد اور ائمہ کا اختلاف:

اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے محفوظ ہو جانا ہے کہ پھل اتنا بڑا ہو جائے کہ جس کے بعد جو آفتیں پھلوں کو لگا کرتی ہیں ان سے وہ محفوظ ہو جائے، تو کہیں گے کہ بدوصلاح ہوگئی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے مراد پھل کا پک جانا ہے:"**عن زید بن ثابتؓ قال : کان الناس فی عهد رسول الله ﷺ یتباعون الثمار ،فاذا جدّ الناس وحضر تقاضیهم ،قال المبتاع: أنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مرض .أصابه قشام .عاهات یحتجون بها.فقال رسول الله ﷺ لما کثرت عنده الخصومة فی ذلک: فاما لا، فلاتتبا یعوا حتی یبدو صلاح الثمر،کالمشورة یشیر بها لکثرة خصومتهم. واخبر خارجة بن زید بن ثابت : ان زید بن ثابت لم یکن یبیع ثمار أرضه حتی تطلع الثریا، فتبین الاصفر من الاحمر .قال أبو عبد الله :**

رواه علی بن بحر : حد ثنا عنبسة عن زکریا ،عن ابی الزناد ،عن عروة ،سهل ـعن زید باب اذا با ع الثمار قبل ان یبدو صلاحهاثم اصابةعاهةفهو من البائع" (صحیح البخاری:٢١٧٠،تکملة فتح الملهم ١/٣٨٣)۔

"عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله ﷺنهی عن بیع الثمار حتی یبدو صلاحها، نهی البائع و المبتا ع" (بخاری،حدیث نمبر:٢١٩٤)۔

"عن أنسؓ أن رسول الله ﷺنهی أن تبا ع ثمرة النخل حتی تزهو ـقال ابو عبد الله: یعنی حتی تحمر"(صحیح مسلم ، کتاب البیوع، رقم: ٢٨٢٧،سنن الترمذی ،کتاب البیوع عن رسول الله ، رقم :١١٤٨،سنن النسائی، کتاب البیوع،رقم :٤٤٣٤،سنن أبی داود، کتاب البیوع،رقم:٢٩٢٣،سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات،رقم:٢٢٠)،زهی یزهو کے معنی خوشنما ہوجانے کے ہیں یعنی دیکھنے میں اچھا لگنا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے تفسیر کی ہے کہ پھل کے اندر سرخی آجائے۔کھجور کا ذکر ہو رہا ہے تو کھجور پہلے سبز ہوتی ہے پھر زرد پڑتی ہے پھر سرخ ہوتی ہے توتفسیر کردی،تزهو کے معنی خوشنما ہونے کے یعنی سرخ ہوجانے کے ہیں۔

"عن سعید بن میناء قال: سمعت جابر بن عبد اللهؓ قال: نهی النبی ﷺأن نبا ع الثمرة حتی تشقح، فقیل: وما تشقح ؟تحمار وتصفار ویؤکل منها۔ قال تحمار أو تصفار" یعنی وہ سرخ ہوجائے یا زرد ہوجائے، ویؤکل منها اور کھانے کے لائق ہوجائے۔یہ تمام حدیثیں وہ ہیں جن میں نبی کریم ﷺنے بیع الثمرة قبل أن یبدو صلاحها سے منع فرمایا۔

نیز بدو صلاح سے کیا مراد ہے؟ موسوعہ فقہیہ میں مزید وضاحت ہے کہ بدو صلاح کی تفسیر میں اختلاف ہے، وہ پھل کا پکنا اور مٹھاس وغیرہ کا ظاہر ہونا ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے یا آفت اور فساد سے مامون ہونا ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ٩/٤١)۔

٤-پھل کی مختلف کیفیتوں کے اعتبار سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی صورتیں:

اس کا جواب لکھنے سے قبل چند اہم اور بنیادی اصول جاننا ضروری ہے؛ تاکہ اصل مسئلہ کو سمجھنا آسان ہوجائے جو اسی مسئلہ سے قریبی علاقہ رکھتے ہیں:

١-ان میں ایک اہم مسئلہ بیع سلم کا ہے، بیع سلم فقہاء کی اصطلاح میں ایک ایسا عقد ہے جس میں سامان (مبیع) کی قیمت پیشگی ادا کردی جاتی ہے اور سامان بعد میں ادا کیا جاتا ہے۔"معجم لغۃ الفقہاء" میں ہے:"بیع السلعة الآجلة الموصوفة فی الذمة بثمن مقبوض فی مجلس العقد"(معجم لغۃ الفقہاء،ص ٢٤٩)،اس کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے؛ تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ مبیع (جس کو اصطلاح میں مسلم فیہ کہتے ہیں) پوری طرح متعین اور مشخص ہو، دوسرے وہ مدت

بھی پوری طرح متعین ہو،جس میں فروخت کرنے والا خریدار کو سامان حوالے کرے گا۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ مبیع اس معاملہ کو طے پانے سے لیکر مبیع کی ادائیگی تک بازار میں دستیاب رہے۔دوسرے فقہاء کے یہاں خصوصا امام شافعیؒ کے یہاں یہ ضروری نہیں ہے۔

''ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل حتى لو كان منقطعاً عند العقد موجودا عند المحل و على العكس أو منقطعا فيما بين ذلك لا يجوز وقال الشافعيؒ يجوز إذا كان موجودا وقت المحل لوجود القدرة على التسليم حال وجوبه'' (ہدایہ ۳/۷۷، فتح القدیر ۷/۷۷)۔

۲ – خرید وخروخت میں کوئی ایسی شرط لگا دی گئی جو اس معاملہ سے متعلق احکام شرعی کے خلاف ہو،تو یہ معاملہ درست نہیں ہوگا؛اس لئے کہ آپ ﷺ نے بیع کے ساتھ کوئی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔''**نهى النبى ﷺ عن بيع وشرط، طبرانی عن عمرو بن العاص**'' (الدرایہ فی تخریج أحادیث الھدایہ ۳/۴۳)،یہی مسلک امام ابوحنیفہ،امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔امام احمد بن حنبل کا خیال ہے کہ ایک شرط لگائی جائے تو مضائقہ نہیں،ایک سے زیادہ شرطیں نہ لگائی جائیں۔ان کی دلیل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

''عن جابر بن عبد اللهؓ أنه قال: باع من النبى ﷺ بعيرا واشترط ظهره إلى أهله۔ قال أبو عيسى : هذا حديث حسن صحيح: وقد روى من غير وجه عن جابر۔والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبى ﷺ وغيرهم ۔ يرون الشرط فى البيع جائزا إذا كان شرطا واحدا، وهو قول أحمد و إسحاق'' (الترمذی، باب ماجاء فی اشتراط ظہر الدابۃ عند البیع،حدیث نمبر:۱۲۵۳،مکتبہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض)۔

تاہم اگر کسی معاملہ میں کوئی شرط رواج اختیار کرلے،اور اس کا تعامل ہوجائے تو فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ ایسی شرطیں گوارا کی جاسکتی ہیں،چنانچہ فقہ حنفی کے بلند پایہ فقیہ امام سرخسی لکھتے ہیں:''**ان كان شرطا لا يقتضيه العقد ولكن فيه عرف ظاهر فذلك جائز أيضا كما لو اشترى نعلا وشراكا بشرط أن يحذوه البائع لأن الثابت بالمعروف ثابت بدليل شرعى ولأن فى النزوع عن العادة الظاهرة حرجا بينا**'' (مبسوط ۳/۱۴) (اگر شرط ایسی ہو کہ عقد اس کی مقتضی نہ ہو،لیکن اس کا رواج ہو تو یہ بھی جائز ہے،جیسے چمڑا اور تسمہ اس شرط پر خرید کرے کہ بائع اس کا جوتا بنادے گا،اس لئے کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ دلیل شرعی سے ثابت شدہ امر کے درجہ میں ہے اور لوگوں کو ان کی عادت ورواج سے باز رکھنے میں حرج ہے)۔

۳-اجارہ (کرایہ داری) یہ ہے کہ ایک شخص اصل کو برقرار رکھتے ہوئے نفع کو فروخت کردے،درخت کے پھل

خرید کرنے کی صورت میں اس تعریف کی رو سے اجارہ میں داخل نہیں ہے؛ کیونکہ پھل کی حیثیت بجائے خود اصل کی ہے اور پھل کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے انتفاع نہیں ہوتا۔

۴-ضرورت اور عام لوگوں کو حرام سے بچانے کی غرض سے کوئی تدبیر اختیار کی جائے؛ تاکہ یہی مقصد کسی جائز اور حلال طریق سے حاصل ہو جائے، جائز ہے، اور اس کو حیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، خود احادیث سے بعض مواقع پر حیلہ کا ثبوت موجود ہے۔

اب ہم پھلوں کی خرید وفروخت کی مذکورہ بالا صورتوں کی طرف آتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک پر الگ الگ گفتگو کرتے ہیں:

الف-پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کر دینا:

اس کا جواب یہ ہے کہ پھلوں کے نکلنے سے قبل ہی اسی سال یا کئی سالوں کی بیع کر دی جائے تو یہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور یہ کسی بھی امام کے نزدیک جائز نہیں ہے یعنی ائمہ میں سے کوئی بھی اسکے جواز کا قائل نہیں، اور یہ مطلقا حرام ہے اور اس کی حرمت سے متعلق صریح وصحیح روایات موجود ہیں، حدیث میں اس کو بیع معاومہ یا بیع سنین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو:

"**عن جابر بن عبد اللہؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة**" (صحیح مسلم، باب عن المحاقلة والمزابنة وبیع الثمرۃ قبل بدوصلاحها، وعن بیع المعاومة وهو بیع السنین، حدیث نمبر: ۱۵۳۶، ابوداؤد، باب: فی بیع السنین، حدیث نمبر: ۳۳۷۴)۔

امام نوی شارح مسلم نے اس کے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے: "**وأما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين، فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو اكثر فيسمى بيع السنين و هو باطل بالإجماع ولأنه بيع غرر، لأنه بيع معدوم**" (شرح النووی علی مسلم، ۲/۱۰)۔

اس کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ بیع سلم کے لئے اول احناف کے یہاں ضروری ہے کہ مبیع فروخت کرتے وقت سے ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو، "**ولا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه موجودا من حين العقد إلى حين المحل حتى لو كان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل و على العكس أو منقطعا فيما بين ذلک لا يجوز وقال الشافعیؒ يجوز إذا كان موجودا وقت المحل لوجود القدرة على التسليم حال وجوبه**" (ہدایہ ۳/۷۵)، یہی بات حضرت تھانویؒ نے "امداد الفتاوی" میں لکھی ہے کہ پھل جب تک

نکل نہ آئے اس کی بیع مطلقاً ناجائز ہے، اور حیلہ سلم کا اس لئے نہیں ہوسکتا ہے کہ اس میں مسلم فیہ کا وقت عقد اس جگہ پایا جانا شرط ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۰۱، مکتبہ زکریا)۔

یہاں ایسا نہیں ہوتا؛ تاہم اگر فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو نظر انداز بھی کردیا جائے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہو، یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور یقینی طور پر مدت مقرر نہیں ہے کہ کب پھل خریدار کو مل سکے گا، اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر اس صورت کی بھی توجیہ وتاویل شروع کردی جائے تو پھر بیع معاومہ اور بیع سنین کی ممانعت کی حدیثیں بے معنی ہوکر رہ جائیں گی؛ اس لئے یہ صورت تو یقیناً ممنوع اور ناجائز ہے۔

ب- باغ کے کچھ درختوں میں پھل آنا اور کچھ درختوں میں نہیں:

باغ کے کچھ درختوں میں پھل نکل آئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے، تو اس سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، ائمہ ثلاثہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، "**وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع عند أبي حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالك: يجوز**" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)، اسی طرح اگر پھل قابل استعمال ہوگئے اور باغ کے باقی پھل ابھی قابل استعمال نہیں ہوں تو بھی امام شافعی واحمد کے برخلاف امام مالک نے اسکی اجازت دی ہے، بشرطیکہ کچھ درخت آم کے ہوں اور کچھ امرود کے، تو آم کے بعض درخت میں پھل کا آجانا یا پھل کا قابل استعمال ہوجانا امرود کے پھلوں کی فروختگی کیلئے کافی نہ ہوگا؛ حالانکہ امرود ابھی قابل استعمال ہوا ہی نہ تھا، یا نکلا ہی نہ تھا۔ "**وبدوه اى الصلاح فى بعض من ذلك النوع ولو نخلة كاف فى جواز بيع الجميع من جنسه لا من غير جنسه الخ**" (الشرح الصغیر ۳/۲۳۵)۔

البتہ ابن حزم اور لیث بن سعد کے نزدیک ایک باغ میں مختلف پھلوں کے درخت ہوں، اور ان میں سے کوئی ایک پھل تیار ہوگیا تو دوسرے پھلوں کی بیع بھی درست ہوجائے گی۔ "**فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجر صفقة واحدة بعد ظهور الطيب فى شئ منه جائز وهو قول الليث بن سعد لانه بيع ثمار قد بدا صلاحها ولم يقل رسول الله ﷺ إن ذلك لا يجوز إلا فى صنف واحد**" (المحلی ۸/۴۵۷)، ایک باغ جس میں مختلف صنف کے درخت ہوں، کے پھلوں کو اس میں سے ایک درخت میں بھی تیاری کے آثار ظاہر ہونے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے، یہی قول لیث بن سعد کا بھی ہے؛ کیونکہ یہ بدو صلاح کے بعد پھلوں کو فروخت کرنا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صورت میں صرف ایک ہی صنف کا پھل فروخت کرنا جائز ہوگا۔ پس احناف کے یہاں عام اصول کے مطابق نکلے

ہوئے پھل کے ساتھ ان پھلوں کی بیع درست نہ ہوگی جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں، چنانچہ اگر قبضہ سے پہلے ہی مزید کچھ پھل نکل آئے تب تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور اگر خریدار کے قبضہ کے بعد پھل میں اضافہ ہوا اور نئے پھل نکلے تو اب باغ میں خریدار اور مالک دونوں شریک سمجھے جائیں گے،"**ولو اشترا ها مطلقا فأثمرت ثمرا آخرا قبل القبض فسد البيع لتعذر التميز ولو أثمرت بعده اشترکا لاختلاط**"(البحر الرائق ٥/٣٠١)، یہی احناف کے یہاں ظاہر روایت ہے۔ "**ولو برز بعضها دون بعض لایصح فی ظاهر المذهب**"(ہندیہ ٣/١٠٦)۔

دوسری طرف عوام میں بڑھتا ہوا تعامل کہ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کر دیا جاتا ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے بعض فقہاء نے اس میں نرم رویہ اختیار کیا ہے، ابن ہمام، ابن قیم اور شامی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: حلوانی نے زیلعی کے حسب روایت اس کو جائز قرار دیا ہے بہ شرطیکہ اکثر پھل نکل آئے ہوں اور کچھ باقی ہوں۔"**وأفتی الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر**"(شامی ٧/٦٦)، شمس الائمہ نے امام فضلی سے نقل کیا ہے کہ اگر کچھ بھی پھل نکل آیا خواہ کم ہو یا زیادہ تو یہ معاملہ جائز ہے، پھل موجود ہو اس کو اصل سمجھا جائے گا اور بعد کو نکلنے والا پھل اس کے تابع ہو کر معاملہ میں شامل رہے گا۔ الحاصل ان کے یہاں اقل یا اکثر کی کوئی قید نہیں ہے۔"**ولم یقیده عنه بکون الموجود وقت العقد اکثر بل قال عنه اجعل الموجود اصلا فی العقد ومایحدث بعد ذلک تبعا**" (الدر المختار علی الرد ٤/٣٩، خلاصۃ الفتاوی ٣/٣١-٣٠)، نیز علامہ ابن نجیم مصری کہتے ہیں کہ امام فضلی کہتے ہیں کہ لوگوں کا انگور کی خرید و فروخت میں اسی نوعیت کا تعامل ہو گیا ہے اور اب ان کو اس سے روکنے میں حرج ہے، اس لئے استحسانا میں اس کو جائز قرار دیتا ہوں۔"**وزعم أنه مروی عن أصحابنا، وکذا حکی عن الإمام الفضلی .وقال استحسن فیه لتعامل الناس وفی نزع الناس عن عادتهم حرج**"(شامی ٧/٦٦ مکتبہ دار الکتاب دیوبند)۔

اسی طرح حضرت تھانویؒ "امداد الفتاوی ٣/١٠١" میں رقمطراز ہیں کہ اگر کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا ہو اس کو امام فضلی نے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح "احسن الفتاوی ٦/٤٨٦" میں لکھا ہے کہ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔ اس پر اس بات پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ امام محمد نے درخت پر لگے ہوئے گلاب کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے، حالانکہ گلاب کے پھول نہیں کھلتے، بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں:"**وقد رأیت فی هذا روایة عن محمد وهو فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البیع فی الکل بهذا الطریق وهو قول مالک**"(شامی ٧/٦٦)۔

ابن ہمام نے اس کے لئے یہ تدبیر اختیار کی ہے کہ بیگن ککڑی وغیرہ سبزیوں میں اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ

پھل کے بجائے اصل پودے کو خرید کرلیا جائے؛ تاکہ اب آئندہ نکلنے والا پھل اس کی ملک میں رہے۔"**یشتری اصول الباذنجان والبطیخ والرطبة لیکون مایحدث عن ملکه**" پھلوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ موجودہ پھل خرید کرلے اور بائع اس کے لئے آئندہ ہونے والے پھل کو مباح وجائز کردے،"**وفی ثمار الأشجار یشتری الموجود ویحل له البائع ما یوجد**"(البحرالرائق ۵/ ۵۰۴)۔

امام سرخسی نے تو ظاہر روایت ہی پر فتوی دیا ہے اور اسکو منع کیا ہے؛اس لئے کہ یہ غیر موجود شئی کی خرید وفروخت ہے،لیکن متاخرین نے عام تعامل کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں امام فضلی ہی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے،اورخوب لکھا ہے کہ دمشق وغیرہ میں جہاں کثرت سے باغات ہیں اسی طرح خرید وفروخت کا تعامل ہوگیا ہے اوراوپر اس کے جواز کی جوصورتیں ذکر کی گئی ہیں،جہل کے غلبہ کی وجہ سے معدود چندلوگوں کو چھوڑ کر عام لوگوں کے لئے اس پر عمل کرنے کا تقاضہ ممکن نہیں اوران کواس سے باز رکھنا بھی مشکل ہے۔۔۔پھر چونکہ مارکیٹ میں جو پھل آتا ہے وہ اسی طریقہ پر؛اس لئے اس پھل کا کھانا ہی حرام ہوجائے گا۔پس اب اس بیع نے ضرورت کا درجہ اختیار کرلیا ہے لہذا جس طرح انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے،آپ ﷺ نے سلم کی اجازت دے دی؛حالانکہ وہ ایک شئی معدوم کی بیع ہے،اسی طرح پھلوں کی خرید وفروخت کی اس نوعیت کے معاملات کو بھی درست کہنا چاہئے،"**وقال شمس الائمة السرخسی : والأصح أنه لایجوز؛ لان المصیر إلی مثل هذه الطریقة عند تحقق الضروة ... فلاضرورة إلی تجوز العقد فی المعدوم مصاد ما للنص، وهو ما روی انه علیه الصلاة والسلام نهی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم ...... قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورة فی زماننا، ولا سیما فی مثل دمشق الام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل علی الناس لایمکن الزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذکورة**"(ردالمحتار ر ۶۶۷،مکتبہ دارالکتاب)،ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ ابھی نہیں نکلے ہوں تو ان کو فروخت کرنا درست اور جائز ہے بہ شرطیکہ ایک ہی قسم کے پھل کے مختلف درخت ہوں،اوراگر ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے پھلوں کے الگ الگ درخت ہوں تو ایک درخت میں پھل کا آجانا دوسرے پھلوں کی خرید وفروخت کے جائز ہونے کے لئے کافی نہیں ہوں گے۔

ج-پھل کا نکل آنا مگر قابل استعمال نہ ہونا:

پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہ ہوئے،ایسا پھل اگر اس شرط پر خرید کیا جائے کہ خریدار فوراً توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے،علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:"**القسم الثانی أن یبیعها بشرط القطع فی**

الحال فیصح بالاجماع لأن المنع إنما کان خوفا من الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل أخذها"(المغنی ۴/ ۷۲)، تاہم اگر خرید وفروخت کا معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک اس کو درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، علاء الدین سمرقندی لکھتے ہیں:"فان کان ذلک بإذن البائع جاز وطاب له الفضل"(تحفۃ الفقہاء ۱/ ۵٦)، اسی طرح پھل تیار ہونے سے پہلے ہی خرید وفروخت کا معاملہ ہوا لیکن یہ معاملہ مطلقا ہوا یعنی پھل کے توڑنے یا رکھنے کی کوئی بات نہیں ہوئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ درست ہوگا؛ البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ ملاحظہ ہو المغنی کی عبارت:"القسم الثالث:أن یبیعها مطلقا ولم یشترط قطعا ولاتبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی وأجازه أبو حنیفة"(المغنی ۴/ ۷۲)، احناف نے گو اس کو جائز رکھا، لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پاجانے کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے۔"وعلی المشتری قطعها فی الحال إذا باع مطلقا أو بشرط القطع"(فتاوی ہندیہ ۳/ ۱۰۹)، اور اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پائے کہ مالک پھل درخت پر رہنے دے گا یہاں تک کہ پھل پک جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو بیع فاسد ہوگی ہی، امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی بیع درست نہ ہوگی۔"أما إذا باع بشرط الترک فهو فاسد"(تحفۃ الفقہاء، ص ۵۵)؛ کیونکہ خرید وفروخت کے معاملہ میں خریدار نے ایک ایسی شرط لگادی ہے جس میں اس کے لئے منفعت ہے۔

اگر پھل درخت پر باقی رکھنا چاہتا ہے کہ وہ پوری طرح تیار ہوجائے تو اس کے لئے فقہاء نے دو حیلے بتائے ہیں: اول یہ کہ درخت بٹائی پر لے لےجس کو مساقات یا معاملت کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب، مثلا ہزارواں حصہ باغ کے مالک کے لئے مقرر کرے:"والحیلة أن یأخذ الشجرة معاملة علی أن له جزءاً من الف جزء"(درمختار علی ہامش ردالمحتار ۴/ ۴۰)۔

دوسرا حیلہ یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو از خود پھل پکنے تک درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دے دے، اب اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک درخت نے اگر آج اجازت دی اور آئندہ پھر اپنی اجازت سے رجوع کر لے تو خریدار کس طرح اپنے حق اور پھل کا تحفظ کرے گا، اس کا حل یوں پیش کیا گیا کہ مالک سے اس طرح اجازت حاصل کی جائے کہ میں پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تم کو پھل باقی رکھنے کا حق ہوگا (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۴/ ۴۰)؛ البتہ امام محمد کے نزدیک اس صورت میں مالک کا رجوع کرنا درست ہوگا اور رجوع کو شرط پر معلق کرنے کی اجازت معتبر نہ ہوگی۔

۵- غیر تیار شدہ پھلوں کو فروخت کرنے کی مختلف شکلوں کا حکم:

اگر فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں: "**القسم الثانی أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع لأن المنع انما کان خوفا من الثمرة وحدوث العاهة علیها قبل أخذها**" (المغنی ۴/۷۲)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا۔ اگر خرید وفروخت کا معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار نے خواہش کی کہ ابھی پھل تیار ہونے تک اس کو درخت پر رہنے دیا جائے اور درخت بیچنے والے نے اس کو قبول کرلیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ علاء الدین سمرقندی کا بیان ہے: "**فان کان ذلک باذن البائع جاز وطاب له الفضل**" (تحفۃ الفقہاء ۱/۵۶)، نیز احسن الفتاوی (۶/۴۸۶) میں لکھا ہے کہ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحۃ یا دلالۃ اجازت دے دی تو پھل حلال رہے گا، اس میں یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ آج کل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "**المعروف کالمشروط**" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شرط ابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعۃ ہے اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعہ نہیں۔

"**وهذا ما صرح به الفقهاء رحمهم الله تعالی فی إجازة الصباغ وغیرها من المسائل ویؤیده ما مرّعن نص محمد رحمه الله بأنه لایفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف الخ**" (احسن الفتاوی ۶/۴۸۷)، نیز مولانا تقی عثمانی صاحب نے مزید وضاحت فرمائی کہ تیسری وہ شرط جو متعارف بین التجار ہوگئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو، جیسے کوئی فریج خریدتا ہے تو ایک سال کی فری سروس ہوتی ہے تو یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے، لیکن چونکہ متعارف ہوگئی، تو متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہوگئی، اور فقہاء متقدمین نے اس کی مثال دی ہے، "**أن یشتری النعل بشرط أن یحذوه البائع**"، تو یہ شرط متعارف ہوگئی؛ لہذا جائز ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شرط متعارف بین التجار ہو جائے، چاہے وہ عقد کے خلاف ہو تب بھی جائز ہے، اور یہ شرط کہ اس کو درخت پر چھوڑا جائے گا یہ متعارف سے بھی زائد ہے، تو جب شرط متعارف ہوگئی تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہذا بیع بشرط الترک جائز ہے (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/۱۳۴)۔

تیسری صورت یہ کہ نہ خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی معاملہ درست ہو جائے گا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ "**القسم الثالث: أن یبیعها مطلقا ولم یشترط قطعا ولاتبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی وأجازه أبو حنیفة**" (المغنی ۴/۷۲)، احناف نے گو اس کو جائز رکھا، لیکن ان کے یہاں بھی واجب ہے کہ اس طرح معاملہ طے پا جانے

کے بعد خریدار پھل توڑ لے، اس کو حق نہیں کہ درخت پر پھل باقی رکھے۔ "**وعلی المشتری قطعها فی الحال إذا باع مطلقا أو بشرط القطع**" (فتاوی ہندیہ)۔

۶-خریدار کا پھل توڑنے تک درخت کرایہ پر لینا:

اس کی تفصیل جواب نمبر (۴) میں آ چکی ہے۔

۷-درخت پر لگے پھلوں کی خرید وفروخت کی دیگر صورتیں:

پھل نکل آئے اور انسانی استعمال کے قابل بھی ہو گئے، جس کو حدیث میں بدو صلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک اس صورت میں بہر حال خرید وفروخت درست ہے، چاہے غیر مشروط خرید وفروخت ہو یا فوراً توڑنے کی شرط ہو یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی، نیز خریدار کو غیر مشروط معاملہ یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط کی صورت میں حق حاصل ہوگا کہ پھل کی تیاری تک پھل درخت پر رہنے دیا جائے، "**وجملة ذلک أنه إذا بدا الصلاح فی الثمرة جاز بیعها مطلقا وبشرط القطع وبذلک قال مالک والشافعی**" (المغنی لابن قدامہ ۴/۷۵)، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک پھل کے درخت پر ایک عرصہ تک لگے رہنے کی شرط لگا دی جائے تو بیع درست نہ ہوگی، امام محمد نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ اگر پھل تیار ہو چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں، اور یہ شرط معتبر ہوگی، اور اگر پھل تیار ہونے سے پہلے اس طرح کا معاملہ ہو تو درست نہ ہوگا، عموم بلوی کے تحت امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ابن نجیم و حصکفی وغیرہ کے بیان کے مطابق اسی پر فتوی بھی ہے (الدر المختار علی ہامش الرد ۴/۲۹)۔

۸-بیع سلم کی شرطوں میں ائمہ کا اختلاف اور اس سے فائدہ اٹھانا:

واضح رہے کہ ہمارے بعض اکابر ارباب افتاء نے کچھ مروج صورتوں میں بیع سلم کی مختلف فیہ شرطوں کے حوالہ سے رخصت وگنجائش کا تذکرہ کیا ہے، مثلاً حضرت تھانویؒ نے گنے کی خرید وفروخت کے معاملہ میں میعاد مقرر پر پائے جانے کی ضرورت کے مواقع میں اجازت دی ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۰۶، طبع زکریا قدیم)، اور مفتی رشید احمد صاحب نے بیع قبل ظہور الاثمار والازہار میں ابتلاء عام کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر جواز کا تذکرہ کیا ہے (احسن الفتاوی ۶/۴۸۷-۴۸۹، نیز مابعد)، لہذا بیع سلم کی شرطوں کے متعلق ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے، ہمارے یہاں مروج شکلوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی حبیب اللہ قاسمی☆

۱- حدیث پاک میں بیع معاومہ سے منع کیا گیا، اس کا مصداق یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کو کئی سالوں کے لئے بیچ دے، یہ بیع جائز نہیں ہے۔

۱۔"قال الشيخ الدهلوی: المعاومة وهو بيع تمر النخل والشجر سنتين فصاعداً، قال فی المشارق: وهو بيع ثمر الشجرة سنتين وهو من يبيعه قبل طيبه، قال بعضهم: هو اكتراء الأرض سنتين"(حاشیہ ابی داؤد مع المتن ۲/۴۷۹ مکتبہ بلال)۔

۲۔"المعاومة المراد بيع ما تحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر وهذا البيع باطل؛ لأنه بيع ما لم يخلق"(بذل المجہود ۱۱/۲۷۰،ط: مرکز الشیخ)۔

۳۔"المعاومة فهی بيع تمر النخل أو الشجر سنتين فصاعداً"(حاشیہ الترمذی ۲۴۵/۱،ط: مکتبہ بلال)۔

۲- اگر پھل درخت پر تیار ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت: بیع بشرط القطع:

یعنی پھل کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ پھل توڑ کر لے جاؤ، اور پھل فی الحال توڑ کر کے لے جانا بیع کے اندر شرط ہو، تو بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ وہ پھل قابل انتفاع ہو، اگر قابل انتفاع نہ ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے، بعض حضرات اس صورت کے ناجائز ہونے پر اجماع نقل کرتے ہیں۔

☆ ناظم اعلی دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ۔

دوسری صورت: بیع بشرط الترک:

یعنی بائع اور مشتری بیع کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر شرط لگائیں کہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا، پکنے کے بعد مشتری پھل کاٹ کر کے لے جائے گا، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

تیسری صورت: مطلق عن الترک والقطع:

یعنی بیع تو ابھی مکمل کرلیں، ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہیں لگائی، ایسی بیع کو مطلق عن القطع والترک کہتے ہیں۔

اس صورت میں جواز وعدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

الدلیل علی ماقلنا:

۱۔"**ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا جاز البيع وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع ، وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع**"(الهدایہ ۳/۲۷)۔

۲۔"**ومن اشترى قصيلاً أو ثمراً قبل بدو الصلاح على القطع فالبيع باطل**"(الکافی فی فقہ اہل مدینۃ: المالکی ر ۴۰۴)۔

۳۔"**فإن شرط أحد أن يتركه إلى أن يبلغ فلا خير فى الشراء**"(کتاب الام ۴/۱۴)۔

۴۔"**لا يخلو بيع الثمرة قبل بدو صلاحها من ثلاثة أقسام: أحدها أن يشتريها بشرط التبقية فلا يصح فيه البيع إجماعاً، القسم الثانى: أن يبيعها بشرط القطع فى الحال يصح بالإجماع، الثالث: أن يبيعها مطلقاً، ولم يشترط قطعاً ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالك والشافعى وأجازه أبو حنيفة**" (المغنی لابن قدامہ ۵/۸۶ ۴، الموسوعۃ الفقہیہ ۱۱/۱۵)۔

۳۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا ہلاکت سے مامون ہوجانا ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک پھلوں کی پختگی اور مٹھاس ظاہر ہونا، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پھلوں کا ضائع ہونے اور نقصان ہونے سے مامون ہونا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک وہ اگر کھجور ہو تو اس میں زرد اور سرخ رنگ ظاہر ہونا ہے، اور اگر اس کے علاوہ دوسری قسم کے پھل ہوں تو ان میں ایسا رنگ ظاہر ہوجائے جس سے سمجھ میں آئے کہ یہ پھل اچھا ہوگیا ہے۔

تعیین بدو الصلاح لدی أرباب المذاہب:

۱۔''الحنفية: بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة''(الدر المختار مع الشامی ۴/۵۵۵ کراچی)۔

۲۔''المالكية: بدو الصلاح أن تزهو بصفرة أو حمرة إن كانت نخلاً، وأما التين والعنب والزيتون والخوخ والتفاح وما أشبه ذلك فإن بدا طيب أوله وتلون منه ما لونه علامة طيبة''(الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی/۴۰۴)۔

۳۔''الشافعية: وعند الشافعي هو ظهور النضج وبدو الحلاوة''(الدر المختار مع الشامی ۴/۵۵۵ کراچی)۔

۴۔''الحنابلة: أن تؤمن تلف الثمرة وحدوث العاهة عليها''(المغنی لابن قدامہ ۵/۴۸۶)۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف:

ایسی صورت میں یعنی بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں:

۱۔البیع بشرط القطع: پھل کی بیع ہوجانے کے بعد فی الحال توڑے جانے کی شرط بیع کے اندر ہو، اگر وہ پھل قابل انتفاع ہو تو بالاتفاق بیع جائز ہے، اگر قابل انتفاع نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

۲۔البیع بشرط الترک: یعنی عقد بیع کے اندر پھل درخت پر چھوڑ دینے کی شرط ہو تو اس صورت میں بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

۳۔مطلق عن الترک والقطع: بیع مکمل ہوجائے لیکن چھوڑنے یا کاٹنے کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے۔

۱۔من اشترى فصيلاً على القطع قبل بدو الصلاح فتركها بالبيع باطل (الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی/۴۰۴)۔

۲۔ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا جاز البيع وعلى المشترى قطعها فى الحال تفريغاً لملك البائع(ہدایہ ۳/۲۷)۔

۳۔فإن اشترط أحد على أن يتركها إلى أن يبلغ فلا خير فى الشراء(کتاب الام ۴/۱۴)۔

۴۔"وإذا اشترى الثمرة دون الأصل، ولم يبد صلاحها على الترك إلى الجزاز لم يجز وإن اشتراها على القطع جاز"(المغنی لابن قدامہ ۵/۴۸۶)۔

۴-درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کو ایک سال یا چند سال کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے متعلق صریح صحیح

روایات موجود ہیں، حدیث پاک میں ایسی بیع کو بیع معاومہ کہا گیا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

۱۔"عن جابر بن عبداللہؓ قال: نهى رسول اللهﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة قال أحدهما: بيع السنين وهى المعاومة" (رواہ الامام مسلم فی کتابہ ۲/۱۱، رقم: ۱۵۳۶، کذا ابوداؤد ۲/۴۷۹، رقم: ۳۳۷۵، ترمذی ۲/۲۴۵، رقم: ۱۳۱۳)۔

۵-اگر درخت پر کچھ پھل نکل آئے اور کچھ نہیں نکلے تو اس صورت میں امام مالک کے نزدیک بیع جائز ہے اور حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

البتہ لیث بن سعد اور ابن حزم کے نزدیک باغ میں اگر مختلف قسم کے درخت ہوں اور ان میں سے کچھ درخت پر پھل تیار ہوں تو پورے باغ کو فروخت کرنا جائز ہے۔

۱۔"إذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلك لم يصح البيع عند أبي حنيفة والشافعي وأحمد وقال مالك يجوز" (فتح القدیر ۵/۴۹۰)۔

۲۔"فبيع ثمار الحائط الجامع لأصناف الشجرة صفقة واحدة بعد ظهور الطيب فى شئ منه جائز وهو قول ليث بن سعد لأنه بيع ثمار قد بدا صلاحها ولم يقل رسول اللهﷺ إن ذلك لا يجوز إلا فى صنف واحد" (البحر الرائق ۵/۳۰۱، ط: سعید، فتح القدیر ۵/۴۹۰، الشامی مع الدر المختار ۴/۵۵۰ طبع: کراچی)۔

۶-اگر درخت پر پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہ ہو تو ایسے پھل کو اگر اس شرط پر خریدا جائے کہ خریدار فوراً توڑلے گا تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، اور اگر چھوڑنے کی شرط لگائی تو اس صورت میں بالاتفاق ناجائز ہے؛ البتہ اگر بائع کی اجازت سے خریدنے کے بعد چھوڑ کر رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اگر کسی قسم کی شرط نہ ہو تو یہ صورت حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔

۱۔"الصورة الثالثة أن يكون على حالة بحيث لا ينتفع أصلاً والبيع فى هذه الصورة مختلف فى صحته والصحيح أنه يجوز لأنه مال وإن لم يمكن الانتفاع به فى الحال ولكن يمكن الانتفاع به بعد حين (هذا عند الحنفية)" (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴، کذا فی فتح القدیر ۵/۴۹۰، التاتارخانیہ ۸/۳۱۶)۔

۷: اگر پھل کی فروخت بدوصلاح کے بعد ہو تو اس صورت میں بیع جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ البتہ اگر بدوصلاح سے پہلے ہو اور وہ پھل قابل انتفاع ہو تو اس صورت میں بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر قابل انتفاع نہ ہو تو اس صورت میں

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

"القسم الثانی أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالإجماع لأن المنع إنما کان خوفاً من تلف الثمرة وحدوث العاهة علیها"(المغنی لابن قدامہ ۴۸۶/۵،الموسوعۃ الفقہیہ ۱۵/۱۱)۔

۸-اگر بائع ومشتری کے درمیان یہ طے پائے کہ پھل تیار ہونے تک درخت پر رہے گا اور عقد بیع کے اندر چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں بیع جائز ہے۔

ا۔"ولو اشتری الثمرة التی لم یتناه عظمها ولم یشترط الترک فإن کان بإذن البائع طاب له الفضل"(فتح القدیر ۴۹۰/۵،الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲۳۴/۲)۔

۹-صورت مسئولہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیع جائز ہے۔

"القسم الثالث أن یبیعها مطلقاً ولم یشترط قطعاً ولا تبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی وأحمد وأجازه أبو حنیفة لأن إطلاق العقد یقتضی القطع" (المغنی لابن قدامہ ۴۸۶/۵،البحر الرائق ۳۰۱/۵)۔

۱۰-اگر مشتری نے پھلوں کو مطلقاً خریدا یعنی چھوڑنے کی شرط نہیں لگائی لیکن پھل کو پکنے کے لئے درخت پر چھوڑ دیا اور تیار ہونے کے بعد مشتری نے اس کو توڑا تو مشتری کے لئے یہ جائز ہے لیکن اجارہ باطل ہے؛لہذا بائع کرایہ کا حقدار نہیں ہوگا۔

"ولو باع ما لم یتناه عظمه مطلقاً عن الشرط ثم ترکه فإما بإذن البائع إذناً مجرداً أو بإذن فیه بأن استأجر الأشجار إلی وقت الإدراک أو بلا إذن ففی الصورتین الأولیین یطیب له الفضل...... وأما فی الإجارة فلأنها إجارة باطلة لعدم التعارف فی إجارة الأشجار والحاجة .... فبقی الإذن معتبراً" (فتح القدیر ۴۹۰/۵ ہکذا فی الہدایہ ۲۷/۳)۔

۱۱-حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق پھل کی بیع پھول آنے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

"ولا خلاف فی عدم جواز بیع الثمار قبل أن تظهر وفی عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط الترک"(فتح القدیر ۴۹۱/۵،ہکذا فی البحر الرائق ۳۰۳/۵)۔

پھل دار درختوں کو چند سال پہلے خریدنے کے جواز کا حیلہ:

اگر باغ کے درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں بلکہ صرف پھول لگے ہوئے ہوں تو ایسے باغ کے پھلوں کی خرید

وفروخت ایک سال یا چند سالوں کے لئے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ متعدد شرعی خرابیوں کی وجہ سے یہ بیع باطل ہے، اور بیع باطل ناجائز ہوتی ہے؛ البتہ اس کی جائز متبادل دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

پہلی صورت: جس شخص کو باغ ٹھیکہ پر دینا مقصود ہو تو باغ کا مالک اس ٹھیکیدار کو پہلے اپنا باغ مساقات (بٹائی) پر اس شرط پر دے کہ ٹھیکیدار خود اپنے ملازمین اور مددگاروں کے ذریعہ درختوں کی دیکھ بھال کرے گا اور باہمی رضامندی سے حصہ داری کی کوئی نسبت طے کرلی جائے مثلاً دس فیصد حصے ٹھیکیدار کے ہوں اور باقی نوے فیصد حصے مالک کے، یا ایک فیصد حصہ مالک کا ہو اور ننانوے فیصد حصہ ٹھیکیدار کے، یا کوئی بھی نسبت باہمی رضامندی سے طے کرلیں حتی کہ ایک فی ہزار کی نسبت بھی طے کی جاسکتی ہے کہ ایک ہزار حصوں میں سے ایک حصہ مالک کا ہوگا اور نوسوننانوے حصے ٹھیکیدار کے ہوں گے، جب ٹھیکیدار سے یہ معاملہ طے پاجائے تو اس کے بعد علاحدہ مستقل معاملے کے طور پر باغ کی زمین اسی ٹھیکدار کو کرایہ پر دیدے، کرایہ باہمی رضامندی سے کچھ بھی طے کیا جاسکتا ہے جس کی ادائیگی فوری یا تاخیر کے ساتھ دونوں طرح سے طے کی جاسکتی ہے، اور اگر چاہے تو کرایہ اتنا مقرر کرلے جتنا عام طور پر ٹھیکہ پر دیتے وقت مقرر کیا جاتا ہے، آخر میں جب درختوں سے پھل تیار ہوجائے تو مالک باغ کو اختیار ہے کہ پھلوں میں اپنا طے شدہ حصہ وصول کرے یا اپنا حصہ ٹھیکدار کو بخش دے یا فروخت کردے۔

تاہم یہ بات واضح رہے کہ اس صورت میں دونوں معاملے مستقل طور پر علاحدہ علاحدہ کرنا ضروری ہے، پہلے مساقات کا معاملہ پھر زمین کے کرایہ کا معاملہ یعنی ایک معاملہ دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو۔

دوسری صورت: جس وقت پھل درختوں پر ظاہر نہ ہوئے ہوں بلکہ محض پھول ہوں تو اس وقت بیع نہ کی جائے؛ بلکہ وعدہ بیع کیا جائے مثلاً بائع (فروخت کنندہ) مشتری (خریدار) کو کہے کہ جب پھل قابل بیع ہوجائیں گے تو میں اتنی رقم کے عوض یہ پھل آپ کو بیچ دوں گا اور اس صورت میں بائع یہ دیکھنے کے لئے کہ خریدار اپنے وعدہ میں سنجیدہ ہے یا نہیں کچھ رقم وعدہ کے وقت لے سکتا ہے، پھر جب پھل قابل بیع ہوجائے تو خریدار باقاعدہ بیع کے ذریعہ ان پھلوں کو خریدے اور اس وقت باہمی رضامندی سے سابقہ قیمت پر بیع ہوسکتی ہے اور نئی قیمت پر بھی ہوسکتی ہے؛ البتہ وعدہ کے وقت لی گئی قیمت اصل قیمت سے منہا کیا جائے گا۔

”المساقاة هي دفع الشجر إلى من يصلحه بجزء معلوم من ثمره إلى الشجر وهي المساقاة كالمزارعة حكما حيث يفتي على صحتها وخلافاً حيث تبطل عند الإمام وتصح عندهما كالمزارعة وبه قالت الائمة الثلاثة“ اھ (مجمع الانہر مع ملتقی الابحر ۲/ ۵۰۴)۔

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عبدالحی مفتاحی☆

بیع معاومہ کا مصداق:

''معاومہ'' عام بمعنی سال سے ماخوذ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مخصوص درخت کے پھل کو ایک سال یا اس سے زائد سالوں تک کے لیے فروخت کر دیا جائے۔ "**المراد منه (أي المعاومة) بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فأكثر**" (تکملہ فتح الملہم: ۱/ ۱/۳۳۱، فقہ البیوع: ۱/ ۳۲۷)۔

بدوّ صلاح کی مراد:

پھل مختلف قسم کے ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے بدوّ صلاح بھی مختلف ہوتا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں ''بدوّ صلاح'' سے مراد یہ ہے کہ پھلوں پر اتنی مدت گزر جائے کہ وہ آندھی وغیرہ آفات سے محفوظ ہو جائیں: "**أن تؤمن العاهة والفساد**" اگر چہ ابھی پکنا شروع نہ ہوا ہو۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ''بدوّ صلاح'' اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ وہ پکنے لگے اور اس کے اندر مٹھاس پیدا ہو گئی ہو۔ "**هو ظهور النضج وبدو الحلاوة**" (ردالمحتار: ۷/ ۸۵ زکریا دیوبند)۔

حدیث میں ''بدوّ صلاح'' کے لیے مختلف علامتیں ذکر کی گئی ہیں، شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے بڑی خوش اسلوبی سے مختلف پھلوں میں الگ الگ علامتیں ذکر کی ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) رنگ کی تبدیلی، جیسے: بیر وغیرہ، (۲) مزہ، جیسے: گنے میں شیرینی اور لیموں میں ترشی، (۳) پکنا اور نرم ہو جانا، جیسے: گیہوں، (۴) سخت ہو جانا، جیسے: انجیر، (۵) حجم کا بڑھنا، جیسے: کھیرا، (۶) غلاف کا پھٹ جانا، جیسے: روئی، (۷) کھل جانا، جیسے: گلاب وچنبیلی وغیرہ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۲/ ۲۹۴، تکملہ فتح الملہم: ۱/ ۳۸۴)۔

امام مالکؒ کے قول کے مطابق اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعین لوگوں کے عرف سے ہوتا ہے: "**وليس في ذلك وقت، وذلك أن وقته معروف عند الناس**" (المسوی مع الموطأ، ۲/ ۱۷، قاموس الفقہ، ۲/ ۳۱۲)۔

☆ ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد ضلع مئو (یوپی)۔

پھل کی کیفیت کے اعتبار سے خرید وفروخت کی چند صورتیں:

پہلی صورت: پھل آنے سے پہلے ہی اُسی سال یا آئندہ سالوں کے پھلوں کو بھی فروخت کر دیا جائے، اس کو بیع معاومہ اور بیع سنین کہا جاتا ہے، جو قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے: "**عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه أن النبي ﷺ نهى عن المعاومة**" (مسلم: ۱۵۳۶، ابوداؤد: ۳۳۷۵)۔

وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہے جو ابھی معدوم وناپید ہے اور معدوم کی بیع سے منع کیا گیا ہے: "**عن حكيم بن حزام رضي الله عنه قال: نهاني رسول الله ﷺ أن أبيع ماليس عندي**" (سنن ترمذی: ۱۲۳۵)۔

اس کو بیع سلم بھی قرار نہیں دیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ بیع سلم کے لیے مبیع کی مقدار اور ادائیگی کا وقت متعین ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور یہاں نہ پھل کی مقدار متعین ہے اور نہ یقینی طور پر مدت مقرر ہے کہ کب خریدار کو پھل مل سکے گا۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر اس صورت کی بھی توجیہ اور تاویل شروع کر دی جائے تو پھر "بیع معاومہ" اور "بیع سنین" کی ممانعت کی حدیثیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی؛ اس لیے بیع معاومہ یقیناً ناجائز ہے (قاموس الفقہ: ۳/۴۵)۔

اس کی متبادل شکل یہ ہے کہ باغ کو زمین سمیت متعینہ مدت مثلاً ایک سال یا دو سال کے لیے کرایہ پر دے دیا جائے؛ تاکہ لینے والا زمین اور درختوں سے فائدہ اٹھائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ اصل عقد زمین کی کرایہ داری کا ہے، باغ اس کے تابع ہے (مستفاد از: ایضاح النوادر ۱/۷۵)۔

"**ومن استأجر أرضا على أن يكريها ويزرعها ويسقيها فهو جائز**" (ہدایہ: ۳/۳۰۶، البحر الرائق ۸/۴۳، ط: زکریا، درمختار مع شامی: ۹/۸۲، ط: زکریا)۔

دوسری صورت: کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ پھلوں کا مستقبل میں نکلنا متوقع ہو اور باغ کا مالک دونوں قسم کے پھلوں کو فروخت کرتا ہے، یعنی جو نکل آئے ہیں اُن کو بھی اور جو ابھی معرض وجود میں نہیں آئے ہیں ان کو بھی، تو یہ صورت ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے؛ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے:

"**وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبي حنيفة والشافعي وأحمد، وقال مالک: يجوز**" (رحمۃ الأمۃ: ۱۷۷)۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جو پھل ظاہر ہو چکے ہیں، ان کے تابع کر کے ان پھلوں کی بیع درست ہے جو ابھی ظاہر

نہیں ہوئے ہیں، جیسا کہ بعض پھلوں کا بدوّ صلاح ہوگیا ہو اور بعض کا نہ ہوا ہو، تو سب کی درست ہے۔

"**وقال مالک: یجوز بیع الجمیع؛ لأن ذلک یشق تمییزہ، فجعل مالم یظھر تبعا لما ظھر، کما أن مالم یبد صلاحہ تبع لما بدا**" (فقہ البیوع: ۳۲۹/۱، نقلاً عن المغنی لابن قدامہ ۲۰۷/۴)۔

اسی طرح اگر کچھ پھل قابل استعمال ہوگئے ہوں اور بقیہ پھل ابھی قابل استعمال نہ ہوئے ہوں تو بھی حضرت امام مالک نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں، اگر الگ الگ پھلوں کے ہوں، مثلاً کچھ درخت آم کے ہوں، کچھ درخت امرود کے، تو آم کے کچھ درختوں پر پھل کا آجانا یا پھل کا قابل استعمال ہوجانا، امرود کے پھلوں کی فروختگی کے لیے کافی نہ ہوگا، حالاں کہ ابھی امرود قابل استعمال ہوا ہی نہ تھا، یا نکلا ہی نہ تھا۔

"**وبدوّہ أي الصلاح في بعض من ذلک النوع ولو نخلۃ کان في جواز بیع الجمیع من جنسہ، لامن غیر جنسہ**" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۲۹۸/۲)۔

فقہاء احناف کے یہاں ظاہر روایت تو یہی ہے کہ جو پھل نکل چکے ہیں، صرف ان ہی پھلوں کی بیع درست ہوگی۔

"**لایجوز البیع إلا فیما ظھر، وھو ظاھر مذھب الحنفیۃ**" (فقہ البیوع: ۳۲۷/۱)۔

لیکن عوام الناس میں بڑھتے ہوئے تعامل (کہ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کردیتے ہیں) کے مدنظر بعض فقہاء احناف نے اسے جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ ایک ہی پھل کے مختلف درخت ہوں اور ایک ہی باغ میں مختلف نوعیت کے درخت ہوں تو ایک درخت میں پھل آجانا دوسرے پھلوں کی بیع کے جائز ہونے کے لیے کافی نہ ہوگا۔

علامہ حلوانی کے نزدیک مذکورہ بیع درست ہے، بشرطیکہ اکثر پھل نکل آئے ہوں:

"**وأفتی الحلواني بالجواز لو الخارج أکثر**" (درمختار مع شامی: ۸۵/۷ زکریا)۔

شمس الائمہ نے امام فضلی سے نقل کیا ہے کہ وہ اکثر پھل کے نکلنے کی قید نہیں لگاتے؛ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جو پھل نکل آئے ہیں، ان کو اصل سمجھا جائے گا، اگرچہ وہ تھوڑے ہوں، اور بعد میں نکلنے والے اس پھل کے تابع ہوکر بیع میں شامل رہیں گے۔

"**ولم یقیدہ عنہ بکون الموجود وقت العقد یکون أکثر، بل قال عنہ اجعل الموجود أصلاً في العقد وما یحدث بعد ذلک تبعًا**" (البحر الرائق: ۳۰۱/۵)۔

مذکورہ بیع کے جواز پر حافظ ابن ہمام نے امام محمدؒ کے اس فتوی سے بھی استدلال کیا ہے، جو انھوں نے گلاب کی خرید وفروخت کے سلسلے میں دیا ہے؛ حالاں کہ گلاب کے پھول یک بارگی نہیں نکلتے اور کھلتے، بلکہ یکے بعد دیگرے نکلتے ہیں، اس کے باوجود حضرت امام محمد نے اس کو جائز کہا ہے:

”وقد رأيت في هذا رواية عن محمد، وهو في بيع الورد على الأشجار؛ فإن الورد متلاحق، ثم جوّز البيع في الكل بهذا الطريق“(فتح القدیر:۵/۴۹۲)۔

امام سرخسی نے تو ظاہر روایت پر ہی فتویٰ دیا ہے:”وذكر السرخسي الجواز عن شيخه الإمام الحلواني والإمام الفضلي ولكن صحح ما في ظاهر المذهب من عدم الجواز إلا في الموجود؛ لأن المصير إلى هذه الطريقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة ههنا“ (فقہ البیوع:۳۲۸ نقلا عن المبسوط للسرخسی:۱۲/۱۹۶)۔

لیکن متأخرین نے عام تعامل اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ مسئلے میں امام فضلی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا ہے؛ کیوں کہ جہالت کے غلبہ کی وجہ سے عام لوگوں کو اس سے باز رکھنا بھی دشوار ہے اور باغات کی خرید وفروخت کی جو جائز صورتیں ہیں، عوام الناس سے ان پر عمل کرنے کا مطالبہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:”لكن لايخفى تحقق الضرورة في زماننا، ولاسيما في مثل دمشق الشام، كثير الأشجار والثمار؛ فإنه لغلبة جهل الناس لايمكن إلزامهم بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن ذلک بالنسبة إلى بعض أفراد الناس، لايمكن بالنسبة إلى عامتهم، وفي نزعهم عن عادتهم حرج . . . . ولايخفى أن هذا مسوّغ للعدول عن ظاهر الرواية“(ردالمحتار:۷/۸۶ زکریا)۔

تیسری صورت: پھل نکل آیا ہو، لیکن قابل استعمال نہ ہوا ہو، ایسا پھل اگر اس شرط پر فروخت کیا جائے کہ خریدار اسے فوراً توڑے گا، تو یہ صورت باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں بیماری وآفت سے تلف کا اندیشہ نہیں ہے اور ممانعت تلف کے اندیشہ کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ جب بشرط القطع خریدا ہے تو معلوم ہوا کہ پھل مقصود نہیں ہے اور جو مقصود ہے وہ فی الحال موجود ہے۔ علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں:

”أن يبيعها بشرط القطع في الحال، فيصح بالإجماع؛ لأن المنع إنما كان خوفا من تلف الثمرة، وحدوث العاهة عليها قبل أخذها“(المغنی:۴/۲۷، تکملۃ فتح الملہم:۱/۳۸۶، فقہ البیوع:۱/۳۲۹، نعمۃ المنعم:۵۵)۔

تاہم اگر خریدار بائع کی اجازت سے ان پھلوں کو تیار ہونے تک درخت پر رکھتا ہے اور آفت وبیماری سے پھل تلف ہو گیا تو بیع کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ اس لیے کہ عقد کی وجہ سے مبیع کی تسلیم جس طرح واجب تھی، آفت اور بیماری اس کے لیے مانع نہیں ہوتی (نعمت المنعم)۔

علامہ سمرقندی کہتے ہیں:”إن كان ذلک بإذن البائع طاب له الفضل“(جدید فقہی مسائل ۴/۲۳۱ بحوالہ: تحفۃ الفقہاء:۵۶)۔

اور اگر بیع بشرط التبقیہ منعقد ہوئی یعنی عقد کے وقت یہ طے پایا کہ پکنے تک پھل درخت پر باقی رہیں گے تو یہ باتفاق ائمہ اربعہ باطل ہے:

"أن يشترط المشتري ترک الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، هذه الصورة باطلة بالإجماع، ولايصح البيع فيها عند أحد" (تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۸۶)، "وإن شرط تركها على النخيل فسد البيع"(ہدایہ ۳/۱۰)۔

مذکورہ صورت کے جواز کے لیے فقہاء نے دو حیلے بتائے ہیں:

اول یہ کہ درخت بٹائی پر لے لے، جس کو" مساقات" یا" معاملت" کہا جاتا ہے اور معمولی تناسب مثلاً ہزارواں حصہ مالک باغ کے لیے مقرر کردے:

"والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزءاً من ألف جزء"(درمختار مع الشامی ۷/۸۸)۔

دوسرا حیلہ یہ ہے کہ بائع از خود مشتری کو پھل پکنے تک درخت پر باقی رکھنے کی اجازت دیدے؛ لیکن اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ بائع اپنی بات سے رجوع کرے تو پھر مشتری اپنے پھلوں کا تحفظ کیسے کرے گا؟ تو اس کا حل یہ پیش کیا گیا ہے کہ مشتری، بائع سے اس طرح اجازت حاصل کرے کہ میں پھل کو فلاں مدت تک رکھنے کی اجازت دیتا ہوں، اگر میں کبھی اس سے رجوع کروں تو تمہیں پھل کو باقی رکھنے کا حق ہوگا (قاموس الفقہ ۳/۴۶، بحوالہ سابق)۔

اور اگر بیع بشرط الاطلاق منعقد ہوئی یعنی بیع کے وقت یہ طے نہیں ہوا کہ پھل ابھی توڑے جائیں گے یا بعد میں، اس طرح کی بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باطل ہے؛ مگر حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولاتبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعي وأجازه أبو حنيفة"(المغنی: ۴/۷۲)۔

اگرچہ عندالاحناف مذکورہ صورت جائز ہے؛ لیکن مشتری کے لیے ضروری ہے کہ پھلوں کو فوراً توڑ لے اور بائع کو اختیار ہے کہ مشتری کو مجبور کرے فی الحال پھلوں کو توڑنے کے سلسلے میں۔

"وعلى المشتري قطعها في الحال إذا باع مطلقا أوبشرط القطع"(فتاوی ہندیہ: ۳/۱۰۹، تکملۃ فتح الملہم: ۱/۳۸۶، نعمۃ المنعم: ۵۶)۔

لیکن اگر بائع زبان سے یہ کہہ دے کہ میں آپ کو پھلوں کے پکنے تک کے لیے درختوں پر چھوڑ دینے کی اجازت دیتا ہوں تو اب مشتری کے لیے فوراً توڑنا واجب نہیں ہوگا (مستفاد از: ایضاح النوادر ۱/۷۵)۔

"ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل"(ہدایہ: ۳/۲۷)۔

لیکن ابن ہمام نے امام محمد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر پھل مکمل تیار ہو چکے ہوں تو تعامل کی وجہ سے ان کو درخت پر باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا درست ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پھل مکمل تیار نہ ہوں اور تیار ہونے تک درخت پر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ بیع تعامل کی وجہ سے درست ہونی چاہیے(مستفاد از: فقہ البیوع ۱/۳۳۱)۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے، اگر خرید وفروخت کی اس صورت کو جائز قرار نہ دیا جائے تو بازار میں حلال پھلوں کا دستیاب ہونا متعذر ہو جائے گا اور عرف اور تعامل کی وجہ سے فقہاء نے مفتیٰ بہ قول اور ظاہر روایت سے عدول کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

"وما ضاق الأمر اتسع، ولايخفى أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الرواية"(شامی:۷/۸۶)۔

اعتراض: اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ عرف کی بنا پر درخت پر لگے رہنے کی شرط کے ساتھ پھل کی بیع کو جائز قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں بدوّ صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے ممانعت والی حدیث کا کوئی محمل باقی نہیں رہے گا؟

جواب: ایک جواب تو یہ ہے کہ حدیث میں بدوّ صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع سے جو منع کیا گیا ہے، اس کی علت مفضی الی النزاع ہونا ہے اور تعامل اور عرف کی وجہ سے نزاع کا احتمال ختم ہو گیا؛ اس لیے بیع درست ہونی چاہیے۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہ نہی تحریم پر محمول نہیں ہے؛ بلکہ تنزیہ، ارشاد اور مشورہ پر محمول ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے:

"كان الناس في عهد رسول الله ﷺ يبتاعون الثمار، فإذا جدّ الناس وحضر تقاضيهم قال المبتاع: إنه أصاب الثمر دمان، أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات يحتجون بها، فقال رسول الله ﷺ لما كثرت عنده الخصومة في ذلك: فإما لا، فلاتتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر، كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم"(بخاری:۲۱۹۳،مستفاد از: فقہ البیوع:۱/۳۳۲)۔

خلاصہ:

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پھل بالکل بھی نہ نکلا ہو تو اس کی بیع جائز نہیں؛ البتہ اگر زمین کو کرایہ پر دے دیا جائے تو ایسی صورت میں درست ہے۔اور اگر کچھ نکل آیا ہو اور کچھ نہ نکلا ہو، یا سبھی پھل نکل گئے ہوں، لیکن قابل انتفاع نہ ہوں تو تعامل اور عرف کی وجہ سے اس کی بیع درست ہونی چاہیے۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی☆

۱- درخت پر پھل آنے سے پہلے اسے فروخت کرنا بیع باطل ہے:

درخت پر پھل آنے سے سال دو سال پہلے یا اس سے بھی پہلے آنے والے پھل کو ابھی فروخت کرنا بیع باطل ہے، البتہ باغ کی تعیین کے بغیر پھل کے سلسلہ میں عقد سلم کرنا عقد سلم کی شرائط کے ساتھ صحیح ہے، حدیث میں ہے: جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کو پھل آنے سے سال دو سال پہلے اسے فروخت کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو پیشگی پھل فروخت کرنا چاہے وہ کیل معلوم، وزن معلوم اور اجل معلوم کے ساتھ پھل فروخت کرے''، مسلم شریف کی روایت ہے: ''**عن ابن عباس قال: قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال: من سلف فی تمر (وفی نسخة أخری ثمر) فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم**'' (مسلم شریف، باب السلم ۳۱/۲)۔

عقد سلم میں وقت مقررہ پر خاص مقدار میں مبیع مشتری کے حوالہ کرنا بائع پر لازم ہے، بیع سنین میں مبیع کی حوالگی بائع پر لازم نہیں ہے، مشتری کی قسمت سے پھل آ گیا اور پکنے تک باقی رہ گیا تو مشتری کو ثمن کے بدلے پھل حاصل ہو گیا، اور اگر پھل نہیں آیا یا پھل پکنے تک باقی نہیں رہا تو مشتری کا ثمن بغیر کسی عوض کے بائع کو حاصل ہو گیا اور مشتری خالی ہاتھ رہ گیا، یہ صورت بیع کی روح اور اس کی حقیقت کے خلاف ہے، اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمادیا، چنانچہ مسلم شریف ہی میں ایک دوسری روایت ہے جس کو ابو الزبیر اور سعید بن میناء حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کرتے ہیں: ''**نهی رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة قال أحدهما: بیع السنین هی المعاومة وعن الثُنیا** (استثناء مجہول) **ورخّص فی العَرایا**'' (مسلم شریف، باب النہی عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة وعن بیع الثمر قبل بدو صلاحها وبیع المعاومة)۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''**واما المنهی عن بیع المعاومة وهو بیع السنین وهو**

☆ خادم جامعہ اسلامیہ دار العلوم ملیا ضلع کھگڑیا، بہار۔

باطل بالاجماع، نقل الاجماع فیه ابن المنذر وغیره لهذه الاحادیث ولأنه بیع غرر لأنه بیع معدوم ومجهول وغیر مقدور علی تسلیمه وغیر مملوک للعاقد واللہ اعلم"(مسلم شریف ۱۰/۲)۔

پس پھل آنے سے پہلے اس کی خرید وفروخت کا عدم جواز ایک منصوص مسئلہ ہے، لہذا کھینچ تان کر اس کے جواز کی صورت پیدا کرنا صحیح نہیں ہے، مثلاً عقد سلم کی شرائط کا لحاظ کئے بغیر عقد سلم کے ساتھ لاحق کر کے درختوں پر آنے والے پھل کی بیع کو جائز کہنا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر پھل نہیں آیا یا آکر ختم ہوگیا تو مشتری کو ثمن کے بدلے کیا ملا؟

عقد سلم کی شرائط کے ساتھ معدوم پھلوں کی بیع جائز ہے:

ہاں عقد سلم کی شرائط کے ساتھ مستقبل میں پائے جانے والے پھلوں کی خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے اور باغ کی کچھ تعیین نہ کی جائے تو درست ہے۔

درخت پر پھل آنے سے پہلے پھل کو خریدنے کے لئے باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کا حیلہ، یا پھر یہ حیلہ اختیار کیا جائے کہ پھلوں کے ایسے باغ کی زمین کو سال دو سال یا اس سے زائد کے لئے کرایہ پر لے لیا جائے اور باغ کا مالک مشتری سے کہہ دے کہ خالی جگہوں میں تم جو چاہو سبزی، ترکاری وغیرہ کے پودے یا گھاس لگالو یا کچھ بھی نہ لگاؤ لیکن باغ کی پوری زمین سے جو کچھ پھل سبزی، ترکاری وغیرہ حاصل ہو وہ تمہاری ملکیت ہے اور مشتری اس معاملہ کو قبول کرے تو یہ صورت جائز ہے خواہ مشتری کو درختوں سے پھل حاصل ہو یا نہ ہو، یہ صورت جائز اس لئے ہے کہ اس شکل میں معاملہ خاص پھلوں کا نہیں ہوا بلکہ زمین کے کرایہ کا معاملہ ہوا اور زمین قابل انتفاع ہے، پس مشتری زمین سے انتفاع کی کوشش کرے یا نہ کرے بہرصورت زمین کا کرایہ اس پر لازم ہوگا اور چونکہ یہ پھل کی بیع اور زمین کے کرایہ کا معاملہ ساتھ ساتھ نہیں ہے اس لئے اس کو صفقة فی صفقة بھی نہیں کہہ سکتے۔

اجارہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جو چیز اجارہ پر لی جائے وہ چیز مستاجر کے لئے قابل انتفاع ہو خواہ مستاجر اس سے نفع حاصل کرے یا نہ کرے، چنانچہ "فتاوی ہندیہ" میں ہے: "**ومنها أن یکون مقدور الاستیفاء حقیقة أو شرعا فلا یجوز استئجار الآبق ولا الاستیجار علی المعاصی لأنه استیجار علی منفعة غیر مقدور الاستیفاء شرعا**"(ہندیہ ۴۱۱/۴)، "**ولو استأجر أرضا فیها زرع أو کرم یمنع الزراعة فهی فاسدة فان قلع وسلّمها إلی المستأجر جاز، لأنه زال المانع......وفی فتاوی الفضلی فیمن استأجر ضیاعا بعضها مزروعة وبعضها فارغة قال: یجوز فی الفارغة دون المشغولة**"(فتاوی ہندیہ، الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر مشغولا ۴۴۶/۴-۴۴۷)۔

آم، امرود وغیرہ کے باغ میں درخت کچھ کچھ فاصلے سے لگائے جاتے ہیں اور خالی جگہوں میں سبزی، ترکاری اور

گھاس وغیرہ لگا کر خالی جگہوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، لہذا باغ کی خالی جگہوں کو اجارہ پر دے کر باغ کا مالک متعینہ مدت کے لئے باغ کی پوری آمدنی سے مستاجر کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں اگر کھیتی کی زمین ہے جس کے پورے حصے میں فصل لگی ہوئی ہے تو ایسی زمین کو کرایہ پر لینا دینا جائز نہیں ہوگا لیکن اس صورت میں بھی اگر کوئی لگی کھیتی کو خریدنا چاہے اور اگر کھیتی کو پکنے تک زمین پر چھوڑنا چاہے تو اس کے لئے فتاوی ہندیہ ۴؍۴۴۷ میں یہ حیلہ تحریر کیا گیا ہے، کہ پہلے کھیتی کو قطع کی شرط کے ساتھ یا اطلاق کے ساتھ ثمن کے کچھ حصے سے خرید لے یہاں تک کہ خریداری صحیح ہوجائے پھر زمین کو ایک خاص مدت کے لئے باقی ثمن سے اجارہ پر لے لے، یہ صورت جائز اس لئے ہے کہ فصل کو پہلے خرید لینے کے بعد اب مستاجر اس زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ اپنی فصل کو پکنے تک اس زمین میں چھوڑ سکتا ہے۔

باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کا یہ حیلہ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ نے بھی فتاوی اوندرویہ جلد اول کے ؍ص ۱۹۹ اور ص ۲۰۶ تا ص ۲۰۹ میں تحریر فرمایا ہے، ص ۱۹۹ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ ”**ھکذا حققه العلامة التھانویؒ فی فتاواہ**“ لیکن امداد الفتاوی میں یہ حیلہ مجھے نہیں ملا؛ تاہم یہ حیلہ اپنی جگہ صحیح ودرست ہے۔

۲- پھلوں کو پھول پر یا دانہ نکل آنے کے بعد یا کچھ بڑا ہوجانے کے بعد خریدنے کی صورت میں بھی زمین کو کرایہ پر لینے کا حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے اور امت کو ناجائز پھلوں کی ضیق سے نکالا جاسکتا ہے اور مسئلہ کی اضافی بحثوں سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

۳- باغ کی زمین کا اجارہ کئے بغیر درخت پر لگے پھل کی خرید وفروخت کا حکم حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اور بدوصلاح کا معنی پھل نکل آنے کے بعد زمین کو اجارہ پر لئے بغیر پھل کی خرید وفروخت کا معاملہ کرلیا جائے تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ بدوصلاح سے پہلے درخت پر لگے پھل کی خرید وفروخت فی الفور کاٹنے کی شرط کے ساتھ تو جائز ہے لیکن باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ کوئی شرط ذکر کئے بغیر اطلاق کے ساتھ خریدنا جائز نہیں ہے، باطل ہے، اور بدوصلاح کے بعد درخت پر لگے پھل کی بیع ہر صورت میں جائز ہے، کاٹنے کی شرط کے ساتھ، باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ اور مطلقا بھی، اور بدوصلاح کا مطلب ان حضرات ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پھل کے اندر پکنے کے آثار ظاہر ہوجائیں یا پھل استعمال میں لانے کے قریب تر ہوجائے، ”**لایخلو بیع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة أقسام: أحدها أن یشتریها بشرط التبقیة فلا یصح البیع اجماعا......القسم الثانی أن یبیعها بشرط القطع فی الحال فیصح بالاجماع......القسم الثالث أن یبیعها مطلقا ولم یشترط قطعا ولا تبقیة فالبیع باطل وبه قال مالک والشافعی وأجازه أبوحنیفة فان کانت ثمرة نخل فبدوصلاحها أن تظهر فیها الحمرة أو الصفرة وإن کانت ثمرة کرم فصلاحها أن تتموه وصلاح ما سوی النخل والکرم أن یبدو فیه النضج...... وما قلنا فی هذا الفصل فھو قول مالک والشافعی وکثیر من اھل العلم او مقارب له**“ (ہکذا فی شرح المہذب ۱۱؍۸۳-۸۵،

۱۱/۱۰۴، المغنی ۶/۱۵۸-۱۵۹)۔

ہمارے ملک ہندوستان کے اندراب تو بیع سنین کا رواج ہوگیا ہے یعنی پھل آنے سے سال دوسال تین سال پہلے باغ خریدنے کا رواج ہوگیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کے جواز کی شکل تمام ائمہ کرامؒ کے نزدیک سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ باغ کی زمین ایک سال یا اس سے زائد کے لئے اجارہ پر لے لی جائے جیسا کہ جواب نمبر(۱) میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا، اور اگر کسی نے سال دوسال تین سال پہلے نہیں خریدا بلکہ پھل نکل آنے کے بعد بدوصلاح سے پہلے خریدا تو اگر کاٹنے کی شرط کے ساتھ خریدا تو بیع جائز ہے لیکن ظاہر ہے کہ کاٹنے کی شرط کے ساتھ کون خریدتا ہے، باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا مطلقا خریداری ہوتی ہے اور ان دونوں صورتوں کے اندر حضرات ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بیع باطل ہے، جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہو چکا، پس حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح سے پہلے خریداری کی صورت میں بھی جواز کی کارآمد صورت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ زمین کو دو چار ماہ یا اس سے زیادہ کے لئے اجارہ پر لیا جائے، ہاں بدوصلاح کے بعد خرید وفروخت بلا تردد جائز ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا۔

۴- حضرات احناف کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب پکنے کے آثار کا ظاہر ہونا یا استعمال میں لانے کے قریب تر ہونا نہیں ہے؛ بلکہ حضرات احناف کے نزدیک بدوصلاح کا مطلب یہ ہے کہ پھل سڑنے اور جھڑنے کی آفت کے مرحلہ کو پار کر چکا ہو اور اب سڑنا اور جھڑنا بہت کم ہوگیا ہو،"**بدو الصلاح عندنا أن تؤمن العاهة والفساد وعند الشافعي-وكذا عند مالك وأحمد رحمهم الله-هوظهور النضج وبدوالحلاوة**"(ردالمحتار ۷/۸۵ مکتبہ زکریا)۔

حضرات احناف کے یہاں امام محمدؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق بدوصلاح کے بعد جب پھل بڑھنے کے آخری مرحلہ کو پہنچ چکا ہو اور ایسے وقت میں اس کو فروخت کیا گیا ہو تو نہ صرف یہ کہ یہ خرید وفروخت جائز ہے بلکہ پھل کو درخت پر چھوڑے رکھنا بھی جائز ہے،"**وقيل:قائله محمد (لا) يفسد (إذا تناهت) الثمرة للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد (وبه يفتى) بحر عن الإسرار......(قوله وبه يفتى) قال: فى الفتح: ويجوز عند محمد استحسانا وهو قول الائمة الثلاثة واختاره الطحاوى لعموم البلوى (قوله بحر عن الاسرار)عبارة البحر: وفى الاسرار الفتوى على قول محمد وبه أخذ الطحاوى وفى المنتقى ضمّ إليه أبا يوسف وفى التحفة والصحيح قولهما**"(الدر مع الرد ۷/۸۷)۔

حضرت امام محمدؒ کا یہ قول تقریباً وہی ہے جو ائمہ ثلاثہؒ کا قول بدوصلاح اور بدوصلاح کے بعد خرید وفروخت سے متعلق ہے لیکن کیا ہمارے ملک ہندوستان کے اندراب پھلوں کے اتنا بڑھنے کا یا ائمہ ثلاثہ کے بدوصلاح کا انتظار کیا جاتا ہے؛ بلکہ احناف کے بدوصلاح کا بھی انتظار نہیں کیا جاتا ہے، احناف کے بدوصلاح سے بھی پہلے پھلوں کو پھول پر یا دانے پر

خرید لیا جاتا ہے اور یہ صورت بھی اب بہت کم ہے بلکہ اب تو زیادہ تر بیع سنین کا رواج ہے؛ تاہم اگر کسی نے بدو صلاح سے پہلے یا بدو صلاح کے بعد تناہی عظم سے پہلے پھلوں کو درخت پر خریدا اور فی الفور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ خریدا تو یہ بیع جائز ہے، لیکن ظاہر ہے کہ فی الفور توڑ لینے کی شرط کے ساتھ کون خریدتا ہے، چھوڑنے کی شرط کے ساتھ یا اطلاق کے ساتھ خریداری ہوتی ہے، مطلقاً خریداری کی صورت میں فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے کی اجازت اگر بائع کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً ہے تو پھل کا نمو پاک اور طیب ہے اور صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر اجازت نہیں ہے تو پھل کا نمو پاک اور طیب نہیں ہے، نمو کے بقدر صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ خریدا ہے تو یہ بیع فاسد ہے اور اس بیع کو ختم کرنا متعاقدین پر لازم ہے، تاہم اگر متعاقدین نے اس بیع کو ختم نہیں کیا یہاں تک کہ ہاتھ در ہاتھ فروخت ہوتے ہوئے یہ پھل بازار میں آ گیا تو ایسے پھل کی خریداری عام لوگوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ تو بلاشبہ خریداروں کے علاوہ خریدار ثانی، ثالث، رابع وغیرہ کے لئے پھل خرید کر استعمال میں لانا جائز ہے؛ البتہ خریدار اول اور باغ مالک کے لئے حکم تھا کہ اس بیع کو ختم کر دیں، ’’(ومن باع ثمرة بارزة) ......(ظهر صلاحها أولا صحّ)......(ويقطعها المشترى فى الحال)......(وان شرط تركها على الاشجار فسد)البيع (ردالمحتار ۷/ ۸۴)۔

(واذاقبض المشترى المبيع برضا) بإذن بائعه (صريحا أو دلالة) بأن قبضه فى مجلس العقد بحضرته(فى البيع الفاسد)......(ولم ينهه)......(ملكه)......۔

(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض)......(أوبعده مادام) المبيع......(لايشترط فيه قضاء قاضى) لان الواجب شرعا لا يحتاج للقضاء درر(واذاأصرّ) احدهما (على امساكه وعلم به القاضى فله فسخه) جبرا عليها حقا للشرع......۔

(فان باعه) المشترى المشترىٰ فاسداً (بيعا صحيحا باتا)......(لغير بائعه)......(أو وهبه وسلّم......)......(أو وقفه)...... (أو رهنه أو أوصى) اوتصدق (به) نفذ البيع الفاسد فى جمع مامرّ وامتنع الفسخ لتعلّق حق العبد به‘‘(الدر المختار مع ردالمحتار ۷/ ۲۸۷ تا ۲۹۴ مکتبہ زکریا)۔

۵- موجود اور غیر موجود پھلوں کی ایک ساتھ بیع کا حکم:

اگر باغ کے تمام درختوں میں کچھ پھل آ گئے ہیں اور کچھ پھل بعد میں آئیں گے تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مذہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صرف موجود پھلوں کی بیع جائز ہے، غیر موجود پھلوں کی بیع جائز نہیں ہے، اور ساتھ ہی یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر بدوصلاح سے پہلے یہ بیع ہوئی ہے تو فی الفور کاٹنے کی شرط کے ساتھ جائز ہے درخت پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ یا کوئی شرط ذکر کئے بغیر اطلاق کے ساتھ یہ بیع باطل ہے، لیکن اس زمانہ میں پھلوں کا کون سا تاجر بدوصلاح کا انتظار کرتا ہے اس لئے دونوں امامین ہمامین رحمہما اللہ کے نزدیک بھی باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک موجود پھلوں کے ساتھ غیر موجود پھلوں کی بیع بھی تبعاً جائز ہے، تاہم یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اگر بدوصلاح سے پہلے یہ بیع ہوئی ہے تو اس بیع کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، پھل کو توڑتے رہنا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ بدوصلاح سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ ہی بیع جائز ہے، ہاں اگر بدوصلاح کے بعد موجود اور غیر موجود پھلوں کی بیع ہوئی ہے تو غیر موجود کو موجود کا تابع کر کے تمام پھلوں کی بیع جائز ہوگی اور پھلوں کو درخت پر چھوڑنا جائز ہوگا، لیکن یہاں بھی وہی سوال ہے کہ اس زمانہ میں خرید وفروخت کے لئے بدوصلاح کا کون انتظار کرتا ہے، پس امام مالکؒ کے مذہب پر بھی پھلوں کو درخت پر چھوڑے رکھنے اور پھلوں کی حلت کے لئے باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، ”ولا يجوز بيع القثاء والخيار والباذنجان وما أشبهه إلا لقطة لقطة(اى دور امن النضج أثر روى، حاشيه مغنى)وجملة ذلک أنه إذا باع ثمرة شئ من هذه البقول لم يجز إلا بيع الوجود منها دون المعدوم وبهذا قال أبو حنيفة والشافعي وقال مالک يجوز بيع الجميع لأن ذلک يشق تمييزه فجعل ما له يظهر تبعا لما ظهر......إذا تقرر هذا فان باعها قبل بدوصلاحها لم يجز إلا بشرط القطع فإن كان بعد بدوصلاحها جاز مطلقا وبشرط القطع والتبقية على ماذكرنا فى ثمرة الاشجار وقد بينا بما ذا يكون بدو صلاحه“(المغنی ۶/۱۶۰)۔

حضرات احناف کے یہاں بھی امام حلوانی کے فتویٰ اور امام فضلی کی روایت کے مطابق موجود اور غیر موجود تمام پھلوں کی بیع ایک ساتھ جائز ہے لیکن جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا تاہی عظم سے پہلے قطع کی شرط کے ساتھ یا اطلاق کے ساتھ بیع جائز ہے اور ترک کی شرط کے ساتھ بیع فاسد ہے، اور ان تینوں صورتوں کا حکم جواب نمبر (۴) میں لکھا جا چکا ہے۔”(ولو برز بعضها دون بعض لا) يصح(فى ظاهر المذهب) وصححه السرخسى وأفتى الحلوانى بالجواز لوالخارج اكثر زيلعى......(قوله وأفتى الحلوانى بالجواز) وزعم أنه مروى عن أصحابنا وكذا حكى عن الامام الفضلى وقال: أُستحسِن فيه لتعامل الناس، وفى نزع الناس عن عادتهم حرج قال: فى الفتح

وقد رأيت رواية فى نحو هذا عن محمد فى بيع الورد على الاشجار فان الورد متلاحق وجوز البيع فى الكل وهو قول مالكؒ......قوله(لو الخارج اكثر)ذكر فى البحر عن الفتح ان ما نقله شمس الائمة عن الامام الفضلى لم يقيّده عنه بكون الموجود وقت العقد اكثر بل قال عنه أجعل الموجود اصلا وما يحدث بعد ذلك تبعا"(الدر المختار مع رد المحتار ۷/۸۵-۸۶)۔

میری رائے میں موجود اور غیر موجود پھلوں کی بیع کے سلسلہ میں فقہ حنفی کے پیش نظر بھی براہ راست پھلوں کو خریدنے کے بجائے باغ کی زمین کو کرایہ پر لینے کا راستہ اختیار کیا جائے؛ تاکہ پھلوں کی حلت بے کھٹک پوری امت کے لئے ثابت ہو۔

۶-پھلوں کی پرورش کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینے کا حکم:

جہاں تک پھلوں کی پرورش کے لئے درختوں کو کرایہ پر لینے کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ابھی انتظار کیا جائے، جب درختوں کو کرایہ پر لینے کا تعامل اور عام رواج ہوجائے اس وقت جواز کا حکم لگایا جائے۔

"اشترى ثمرة فى النخل ثم استأجر النخل مدة ليبقيها فيها لم يجز لأنها ليست من إجارات الناس"(ہندیہ ۴/۴۴۷)۔

"ومنها أن تكون المنفعة مقصودة يُعتاد استيفاؤها بعقد الاجارة ويجرى بها التعامل بين الناس؛ لانه عقد شُرِعَ بخلاف القياس لحاجة الناس ولا حاجة فيما لا تعامل فيه للناس فلا يجوز استيجار الاشجار لتجفيف الثياب عليها والاستظلال بها؛ لأن هذه منفعة غير مقصودة من الشجر ولو اشترى ثمرة شجرة ثم استأجر الشجرة لتبقية ذلك فيه لم يجز؛ لأنه لايُقصد من الشجر هذا النوع من المنفعة وهو تبقية الثمر عليها فلم تكن منفعة مقصودة عادة"(بدائع الصنائع ۴/۴۶)۔

۷- میں نے ماقبل کے جوابات میں زمین کو اجارہ پر لینے کی صورتوں کا ذکر کیا ہے ان پر غور کیا جائے۔

۸- مفتی رشید احمد صاحبؒ نے باغ کے پھلوں کی خریداری کے جواز میں اسے عقد سلم قرار دے کر جو توسع پیدا کرنا چاہا ہے وہ محل نظر ہے۔

مفتی صاحبؒ کے فتاوی سے ان کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل کے اندر باغ میں جو پھل آئے گا ان پھلوں کو سال دو سال پہلے بھی خریدا جاسکتا ہے اور اس خرید وفروخت کو عقد سلم کا نام دیا جاسکتا ہے، جبکہ عقد سلم کے بیشتر شرائط کا پاس و لحاظ بھی زیادہ ضروری نہیں ہے، اگر مفتی صاحبؒ کا یہی رجحان ہے تو ادب کے ساتھ عرض ہے کہ یہ رجحان صحیح نہیں ہے، یہ تو

بالکل بیع سنین کی صورت ہے جس سے آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو سختی سے منع فرمایا اور حدیث شریف میں آئے الفاظ مبارکہ "**فی کیل معلوم ووزن معلوم إلی أجل معلوم**" کی ایسی توجیہ کرنا کہ پوری حدیث بے اثر ہو کر رہ جائے صحیح نہیں ہے، میرا جواب (۱) بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا رجحان ان کے فتاوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درخت پر رہتے ہوئے ازہار واثمار کی بیع بھی بطور عقد سلم جائز ہے، اور عقد سلم کی بیشتر شرطوں کی رعایت یہاں بھی غیر ضروری ہے اور یہ کہ امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا جائے جس میں مسلم فیہ کا عقد سلم کے وقت موجود ہونا ضروری نہیں، حضرت امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ضروری نہیں ہے لیکن ثمن کی ادائیگی مجلس عقد میں ضروری ہے؛ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک مجلس عقد میں ثمن کی ادائیگی بھی ضروری نہیں ہے، بعد میں بھی ادائیگی ہوسکتی ہے اور اس زمانہ میں باغ کے پھلوں کی خریداری میں ثمن کی ادائیگی اسی توسع کے ساتھ ہوتی ہے تو امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا جائے تو تلفیق لازم نہیں آئے گی، یہ حضرت مفتی رشید صاحبؒ کا نقطہ نظر ہے)، اور ثمن کی ادائیگی میں بھی توسع ہے کہ عقد سلم کے وقت ادا کیا جائے یا دو تین دن بعد ادا کرنے کی شرط کرلی جائے یا یہ کہ ادائیگی کے سلسلہ میں خاموش رہا جائے جب موقع ہوا ادا کردیا جائے۔

میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے اس رجحان کو سامنے رکھ کر، امداد الفتاوی، شامی، مغنی، شرح المہذب، بدایۃ المجتہد، فقہ البیوع، فتاوی عثمانی اور دور جدید کے معاشی مسائل وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور متعلقہ مباحث کو دیکھا، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ازہار واثمار کی بیع کا انعقاد بطور عقد سلم خود فقہ مالکی کے لحاظ سے ہوگا بھی یا نہیں۔

جواب میں میں نے المغنی اور شرح المہذب کے حوالہ سے ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب بیان کیا ہے کہ بدو صلاح سے پہلے درختوں پر لگے پھل کی بیع کاٹنے کی شرط کے ساتھ تو جائز ہے لیکن باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ یا اطلاق کے ساتھ جائز نہیں ہے بلکہ باطل ہے، جب یہ بیع باطل ہے تو پھر یہ بیع عقد سلم کیسے قرار پاسکتی ہے، فقہ مالکی کی کسی کتاب میں بطلان بیع سے عقد سلم کا استثنا بھی نہیں کیا گیا ہے کہ بطور عقد سلم اسے جائز کہا جاسکے۔

پھر یہ کہ کسی امام کا مذہب اختیار کرنے کے لئے اس مذہب کی تمام شرطوں کی رعایت بھی ضروری ہے، تمام مذاہب کی طرح خود مالکی مذہب میں بھی مسلم فیہ کی مقدار اور اس کے اوصاف کا معلوم ہونا ضروری ہے، نیز اگر کوئی شخص متعین باغ کے پھل کے لئے عقد سلم کرنا چاہے تو فقہ مالکی کے لحاظ سے شرائط کی رعایت کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بدو صلاح کے بعد عقد سلم کرے اور دس پندرہ دنوں کے اندر پھل کو کاٹ لے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے بدایۃ المجتہد کی عبارت ملاحظہ ہو: "**وأما شروطه فمنها مجمع عليها ومنها مختلف فيها فأما المجمع عليها فهي ستة منها أن يكون الثمن**

والمثمون مما يجوز فيه النسأ وامتناعه فيما لايجوز فيه النسأ وذلک إما اتفاق المنافع على ما يراه مالکؒ، وإما اتفاق الجنس على ما يراه أبوحنيفة وإما اعتبارالطعم مع الجنس على ما يراه الشافعي فی علة النسأ، ومنها أن يكون مقدرا إما بالكيل أو بالوزن أو بالعدد إن كان مما شأنه أن يلحقه التقدير أو منضبطا بالصفة إن كان مما المقصود منه الصفة" (بدایۃ المجتہد ص ۹۴۵، ۶۷۵)۔

اب المدونۃ الکبری کی عبارت ملاحظہ ہو: "قلت: أرأيت إن سلفت فی ثمر حائط بعينه فی إبانه واشترطت الأخذ فی إبانه قال: قال مالک: إذا أزهی ذلک الحائط الذی سلف فيه فلا بأس بذلک ولا يصلح أن يسلف فی تمر حائط بعينه قبل أن يزهی، قلت: ولا بأس أن يسلف فی حائط بعينه بعد ما أزهی ويشترط الاخذ بعد ما يرطب ويضرب لذلک أجلا قال: نعم لا بأس بذلک فی قول مالک، قال: فقلت لمالک انه يكون بينه وبين أخذه العشرة الايام والخمسة عشر فی الحائط بعينه، قال: هذا قريب" (المدونۃ الکبری ۹/ ۱۵ اور اس کے آگے)۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ باغ کے پھلوں کی مروجہ خرید وفروخت کو فقہ مالکی کے لحاظ سے بھی عقد سلم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور فقہ حنفی کے اعتبار سے اگرچہ باغ کے پھلوں کی بیع اطلاق کے ساتھ جائز اور باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ فاسد ہے اور دونوں کا حکم جواب (۴) میں گذر چکا، لیکن فقہ حنفی کے لحاظ سے بھی عقد سلم کی شرطوں کو نظر انداز کر کے اسے عقد سلم نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں کیل معلوم، وزن معلوم اور اجل معلوم کی قید ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہو چکا۔

گنے کے رس کی خریداری کے سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا فتوی:

حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا کہ گنا کے رس کے لئے اس وقت میں عقد سلم کرنا جبکہ ابھی گنا کی بوائی بھی نہیں ہوئی ہے صحیح ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ نے جواب میں فرمایا کہ شوافع کے مذہب میں یہ صورت جائز ہے اور ضرورت کے مواقع میں شوافع کے اس قول پر عمل کرلیا جائے تو کچھ ملامت نہیں رخصت ہے (امداد الفتاوی ۳/ ۱۰۶، سوال ۱۳۲)۔

حنفیہ کے نزدیک عقد سلم کے جواز کے لئے منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مبیع یعنی مسلم فیہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک پائی جاتی ہو تو ایسی مبیع کے بارے میں عقد سلم کرنا جائز ہے اور اگر کوئی مبیع ایسی نہ ہو تو اس مبیع کے لئے عقد سلم کرنا جائز نہیں ہے؛ جبکہ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام مالک، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک عقد کے وقت پایا جانا ضروری نہیں ہے، البتہ ادائیگی کے زمانہ میں عام طریقہ پر اس کا پایا جانا کافی ہے۔

حضرت تھانویؒ کے مذکورہ فتوی کو سامنے رکھ کر عقد سلم کی بیشتر شرطوں کو نظر انداز کر کے عقد سلم کے جواز کا قائل ہونا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے اس شرط کو اس لئے نظر انداز فرمایا کہ حنفیہ کے اس شرط کے دلائل اتنے مضبوط نہیں ہیں جتنے مضبوط ائمہ ثلاثہ کے دلائل ہیں۔

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث پاک ہے: **"لاتسلفوا فی الثمار حتی یبدو صلاحھا"** (ہدایہ ۳/۷۷، ہدایہ کے بین السطور میں ہے: قلت اخرجہ ابوداؤد وابن ماجہ واللفظ لہ)۔

حنفیہ نے اس حدیث کو خاص مسلم فیہ کی بوقت عقد موجودگی کے مفہوم میں لیا ہے، جبکہ اس حدیث کا پس منظر درحقیقت یہ ہے کہ درخت پر لگے پھل کی خریداری اور پھر اس کو درخت پر چھوڑے رکھنا کب جائز ہوگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب پھل پکنے کے قریب ہوجائے تو درخت پر چھوڑنے کے لئے اس کی خریداری کر سکتے ہو، اب یہ خریداری عقد سلم کی صورت میں ہو یا مطلق بیع کی صورت میں، اور اس مفہوم کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، اور اگر دلائل کی قوت وضعف سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو یہ بات مسلم ہے کہ جمہور فقہاء اس شرط کے قائل نہیں ہیں، برخلاف مسلم فیہ کی مقدار اور اس کے اوصاف والی شرط کے کہ یہ شرط تمام ائمہ کے نزدیک مسلم اور ضروری ہے، لہذا حضرت تھانویؒ کے اس فتوی پر مفتی رشید احمد صاحبؒ کے فتوی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے، جس میں حضرت موصوف نے باغ کی خریداری میں عقد سلم کی بیشتر شرطوں کو نظر انداز کر کے عقد سلم کے جواز کا رجحان ظاہر فرمایا ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا محمد ادریس فلاحی☆

۱- عام کے معنی سال کے آتے ہیں، درختوں کے پھل دو یا اس سے زیادہ سالوں کے لیے فروخت کردیئے جائیں، اس صورت کو حدیث میں بیع سنین یا بیع معاومہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آپ ﷺ نے اس طرح بیع کرنے سے منع فرمایا ہے:

"عن جابر بن عبداللہؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة (قال أحدهما بيع السنين هى المعاومة)وعن الثنيا ورخص فى العرايا" (صحیح مسلم:۳۸۹)۔

شریعت میں ایسی چیز کو ہی بیچنا جائز ہے جو وجود میں آ چکی ہو، اور معاومہ کی صورت میں ایسے پھلوں کو فروخت کیا جاتا ہے جن کا ابھی سرے سے وجود ہی نہیں ہوا ہے، اسی لیے اس طرح کے معاملہ کے باطل اور نادرست ہونے پر اجماع ہے (الاجماع لابن المنذر:۱۱۵، تکملۃ فتح الملھم:۱/۴۱۰)۔

۲- اس پر تو علماء کا اتفاق ہے کہ جب تک پھلوں کا وجود نہ ہوا ہو ان کو بیچنا درست نہیں ہے، اور پھلوں کو توڑ لینے کے بعد ان کی خرید وفروخت جائز ہے، اس پر بھی تمام ائمہ متفق ہیں، دراصل جو مختلف فیہ مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ درخت پر پھلوں کو بیچنا درست ہے یا نہیں؟ چنانچہ ائمہ ثلاثہ (امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ) کا موقف یہ ہے کہ درخت پر پھل آگئے لیکن ابھی فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں ہوئے ہیں تو ان کی خرید وفروخت درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات کے پیش نظر وہ احادیث ہیں جن میں "بدو صلاح" سے پہلے پھلوں کو بیچنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے:

"عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمارحتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمشترى" (صحیح البخاری:۲۱۹۴، صحیح مسلم:۱۵۳۴)۔

"عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ نهى عن بيع النخل حتى تزهو وعن السنبل حتى يبيض ويؤمن العاهة، نهى البائع والمشترى" (أبوداؤد:۳۳۶۸)۔

☆ دارالعلوم سیندھوا، ضلع بڑوانی، مدھیہ پردیش۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر پھلوں کا وجود ہو چکا ہو تو ان کو بیچنا جائز ہے، چاہے ابھی وہ اس قابل نہ ہوئے ہوں کہ ان سے نفع اٹھایا جاسکے؛ لیکن چونکہ وہ پھل اس حال میں بھی مال متقوم ہیں اس لیے ان کو بیچنا جائز ہے۔

"ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدا جاز البيع،لأنه مال متقوم إما لكونه منتفعا به في الحال أو في الثاني"(الهداية مع البناية ۷/۶۰،۶۱)۔

حاصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو بیچنا صلاح ظاہر ہونے سے پہلے بھی جائز ہے اور صلاح ظاہر ہونے کے بعد بھی جائز ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صلاح ظاہر ہونے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

۳- پھلوں کی خرید وفروخت سے متعلق ایک خاص فقہی اصطلاح "بدو صلاح" ہے، احناف کے نزدیک بدو صلاح سے مراد یہ ہے کہ پھلوں پر اتنی مدت گذر جائے کہ وہ آندھی وغیرہ آفات سے محفوظ ہو جائیں، اور ایک قول یہ ہے کہ پھل اس قابل ہو جائیں کہ انسان اس کو کھا سکیں، یا چوپایوں کے چارے کے کام آسکیں۔

"أن تؤمن العاهة والفساد، وقيل بأن تصلح لتناول بني آدم وعلف الدواب"(البحر الرائق ۵/۳۲۵)۔

فقہائے مالکیہ نے مختلف پھلوں کے اعتبار سے بدو صلاح کی تشریح الگ الگ کی ہے، مثلاً کھجور میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ زرد ہو جائے، یا سرخ ہو جائے، انگور میں یہ ہے کہ ان میں سیاہی آجائے، اور ان کا ذائقہ میٹھا ہو جائے، کھجور اور انگور کے ماسوا جو پھل ہیں ان میں بدو صلاح یہ ہے کہ ان میں مٹھاس پیدا ہو جائے، سلاد کے پتوں اور زعفران میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ قابل انتفاع ہو جائیں، سبزیوں میں بدو صلاح یہ ہے کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان کو کھایا جاسکے، اور غلہ جات میں بدو صلاح سے مراد یہ ہے کہ وہ سخت ہو جائیں اور سوکھ جائیں۔

"فهو في التمر أن يحمر ويصفر ويزهو وفي العنب أن يسود وتبدو الحلاوة فيه وغيرهما من الثمار حصول الحلاوة وفي الخس والعصفر أن ينتفع بهما وفي سائر البقول أن تطيب للأكل، وفي الزرع والحب أن ييبس ويشتد" (حاشية الدسوقي على الشرح الكبير ۱۲/۲۶۲)۔

شوافع سے بدو صلاح کے متعلق یہ تفصیل منقول ہے کہ جن پھلوں کے پکنے کے بعد ان کا رنگ نہیں بدلتا تو ان میں بدو صلاح یہ کہ وہ پکنے لگیں، اور ان میں مٹھاس پیدا ہو جائے، اور پکنے کے بعد جن پھلوں کا رنگ بدل جاتا ہو تو ان میں بدو صلاح اس وقت سمجھا جائے گا جبکہ وہ زرد، سرخ یا سیاہ ہونے لگیں۔

"ظهور مبادئ النضج والحلاوة فيما لا يتلون منه ، أما فيما يتلون فبأن يأخذ في الحمرة أو السواد أو الصفرة"(الحاوی الکبیر: ۵/۱۹۵)۔

فقہائے شافعیہ میں سے ایک نامور فقیہ علامہ ماوردیؒ نے بڑی خوبی کے ساتھ الگ الگ پھلوں کی اقسام کے اعتبار سے مختلف علامتیں ذکر کی ہیں، جن کے ذریعہ بدوصلاح آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے:

(۱) رنگ کی تبدیلی ؛ یعنی وہ زرد یا سرخ یا سیاہ ہوجائے ، جیسے ناشپاتی ، انگور وغیرہ، (۲) مزہ، جیسے گنا اور انار وغیرہ، (۳) پکنا اور نرم ہونا، جیسے انجیر اور خربوزہ، (۴) سخت ہونا، جیسے گیہوں اور جو، (۵) لمبائی، جیسے سبزیاں، (۶) حجم کا بڑا ہونا، جیسے کھیرا، (۷) غلاف کا پھٹ جانا، جیسے کپاس اور اخروٹ، (۸) کِھل جانا، جیسے گلاب اور چنبیلی۔

’’أحدها : اللون، فی کل ثمرة مأکول ملون، اذا أخذ فی حمرة، أو سواد أو صفرة، کالبلح والعنب، والمشمش، والاجاص.

ثانیها : الطعم، کحلاوة القصب وحموضة الرمان.

ثالثها : النضج واللین، کالتین والبطیخ.

رابعها : بالقوة والاشتداد، کالقمح والشعیر.

خامسها : بالطول والامتلاء ، کالعلف والبقول.

سادسها : الکبر کالقثاء، بحیث یؤکل .

سابعها : انشقاق أکمامه، کالقطن والجوز.

ثامنها : الانفتاح، کالورد، وما لا أکمام له کالیاسمین، فظهوره‘‘ (الحاوی الکبیر:۵/۱۹۵)۔

حنابلہ کا نقطۂ نظر اس بارے میں یہ ہے کہ اگر پھل اس قسم کا ہے کہ اس کے تیار ہونے کے وقت اس کا رنگ بدل جاتا ہو۔ جیسے کھجور ہیں یا سیاہ انگور وغیرہ، تو ایسے پھلوں میں ’’بدوصلاح‘‘ یہ ہے کہ ان کا رنگ بدل جائے۔

اور اگر سفید انگور ہے تو اس میں بدوصلاح یہ ہے کہ اس کا رنگ زرد ہوجائے ، نرم ہوجائے ، اور اس میں مٹھاس پیدا ہوجائے۔

اور اگر پھل ایسے ہیں کہ ان کا رنگ زیادہ متغیر نہیں ہوتا تو ان میں بدوصلاح یہ ہے کہ ان میں مٹھاس پیدا ہوجائے۔

اور اگر خربوزہ یا اس کے مشابہ دوسرے پھل ہوں تو وہ پک جائیں۔

اور اگر پھل ایسے ہیں کہ ان کے رنگ میں خاطر خواہ تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور وہ حجم میں چھوٹے ہونے کی حالت میں بھی کھائے جاتے ہوں تو ایسے پھلوں میں ’’بدوصلاح‘‘ یہ ہے کہ وہ کھانے کے قابل ہوجائیں۔

’’ماکان من الثمرة یتغیر لونه عند صلاحه، کثمرة النخل والعنب الأسود والاجاص فبدو

صلاحه بتغير لونه، وإن كان العنب أبيض فصلاحه بتموهه وهو أن يبدو فيه الماء الحلو ويلين ويصفر لونه وإن كان مما لايتلون كالتفاح ونحوه،فبأن يحلو ويطيب وإن كان بطيخا أو نحوه فبأن يبدو فيه النضج وإن كان مما لا يتغير لونه ويؤكل طيبا صغارا وكبارا كالقثاء و الخيار،فصلاحه بلوغه أن يؤكل عادةً"(الانصاف:۵/۶۴)۔

یہ تھی ائمۂ اربعہ سے ثابت بدوّصلاح کے متعلق تفصیل، پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر پھل میں بدوصلاح کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے، اگر حضرت شارع علیہ السلام سے کسی پھل میں بدوصلاح کے متعلق کوئی علامت منقول ہوتو اسی کو اختیار کیا جائے گا، اور اگر کسی پھل میں شارع علیہ السلام سے بدوصلاح کے متعلق کوئی تفصیل منقول نہ ہوتو عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴-الف: اگر باغ کے درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں بلکہ صرف پھول لگے ہوں یا اس سے بھی پہلے کا مرحلہ ہوتو ایسے باغ کے پھلوں کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے؛ کیونکہ متعدد شرعی خرابیوں کی وجہ سے یہ بیع باطل ہے، اوراس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، اس کے متعلق صریح روایات موجود ہیں، اس قسم کی بیع کو بیع معاومہ یا بیع سنین سے تعبیر کیا گیا ہے، تفصیل جواب نمبر(۱) میں گذر چکی ہے۔

(ب) اگر باغ کے کچھ درختوں پر پھل آ گئے ہوں اور کچھ درختوں پر نہیں آئے ہوں تو ایسے باغ کے پھلوں کو بیچنے کے جواز اور عدم جواز کے متعلق مشائخ حنفیہ میں اختلاف ہے، ظاہر مذہب تو یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں ایسے پھلوں کو بیچنا لازم آ رہا ہے جو ابھی وجود میں ہی نہیں آئے، لیکن عوام میں بڑھتا ہوا تعامل کہ کچھ پھل آتے ہی باغ فروخت کر دیا جاتا ہے، اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مشائخ نے اس میں نرم گوشہ اپنایا ہے اور تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو پھل موجود ہوں ان کو بیع میں اصل قرار دے کر آئندہ نکلنے والے پھلوں کو ان کے تابع مانتے ہوئے بیع کرنا درست ہے، یعنی اصل مذہب میں یہ صورت ناجائز ہے؛ لیکن تعامل اور عموم بلوی کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا جائے گا۔

"أن تباع سائر ثمار الشجر أو البستان فی حین ظهر بعضها ولم يظهر بعضها، وفيه خلاف بين مشائخ الحنفية ، فظاهر المذهب أنه لايجوز أيضاً، ولكن أفتى شمس الأئمة الحلوانی رحمه الله بأنه لوكان الخارج أكثر جاز البيع فی الجميع، وبه أفتى الامام الفضلی: بل يظهر من عبارته أنه لا

يشترط كون الخارج أكثر، بل يجعل الموجود أصلا في البيع ، ومايحدث بعد ذلك تبعاً له....... الحاصل أن هذه الصورة وإن كانت غير جائزة في أصل المذهب، غير أن فيها سعة عند عموم البلوی"(تکملۃ فتح الملہم:۱/ ۲۵۳)۔

(ج)اگر باغ میں پھل آ گئے لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے اور اتنے چھوٹے ہوں کہ وہ انسانوں اور جانوروں دونوں میں سے کسی کے لیے قابل انتفاع نہ ہوں تو اس صورت کے متعلق بھی مشائخ احناف میں اختلاف ہے، امام قاضی خانؒ نے فرمایا کہ عامۃ المشائخ اس صورت میں بھی پھلوں کی بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، لیکن علامہ ابن ہمامؒ رقمطراز ہیں کہ "صحیح یہی ہے کہ ان کی بیع جائز ہے"۔

"أن تظهر جميع الثمار بمعنى انعقادها ثمرة ولكنها غير منتفع بها في الأكل ولا في علف الدواب، وفيه خلاف أيضاً بين مشائخنا الحنفية، فذكر قاضي خان أن بيعها لايجوز عند عامة المشائخ، ولكن صحح ابن الهمام جوازه كما أسلفنا عن الفتح"(تکملۃ فتح الملہم:۱/ ۲۵۳)۔

۵-الف: درختوں پر اگر پھل ظاہر ہو چکے ہوں لیکن چھوٹے ہونے کی وجہ سے وہ کھانے کے قابل نہ ہوں، یعنی مکمل تیار نہ ہوئے ہوں تو عرف وتعامل کی وجہ سے ایسے باغ کے پھلوں کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت ان پھلوں کو چھوڑنے کی شرط نہ لگائی جائے، کیونکہ یہ شرط لگانا ناجائز ہے؛ لہذا عقد مطلق کیا جائے یا پھلوں کو فوراً توڑ لینے کی شرط پر عقد کیا جائے، پس جب عقد مکمل ہو جائے تو خریدار اپنے پھل فوراً توڑ لے، اور بائع کے درختوں کو فارغ کر دے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"أن يبيعها بشرط القطع في الحال فيصح بالاجماع"(المغنی:۶/ ۱۴۹)۔

اسی طرح اگر خریدار نے پھلوں کے تیار ہونے سے پہلے ان کو خرید لیا، اور خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت یہ طے نہیں پایا کہ پھل ابھی توڑ لے گا یا تیار ہونے تک درختوں پر باقی رکھے گا، علمائے احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ کرنا درست ہے۔

"أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالك والشافعي وأجازه أبو حنيفة"(حوالہ سابق)۔

چونکہ عقد کو مطلق رکھنا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ پھل فوراً توڑ لیے جائیں، لہذا اس صورت میں ضروری ہے کہ

مشتری اپنے پھلوں کو بائع کے درختوں سے الگ کرلے۔

"**لأن إطلاق العقد يقتضي القطع، فهو كما لو اشترطه**"(حوالہ سابق)۔

(ب) اگر خریدار نے پھل خریدتے وقت یہ شرط لگائی کہ پھل کے تیار ہونے تک پھل درخت پر ہی رہیں گے تو اس طرح بیع کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

"**والصورة الثانية أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ، وهذه الصورة باطلة بالاجماع، ولا يصح البيع فيها عند أحد**" (تکملۃ فتح الملہم: ۱/۲۵۱)۔

اور اس طرح معاملہ کرنے کو علماء نے اس لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ حدیث پاک میں کسی عقد کے ساتھ ایسی شرط لگانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے جو عقد کے تقاضہ کے خلاف ہو۔

"**عن عبدالله بن عمروؓ أن النبي ﷺ نهى عن بيع وشرط**"(الطبرانی فی المعجم الأوسط، رقم الحدیث: ۴۳۶۱)۔

بعض علماء نے اگرچہ مذکورہ روایت کو ناقابل استدلال قرار دیا ہے لیکن ان کی یہ بات مرجوح ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ثابت ہے، تفصیل کے لیے علامہ ظفر احمد تھانویؒ کی اعلاء السنن کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

بیع میں کسی قسم کی شرط لگانے کے متعلق فقہاء نے ایک ضابطہ لکھا ہے کہ بیع میں کوئی ایسی شرط لگانا جو بیع کے تقاضہ کے خلاف ہو اور اس شرط سے متعاقدین میں سے کسی کی منفعت وابستہ ہو تو ایسی شرط سے وہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

"**وكل شرط لا يقتضيه عقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق يفسده**"(الھدایہ: ۳/۶۱)۔

(ج) پھل تیار ہونے سے پہلے خرید لیا اور خرید وفروخت کے وقت یہ طے نہیں پایا کہ پھل ابھی توڑ لے گا یا مکمل تیار ہونے تک درختوں پر باقی رکھے گا، تو احناف کے نزدیک اس طرح کا معاملہ کرنا درست ہے، جیسا کہ جواب نمبر (۵) شق الف میں تفصیل گزری۔ اس صورت میں اصل مسئلہ کے اعتبار سے خریدار پر لازم ہے کہ پھل فوراً توڑ لے، لیکن اگر وہ پھل درخت پر باقی رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے فقہاء نے حیلہ بتلایا ہے، وہ یہ کہ باغ کا مالک خریدار کو اپنا باغ مساقات (بٹائی) پر اس شرط پر دے کہ خریدار خود اپنے ملازمین اور مددگاروں کے ذریعہ درختوں کی دیکھ بھال کرے گا، اور باہمی رضامندی سے حصہ داری کی کوئی نسبت طے کرلی جائے، مثلاً: دس حصے باغ کے مالک کے اور نوے حصے خریدار کے، یا ایک حصہ باغ کے مالک کا اور باقی ننانوے حصے خریدار کے، یا کوئی بھی نسبت باہمی رضامندی سے طے کرلے، یہاں تک کہ ایک فی ہزار کی نسبت بھی طے کی جاسکتی ہے، کہ ایک ہزار میں سے ایک حصہ مالک کا ہوگا اور نوسو ننانوے حصے خریدار کے ہوں گے،

جب خریدار سے یہ معاملہ طے پاجائے تو اس کے بعد علیحدہ مستقل معاملہ کے طور پر باغ کی زمین اسی خریدار کو کرایہ پر دے دی جائے، کرایہ باہمی رضامندی سے کچھ بھی طے کیا جاسکتا ہے، جس کی ادائیگی فوری یا تاخیر کے ساتھ دونوں طرح سے کی جاسکتی ہے، آخر میں جب پھل مکمل تیار ہوجائیں تو باغ کے مالک کو اختیار ہے کہ پھلوں میں سے اپنا طے شدہ حصہ وصول کرلے یا اپنا حصہ خریدار کو ہی بیچ دے یا ہدیہ کردے۔

" والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزء ا من ألف جزء"(الدر المختار مع الرد:۷/۸۸)۔

۶- جیسا کہ جواب نمبر(۵) میں تفصیل گذری کہ جب خریدار نے پھل خرید لیے ہیں تو اپنے پھل توڑ کر درخت -جو کہ باغ کے مالک کی ملکیت ہیں- خالی کردے، اور اگر بائع اپنے درختوں پر پھلوں کو رکھنے پر راضی ہے تو کوئی حرج نہیں، مذکورہ صورت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اس مدت میں اگر پھلوں کی کیفیت یا کمیت میں اضافہ ہو تو وہ بھی خریدار کے لیے حلال ہے۔

"ولو اشتراها مطلقا وتركها بإذن البائع طاب له الفضل"(الهداية:۳/۲۷)۔

اور اگر پھل خرید لے اور پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لے لے تو یہ کرایہ کا معاملہ باطل ہوجائے گا، اور اس مدت میں پھلوں میں ظاہری یا معنوی طور پر جو اضافہ ہوگا وہ خریدار کے لیے حلال ہوگا۔

"(وإن اشتراها مطلقا) أي عن القطع والترک (وتركها عن النخيل وقد استأجر النخيل إلى وقت الادراک طاب له الفضل ، لأن الاجارة باطلة)......(لعدم التعارف) فان التعارف لم يجر فيما بين الناس باستئجار الأشجار (والحاجة) أي ولعدم الحاجة إلى ذلک ، لأن الحاجة إلى الترک للإجارة إنما تخفف إذا لم يكن مخلص سواها، وههنا يمكن للمشتري أي يشتري الثمار مع أصولها على ماسيأتي(فبقي الإذن معتبرا)فيطيب له الفضل"(البناية مع الهداية:۷/۶۳)۔

۷- آج پھلوں کی خرید وفروخت کی جتنی بھی صورتیں بازاروں میں رائج ہیں ہمارے اسلاف فقہاء نے تقریباً ساری ہی ممکنہ صورتیں اور ان کے احکام تحریر فرمادیئے ہیں، اگر باغ میں پھلوں کا وجود ہی نہ ہوا ہو تو عام طور پر تمام فقہاء نے ایسے معدوم پھلوں کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے؛ البتہ ایسی بیع کے جواز کے متعلق ایک حیلہ یہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ جس وقت درختوں پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں؛ بلکہ محض پھول ہوں، تو اس وقت بیع نہ کی جائے؛ بلکہ وعدۂ بیع کیا جائے، مثلاً: فروخت کنندہ، خریدار سے کہے کہ جب پھل بیچنے کے قابل ہوجائیں گے تو میں اتنی رقم کے عوض آپ کو بیچ دوں گا اور خریدار اس بات کا وعدہ کرے کہ میں اس رقم کے عوض یہ پھل خریدلوں گا، اور اس صورت میں بائع یہ دیکھنے کے لیے کہ خریدار اپنے وعدہ میں سنجیدہ

ہے یا نہیں کچھ رقم وعدہ کے وقت لے سکتا ہے، پھر جب پھل بیع کے قابل ہوجائیں تو خریدار باقاعدہ بیع (ایجاب وقبول) کے ذریعہ ان پھلوں کو خرید لے، اور اس وقت باہمی رضامندی سے سابقہ قیمت پر بھی بیع ہوسکتی ہے، اور نئی قیمت پر بھی ہوسکتی ہے؛ البتہ وعدہ کے وقت لی گئی رقم کو اصل قیمت سے منہا کیا جائے گا، اور مشتری کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ بائع کی اجازت ورضامندی سے تبرعاً (بغیر عوض کے) باغ کی دیکھ بھال کرتا رہے؛ تاکہ وہ اچھی کوالٹی کے پھل حاصل کر سکے (رجسٹر دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴۱۲/۳۰، ۵۳/۱۴۳۲، ۱۴/۱۵۰۹)۔

۸- احناف کے نزدیک بیع سلم کے جواز کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس سامان پر معاملہ ہوا ہے، وہ سامان معاملہ طے پانے سے لے کر ادائیگی کے وقت تک بازار میں دستیاب ہو، دیگر ائمۂ مجتہدین کے یہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلم فیہ معاملہ کے وقت سے ادائیگی کے وقت تک ہمیشہ بازار میں دستیاب رہے، بس اتنی بات کافی ہے کہ ادائیگی کے وقت سامان بازار میں موجود ہو، علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ولا يشترط كون المسلم فيه موجودا حال السلم ،بل يجوز أن يسلم في الرطب في أوان الشتاء وفي كل معدوم إذا كان موجودا في المحل وهذا قول مالك والشافعي واسحاق وابن المنذر، وقال الثوري والأوزاعي وأصحاب الرأي: لايجوز حتى يكون جنسه موجودا حال العقد إلى حين المحل“ (المغنی:۶/۴۰۷)۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ اپنے موقف کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ پھلوں میں بیع سلم ایک ایک، دو دو اور تین تین سال کی مدت کے لیے کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کھجور میں بیع سلم کرے تو وہ متعین پیمانہ میں اور متعین وزن میں نیز متعین وقت کے لیے کرے۔

”عن ابن عباسؓ قال: قدم النبي ﷺ المدينة وهم يسلفون في الثمار السنة والسنتين فقال: ” من أسلف في تمر فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم“ (صحیح مسلم:۱۲۲۷)۔

ائمۂ ثلاثہ نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے بیع سلم میں مسلم فیہ کے موجود ہونے کو شرط نہیں قرار دیا، اگر یہ ضروری ہوتا تو حضور ﷺ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے؛ اس لیے کہ سال کے درمیان میں کھجوروں کا درختوں پر وجود ہی نہیں ہوتا، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”ولم يذكر النبي ﷺ الوجود ولوكان شرطاً لذكره ولنهاهم عن السلف سنتين؛ لأنه يلزم

منه انقطاع المسلم فيه أوسط السنة؛ ولأنه يثبت في الذمة ويوجد فی محله غالباً فجاز السلم فيه كالموجود" (المغنی لابن قدامہ ۶/۴۰۷)۔

احناف نے اس سلسلہ میں ان روایتوں سے استدلال کیا ہے جن میں حضور ﷺ نے پھلوں کو تیار ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے، اور احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلم فیہ متعینہ مدت پر خریدار کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مسلم فیہ پوری مدت بازار میں دستیاب رہے:

"**واستدل الحنفية بالأحاديث التی نهی رسول الله ﷺ فيها عن بيع الثمرة حتی يبدو صلاحها، ولأن القدرة علی التسليم بالتحصيل فلابد من استمرار الوجود فی مدة الأجل ليتمكن من التحصيل**"(فقہ البیوع:۱/۵۷۳)۔

دونوں نقاط نظر کے اپنے اپنے مستدلات ہیں؛ تاہم پھلوں کی بیع کے موجودہ عرف ورواج کو دیکھتے ہوئے ائمۂ ثلاثہ کا موقف زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اور ائمہ کرام کے اس اختلاف سے ضرور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؛ تاکہ امت کے معاملات کو جتنا ہوسکے درست قرار دیا جاسکے، بہت سے مسائل میں اکابر علماء ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر مذہب غیر پر فتوی دیتے رہے ہیں، جیسا کہ سوال میں بھی مذکور ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی☆

۱- بیع معاومہ کا مصداق:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ سے منع فرمایا (صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب النہی عن المحاقلۃ، رقم الحدیث: ۱۵۳۶)، امام نوویؒ نے اس حدیث کی روشنی میں فرمایا ہے کہ معاومہ کو بیع سنین بھی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ درخت کے پھل کو دو سال یا تین سال کے لئے فروخت کردے تو اس طرح بیع کرنے کو بیع معاومہ کہتے ہیں اور یہ بیع بالا جماع باطل ہے؛ اس لئے کہ اس میں دھوکا ہے اور ایسی چیز کی بیع ہے جو معدوم ہے اور مجہول ہے، اور اس کے سپرد کرنے پر قادر بھی نہیں ہے؛ کیونکہ ہوسکتا ہے آئندہ سال اس درخت پر پھل ہی نہ آئے؛ اس لئے یہ جائز نہیں ہے۔

"اما النهي عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمى بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالاجماع، نقل الاجماع فيه ابن المنذر وغيره لهذه الاحاديث ولانه بيع غرر؛ لانه بيع معدوم ومجهول غير مقدور على تسليمه وغير مملوك للعاقد" (المنہاج شرح صحیح مسلم ۱۰/۱۵۰، نیز دیکھئے: الموسوعہ الفقہیہ بیع منہی عنہ ۹/۲۰۰)۔

۲- درخت پر لگے پھلوں کی بیع سے متعلق ائمہ کرام کی آراء:

اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کررہا ہے بدوصلاح سے پہلے اس شرط کے ساتھ کہ وہ پھلوں کو کاٹے گا تو یہ درست ہے، اور اگر کاٹنے کی شرط نہ لگائے تو یہ بیع درست نہیں ہے، اور مطلق رکھے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلق رکھنے سے بیع درست ہوگی۔

"إذا باع الثمرة على رؤس الشجر مفردة قبل بدو الصلاح أو باع أرضاً قبل بدو الصلاح فإن شرط في البيع قطع ذلک قال الشيخ ابوحامد صح البيع بلاخلاف، لأنهما يأمنان بهذا الشرط من

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک۔

الغرر وإن شرط تبقية ذلک لم يصح البيع بلا خلاف، لأن ذلک يؤدي إلى الغرر، لأنه لا يدرى هل يسلم ذلک أم لا۔ وإن أطلق العقد لم يصح البيع عندنا وبه قال مالک وأحمد واسحاق، وقال أبو حنيفة: يصح البيع ويأخذ المشتري بقطع ذلک في الحال"(البیان ۲۳۵/۵)۔

"قال أحمد: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل" (المغنی ۴۸٦/۵)۔

"قال أبو حنيفة:إذا باع مطلقا أو بشرط القطع صح"(الفتاوی الہندیہ ۱۰٦/۳)۔

"قال مالک: إذا بدا الصلاح فيها جاز بيعها مطلقا وبشرط التبقية إلى حال الجزاز وبشرط القطع"(موطاإمام مالک ۱۰۰/۱۱)۔

۳-بدوصلاح سے کیامراد ہے؟

اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ بدوصلاح سے پہلے بیع جائز نہیں ہے اور بدوصلاح جس پر بیع کی صحت کا دارومدار ہے وہ ایک زائد چیز ہے،یعنی کوئی بھی پھل غالبا جس حالت میں مطلوب ہوتا ہے اس حالت تک پہنچ جائے تو یہ اس کا بدوصلاح ہے۔فقہاءشوافع کے نزدیک بدوصلاح کے اس ضابطے کے تحت آٹھ قسمیں ہیں:۱-وہ پھل جن میں رنگ ظاہر ہوتا ہے،یعنی پختگی کے بعد رنگت کا بدلنا جیسے سرخ یا زرد ہونا، مثلاً کچی کھجور، آلو بخارا وغیرہ، یہ ان پھلوں میں بدوصلاح ہے،۲-ذائقے کا بدلنا جیسے انگور کی حلاوت ومٹھاس اور انار کا کھٹا پن، یہ بدوصلاح ہے،۳-پختگی ونرم وملائم ہونا جیسے انجیر وخربوزہ وغیرہ،۴-قوت اورسختی کے اعتبار سے جیسے گیہوں، جو وغیرہ،۵-لمبائی اور پر ہونے کے اعتبار سے جیسے سبزی ترکاری وغیرہ،٦-بڑا چھوٹا ہونا جیسے ککڑی وغیرہ،۷-شگوفے کے غلاف کا پھٹ جانا اور کھل جانا جیسے اخروٹ وغیرہ،۸-کھل جانا جیسے گلاب کا پھول۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک متغیراللون پھولوں میں رنگ کے تغیر کو بدوصلاح مانا گیا ہے، جیسے کالا انگور اور کھجور وغیرہ، اور سفید انگور میں میٹھا پانی کا آجانا اور نرم ہوجانا بدوالصلاح ہے،اور جو پھل متغیراللون نہیں ہوتے جیسے سیب وغیرہ تو اس میں میٹھا ہونا اور عمدہ ہونا،اسی طرح تربوز وغیرہ میں پکنا بدوصلاح ہے،اور بعض وہ پھل جن کو چھوٹے اور بڑے ہونے کے اعتبار سے کھایا جاتا ہے جیسے ککڑی وغیرہ،تو اس میں پھلوں کا اس حد تک پہنچنا ہے جس میں ان کو عادتا کھایا جاتا ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بدوصلاح پھلوں کے انواع کے اعتبار سے ہے یعنی کھجور میں سرخ وغیرہ ہونا،اور انگور میں کالا ہونا اور مٹھاس کا پیدا ہونا،اوران دونوں پھلوں کے علاوہ میں مٹھاس کا پایا جانا بدوصلاح ہے،اور تمام سبزی وترکاری میں کھانے کے مناسب ہونا بدوصلاح ہے،اور کھیتی اور دانوں میں خشک اور سخت ہونا بدوصلاح مانا گیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک بدو الصلاح صرف اتنا ہے کہ پھل اور اناج مصیبت اور فساد اور خراب ہونے سے بچ جائے، اور ایک ضعیف قول کے اعتبار سے اس قابل ہوجائے کہ انسان اور جانور اسے کھا سکے۔

”وأرجح الشافعية بدو الصلاح في الثمر وغيره كالزرع الظهور مبادئ النضج أو الحلاوة في مالا يتلون منه أما في ما يتلون فبأن يأخذ في الحمرة أو السواد أو الصفرة وذكروا ثماني علامات يعرف بها بدو الصلاح اللون، والطعم والنضح واللين، وبالقوة والاشتداد وبالطول والامتلاء، الكبر والصغر، وانشقاق اكمامه، والانفتاح وغير ذلک“(حاشیۃ الجمل علی شرح المنہج ۴/۵۹۷)۔

”وضع الحنابلة هذا الضابط ما كان من الثمرة يتغير لونه عند صلاحه، كثمرة النخل والعنب الاسود والاجاص فبدوصلاحه بتغير لونه وإن كان العنب أبيض فصلاحه بتموهه، وهو أن يبدو فيه الماء الحلو ويلين ويصفر لونه وإن كان مما لا يتلون كالتفاح ونحوه فبأن يحلو ويطيب وإن كان بطيخا أو نحوه فبأن يبدو فيه النضج وإن كان مما لا يتغير لونه ويؤكل طيبا صغارا وكبارا كالقثاء فصلاحه بلوغه أن يؤكل عادة“(المغنی ۴/۲۰۷)۔

”والمالكية فسروه تفسيرا مختلفا نسبيا فهو في التمر: أن يحمر ويصفر ويزهو وفي العنب؛ أن يسود وتبدو الحلاوة فيه وفي غيرهما من الثمار حصول الحلاوة وفي الخس والعصفر ينتفع بهما وفي سائر البقول أن تطيب للأكل وفي الزرع والحب أن ييبس ويشتد“(القوانین الفقہیہ/ ۱۷۲)۔

”فالحنفية قالوا في تفسيره أن تؤمن العاهة والفساد وإن كان بعضهم بأن تصلح الثمرة لتناول بني آدم وعلف الدواب“(شرح الکفایۃ علی الہدایہ ۵/۴۸۸)۔

۴- پھل آنے سے پہلے اسے فروخت کرنے کا حکم:

الف- ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چند سالوں کی بیع سے منع فرمایا، نیز ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا (مسلم، بیع الغرر ۶۵۹/ ۳۸۰۸، بیع السنین ۶۷۳/ ۳۹۱۵)، چنانچہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ ایسی چیز کی بیع جو موجود نہ ہو جائز نہیں؛ اس لئے کہ اس میں دھوکا ہے، اور اس مسئلہ میں بھی ہمیں پتا نہیں کہ پھل آئیں گے یا نہیں، اس لئے کہ ابھی ان کا وجود نہیں ہے، یا آنے سے پہلے کسی آسمانی آفت یا دوسرے اسباب کی وجہ سے وہ تباہ ہوجائیں، لہٰذا پھلوں کے آنے سے پہلے پھلوں کی بیع وشراء جائز نہیں ہے۔

”ولا يجوز بيع المعدوم، بأن يقول: بعتک ثمرة محلى التى ستخرج عاما، أوأعواما، لما

روى، أن النبي ﷺ نهى عن بيع المعاومة وأراد به بيع ثمرة النخل أعواما" (البیان ۵/۵۸)۔

ب-باغ کے بعض درختوں پر پھل آئے ہیں اور بعض درختوں پر پھل نہیں آئے ہیں ایسی صورت میں حضرات شوافع کے یہاں بیع درست نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ بیع کے درست ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مبیع پر سپردگی حاصل ہو اور یہاں مبیع پر سپردگی حاصل نہیں............اللہ تعالی سے اس بات کا حسن ظن رکھے کہ انشاءاللہ آئندہ پھل آجائیں گے، اور اگر بالفرض پھل نہیں آئے تو ان پھلوں کی قیمت جو اس نے ادا کی ہے وہ اس کی طرف سے بائع کے لئے ہبہ مانی جائے گی، نیز عرف وعادت بھی یہی ہے کہ لوگ جب پھلوں کی بیع کرتے ہیں تو کچھ درختوں پر پھل موجود ہوتے ہیں اور کچھ پر نہیں، اور بیع پورے باغ کے درختوں کے پھلوں کی کی جاتی ہے، اور اس صورت میں درختوں کے درمیان تمیز مشکل امر ہے، لہذا جو پھل ظاہر نہیں ہے ان کو ظاہر پھلوں کے تابع مانا جائے گا جیسا کہ بغیر صلاح والے پھلوں کو صلاح والے کے ساتھ تابع مانا جاتا ہے۔

"فقال الشافعية: يجوز بيع ما ظهرمنها من الخارج الأول، وأما بيع ما ظهر وما لم يظهر ، فلا يجوز، لان العقد اشتمل على معلوم ومجهول، قد لا يخرجه الله تعالى من الشجرة، ولا يصح ايضا البيع، لعدم القدرة على تسليم المبيع،......"

"وقال المالكية : يصح البيع عملا بحسن الظن بالله تعالى وبمسامحة الانسان لأخيه بجزء من الثمن المقابل للذي يخرجها الله تعالى من الثمرة، ولجريان العرف والعادة الناسبة، ولأن ذلك يشق تمييزه، فجعل مالم يظهر تبعا لما ظهر، كما إذا لم يبد صلاحه تبع لما بدا" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، کتاب البیع ۴/ ۴۹۲)۔

ج-حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھلوں کی بیع وشراء نہ کرو یہاں تک کہ بدوصلاح ہوجائے (صحیح البخاری: ۱۴۸۶)۔

بدوصلاح کا مطلب ہے پھل کھانے یا کسی اور منفعت کے لئے استعمال کے قابل ہوجائے؛ چنانچہ فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بدوصلاح سے پہلے پھلوں کو درختوں پر باقی رکھتے ہوئے صرف پھلوں کی بیع کرنا درختوں کے علاوہ یہ جائز نہیں ہے، ہاں اگر مشتری پھلوں کو اسی وقت کاٹنے کی شرط لگائے تو جائز ہے اور وہ اس صورت میں کہ پھلوں سے وہ حال یا مستقبل میں فائدہ اٹھا سکتا ہو، مثلا درختوں سے جدائیگی کے بعد بھی پھلوں کی نشو ونما اور بڑھوتری ہوتی ہو، یا پھل اچار وغیرہ کے لئے استعمال کئے جاتے ہوں، ورنہ اگر پھلوں میں فائدہ نہیں ہے تو بیع درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ مبیع کا قابل منفعت ہونا شرط ہے۔

”(وقبل الصلاح ان بيع منفردا عن الشجر لايجوز) البيع......(الا بشرط القطع)فيجوز اجماعا (وأن يكون المقطوع منتفعا به)“(کنز الراغبین ۱/۲۶۶)۔

”(وقبل الصلاح ان بيع) الثمر الذي لم يبد صلاحه......(منفرداً عن الشجرة) وهو على شجرة ثابتة (لا يجوز) أي لا يصح البيع ويحرم (إلا بشرط القطع) حالا“ (نہایۃ المحتاج ۴/۱۴۶)۔

۵-غیر تیار شدہ پھلوں کو فروخت کرنے کی شکلیں:

الف،ب:حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کو بدو صلاح سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا(صحیح البخاری:۱۴۸۶)،اس حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بدوصلاح سے پہلے قطع کی شرط کا اظہار کئے بغیر یعنی مطلقا یا پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچےتو ان دونوں صورتوں میں بیع درست نہیں ہوگی۔

”قال العمراني: إذا باع الثمرة على رؤس الشجر مفردة قبل بدوصلاح......وإن شرطا تبقية ذلک لم يصح البيع بلا خلاف لأن ذلک يؤدي إلى الغرر......وإن أطلقا العقد لم يصح البيع“ (البیان ۵/۲۳۵)۔

”قال ابن قاضي شهبه:وقبل الصلاح ان بيع منفردا عن الشجر......لا يجوز إلا يشترط القطع للحديث المار فانه يدل بمنطوقة على المنع مطلقا“(بدایۃ المحتاج ۲/۹۰)۔

ج:اگر پھل تیار نہیں ہیں اور فریقین کے درمیان میں خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے پائی اور نہ باقی رہنے کی درخت پر تو اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کرنا جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے،”وإن أطلقا العقد لم يصح البيع عندنا وبه قال مالک وأحمد رحمهما الله تعالى، قال أبو حنيفة: يصح البيع“(البیان ۵/۲۳۵)۔

۶-پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر لینا:

اگر مشتری بدوصلاح سے پہلے پھل خریدتا ہے توڑنے کی شرط کے ساتھ لیکن پھلوں کو توڑے بغیر درختوں کو کرایہ پر لیتا ہے تاکہ پھل درختوں پر ہی تیار ہوسکے تو اس طرح معاملہ کرنے کی گنجائش ہوگی؛اس لئے کہ پھلوں کو درختوں سے منفرد بیچنے کی جو علت ہے کہ درخت دوسرے کی ملکیت میں ہوں گے اور پھل درختوں کے تابع نہیں ہوں گے وہ علت ختم ہوجائے گی،اس لئے کہ پھل اجارہ کی صورت میں درختوں کے تابع ہوں گے،اس لئے کہ اجارہ چند شرطوں کے ساتھ مدت اجارہ میں بیع کی طرح ہوتا ہے، چنانچہ پھلوں کا مشتری درختوں کی منفعت کا مالک ہوگا اور پھلوں کی تیاری کی شکل میں وہ

درختوں کی منفعت حاصل کرے گا؛ اس لئے کہ درختوں کے اجارہ میں اجارہ کے تمام اصول وضوابط پائے جارہے ہیں، نیز اتنی مدت تک کرایہ پر لے جس میں پھلوں کے تیار ہونے کا امکان ہو؛ چنانچہ یہاں دو الگ الگ عقد الگ الگ ثمن کے ساتھ کئے جائیں گے، پہلا عقد پھلوں کی بیع قطع کی شرط کے ساتھ اور دوسرا عقد درختوں کو اجرت پر لینے کا۔

"قال الامام العمرانی: إذا اشتری الثمر قبل بدوصلاحها بشرط القطع، فلم يقطعها حتی بدا صلاحها......لم يبطل البيع"(البیان ۵/۲۴۰)۔

"وضابط مايجوز استئجاره كل عين ينتفع بها مع بقاء عينها منفعة مباحة معلومة مقصودة"(مغنی المحتاج ۴/۲۱۰)۔

"ولا تصح الإجارة إلا على منفعة معلومة القدر، لأنا بينا أن الاجارة بيع، والبيع لا يصح إلا في معلوم القدر، فكذلک الإجارة، ويعلم مقدار المنفعة بتقدير للعمل أو بتقدير المدة"(تکملہ شرح المہذب ۱۶/۱۶۷)۔

۷- باغ کے کچھ درختوں پر پھل بدوصلاح کو پہنچے ہیں اور بعض درختوں پر پھل بدوصلاح کو نہیں پہنچے، ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ تمام پھلوں کی جنس یکساں ہے یا مختلف ہیں، اگر پھلوں کی جنس یکساں ہے تو بغیر صلاح والے پھلوں کو صلاح والے پھلوں کے تابع کرکے باغیچے کو بیچنا درست ہوگا، اور اگر پھلوں کی جنس مختلف ہے تو قطع کی شرط کے ساتھ باغیچے کا بیچنا درست ہوگا جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہورہا ہے:

"(ويكفي بدوصلاح بعضه وإن قل) البعض، لبيع كله من شجر، أو أشجار متحدة الجنس،......(ولو باع ثمر بستان أو بساتين بدا صلاح بعضه) واتحد الجنس (فعلى ما سبق في التابير) فيتبع مالم يبدصلاحه مابدا صلاحه في البستان أو كل من البساتين، فان بدا صلاح بعض ثمر أحدهما دون الآخر، فقيل بالتبعية ايضا لاجتماعهما في صفقة، والاصح: لا، فلابد من شرط القطع في ثمر الآخر"(کنز الراغبین، کتاب البیع ۱/۶۶۹)۔

۸- بیع سلم کی شرطوں سے متعلق ائمہ کا اختلاف:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے درحالیکہ اہل مدینہ ایک سال دو سال تین سال کی مدت تک کے لئے کھجور میں بیع سلم کرتے تھے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو بیع سلم کرے اس کو چاہئے کہ اس کا کیل، وزن اور مدت بھی معلوم ہو؛ چنانچہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ پہلے باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت کی ممکنہ اور

مروجہ صورتوں کو معلوم کریں، آج لوگوں کی عادت کیا ہے کہ اکثر علاقوں میں بازار میں کٹے ہوئے پھلوں کو فروخت کیا جاتا ہے؛ بلکہ وہ درختوں پر لگے ہونے کی حالت میں خرید وفروخت کرتے ہیں، اور کبھی کبھی پھل آئے ہوں لیکن بدوصلاح نہ ہوئی ہوتو اس صورت میں بھی خرید وفروخت کرتے ہیں، اور عادت یہ ہے کہ مشتری پھلوں کو تیار ہونے کے وقت تک درختوں پر رکھتے ہیں، لہذا اگر ان تمام صورتوں کو فساد قرار دیا جائے تو بازاروں میں کوئی پھل بھی نہیں ملے گا، اس لئے فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوشش کی تا کہ لوگوں کو حرج نہ ہو اور سہولت پیدا ہو، لہذا اگر درخت کا مالک یہ کہے کہ آپ مجھے اتنی رقم دیجئے اور میرے ذمہ ایک متعینہ مقدار پھل دینا لازم ہوگا، اور مجلس عقد میں پھلوں کے اوصاف بھی بیان کئے جائیں اور مکمل ثمن مجلس عقد میں ہی ادا کیا جائے، اور اس زمانہ میں ان پھلوں کا پایا جانا بھی ممکن ہو نیز دیگر شرائط کا بھی خیال رکھتے ہوئے اس طرح پھلوں کو بدوصلاح سے پہلے بیع سلم کی شکل میں فروخت کرنا درست ہوگا۔

”روی عن ابن عباسؓ:أن النبي ﷺ قدم المدينة، وهم يسلفون في التمر السنة والسنتين والثلاث، فقال: (من أسلف فليسلف في كيل معلوم، ووزن معلوم، إلى أجل معلوم“(صحیح البخاری:۲۲۴۰)۔

”قال الإمام الماورديؒ وهذا كما قال، السلم يجوز فيما كان موجودا أو وقت المحل وإن كان معدوما من قبل“(الحاوی الکبیر ۵/۳۹۱)۔

”قال الإمام العمرانیؒ:يجوز السلم في المعدوم إذا كان مأمونا الانقطاع حال العقد أو ما بعده، إلا أن يكون السلم حالا، فيعتبر وجوده حال العقد“ (البیان ۵/۳۶۵)۔

”قال الإمام النوویؒ:السلم يختص بشروط، الشرط الأول:تسليم رأس المال في مجلس العقد، والشرط الثاني: كون المسلم فيه دينا، والشرط الثالث: القدرة على التسليم، والشرط الرابع: بيان محل التسليم، والشرط الخامس: معرفة الأوصاف“(روضۃ الطالبین ۳/۲۴۲)۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی ضیاء الحق قاسمی☆

تمہید:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو ہر موڑ پر انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے،اور زندگی کے ہر گوشہ سے متعلق صحیح احکام سے روشناس کراتا ہے،خواہ عبادات سے متعلق ہو یا معاملات سے،اور معاملات ہی میں سے خرید وفروخت ہے،چوں کہ لوگوں کے مابین خرید وفروخت کے جو طریقے رائج تھے ان میں سے بعض طریقے ناجائز تھے جن کی نشاندہی شریعت مطہرہ میں کی گئی اور اس پر ممانعت وارد ہوئی،اور اکثر متبادل صورت پیش کر دی گئی، تاکہ لوگوں کی ضرورتیں جائز طریقے سے پوری ہوں،خرید وفروخت کی جو صورتیں ناجائز قرار دی گئی ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر اس وجہ سے ناجائز ہیں کہ ان صورتوں سے متعاقدین کے مابین خصومت (جھگڑا) واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے،اس لئے شریعت مطہرہ میں ان صورتوں سے منع کر دیا گیا؛ تاکہ آپس میں نزاع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو،انہیں میں سے ’’محاقلہ‘‘ ’’مزابنہ‘‘ ’’مخابرہ‘‘ ’’معاومہ‘‘ اور ’’بیع الثمرۃ قبل بدو الصلاح‘‘ ہیں۔جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے: ’’**عن جابر بن عبداللہؓ قال: نهى النبى ﷺ عن المحاقلة، والمزابنة، والمعاومة، والمخابرة**‘‘ (مسلم شریف، رقم: ۱۵۳۶)۔

۱- بیع معاومہ کا مصداق: ’’**عن جابر بن عبداللہؓ ان النبى ﷺ نهى عن بيع المعاومة وقال أحدهما: بيع السنين**‘‘ (ابوداؤد، ص ر ۴۳۴، کتاب البیوع)۔

’’**المعاومة مشتق من العام اى بيع السنين قال فى النهايه: هى بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذا البيع باطل؛ لأنه بيع مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق**‘‘ (عون المعبود)۔

☆ استاذ حدیث ومفتی: جامعہ رشید العلوم چترا، جھارکھنڈ۔

”واما النهی عن بیع المعاومة وهوبیع السنین فمعناه أن یبیع ثمرالشجرة عامین أو ثلاثا أو أکثر، فیسمیٰ بیع المعاومة وهو بیع السنین،وهو باطل بالاجماع لأنه بیع غرر؛ لأنه بیع معدوم و مجهول غیر مقدور علیٰ تسلیمه و غیر مملوک للعاقد“(المنہاج شرح المسلم)۔

مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیع معاومہ کا مصداق ہے پھلوں کو درخت پر نمودار ہونے سے پہلے ہی ایک سال یا چند سالوں کے لئے فروخت کر دینا؛ جبکہ بیع کے وقت اس کا کوئی وجود بھی نہیں ہے؛ چونکہ اس میں مبیع معدوم اور مجہول ہے اور غیر مقدور التسلیم بھی ہے؛ لہذا یہ بیع بالاجماع باطل ہے۔

۲ تا ۵- ”حدثنا عبد الله بن یوسف:أخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ: أن رسول الله ﷺ نهی عن بیع الثمار حتی یبدوصلاحها نهی البائع والمتبائع“۔

”حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا عبدالله أخبرنا حمید الطویل عن أنسؓ أن رسول الله ﷺ نهی أن تباع ثمرة النخل حتی تزهو۔قال أبوعبدالله حتی تحمر“(الصحیح البخاری، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحها، رقم: ۲۱۹۴ ،مسلم، رقم: ۲۸۲۷،سنن الترمذی: ۱۱۴۸)۔

”وحدثنا مسدد: حدثنا یحییٰ بن سعید، عن سلیم بن حیان حدثنا سعید بن میناء قال: سمعت جابر بن عبداللهؓ قال: نهی النبی ﷺ أن تباع الثمرة حتی تشقح فقیل: وما تشقح؟ تحمار و تصفار ویؤکل منها“(صحیح البخاری، رقم: ۲۱۹۶)۔

ان مذکورہ تمام احادیث میں ”**بیع الثمرة قبل بدوصلاحها**“ سے منع فرمایا گیا ہے۔اب رہی بات بدو صلاح کا کیا مطلب ہے؟ بدا یبدا بمعنی ظاہر ہونا اور ”صلاح“ بمعنی درستگی، ”بدوصلاح“ کی تفسیر میں فقہاء کرام کے آراء مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”بدوصلاح“ سے مراد یہ ہے کہ پھل اتنا بڑا ہوجائے کہ وہ ان آفات و بیماریوں سے محفوظ ہوجائے جو پھلوں کو لگا کرتی ہیں، جب پھل اس قابل ہوجائے تو بدوصلاح متحقق ہوگی۔ ”**کما فی روایة أخری، عن عبدالله بن دینار سمعت ابن عمرؓ قال: نهی النبی ﷺعن بیع الثمرة حتی یبدوصلاحها،وکان إذا سئل عن صلاحها قال: حتی تذهب عاهته**“(صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث: ۱۴۸۶)۔

”وقوله(وکان إذا سئل عن صلاحها قال:حتی تذهب عاهته)ای الثمر، وفی روایة الکشمهینی: عاهتها وهومقول ابن عمر بینه مسلم فی روایته من طریق محمد بن جعفر عن شعبة

ولفظه، فقیل لابن عمر: ماصلاحه؟ قال: تذهب عاهته''(فتح الباری)۔

اورامام شافعیؒ کےنزدیک ''بدوصلاح'' سےمراد پھل کا پک جانا یا پکنے کےقریب ہوجانا ہے(تکملہ فتح الملہم ۱؍۳۸۳)۔

اس اختلاف کا خلاصہ یہ ہوا کہ پھل اگراس قابل ہوگیا کہ اب اس پر کوئی آفت سماوی اثر انداز نہیں ہوسکتی ہوتو اس کوفروخت کرنا عندالاحناف جائز ہوگا۔اورعندالشوافع ابھی اس کی بیع جائز نہ ہوگی جب تک کہ وہ پک نہ جائے یا پکنے کے قریب نہ ہوجائے۔ان کا مستدل وہ روایتیں ہیں جن میں حتی تحمر، تحمار اوتصفار جیسے الفاظ مذکور ہیں۔

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں مذاہب ائمہ کی تفصیلات سے قبل بخاری شریف کی روایت ذکر کردینا مناسب ہوگا جوکہ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے:'' **قال اللیث عن أبی الزناد کان عروۃ بن الزبیر یحدث عن سهل بن أبی حتمة الأنصاری من بنی حارثة أنه حدثه عن زید بن ثابتؓ قال: کان الناس فی عهد رسول اللهﷺ یبتاعون الثمار فإذا جذ الناس وحضر تقاضیهم قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان،أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات یحتجون بها فقال رسول اللهﷺ لماکثرت عنده الخصومة فی ذلک: فإما لا، فلاتتبایعوا حتی یبدو صلاح الثمر کالمشورۃ یشیر بها لکثرۃ خصومتهم**''(صحیح البخاری،رقم:۲۱۹۳)۔

یعنی نبی اکرمﷺ کے زمانے میں لوگ بدوصلاح سے قبل ہی پھلوں کی بیع کیا کرتے تھے اوراس کو درخت پر لگا رہنے دیتے تھے۔ پھر جب پھل توڑنے کا وقت آتا اور بائع پیسے کا مطالبہ کرتا اورمشتری پھلوں کا مطالبہ کرتا تو اس وقت آپس میں منازعت پیدا ہوجاتی تھی۔ بایں طورکہ مشتری کہتا کہ اتنی مدت میں میرے پھل کوآفت لگ گئی جس کی وجہ سے مجھے پورا پھل نہیں ملا،لہذا میں پوری قیمت نہیں دوں گا۔جب رسول اللہﷺ کے پاس اس قسم کے جھگڑے کثرت سے آنے لگے تو آپﷺ نے فرمایا کہ اگرتم یہ بیع نہیں چھوڑ سکتے تو اس وقت تک پھلوں کی خرید وفروخت نہ کرو جب تک کہ پھل کی صلاح ظاہر نہ ہوجائے یعنی وہ آفات سے محفوظ نہ ہوجائیں؛ تاکہ بعد میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں: یہ بات جوآپﷺ نے فرمائی کہ بدوصلاح سے پہلے خرید وفروخت نہ کرو، یہ مشورہ کے طور پر آپﷺ نے فرمایا یعنی کثرت خصومت کودیکھ کرآپﷺ نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ ایسے پھلوں کی خرید وفروخت نہ کرو۔

درخت پر لگے پھلوں کے بیع کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب:

ایسے پھلوں کی بیع کی تین صورتیں ہیں:

۱۔بیع قبل الظہور: یعنی ابھی پھل درخت پر آیا ہی نہیں اسی وقت فروخت کردینا، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ پورا

باغ کو ہی ٹھیکہ پر دیدیا جاتا ہے۔ یہ صورت مطلقاً بالا جماع ناجائز ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پھل تو ظاہر ہو چکا ہو لیکن ابھی قابل انتفاع نہ ہوا ہو، یعنی نہ کسی انسان کے کام آسکتا ہو نہ ہی کسی جانور کے کام آسکتا ہو، یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ پھل درخت پر ظاہر ہو چکا ہو اور قابل انتفاع بھی ہو لیکن ابھی بدو صلاح نہ ہوا ہو۔ اس تیسری صورت کی پھر تین صورتیں ہیں:

(الف) ایسے پھلوں کی بیع ''بشرط القطع'' کی گئی ہو، اس شرط کے ساتھ اگر بیع کی گئی تو یہ بیع بالا جماع جائز ہے۔ جمہور فقہاء اسی کے قائل ہیں۔

(ب) ایسے پھلوں کی بیع ''بشرط الترک'' کی گئی ہو، یہ صورت بالا جماع ناجائز ہے۔

(ج) ایسے پھلوں کی بیع ''مطلق عن شرط القطع والترک'' کی گئی ہو یعنی معاملہ کے وقت نہ قطع کی شرط لگائی گئی اور نہ ہی شرط ترک کا تذکرہ کیا گیا۔ اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام حنبلؒ) اس صورت کو ''بشرط الترک'' کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ اس صورت کو ''بشرط القطع'' کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے جائز کہتے ہیں؛ کیونکہ اس صورت میں بائع کو ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ مشتری سے کہے کہ وہ اپنا پھل توڑ لے اور درخت کو فارغ کردے۔

مذکورہ تینوں صورتیں بیع قبل البدو کی تھیں، یعنی پھل قابل انتفاع ہو گیا ہو لیکن بدو صلاح نہ ہوا ہو تو اس کی مذکورہ تین صورتیں ہوئیں جن کا حکم درج کیا گیا۔ اب رہی بات کہ بعد بدو صلاح اگر پھل کو درخت پر ہی فروخت کیا جا رہا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے کہ بعد بدو صلاح جب بیع کی جا رہی ہو تو ہر صورت میں جائز ہے خواہ ''بشرط القطع'' ہو یا ''بشرط الترک'' ہو یا ''مطلق عن الشرط'' ہو۔

کیونکہ احادیث مبارکہ میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے وہ ''قبل بدو الصلاح'' سے متعلق ہے، حدیث پاک کے اندر فرمایا گیا ہے: "ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدو صلاحها"، اور جب ''بدو صلاح'' ہو چکا تو یہ ممانعت بھی ختم ہو گئی؛ لہذا اس کی تینوں صورتیں جائز ہونگی۔

اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قبل بدو الصلاح اور بعد بدو الصلاح میں کوئی فرق نہیں؛ لہذا بشرط الترک کی صورت یہاں بھی ناجائز ہوگی۔ احناف میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر پھل اپنی انتہاء کو پہونچ چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ کی امید نہ ہو تو ایسی صورت میں بشرط الترک کی صورت بھی جائز ہوگی۔ مگر حضرات شیخین کے نزدیک بہر حال ''بشرط الترک'' کی

صورت ناجائز ہے ؛ کیونکہ ایسی صورت میں بیع کیساتھ ایک ایسی شرط لگائی گئی ہے جومقتضاء عقد کے خلاف ہے،جس سے احدالمتعاقدین کا فائدہ ہے۔اورحدیث پاک میں اس سے منع کیا گیا ہے:"**نهی رسول الله ﷺعن بيع وشرط.وقال بعض أهل العلم لايجوزالشرط فی البيع ولايتم البيع إذاكان فيه شرط** "(سنن ترمذی، رقم:۱۲۵۳)۔

خلاصہ بحث:

باغات کی بیع اگراس وقت ہوئی جب کہ پھل بالکل ظاہر نہ ہواہوتوتمام فقہاء کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے۔

اگرپھل ظاہر ہونے کے بعد بدوالصلاح سے پہلے بیع ہوئی تو''بشرط القطع''اور''مطلق عن الشرط''بیع کی صورت بھی جائز ہے،اور بیع کے بعد بائع رضا کارانہ طور پر پھل کودرخت پر چھوڑ دے توبھی کوئی حرج نہیں۔

اور بشرط الترک کی صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگادی گئی جو مقتضاء عقد کے خلاف ہے ؛ کیوں کہ اس شرط سے احدالمتعاقدین کا فائدہ ہے،لیکن مفتی تقی عثمانی صاحب اس صورت کوبھی جائزقراردیتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں کہ جوشرط مفسد عقد ہوتی ہے اس سے تین قسم کی شرائط مستثنی ہیں:

۱۔جوشرط مقتضاء عقد میں داخل ہو،وہ شرط عقدکوفاسدنہیں کرتی ،جیسے بیع بشرط القطع۔

۲۔جوشرط مقتضاء عقد میں داخل تو نہ ہولیکن عقد کے ملائم ومناسب ہو،جیسے کفیل اور رہن کی شرط،اس سے بھی عقد فاسدنہیں ہوتا۔

۳۔جوشرط متعارف بین التجار ہوگئی ہواورعقدکا حصہ سمجھی جاتی ہو،جیسے کسی سامان کوفروخت کیااوراس کے ساتھ سال دوسال کی''فری سروس''دےدیا،تویہ شرط اگرچہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے لیکن متعارف بین التجار ہونے کی وجہ سے جائز ہوگئی۔فقہاء متقدمین نے اس کی مثال دی ہے کہ "**من اشتری النعل بشرط أن يحذوه البائع**"تویہ شرط متعارف ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے۔اس کا مطلب یہ ہواکہ جوشرط تاجروں کے درمیان متعارف ہواگرچہ عقد کے خلاف ہوتب بھی عقدجائز ہوتی ہے،اور بشرط الترک کی صورت تو متعارف سے بھی بڑھی ہوئی ہے؛لہذااس اصول کی روشنی میں یہ صورت بھی جائزقراردی جائیگی(اسلام اورجدیدمعاشی مسائل ر ۲)،یعنی بعدالظہورقبل البدوکی تینوں صورتیں جائز ہونگی؛کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ قبل البدوبیع کرنے سے آپ ﷺ نے جومنع فرمایاہے وہ بطور مشورہ تھاجوآپ ﷺ نے کثرت خصومت کودیکھ کرلوگوں کومشورہ دیاتھا،اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ نہی بطورتحریم نہیں تھی،اورجن روایتوں میں نہی کا لفظ صراحۃً مذکورہےان کونہی تنزیہی پرمحمول کیاجائیگا۔مطلب یہ ہواکہ یہ ممانعت کثرت

خصومت کی وجہ سے تھی، اور اب جب کہ یہ معاملہ تاجروں کے درمیان متعارف ہو جانے کی وجہ سے موجب خصومت نہیں رہا؛لہذا''بشرط الترک'' کی صورت بھی جائز ہوگی؛ لیکن یہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ پھل ظاہر ہو چکا ہو، اور اگر پھل ظاہر نہ ہوا ہو تو تمام فقہاء اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔اسی طرح اگر باغ کا کچھ پھل ظاہر ہوا ہو اور کچھ ظاہر نہ ہوا ہو تو حنفیہ میں سے امام فضلیؒ فرماتے ہیں کہ جو حصہ ظاہر نہ ہوا ہے اس کو ظاہر شدہ ثمرہ کے تابع مان لیا جائیگا اور تبعاً اس کی بیع بھی جائز قرار دی جائیگی۔

کیونکہ روز اول سے ہی تمام باغات کے پھلوں کی جو بیع ہوتی ہے وہ اسی طرح (قبل البدو) ہوتی ہے، کوئی بھی اس کی بیع کے لئے پھل پکنے کا انتظار نہیں کرتا، اسی وجہ سے ہر دور کے فقہاء کرام نے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح اس کو قواعد شرعیہ پر منطبق کیا جائے اور تحریم سے بچنے کی کوئی بھی صورت نکلتی ہو تو اس کو اختیار کیا جائے؛ تاکہ لوگوں کو حرج لازم نہ آئے، اسی وجہ سے مذکورہ توجیہ کی گئی۔

قبل الظہور پھلوں کی بیع:

رہا مسئلہ قبل الظہور پھلوں کی بیع کا جس کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے؛ جبکہ عام طور سے پھلوں کی خرید وفروخت میں یہی صورت اختیار کی جاتی ہے اور اس کا عام رواج ہو چکا ہے اس سے امت کو کیسے بچایا جائے؟

بعض فقہاء کرام نے اس صورت کو بیع سلم کے تحت داخل کر کے جائز قرار دیا ہے۔مثلاً علامہ شامیؒ نے بیع سلم کے تحت داخل کر کے اس پر جواز کا فتوی تحریر فرمایا ہے۔اگر چہ حنفیہ کے نزدیک جواز سلم کی جو شرائط ہیں وہ اس میں نہیں پائی جاتیں جیسا کہ حضرت تھانویؒ اس پر اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

۱۔وقت عقد مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے، اور قبل الظہور کی صورت میں یہ شرط مفقود ہے۔

۲۔مسلم فیہ کا مقدار متعین ہونا ضروری ہے جو اس صورت میں نہیں ہے۔

۳۔مدت متعین ہونا ضروری ہے جو اس صورت میں نہیں پائی جاتی ہے۔

۴۔اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔

۵۔اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔

۶۔اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

ان میں سے پہلا اشکال تو عدول عن المذھب سے دور ہوسکتا ہے؛ کیونکہ عقد سلم کے وقت مسلم فیہ کا وجود عند الاحناف ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تسلیم کے وقت مسلم فیہ کا وجود کافی ہے،عقد کے وقت اس کا وجود ضروری نہیں، لہذا اس ضرورت شدیدہ کے وقت اور ابتلاء عام کی وجہ سے مذہب غیر پر عمل کی گنجائش دی جائیگی جیسا کہ فقہاء کرام ایسے مواقع پر کسی کلیہ شرعیہ کے تحت داخل کر کے گنجائش نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے بھی ''قبل البدوٗ'' بیع ثمار کی گنجائش پر زور دیا ہے اور اس کو سلم کے ساتھ ملحق کر کے جواز کا فتوی دیا ہے۔ اور علامہ رافعیؒ کا علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انکی اس تحقیق سے وہ بھی متفق ہیں۔

رہی بات کہ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے شرائط سلم قبل الظھو ربیع کی صورت میں نہیں پائے جاتے جس کا تذکرہ اوپر میں کیا گیا تو اسکو بیع سلم کے تحت کیسے داخل کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح بیع سلم کسی خاص درخت یا باغ میں نہیں ہوسکتی۔ سلم میں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ مجھے دومہینہ یا چھ مہینہ کے بعد ایک من گندم دیں گے یا ایک ٹن کھجور دیں گے، وہ کھجوریں یا گندم کہیں سے بھی ہوں۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ فلاں باغ یا فلاں درخت کا پھل دیں گے تو یہ سلم نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس باغ یا جس درخت کو متعین کیا گیا ہے اس میں پھل نہ آوے تو اس میں غرر ہوگا، اس لئے قبل الظھور کی صورت کو سلم کے تحت داخل کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ان سارے اشکالات کا جواب حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاوی (۶/ ۴۸۸) میں تحریر فرمایا ہے جو حالات کے پیش نظر قابل اطمینان اور قابل اتباع ہے۔

کیونکہ قبل الظھو ربیع ناجائز ہونے کی علت جہالت ہے جو مفضی الی المنازعۃ ہوتی ہے، اور اس منازعہ کی وجہ سے ہی قبل البدو پھلوں کی خرید وفروخت کرنے سے احادیث میں ممانعت آئی ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے: ''**فقال رسول اللہ ﷺ لما کثرت عندہ الخصومۃ فی ذلک: فإما لا' فلا تتبایعوا حتی یبدو صلاح الثمر کالمشورۃ یشیر بھا**'' (صحیح البخاری)۔

لیکن موجودہ زمانے میں اس طرح کی خرید وفروخت کا رواج اتنا عام ہو چکا ہے کہ یہ جہالت متعاقدین کے درمیان منازعت کا سبب نہیں بنتی؛ لہذا بیع کی اس صورت کو ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر بیع سلم کے تحت داخل کر دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

۶- صرف درخت کو کرائے پر لینا شرعاً جائز نہیں؛ کیونکہ اس کا رواج نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ''**إن استأجر الشجر إلی وقت الادراک بطلت الاجارۃ**'' (شامی ۴/ ۴۴)۔

''**ولا تعامل فی إجارۃ الأشجار المجردۃ فلا یجوز، کذا لو استأجر أشجارا لیجفف علیھا ثیابہ**

فلایجوز و ذکرہ الکرخی إذا بطلت بقی الإذن معتبراً فیطیب"(فتح القدیر ۵؍۴۹۰)۔

۷- قبل الظہو رپھلوں کی بیع کی ایک صورت یہ نکالی جاسکتی ہے کہ اس بیع کو بیع الثمار نہیں؛ بلکہ بیع الازہار قرار دیا جائے، اورازہار چونکہ مال **متقوم منتفع به للدواب بل لبعض حاجات الناس** بھی ہے۔ بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہوتو فی ثانی الحال منتفع بہ ہے۔"**کما نقله العلامة ابن عابدینؒ عن الامام ابن الهمامؒ فی صحة بیع الثمار بعد البروز قبل أن یکون منتفعا به**" (شامی ۴؍۴۲)۔

لیکن یہ صورت بھی اسی وقت ہوگی جبکہ ازہار کا وجود ہو چکا ہو، اور اگر ابھی پھولوں کا بھی وجود نہیں ہوا ہے اور اسکی بیع کی جارہی ہو جیسا کہ عام طور سے ہوتا ہے کہ کئی سالوں کے لئے باغات کو فروخت کر دیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کے پیش نظر مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے، اور ابتلاء عام کی صورت میں امت کو گناہ سے بچانے کے لئے مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

۸- اس کا جواب ماقبل میں آچکا ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا صدر عالم قاسمی☆

درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خرید وفروخت کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱-درخت پر پھلوں کے آنے سے پہلے ہی پورے باغ کو ایک سال یا آئندہ چند سالوں کیلئے فروخت کردیا جائے۔

۲-بعض پھل نکلے ہوں اور بعض ابھی نہیں نکلے ہوں؛ بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو اور موجود اور متوقع دونوں طرح کے پھلوں کا لحاظ کرتے ہوئے پورے باغ کو فروخت کردیا جائے۔

۳-درختوں پر پھل آگئے ہیں لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے ہیں۔

۴-پھل نکل بھی آئے ہوں اور قابل استعمال بھی ہوگئے ہوں۔

پہلی صورت: یعنی درختوں پر پھل آنے سے پہلے ہی فروخت کردینا تو یہ جائز نہیں بیع باطل ہے، علامہ ابن المنذر نے اس کے بطلان پر اجماع نقل کیا ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو شرعاً ممنوع ہے، اور یہی مصداق ہے بیع معاومہ اور بیع سنین کا جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے؛ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "**وأما النهى عن بيع المعاومة وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو أكثر فيسمىٰ بيع المعاومة وبيع السنين وهو باطل بالإجماع نقل الإجماع فيه ابن المنذر وغيره لهٰذه الأحاديث**" (حاشیہ مسلم: ۱۰/۲)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "**وعلىٰ هٰذا لا يجوز بيع الثمار قبل ظهورها إلا بطريق السلم لأنه بيع معدوم ولم يقل بجوازه أحد وإن جرى به التعامل والأصل فيه ماروى عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ نهىٰ عن بيع المعاومة أخرجه مسلم وأبو داؤد ، والمراد منه بيع ما تحمله شجرة مخصوصة أو أشجار مخصوصة من الثمر إلىٰ مدة سنة فاكثر**" (فقہ البیوع ۳۲۶/۱)۔

البتہ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے ابتلائے عام اور ضرورت کی بنا پر اس صورت کو بیع سلم کے ساتھ ملحق کرکے جواز کی بات کہی ہے؛ لیکن اس کو بیع سلم کے ساتھ ملحق کرکے جائز قرار دینا کئی وجہ سے محل نظر ہے: بیع سلم کی شرطیں نہیں پائی جارہی

☆ الجامعۃ العربیۃ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی۔

ہیں مثلاً حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کی ایک شرط ہے مبیع (مسلم فیہ) کا معاملہ کے وقت سے لیکر ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہونا۔ اور اس صورت میں یہ شرط نہیں پائی جارہی ہے، اور اگر فقہی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر اس شرط کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو مبیع کی مقدار اور ادائیگی کے وقت کا معلوم ومتعین ہونا تو بالاتفاق سب کے نزدیک ضروری ہے؛ کیونکہ نص صریح سے ثابت ہے، **"فليسلف في كيل معلوم أو وزن معلوم إلىٰ أجل معلوم"** (ترمذی، کتاب البیوع ۱/۲۴۵)، اس کا جواب مفتی صاحب کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ تعارف اور تراضی طرفین کے سبب یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں؛ لہذا قابل تحمل ہے، لیکن مفتی صاحب کی اس توجیہ کو مفتی تقی عثمانی صاحب نے محل نظر قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: مقدار مبیع کی جہالت کو تراضی طرفین کی وجہ سے قابل تحمل قرار دینا محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جن عقود میں غرر شدید ہو وہ تراضی طرفین سے بھی جائز نہیں ہوتے، شریعت متعاقدین میں سے ہر ایک کے جائز مفاد کا تحفظ کرتی ہے خواہ وہ خود اپنے مفاد سے دست بردار ہو گیا ہو (فتاویٰ عثمانی ۳/۱۰۹)۔

نیز بیع قبل ظہور الاثمار کو بیع سلم کی تاویل میں کر کے جائز قرار دینا اس لئے بھی درست نہیں کہ اس سے بیع معاومہ اور سنین کی ممانعت والی حدیثیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی اور نصوص صحیحہ صریحہ کا اہمال اور ترک لازم آئے گا؛ جبکہ عرف اور ضرورت کی وجہ سے نصوص میں تاویل وتخصیص کی تو گنجائش ہوسکتی ہے لیکن اس کا بالکلیہ اہمال وترک قطعاً جائز نہیں۔

حاصل یہ کہ درختوں پر پھل آنے سے پہلے فروخت کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو بالاجماع ممنوع ہے نیز اس کی ممانعت پر الگ سے بھی احادیث صحیحہ صریحہ موجود ہیں، سلم کے ساتھ ملحق کر کے جائز قرار دینے کی صورت میں ان احادیث صحیحہ صریحہ کا ترک لازم آئیگا جو قطعاً درست نہیں۔

دوسری صورت: یعنی کچھ پھل نکل آئے ہیں اور کچھ ابھی نہیں نکلے ہیں؛ بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہے، اب باغ کا مالک موجود اور معدوم تمام کو فروخت کر دے تو شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہ بیع درست نہیں، اور احناف کا بھی ظاہر مذہب یہی ہے؛ جبکہ مالکیہ کے نزدیک درست ہے: **(ولو برز بعضها دون بعض) لا يصح (في ظاهر المذهب)** (شامی ۵/۶۵)۔

"فمذهب جمهور الفقهاء من الشافعية والحنابلة وظاهر الرواية عند الحنفية وهو الاصح عندهم قياماً أنه لا يصح بيعه ومذهب مالك جوازه" (موسوعہ فقہیہ ۹/۱۹۸)۔

البتہ حنفیہ میں سے امام حلوانیؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اکثر پھل نکل آئے ہوں، **"وأفتى الحلواني بالجواز لو الخارج اكثر"** (شامی ۷/۶۶)۔

اور امام فضلی نے تو تعامل کی وجہ سے اکثر اور اقل کی قید کے بغیر اس کو جائز قرار دیا ہے اور موجود کو اصل مان کر معدوم کو اس کے تابع قرار دیا ہے۔

"ومذهب مالک جوازه وهو ایضاً ما أفتیٰ به بعض الحنفیة کالحلوانی ؒ وأبی بکرمحمد بن الفضل البخاریؒ وآخرین استحساناً وذٰلک بجعل الموجود أصلاً فی العقد ومایحدث بعده تبعاً له من غیر تقیید بکون الموجود وقت العقد اکثر"(موسوعہ فقہیہ ۱۸۹/۹)۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے تو ظاہر الروایہ کے مطابق ہی فتویٰ دیکر اس کو ناجائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کا ناجائز ہونا خود نص سے ثابت ہے، اور رہا تعامل ناس کی وجہ سے ضرورت کا مسئلہ تو اس کا انہوں نے انکار کیا ہے؛ کیونکہ جواز کی اور بھی بہت سی شکلیں ہیں مثلاً یہ کہ بعض ثمن کے بدلہ فقط موجود کی بیع کی جائے اور معدوم کی بیع کو مؤخر کر دیا جائے، یا پورے ثمن کے بدلے صرف موجود کی بیع کی جائے اور آئندہ جو پھل آئیگا بائع اس کو مشتری کیلئے مباح قرار دے وغیرہ وغیرہ۔

"وقال شمس الائمة السرخسیؒ والأصح أنه لا یجوز لأن المصیر إلیٰ مثل هٰذه الطریقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة هنا لأنه یمکن أن یبیع الأصول علیٰ ما بینا أو یشتری الموجود ببعض الثمن ویؤخر العقد فی الباقی إلیٰ وقت وجوده أو یشتری الموجود بجمیع الثمن ویبیح له الانتفاع بما یحدث منه فیحصل مقصود هما بهٰذا الطریق فلا ضرورة إلیٰ تجویز العقد فی المعدوم مصادماً للنص"(شامی ۶۶/۷)۔

لیکن متأخرین نے لوگوں کے بڑھتے ہوئے تعامل کے پیش نظر امام فضلیؒ کی رائے کو ہی راجح قرار دیا ہے؛ کیونکہ اب مسائل شرعیہ سے کم واقفیت کے سبب اکثر لوگوں سے یہ امید نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ جواز کے مذکورہ بالا طریقوں پر عمل کرتے ہوئے پھلوں کی خرید وفروخت کا معاملہ کریں گے، اب اگر ایسی صورت میں خرید وفروخت کی اس صورت کو ناجائز قرار دیا جائے تو بازاروں میں حلال پھلوں کا ملنا مشکل ہوجائیگا، پس چونکہ اب بیع کی یہ شکل ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے اور ضرورت کے مواقع پر ظاہر الروایہ سے عدول کرنے کی گنجائش ہوتی ہے؛ لہٰذا یہاں بھی ظاہر الروایۃ سے عدول کرکے امام فضلیؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"قلت لکن لا یخفیٰ تحقق الضرورة فی زماننا ولا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبلة الجهل علی الناس لایمکن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذکورة وإن أمکن ذٰلک بالنسبة إلیٰ بعض أفراد الناس لا یمکن بالنسبة إلیٰ عامتهم وفی نزعهم عن عامتهم حرج کما

علمت ویلزم تحریم أکل الثمار فی هٰذه البلدان إذ لا تباع إلا کذٰلک ... وما ضاق الأمر إلا اتسع ولا یخفیٰ أن هٰذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة" (شامی ۶۶/۷)۔

تیسری صورت: یعنی پھل کے تیار ہونے (بدوصلاح) سے قبل ہی فروخت کردیا جائے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات اور بیماریوں سے محفوظ ہونا ہے؛ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدوصلاح سے مراد یہ ہے کہ پھل پکنے لگے اور اس میں مٹھاس آجائے، اور قریب قریب یہی رائے مالکیہ اور حنابلہ کی بھی ہے، جن سب کا حاصل یہ ہے کہ پھلوں میں پکنے کے آثار مثلاً رنگ مٹھاس وغیرہ پیدا ہوجائے۔

"**فبدو الصلاح عند الحنفیة أن تأمن الثمرة العاهة والفساد .. وأما الشافعیة ففسروه بظهور النضج والحلاوة** (فتح الملہم ۳۸۴/۱)، **علی الخلاف فی تفسیره بظهور النضج والحلاوة والتموّه ونحوها عند الجمهور وبأمن العاهة والفساد عند الحنفیة**" (موسوعہ فقہیہ ۱۹۲/۹)۔

خیر بدوصلاح سے قبل اگر خرید وفروخت کا معاملہ کیا جائے تو اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) بیع بشرط القطع یعنی خرید و فروخت کے وقت یہ شرط لگادی گئی کہ مشتری پھل فی الحال توڑ لے گا تو یہ بیع سب کے نزدیک بالاتفاق درست ہے بشرطیکہ پھل انسان یا جانور کسی کے بھی کسی درجہ میں استعمال کے قابل ہو، اور اگر بالکلیہ استعمال کے قابل نہیں ہے حتیٰ کہ جانوروں کے چارہ کے لائق بھی نہیں ہے تو اس سلسلے میں مشائخ احناف کا اختلاف ہے، قاضی خانؒ نے عدم جواز کو اکثر مشائخ کا نظریہ قرار دیا ہے جبکہ دوسرے لوگوں نے اس مرحلہ میں بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اور علامہ ابن ہمامؒ اور ابن نجیمؒ وغیرہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے؛ کیونکہ یہ مال منتفع بہ ہے، فی الحال نہ سہی لیکن فی المآل تو قابل انتفاع ہے۔

حاصل یہ کہ بیع بشرط القطع ہو تو حنفیہ کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہ بیع دونوں صورتوں میں جائز ہے خواہ وہ پھل فی الحال قابل انتفاع ہو یا فی المآل قابل انتفاع ہو؛ جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری ہے۔

"**الثالثة أن یبیعها بعد الظهور قبل بدو الصلاح بشرط القطع فی الحال فهٰذا البیع صحیح بالاجماع ....غیر أن الفقهاء قیدوا هٰذا الحکم وهو جواز بیع الثمرة قبل بدو الصلاح بشرط القطع فی الحال بقیود ....الشرط الاول أن یکون الثمر منتفعاً به فالاصح من مذهبهم وکذا المالکیة علیٰ إطلاق الانتفاع به وصرح الحنفیة بشمول الانتفاع لما هو فی الحال أو فی الزمان الثانی وهو المآل .....والشافعیة والحنابلة قیدوا جواز الانتفاع به فی الحال**" (موسوعہ فقہیہ ۱۹۰/۹)۔

حاصل یہ کہ بیع بشرط القطع ہو تو مالکیہ اور حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ مطلق قابل انتفاع ہونے کی صورت میں بیع

درست ہے یعنی وہ پھل فی الحال قابل انتفاع ہو یا فی المآل قابل انتفاع ہو، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک فی الحال قابل انتفاع ہونا ضروری ہے۔

(۲) بیع بشرط الترک والتبقیہ یعنی خرید وفروخت کے وقت مشتری یہ شرط لگادے کہ پھل پکنے اور تیار ہونے تک درخت پر ہی رہے گا تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔

"والصورة الثانية أن يشرط المشترى ترک الثمار على الأشجار حتىٰ يحين الجذاذ وهٰذه الصورة باطلة بالاجماع ولا يصح البيع فيها عند أحد" (فتح الملہم ۱/ ۳۸۶)۔

(۳) مطلق عن شرط القطع والترک یعنی بیع کے وقت نہ تو فی الحال پھل توڑنے کی شرط لگائی گئی اور نہ ہی پکنے تک باقی رکھنے کی شرط لگائی گئی تو یہ صورت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں؛ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس صورت میں بھی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

والصورة الثالثة أن يقع البيع مطلقاً ولا يشترط فيه ترک ولا قطع فهٰذه الصورة محل خلاف بين الائمة فقال مالک والشافعى وأحمد رحمهم الله: البيع فيها باطل كما فى الصورة الثانية، وقال أبوحنيفةؒ: البيع فيها جائز كالصورة الاولىٰ" (فتح الملہم ۱/ ۳۶۸)۔

چوتھی صورت: یعنی پھلوں کے تیار ہونے (بدوصلاح) کے بعد فروخت کیا جائے تو اس کی بھی تین صورتیں ہونگی: (۱) بشرط القطع (۲) بشرط الترک (۳) مطلق عن الشرط۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو بدوصلاح کے بعد ان تینوں صورتوں میں بیع درست ہے؛ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس طرح بدوصلاح سے قبل بشرط الترک درست نہیں اسی طرح بدوصلاح کے بعد بھی بشرط الترک درست نہیں؛ البتہ امام محمدؒ نے اس سلسلے میں تھوڑی سی تفصیل کی ہے اور وہ یہ کہ پھلوں کا حجم اور سائز اگر مکمل ہو چکا ہے تب تو بشرط الترک بھی جائز ہے عرف اور تعامل کی وجہ سے، اور اگر سائز مکمل نہیں ہوا تو ان کے نزدیک بھی بشرط الترک جائز نہیں، اور علامہ ابن الھمامؒ کی رائے ہے کہ امام محمدؒ کا تناھی عظم کی صورت میں بیع کو جائز قرار دینا عرف اور تعامل کی وجہ سے ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تناھی عظم سے پہلے بھی اگر بیع بشرط الترک کا رواج ہو جائے تو ان کے نزدیک درست ہونا چاہئے۔

"وأما بيع الثمار بعد بدو صلاحها فله صور ثلاث ايضاً الاولىٰ أن تباع بشرط القطع والثانية أن تباع بشرط تركها على الاشجار والثالثة أن تباع مطلقاً فالشافعى ومالک وأحمد رحمهم الله يجوزون البيع فى الصور الثلاث كلها وأما أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله فقالا: يجوز البيع

بشرط القطع وفی صورة الاطلاق ویفسد بشرط الترک وأما محمد بن الحسنؒ ففصل المسئلة وقال لو کان البیع بشرط الترک بعد ما تناهیٰ عظم الثمار جاز البیع استحساناً للعرف ولو لم یتناه عظمها فسد بشرط الترک'' (فتح الملہم ۱/ ۳۹۲)۔

ذکر ابن الهمامؒ أن محمداً رحمه الله انما فرق بین ما تناهیٰ عظمه ومالم یتناه لأن التعامل إنما جریٰ بشرط الترک فی المتناهی ولم یجر فی مالم یتناه عظمه وإلا فهما سواء فی کون الشرط لا یقتضیه العقد وهٰذا یقتضی أنه لو جریٰ العرف والتعامل فی غیر المتناهی جاز ایضاً''(فقہ البیوع ۱/ ۳۳۱)۔

حاصل یہ کہ حنفیہ کے نزدیک بیع بشرط الترک خواہ بدوصلاح سے پہلے ہو یا بدوصلاح کے بعد درست نہیں ،صرف امام محمدؒ نے تناہی عظم کی صورت میں بشرط الترک بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

البتہ ہمارے بعض اکابر ارباب افتاء نے لوگوں کے تعامل اور موجودہ عرف کے پیش نظر بدوصلاح سے پہلے بھی بیع بشرط الترک کو ضرورۃً جائز کہا ہے؛ کیونکہ فقہاء احناف کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ اسی وقت مفسد عقد ہوتی ہے جب اس کا عرف اور رواج نہ ہو، اور اگر اس کا عرف اور رواج ہو جائے تو پھر وہ شرط بجائے خود معتبر اور جائز ہے، اور موجودہ زمانے میں بدوصلاح سے قبل ہی بیع بشرط الترک کا رواج ہوتا جارہا ہے؛ لہٰذا یہ شرط جائز اور معتبر ہوگی اور اس کے ساتھ بیع درست ہونی چاہئے۔

چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ''ثم هٰهنا ناحیة أخریٰ لم یتعرض لها الفقهاء عموماً وهی أن البیع بشرط الترک انما یحرم عند الحنفیة لکونه بیعاً وشرطاً ولکن الحنفیة یجوزون مع البیع شروطاً جری بها التعامل لأن التعامل رافع للنزاع ولاشک أن بیع الثمار بشرط الترک جریٰ به التعامل العام فی اکثر البلاد فینبغی أن یجوز هٰذا الشرط علیٰ أصل الحنفیة''(فتح الملہم ۱/ ۳۹۵)۔

اور حضرت تھانویؒ اور مفتی رشید احمد صاحبؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔

''وعلیٰ هٰذا فرع الامام التهانویؒ أنه إذا جریٰ العرف باشتراط الترک علی الأشجار جاز هٰذا الشرط للعرف وکذا أفتیٰ شیخنا المفتی رشید أحمد رحمه الله فی فتاواه''(فقہ البیوع ۱/ ۳۳۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے: موجودہ عرف اور تعامل کی بنا پر درخت پر باقی رکھنے کی شرط ایک درست شرط ہے، اس شرط کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ بھی درست ہوگا اور یہ شرط بھی بجائے خود معتبر ہوگی (قاموس الفقہ ۳/ ۵۲)۔

اب جبکہ ماضی قریب اور موجودہ زمانہ کی کئی ایک بڑی بڑی فقہی شخصیتوں نے عرف اور تعامل کی بنا پر بیع بشرط الترک کو بھی جائز قرار دیا ہے اور بیع بشرط القطع و مطلق عن الشرط والی صورتیں حنفیہ کے نزدیک پہلے ہی سے جائز ہیں تو اب اس حیلہ کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی کہ پھل خرید لیا جائے اور توڑنے کی مدت تک کیلئے درخت کو کرایہ پر لے لیا جائے ۔

خلاصۂ بحث:

(۱) پھلوں کے نکلنے سے پہلے ہی ایک سال یا آئندہ کئی سالوں کیلئے ان کو فروخت کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، اور یہی مصداق ہے بیع معاومہ اور بیع سنین کا جس کی ممانعت پر احادیث صحیحہ اور صریحہ موجود ہیں، اب اگر اس بیع کو سلم وغیرہ کی تاویل میں کر کے جائز قرار دیا جائے تو نص صحیح وصریح کا اہمال لازم آئیگا؛ لہٰذا یہ بیع قطعاً درست نہیں۔

(۲) اگر بعض پھل نکل آئے ہوں اور بعض ابھی نہیں نکلے ہوں تو اس صورت میں گو کہ حنفیہ کا ظاہر مذہب عدم جواز کا ہے لیکن چونکہ امام فضلیؒ وغیرہ نے تعامل کی وجہ سے معدوم کو موجود کے تابع بنا کر اس بیع کو جائز قرار دیا ہے اور متأخرین نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اس لئے بر بنائے ضرورت استحساناً یہ بیع جائز اور درست ہوگی۔

(۳) بیع بشرط الترک بالاتفاق جائز نہیں؛ کیونکہ یہ بیع کے ساتھ ایک ایسی شرط لگانا ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا؛ لہٰذا یہ شرط مفسد عقد ہوگی، چونکہ حضرت تھانویؒ، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، مفتی تقی عثمانی، اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب وغیرھم نے اس شرط کو موجودہ عرف اور تعامل کی وجہ سے معتبر اور جائز قرار دیا ہے؛ لہٰذا اب بشرط الترک بھی بیع جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ بشرط القطع اور مطلق عن الشرط کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک پہلے ہی سے بیع جائز ہے۔

(۴) اور جب بدو صلاح سے قبل والی تینوں صورتوں (بشرط القطع، بشرط الترک، مطلق عن الشرط) میں بیع جائز ہے تو اب اس حیلہ کی ضرورت نہ رہی کہ پھل خرید لیا جائے اور درخت کو توڑنے کی مدت تک کیلئے کرایہ پر لے لیا جائے۔

☆☆☆

باغات کے پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا عبدالحلیم اعظمی☆

تمہید:

خرید وفروخت کی جو صورتیں رائج ہیں، ان میں ایک باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت ہے۔ کتب فقہ میں عام طور پر خرید وفروخت کے جو اصول مقرر کئے گئے ہیں، پھلوں کی مروجہ تجارت میں بعض مواقع پر ان سے انحراف اور گریز بھی کیا جاتا ہے۔ ایک طرف یہ اصول وقواعد ہیں جو نص میں بہ صراحت بیان کئے گئے ہیں یا کتاب وسنت کے عام اصول سے مستنبط ہیں، دوسری طرف آج کل کا تعامل اور رواج ہے اور یہ بھی مستقل فقہی اصل ہے کہ معاملات کے جو طریقے رواج پذیر ہوجائیں اور تعامل کی وجہ سے ان سے بچنا دشوار ہوجائے، کتاب وسنت کی حدود اربعہ میں رہتے ہوئے ممکن حد تک ان میں نرمی اور یسر کی راہ اختیار کی جائیگی؛ تاکہ لوگ کتاب وسنت کے انہیں حدود اربعہ میں رہتے ہوئے ان پر عمل کرسکیں؛ لہذا انہیں میں سے ایک معاملہ باغات اور پھلوں کی خرید وفروخت کا ہے، اور تعامل کیوجہ سے اس سے بچنا بھی دشوار ہوچکا ہے، اسی کے پیش نظر یہ مقالہ پیش خدمت ہے۔

۱- بیع معاومہ سے مراد ان پھلوں کی بیع ہے جو ابھی نکلے ہی نہ ہوں اسی کو بیع سنین بھی کہا جاتا ہے، "**هی بيع ثمر نخل أو شجر سنين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق فهو كبيع الولد قبل أن يخلق**" (تحفۃ الاحوذی ۲/۸/۱۲۷، کتاب البیوع، باب ماجاء فی المخابرۃ الخ، تحفۃ الالمعی ۴/۲۴۲)۔

"**(بيع السنين) قال الخطابي: هو أن يبيع الرجل ماتثمره النخلة أو النخلات بأعيانها سنين ثلاثا أو أربعا أو أكثر منها**" (عون المعبود شرح أبی داؤد)۔

۲- درخت پر پھلوں کی بیع کے چند درجات ہیں:

۱- پہلا درجہ یہ ہے کہ درخت پر پھل ظاہر تو ہو لیکن قابل انتفاع نہ ہو یعنی نہ تو کسی انسان کے کام آسکتا ہے اور نہ کسی جانور کے تو اس کے بیع کی چند صورتیں ہیں:

☆ جامعہ عزیزیہ، سہریا، اعظم گڑھ، اتر پردیش۔

۱-اگر اس شرط پر بیع کی گئی کہ خریدار اسے فوراً توڑ لے گا تو یہ صورت بالاتفاق درست ہے، جیسا کہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں:"القسم الثاني:أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع لأن البيع إنما كان خوفا من الثمرة وحدوث العاهة عليها قبل أخذها"(المغنی ۴/۷۲)۔

"وأما بيع الثمار على الشجر أو بيع الزرع في الأرض بعد أن يخلق فاختلف فيه العلماء فقال الحنفية: إن كان البيع قبل بدوصلاح الزرع أو الثمر فهناک حالات إن كان بشرط القطع جاز ويجب القطع للحلال إلا بإذن البائع" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۵۵)۔

۲-اگر خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت یہ طے نہ پایا کہ پھل ابھی توڑے گا یا اسے تیار ہونے تک درخت ہی پر باقی رکھے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی معاملہ درست ہوجائے گا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔

"القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل وبه قال مالک والشافعى وأجازه أبو حنيفة"(المغنی ۴/۷۲)۔

"وإن كان البيع مطلقا عن الشرط جاز أيضا عند الحنفية خلافا للشافعية ومالک وأحمد"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۲۵۵)۔

۳-اگر معاملہ اس شرط کے ساتھ طے پائے کہ مالک درخت پر پھل کو رہنے دے گا یہاں تک کہ پھل پک جائے تو تمام ائمہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہوگی۔

"أما إذا باع بشرط الترک فهو فاسد"(تحفۃ الفقہاء ص ۵۵)۔

"وإن كان بشرط الترک فالعقد فاسد باتفاق علماء الحنفية"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۲۵۹)۔

۲-دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسانوں اور جانوروں کے لئے قابل انتفاع تو ہولیکن ابھی بدوصلاح نہیں ہوا یعنی آفات سے محفوظ نہیں ہوا اور اندیشہ ہے کہ کوئی بھی آفت اس کو لگ جائے گی تو وہ سارا پھل یا اس کا بڑا حصہ ضائع ہوجائے گا اور یہی "بيع الثمرة قبل أن يبدو صلاحها" کہلاتا ہے، اس کی بھی تین صورتیں ہیں:

۱-پہلی صورت یہ ہے کہ پھل کی بیع بدوصلاح سے پہلے کی گئی ہولیکن عقد بیع میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ مشتری ابھی اس پھل کو درخت سے توڑ لے گا تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے۔

"أما بيعها بعد الظهور قبل بدوصلاحها فله صور ثلاث:الأولى:أن يشترط البائع على المشترى أن يقطعها فوراً ولا يتركها على الأشجار وهذه الصورة جائزة باجماع الائمة الاربعة

وجمهور فقهاء الأمصار"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

۲-دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کی جائے اور مشتری یہ کہے کہ میں یہ پھل خرید رہا ہوں لیکن جب تک یہ پھل پک نہیں جائے گا درخت ہی پر چھوڑ دوں گا تو یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے،"**والصورة الثانية:أن يشترط المشتري ترك الثمار على الأشجار حتى يحين الجذاذ وهذه الصورة باطلة بالاجماع ولايصح البيع فيها عند أحد**"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

۳-تیسری صورت یہ ہے کہ درخت پر لگا ہوا پھل خریدا مگر کوئی شرط نہیں لگائی، نہ توڑنے کی اور نہ ہی چھوڑنے کی، تو اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ اس بیع کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اس کو جائز کہتے ہیں۔

"**والصورة الثالثة:أن يقع البيع مطلقا ولا يشترط فيه قطع ولا ترك فهذه الصورة محل خلاف بين الأئمة فقال مالك والشافعي وأحمد: البيع فيها باطل كما فى الصورة الثانية، وقال أبوحنيفةؒ:البيع فيها جائز كالصورة الاولى**"(تکملہ فتح الملہم ۱/۳۷۰)۔

۳-تیسرا درجہ یہ ہے کہ بدوصلاح کے بعد پھل فروخت کیا گیا ہو یعنی پک چکا ہو یا آفات سے محفوظ ہو چکا ہو تو اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بدوصلاح کے بعد جب بھی بیع کی جائے گی تو جائز ہے یعنی تینوں صورتیں جائز ہیں: توڑنے کی شرط کے ساتھ بھی، چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بھی، بغیر کسی شرط کے بھی، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بدوصلاح سے پہلے کی صورت میں اور بدوصلاح کے بعد کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے، جو صورتیں وہاں جائز ہیں وہ یہاں بھی جائز ہیں اور جو وہاں ناجائز ہیں وہ یہاں بھی ناجائز ہیں؛ چنانچہ اگر توڑنے کی شرط ہو یا کسی شرط کے بغیر ہو تو جائز ہے اور اگر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ ہو تو یہاں بھی وہ ناجائز ہے۔

البتہ اس صورت میں امام محمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پھل کا حجم مکمل ہو چکا ہو اور اس میں مزید اضافہ باقی نہ ہو تو چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بھی جائز ہے، لیکن شیخینؒ کے نزدیک اس کا سائز مکمل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو دونوں صورتوں میں چھوڑنے کی شرط کے ساتھ ناجائز ہے۔

"**وأما بيع الثمار بعد بدوصلاحها فله صورثلاث ايضا: الاولى: أن تباع بشرط القطع، والثانية: أن تباع بشرط تركها على الأشجار، والثالثة:أن تباع مطلقا، فالشافعي ومالك وأحمد رحمهم الله يجوزون البيع فى الصور الثلاث كلها، وأما أبوحنيفة وأبويوسف رحمهما الله تعالى فقالا: يجوز البيع بشرط القطع وفى صورة الاطلاق ويفسد بشرط الترك......وأما محمد بن الحسنؒ**

ففصل المسئلة وقال: لو كان البيع بشرط الترک......ولو تناهى عظم الثمار جاز البيع استحسانا للعرف ولولم يتناه عظمها فسد بشرط الترک"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۷۵)۔

۳- بدوصلاح کی تفسیر کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، چنانچہ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ پھل آسمانی آفت اور خرابی سے محفوظ ہوجائے جیسا کہ ابن ہمامؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے(فتح القدیر ۵/۴۸۹)۔

"واختلف العلماء فى تفسير بدوصلاح الثمرة فبدوالصلاح عند الحنفية ان تأمن الثمرة العاهة والفساد"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۶۸)۔

اور شافعیہ نے پھل کے پکنے اور اس کے میٹھے ہونے کی ابتداء کے ظہور سے تفسیر کی ہے۔

"وأما الشافعية ففسروا بظهور مبادئ النضح والحلاوة فقال الرملي المعروف بالشافعى الصغير فى نهاية المحتاج: وبدوصلاح الثمر ظهور مبادئ النضج والحلاوة"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۶۸)۔

اور مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ بدوصلاح سے مراد پھلوں کا آفات سے محفوظ ہونا ہے، یہی بات متعدد احادیث مبارکہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے۔

"قال العبد الضعيف عفا الله عنه:الذي يظهر من النظر في مجموع الأحاديث أن المراد من بدوصلاح الثمرة هو أمنها من الآفات لما سيأتي في حديث ابن عمر، والسنبل حتى يبيض ويأمن العاهة"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۶۸)۔

۴-الف: اگر پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل یا آئندہ سالوں کے بھی تو یہ بیع ناجائز ہے۔

"لاخلاف فى عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۵۹)۔

ب- اگر کچھ درختوں میں پھل آگئے ہوں اور کچھ میں نہ آئے ہوں بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو اور مالک باغ تمام پھلوں کو فروخت کیا ہو جو نکل آئے ہیں ان کو بھی جو نہ نکلے ہیں ان کو بھی تو یہ ناجائز ہے۔

"وإذا باع الثمرة الظاهرة وما يظهر بعد ذلک لم يصح البيع عند أبى حنيفة والشافعى وأحمد"(فتح القدیر)۔

اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاوی(۶/۴۸۶) میں شامی کی ایک عبارت کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔

۵- اگر پھل تیار نہ ہوتو اس کو فروخت کرنے کی تین شکلیں ہوسکتی ہیں:

الف- اگر فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے خریدار اس کو اسی حالت میں توڑ لے گا تو جائز ہے۔

ب- اگر شرط لگائی گئی کہ خریدار پھل کے تیار ہونے تک پھل کو اسی درخت پر چھوڑے گا تو یہ بھی جائز ہے اگر چہ حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں ہے مگر ان کے قواعد کا مقتضی یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہو؛ اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اس عقد کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقد کے اندر یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

اس کی تفصیل سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ شرط جو مفسد عقد ہوتی ہے اس سے تین قسم کی شرائط مستثنیٰ ہیں: (۱) وہ جو مقتضائے عقد میں داخل ہو اور وہ عقد کو فاسد نہ کردے، (۲) وہ شرط جو اگر چہ مقتضائے عقد کے اندر داخل نہ ہو لیکن اس کے ملائم اور مناسب ہو جیسے کفیل کی شرط اور رہن کی شرط وغیرہ، یہ عقد کے لئے مفسد نہیں ہوتی ہے، (۳) وہ شرط جو متعارف بین التجار ہوگئی ہو کہ وہ عقد کا حصہ سمجھی جاتی ہو جیسے کوئی فریج خریدتا ہے تو ایک سال کی فری سروس ہوتی ہے تو یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لیکن چونکہ متعارف ہوگئی ہے پس وہ متعارف ہونے کی وجہ سے جائز ہوگئی، اور فقہاء متقدمین نے اس کی مثال دی ہے کہ "أن يشترى النعل بشرط أن يحذوه البائع" لہذا اس سے معلوم ہوا کہ جو شرط متعارف بین التجار ہوجائے چاہے وہ عقد کے خلاف ہو تب بھی جائز ہوتی ہے، اور یہ شرط کہ مشتری پھل کو درخت پر چھوڑے گا یہ متعارف سے بھی زائد ہے تو جب یہ شرط متعارف ہوگئی تو اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط بھی جائز ہو، لہذا بیع بشرط الترک بھی جائز ہوگی۔

"ورجح ابن عابدين فى رسالته لنشر العرف جوازه بيع الثمار مطلقا قبل بدوالصلاح أو بعده إذا جرى العرف بترك ذلک لأن الشرط الفاسد إذا جرى به العرف صار صحيحا ويصح العقد معه استحسانا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۵۹)۔

ج- اگر خریدنے کے بعد نہ فوراً توڑنے کی بات طے پائی ہو اور نہ ہی درخت پر چھوڑنے کی تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

"فان كان البيع قبل بدوصلاح الزرع أو الثمر فهناک حالات وإن كان البيع مطلقا جاز ايضا عند الحنفية" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۲۵۵)۔

۸- ہمارے زمانے میں پھلوں اور باغات کی مروجہ شکلوں کو بیع سلم کے ساتھ لاحق کرکے دوسرے ائمہ کے مذہب کے

مطابق رخصت وگنجائش نکل سکتی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ابتلاء عام اور ضرورت شدیدہ کی وجہ سے بروز بعض کے وقت بیع کو الحاق بالسلم کیا ہے؛ کیونکہ جہاں اس میں ابتلاء عام کی وجہ سے ضرورت شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالکؒ کے مطابق اس کو بیع سلم میں داخل کر کے جائز قرار دیا جائے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف)۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی عطاء اللہ شاہ بخاری☆

دیباچہ:

پھل ہمیشہ سے انسانوں کی غذا میں استعمال ہوتا رہا ہے، بلکہ انسانی جسم کی اہم ترین غذاؤں میں پھل کا شمار ہے؛ کیونکہ پھلوں میں لوہا، وٹامن، گیس مخالف مواد اور غذائی ریشے اور دیگر بہت سے اہم مواد موجود ہیں، جن کی جسم انسانی کو ضرورت پڑتی ہے، ساتھ ہی یہ پھل بہت سے امراض سے لڑنے کی صلاحیت انسان میں پیدا کرتے ہیں، لہذا روزانہ انسان کو کچھ نہ کچھ پھل غذا کے طور پر استعمال کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس سے جسم کی تخلیقی قوت میں اضافہ ہوتا ہے، ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں، شوگر کے مرض میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہتا ہے، قوت دفاع میں اضافہ ہوتا ہے، قبض کا علاج ہوتا ہے اور قبض سے حفاظت حاصل ہوتی ہے، خون کی کمی کا علاج ہوتا ہے، خلیہ کی نسیجیں مضبوط ہوتی ہیں، گردے میں پتھری ہونے سے حفاظت ہوتی ہے اور بلڈ پریشر معتدل رہتا ہے۔

غرضیکہ پھل انسانی صحت کی بحالی اور برقراری میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، پھلوں کی ان اہمیتوں کے پیش نظر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشروع طریقہ سے پھل حاصل کرے اور جائز طریقہ سے ان کا استعمال کرے، لہذا پھل کے سلسلہ میں شرعی احکام کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔

اس مختصر دیباچہ کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱- ''بیع معاومہ'' کا مصداق یہ ہے کہ پھلوں کو آئندہ کئی سالوں کے لئے بیچ دیا جائے، جیسا کہ ابن الجوزی تحریر فرماتے ہیں:"هو بيع النخل والشجر سنتين وثلاثا"(ابن الجوزی: غریب الحدیث ۲/ ۱۳۵ مطبوعہ، بیروت العلمیہ ۱۹۸۵)، درخت خرما یا کسی بھی درخت کو دو تین سال کے لئے بیچ دینے کا نام معاومہ ہے، اور شمس الدین محمد رملی شافعیؒ لکھتے ہیں: "والمعاومة بيع الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا"(رملی: نہایۃ المحتاج ۳/ ۱۳ مطبوعہ مکتبہ شاملہ)(معاومہ درخت کو دو یا تین یا زائد سالوں کے لئے بیچ دینے کا نام ہے)۔

☆ مدرسہ تجوید القرآن، جامع مسجد، مونگیر۔

۲- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

مذہب حنفی:

۱- جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

۲- پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل استعمال بھی ہوگیا ہو تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

۳- حیوان کے لئے بھی قابل استعمال نہیں ہوا، تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے، قول جواز راجح ہے۔

۴- کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے، جواز راجح ہے۔

۵- صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی صراحتاً یا دلالتاً اجازت دے دی، تو پھل حلال رہے گا۔

چنانچہ علامہ حصکفی وتمرتاشی تحریر فرماتے ہیں: "ومن باع ثمرة بارزة، أما قبل الظهور فلا يصح اتفاقا، ظهر صلاحها أولا صح في الأصح، ولوبرز بعضها دون بعض لايصح في ظاهر المذهب، وصححه السرخسي، وأفتى الحلواني بالجواز لو كان الخارج أكثر، ويقطعها المشتري في الحال جبراً عليه، وإن شرط تركها على الأشجار فسد البيع كشرط القطع على البائع، وقيل قائله محمد، لا يفسد إذا تناهت الثمرة للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد وبه يفتى بحر عن الاسرار، لكن في القهستاني عن المضمرات انه على قولهما الفتوى، فتنبه، قيد باشتراط الترك، لأنه لوشراها مطلقا، وتركها بإذن البائع طاب له الزيادة، وإن بغير إذنه تصدق بما زاد في ذاتها، وإن بعد ماتناهت لم يتصدق بشئ" (حصکفی: الدر المختار مع تنویر الابصار ۴/ ۵۵۴-۵۵۶، دار الفکر بیروت)۔

(جس نے ظاہر ہونے والے پھل کو بیچا، بہرحال ظاہر ہونے سے پہلے تو بالاتفاق درست نہیں، خواہ کارآمد ہوگیا ہو یا نہیں، تو بیع درست نہیں ہے صحیح قول کے مطابق، اور اگر بعض پھل ظاہر ہوگئے ہوں اور بعض ظاہر نہ ہوئے ہوں، تو ظاہر مذہب کے مطابق بیع درست نہیں، اور اسی کو سرخسی نے صحیح قرار دیا ہے، اور حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے، اگر نکلنے والے پھل زیادہ ہوں، اور خریدار پھل کو توڑ لے گا، اور اسے اس پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط لگائے، تو بیع فاسد ہوجائے گی، جیسے فروخت کنندہ پر توڑنے کی شرط لگانے کی صورت میں بیع فاسد ہوجاتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کے قائل امام محمد ہیں، بیع فاسد نہیں ہوگی عرف کی وجہ سے اگر پھل اپنی حد کو پہنچ چکے ہوں؛ اس لئے کہ تعامل کی وجہ سے آپسی شرط ہوئی جس کا عقد تقاضا کررہا ہے، اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے، جیسا کہ الاسرار سے البحر الرائق میں نقل کیا ہے، لیکن قہستانی میں

مضمرات سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے قول پر فتوی ہے، لہٰذا متنبہ ہو جاؤ، اور مصنف نے چھوڑنے کی شرط لگانے کی قید لگائی ہے، اس لئے کہ اگر مطلقا بغیر شرط کے خریدے، اور بائع کی اجازت سے چھوڑ دے، تو زیادتی اس کے لئے حلال ہے، اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر چھوڑے، تو اس کی ذات میں جو اضافہ ہوا سے صدقہ کر دے، اور اگر پھل کے اپنی حد کو پہنچنے کے بعد درخت پر چھوڑے، تو کچھ صدقہ نہیں کرے گا۔

مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب:

۱- کارآمد ہونے سے پہلے چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع بالاتفاق درست نہیں ہے۔

۲- فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بالاتفاق درست ہے۔

۳- کارآمد ہونے سے پہلے مطلق خرید و فروخت ہونے کی حالت میں بیع امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک باطل ہے۔

۴- کارآمد ہونے کے بعد مطلقاً، نیز چھوڑنے کی شرط کے ساتھ اور توڑنے کی شرط کے ساتھ ہر صورت میں خرید و فروخت جائز ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

"لا يخلو بيع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة اقسام، أحدها: أن يشتريها بشرط التبقية فلايصح البيع إجماعا، لأن النبی ﷺ نهى عن بيع الثمار حتى يبدوصلاحها، نهى البائع والمبتاع، متفق عليه، والنهى يقتضى فساد المنهى عنه، القسم الثانى أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع، القسم الثالث: أن يبيعها مطلقا ولم يشترط قطعا ولا تبقية فالبيع باطل، وبه قال مالك والشافعی، وأجازه أبوحنيفة، فإن اشتراها بعد أن بدا صلاحها على الترک إلى الجزاز جاز...... ولا يختلف المذهب أن بدوالصلاح فى بعض ثمرة النخلة أو الشجرة صالح لجميعها، أعنى أنه يباح بيع جميعها بذلک، ولا أعلم فيه اختلافا وهل يجوز بيع سائر مافى البستان من ذلک النوع؟ فيه روايتان: أظهرهما جوازه وهو قول الشافعی ومحمد بن الحسن" (ابن قدامہ: المغنی ۴/۲۱۸-۲۲۲، مطبوعہ دارالفکر بیروت)۔

کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع تین قسموں سے خالی نہیں: ایک قسم یہ ہے کہ چھوڑنے کی شرط کے ساتھ خریدے تو بالاتفاق بیع صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ وہ کارآمد ہو جائیں، فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کو منع فرمایا ہے اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ فروخت کرے، تو یہ بالاتفاق صحیح ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ بلا شرط بیچے اور توڑنے یا باقی رکھنے کی شرط نہ لگائے، تو بیع باطل ہے، یہ امام مالک اور شافعی کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور اگر کارآمد ہونے کے بعد توڑنے تک چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیچے تو یہ جائز ہے۔

اور مذہب حنبلی کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ درخت خرما یا کسی درخت کے بعض پھل کا کارآمد ہونا، اس کے تمام پھلوں کا کارآمد ہونا ہے، میری مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تمام پھلوں کو بیچنا مباح ہے، اور اس کے بارے میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں، اور کیا اس نوع کے باغ میں جتنے درخت ہوں سب کے پھل کو بیچنا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: زیادہ راجح روایت ہے کہ بیچنا جائز ہے، اور یہی شافعی اور محمد بن الحسن کا قول ہے۔

البتہ بعض حنفی اور شافعی کتابوں میں جو یہ بات آئی ہے کہ کچھ پھل نکل آئے اور کچھ نہیں نکلے، بلکہ مستقبل میں ان کا نکلنا متوقع ہو، اب مالک باغ تمام پھلوں کو فروخت کرتا ہے، ان کو بھی جو نکل آئے اور ان کو بھی جو نہیں نکلے، تو یہ صورت امام مالک کے نزدیک جائز ہے (دیکھئے: ابن ہمام: فتح القدیر ۴۹۰/۵، قفال شافعی: حلیۃ العلماء ۱۸۱/۲)۔

تو یہ ان مصنفین کی طرف سے نقل میں چوک ہوئی ہے، کیونکہ مالکیہ کا مسلک صرف اتنا ہے کہ کسی درخت کے پھل کا کارآمد ہونا ہے، خواہ ایک باغ میں ہو یا دو باغ میں ہو، چنانچہ عبدری مالکی تحریر فرماتے ہیں: ''**وبدوؤه في بعض حائط كاف في جنسه إن لم يبكر، قال مالك وإذا عجل زهو الحائط جاز بيعه، وإذا أزهت الحوائط حوله ولم يزه هو جاز بيعه**'' (عبدری مالکی: التاج والأکلیل لمختصر خلیل ۵۰۰/۴، دار الفکر بیروت)۔

باغ کے بعض درختوں کے پھلوں کا کارآمد ہونا اس جنس کے تمام درختوں کے پھلوں کی بیع کے لئے کافی ہے، اگر پہلا پھل نہ ہو...... اور امام مالک کا قول ہے کہ باغ کے پھل میں سرخی یا زردی جلد آ جائے تو اس کا بیچنا جائز ہے، اور اگر اس کے اردگرد کے باغات کے پھلوں میں سرخی یا زردی آ جائے، اور خود اس باغ کے پھل میں سرخی یا زردی نہ آئے تو بھی اس کو بیچنا جائز ہے۔

مالکیہ کی دلیل ہے کہ ایک جنس کی انواع میں عام طور سے پختگی پے در پے قریبی اوقات میں آتی ہے، اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مالکیہ بدو صلاح سے پہلے توڑنے کی شرط کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں تو پھر کچھ پھل آنے کے بعد سارے پھلوں کی بیع کو کیونکر جائز قرار نہیں دیں گے۔

۳- ''بدو صلاح'' سے مراد یہ ہے کہ پھل کی فساد اور بگاڑ سے حفاظت ہو جائے، جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں: ''**وبدو صلاحها أن تأمن العاهة والفساد**'' (زیلعی: تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مع حاشیۃ الشلبی ۱۷۷/۱، مطبوعہ مکتبہ شاملہ) (اور

ہمارے نزدیک پھل کا کارآمد ہونا یہ ہے کہ آفت اور فساد سے محفوظ ہو جائے)۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ''بدوصلاح'':

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ''بدوصلاح'' یہ ہے کہ پھل میں پختگی اور مٹھاس آ جائے؛ البتہ مختلف پھلوں کی نوعیت کے اعتبار سے اسکی علامت الگ الگ ہے، اور عرف وعادت اور پھل کی نوعیت کے اعتبار سے علامت کی تعیین کے سلسلہ میں ان مذاہب میں تھوڑا سا اختلاف ہے، مثلاً خرشی مالکی تحریر فرماتے ہیں: ''هو الزهو في البلح، وظهور الحلاوة في غيره كالمشمش، والعنب، والتهيؤ للنضج كالموز'' (خرشی: شرح مختصر خلیل ۱۸۶/۵، دارالفکر بیروت) وہ کچی کھجور میں رنگ پکڑنا یعنی سرخی یا زردی آنا ہے، اور دیگر پھل میں مٹھاس ظاہر ہونا ہے جیسے کشمش اور انگور، اور پختگی کے لئے تیار ہونا ہے، جیسے کیلا۔

۴-الف: پھل آنے سے پہلے ان کو فروخت کر دیا جائے، خواہ اسی سال کے پھل کو یا آئندہ سالوں کے پھل کو بھی تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

ب- باغ کے کچھ درختوں میں پھل آ گئے اور کچھ درختوں میں نہیں آئے تو اگر اکثر پھل آ گئے ہوں تو حلوانی وغیرہ نے اسے جائز قرار دیا ہے، اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ مالکیہ کی طرف جواز کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

ج- پھل نکل آئے، لیکن قابل استعمال نہیں ہوئے تو فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیع بالاتفاق جائز ہے، اور اگر غیر مشروط طور پر بیع ہو تو حنفیہ کے نزدیک درست ہے؛ البتہ جمہور کے نزدیک ناجائز ہے۔

۵-الف: پھل اگر تیار نہ ہو، اور فریقین میں یہ بات طے پائی کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑ لے گا، تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

ب- اگر طے پایا کہ پھل کے تیار ہونے تک یہ پھل درخت ہی پر لگا رہے گا، تو اگر یہ بیع بدوصلاح کے بعد ہوئی ہے تو پھر شیخین کے نزدیک درست نہیں ہے؛ البتہ امام محمد کے نزدیک پھل اپنی بڑھوتری کو پہنچ گئے ہوں تو پھر اس شرط کے ساتھ بیع درست ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل کا مسلک ہے اور یہی میرے نزدیک راجح ہے۔

ج- خریدنے کے بعد فوراً پھل توڑنے کی بات طے نہیں پائی ہو اور نہ درخت پر باقی رہنے کی، تو اگر یہ بدوصلاح سے پہلے بیع ہوئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ بیع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں؛ جبکہ حنفیہ کے نزدیک درست ہے، اور بائع نے عقد کے بعد صراحتاً یا دلالتاً درخت پر رکھنے کی اجازت دے دی تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- عام طور سے فقہاء حنفیہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ پھل خرید کر پھل توڑنے کی مدت تک درخت کو کرایہ پر

لینا درست نہیں ہے، جیسا کہ شیخی زادہ عبدالرحمٰن الکلیبولی (متوفی ۱۰۷۸ھ) لکھتے ہیں: "**لو اشتراها مطلقا عن الترک والقطع، ثم استأجر الشجر إلی وقت إدراک الثمر بطلت الإجارة وطابت الزيادة، لأن الاجارة باطلة لعدم التعارف والحاجة، فبقي الاذن معتبرا فتطيب**" (شیخی زادہ: مجمع الانہر ۳/۲۸، بیروت العلمیہ)، اگر پھل کو درخت پر چھوڑنے یا توڑنے کی شرط کے بغیر خریدے اور پھل کے پکنے کے وقت تک درخت کو کرایہ پر لے لے تو اجارہ باطل ہے، اور اضافہ حلال رہے گا؛ کیونکہ تعامل اور ضرورت نہ ہونے کیوجہ سے اجارہ باطل ہے، لہذا اجازت معتبر رہی، اس لئے پھلوں میں اضافہ حلال اور پاکیزہ رہے گا۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ تعامل نہ ہونا اجارہ کے بطلان کا سبب ہے، لہذا اگر کسی علاقہ میں تعامل ہوجائے تو پہلا عقد فاسد رہے گا اور اس کے بعد کا عقد اجارہ صحیح ہوجائے گا؛ لیکن موجودہ دور میں یہ تعامل نہیں پایا جاتا ہے، اس لئے اجارہ کا باطل ہونا ہی صحیح ہے۔

۷- ایک صورت یہ ہے کہ پھلوں کو کئی سالوں کے لئے بیچ دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پھل کو بیچنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ کارآمد ہوجائے، اور حضرت ابن عمرؓ سے جب اس کے کارآمد ہونے کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے: یہاں تک کہ اس سے آفت ختم ہوجائے، تو جب پھل ظاہر ہونے کے باوجود کارآمد ہونے سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے تو پھر نہ پیدا ہونے کی حالت میں اس کی بیع کیونکر جائز ہوگی، مگر یہ کہ ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے سلم کی شرطوں میں عدم نزاع کی وجہ سے ڈھیل دے کر اسے جائز قرار دیا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پھلوں کی بیع محض پھول پھل آنے کے بعد ہو، تو اسے پھولوں کی بیع مانتے ہوئے جائز قرار دیا جائے؛ کیونکہ یہ قیمتی مال ہیں، اور مستقبل میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، جیسا کہ ابن نجیمؒ پھل کے کارآمد ہونے سے پہلے بھی بیع کے جواز کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس لئے کہ یہ قیمتی مال ہے، اس وجہ سے کہ وہ فی الحال قابل انتفاع ہے یا آئندہ حالت میں قابل استفادہ ہے۔

۸- موجودہ دور میں پھولوں اور پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ہی خرید وفروخت کا عام دستور ہے، لہذا خلق الہی کی طرف اکل حرام کی نسبت سے بہتر یہ ہے کہ ضرورت شدیدہ اور ابتلاء عام کو دیکھتے ہوئے اسے ملحق بہ سلم قرار دیا جائے؛ اگرچہ عام طور پر پورا ثمن مجلس عقد میں یکمشت نہیں ادا کیا جاتا ہے، اور نہ ہی مبیع یعنی پھلوں کی مقدار متعین ہوتی ہے، لیکن چونکہ زیادہ تر شرطیں باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لئے ہیں، اور تعامل کی وجہ سے پھلوں کی خرید وفروخت میں نزاع کا احتمال نہیں ہے، لہذا اسے ملحق بہ سلم قرار دیتے ہوئے جائز قرار دینے کی گنجائش ہے، خاص طور سے اس سلسلہ میں مالکیہ کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے جن کے یہاں بڑی وسعت ہے۔

خلاصہ بحث:

۱-معاومہ: پھل آنے سے پہلے ایک یا دو یا تین یا کئی سالوں کے لئے بیچ دینے کا نام ہے۔

۲-کارآمد ہونے سے پہلے پھلوں کو فوراً توڑ لینے کی شرط کے ساتھ بیچنا بالاتفاق جائز ہے۔

۳-کارآمد ہونے کے بعد توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع بالاتفاق درست ہے۔

۴-کارآمد ہونے کے بعد درخت پر رکھنے کی شرط کے ساتھ بیچنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے، اور اسی طرح امام محمد کے نزدیک بھی درست ہے، جبکہ اس کی بڑھوتری مکمل ہو چکی ہے۔

۵-باغ میں اگر ایک درخت میں بھی پھل کارآمد ہو چکے ہوں تو اس نوعیت کے تمام درختوں کے پھلوں کی خرید وفروخت درست ہے؛ البتہ کچھ پھل نکل آئے اور کچھ نہ نکلے تو اگر اکثر پھل نکل آئے ہوں تو اسے حلوانی نے جائز قرار دیا ہے، لیکن مالکیہ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں حنفی اور شافعی فقہ کی کتابوں میں نقل میں چوک ہوئی ہے۔

۶-احناف کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل آفت اور فساد سے محفوظ ہو جائے؛ جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدوصلاح یہ ہے کہ پھل میں پختگی کی علامتیں ظاہر ہو جائیں۔

۷-تعامل نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کا اجارہ درست نہیں ہے۔

۸-پھل آنے سے پہلے ایک یا کئی سالوں کے لئے پھلوں میں عقد سلم جائز ہے۔

۹-بیع سلم کی شرطوں کے سلسلہ میں ائمہ کے اختلاف سے پھلوں کی خرید وفروخت کی مروجہ شکلوں میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مفتی سیف الاسلام اصلاحی☆

۱-مصداق بيع المعاومة:

"عن جابر قال : نهى النبى ﷺ : "عن بيع السنين" (رواہ مسلم وأبوداؤد)۔

"المراد بيع ماتحمله هذه الشجرة مثلاً سنة فأكثر" (المرقاۃ لملاعلی القاری:۶/۵۶،البیوع،المنہی عنہا من البیوع،وعون المعبود للعظیم آبادی:۶/۲۴۹،البیوع،بیع السنین)۔

"المعاومة" مفاعلة من العام بمعنى السنة كالمسانهة من السنة والمشاهرة من الشهر:

المراد منه بيع ماتحمله شجرة مخصوصة من الثمر إلى مدة سنة فاكثر،والمعاومة وبيع السنين معناهما واحدكما صرح به فى هذه الرواية وإنما حرم لكونه بيع غرر؛ لأنه بيع مالم يخلقه الله تعالىٰ بعد،هذه الخلاصة فى جامع الأصول لابن الأثير،وبذل الجهود"(تکملۃ فتح الملہم ۱/۴۱۵،وکذا قال الخطابی فی معالم السنن)۔

۲- مذاهب الأئمة:

مذهب الحنابلة:

" وإن اشترى الثمرة دون الأصل ولم يبد صلاحها على الترک إلى الجزاز لم يجز، وإن اشتراها على القطع جاز"۔

"وقال ايضاً : لايخلو بيع الثمرة قبل بدو الصلاح من ثلاثة أقسام":

أحدها:"أن يشتريها بشرط التبقية فلا يصح البيع اجماعاً"

والثانى:"أن يبيعها بشرط القطع فى الحال فيصح بالاجماع"

☆ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ۔

الثالث:"أن يبيعها مطلقاً ولم يشترط قطعاً ، ولا تبقية فالبيع باطل ، وبه قال مالک والشافعی، وأجازه أبوحنيفة لأن إطلاق العقد يقتضی العقد "(المغنی لابن قدامه ٥/٤٨٦)۔

مذهب الشافعية:

"أخبرنا الشافعی قال : اخبرنا سعيد بن سالم أبی جريج ، عن عطاء عن جابر،أن رسول الله ﷺ نهی عن بيع الثمرة حتی يبد وصلاحها"۔

"قال ابن جريج: فقلت : أخص جابر النخل أو الثمر؟ قال : النخل،ولانریٰ کل ثمرةٍ إلا مثله،وعن طاؤس أنه سمع ابن عمر يقول : لايبتا ع الثمر حتی يبدو صلاحه وسمعنا ابن عباس يقول: لاتبتا ع الثمرة حتی تطعم "(الأم للشافعی:٣/٤١٥)۔

"قال النووی : قال أصحابنا: ولو شرط القطع ثم لم يقطع فالبيع صحيح ، ويلزم البائع بالقطع ، فان تراضيا علی إبقائه جاز ،وإن باعها بشرط التبقية فالبيع باطل بالاجما ع"(شرح النووی علی صحيح المسلم:١٠/١٨١)، "وقال ايضاً : لايجوز بيع الثمار والزر ع قبل بدو الصلاح من غير شرط القطع. والعادة فی الثمار تركها إلی أوان الجذاذ ،فإن باعها قبل بدو الصلاح لم يأمن أن تصيبها عاهة فتتلف، وذلک غرر من غير حاجة فلم يجز "(المجموع علی شرح المهذب للنووی:١٢/١١٠)۔

مذهب المالكية:

"فقال الإمام مالک وأصحابه : ومن أحسن مايحتج به فی ذلک أن السنة وردت فی النهی عن بيع الثمار حتی يبدو صلاحها ، فإذا بدا صلاح أولها جاز بيع جميعها بطيب أولها ،ولو لا طيب أولها لم يجز بيعها فكذلک بيع مالم يخلق فی المقاتی من البطيخ والقثاء يكون تبعاً لما خلق من ذلک"(الإستذكار لابن عبدالبر:٦/٣١٢)۔

مذهب الحنفية :

"وكل شئ اشتراه من الثمار علی رأس الشجر بصنف من غيره يداً بيدٍ فلا بأس به وبشراء الثمار قبل أن تصير منتفعاً بها لايجوز؛ لأنه إذا كان بحيث لايصلح لتناول بنی آدم أو علف الدواب فهو ليس بمالٍ متقوم. فإن صار منتفعاً به ولكن لم يبد صلاحه بعد بأن كان لايأمن العاهة و الفساد عليه ،

فاشتراہ بشرط القطع یجوز، وإن اشتراہ بشرط الترک لایجوز،وإن اشتراہ مطلقاً یجوز عندنا ؛ لأن العقد یقتضی تسلیم المعقود علیه فی الحال ،فھو وشرط القطع سواء" (المبسوط للسرخسی:۶/۲۳۴،البیوع)۔

۳- " البدو (بفتح الباء وسکون الدال وتخفیف الواو)والبدو (بضم الباء والدال وتشدید الواو) کلاھما مصدر بمعنی الظھور ،کما فی تاج العروس للزبیدی"۔

تفسیر بدو الصلاح مختلف:

"فبدو الصلاح عند الحنیفة : أن تأمن الثمرة العاھة والفساد کما صرح به ابن الھمام فی فتح القدیر،وأما الشافعیة : ففسروہ بظھور مبادئ النضج والحلاوة وقال الرملی:بدوصلاح الثمر ظھور مبادئ النضج والحلاوة بأن یتموّہ ویلین کما فی المحرر وغیرہ،(نہایۃ المحتاج:۴/۱۴۸)دلیل الشافعیة قوله فی حدیث یحی بن سعید : قال یبدو صلاحه : حمرته وصفرته " (السابق)۔

۴- درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی مختلف صورتیں ہیں:

(الف) پھل آنے سے پہلے اسے فروخت کردیا جائے خواہ اسی سال کے پھل ہوں یا آئندہ سال کے، یہ بیع ناجائز ہے؛ کیونکہ کتب حدیث میں اس کے متعلق صریح روایت ہے،جس کو حدیث میں بیع معاومہ اور بیع سنین سے تعبیر کیا جاتا ہے، نیز اس شکل کو بیع سلم بھی نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ بیع سلم کے درست ہونے کے لئے مبیع کا عندالعقد موجود ہونا ضروری ہے(سنن الترمذی:۱/۲۴۵،باب ماجاء فی المخابرۃ والمعاومۃ)۔

(ب) باغ کے کچھ درختوں میں پھل آئے اور کچھ میں نہیں آئے ،اگر تمام کو فروخت کرتا ہے تو امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں،"وإذا باع الثمرة الظاھرة وما یظھر بعد ذلک لم یصح البیع عند أبی حنیفة والشافعی وأحمد ، وقال مالک :یجوز "(فتح القدیر لابن الہمام:۵/۴۹۰)۔

(ج) پھل نکل آئے لیکن قابل استعمال نہیں۔

تو اس صورت میں بھی امام شافعی وامام احمد کے علاوہ امام مالکؒ نے گنجائش دی ہے مگر باغ کے تمام درخت ایک ہی پھل کے ہوں،اگر علاحدہ پھل کے درخت ہوں تو یہ کافی نہ ہوگا۔

"وبدوہ أی الصلاح فی بعض من ذلک النوع،ولونخلة کاف فی جواز بیع الجمیع من جنسه لا فی غیر جنسه" (الشرح الصغیر:۳/۲۳۵)، نیز علامہ شامی نے تعامل کے پیش نظر اس سلسلے میں نرمی اختیار کی ہے۔

"قال الشامی: ولم یقیده عنه بکون الموجود وقت العقد اکثر بل قال عنه : اجعل الموجود اصلاً فی العقد وما یحدث بعدذلک تبعاً" (شامی:۴/۳۹)، "وفی نزعهم عن عادتهم حرج ،ولا یخفیٰ أن هذا مسوّغ للعدول عن ظاهر الروایة" (شامی:۴/۴۲،فقہ البیوع:۱/۳۲۸)۔

۵-پھل کے تیار ہونے سے پہلے فروخت کی تین صورتیں ہیں:

(الف) فریقین میں طے پانا کہ پھل ابھی جس حالت میں ہے اسی حالت میں خریدار پھل کو توڑے گا.

(ب) تیار ہونے تک درخت پر لگے رہنے کی شرط لگے.

(ج)" الاطلاق عن الشرط"۔

الجواب عن جمیع الأجزاء :

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پھل نکل آئے اور انسانی استعمال کے قابل ہوجانے کی صورت میں بہر حال خرید وفروخت درست ہے چاہے غیر مشروط خرید وفروخت ہو یا فوراً توڑنے کی شرط ہو یا پھل کی تیاری تک درخت پر رکھنے کی شرط، نیز غیر مشروط معاملے میں خریدار کو پھل کے تیار ہونے تک درخت پر رہنے دینے کا حق حاصل ہوگا۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درخت پر ایک عرصہ تک پھل کے لگے رہنے کی شرط لگادی جائے تو بیع درست نہ ہوگی۔امام محمدؒ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ اگر پھل تیار ہو چکے ہوں تو ایسی شرط لگانے میں مضائقہ نہیں۔

"ولکنه متعارف کما إذا اشتری نعلاً و شراکاً علی أن یحذوه البائع جاز البیع استحساناً کذا فی المحیط، الخ"(الدر المختار علی رد المحتار:۴/۳۹)۔

۶-ایسا کرنا جائز ہے چونکہ یہ حیلہ کی ایک شکل ہے:

"فی نزعهم عن عادتهم حرج ،ولا یخفی أن هذا مسوغ للعدول عن ظاهر الروایة" (شامی:۴/۴۲)، "ولا یخفی ان الوجه لایتم فی الفرق لمحمد إلا بادعاء عدم العرف فی مالم یتناه عظمه"(فتح القدیر:۵/۴۹۰)۔

۷-باغات کی خرید وفروخت کی ممکنہ اور مروجہ صورتیں:

(الف) پھل ابھی آئے نہ ہوں اور باغ فروخت کردیا جائے جیسا کہ بعض مرتبہ ایک یا کئی سال کے لئے باغ فروخت کردیا جاتا ہے۔

(ب) پھل نکل آئے ہوں لیکن ابھی ابتدائی حالت میں ہوں۔

(ج) کچھ پھل نکل آئے ہوں اور کچھ نہیں بلکہ مستقبل میں نکلنا متوقع ہو۔

ان اجزاء کی تفاصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

۸- فقہاء نے فروخت میں کسی متعین درخت کے استثناء کو درست قرار دیا ہے لیکن اگر درخت کے بجائے پھل کی مقدار مستثنیٰ کی کہ اتنے پھل مالک کو دیئے جائیں جیسا کہ آج کل رواج ہے، یہ صورت مالکیہ کے یہاں جائز ہے۔ احناف نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، شوافع اور حنابلہ کا بھی یہی موقف ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کے مستدلات کتب فقہ میں مصرح ہیں۔

" ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثنیٰ منها أرطالاً معلومة خلافاً لمالک" (ہدایہ ۱۱/۳)۔

مگر اس سلسلے میں قول فیصل مفضی الی النزاع ہے جو معاملات کے اندر اساسی حیثیت رکھتا ہے؛ لہٰذا اگر مفضی الی النزاع نہ ہو تو کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ علامہ کشمیری کی "فیض الباری" میں صراحت ہے:

" وقد يكون الفساد لمخالفة التنازع ،ولا يكون فيه شئ آخر يوجب الإثم فذلک ان لم يقع فيه التنازع جاز عندی ديانة وإن بقی فاسداً قضاء لارتفاع علة الفساد وهی المنازعة" (فیض الباری والعرف الشذی)۔

☆☆☆

باغوں میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا سلمان بن سلیمان الحسنی ☆

بیع المعاومۃ:

”روی مسلم عن جابرؓ :قال: نهی رسول الله عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة وعن الثنيا ورخص فی العرايا۔

والمعاومة هی بيع السنين كما شرحه اكثر شراح الحديث وما توضح من روايات المسلم كذلک۔

وقال النوویؒ فی شرح مسلم: وهو بيع السنين فمعناه أن يبيع ثمر الشجرة عامين أو ثلاثة أو اكثر“(شرح مسلم للنووی، باب النہی عن المحاقلۃ)۔

”وقال ملا علی القاری فی مرقاة المفاتيح: هی بيع ثمر النخل أو الشجر سنتين أو ثلاثا فصاعدا قبل أن تظهر ثماره، وهذا البيع باطل لأنه بيع مالم يخلق“(مرقات، حدیث:۲۸۳۶)۔

”وقال ابن المزين المالكی فی كتاب المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم: والمعاومة بيع الثمر أعواما وها المعبر عند باللفظ الآخر بيع السنين، ولا خلاف فی تحريم بيعه لكثرة الغرروالجهل“(المفہم:۴/۴۰۳، حدیث:۱۶۲۷)۔

بدوالصلاح:

”قد ورد فی الحديث النهی عن بيع الثمار قبل بدوالصلاح بروايات عديدة–وفی بعض الروايات بينت معنی بدوالصلاح لبعض الثمار كذلک۔

فالاحناف جمعوا هذه الروايات واستخرجوا معنی جامع البدوالصلاح، هو أن تأمن الثمرة العاهة والفساد وصرحه ابن الهمام فی الفتح وابن عابدين فی الرد“(فتح القدیر ۶/۲۶۴، ردالمحتار ۷/۸۵، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصود)۔

”وأما عند الشافعية فقال الامام النووی فی المنهاج: وبدوصلاح الثمر ظهور مبادئ النضج

والحلاوة فيما لا يتلون وفى غيره بأن يأخذ فى الحمرة أو السواد" (منہاج الطالبین ۱۰۷/۱ اباب الاصول والثمار)۔

"وفقهاء الشافعية بينوا لكل ثمر، علامة بدوصلاحه حسب حاله بالتفصيل: واستخرج الرملى الشافعیؒ ضابطة من جميع هذه الاقوال فى بدوالصلاح حيث قال فى نهاية المحتاج: وضابط ذلک أن يباع حاله يطلب فيها غالبا"(نہایۃ المحتاج ۱۵۲/۴)۔

"والمالكية فقال ابن عبد البر فى الكافى:وبدوصلاحها أن تزها بصفرة أو حمرة إن كانت نخلا واما التين والعنب والزيتون والخوخ والتفاح وما أشبه ذلک فاذا بدا طيب أوله وتلون منه مالونه علامة طيبه وكان طيبه ذلک متتابعا"(الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۶۸۳/۲، باب بیع الثمار قبل أن یبدو صلاحہا أو بعد ذلک)۔

"وقال ابن عساكر المالكى فى ارشاد السالک:فزهو النخل الحمرة والصفرة وغيرها طيب أكلها"(ارشاد السالک ۸۴/۱، فصل بیع التمر قبل زہوہا)۔

"وعند الحنابلة فقال ابن قدامة المقدسى:وبدوالصلاح فى ثمرة النخل أن يحمر أو يصفر وفى العنب أن يسود أو يتموه وفى الحب أن يشتد أو يبيض وفى سائر الثمار أن يبدو فيه النضج أو بطيب يكله "(الکافی فی فقہ الامام احمد ۴۴/۲، باب بیع الثمار)۔

"وفى الخلاصة بدوالصلاح هو أن تأمن الثمرة العاهة وتصير بحالة ينتفع بها"۔

آراء الفقہاء فی بیع الثمار علی الأشجار:

"وعامة الفقهاء قسموا بيع الثمار على الأشجار إلى حالتين: الأولى قبل بدو الصلاح والثانية بعد بدوالصلاح۔

ففى الأولى أى قبل بدو الصلاح للبيع ثلاثة صور:

۱-البيع بشرط القطع:

وهذا البيع جائز باتفاق العلماء، ونقل الحافظ ابن حجر الإجماع فى فتح البارى وكذا قال الجواز ابن همام فى فتح القدير وابن قدامة فى المغنى والقرافى فى الذخيرة"(فتح الباری ۴۵۳/۴، فتح القدیر ۲۶۴/۶، المغنی ۲۱۹/۴، الذخیرۃ ۱۸۴/۵)۔

۲-"البيع بشرط الترک:وهذا باطل عند الجميع"۔

۳-"البيع مطلقا بلا شرط القطع والترک:وهذا أيضا باطل عند الجمهور خلافا للحنفية

وهو جائز عند الحنفية"(فتح القدیر۶/۲۶۴)۔

"والحالة الثانية اى بعد بدوالصلاح، لها ايضا ثلاث صور: ا-بشرط القطع،فهو جائز عند الجميع"۔

۲-"بشرط الترک، وهذا جائز عند الجمهورخلافا للحنفية، فالبيع بشرط الترک باطل عند الحنفية إلا أن الامام محمد استحسنه اذا تناهى عظمه"۔

۳-"البيع مطلقا-وهذا ايضا جائز عند الجميع بلا خلاف"۔

"وفى الخلاصة بيع الثمار قبل بدوالصلاح إن كان بشرط القطع فهو جائزعند الجميع وإن كان بشرط الترک فهو باطل بالاتفاق وإن كان مطلقا فهو أيضا باطل عند الجمهور خلافا للحنفية فعند الحنفية البيع جائز ولكن المشترى يجب عليه أن يقطعه۔

واما بعد بدو الصلاح فالبيع جائز مطلقا او بشرط القطع عند الجميع، واما بشرط الترک فهو جائز عند الجمهور خلافا للحنفية وهذا الشرط باطل فى ظاهر المذهب ولكن استحسنه محمدؒ، وهذه المسائل توجد فى فتح البارى: باب بيع الثمار قبل أن يبدوصلاحها، وفى ردالمحتار؛ مطلب فى بيع الثمر والزرع والشجر مقصودا والمغنى لابن قدامه؛ مسألة لا يخلو بيع الثمرة قبل بدوصلاحها من ثلاثة أقسام"(۴/۲۱۸)۔

صور بيع الثمار على الأشجار وأحكامها:

ا-"أن يبيع الثمر قبل الظهور وهذا باطل لأنه بيع المعدوم، وقد ورد النهى عن النبىﷺ فى حديث جابرؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمعاومة والمخابرة"(مسلم:۳۸۸۷)،"وما جوزه أحد من علماء المذاهب الأربعة، قال ابن عابدينؒ:لاخلاف فى عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر وفسرؒ الظهور بانفراک الزهر وانعقادها ثمرة"(ردالمحتار،مطلب فی بیع الثمر والشجر مقصودا:۷/۸۵)۔

"وغاية ماجوزناه فى هذه الصورة إن اشتدت الضرورة ومست الحاجة اليها هى المعاهدة بين المتبايعين وإيفاء ها ديانة بأن يتعاهد البائع والمشترى على أن لا يبيع البائع الثمار بعد ظهوره او بدوه إلا للمشترى ثم إيفاء ها بعد الظهور او البدو، وهذا هو الحل الوحيد الذى أحدثه لهذه

☆ دارالعلوم الاسلامیہ،اوچرہ کولم،کیرالا۔

الصورة"۔

"أن يبيع الثمر بعد الظهور قبل أن يكون منتفعا به، وهذه الصورة باطل وغير جائز عند المذاهب الثلاثة وإن كان بشرط القطع ولكنها جائزة عند الحنفية، قال ابن الهمام فى الفتح: وعندنا إن كان بحال لا ينتفع به فى الأكل ولا فى علف الدواب خلاف بين المشائخ، قيل: لا يجوز، ونسبه قاضى خان لعامة مشائخنا والصحيح أنه يجوز لأنه مال منتفع به فى ثانى الحال إن لم يكن منتفعا به فى الحال"(فتح القدیر ۶/۲۶۵)۔

"بيع الثمر بعدها يصير منتفعا به قبل أن ببدوصلاحه، وهذه الصورة جائزة عند الجميع إن كان بشرط القطع وكذا البيع إذا كان مطلقا عن الشرط عند الحنفية ولكن يحتاج المشترى إلى إذن البائع للترک كما هو ظاهر المذهب.

وهاتان الصورتان–الثانى والثالث–إنما تجوز عند الحنفية إن كان بشرط القطع أو بدون الشرط بالقطع أو الترک فعندما بكون البيع من غير اى شرط فللبائع أن يأذن له بالترک أو أن لا يأذن له، وإن لم يأذن البائع يلزم على المشترى قطع الثمر أوضحه صاحب الهداية"(ہدایہ ۳/۴۲)۔

"بيع الثمر بعد بدوالصلاح قبل أن يتناهى عظمها، وهذه الصورة جائزة عندالجميع فى كل حال ولكن عندنا شرط الترک غير جائز"(ہدایہ ۳/۴۲)۔

"بيع الثمر بعد بدوالصلاح وتناهى العظم، وهذا ايضا جائز، ومحمدؒ استحسن شرط الترک فى هذه الصورة"۔

"وفى هذه الصور كلها شرط الترک وتبقية الثمار على الأشجار يفسد العقد على ظاهر المذهب، ولكن عم هذا الشرط فى بيوع اليوم اما لفظا أو عرفا واحتاج إليه المتبايعون حتى لا يخلو بيع ثمر من بيعه قبل بدوالصلاح أو قبل أن يتناهى العظم ثم تركه على الأشجار، ففى هذا الوضع المضطر علينا تحرى الجواز فى هذه المعاملات لأن التحرى للجواز فى باب البيع مطلوب وهناک ثلاثة مساغات":

الف–"الشرط بترک الثمر على الأشجار بعد العقد إن كان بعد بدوالصلاح فهو جائز عند الشافعية والمالكية والحنابلة"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۲۵۷)۔

ب-"أجاز محمدؒ: بشرط الترک بعد تناهى العظم لتعامل الناس وضرورتهم إليه مع أنه شرط لايقتضيه العقد، وفى هذه الأيام ......تعامل الناس إلى هذه الصور كلها"۔

ج-"ورجح ابن عابدين فى رسالته نشر العرف جوازه بيع الثمار مطلقا قبل بدوالصلاح أو بعده إذا جرى العرف بترک ذلک لأن الشرط الفاسد إذا جرى به العرف صار صحيحا ويصح العقد استحسانا"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/۲۵۹)۔

"فبهذه المساغات الثلاثة ينبغى أن يكون هناک مخلص ومساغ لهذه الصور الأربعة-الثانى والثالث والرابع والخامس،هو أن يبيع الثمر مطلقا يبيح للمشترى أن يتركها عرفا لأن الضرر يزال، وإذا عمت البلية خفت القضية"

"بيع ثمار الحائط أو البستان بعدما ظهر أو بدا بعض ثمره وهذه الصورة باطل فى ظاهر المذهب ولكن جوزه المتأخرون قال فى الدر: ولو برز بعضها دون بعض لا يصح فى ظاهر المذهب وصحح السرخسى وأفتى الحلوانى بالجواز لو الخارج أكثر"(الدر مع الرد ۷/۸۶)۔

"ورجح ابن عابدينؒ جهة الجواز حتى ما قيد بكثرة الخارج بل أجاز مطلقا وجعل الموجود أصلا قليلا كان أو كثيرا"(ردالمحتار ۷/۸۶-۸۷)۔

"أن يبيع الثمر مطلقا ثم يستأجر الشجر، ففى هذه الصورة أبطل صاحب الهداية الإستيجار لعدم تعارف الناس"(ہدایہ ۳/۴۳)۔

"وفى هذه الأيام تعارف به الناس فينبغى أن يكون صحيحا فاستيجار الشجر صحيح إذا لم يشترط فى البيع وإذا شرط يكون البيع فاسدا"۔

خلاصۃ البحث:

"هذا البحث يدور على مسألتين:

۱-بيع الثمار على الأشجار بمختلف أحوالها

۲-ترک الثمار على الأشجار بعد العقد

أما المسألة الأولى اى بيع الثمار على الأشجار فهو جائز عند الحنفية إذا ظهر الثمار سواء بدا صلاحها أم لم يبد؛ لأنه مال متقوم فى الحال أو فى المآل۔

ولكن البيع قبل ظهور الثمار فهو باطل لأنه بيع المعدوم، وبيع المعدوم حرام بالنصوص

الصريحة والإجماع، ولايمكن العاقد الى بيع السلم أوالإستصناع لعدم توفر شروطهما، فالمخلص فى هذه الصورة المعاهدة بين المتبايعين بالبيع وايفاء ها بعد الظهور۔

وأما المسألة الثانية هى ترک الثمار على الأشجار بعد العقد فهى أيضا جائزة بالتفاق إذا كان العقد مطلقا والترک بإذن البائع ولكن اختلف الفقهاء فى شرط الترک والشرط يكون على وجهين:

الأول:بالعرف المعروف فى زمان العقد

والثانى:باللفظ الصريح عند العقد وأما الشرط بالعرف المعروف جوزه ابن عابدين فى رسالته نشر العرف والشيخ انور شاه الكشميرى فى فيض البارى ورجح هذا الرأى الشيخ المفتى تقى العثمانى فى تكملة فتح الملهم وهو الأرفق على الناس"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲۵۹/۴،تکملۃ فتح الملہم ۲۵۵/۱)۔

"فالشرط على الترک باللفظ الصريح غير جائز عند الحنفية بسبب فساد البيع مع الشرط، ولكن فى هذا الزمان تكون ضرورة إليه فينبغى أن يكون جائزا على قاعدة الضرر يزال، وإذا عمت البلية خفت القضية وغيرها من القواعد الفقهية، وعلى مسائل جزئية وآراء الفقهاء تقدم ذكره عند البحث۔

ومع هذا تحرى المفتى تقى العثمانى وجها للجواز يقول فى فتح الملهم:ثم هنا ناحية أخرى لم يتعرض لها الفقهاء عموما وهى أن البيع بشرط الترک إنما يحرم عند الحنفية لكونه بيعا وشرطا، ولكن الحنفية يجوزون مع البيع شروطا جرى بها لتعامل، لأن التعامل رافع للنزاع، ولا شک أن بيع الثمار بشرط الترک جرى به التعامل العام فى أكثر البلاد،فينبغى أن بجوز هذا الشرط على أصل الحنفية، ولكن يرد عليه أن التعامل يجوز أن يكون مخصصا للنص ولا يجوز أن يكون ناسخا، ولو حوربا البيع قبل بدوالصلاح بشرط الترک لزم ترک حديث الباب رأسا وذلک لا يجوز بالتعامل اللهم إلاأن يقال: إن حديث الباب محمول على نهى تنزيه أو إرشاد كما هو مفاد حديث زيد بن ثابت عند البخارى على كل حال، فالاحتياط أن لا يشترط الترک فى العقد " (تکملۃ فتح الملہم حکم مایتعامل بہ الناس ۲۵۶/۱)۔

"فبهذه الوجوه ينبغى أن يكون جائزا استحسانا"۔

والقواعد المعتبرة فى هذا البحث:

١ –المشقة تجلب التيسير ٢ –الضرر يزال

٣–إذاعمت البلية خفت القضية ۴–الضرورة تبيح المحظورات۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

جو عرض مسئلہ پہلا پیش ہوا تھا اس کے تعلق سے دو باتیں کہنی ہیں: سوال نمبر ا کے اندر پھلوں کی بیع کے تعلق سے جو بات آئی اور عارض مسئلہ نے اپنی رائے پیش کی اور اس کو جائز قرار دینے کی کوشش کی، اور لوگوں نے بھی یہ بات کہی ہے، ممانعت کراہت تنزیہی ہے، تشریعی نہیں ہے، یہ انہوں نے دلیل پیش کی، جبکہ اس سے پہلے خود ہی انہوں نے ممانعت کے تعلق سے حدیثیں بھی پیش کی ہیں اور اس کی کئی وجوہات انہوں نے بتائی ہیں کہ اس میں بیع قبل القبض بھی لازم آتی ہے اور اس میں بیع معدوم بھی ہے اور اس کے اندر غرر بھی ہے، ظاہر سی بات ہے، یہ ساری وجوہات ہیں جن کے پیچھے نصوص ہیں، اگر یہ مان لیں کہ یہ حکم تشریعی نہیں ہے، بلکہ تنزیہی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جو ممانعت کی وجوہات ہیں جن کے پیچھے ایک نہیں کئی نص وارد ہیں، تو ایک تو ان کا اہمال لازم آئے گا۔

دوسری بات ٹھیک ہے امر کا صیغہ استعمال ہوا، ''لا تبع ما لیس عندک '' اور بھی الفاظ ہیں، اور اصولی طور پر امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے، اور وجوب سے اگر کسی اور کی طرف استحبابی یا کراہت تنزیہی یا کسی طرف بھی پھیرنا ہو تو اس کے لئے قرینہ صارفہ چاہئے، وہ قرینہ صارفہ قوت کے اعتبار سے بھی اسی درجہ کا ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ قرینہ صارفہ جو بھی ہو اس کے ذریعہ سے ہم کسی نص کی تخصیص کر دیں تو یہ جائز نہیں ہوگا، قوت کے اعتبار سے اسی درجہ کا قرینہ ہونا ضروری ہے، تو یہ ایک بات کہنی تھی جس پر غور کیا جائے۔

دوسری بات یہ کہ سوال نمبر ۲ اور پھر بعد کا عرض مسئلہ جو کہ دوسرا تھا، اس میں یہ بات آئی ہے کہ اگر درخت پر کچھ پھل آچکے ہیں اور کچھ نہ آئے ہوں، اسی طرح ایک باغ کے اندر کچھ پھل آچکے ہوں کچھ نہ آئے ہوں، اس میں ظاہر سی بات ہے دو نقاط نظر سامنے آئے ہیں، بعض لوگوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے جبکہ ایک درخت پر کچھ پھل آچکے ہوں کچھ نہ آئے ہوں، چونکہ اس طرح کے درخت آجکل دریافت ہو چکے ہیں کہ پورے سال پھلتے رہتے ہیں اور پکتے رہتے ہیں، تو ایسی شکل ہوتی ہے تو اس میں اگر اس کو جائز قرار دیا جائے تو جائز قرار دینے کی جہاں اور کئی وجوہات بیان کی ہیں، اس میں ایسا کیا ہوسکتا ہے کہ جو پھل قابل استعمال درخت پر موجود ہیں ہم اس کو بنیاد بنائیں اس کو اصل بنائیں، اور جو موجود نہ ہوں وہ تابع ہو تو گویا

کہ ''التابع ......'' جو قاعدہ ہے، اس کے ذیل میں لائے ہوئے اس بیع کو درست قرار دیا جاسکتا ہے کہ مقصود وہ ہے جو پھل موجود ہیں، کیونکہ مبیع کے اندر وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس کے عوض میں ثمن اگر لیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، تو اس اعتبار سے بھی اگر مقصود بالذات اس کو بنایا اور جو پھل نہیں آیا ہے تو اس کو تابع کر کے جائز قرار دیا جاسکتا ہے، اسی طرح سے کچھ درخت پر پھل آچکے ہوں اور کچھ نہ آئے ہوں، مختلف درخت ہیں، کچھ درخت پر پھل آچکے ہیں کچھ پر نہیں آئے ہیں، اگر ایک جنس کے درخت ہیں تو بات معقول ہے، اور یہ تابع کر کے فروخت اگر کیا جائے تو جائز ہونا چاہئے؛ جبکہ ایک جنس کے ہوں مختلف جنس کے نہ ہوں۔

مفتی احمد نادر القاسمی:

پہلا عرض مسئلہ جو مولانا خالد نیموی صاحب نے پیش کیا ہے اس کے سوال نمبر ۱، اور ۲ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، اس وقت پوری دنیا میں عالمی پیمانے پر جو پھلوں کی خرید و فروخت ہو رہی ہے ہم لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایسے پھل ہوتے ہیں باغات کے جو پہلے ہی درخت فروخت ہو جاتے ہیں، زمین کے اجارہ کی بھی بات آئی ہے وہ تو اپنی جگہ پر ہے، لیکن عمومی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ درختوں پر پھل آنے سے پہلے ہی باغوں کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے اور مارکیٹ میں اس وقت جو پھل آتے ہیں اور ہم لوگ استعمال کرتے ہیں وہ انہی باغات کے پھل ہوتے ہیں، تو یہاں غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ اس میں حیلے اختیار کئے جائیں ان حیلوں سے بچنے کے لئے کیا اس بات کی گنجائش ہے کہ اس پورے مسئلہ کو عموم بلوی کی بنیاد پر جو ہمارا اصول ہے عرف کا، عموم بلوی کا، اس پہلو کو بھی ساتھ میں پیش نظر رکھیں، اگر عموم بلوی اور عرف کسی نص سے متصادم نہ ہو، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پورے معاملہ کو جو عالمی پیمانہ پر پھلوں کی خرید و فروخت کا ہے، جائز قرار دیں تو شاید بہت سے پھلوں کے تعلق سے جو شکوک و شبہات ہیں جائز اور ناجائز ہونے کے اس سے بچ سکتے ہیں، اگر اس کو عموم بلوی قرار دے کر جائز کہا جائے تو شاید اس کی گنجائش نکل آئے، اس کی دو وجہ ہے: ایک وجہ یہ ہے کہ عرض مسئلہ میں یہ بات آئی کہ جتنے بھی ایسے معاملات باغوں کے خرید و فروخت کے ہوتے ہیں عام طور پر وہ تقاضائے عقد کے خلاف نہیں ہوتے، جیسے یہ بات آئی کہ تقاضائے عقد کے خلاف اگر کوئی معاملہ نہ ہو تو اس معاملہ کو درست قرار دینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی یہ معاملہ تقاضائے عقد کے خلاف نہیں ہے، اور دوسرے اس کا عموم بلوی بھی ہے، اس لئے اس کو جائز قرار دیا جائے تو بہتر شکل ہوسکتی ہے۔

دوسری بات جو مولانا خالد نیموی صاحب نے فرمائی کہ جس حدیث میں ''نهی رسول الله ﷺ عن ......'' کہا گیا ہے اس میں نہی کا جو لفظ ہے وہ مشورہ پر مبنی ہے، کیا کتاب و سنت میں اسکی کوئی نظیر موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

کسی بات سے منع کیا ہو اور وہاں نہی کا صیغہ استعمال کیا ہو، یا قرآن کریم کی آیت جیسے: ''وما نهاكم عنه فانتهوا'' ان جگہوں پر نہی کا صیغہ کہیں بھی مشورہ کے لئے استعمال ہوا ہے، اس کی کوئی نظیر ہے؟ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''إذا أمرتكم بشئ فأدوا مااستطعتم وإذا نهيتكم عن شئ فانتهوا'' ان مقامات پر اگر نہی مشورہ کے معنی میں ہے، اور اس کی کوئی نظیر ہو تو آپ وضاحت فرمائیں۔

اس کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ ''قبل بدو الصلاح'' والی جو حدیث ہے کیا یہ حدیث معلول بالعلۃ ہے؟ جیسا کہ عارض نے کہا کہ اس کو معلول قرار دیا جائے تو کیا حدیث کے معلول بالعلۃ ہونے کا کوئی قرینہ موجود ہے؟ یہ غور کا پہلو ہے، اور آخری بات پھلوں کی کیفیت کی بات ہو رہی تھی کہ پھل اتنا نکل آئے وغیرہ اور اس کے بعد اسے فروخت کیا جائے، عام طور سے جو باغات کی خرید وفروخت ہوتی ہے وہ پھلوں کی کیفیت پر نہیں ہوتی، اور جو اس وقت رائج ہے کہ پھل آنے سے پہلے ہی باغ فروخت کر لئے جاتے ہیں، جب پھل آنے سے پہلے باغوں کی خرید وفروخت ہوتی ہے تو پھر کیفیت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ یہ تین چیزیں تھیں جن کی طرف توجہ دلانی تھی، اگر اس طریقہ سے اس مسئلہ کو حل کر لیا جائے تو شاید مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

مفتی ظہیر احمد کانپوری:

مفتی نادر قاسمی صاحب نے جن باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، اس کے قریب قریب ہمارا بھی کہنا یہ ہے کہ دراصل لوگوں کے درمیان جو مروج شکلیں ہوتی ہیں اور وہ رواج پا جاتی ہیں تو ان کے رواج پانے کی وجوہات کیا ہوتی ہیں، جسے ہم لوگ فقہی طور پر عموم بلوی کہتے ہیں جیسا کہ ابھی کہا گیا۔ میرے سوال کا محور سوال نمبر ۴ اور اس کی ذیلی شقیں ہیں خاص طور سے، اس میں سب سے زیادہ ارذل جو شکل ہو سکتی ہے وہ پہلی ہی ہے کہ پھل آئے نہیں اور یہی زیادہ مروج ہے اور یہ صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہے، اور ایک پھل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سارے پھلوں کے ساتھ ہے، ایسا ہوتا ہے کہ سالوں سال یا ایک سال کم از کم ورنہ سالوں سال تک کے لئے وہ لوگ خریدتے ہیں، ہم کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ تو بظاہر پھل بول رہے ہوتے ہیں، لیکن ان کا جو منشا ہے وہ دیکھیں تو کافی حد تک وہ درختوں کے بارے میں ہی ہوتا ہے، چونکہ صرف وہ پھل خرید رہے ہیں اور پھل آئے نہیں ہیں تو تصرف سارا کا سارا وہ پیڑوں پر کرتے ہیں، اس میں وہ کھاد بھی دیں گے، پانی بھی دیں گے، کیڑے مار دوائیں بھی دیں گے، وہ کہاں دیں گے پھل تو آئے ہی نہیں، انہوں نے بات چیت تو پھلوں کی کی ہیں، لیکن سارا جو تصرف ہے وہ اصل پھلوں کی جو بنیاد ہے درخت اس پر ہوتا ہے، وہ اصل ان کا مقصد ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ جو شکل ہے جو ابھی پیش کیا گیا ناجائز ہونے کی وجوہات میں ہے، پھر چونکہ اس کے اندر ہو سکتا ہے کہ پھل آئے ہی نہیں

ایسا ہوسکتا ہے، یہ شق پائی جاتی ہے، لیکن یہ شق ایسا ہے، جیسا ننانوے فیصد تو پھل آتے ہی نہیں، ایک فیصد یا اس سے بھی کم ہی آتے ہیں، اسی وجہ سے یہ چیز رواج پاتی ہے، ورنہ لوگ بیوقوف نہیں ہیں کہ ان کو گھاٹا بھی ہو خسارہ بھی ہو پھر بھی وہ اس طرح کے معاملات کریں، ابتلاء عام کی وجہ سے بھی اکثر یہی ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ کبھی کبھی عوام پہلے اس چیز کو جائز قرار دیتے ہیں بعد میں پھر ہم اس کو لے کر بیٹھتے ہیں، تو حقیقت یہ ہے کہ ہمیں پہلے ان کے منشاء کو سمجھنا چاہئے کہ وہ کس چیز کے بارے میں بیع کر رہے ہیں اور کیا ہے؟ تو اگر ہم اس کو درخت کے اوپر محمول کرلیں، یا جیسا مولانا نے کہا کہ اگر وہ زمین کے تابع کر کے زمین ہی کے بارے میں معاملات کریں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، عوام کے لئے ہمیں اس میں سہولت فراہم کرنا چاہئے، اور کوشش کرنی چاہئے کہ معاملات کے سلسلے میں کہ جہاں تک ہوسکے اگر کوئی جواز کی شکل بنتی ہے تو اس کو ہم جائز قرار دیں، ورنہ عوام نے تو اس کو جائز قرار دے ہی دیا ہے۔

مفتی محمد عثمان بستوی:

یہ جو بحث چل رہی ہے بیع معاومہ، بیع سنین، یعنی پھلوں کے آنے سے پہلے بیع کی، اس کے عدم جواز پر تو اتفاق ہے ائمہ اربعہ کا اور منصوص احادیث ہیں، اس سلسلہ میں تو کوئی کلام ہی نہیں، اب بات آتی ہے پھلوں کے آنے کے بعد کی کہ پھل درخت پر ظاہر ہو جائے تو اس کی بیع، بشرط الترک اور بغیر شرط الترک تو اس میں عرف اگر ہو شرط ترک کا کہ عرفاً پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کا رواج ہو گیا ہے تو اس کے جواز میں بھی حنفیہ کے یہاں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ جن پھلوں کو درختوں پر باقی رکھنے کا رواج نہیں ہے اس کو اگر پھلوں کے آنے کے بعد بشرط الترک خریدا جائے، بیچا جائے تو ایسی صورت میں خریدنے والے کے لئے جو اس میں بڑھوتری ہوگی جو اضافہ ہوگا وہ طیب اور مباح ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں دو آراء نقل کی گئی ہیں: ایک چونکہ اجازت اس کے ضمن میں پائی گئی ہے تو جب اجازت پائی گئی ہے تو اس اجازت کے ضمن میں جو اضافہ ہوگا وہ مباح ہوگا، لیکن بزرگ حضرات فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب عقد فاسد ہو تو اس میں جو اجازت پائی جاتی ہے تو اجازت جو ہے وہ صحیح مانی جائے گی یا نہیں مانی جائے گی؟ تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اجازت صحیح ہوگی، تو اس کو بنیاد بنا کر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جو اجازت پائی گئی ہے اس کے ضمن میں جو اضافہ ہوگا وہ مباح اور طیب ہوگا، لیکن راجح اور اقوی بالدلیل حضرات فقہاء نے اس کو کہا ہے کہ جب اجازت جو اجارہ فاسدہ کے ضمن میں پائی جائے گی یا بیع فاسد کے ضمن میں پائی جائے گی تو وہ اجازت غیر معتبر ہوگی، اور جب اجازت غیر معتبر ہوئی تو پھر اس کی وجہ سے جو اضافہ ہوگا وہ طیب اور مباح نہیں ہوگا، صحیح کے لفظ سے تعبیر کیا، ''إذا بطل المتضمن بطل المتضمَّن'' کہ جو عقد مفسد ہے تو اس کے ضمن میں جو اجازت ہوگی وہ

اجازت بھی فاسد ہوگی، اس کا بھی شرعاً اعتبار نہیں ہوگا، یہ راجح مذہب ہے اور صحیح قول ہے، اس کے خلاف جو اقوال ہیں وہ نادر ہیں اور مرجوح ہیں، ورنہ تو بیوع فاسدہ کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جائے گا، اس لئے کہ آپ یہ کہیں گے کہ جو اضافہ ہوا جو نفع ہوا مبیع میں وہ تو اجازت کی وجہ سے حاصل ہوا، اس لئے وہ مباح اور طیب ہے، اس لئے بیع فسخ کو واجب کرنا اور نفع اٹھانا یہ سب جو فقہاء نے مسائل مرتب کئے ہیں اس پر، یہ سب بے معنی ہو کر رہ جائیں گے، اس لئے اس سلسلے میں مجھے یہ باتیں عرض کرنی تھیں۔

دوسری بات کچھ درخت پر پھل آ گئے ہوں کچھ پر نہ آئے ہوں یا ایک درخت کے کچھ پھل آئے ہوں کچھ نہ آئے ہوں تو ایسی صورت میں بیع کا کیا حکم ہوگا؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر درخت متحد الجنس ہے، یعنی ایک ہی قسم کے درخت ہیں تو اس میں کچھ پھل آئے کچھ نہیں آئے ہیں تو جو نہیں آئے ہیں تو اس کو تابع مان کر کے موجود کے تابع مان لیا جائے گا، اور بیع کو صحیح کہا جائے گا، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے اور ضرورت کی وجہ سے اس کو جائز کہا گیا ہے، حضرت امام محمدؒ کا یہی قول ہے اور علامہ شامی نے اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے ضرورۃً للناس، البتہ ایک صورت یہ رہ جاتی ہے کہ جب درخت مختلف الجنس ہو تو کیا حکم ہوگا؟ تو اس پر تائید اور ترجیح اس کو دی گئی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ درخت چاہے مختلف الجنس ہوں یا متحد الجنس ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ معدوم کو موجود کے تابع کرنا ہے تو جب اس درخت پر چاہے وہ متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں جب پھل موجود ہیں تو تابع کس کو کر دیا جائے گا جو معدوم ہے، اس لئے یہ فرق کرنا کہ درخت مختلف الجنس ہے یا متحد الجنس ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور ایک بات یہ بھی عرض کرنی ہے کہ جو درخت سال بھر پھلتے رہتے ہیں جیسے مرچ کا درخت ہے، یا اسی طرح سے امرود، ناسپاتی وغیرہ کہ جن پر سال بھر پھل آتے رہتے ہیں، تو اس سلسلہ میں ظاہر ہے کہ حضرات فقہاء نے آسانی پیدا کر دی ہے کہ ان درختوں کو جڑوں کے سمیت خرید لیا جائے، ان پر پھل آتے رہیں گے سال بھر اور وہ ان کا مالک ہوتا رہے گا، اس میں پھل کو خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں، حضرات فقہاء نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے، اس لئے اس میں زیادہ کوئی پیچیدگی ہوگی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اور ایک بات وہ ممانعت والی کہ ممانعت ارشادی ہے کہ تحریمی ہے، تو دیکھئے ایک ہے بیع معاومہ اور بیع سنین، اس میں تو حرمت قطعی ہے اور نص سے ثابت ہے، اس میں یہ کہنا کہ نہیں ارشادی ہے اور حکمت پر مبنی ہے، مکروہ تنزیہی ہے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے، البتہ بدو صلاح والا جو مسئلہ ہے اس میں واقعہ خود دلالت کرتا ہے کہ نہی ارشادی ہے مکروہ تحریمی نہیں، بلکہ تنزیہی ہے، اور حضرات فقہاء نے بدو صلاح سے قبل بیع کی اجازت بھی اسی وجہ سے دی ہے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

زیر بحث مسئلہ کے متعلق سوالنامے اور اس کے بعد پھر عرض کے تعلق سے تقریباً تمام پہلو سامنے آ گئے ہیں، مجھے صرف دو باتیں عرض کرنی ہیں، مفتی محمود صاحبؒ ۸۶ء میں کشمیر تشریف لائے تھے، اور کشمیر میں باغات کافی ہیں، بار بار حضرت کی خدمت میں یہ سوال آتا تھا کہ باغات کئی کئی سال کے لئے بیچے جاتے ہیں تو کوئی شکل بن سکتی ہے یا نہیں، تو حضرت نے مختلف موقعوں پر مختلف ارشادات فرمائے، لیکن اخیر میں فیصلہ کن بات کہی کہ بھائی زمین کرائے پر دے دو۔ پھر ہم لوگوں نے سوال کیا کہ کرایہ پر دینے کے بعد جو گھاس ہوگی اس کا کیا ہوگا تو کیا وہ بھی اس شخص کی ہوگی؟ اگر درخت ٹوٹ گیا تو کیا ہوگا؟ تو کہا: وہ بھی اسی شخص کا ہوگا، اب ہم سوال کرتے تھے کہ یہاں تو رائج نہیں ہے، تو حضرت عجیب سوال کرتے تھے کہ جب تم لوگ بیچتے ہو تو کیا پھل موجود ہوتا ہے؟ عرض کیا گیا: نہیں پھل موجود نہیں ہوتا ہے۔ کہا: نہ زمین بیچی جاتی ہے، نہ درخت بیچا جاتا ہے جبکہ دونوں چیزیں موجود ہیں، تیسری چیز جو بیچی جاتی ہے وہ موجود ہے نہیں، اس طرح بہت سارے لوگ جو باغ کے کام کرنے والے تھے ان کو مطمئن کیا اور حل یہ نکالا تھا۔

دوسری بات جو یہ کہی جارہی ہے کہ تعامل کی بنیاد پر ہم اس میں جواز کی رائے لے لیں تو تعامل تو نصوص کے معارض ہے، ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ پھل آنے سے پہلے پھل بیچا نہیں جاسکتا، نصوص موجود ہیں، تعامل کی بنیاد پر اگر یہ فیصلہ کریں گے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے فقہ کے تمام ابواب جہاں یہ بحثیں ہیں اور شروحات حدیث میں جہاں یہ بحثیں ہیں ان تمام سے ہٹ کر کے ہم باہر نکل آئیں گے، تو تعامل کی بنیاد پر جواز کی شکل اختیار کرنا بہت مشکل ہے۔

تیسری چیز بتائی جارہی ہے کہ کچھ پھل موجود ہو اور کچھ پھل معدوم ہو، ہمارے یہاں بعض باغات ایسے ہیں کہ ایک ہی باغ کے اندر سیب بھی ہے، ناشپاتی بھی ہے، چیری بھی ہے اور بادام بھی ہیں، اور چیری اس وقت آتی ہے جب سیب ابھی آیا بھی نہیں ہوتا ہے، تو اب جب باغ بیچا جاتا ہے تو پورے باغ کو بیچا جاتا ہے، وہاں ایسا نہیں ہے کہ چیری کے درختوں کو الگ بیچیں گے، ناشپاتی کے درختوں کو الگ بیچیں گے بادام کے درختوں کو الگ بیچیں گے، پورے باغ کی بیع ہوتی ہے، اور عملاً ایسا ہو بھی نہیں سکتا، باغ والا کیسے کہے گا کہ اس باغ میں سے اتنے درختوں کو بیچ رہا ہوں آج اور باقی پچاس درخت بیچوں گا دو مہینے کے بعد، سیبوں کے اندر بھی کچھ قسمیں ایسی ہیں جو بالکل شروع میں ہی تیار ہوجاتی ہیں اور کچھ قسمیں ایسی ہیں جو آج کل اتاری جارہی ہیں، یعنی کچھ تو سیب ایسے ہیں جو اپریل میں اتر کر ختم بھی ہوگئے، اور کچھ سیب ایسے ہیں جو آج ستمبر میں اتارے جارہے ہیں، تو اب ایک ہی مرتبہ کچھ کو معدوم کچھ کو موجود مان کر کے بیع کرنا یہ بھی مشکل ہے، کچھ درخت ایسے ہیں جن میں پھل آرہا ہے لوگ کھا رہے ہیں اور کچھ میں پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، جیسے انجیر، انجیر کا درخت ہمارے یہاں ہوتا ہے،

لوگ تین چار مہینے تک انجیر کھاتے رہتے ہیں، ایک ہی درخت میں پھل پک چکا ہے، لوگ اتار رہے ہیں کھا رہے ہیں، دوسرا پھل ابھی آیا ہی نہیں اگرچہ انجیروں کے درختوں کی بیع نہیں ہوتی ہے وہاں، لیکن بہرحال انجیروں کے درختوں کا حال یہی ہے کہ لوگ توڑ رہے ہیں کھا رہے ہیں اور دوسرے پھولوں پر ابھی پھل آیا ہی نہیں ہے، بلکہ بعض ٹہنیوں پر ابھی پھول بھی نہیں آیا ہے۔

بہرحال اگر تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے یہ شکل بنتی ہو کہ زمین کو اگر اجارہ پر دینے کا معاملہ بنے تو شاید سہولت ہو جائے گی، اس کے بعد بشرط القطع اور بشرط الترک کی قیدیں تو ہم فقہاء کی مجلسوں میں کر سکتے ہیں، لیکن عوام میں بشرط القطع اور بشرط الترک کی قیدیں لگانا اور لوگوں کو اس پر کھڑا کرنا آسان نہیں ہے، اگر ہم قیدوں کے ساتھ کہیں گے کہ یہ والی شرط اختیار کرو تو جائز ہوگی اور یہ والی شرط اختیار کرو تو ناجائز ہوگی، تو بعض دفعہ چونکہ دین سے دوری کا دور ہے لوگ یہ کہیں گے کہ بھائی یہ تو دین کو اتنا الجھا دیا ہے ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ شکل اختیار کریں ان قیدوں کے ساتھ، چونکہ معاملہ عوام کا ہے اور وہ لوگ ہیں جو باغوں کو بیچنے والے ہیں خریدنے والے ہیں، ان تمام قیودات کی رعایت ان سے کروانا آسان نہیں ہے، ہم کاغذ پر تو لکھ کر دے سکتے ہیں کہ ان شرطوں کے ساتھ یہ والی بیع جائز ہے، ان شرطوں کے ساتھ یہ والی بیع ناجائز ہے، لیکن عوام کے سر کے اوپر سے نکل جائے گا، ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اور حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی رائے کو سامنے رکھ کر اگر اجارہ کی شکل بن سکتی ہو تو شاید اطمینان بخش ہو سکتا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

مسئلہ بہت ہی اہم اور عملی ہے، یہ جو زندگی ہماری ہے اس سے وابستہ ہے، پھلوں کا جو معاملہ ہے، پھلوں کی بیع وشراء کا تو ظاہر ہے کہ اگر پھل کچھ آ چکے ہیں تو اس مرحلے کے بعد کا مسئلہ اتنا سخت نہیں ہے کہ گنجائش تو فقہاء کے یہاں بعض مسلک میں آپ کو مل جائے گی، موجود چاہے تھوڑا ہی ہو اس کے تابع قرار دے کر معدوم کو ہم صحیح قرار دیں گے، تو وہ مسئلہ زیادہ زیر بحث آنے کی میرے خیال سے ضرورت نہیں ہے اور اس میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں، مسئلہ بنیادی طور پر جو زیادہ قابل غور ہے وہ یہی ہے کہ سرے سے کوئی چیز آئی ہوئی نہیں ہے اور ایک سال کے لئے دو سال کے لئے چار سال کے لئے باغ کے پھلوں کو بیچا جا رہا ہے، اس میں ایک ہی قسم کے پھل درخت پر ہو سکتے ہیں کئی قسم کے ہو سکتے ہیں تو ظاہر ہے کہ جو احادیث ممانعت کی ہیں "نهى رسول الله ﷺ عن بيع المعاومة، عن بيع السنين" کثیر روایات ہیں، اور اس میں جو مفتی نادر صاحب نے سوال اٹھایا ہے، علماء کی مجلس ہے تو سوال اٹھنا ہی چاہئے اور اس پر غور ہونا چاہئے، اور ایسا نہیں ہے کہ نہی کا استعمال جہاں کہیں بھی ہو وہ تحریم کے لئے ہو قطعیت کے لئے ہو، تھوڑی محنت کریں گے تو ماشاء اللہ بہت سی ایسی جگہیں مل

جائیں گی احادیث میں کہ صیغہ نہی کا ہے لیکن وہاں تحریم یا قطعیت مراد نہیں ہے یا امر کا صیغہ ہے لیکن وجوب مراد نہیں ہے، تو بہر حال ایک تو یہ علمی گفتگو ہے جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے۔ یہ جو بیع سنین کا مسئلہ ہے، پھل سرے سے موجود نہیں ہے، اس کے بیچنے کا مسئلہ ہے، تو میرا ابھی خود خیال یہی ہے کہ اس کی اجازت دینا یہ گویا صریح ان حدیثوں کی مخالفت ہے جو ممانعت کے تعلق سے ہے اور بہت سی روایتیں ہیں، اور مجھے یاد پڑتا ہے کوئی صاحب اس کی تائید کریں ابن قیم نے اس پر پوری بحث کی ہے، ابن تیمیہ نے اس پر گفتگو کی ہے کہ جو صورت حال ہوگئی ہے عمداً اس میں تقریباً اسّی نوے فیصد اسی طرح کی بیع ہو رہی ہے کہ ابھی پھل کچھ نہیں آیا اور معاملہ ہو جا رہا ہے، تو عام طور سے جو پھل فروخت ہوئے ہیں یہ سمجھئے کہ ظن غالب کی بنیاد پر، اسی انداز سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ پھل بکے ہوں گے تو گویا ہم پھل نہ کھائیں، فتوی کی بات نہ ہو کم سے کم تقوی کی بات تو ہونی چاہئے، بہر حال اس میں بہت ضرر ہے۔

اور جب آپ یہ بات فرما رہے ہیں یا جو مفتی نذیر صاحب نے بات رکھی ہے اجارہ والا مسئلہ جو مفتی محمود صاحب نے فرمایا، وہاں کے حالات کے اعتبار سے اور وہاں کی جو ضرورت ہے اس کے اعتبار سے کہ بھائی اس میں کوئی بڑا حرج نہ ہو، اجارہ اس شکل میں کہ باغ ہے پورا، درخت لگے ہیں اور بھی کچھ چیزیں ہو سکتی ہیں، کرایہ پر دے دیا گیا دو سال کے لئے، تین سال کے لئے، اس اجارہ کی گنجائش اگر ہمارے یہاں نہ ہو، کچھ دوسرے فقہاء کے یہاں اس کی گنجائش ہو تصریحات دیکھ لی جائیں ساری چیزیں دیکھ لی جائیں تو یہ راستہ زیادہ محفوظ راستہ ہوگا، اگر اس طرح کی گنجائش کی بات ہم سوچتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ پھلوں کی بیع کی بات صرف کریں گے اور بیع کے باب میں آئیں گے تو بیع کے باب میں جو روایتیں ممانعت کی ہیں، بیع معاومہ کی ہے، بیع سنین کی ہے، وہ اتنی کثیر اور صریح ہیں کہ اس کے بعد مسئلہ مختلف ہو جائے گا، ''بدو صلاح'' کا مسئلہ جسے مولانا عثمان صاحب نے فرمایا کہ بھائی حنفیہ کے یہاں گنجائش کا مسئلہ ہے، تو جو نہی ہے اس کو ہم ارشاد پر یا مکروہ تنزیہی پر محمول کرتے ہیں، اسی بنیاد پر گنجائش ہمارے فقہاء نے دی ہے، تو ہم جب تلاش کریں آیتوں کو اور حدیثوں کو تو اس بات کو ہمیں ضرور دیکھنا چاہئے۔

ذرا میں دوسرے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ بھائی طلاق کے مسئلہ میں ہماری عدالتوں نے بہت سی چیزیں لازم قرار دی ہیں۔ ''فعظوهن، واهجروهن في المضاجع واضربوهن''، یہ پورا طریقہ گویا قرار دیا انہوں نے طلاق کا، اس کے علاوہ جو آیت تحکیم والی ہے: ''وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها'' امر کا صیغہ ہے تو انہوں نے گویا یہ سمجھا کہ امر تو وجوب کے لئے ہوتا ہے تو گویا اس کے بغیر جو طلاق دی گئی وہ معتبر نہ ہو، لیکن قرآن کریم میں آپ خود پڑھیں گے کہ امر ہے مگر وجوب کے لئے نہیں ہے: ''وأشهدوا إذا تبايعتم'' اشہاد کا امر ہے،

لیکن کیا ہر بیع میں آپ لازم قرار دیتے ہیں، اور بھی کتنی چیزیں ہیں، بات یہ ہوتی ہے کہ ٹھیک ہے امر کا صیغہ ہے، لیکن امت کا اگر عمل اس پر دورِ صحابہ سے نہیں رہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو استحباب پر محمول کیا گیا، اس کو امرِ وجوب نہیں مانا گیا، یہ جو نہی کا مسئلہ ہو یا امر کا مسئلہ ہو، کہاں تحریم کے لئے ہے، کہاں ارشاد ہے، کہاں تنزیہہ کے لئے ہے، کہاں وجوب کے لئے ہے، کہاں استحباب ہے یا مشورہ ہے، ان سب کی تعیین کرنے میں ہمارے فقہاء نے تمام باتوں کا دھیان رکھا ہے، سیاق و سباق کا بھی لحاظ رکھا ہے، اور صحابہ کا عمل اور خلفاء راشدین کا عمل، امت کا عمل ان صدیوں میں کیا رہا ہے ان سب کو دیکھتے ہوئے ان چیزوں کو طے کیا۔

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ یہ جو گفتگو چل رہی ہے اگر اجارہ کی بنیاد پر کوئی راستہ نکلتا ہے جیسے ہمارے بعض علماء نے فرمایا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے اطمینان کے ساتھ، اور اس بنیاد پر اگر ہم کوئی راستہ نکالتے ہیں تو بہتر ہوگا، بجائے اس کے کہ ہم ان حدیثوں کو بالکلیہ اہمال کر کے عموم بلوی کی بنیاد پر یا کسی اور بنیاد پر اس کو ہم نظر انداز کریں، یہ راستہ خطرناک ہے، بہرحال پورے احتیاط کے ساتھ آپ حضرات اس پر غور کریں گے اور کمیٹی اس پر غور کرے گی، یہی باتیں مجھے عرض کرنی تھیں۔

صدارتی خطاب:

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اُما بعد! یہ موضوعات سے متعلق ہماری چوتھی نشست تھی اور عموم بلوی کی قبیل کی اور ہماری ضروریات زندگی اور کاروباری لحاظ سے بڑا اہم موضوع تھا، کافی تفصیل سے چیزیں آئیں اور لکھی گئیں ہیں محنت سے، اس میں ایک بات تو ابھی مولانا نے فرما ہی دی ہے، مولانا نادر صاحب نے جو بات فرمائی کہ امر تشریعی، امر ارشادی، اور امر ارشادی بھی دراصل امر ہر جگہ وجوب کے لئے نہیں ہوتا، ہاں اکثری ہوتا ہے، تو ارشادی تو استحباب کے ضمن میں اور اُدھر چلا جاتا ہے، ایسے ہی نہی تشریعی ہوتی ہے اور نہی ارشادی بھی ہوتی ہے، ارشاد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بعض احکام ہم کو ہماری دنیوی مصالح کے تحت دیئے جاتے ہیں، جو احکام ایسے ہیں کہ جن میں عبادات کا پہلو یا مثلاً حقوق العباد کے ایک عمومی معاملہ کا پہلو ہو تو وہاں تو تشریعی ہوتی ہے، لیکن جہاں کچھ حالات ہوتے ہیں کچھ حالات پیش آسکتے ہیں جیسے بدو صلاح کا مسئلہ، حنفیہ کے یہاں بدو صلاح کی نہی جہاں تک مجھے خیال ہے یہ تنزیہی اور تشریعی ہے، روایات میں اس سلسلہ کی یہ بات موجود ہے کہ بعض مواقع پر حضور اکرم ﷺ نے توجہ دلائی کہ بھائی تم نے سودا پہلے کر لیا اور اس کے بعد نقصان ہوا، باغ کا مالک اس میں پھل آنے کے بعد بیچا، بدو صلاح سے پہلے بیچا، اب اس کے بعد آفت آئی، اور حنفیہ کے یہاں بدو صلاح کا مصداق

"امن من العاھة" ہے،بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔دوسری چیزیں بھی موجود ہیں،تو اب نقصان ہوگیا فصل کا،تو فرمایا آپ ﷺ نے کہ بھائی تم کس بنیاد پر اس سے پیسے لوگے،تم کو پیسے دے کر جو چیز اس نے خریدی اپنے نفع کو سوچ کر وہ تو اس سے محروم رہ گیا،روایات میں یہ چیزیں موجود ہیں جن کی بناء پر یہ بات فرمائی گئی۔

نمبر دو یہ جو معاومہ والی بیع ہے جس میں پہلے عرض میں تفصیل سے گفتگو آئی،وہاں جو نہی ہے یہ نہی ارشادی اور تشریعی نہیں ہے اور بظاہر ہو بھی نہیں سکتی،اس لئے کہ بدو صلاح میں پھل آچکا ہے پھر بیع ہو رہی ہے اور پھل ابتدائی حالت میں ہے،اور بیع معاومہ وغیرہ میں یہ بات پیش نظر ہے کہ پھل آیا ہی نہیں،یعنی مبیع موجود ہی نہیں ہے،معدوم کی بیع ہے،تو جب ایک چیز معدوم ہے،حتی کہ بازار میں موجود ہے لیکن بائع کے پاس موجود نہیں ہے۔حکیم بن حزامؓ کی روایت میں مضمون کچھ اس طرح کا ہے،جیسا کہ مجھے یاد آتا ہے کہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی مجھ سے سامان خرید رہا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہے تو کیا میں بیچ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:نہیں،"لا تبع ما لیس عندک"،ایسی صورت میں یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک دکاندار وعدہ بیع کا معاملہ کرے،آرڈر دیا گیا،منگوا دیجئے،دوسرے نے کہا:منگوا دیں گے،اب جب سامان آئے گا لین دین ہوگا،تب بیع ہوگی،اس سے پہلے وعدہ بیع ہے،جو سامان موجود نہیں ہے بائع کے پاس اور اس کا جو معاملہ ہو رہا ہے وہ بیع نہیں ہے وہ وعدہ بیع ہے،تو یہ جو"معاومہ"والا مسئلہ ہے یہاں معاملہ یہ ہے کہ ابھی مبیع ہے ہی نہیں سرے سے،تو کیسے یہ سودا ہو جائے گا،اس کی ممانعت واضح ہے،بہت مختلف لفظوں میں ہے،عام کاروبار مثلاً دکانوں کے سامان کے لئے تو "لاتبع مالیس عندک" ہے،یہ بھی اس کے تحت آتا ہے اور اس کے لئے مستقل نصوص موجود ہیں۔

ایک بات یہ کہ ابھی عرض میں جو تشریح اور تفصیل کی گئی اور علماء سے اقوال نقل کئے گئے کہ"معاومہ"کا کیا مفہوم ہے اور سنین کا کیا؟ تو اس میں یہ بات بھی آگئی کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہے زمین کو کرایہ پر دینا کئی سال کے لئے،یہ بات سمجھ میں نہیں آتی،اگر مفہوم ہے درخت وغیرہ کے ساتھ کرایہ پر دینا تب تو ٹھیک ہے،لیکن خالی زمین کو کرایہ پر دینے پر عدم جواز کا مسئلہ یہ نہیں سمجھ میں آتا ہے،اس لئے حدیث جو ہے:"نھی النبی ﷺ عن کراء الأرض" تو اب کراء الأرض کا تعلق مزارعت سے قرار دیا گیا ہے،مزارعت کا جو رواج تھا اس سے قرار دیا گیا،خالی کھیت کو مثال کے طور پر،خالی زمین کو کرائے پر لینے والا اپنی مصلحت سے جیسے اس کو استعمال کرے وہ اس کے تحت داخل نہیں ہے،وہ ایک الگ چیز ہے،حتی کہ کھیت،کھیت کی زمین،ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ بٹائی وغیرہ کے طور پر دی جائے،جیسا کہ دیتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کرائے پر دی جائے ایک آدمی کو،اس سے نقد کرایہ لیا جائے اور زمین اس کے حوالہ کر دی جائے،اب تم جو جی چاہے کرو،اس میں نقد کے عوض پر جو معاملہ ہے وہ ائمہ اربعہ کے یہاں اتفاقاً جائز ہے،جہاں تک میں

جانتا ہوں اختلاف جو ائمہ اربعہ کا ہے وہ مزارعت میں ہے جس کو ہم لوگ اپنے عرف میں بٹائی کہتے ہیں، جس میں زمین لینے والا محنت کرتا ہے پیداوار پر اور پھر آدھا آدھا بانٹتا ہے، اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں بالکل جائز نہیں ہے، مثلاً امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے یہاں تبعا جائز ہے، فتوی بظاہر سب کے یہاں جواز کے ہی قول پر ہے، ابتلائے عام کی وجہ سے جو چلا آ رہا ہے، لیکن زمین کو نقد کے بدلے کرائے پر لینا یہ بظاہر کم از کم ہے قول، لیکن ائمہ اربعہ کے یہاں اس کو درہم و دینار کی بنیاد پر لیں اگر خالص روپے پیسے کے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، معاومہ کی یا سنین کی تشریح ''کراء الأرض'' سے کرنا اس مفہوم میں کہ مثلاً خالی زمین دے رہے ہیں پیسہ لے کر، یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

موضوع کی کافی تفصیل آ گئی، مولانا نے بھی وضاحت کر دی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ معاشی ذرائع میں قدیم زمانے سے زمین شامل ہے، جیسے ملازمت وغیرہ شامل ہے، تجارت شامل ہے، زمین شامل ہے، زمین کھیت کی اور کھیتی اور باغ اور باغبانی، اس کے لئے ہم کو نصوص میں تذکرہ مل رہا ہے مساقاۃ کا اور مزارعۃ کا، کن کن چیزوں کا تذکرہ مل رہا ہے، اور اس کے بہت سے جزئیات بھی مل رہے ہیں، روایات بھی ہم کو مل رہے ہیں تو وہ بڑی ضرورت کی چیز ہے، اور معاملہ یہ ہے کہ لوگ، عوام اپنی ضرورت کے مطابق معاملہ کرتے ہیں، جیسے مولانا ظہیر احمد صاحب نے فرمایا کہ عوام نے تو پہلے جائز کر لیا، اور ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے، آپ عوام کی بات کر رہے ہیں، اس وقت تو صورت حال یہ ہے کہ جو شکلیں آ رہی ہیں معاملات کی بازار میں، کتنے اہل علم ہیں بایں معنی کہ ہم جیسے مدرسے کے فارغین ہیں، یہ اسکیم جو چل رہی ہے اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس وقت مارکیٹ بھرا پڑا ہے طرح طرح کی اسکیموں سے، اور کتنے علماء کرام اس میں شامل ہیں، اب جب بات آتی ہے کہ یہ درست نہیں ہے، تو کہتے ہیں کہ فلاں فلاں صاحب کہہ رہے ہیں، ایک آدمی نے فتوی دیا کہ گنجائش سمجھ میں آتی ہے، کچھ دنوں کے بعد اس نے تحقیق کی، استفسار ہوا تو کہا کہ ناجائز ہے، تو اب لوگ ناراض ہو رہے ہیں، کیا بات ہے پہلے آپ نے جائز کہا تھا اب ناجائز کہہ رہے ہیں، مفتی واقعی اگر مفتی ہے تو وہ تو جو صورت حال سامنے آئے گی اس کے مطابق فتوی دے گا۔

اکیڈمی کی برکت سے ہم لوگوں کو جو سابقے پڑے ہیں خاص طور سے اسلامک بینکنگ کا جو موضوع چل رہا تھا تو اس میں یہ سب چیزیں بہت ہوئیں، صورتیں ماہرین بتاتے تھے، ہم ان پر رائے دیتے تھے، تو بسا اوقات یہ ہوتا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ پہلے تو تم نے کہا تھا یہ جائز ہے، تو جتنا انہوں نے بتایا تھا اس پر کہا تھا، اب آپ کچھ اور بتا رہے ہیں، جس میں بعض حضرات نے بعض دفعہ یہاں تک کہہ دیا کہ جب سب کو تم منع ہی کر دو گے اور سود کی بالکل گنجائش نہیں دو گے تو کیسے کام چلے گا، پھر مسلمان کیسے ترقی کریں گے؟ یہ نوبت آ چکی ہے اکیڈمی کے تحت محنتوں میں، تو عوام تو اپنے حساب سے کرتے ہیں، لیکن

جب ابتلاء ہوجاتا ہے تو سوچنا پڑتا ہے، اور کتنی چیزیں ہیں جو اصل سے ابتداءً چلی آرہی ہیں وہ دراصل تعامل اور رواج ہی پر مبنی ہیں بیوع اور معاملات وغیرہ کے باب میں، مزارعت کی جو شکلیں جائز ہیں ہمارے یہاں، مثلاً چار شکلیں معروف ہیں جہاں تک مجھے خیال ہے تو یہ رائج تھی اس وقت، اور بقیہ شکلوں کو منع کر دیا، لیکن مزید شکلیں متفق علیہ ناجائز نہیں، حنفیہ کے یہاں امام محمد اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، جبکہ یہ دونوں مزارعت میں امام احمد کے ساتھ ہیں کہہ لیں، لیکن ان میں اختلاف ہے اور پھر آپ دیکھیں تو جو ہمارے مشائخ ہیں ان کے فتوی کا ہمارے یہاں عرف یہ ہے، تو آج کل بھی شکلیں بدلی ہوئی ہیں، بیج دونوں دیں گے یا ایک دے گا تو پہلے جو شکل تھی بظاہر ایک کی تھی، اب دونوں کی طرف سے بیج، بلکہ اب مزارعت میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے دونوں کی طرف سے دیا جاتا ہے اور ہورہا ہے، ہمارے یہاں نہ سہی، بلکہ بعض دوسرے حضرات کے یہاں مجھے خیال پڑتا ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں اور امام احمدؒ کے یہاں، اگر بیج دونوں کی طرف سے ہے تو گنجائش ہے، عرفی چیزوں میں، میں نے یہ محسوس کیا کہ امام احمدؒ کے یہاں مروج معاملات میں بڑی وسعتیں ہیں، آج کے بہت سے معاملات اسی بنیاد پر حل ہو سکتے ہیں۔

مفتی تقی صاحب کی تعبیر و بیان میں کہ مضاربت فی الخدمت، مضاربت فی الخدمۃ ایک نئی چیز ہے، مارکیٹ میں ایک آدمی کا جانور دوسرے کی محنت، آمدنی دونوں میں تقسیم ہو، ہمارے یہاں کوئی گنجائش نہیں، اور اس طرح کی بہت سی شکلیں اس کے تحت آجائیں گی، لیکن امام احمدؒ کے یہاں گنجائش ہے، اب امام احمدؒ کے یہاں گنجائش ہوئی تو ایک آدمی کی گاڑی ہے دوسرا چلا رہا ہے، بہت ہورہا ہے، مفتی انور علی صاحب اور اعظم گڑھ کے بہت سارے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں گستاخی معاف فرمائیں، ایک مشین ہے دوسرا چلا رہا ہے، گھر گھر مشینیں لگی ہیں، خود گھر والا نہیں چلا رہا ہے دوسرا چلا رہا ہے، آمدنی آپس میں تقسیم ہورہی ہے، کرائے پر دینے کی بات نہیں، ایک صورت یہ ہے کہ ہم نے کار کرائے پر دے دی، ایک صورت یہ ہے کہ ہم نے اپنی مشین، کارخانہ کرائے پر دے دیا نہیں یہ نہیں، تم لے جاکر اس کو چلاؤ، آمدنی جو ہوگی ہمارے اور تمہارے درمیان اس طرح تقسیم ہوگی۔ مولانا نے اس کو نام دیا مضاربت فی الخدمۃ کا اور فرمایا کہ اگر ہم اس پر نہیں آتے تو اس وقت مروج بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت سے ہم عدم جواز کا فتوی دیں گے، نتیجۃً عوام ضیق میں پڑ جائیں گے۔

ہمارے بزرگوں اور اکابر کے یہاں جو شرح صدر رہا ہے اور جو اعتدال رہا ہے وہ یہ ہے کہ مروج معاملات میں حضرت تھانویؒ کے الفاظ ہیں اور اصلاً حضرت کے کہنے کے مطابق حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے اور کچھ ان لفظوں میں بعض مواقع میں نقل کیا گیا ہے کہ مولانا کی ہم لوگوں کو تاکید تھی، یہ حضرت جب مولانا بولتے تھے تو مراد حضرت گنگوہیؒ ہی ہوتے تھے، کہ معاملات میں جو چیزیں رائج ہیں ان میں گنجائش کسی مسلک اور مذہب کی نکلتی ہو تو اس میں ضرور رخصت دو، اس وقت

دین سے رشتہ کمزور ہے، گنجائش ملے گی تو لوگ خوش ہوں گے، ان کو محسوس ہوگا کہ ہمارے دین میں کتنی وسعت ہے، عبادات میں نہیں، معاملات میں اور کسی موقع پر حضرت نے یہ بھی فرمایا: جی چاہتا ہے کہ اس قسم کے معاملات میں، ایک کتاب لکھوں، تو حضرت کے یہاں ہم دیکھیں تو واقعہ یہ ہے کہ اپنے اکابر میں، بڑے ارباب افتاء میں جتنی وسعت کے فتاوی عرف پر، مذہب غیر پر اور قواعد کی بنیاد پر ملتے ہیں، دوسرے حضرات کے یہاں نہیں ملتے، مذہب غیر پر بھی کئی فتاوی، ہمارے یہاں بہت دنوں بات چلی، شاید اکیڈمی میں بھی آئی، تجویز بھی آئی کہ اس موضوع پر کام کرایا جائے، میں نے اپنے یہاں ایک فاضل کو لگایا اور ان سے ''امداد الفتاوی'' کا انتخاب کرایا جن کی اشاعت بھی ہوگئی ہے دیوبند سے۔ ''حضرت تھانوی کے بصیرت افروز فتاوی''اور وہ چار پانچ ابواب میں ہے، عرف کا باب ہے اور اس میں ضرورت کا باب ہے، اور اس میں مذہب غیر کا باب ہے، چھ حصوں میں جو حضرت کے فتاوی ہیں، اس میں سے انتخاب کرا کے اس کو شائع کرایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معاملات کا باب، عوام کی ضرورت کا یہ ایسا باب ہے جو چلا آرہا ہے شروع سے، حنفیہ کے یہاں اجارہ کا جواز خلاف قیاس ہے، حنفیہ کے یہاں ہے ضرورت کی بناء پر، چونکہ ایک چیز تھی اس پر کتنے مسئلے مبنی ہیں، لیکن دوسرے حضرات کے یہاں ایسا نہیں ہے، انہوں نے منفعت کو مال شمار کیا اور ہمارے یہاں منفعت کو مال نہیں شمار کیا گیا، اس کے علاوہ حدیثوں میں کئی مسئلے ہیں جن کا رواج تھا، ان کو باقی رکھا گیا، ہاں ان میں اصلاحات کی گئیں، جیسے سلم ہی کا مسئلہ ہے، سَلَم کا مسئلہ جو رائج تھا، لیکن اس کو مقید کیا گیا، روایات میں صراحتیں اس کی موجود ہیں، یہ یہ قیدیں ہوں گی، البتہ ان کی شرائط کی تفصیل میں ائمہ کا کچھ اختلاف ہے، اس قسم کے مسائل میں خاص طور سے ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس کو دیکھنا پڑے گا، جیسے بیع سلم ہے، اب بیع سلم کی ساری شرطیں چاروں مذاہب میں متفق علیہ نہیں ہیں، کئی شرطیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے، ان اختلافی شرطوں سے ہم ان چیزوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں، رواج میں اور تعامل میں ہونے کی بنا پر، چنانچہ اسی بنیاد پر مفتی رشید صاحب نے جو فتوی دیا ہے، یا حضرت تھانویؒ کے یہاں بعض مسائل میں سلم کے عنوان کو لے کر فتوی دیا گیا ہے یہ اسی وجہ سے دیا گیا ہے، بہر حال یہ مسئلہ اہم ہے اور انشاء اللہ کمیٹی دقت نظر سے غور کرے گی، اور اس میں یہ چیز حضرت مفتی محمود صاحب کے واسطے سے جو سامنے آئی ہے اس کو بنیاد بنالیں اگر تو پھر بہت اچھا ہے، بات ہی ختم ہوجائے گی، لیکن ظاہر ہے اس کو کچھ اور دیکھنا پڑے گا، اسی طرح ہمارے یہاں نہیں، لیکن اگر دوسرے حضرات کے یہاں گنجائش ہے اس میں، مسئلہ یہ ہے کہ ہم زمین کو کرایہ پر دے رہے ہیں تو زمین پر موجود جو چیزیں ہیں کیا زمین کے کرایہ کا عنوان آجانے سے ان ساری چیزوں سے ہم فائدہ اٹھا سکیں گے، یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے، گھاس اگ رہی ہے، پیڑ لگے ہیں، پیڑ ٹوٹ گیا تو کیا ہم اس پیڑ سے فائدہ اٹھا سکیں گے اور کیا اس کے تحت اس کی گنجائش ہوگی کہ جو پھل نکلے تو اس پھل سے ہم فائدہ اٹھالیں، جب کہ

کرایہ کا اصول تو یہ رہتا ہے کہ عین باقی رہے اور منفعت سے فائدہ اٹھائیں، تو یہ جو گھاس، درخت اور پھل ہے تو کیا یہ منفعت کے تحت آئے گا کہ اس زمین کو کرایہ پر دینے کی وجہ سے ہم ان سب چیزوں سے فائدہ اٹھائیں، یا اس سے باہر رہے گا، یہ غور اور تحقیق کر لینے کی بات ہے، کمیٹی کے حضرات اس نسبت سے کتابیں وغیرہ دیکھ لیں کہ امام احمدؒ وغیرہ کے یہاں کیا گنجائش ہے، اور خود حضرت مفتی صاحبؒ کا جو فتوی ہے وہ کیا ہے؟ اگر یہ فتوی دیا ہے تو ''محمود الفتاوی'' میں ہے کہ نہیں، خیال پڑتا ہے بات آئی ہے کہ اس طرح کسی اور نے بھی کہی ہے تو اس میں ہے کہ نہیں اور اس میں کیا تفصیلات ہیں، اسی پر یہ مجلس ختم کی جاتی ہے۔

☆☆☆